شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

فتاویٰ ثنائیہ

جلد اوّل

مُرتّبہ

مولانا محمد داؤد صاحب رازؔ

"ادارہ ترجمان السُّنّہ"

لاہور

فتاویٰ ثنائیہ

جس میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری کے
۴۴ سالہ فتاویٰ کو فقہی ترتیب کے ساتھ اس طرح مرتب کر دیا گیا ہے
کہ عبادات و معاملات کا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہا۔

محشّی بحواشی شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی

جلد اوّل

مرتبہ

حضرت مولانا محمد داؤد صاحب راز

ناشر

ادارہ ترجمان السنۃ، ۷ ایبک روڈ، لاہور

طبع	دوم
مطبع	اشرف پریس لاہور
تاریخ طباعت	فروری ۱۹۷۲ء
تعداد	۱۰۰۰
قیمت جلد اوّل مجلد	[redacted]/- روپے
قیمت جلد ثانی مجلد	[redacted]/- روپے
کامل مجلد	[redacted]/- 75/- روپے

150/-

طابع و ناشر

ادارہ ترجمان السنۃ

۷ ایبک روڈ ۔ انارکلی لاہور

فہرست مضامین فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

پچھلے برس یکم جون کو تفسیر ثنائی چھپواتے ہوئے ہم نے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ جماعت اہلحدیث کی بے حسی اور اپنے اکابر و اسلاف سے بے پروائی کے باوصف ہم اس کا تہیہ کئے ہوئے ہیں کہ اپنے ان علمی ذخائر کو منظرِ عام پر لائیں جو مختلف اسباب و وجوہ کی بنا پر گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں، اور جو اگر اب بھی بازار میں آ جائیں تو اس خلا کو بڑی حد تک پُر کیا جا سکتا ہے جو اس وقت ہم میں پیدا ہو چکا ہے۔

الحمد للہ کہ ہم اپنی بساط کی حد تک اور اپنے محدود وسائل کے ساتھ اب تک اس سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ثنائی اور امام العصر حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی سورۂ فاتحہ پر بے نظیر اور مفصل کتاب "واضح البیان" شائع کر چکے ہیں اور اب شائقین کے لئے "فتاویٰ ثنائیہ" ایسی ضخیم اور جامع و مکمل کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

فتاویٰ ثنائیہ کے بارہ میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اردو فتاویٰ میں یہ جامع اور صحیح ترین مجموعہ ہے کہ مولانا امرتسری علیہ الرحمۃ کی تحقیق اور ژرف نگاہی کے اپنے اور بیگانے سبھی معترف ہیں اور پھر مولانا داؤد راز نے اسے سلیقے اور طریقے سے مرتب کر کے اسے اور زیادہ مفید اور مستند بنا دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس میں کچھ تسامحات بھی ہوں گے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ کتاب و سنت کے اس قدر قریب اور مسلک سلف کے اس قدر مطابق فتاویٰ کا اور کوئی مجموعہ اردو میں موجود نہیں خصوصاً شیخ الاسلام کے علاوہ دیگر علماء اہلحدیث کی تحقیق و کاوش کو اس میں شامل کر کے کتاب کی اہمیت کو بہت زیادہ بڑھا دیا گیا ہے۔ اور پھر اس کی ترتیب اس خوبصورت انداز میں رکھی گئی ہے کہ ایک عام آدمی بھی اگر اس سے استفادہ کرنا چاہے تو بڑی خوبی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ انداز صاف ستھرا اور اسلوب سادہ اور عام فہم ہے اسی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ——

فتاویٰ ثنائیہ عام و خاص دونوں کے لئے یکساں مفید ہے اور اس کے ہوتے ہوئے آدمی بہت سی کتب سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اسے

تمام لوگوں کے لئے روشنی وہدایت کا ذریعہ بنائے اور اس کی نشر واشاعت میں ہاتھ بٹانے والوں کو اپنی نعمتوں سے مالامال کرے۔ آمین۔

ہمیں امید ہے کہ اس مبارک کتاب کے بعد ہم اپنے بزرگوں کی ایمان و نور سے معمور دیگر کتابوں کو بھی جلد سے جلد لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں گے۔ وباللہ التوفیق۔

احسان الٰہی ظہیر ۱۹ر جنوری ۱۹۷۲ء

مدیر ماہنامہ "ترجمان الحدیث" لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

افتتاح

از قلم یوسفی زماں، علامہ دوراں، عارف باللہ المتین حضرت الاستاذ مولانا ابو سعید شرف الدین صاحب دہلوی

الحمد للہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی :۔ اما بعد! شیخ الاسلام حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری مرحوم و مغفور کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ زمانہ اُن سے واقف ہے۔ تحریر اور تقریر سے جو اسلامی خدمات آپ نے انجام دی ہیں ان کا اعتراف نہ کرنا بہت بڑی ناشکری ہوگی۔ آپ نے قرآن مجید کی تین تفسیریں لکھیں اور ادیانِ باطلہ کی تردید و دینِ حق کی تائید میں بہت سی کتابیں اور رسائل لکھے۔ مخالفینِ اسلام نے قرآن مجید اور حضرت فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی کبھی بیہودہ اعتراضات کے لئے قلم اُٹھایا۔ آپ نے اُن کو دندان شکن جوابات دیئے۔ "اسلام اور مسیحیت" "جوابات نصاریٰ"، "تحریفاتِ بائیبل"، "حق پرکاش"، "ترکِ اسلام"، "کتاب الرحمٰن"، "مقدس رسول" اور بھی بہت سی کتابیں ہیں۔ جو اُن کے کمالِ علم کی بیّن دلیل ہیں۔

المعاصرۃ اصل المنافرۃ کے ماتحت آپ پر کچھ اعتراضات بھی ہوئے۔ نیک نیتی اور انصاف سے کسی کے کلام پر تنقید کرنا عیب نہیں۔ مگر تنقید کے لئے لازم نہیں کہ وہ کلیۃً صحیح ہو۔ ممکن ہے کہ ناقد ہی کی غلطی ہو۔ چنانچہ بعض اعتراض ایسے ہی تھے۔ میری نظر کے سامنے وہ اعتراضات بھی ہیں اور معترضین حضرات بھی۔ اس لئے میں علی وجہ البصیرت یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ جو جو اعتراضات ان کی تفسیر پر بعض علماء نے کئے، وہ اکثر غلو یا غلط فہمی یا حسد پر مبنی ہیں۔ اور ان میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے دین اللہ الاسلام یا مذہب اہل سنت والجماعت یا جماعت اہل حدیث سے اخراج لازم ہو۔ مولانا کے فضل و کمال کا اپنوں اور بیگانوں کو اعتراف ہے۔ بہت سے علماء حقانی اور اہل اللہ شاہد ہیں۔ جنہوں نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اور علم و اخلاص و تقویٰ میں آپ کو یگانہ دوراں پایا ہے۔ شکر اللہ مساعیہم۔

اخبار اہل حدیث امرتسر میں مولانا مرحوم کے فتاوے شائع ہوتے رہے۔ ان میں

بعض فتاوے یا سوالوں کے جوابات اپنے اندر بہت سی عجیب عجیب خوبیاں لئے ہوئے ہیں ایسی کہ شاید ہی اور فتاووں میں ملیں۔ اس لئے میرے عزیز شاعر اسلام مولوی محمد داؤد صاحب راز گڑگانوی سلمہ اللہ تعالیٰ کو یہ شوق دامنگیر ہوا کہ وہ ان متفرق فتاووں کو بہترین ترتیب و تشریح کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کریں۔ عزیز محترم نے جب یہ مسودہ برائے نظر ثانی میرے پاس بھیجا تو باوجود بہت سے عوارضات کے میں اس علمی یادگار کو نہ صرف دیکھنے کے لئے بلکہ موقع بموقع مختصر حسب ضرورت حواشی لکھنے کے لئے تیار ہوگیا۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ میں نے اسے از اول تا آخر دیکھ لیا ہے۔ اب آپ خود ملاحظہ کرلیں گے کہ یہ کیا چیز ہے ؎ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ عصمت تو نبوت ہی کا خاصہ ہے انبیاء علیہم السلام کے بعد کسے باشد ہر شخص سے غلطی کا امکان ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس میں فائدہ کتنا ہے۔ للاکثر حکم الکل ۔ خلاصہ یہ کہ یہ فتاوی بہت مفید اور کارآمد ہے عالم اور غیر عالم ہر ایک کے لئے مفید ہے۔ مگر نظر انصاف اور حق پسندی کی درکار ہے۔ ورنہ بے انصافوں نے تو قرآن مجید کے سلسلے میں بھی کہہ دیا تھا۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ؎

اشقیا را دیدۂ بینا نبود	نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود
اشقیا را حسن زشت آید پدید	حسن را با زشت بینند آں پلید

میں دعا کرتا ہوں کہ جامع فتاویٰ مولوی محمد داؤد صاحب راز اور اس کے جملہ معاونین خاص کر جناب سیٹھ محمد عیسیٰ صاحب و جناب سیٹھ عبدالستار صاحب و جناب سیٹھ احمد و سیٹھ محمد اسحاق صاحب عبدالغفور اینڈ سنس و جناب حاجی محمد ایوب صاحب بجوا گڑھی و جناب سیٹھ عبدالرحمٰن ولی محمد صاحب کپڑے والے و جناب قاری حکیم عبدالرحمٰن صاحب و جناب عبدالصمد سردار صاحب و جناب مولانا عبدالحق صاحب کرلا و جناب حاجی محمد ابراہیم صاحب و جناب عبداللہ مقادم صاحب و جناب حافظ محمد حسن صاحب و جناب محمد سلیمان صاحب و جناب حاجی باپو بھائی حاجی حسن بھائی صاحب نڈیاد والے اور جملہ معاونین حضرات ساکنان بمبئی و مالیگاؤں و بنارس و جناب حاجی محمد ایوب صاحب تنوج و جناب حاجی عبدالصمد عبدالرؤف صاحبان مئوائمہ و حضرات گنج ڈنڈوارہ و آگرہ و باڑی و بھوپال و ٹرسٹیان جامع اہلحدیث مومن پورہ بمبئی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ سب کے لئے اس صدقہ جاریہ کو قائم دائم رکھے۔ آمین اور جن علمائے کرام و فضلائے جماعت اہلحدیث نے اس علمی خدمت میں اپنے علمی تعاون اور مفید مشوروں سے حصہ لیا ہے اللہ تعالیٰ ان سب

کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ وَالسلام علیٰ رسولہ محمدؐ وآلہٖ وَاَصحابہ اجمعین۔

الراقم ابو سعید شرف الدین دہلوی

مقیم غلہ منڈی تاندلیانوالہ ضلع لائلپور پاکستان

۱۵ صفر ۱۳۷۲ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

دیباچہ

فتاویٰ ثنائیہ کے مؤلف کی حیثیت سے کچھ ذمہ داریاں مجھ پر عائد ہوتی ہیں۔ میری نظر انتخاب نے اس خدمت کو کیوں پسند کیا؟ حضرت مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اس دور متاخرین میں ایک عالم دین، محقق اسلام ہونے کی حیثیت سے کیا درجہ رکھتے ہیں؟ اپنی اس حقیر کوشش میں کہاں تک میں کامیابی حاصل کر سکا ہوں؟ ایسے ہی اور چند امور ہیں جن پر ایک ہلکی سی روشنی ڈالنا میرے لیے ضروری ہے۔

سب سے پہلے میں اس حقیقت کا اظہار ضروری جانتا ہوں کہ علم و عمل کے سرمائے کی حیثیت سے میں بالکل تہیدست ہوں۔ فتویٰ نویسی یا کسی عالم دین کے فتوے کی جانچ مجھ جیسے ناکارہ کا منصب نہیں۔ اس لئے فتاویٰ ثنائیہ کے ان کثیر التعداد اوراق پر آپ مجھ کو صرف ناقل پائیں گے۔ ہاں چند چیزیں ایسی ضرور ہیں جن کو میں نے اس فتاوے کی جمع و ترتیب میں زیادہ سے زیادہ اپنے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) حضرت مولانا مرحوم کے ذخائر فتاویٰ کو سامنے رکھ کر میں نے ایسے فتاووں کو منتخب کرنا چاہا ہے۔ جو عوام و خواص مسلمین کے لئے دینی امور میں آج کے حالات کے ماتحت بہترین رہنمائی کر سکیں

(۲) فروعی اختلافات سے دامن بچا کر بیشتر متفق علیہ مسائل کو لیا گیا ہے۔ اور امت مسلمہ کو مرکز اتحاد سے قریب لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ بمصداق اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ۔

(۳) یہ حقیقت ہے کہ کتاب و سنت پر صحیح معنوں میں عمل درآمد کرنے والے صرف ائمہ حدیث ہیں جو اقوال الرجال کو دینی امور کے لئے ماخذ نہیں قرار دیتے۔ اس لئے اسلامی مکاتیب خیال کے لحاظ سے اس "طائفہ حقہ" کے عقائد و مسلمات کا احترام میرے لئے ضروری تھا۔ اور عوام میں جماعت اہلحدیث کی طرف سے جو بدگمانیاں ہیں ان کو حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم و دیگر محقق علماء کی قلم سے رفع کرنا میرا فرض تھا۔ پس اگر آپ کہیں اختلافی مسائل کا کچھ پھیلاؤ پائیں تو اس کو ایسے ہی نیک جذبات کا نتیجہ یقین کریں۔

(۴) منقولہ مسائل اور فتاووں سے ادنیٰ سی بھی تشریحی مناسبت رکھنے والے بہتر سے بہتر علمی مقالے مجلدات اخبار "اہلحدیث" امرتسر مرحوم میں مل سکے ہوں یا دیگر علمی کتابوں و فتاووں میں خود مولانا مرحوم کے ہوں یا دیگر علمائے کرام کے ان کو بغرض استفادہ مناسب جگہ پر محفوظ کر دیا گیا ہے۔

ایک حقیقت

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مسلک اہلحدیث کا بنیادی اصول صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی پیروی ہے۔ رائے، قیاس و اجتہاد و اجماع سب کتاب و سنت کے ماتحت ہیں اسی اصول کی بنا پر اہل حدیث کے نزدیک ہر سمجھدار مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افراد امت کے فتاوے ان کے خیالات کو کتاب و سنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے ورنہ ان کو جواب دے دے۔ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوے۔ ان کے مقالہ جات اور دیگر علمائے ملت کے فتاوے اسی حیثیت میں ہیں۔ اور جملہ صلحائے امت نے بھی بالاتفاق یہی کہا ہے کہ ہمارے اقوال و فتاوی کو کتاب و سنت پر پیش کرو۔ اگر خلاف پاؤ تو اسے چھوڑ کر کتاب و سنت کو مقدم رکھنا۔ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات و فتاوی میں بھی جگہ جگہ یہ چیز آپ کو نمایاں نظر آئے گی۔ مولانا مرحوم کا تبحر علمی، ان کے گہرے تجربات، ان کے وسیع خیالات ان کی اسلام شناسی، ان کی تحقیق مذہبی، ان کے محققانہ و مناظرانہ اصول، ان کے تجربات یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم ان کے مقالہ جات، ان کے مضامین ان کی مصنفات اور ان کے فتاوی ہی سے اخذ کر سکتے ہیں۔ پس یہی ایک بنیادی چیز تھی۔ جس نے مجھ جیسے نااہل کو اس اہم ترین کام کے لیے آمادہ کر دیا۔

پڑھنے والوں میں اہل علم کا یہ اخلاقی، مذہبی، اسلامی فرض ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے جس فتوے سے اختلاف رائے رکھیں اور ان کی تحقیق میں مولانا اس مسئلے میں خطا پر ہوں تو بجائے طعن و تشنیع یا سب و شتم کے مولانا کے لیے دعائے مغفرت کریں اور حسن ظن سے کام لے کر اس کو مولانا مرحوم کے نسیان پر محمول کریں کہ یہی سلف صالحین کی روش ہے۔ اور تمام سلف ملت و ائمہ دین کے بارے میں ایسا ہی رویہ ہونا چاہیے۔ افسوس کہ جب سے امت نے اکابر کا احترام نظر انداز کر دیا۔ قسم قسم کے جھگڑوں اور فسادات میں مبتلا ہو گئے۔ نبی علیہ السلام ہی کا یہ مقام ہے کہ آپ معصوم عن الخطاء ہیں۔ آپ کے سوا امت میں ہر کس و ناکس سے غلطیوں کا امکان ہے۔ ایسا کون امام یا محدث یا مفسر یا مورخ ہے۔ جس کی ہر بات کو امت نے بالاتفاق تسلیم کر لیا ہو۔ لغزشیں سب سے ہوتی ہیں۔ آج ہم بڑے بڑے ائمہ دین کے

اقوال میں ایسی باتیں پا جاتے ہیں۔ جو کُھلے ہوئے مسلمات کے خلاف ہوتی ہیں مگر پھر ~

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

علمائے کے مطبوعہ فتاوے جو ملتے ہیں ان میں کوئی مجموعۂ فتاویٰ ایسا نہیں ملے گا جس کو امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو۔ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ محدثین اور مجتہدین کے فتاووں میں آپ کو اختلاف ملے گا۔ اس لئے کہ اختلاف کا بیشتر تعلق علم و فہم پر موقوف ہے۔ قدرتی طور پر یوں تو انسانی طبائع ہی مختلف ہیں اور پھر طبائع ہی پر کیا منحصر ہے۔ قدرت کی ہر شے مختلف ہے۔ ہر انسان کا دماغ قدرتی طور پر جس قسم کے رجحان اور ماحول میں تربیت پاتا ہے۔ ویسے ہی اس کے فکری رجحانات تیار ہوتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مفتیوں کے فتاوے اپنے رجحانات اور اپنے فکری ماحول کے محور پر گھومتے ہیں۔ متکلمین کے فتوؤں کو دیکھو۔ معقولیوں کے فتووں کو دیکھو۔ مقلدین ائمہ اربعہ کے فتووں کو دیکھو۔ محدثین کے فتاووں پر نظر ڈالو۔ صوفیاء کے ملفوظات کو دیکھو۔ ان کے فتاووں کو پڑھو۔ آپ کو اختلافات کا ایک سمندر ملے گا۔ ہم اپنے مفتی کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے سوا اور کوئی رجحان نہیں پاتے۔ یوں جب ہم اس کی ساری زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ ہمیں ایک طرف متکلمین کی صف میں نظر آتا ہے۔ تو دوسری طرف ہم اسے محدثین کی صف میں بیٹھا ہوا پاتے ہیں وہ سلف اور خلف اور مجتہدین اور محدثین کی نقل نہیں کرتا۔ بلکہ کتاب و سنت کے نصوص سے استشہاد کرکے ایسے طریقے سے اپنا فتویٰ لکھتا ہے کہ ایک عاشقِ کتاب و سنت اس کو پڑھ کر فوراً یہ ذہن نشین کر لیتا ہے کہ حق و صداقت اس فتوے کے ساتھ ہے۔ وہ اپنے فتوے کے لکھنے کے وقت یہ نہیں دیکھتے کہ زید کیا کہتا ہے اور بکر کا کیا خیال ہے۔ کسی حدیث کا ٹکڑا یا آیت قرآنیہ کا جملہ اپنے فتوے کے ثبوت میں پیش کرکے چند لفظوں میں فتویٰ چکا دیتے ہیں ہم یہ تو نہیں کہتے کہ وہ فرشتے تھے اور ان سے غلطی کا امکان ہی نہیں۔ ہاں البتہ یہ ضرور کہیں گے کہ حضرت علامہ مرحوم کا ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں وہ امت میں منفرد ہوں۔ ان کی تینوں تفسیروں کو ملاحظہ کرو۔ ادیانِ باطلہ کی تردید میں جو کچھ حضرت نے لکھا ہے اس کو پڑھ جاؤ۔ پورے پچاس سال کے اندر جس قدر لٹریچر ان کی قلم سے نکلا ہے۔ جس کا حجم پچیس ہزار صفحات کی ضخامت سے کم نہیں اس کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ اس دورِ پُرفتن میں اسلام کو سمجھنے میں ان کا مقام کیا ہے۔؟ بھلا جس نے قرآن مجید کا بے نظیر ترجمہ لکھا ہو۔ تین تین

تفسیریں لکھی ہوں۔ ادیانِ باطلہ سے اس کا مقابلہ ہوا ہو۔ کتاب وسنت کی حمایت کرتے کرتے اس کی زبان وقلم تھک گئے ہوں۔ مذاہب عالم پر اسلام کی فوقیت ثابت کرنے میں جس کی عمر کا بیشتر حصہ گذرا ہو۔ جس کے لیل ونہار اصلاح امت پر خرچ ہوتے ہوں جو مسلمانوں کے حالات کو دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھ رہا ہو جو اپنے بزرگوں کو یاد کر کے زار وقطار روتا ہو۔ جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ابطالِ باطل اور احقاقِ حق میں گزرا ہو۔ جس کی ساری زندگی اعلیٰ قسم کی مذہبی زندگی ہو۔ جو للہ فی اللہ طلباء اور عوام کو درس دیتا ہو۔ جس کے لیکچر اور تقریر سراسر پند ونصائح اور اخلاق حمیدہ کی تعلیم سے پُر ہوں جو بات بات پر قرآن مجید اور احادیث سے استناد کرتا ہو۔ جو کفر والحاد اور دہریت سے شب وروز ٹکر لیتا ہو جس کی علمی اور فکری جولانی سے ہندوستان کا ایک ایک عالم اس قدر متاثر ہو کر کفر واسلام کا جب بھی مقابلہ ہو تو ساری امت اسلامیہ اس کو پکڑ کر کفر والحاد اور دہریت کے مقابلہ میں لاکھڑا کر دیتی ہو جس کے غالب آنے کی شہادت خود اس کے مخالفوں نے دی ہو۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ کہ ایسا شخص دیدہ ودانستہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی فتوٰی دے۔ مگر پھر آپ انسان تھے عالم تھے مگر غیر معصوم تھے اس لئے کہیں نہ کہیں ان سے لغزش کا ہونا ممکنات سے ہے۔ اب ہمارا فرض یہ ہے کہ اگر ہمیں اپنی تحقیقات کی بنا پر کسی امر میں مولانا مرحومؒ لغزش خوردہ نظر آئیں گے تو اس سے ہم چشم پوشی کر کے اُن کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ ہماری فہم کا قصور بھی ممکن ہے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس مختصر سی سمع خراشی کے بعد میں اپنے موضوع کے اعتبار سے کچھ مولانا مرحوم کی بابت لکھنا چاہتا ہوں۔ ہر انسان میں بہت سی خامیوں کے ساتھ کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں۔ خامیوں کو نظر انداز کر کے خوبیوں کو لینا عقلاء زمانہ کا شیوہ ہے۔ استاد سعدیؒ نے اسی معنی میں فرمایا ہے ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ۔۔۔ ور نبشتست پند بر دیوار

میرے خیالِ ناقص نے جہاں تک رہ نمائی کی ہے اور مولانا مرحوم کے مقالہ جات اور ان کے سالہائے سال کے علمی اوراق کا جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے۔ میں مولانا مرحوم میں بہت سی قابل قدر خوبیاں پاتا ہوں۔ ایسی خوبیاں جو بہت کم لوگوں میں ہوتی ہیں۔ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا مرحومؒ ان مستثنوں میں تھے جن کے لئے کہا گیا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ۔۔۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

چونکہ اختصار مدنظر ہے۔ اس لئے میں صرف چند اشارات کروں گا۔ ورنہ مولانا مرحوم کی ذات والاصفات پر مکمل تبصرہ کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ پہلے آپ کے مختصر حالاتِ زندگی پر غور کرنا ضروری ہے۔ حضرت مرحوم اپنے حالاتِ زندگی خود اپنی قلم سے یوں ارقام فرماتے ہیں۔

وزیرآباد پنجاب میں حدیث شریف پڑھ کر ۱۳۰۷ھ میں دیوبند گیا۔ وہاں کتب درسیہ معقول و منقول شرح چغمینی تک پڑھیں۔ حدیث کے دورہ کا بھی لطف حاصل کیا۔ دیوبند سے ثم خیرا[1] مجھے مدرسہ فیض عام کانپور میں لے گیا۔ کیونکہ ان دنوں مولانا احمد حسن صاحب مرحوم کے منطقی درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا اور مجھے بھی علوم معقول و منقول سے خاص شغف تھا۔ اس لئے میں مدرسہ فیض عام کانپور میں جاکر داخل ہوگیا۔ کچھ شک نہیں۔ مولانا مرحوم کا تبحر علمی واقعی قابل تعریف تھا۔ وہاں جاکر میں کتب مقررہ میں شریک ہوا اور قند مکرر کا لطف پایا۔ انہیں دنوں مولانا مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درس حدیث میں بھی شریک ہوا۔

پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم (اہل حدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن صاحب اور کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) استاد العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے۔ اس لئے میں نے حدیث کے تین استادوں سے جو طرزِ تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔

اطلاع اثنائے قیام دیوبند ہی میں میں نے حضرت میاں صاحب دہلوی (مرحوم و مغفور) کی خدمت میں حاضر ہوکر سند اجازت حاصل کر لی تھی۔

شعبان سنہ ۱۳۱۲ھ مطابق سنہ ۱۸۹۵ء میں فیض عام کانپور کا جلسہ ہوا جس میں آٹھ طلباء کو دستار فضیلت اور سند تکمیل دی گئی۔ ان آٹھ میں سے ایک میں گمنام بھی تھا۔

نوٹ فیض عام کا یہ جلسہ وہ ہے جس میں زیر صدارت مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم و مغفور ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس جلسہ کی یہ بھی یادگار کافی ہے۔

کانپور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب میں پہنچا۔ مدرسہ تائید الاسلام امرت سر

---

[1] ہمارے زمانہ کے طلباء میں ثم خیرا اصطلاحی لفظ تھا معلوم نہیں آجکل یہ اصطلاح مروج ہے یا متروک۔ معنی اس کے یہ تھے وہاں خیر طلب کرو۔ یہ ایک خیالی فرشتہ یا شیطان کا نام تھا جو طالب علم کو خیال ذات تھا۔ اس مدرسے سے وہ مدرسہ اچھا ہے۔ اس لفظ میں اسی اصطلاح کی طرف اشارہ ہے۔ (منہ)

میں کتب درسیہ نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا۔ طبیعت میں تجسس زیادہ تھا۔ اس لیے اِدھر اُدھر سے ماحول کے مذہبی حالات دریافت کرنے میں مشغول رہتا۔ میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت مخالف بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں انہی دنوں قریب میں ہی قادیانی تحریک بھی پیدا ہو چکی تھی۔ جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔

مسلمانوں کی طرف سے اس کے مخارج کے علمبردار مولانا ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم تھے۔ میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانہ میں مناظرات کی طرف بہت راغب تھی۔ اس لیے درس تدریس کے علاوہ میں ان تین گروہوں (عیسائی، آریہ اور قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا۔

بفضلہ تعالیٰ میں نے کافی واقفیت حاصل کر لی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں میں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا۔ شائد اس لیے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہو گی۔ جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شائد یہ شعر پڑھتے ہوں گے ؎

آکے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

اس شغل میں میں نے چند علماء سلف کی تصنیف سے خاص فوائد حاصل کیے۔ حدیث شریف میں قاضی شوکانی، حافظ ابن حجر اور ابن قیم وغیرہم کی تصانیف سے علم کلام میں امام بیہقی، امام غزالی اور حافظ ابن حزم، علامہ عبدالکریم شہرستانی، حافظ ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ، امام رازی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصانیف سے فائدہ اُٹھایا۔

دوران تلاش میں سب سے پہلی قابل توجہ کتاب پادری ٹھاکر دت کی تصنیف "عدم ضرورت قرآن" نظر آئی۔ جس کے جواب میں میں نے کتاب "تقابل ثلاثہ" (توریت، انجیل، قرآن کا مقابلہ) لکھی۔ جو ملک میں شائع شدہ ہے۔ اسی اثناء میں آریوں نے کتاب "ستیارتھ پرکاش"

ل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کو علماء کلام میں میں نے اس لیے درج کیا ہے کہ وہ کتاب العقل میں لکھتے ہیں کہ جو عالم اپنے زمانے کے ملحدین اور مبتدعین کو جواب نہ دے وہ عالم نہیں ہے یہی علم کلام ہے۔ امام بیہقی کے علم کلام کے ثبوت میں ان کی کتاب "کتاب الاسماء والصفات" کافی ہے۔ حافظ ابن حزم کے علم کلام کے ثبوت میں ان کی مشہور کتاب الملل والنحل پیش کی جا سکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تو رئیس المتکلمین ہیں ہی۔ (اعلی اللہ مقامہم) ۱۲ منہ

کا اردو ترجمہ شائع کیا۔ جس کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر ایک سو انسٹھ اعتراض ہیں ہر ایک اعتراض کے ضمن میں کئی کئی۔۔ اعتراض ہیں کتاب ستیارتھ کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کا مکمل جواب دیا جائے۔ حسب قول حافظ شیرازی؎

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

میں نے اس کے جواب میں کتاب "حق پرکاش" لکھی۔ جو بفضلہ تعالیٰ ایسی مقبول ہوئی کہ اس کے بعد کسی فرقہ کے کسی عالم نے ستیارتھ کے جواب کے لئے قلم نہیں اٹھایا۔ ذالک من فضل اللہ:۔

اس کے بعد ایک مسلم عبدالغفور نامی (نو آریہ دھرم پال) نے رسالہ "ترک اسلام" لکھا اس کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو بڑی بے چینی ہوئی۔ میں نے فوراً اس کا جواب بنام "ترکِ اسلام پر ترک اسلام" شائع کر دیا۔ جس سے مسلمانوں کو اس قدر قلبی راحت حاصل ہوئی۔ جتنی مئی جون میں افطاری کے وقت روزہ دار کو ہوتی ہے۔ (خدا قبول کرے)

اس کے بعد آریہ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی۔ جس کا نام "کتاب التدوید ہے یا قرآن" اس کے جواب میں میں نے "کتاب الرحمٰن" لکھی۔

ابھی تھوڑا ہی زمانہ گذرا ہے کہ آریوں نے "رنگیلا رسول" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سخت ناپاک حملے کئے۔ جس کی وجہ سے ملک میں اس سرے سے اس سرے تک آگ لگ گئی۔ مسلمان گویا متوالے پھرتے تھے کہ یہ کیا اندھیر ہے کہ ذاتِ قدسی صفات پر ایسے حملے ہو رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ کوئی عالم جواب نہیں دیتا۔ بقول؎

بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لیں گے

اس کے جواب میں میں نے "مقدس رسول" لکھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ بھی ایسا مقبول ہوا کہ اس کے بعد کسی عالم نے رنگیلا کے جواب میں قلم نہیں اٹھایا۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ نہ آریوں نے اس کا جواب الجواب دیا۔ ملک گجرات کے مسلمانوں نے گجراتی زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا ہے۔

اس ضمن میں آریوں کی طرف سے کئی ایک رسالے نکلے۔ جن کے جوابات خاکسار کی طرف سے دئیے گئے۔ جو ملک میں شائع شدہ ہیں۔

عیسائیوں کی کتاب "عدم ضرورتِ قرآن" کے جواب کے علاوہ میں نے متعدد کتابیں ان کے جواب میں لکھیں۔ جن کے مجموعے کا نام "جواباتِ نصاریٰ" ہے۔ سب سے اخیر عیسائیوں کے جواب میں وہ کتاب ہے جس کا نام ہے "اسلام اور مسیحیت" عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف تین کتابیں بطرز جدید شائع ہوئی تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) عالمگیر مذہب اسلام ہے یا مسیحیت ؟

(۲) دینِ فطرت اسلام ہے یا مسیحیت ؟

(۳) اصول البیان فی توضیح القرآن ؟

ان تینوں کے جواب میں "اسلام اور مسیحیت" لکھی گئی جو شائع شدہ ہے۔ جس نے شائع ہونے کے بعد اسلامی جرائد سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔

تیسری شاخ

میری تصانیف کی قادیان کے متعلق ہے۔ اس کی تفصیل لکھوں تو ناظرین کے ملالِ خاطر کا خطرہ ہے۔ اس لئے مختصر طور پر بتلاتا ہوں۔ کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں۔ قادیانی مباحث میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا ثبوت خود مرزا صاحب بانی تحریک قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے جو انہوں نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی جس کا عنوان تھا۔

"مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ"

اس کے شروع ہی میں میری نسبت جو خاص گلہ و شکایت کی گئی ہے وہ خصوصاً قابلِ دید و شنید ہے مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ "مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا۔ میرے قلعہ کو گرانا چاہا وغیرہ" اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔

کوئی خاص وقت تھا جب یہ دعا ان کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبولیت اسے لینے آئی۔ آج قادیان کی بستی میں ادھر ادھر دیکھو تو رونق بہت پاؤ گے۔ مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہلِ قادیان کو مخاطب کر کے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا۔ ؎

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں　　　آج وہ خانہ خراب ہم کو بہت یاد آیا

(نوٹ) قادیانی لٹریچر کو جمع کرنے اور واقفیت حاصل کرنے میں میں نے بڑی محنت کی جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ہم لوگ ۲۰ سال تک محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ غالباً آپ کی حسن ظنی اور تواضع ہے۔

چوتھی شاخ

میری تصنیفات کی تفسیر نویسی ہے۔ یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں۔ مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی غافل نہیں رہا۔ روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے **تفسیر ثنائی** غیر مسبوق طرز پر اردو میں لکھی جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد بلکہ ساتھ ساتھ "**تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن**" خاص طرز پر عربی میں لکھی۔ جس کی ملک میں خاص شہرت ہے۔

تیسری تفسیر موسومہ "**بیان الفرقان علیٰ علم البیان**" عربی میں لکھنی شروع کی۔ جس کا ایک حصہ (سورۂ بقر تک) شائع ہو چکا ہے۔ باقی زیر غور ہے۔

تفسیر کے متعلق چوتھی کتاب موسومہ تفسیر بالرائے لکھی۔ اس میں تفسیر بالرائے کے معنی بتا کر مروجہ تفاسیر و تراجم قرآن (قادیانی، چکڑالوی، بریلوی اور شیعہ وغیرہ) کی اغلاط پیش کر کے ان کی اصلاح کی گئی۔ اس کا بھی ایک حصہ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ باقی زیر غور ہے۔

مزید برآں اسلامی فرقوں شیعہ وغیرہ کے متعلق کئی ایک کتابیں لکھیں جو ملک میں شائع شدہ ہیں اس کے علاوہ مناظرات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مجھے اس بات کا فخر ہے کہ میرے اساتذہ عظام بھی عظیم الشان جلسوں میں بڑے بڑے مناظرے میرے سپرد کرتے تھے۔ جن میں وہ خود بھی شریک ہوتے تھے۔ مثلاً مناظرہ دیوریہ ضلع گورکھپور، مناظرہ نگینہ ضلع بجنور، مناظرہ جبلپور، مناظرہ خورجہ، مناظرہ رام پور۔ یہ سب مناظرے تحریری ہوئے تھے جن کی روئدادیں کتابوں کی صورت میں شائع ہوئی تھیں۔ مناظرہ رام پور۔ نواب حامد علی خان مرحوم کے حسب الحکم رامپور میں قادیانیوں سے ہوا تھا۔ جس کے متعلق نواب صاحب موصوف کا سرٹیفکیٹ درج ذیل ہے۔

"رام پور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفا محمد ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی تھی بدلائل ثابت کیا ہم ان کے بیان سے محظوظ و مسرور ہوئے۔ (دستخط خاص حضور نواب صاحب بہادر محمد حامد علی خان)

ضرورت زمانہ

جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت، روزمرہ بڑھتی نظر آئی۔ اور تصنیف کتب کا کام ناکافی ثابت ہوا۔ تو اخبار "اہلحدیث" جاری کیا گیا۔ جو بفضلہ تعالیٰ آج تک جاری ہے۔ جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی ہے۔ ہر غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔ خدا کے فضل سے آج یہ اخبار اپنی عمر کے اڑتیس سال پورے کرکے انتالیسویں (۳۹) سال میں قدم زن ہے۔

اخبار" اہلحدیث " کے دیکھنے والوں سے مخفی نہ ہوگا۔ کہ یہ پرچہ کس قدر اسلامی خدمت کر رہا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جو کچھ علمی خدمت خاکسار کی طرف سے ہوئی۔ یہ سلف صالحین رحمہم اللہ کی کتب سے فائدہ حاصل کرنے سے ہوئی۔ جن کے اسماء گرامی پہلے ذکر کئے گئے ہیں ؂

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن　　　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ مَرْقَدَهُمْ وَارْضَ عَنْهُمْ وَاَرْضِهِمْ

دعاء

خداوندا! اگر زندگی کے کچھ دن باقی ہیں تو ان میں بھی اسلام کی خدمت لے اور اسے میری نجات کا ذریعہ بنا اور میری اولاد کو بھی اس روش پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؀

(اہلحدیث امرتسر صفحہ ۲۳ جنوری ۱۹۴۳ء)

مرحوم اخلاص کا بہترین نمونہ تھے تعصب بے جا اور ضد وہٹ دھرمی آپ میں قطعاً نہ تھی۔ فرماتے ہیں:۔

" گائے کا عقیقہ کسی حدیث میں مجھے یاد نہیں ۔　　　　(۲ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ)"

حکیم عبدالرزاق صاحب آسنسول سے اور حضرت مولانا ابوالقاسم بنارسی نے لکھ کر بھیجے ہیں بقرو اجزائے بقر کے عقیقہ میں آپ کو تردد ہے۔ لہٰذا ثبوت پیش خدمت ہے۔ اس اطلاع پر مرحوم لکھتے ہیں۔

اس اطلاع کے لئے آپ اور مولوی ابوالقاسم بنارسی شکریہ کے مستحق ہیں۔

خود مرحوم نے کتنا پاکیزہ خیال کیسے پیارے لفظوں میں ظاہر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

کسی مصنف کا اپنی تصنیف کو اغلاط سے پاک بتانا ضمناً گویا دعوائے نبوت کرنا ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔ اس لئے میں تو ہمہ تن گوش رہا کرتا ہوں کہ کسی طرف سے میری غلطی پر مجھے تنبیہ آئے تو میں اصلاح کر دوں۔　　　　(۲۹ مئی ۱۹۳۰ء)

اہل علم کسی لغزش پر آگاہی فرماتے تو بلا چون و چرا معذرت شائع کرتے۔ یہ بھی نہ دیکھتے کہ لغزش فی الواقع ہے بھی یا نہیں یا اس کی اہمیت کیا ہے! ۲۷ ؍ محرم ۱۳۵۵ھ کے پرچہ بذیل متفرقات تحریر فرماتے ہیں۔

اہلحدیث ۲۶ ؍ دسمبر میں ایک شعر درج ہوا ہے۔

قسم ہے بارِ خدا تیری کبریائی کی ہے پھر محمد مرسل کی مجتبائی کی

ایک اہل علم نے اس پر توجہ دلائی ہے کہ مصرعہ ثانی حدیث کے خلاف ہے۔ "من حلف بغیر اللہ فقد اشرک" کچھ ضرورت نہیں کہ تاویل کی جائے۔ آئندہ احتیاط کی جائے گی۔ حضرات سخنوران بھی لحاظ رکھیں"۔

بیکار ردّ و قدح کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اشد ضرورت کے وقت مدافعانہ قلم اٹھاتے۔ مولوی امام الدین (بریلوی) کوٹلی لوہاران نے ایک رسالہ "وہابیوں کی امامت" نامی لکھا۔ رسالہ کیا تھا۔ ان کی جہالت و تعصب کا ایک مرقع تھا۔ جس میں جماعت اہل حدیث پر بے جا الزامات کی بوچھار تھی۔ جگہ جگہ بدکلامیوں کی بھی بھرمار تھی۔ مرحومؒ نے اس رسالہ کا جواب دیا۔ بدکلامیوں کے جواب میں صرف اتنا کہا ؎ (۱۳۲۰ھ ۱۹۲۱ء)

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

سولہ نمبروں میں "اقتدائے اہلحدیث" کے عنوان سے اس بدعتی رسالہ کا جواب دیا۔ خاتمہ پر آپ لکھتے ہیں:

ہم نے ایک غیر ضروری کام میں اتنا وقت لگایا اور اخبار کے کئی صفحات بھی پُر کئے۔ تاکہ ہمارے بھولے بھالے حنفی بھائی بے وجہ ہم سے جدا رہ کر خدا کے ہاں ماخوذ نہ ہوں۔ ورنہ ان کی عدم اقتدا سے ہمارا کیا نقصان۔ ما بخیر شما بسلامت۔

اللھم اصلح ذات بیننا وانصرنا علی عدوک وعدونا

خادم دین اللہ۔ ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری (۲۳؍ اکتوبر ۱۹۲۱ء)

مرحوم کسی پر علمی گرفت کرتے تو وہ اتنی سخت ہوتی تھی کہ منصف مزاج مخالف کو سوائے تسلیم کے کوئی چارۂ کار ہی نہ رہتا۔

مولوی عبد الشکور صاحب حنفی مرزاپوری کو کیا سوجھا انہوں نے ایک کتاب بنام "التحقیق الجدید علی تصنیف الشھید" لکھ ڈالی۔ ان حضرت نے کئی ایک احتمالی دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ کتاب "تقویۃ الایمان" مولانا شہید مرحوم کی تصنیف ہی نہیں ہے مولوی صاحب موصوف دیوبندی اور کتاب تقویۃ الایمان کی اہمیت اور افادیت و صداقت کے

قائل باوجود اس حقیقت کے اپنا علمی ذوق اس تحقیق جدید پر صرف کیا۔ مرحوم اس اچھوتی بحث پر قلم اٹھاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

"یوں تو بات کو جتنا چاہو لمبا کرتے چلے جاؤ۔ کیونکہ ایک ظریفانہ مثل ہے۔ " اَلْعِلْمُ چِھیچھڑہٗ فَکِھچُوْ ھَا " یعنی علم کا میدان بہت وسیع ہے۔ جتنا چاہو لمبا کرلو۔ مگر بات کو مختصر سے مختصر بھی کر سکتے ہو۔ ہمارے فاضل مخاطب نے مولانا رشید احمد گنگوہی کے حق میں اپنا حسن اعتقاد ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔" خطیب وقت۔ نقیہ امت۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ ہیں۔ صـ۲۹ "

آگے ہمارے مرحوم نے مولانا گنگوہی مرحوم کے اعتراف کو خود گنگوہی مرحوم کے الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔ جس میں گنگوہی مرحوم تقویۃ الایمان کو مولانا شہید مرحوم کی تصنیف تسلیم کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ جلد اول صـ۱۲۲ مرحوم گنگوہی نے دو چیزوں پر روشنی ڈالی ہے۔ کہ یہ کتاب فی الواقع صحیح اور عین مطابق اسلام ہے۔ اور دوسری چیز یہ کہ یہ مولانا اسمعیل شہیدؒ کی لکھی ہوئی ہے۔ اب امرتسری مرحوم فرماتے ہیں:

مقام غور ہے کہ مولانا گنگوہی نے دونوں باتوں کا کیا صاف جواب دیا۔ اس جواب باصواب سے ہماری نزاع پر روشنی پڑتی ہے کہ کتاب تقویۃ الایمان کو مولانا گنگوہی نے مولانا شہید کی تسلیم کیا۔ اور اس کی مدح بھی کی۔ اور اس کے بدگو کی تجہیل وتحمیق بھی فرمائی۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ اصل نزاع تو ختم ہوگئی۔ باقی رہا کیا " اَلْعِلْمُ چِھیچھڑہٗ "

(اہلحدیث ۸ جنوری ۱۹۳۲ء)

متانت اور سنجیدگی کا جو حصہ خزانۂ قدرت سے آپ کو ملا تھا۔ اللہ تعالیٰ جملہ مسلمانوں کو اور خاص کر جماعت اہل علم کو وہ نصیب فرمائے۔ آپ کی متانت کے سامنے موافق ومخالف سب جھکتے تھے۔ مولوی عبدالعزیز آف گوجرانوالہ (حنفی) سے اذا قرأ فانصتوا پر بحث چلی۔ مولوی عبدالعزیز نے کہا کہ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں موجود ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح مسلم شریف میں نہیں ہے۔ اس معاملہ پر بات چلی جو طول طویل ہے۔ مولوی عبدالعزیز صاحب نے حضرت مولانا محمد اسمعیل صاحب شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ کو شہادت دینے کے لئے لکھا۔ مولانا محمد اسمعیل صاحب موصوف نے جو جواب مولوی عبدالعزیز صاحب کو اس بارے میں دیا۔ اس میں مولانا ثناء اللہ مرحوم کی متانت پر آپ یوں تبصرہ فرماتے ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کی متانت آمیز تحریر نے آپ کو سیخ پا کردیا ہے۔ وہ مضمون آپ خود

بھی بحالت سلامتی پڑھیں گے تو میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کا ضمیر ضرور آپ کو ملامت کرے گا۔
اتنی معقول تحریر کے بعد مقامی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے یہ تیزی نہ آپ کے ادعائے علم کے لئے مناسب ہے اور نہ ہی عرفی شرافت اس کی متحمل الخ (۲۱ صفر ۱۳۵۲ھ)

۱۹۰۹ء میں شہر رامپور میں مرزائیوں سے سرکاری نگرانی میں مناظرہ ہوا۔ آپ کی متانت اور سنجیدگی سے خود والئی ریاست اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو مندرجہ ذیل سرٹیفکیٹ لکھ کر دیا۔ جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔

محترمی جناب مولانا قمر صاحب بنارسی برادر خورد مولانا ابو القاسم سیف مرحوم لکھتے ہیں۔
مولانا امرتسری مرحوم کی تقریر و تحریر میں وہ شیرینی تھی۔ اور مقناطیسی اثر کو سخت سے سخت مخالف بھی اس کو مانتے تھے مخالفین اسلام کی طرف سے سب سے زیادہ زہریلی کتاب جو شائع کی گئی وہ "رنگیلا رسول" نامی کتاب تھی۔ مگر یہ مولانا ہی کا کام تھا۔ کہ اس کا جواب "مقدس رسول" نامی کتنے شیریں اور مہذب لفظوں میں دیا ہے۔ کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا حیران تھی اور سخت سے سخت مخالف نے بھی اس کی تعریف کی۔

سنجیدگی متانت۔ بلا مبالغہ آپ کا ہتھیار تھا۔ کوئی کیسا ہی اہم معرکہ ہو۔ اس ہتھیار سے بالآخر آپ اس کو سر کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ بہت سے موقعوں پر آپ کی سنجیدگی نے سخت ترین مخالفوں کو دم بخود کر دیا ہے۔ مسائل متنازعہ میں آپ کی سنجیدگی کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ایک جگہ بریلوی حضرات کو خطاب فرماتے ہیں۔

حنفی بھائی کہا کرتے ہیں کہ ہماری کتب فقہ میں سب احکام موجود ہیں، بہت اچھا!! ہمیں کتب فقہ میں سے کسی معتبر کتاب میں مجلس مولود کا حکم دکھا دو۔ کسی فقیہ نے کسی کتاب میں مولود کا باب یا فصل مقرر کر کے یہ مسئلہ لکھا ہو۔ ہاں ہم ہندوستان کے ایک بڑے مستند حنفی عالم کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ غور سے سنو اور اس بدعی اور شرکی فعل سے بچو۔ مولانا عبد الحی لکھنوی مرحوم فرماتے ہیں۔

قیام کرنا جو وقت ذکر ولادت کے کرتے ہیں۔ میرے نزدیک بے اصل ہے۔ اور کسی شرعیہ سے ثابت نہیں۔ (فتاوی مولوی عبد الحی ج ۱ ص ۳۳۹)

حنفی بھائیو! قرآن مجید کا خلاف، حدیث شریف کا خلاف، اپنے ہی فقہا کا خلاف کرنے میں کیا لذت ہے۔ اور کیا مزہ؟ دیکھو شیخ سعدی مرحوم کی نصیحت سنو! ع

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

(اہلحدیث ۴ر ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ)

مسئلہ جہاد پر مخالفین اسلام نے بہت کچھ نکتہ چینی کی ہے۔ خاص کر آریہ سماج نے آپ ایک جگہ جہادِ اسلامی کی حقیقت کو واضح فرماتے ہوئے اور مخالفین کے اعتراضات کے جواب دیتے ہوئے اس مسئلہ کو اپنی سنجیدگی کے ہتھیار سے یوں سلجھاتے ہیں۔

مذہبِ حق کا یہ فرضِ اولین ہے کہ اپنے اتباع کو معراجِ ترقی کے اعلیٰ زینہ پر پہنچائے۔ اس موقعہ پر مجھے رگوید کا منتر یاد آیا جس کی بابت میری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے گھروں میں نمایاں مقامات پر جلی حرفوں میں وہ مرقوم ہونا چاہیئے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اے انسانو! تمہاری فوج جرار و کارگذار نامی گرامی ہو تاکہ تمہاری عالمگیر حکومت روئے زمین پر قائم ہو۔ (اہلحدیث ۲۷ر مئی ۱۹۳۳ء)

عیسائیت کے عقیدہ میں سانپ کا پیٹ کے بل چلنا اور خاک کھانا۔ بنتِ حوا کا دردِ زہ کے ساتھ بچہ جننا اور فرزندانِ آدم کا ہل جوت کر پیٹ بھرنا۔ یہ سب اس گناہ کی سزائیں ہیں۔ جو جنت میں باوا آدم اور مائی حوا سے صادر ہوا۔ ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۳ فقرہ ۱۴ تا ۱۹۔ مولانا مرحوم اپنے متانت آمیز لہجہ میں اس پر یوں تبصرہ فرماتے ہیں۔

اس کلام میں باوا آدم کے گناہ اور ثمر کھائے گناہ و سزائے گناہ کا مفصل ذکر ہے۔ مرد کی سزا یہ ہوگی۔ کہ وہ زمین پر ہل جوت کر پسینے کی کمائی سے پیٹ بھرے گا۔ عورت کی سزا یہ ہوگی کہ وضع کے وقت تکلیف سے بچہ جنے گی۔ وغیرہ۔

اب سوال یہ ہے کہ عیسائی مرد و عورت جن کے گناہ بوجہ کفارہ مسیح کے معاف ہو گئے۔ ان کو یہ تکلیف ہوتی ہے یا نہیں یعنی عیسائی مرد محنت سے کماتے ہیں یا آسمانی مائدہ (المائدہ؟) ان پر اُترتا ہے۔ عیسائی لیڈیاں وضع حمل کے وقت ہندو مسلم وغیرہ عورتوں کی طرح تکلیف اٹھاتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہمیں اس کی مثالیں بتائی جائیں اور اگر باوجود تسلیم کفارہ کے یہ دور نہیں ہوئی تو کیا جائے گا تو موزوں ہو گا کہ تیلی بھی کیا اور دکھ کھایا۔ (۲۰ محرم ۱۳۵ھ)

رسالہ اصلاح (شیعہ) بابت ماہ صفر ۱۳۵ھ میں ایک تعزیہ کا معجزہ واقع موضع چندن پٹی نزد دربھنگہ سرائے دربھنگہ شائع ہوا۔ آپ نے محترم مرحوم ڈاکٹر سید فرید سے اصل حالات دریافت کر کے شائع کئے اس پر آپ فرماتے ہیں۔

"ایک زمانہ ہوا قادیان سے آواز اٹھی تھی ؎

کرامت گرچہ بے نام و نشاں است　　بیا بنگر ز غلمانِ محمد"

آج اس شعر کو یوں ترمیم کر لیجئے ؎

کرامت گرچہ بے نام و نشاں است　　بیا بنگر ز تابوتانِ کاغذ

رسالہ اصلاح شیعہ کھجوہ نے ایک مضمون لکھا - جس میں اس گئے گذرے زمانہ میں معجزات کا ثبوت دیا : معجزہ بھی کس کا ! بے جان کاغذ تعزیہ کا ! ہمیں کیا ضرورت کہ معجزے کا انکار کریں یا ہم کافر وافر یا نیچری پیچری ہیں ؟ ہم تو معجزات پر ایمان رکھتے ہیں - اگر ثبوت کی تحقیق کرنا ہو تو انکار نہیں ۔" پھر ذرا آگے فرماتے ہیں :-

ناظرین یہ معجزہ دراصل ہمارے برادران احناف (صنف بدعت) کے جواب میں خوب موزوں ہوگا جو کہا کرتے ہیں - پیر صاحب نے ڈوبنے سے بارہ سال بعد ایک کشتی کو معہ سواروں کے نکالا تھا - یہ معجزہ تعزیہ اس سے بڑھ گیا - کیونکہ وہ زندہ کا ہے اور یہ بے جان کا - پھر ہم معذرت کرتے ہیں کہ ہم معجزوں کے منکر نہیں - لیکن بے ثبوت بات کا قائل ہونا بھی ہماری عادت کے خلاف ہے ؎

مجھ میں ایک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں　　(۲۱ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ)"

رسمی علوم میں آپ کا جو مرتبہ تھا اس کی تفصیلات کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے - اس پر بڑی خوبی یہ کہ قدرت نے بصیرت بھی آپ کو کافی عطا کی تھی - جس کی علم کے میدان میں قدم قدم پر ضرورت ہے - ہماری جماعت کے مشاہیر اساتذہ کرام مرحوم کی کتاب "ناقابل مصنف" پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں -

" اس کتاب میں قابل مصنف مولانا ثناء اللہ صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی کی تین مایۂ ناز کتابوں 'براہین احمدیہ' "آئینہ کمالات اسلام" اور "چشمہ معرفت" پر جو ناقدانہ تبصرہ فرمایا ہے - قابل دید ہے - منطق ، کلام و مناظرہ کے اصول و ضوابط کے استعمال و اجراء پر مصنف علام کو جو قدرتِ خداداد حاصل ہے - زیر نظر کتاب میں آپ نے اس سے پورا کام لیا ہے - الخ"

(مولانا) عبید اللہ رحمانی مبارکپوری ، نذیر احمد املوی رحمانی ، حکیم محمد بشیر مبارکپوری ، عبد الجلیل رحمانی ، عبید الرحمٰن طالب رحمانی

(اہلحدیث ۲۰ اگست ۱۹۴۳ء)"

اکابر شیعہ میں ملا علی الحائری کی شخصیت مشہور ومسلم ہے۔ آپ نے مولانا مرحوم کی عربی تفسیر پر جو تبصرہ فرمایا۔ اس میں آپ لکھتے ہیں۔

فلعمری نعم المفسر ونعم المفسر وذلک فکرہ الصائب وجاحدہ الخائب الخ

میرے دین کی قسم کیا ہی عمدہ تفسیر ہے اور کیا ہی اچھا مفسر ہے۔ اور یہ کہ ان کی سمجھ درست اور ان کا مخالف خائب وخاسر ہے (اہلحدیث ۲۸ شعبان ۱۳۶۲ھ ص)

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری دروازہ شیرانوالہ (مشہور عالم) آپ کے رسالہ "علم کلام مرزا" پر فرماتے ہیں۔

اما بعد محترم المقام رئیس المناظرین الفاضل الاجل جامع المنقولات والمعقولات الملقب بہ شیر پنجاب الشیخ الحضرۃ مولانا ثناء اللہ مدظلہ کا وجود مسعود اس دور ابتلا وافتتان میں مغتنمات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میدان جہاد باللسان میں ایک بڑا رتبہ عطا فرمایا ہے۔ میرے خیال میں ہندوستان بھر میں اس فن میں ان کی نظیر کم ملے گی۔

العارض احقر الانام احمد علی عفی عنہ (المحدیث، ۳۰ ستمبر ۱۹۳۲ء)

مدراس کے ایک صاحب اخبار اہلحدیث کے چند پرچے بروقت نہ ملنے اور دفتر سے بھی تسلی بخش جواب نہ پانے پر ناراض ہو گئے۔ اور اخبار کی خریداری بند کر دی اور ایک شکایتی خط مولانا سیالکوٹی کو لکھا۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے ان کو ایک طول طویل خط لکھا اور حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم کی شخصیت پر بہترین تبصرہ فرمایا۔ چنانچہ میر سیالکوٹی فرماتے ہیں۔

"آپ کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ ہم اخبار کے ورقوں کی قیمت ادا نہیں کرتے بلکہ اپنے فخر قوم، بلکہ فخر ملک اور سردار اہلحدیث پر سے چند پیسے نثار کرتے ہیں۔ پانچ روپے سالانہ حضرت مولانا مدظلہ کے ایک ایک لفظ کی بھی قیمت نہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر ہم کو ہر سال یہ مژدہ مل جایا کرے کہ امسال لیلۃ القدر میں حکم جاری ہو گیا ہے۔ کہ اس سال مولانا ثناء اللہ (عافاہ اللہ) کی جان فیض توامان سلامت رہے گی تو پانچ نہیں بلکہ پچاسوں روپے خیرات میں لگا دینے چاہئیں۔

آہ میرے مخلص دوست!!! مولوی صاحب!! دور تک نظر اٹھایئے کیا کوئی دوسرا شخص اس قابلیت اور جامعیت کا جو ہر وقت پانچوں ہتھیار تیار ہو۔ ہندوستان بھر میں نظر آتا ہے۔ خوب پڑتال کر کے دیکھئے ہرگز نہیں ملے گا۔ میری اس رائے کو محض فرط محبت پر مبنی نہ سمجھیں۔ خدا کے فضل سے میری رائے غلو سے سلامت ہوتی ہے۔ اور اس کی بنا واقعات پر ہو کر اعتدال پر ہوتی ہے الخ (۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ)

مکارم اخلاق کا آپ مجسمہ تھے۔ تحریر و تقریر میں ہمیشہ اخلاقِ محمدی کو سامنے رکھتے۔ کبھی کوئی بیجا حملہ کسی پر نہ کرتے۔ تہذیب سے گرا ہوا کوئی لفظ اپنی زبان اور قلم پر نہ لاتے۔ اپنے نامہ نگاروں کو ہمیشہ جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ اور اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ پر عمل پیرا ہونے کی تاکید شدید فرماتے۔ اخلاق کا یہ عالم کہ دفترِ اخبار اہلحدیث میں مہمانوں کے لئے متعدد لحاف و بستر تیار رکھے رہتے۔ تاکہ بوقتِ ضرورت مہمانوں کو تکلیف نہ ہو۔ آپ کے دسترخوان پر بیشتر اوقات میں دو چار مہمان ضرور ہوتے۔ مولانا ہر ایک سے نہایت ہی اخلاق و مروت سے ملتے۔ ہر ایک کی سنتے۔ حتی الامکان ہر ایک کے درد کا مداوا بنتے۔ ہر شخص یہی خیال کرتا کہ مولانا کی سب سے زیادہ عنایت مجھ ہی پر ہے۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے اجلاس مدراس میں ایک نوجوان مولوی عبدالعزیز کڈپوی نے استقبالیہ نظم پڑھی جس کا ایک شعر یہ بھی تھا ؎

کیا خوب ہوتا وہ بھی گر آج زندہ ہوتے ۔۔۔ عبدالعزیز نامی حسن البیان والے

اس شعر پر حاضرینِ جلسہ زار و قطار رونے لگے۔ خود مرحوم اور دیگر اکابر بھی بیحد متاثر ہوئے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اٹھ کر نظم پڑھنے والے نوجوان کو سینہ سے لگا لیا اور بیحد دعائیں دیں۔ مرحوم کی دعاؤں ہی کا اثر تھا کہ یہ نوجوان اس قدر متدین، متقی بلکہ عالمِ دین ہوا کہ اڑھائی ہزار احادیث کو بہ نوکِ زبان حفظ کر لیا۔ مگر صد افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور صرف بائیس سال کی عمر میں دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو کوچ کر گیا۔ اللهم اغفرلهم وارحمهم۔ (تفصیلات در اہلحدیث ۱۰ ربیع الاول [illegible])

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک اشاعتِ توحید و سنّت کو پروان چڑھانا آپ نے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا تھا۔ شہیدِ ملّت اور امیر المومنین سیّد احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہم سے آپ کو خاص عقیدت تھی۔ شہید قدس سرہٗ کا جب کبھی تحریراً یا تقریراً ذکر آتا۔ تو والہانہ انداز میں فرماتے: "اِسْمٰعِيْلُ وَمَآ اَدْرٰكَ مَآ اِسْمٰعِيْلُ" حضرت شہیدؒ کی سوانح حیات "حیاتِ طیبہ" کو بڑی عقیدت کے ساتھ شائع کیا۔ اشاعتِ توحید کے لئے ملک بھر میں "بزمہائے توحید" کی بنیاد ڈالی۔ بدعاتِ مروجہ کی تردید کے لئے خصوصیت سے توجہ دلاتے۔ عرسوں پر رد بدعات کے لئے اشتہارات تقسیم کراتے۔ مبلغین بھیجتے۔ اخبار اہلحدیث (مرحوم) میں جگہ جگہ یہ تفصیلات ملتی ہیں۔

اہلِ بدعت نے ۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو آپ پر قاتلانہ حملہ کرا دیا۔ اس نازک موقع پر سب سے پہلا جملہ جو مرحوم کی زبان پر آیا یہ تھا۔ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ رب کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔

اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

ھل انتِ الا اصبع دمیت ؟ وفی سبیل اللہ ما لقیت !

صبر و تحمل آپ کی رگ رگ میں پیوست تھا۔ معاندین کی سختیوں اور احمقانہ حرکات کا جواب آپ نے ہمیشہ صبر و شکیب سے دیا کبھی کسی سے بدلہ لینے یا اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش نہیں کی۔ ایک دفعہ احباب نے خیال ظاہر کیا کہ آپ مخالفین اہل بدعت کے خلاف مدافعانہ مناسب کاروائی کریں۔ اس پر آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔

"جو شخص دینی و قومی خدمات کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہو۔ اُسے ہر عدو و خصیم کی مخالفت کا بخندہ پیشانی خیر مقدم کرنا اور مصائب و مشکلات کو خوشی سے جھیلنا چاہیے۔ گھبرانا، مضطرب ہونا اور چھچھوراپن دکھانا بزدلوں، کمینوں، رذیلوں اور ناقص الایمان لوگوں کا کام ہے ہم تو لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ کے ماتحت اعداء سے بیرخی نہ کریں گے اور خلق و محبت سے اُن کے قلوب کو فتح کریں گے۔ (سیرۃ ثنائی ص ۲۶۰)

آپ کے اخلاقِ حسنہ کا یہ اثر تھا کہ آریوں، سناتنیوں، سکھوں، عیسائیوں، مرزائیوں، بہائیوں وغیرہ کے مبلغ، پرچارک، اپدیشک، گیانی و دیارتھی، مشنری جو مولانا سے بحث و مناظرہ کیا کرتے تھے خاص طور پر آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے۔ ہمیشہ شوقِ ملاقات رکھتے اور بڑے تپاک و اخلاق سے ملتے۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حضرت مولانا مرحوم اپنے اخلاقِ حسنہ اور محبت سے سب کے دلوں کو مسخر کر لیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے دیگر اوصاف حسنہ کی طرح سخاوت کا وصف بھی آپ کے اندر بدرجہ اتم رکھا تھا۔ ایثار آپ کو بہت ہی محبوب تھا۔ اسلامی، جماعتی، قومی، تبلیغی ضروریات سامنے آتیں تو دل کھول کر اُن پر پیسہ خرچ کرتے۔ مصنف سیرت ثنائی لکھتے ہیں۔

مولانا المحترم نے اپنی جیب خاص سے جماعت کی کافی سے زیادہ امداد فرمائی۔ جب بھی جماعت کو مالی امداد کی ضرورت ہوتی۔ آپ فراخدلی سے ایثار فرماتے۔ بسا اوقات جلسوں جلوسوں اور جماعتی اجتماعوں کے اشتہارات پوسٹر وغیرہ اپنے خرچ سے چھپواتے۔ بعض دفعہ مہمانوں اور مدعوین کی خوراک کے مصارف بھی آپ کے ذمہ ہوتے۔ ایک بار امرتسر میں چار سو افرادِ جماعت کا اجتماع ہوا۔ ان سب کے طعام و قیام کا خرچ آپ نے برداشت کیا اور تین روز تک ان کو اپنے یہاں مہمان رکھا۔ کئی مرتبہ جمعیۃ یا کانفرنس کو پمفلٹ

یا ٹریکٹ چھپوانے کی ضرورت ہوتی ۔ تو اس کا بوجھ ساری جماعت پر نہ ڈالتے ۔ خود سہار لیتے اور اس میں کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ کرتے ۱۹۳۰ء میں آپ نے اسی طرح کا بار اٹھا لیا ۔ پندرہ ہزار ٹریکٹ شائع کرائے اور ان کا سیکڑوں روپے کا خرچ اپنی جیب سے ادا کیا ۔ اسی طرح ۱۹۳۵ء میں دو صد روپے کے صرف سے کئی ہزار پمفلٹ چھپوائے اور جماعت کی طرف سے مفت تقسیم کیے ۔ جماعت کے اکثر نادار طلباء آپ کے خرچ پر قرآن وحدیث کی تعلیم پاتے اور علوم دین کی تحصیل کرتے تھے ۔ جماعت کے مساکین ویتامیٰ ، بیوگان ومحتاجوں پر آپ کی توجہ خاص طور پر رہا کرتی تھی ۔ ایک بار تین اہل حدیث لڑکوں نے درخواست کی کہ وہ دینیات کی اعلیٰ تعلیم کے لئے فلاں فلاں مکتب میں جانا چاہتے ہیں ۔ مگر ناداری وغربت تحصیل علم میں مانع ہے ۔ آپ نے تینوں کا خرچ تنہا اٹھا لیا ۔ (سیرت ثنائی صـ ۲۴۲)

مناظرانہ موضوع پر آپ کی زبان اور قلم کو جو دسترس حاصل تھی اس کی مثال علماء معاصرین میں بہت کم ملے گی ۔ تقریری مناظروں میں آپ کا بیان بے حد شستہ ، دلنشین اور مہذب ہوتا ۔ آپ کی اس خوبی کا نقشہ محترم مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈے نگری ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں ۔

" اگر پورے دنیائے اسلام کے اکابر علماء کسی ایک مجلس میں جمع ہوں اور بیک وقت عیسائیوں ، آریوں ، سناتن دھرمیوں ، ملحدوں نیچریوں ، قادیانیوں ، شیعوں ۔ منکرین حدیث چکڑالویوں ، بریلویوں ، دیوبندیوں ، ست دھرمیوں سے غرض ہر فرقے سے ایک ایک گھنٹہ مسلسل نو گھنٹے بحث ومذاکرہ کی نوبت آئے ۔ تو عالم اسلام کی طرف سے کون کون ہستیاں ہوں گی ۔ مجھے معلوم نہیں ۔ لیکن پاکستان وہندوستان برما اور لنکا ۔ جزیرہ جاوا اور سماٹرا کی طرف سے صرف ایک ہستی پیش ہو سکتی ہے ۔ اور وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کی تھی ۔ آج ان کی رحلت کے بعد ہندوستان وپاکستان کی یہ سربلندی شاید باقی نہیں رہی ۔ ان کے جاتے ہی بازار علمی کی یہ صدر نشینی بھی شاید اب ختم ہو گئی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون :- (ندائے مدینہ کانپور شیخ الاسلام نمبر)

غیر مسلموں سے تقریری مناظرات کے ذیل میں " مباحثہ جبل پور " نمایاں خصوصیات رکھتا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب ملا طیب علی رسول بنگالی مندرجہ ذیل بیان دیتے ہیں :-

" مولوی ثناء اللہ صاحب تمام پبلک کو مخاطب کر کے نہایت ہی فصاحت کے ساتھ تقریر فرماتے تھے ۔ آپ کی تقریر مسلسل لفظی تکرار اور حشویات سے پاک نہایت شستہ اور پاکیزہ تھی ۔ آپ کی آواز نہایت دلکش تھی ۔ آپ کے لیے فریق ثانی کا جواب دینا بالکل آسان اور معمولی

بات تھی۔ ہاں اتنی بات ضرور تھی کہ کہیں کہیں آپ کی تقریر زیادہ عالمانہ ہو جاتی تھی۔ جس کو جبل پور کے ہندو سمجھ نہ سکتے تھے۔ اور کہیں کہیں آپ جواب اتنے مختصر لفظوں میں دیتے تھے کہ سوائے ذی علم لوگوں کے عوام کا سمجھنا ذرا مشکل تھا۔ آپ کا لہجہ معتدل تھا۔ آپ کا برمحل کسی شعر کا پڑھنا لطف دیتا تھا۔ (۲۰ اگست ۱۹۱۵ء اخبار اہلحدیث صلا " مناظرہ جبل پور " ص۹)

تحریری مناظرانہ رنگ میں جب آپ قلم اُٹھاتے تو کیا کہنا! ؟ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جواہرات کی ایک لڑی ہے جس کا حسن و جمال آنکھوں سے گذر کر دل میں پیوست ہوا چلا جاتا ہے۔ " رسالتِ محمدیہ پر آپ کا قلم یوں گوہر افشانی کرتا ہے۔

" ہم مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے مختلف اوقات میں بشیر و نذیر آتے رہے۔ جو دنیا کے لوگوں کو مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں وعظ نصیحت کرتے رہے۔ جن کو نبی، رسول، رشی، مُنی، ولی، شہید وغیرہ ناموں سے آج دنیا موسوم کرتی ہے۔ اس سلسلہ کے سب سے بڑے نبی یا رشی بلکہ مہارشی سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو خدا کے حکم سے دینِ اسلام کے دُنیا میں پھیلانے والے ہیں۔

آنحضرت عرب کے مشہور شہر مکہ شریف میں ۲۲ اپریل ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ نیک بختی اور پارسائی کے ساتھ جب چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو سلسلۂ نبوت کا سرتاج بنایا گیا۔ آپ نے خدا کے حکم سے اس بات کا اعلان فرمایا کہ پہلے نبیوں، رشیوں نے میرے آنے کی خبر دی ہے۔ اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ یعنی محمد رشی۔ نبی کا ذکر توریت انجیل وغیرہ میں لکھا ہوا موجود ہے۔ توریت انجیل میں گو انسانی کلام کی ملاوٹ نظر آتی ہے۔ تاہم اصل کلام الٰہی کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اسی طرح وید میں گو مختلف قسم کے اشعار ہیں۔ جو مختلف متکلموں کے مختلف خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ تاہم ان میں بھی اصلیت کا نشان ملتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ حضرت محمد رشی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت وید میں بھی خبر ملتی ہے۔ (دیباچہ " محمد رشی ")

فقہی تنازعات پر آپ کی نظر بہت گہری ہوتی تھی۔ جہاں کہیں موقعہ ہوتا آپ افراط و تفریط سے بچ کر قلم اٹھاتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

" بہت سے مسائل اہلِ اسلام میں ایسے ہیں جن کو فرقہ وارانہ کشمکش نے اختلافی بنا رکھا ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں اختلافی نہیں منجملہ مسئلہ علم فقہ کی عظمت اور فقیہ کی عزت ہے۔ کچھ شک

نہیں کہ حدیث شریف ہیں۔ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (خدا جس کے حق میں بھلائی چاہتا ہے۔ اس کو دین میں فقہ (سمجھ) سے بہرہ ور کرتا ہے) کے ماتحت علم فقہ اشرف علم ہے۔ اہل حدیث اس علم کے اسی قدر مداح ہیں۔ جس کا یہ علم مستحق ہے۔ باوجود اس کے فریقین (اہلحدیث اور اہل فقہ) میں نزاع کیوں۔ ہم علیٰ وجہ البصیرت بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ علماء محدثین بھی فقہ کے منکر نہ تھے نہ ہیں جن صاحب نے صحیح بخاری سمجھ کر پڑھی ہوگی وہ ہمارے دعوے کی تصدیق کریں گے۔ مناسب ہے کہ قبل شروع مضمون ہم اس کو مثال سے واضح کر دیں۔ علم تصوف ایک ایسا علم ہے۔ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی ساری تعلیم کا نچوڑ بس یہی ہے۔ پھر آج کل اس کے متعلق مدح اور مذمت ہیں جو طویل الذیل مباحثہ ہے وہ کیوں؟ اس کے تصفیہ کے لئے بتانا مفید ہے۔ کہ اصل تصوف جو متفق علیہ ہے وہ کیا ہے اور بناوٹی تصوف جو متنازعہ ہے وہ کیا ہے۔ اسی طرح علم فقہ ایک تو وہ ہے جو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ دوسرا وہ ہے جو محض خیالات علماء ہیں۔ پہلی قسم متفق علیہ ہے دوسری مختلف فیہ ان دونوں قسموں کی حقیقت جاننے کے بعد اصلیت کھل سکتی ہے کہ دراصل نزاع لفظی ہے۔

(دیباچہ فقہ اور فقیہہ)

مسلک اہل حدیث کی جو خدمات مرحوم نے انجام دی ہیں وہ ایسی نہیں ہیں جن کو بھلایا جا سکے بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ مرحوم کی ساری زندگی اہل حدیث مسلک کی اشاعت اور تقویت میں گذری۔ آپ نے حالات زمانہ کے پیش نظر جماعتی تنظیم کے لئے ایک "کل ہند اہلحدیث جمعیت" قائم کرنے کی تحریک چلائی۔ بالآخر ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء میں بمقام آرہ اہلحدیث کا جلسہ منعقد ہوا۔ اور اکابر علماء اہل حدیث کی موجودگی میں "آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس" کو قائم کیا گیا۔ اور باتفاق رائے کانفرنس مذکور کے صدر نشین حضرت عارف باللہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری قدس اللہ سرہ العزیز (المتوفی ۱۲ صفر ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۱۸ء) قرار پائے۔ اور ناظم اعلیٰ حضرت مولانا ابو الوفاء مرحوم مقرر کئے گئے۔ اور صدر دفتر قائم کرنے کے لئے شہر دہلی کو منتخب کیا گیا۔ اس کانفرنس کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۹۱۲ء میں منعقد ہوا۔ پھر دوسرا جلسہ امرتسر میں ہوا اور بعد ازیں ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اس کانفرنس کے تبلیغی اجتماعات ہوئے۔ جن میں پشاور، علی گڈھ، کلکتہ، کانپور، مدراس، آگرہ، بنارس، ملتان، گوجرانوالہ، چھپرا، مئو، شکراوہ، فتح گڈھ، وغیرہ کے اجتماعات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ نیز کانفرنس مذکور کی زیر نگرانی واعظین اور مبلغین کی ایک جماعت مقرر کی

جس نے ملک کے گوشہ گوشہ میں توحید وسنت کی آواز کو پہنچایا ۔ اس اہم ترین پروگرام کی تکمیل کے لیۓ باری تعالیٰ نے اہل علم کی ایک بڑی جماعت کو آپ کا ہمنوا بنایا اور دولتمندوں میں حافظ شیخ حمید اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے حاتمِ دوراں کو اہل حدیث کانفرنس کا روحِ رواں قرار دیا۔ حضرت مولانا مرحوم اور حافظ صاحب مغفور کے اسمائے گرامی مسلکِ اہل حدیث ہند کی تاریخ میں ہمیشہ نمایاں رہیں گے جس طرح مولانا مرحوم نے اپنی تمام علمی، دماغی، عملی قابلیتوں کو اس مسلک کی ترویج واشاعت کے لیۓ وقف کر دیا تھا۔ اسی طرح جناب شیخ حافظ حمید اللہ مرحوم رئیس اعظم پنجابیان دہلی نے توحید وسنت کی اشاعت کے لیۓ اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے ۔ جیب خاص سے ہزار ہا روپیہ سالانہ کانفرنس پر صرف کر دیتے تھے ۔ بہت سے اسلامی مدارس و مکاتب کو ماہانہ امداد دیتے ۔ کئی مدارس کی عظیم الشان عمارتوں پر جیبِ خاص سے بہت کافی رقمیں خرچ کیں ۔ مدرسہ محمدیہ قصبہ باڑی ریاست دھولپور اور دار العلوم شکرآدہ کی عظیم الشان عمارتیں اپنے بانی مرحوم کی زندہ یادگاریں ہمارے سامنے ہیں ۔

حافظ صاحبؒ اور مولانا مرحوم کے کارہائے نمایاں کی تفصیلات کے لیۓ ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے ۔ مرحومین نے اہل حدیث کانفرنس کے زیر اہتمام جماعت اہل حدیث کے تنظیمی سلسلہ کو وسیع کیا۔ سارے ملک میں جماعت اہلحدیث کی تبلیغی انجمنوں کا جال بچھا دیا۔ بیشمار کتابیں اور رسائل توحید وسنت کی تبلیغ کے سلسلہ میں شائع کر کے مفت تقسیم کیۓ ۔ حافظ صاحب مرحوم نے استاد الہند حضرت شاہ ولی اللہ اور آپ کے صاحبزادگان رحمۃ اللہ علیہم کے تراجم قرآن مجید کو بہترین شکل میں بصرفِ زرِ کثیر شائع کروا کر تقسیم کیا ۔ خود مولانا مرحوم نے اس مسلک پر بہت سی یادگاری تصنیفات چھوڑی ہیں ۔

اسی پر بس نہیں بلکہ جہاں ملک میں کہیں افرادِ جماعت کو عقائدِ حقہ کی بنا پر ستایا گیا اس پر ان حضرات نے ہر ممکن طاقت سے پوری توجہ دی ۔ مظلوم اہلحدیث بھائیوں کو اس سلسلہ میں قانونی معلومات بہم پہنچانے کے لیۓ کتاب فتوحات اہل حدیث شائع کی جس میں ان تمام مقدمات کے فیصلہ جات کی نقول کو جمع کیا ۔ جو چیف کورٹ و ہائی کورٹ اور پریوی کونسل ولایت تک سے بحق اہلِ حدیث ہوئے ہیں ۔

حضرت مولانا مرحوم کے شباب کا زمانہ ہندوستان میں مذہبی بحث مباحثوں کا زمانہ ہے جبکہ ایک طرف عیسائی مشنریاں پوری طاقت سے ہندوستان میں اپنی تبلیغ کا جال پھیلا رہی تھیں ۔

دوسری طرف آریہ سماجی اسلام کی مخالفت میں اپنی پوری طاقت صرف کر رہے تھے۔ مزید مصیبت یہ کہ خود مسلمانوں میں نیچریت، مرزائیت، چکڑالویت جیسی نت نئی تحریکات جنم لے رہی تھیں۔ ہمارے مرحوم نے ہر مورچہ پر اسلام کی طرف سے مدافعت کی۔ اس جہاد باللسان کے قلمی خاکے آپ کی مصنفات کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

مرزائیت کے سیلاب کو روکنے کے لئے قدرت نے آپ سے سدِ سکندری کا کام لیا۔ خود مرزا غلام احمد قادیانی صاحب آپ کی مخالفانہ جد وجہد کا جواب دینے سے اس قدر تنگ اور عاجز ہوئے۔ کہ "جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جائے گا" کی پیشین گوئی کر ڈالی۔ جو حرف بحرف پوری ہوئی اور مرزا صاحب حضرت مولانا مرحوم کی زندگی ہی میں عالمِ آخرت کو سدھار گئے۔

اہلِ قرآن کا حضرت مولانا نے ناطقہ بند کیا۔ سر سید مرحوم کے "دوراز کار، فاسد خیالات" پر آپ نے اپنی تصنیفات میں موقع بموقع بہترین تبصرہ کیا۔ شیعوں، بہائیوں، خاکساریوں، مودودیوں پر بھی آپ نے بہترین ناقدانہ مقالہ جات تحریر فرمائے ہیں۔

اہل حدیث کانفرنس کے علاوہ جماعت کو جب اور جہاں بھی آپ کی خدمات کی ضرورت ہوتی۔ حتی الامکان آپ ضرور وہاں پہنچتے۔ اس سلسلہ میں قرب و بعد کو خاطر میں نہ لاتے۔ صدہا مثالیں اس قسم کی موجود ہیں۔ جن کی تفصیلات ایک مستقل تصنیف چاہتی ہیں۔ اور ذاتی طور پر میرے سامنے میرے علاقہ کی انجمن اہل حدیث میوات کی تاریخی مثال موجود ہے۔

اس انجمن کا تبلیغی اجتماع ایک غیر معمولی ماحول میں منعقد ہونے والا تھا۔ اراکین انجمن فیصلہ کر چکے تھے کہ اس اجتماع کی صدارت حضرت مولانا امرتسری (مرحوم) فرمائیں گے۔ چنانچہ آپ سے خط کتابت کی گئی۔ لیکن آپ کو کچھ خانگی مجبوریاں لاحق تھیں۔ ادھر علاقہ کے مسلمانوں کا اصرار تھا کہ مولانا ضرور تشریف لائیں۔ آخر بمشورہ جناب شیخ حافظ حمید اللہ صاحب (مرحوم) بزرگوارم جناب مولانا حکیم عبدالشکور صاحب ناظم انجمن مذکور آپ کی تشریف آوری کی منظوری لینے کے لئے (مرحوم) کی خدمت میں امرتسر پہنچے۔ حکیم صاحب کی اس بالمشافہ درخواست کا مرحوم نے ایسا اثر لیا۔ کہ خانگی مجبوریوں کو زبان تک نہ لائے۔ بلکہ فوراً بطیب خاطر درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔ ۱۵/۱۶ شوال ۱۳۵۰ھ کو یہ عظیم الشان تبلیغی اجتماع قصبہ شکراوہ ضلع گوڑ گانوہ میں مرحوم کی صدارت میں منعقد ہوا۔ میوات کی تاریخ میں اتنا بڑا کامیاب اجتماع نہ پہلے ملتا ہے نہ بعد کے آنے والے سالوں میں۔

خادم (مرتاف) نے ایک طول طویل استقبالیہ قصیدہ پیش کیا۔ جس کے چند بند یہ ہیں ؎

بنا سیوات کا خطہ گلستاں کس کی آمد سے
ہوا ہے غیرت گلزار رضواں کس کی آمد سے
نظر آتا ہے ہر اک مست و نازاں کس کی آمد سے
ہر اک ذرہ ہے رشک مہر تاباں کس کی آمد سے

جدھر دیکھو اُدھر باران رحمت فضل باری ہے
فضائے دلربا ہے ہر طرف باد بہاری ہے

چونکہ مرحوم کے علاوہ بیشتر اکابر علماء اہل حدیث حضرت العلام مولانا ابو القاسم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ، بلبل چمنستان حدیث جناب مولانا عبد التواب علی گڈھی رحمۃ اللہ علیہ، ادیب الملت حضرت مولانا محمد سورتی رحمۃ اللہ علیہ جیسے باکمال حضرات اور حافظ حمید اللہ جیسی مایۂ ناز ہستیاں موجود تھیں۔ ان وجوہات کی بنا پر کم از کم میرے لیے یہ اجتماع ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ استقبالیہ قصیدے کے آخری شعروں میں ایک شعر یہ تھا ؎

مرے اللہ ان کی عمر عمر جاوداں کردے
مرے مولا انہیں دونوں جہاں میں کامراں کردے

"عمر جاوداں" پر حضرت مولانا مرحوم (۱۷ رجادی الاول ۱۳۵۱ھ) نوٹ دیتے ہیں۔
"مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ"

آج اس منظر کو پورے بائیس سال ہونے کو ہیں۔ مرحوم کی تشریف آوری، آپ کے کلمات طیبات عالم خیال میں سامنے آتے ہیں۔ اور ان مناظر کی یاد سے دل بے قرار ہو جاتا ہے۔ آنکھیں پر نم ہو کر رہ جاتی ہیں نہیں معلوم تھا کہ خود ہی اپنی قلم سے پورے بائیس سال بعد ان تاریخی مناظر کی یاد دہراؤں گا۔! مگر کن حالات میں؟ کہ سارا نقشہ ہی بدل گیا ہوگا۔ مرحومین جنت کو سدھار گئے ہوں گے۔ آہ۔ ثم آہ۔ ؎

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں اک شور تھا غل تھا

تا تا باغباں رورو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

علمائے توحید اور جملہ اہل اللہ کی توقیر و عزت کرنا آپ کا ہمیشہ کا دستور تھا۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی جب اپنی جلا وطنی کے بعد آزادانہ ہندوستان میں تشریف لائے اور ملک میں جگہ جگہ اُن کے شایانِ شان استقبال ہوا۔ تو آپ نے بھی موصوف کو امرتسر میں مدعو فرمایا اور خاص اہتمام کے ساتھ آپ کا حقِ احترام ادا کیا۔

کسی عالم باللہ کی وفات حسرت آیات کی خبر آتی۔ تو مرحوم بے چین ہو جاتے اور بڑی دلسوزی کا اظہار فرماتے۔

مولانا محمد انصاری ساکن دیوریہ کی وفات پر موصوف لکھتے ہیں۔

" مرحوم مناظرہ دیوریہ کے منتظم پکے موحد، متبع سنت تھے، جن کے دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا۔ باوجود زاہد عابد ہونے کے تصنیف میں بڑی خیبتی ہوتی تھی۔ آج بافسوس ہم اُن کی وفات کی اطلاع دیتے ہیں "

حضرت مولانا ابراہیم آروی، حضرت مولانا عبداللہ صاحب غازیپوری، حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، حضرت مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کو یاد فرماتے تو آنکھیں پُرنم ہو جاتیں۔ ان سب کی وفات پر بڑے دلسوز مقالے لکھے۔ جماعتی اجتماعات میں اخبار اہل حدیث کے نئے سال پر دردِ دل کے ساتھ ان بزرگوں کو یاد فرماتے۔ اور ان لفظوں میں اپنی باطنی کیفیت کا اظہار کرتے۔ ؎

غالب ہے نہ شیفتہ، نہ نیر باقی   وحشت ہے نہ سالک ہے نہ انور باقی
حالی اب اسی کو بزم یاراں سمجھو   یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

(اہلحدیث ۳ جنوری ۱۹۴۷ء)

ظرافت: قدرت نے آپ کی طبیعت کا جزو ثانیہ بنائی تھی۔ ظرافت آمیز باتوں میں بڑے بڑے اہم مسائل پر اظہارِ خیال کر جاتے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کے ایک مقالہ پر لکھتے ہیں۔

" خواجہ صاحب دہلوی خوش مزاج اور خوش اخلاق بزرگ ہیں۔ آپ بہت سے مریدوں کے پیر ہیں۔ اور بہت سے لیڈروں کے رہنما بھی ہیں۔ صوفیوں میں آپ صوفی بھی ہیں علماء میں آپ ایسے عالم ہیں کہ قادیان سے فتویٰ تکفیر ہٹا دیتے ہیں (اخبار پیغام صلح ۲۳ اگست ۱۹۴۳ء ص۵) غرض یہ شعر آپ کی زبان سے خوب سجتا ہے ؎

رند بھی ہوں میں پارسا بھی ہوں   مری نگاہ میں ہیں رند و پارسا اک ایک

(یکم ستمبر ۱۹۴۳ء)

مسلمانانِ ہند کی سیاسی رہنمائی کے لئے **جمعیت علماء ہند** بمقام لکھنؤ آپ ہی کی تحریک سے وجود میں آئی۔ لکھنؤ کے اجتماع میں خاطر خواہ اس سلسلہ میں کامیابی نہیں ہوئی۔ مگر ایک دوسرے موقع پر آپ نے اس تحریک کو پھر اٹھایا اور جمعیۃ العلماء کا ایک مختصر سا ڈھانچہ بن گیا جس کا ایک اجلاس آپ ہی کی دعوت پر امرتسر میں بتاریخ ۲۶ محرم ۱۳۳۸ھ منعقد ہوا۔ آپ نے صدر

استقبالیہ کی حیثیت سے مندرجہ ذیل خطبہ دیا۔ جس سے جمعیتہ علماءِ ہند کی تاسیس وتاریخ پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

برادرانِ اسلام! اسلام خدا کا سچا دین ہے۔ جملہ انسانوں کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ اس لئے انسانوں کو اُن کی جملہ ضروریات میں ہدایت کرتا ہے۔ عقائدِ صحیحہ عبادتِ خالصہ سکھاتا ہے۔ اخلاق فاضلہ کے علاوہ سیاسیات کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ اسی لئے خلافت راشدہ کے زمانہ میں یہ سب کام علماء اسلام کے ذمے ہوتے تھے۔ یعنی علماء اور فقہاء ہی مفتی قاضی وغیرہ ہوتے تھے بلکہ وزرائے سلطنت اور افسرانِ فوج بھی علماء ہی ہوتے تھے۔ ہندوستان میں جب ہر قسم کی تحریکات جاری ہوئی تو سیاسیات نے بھی ظہور کیا۔ مذہبی طبقہ میں ضرورت محسوس ہوئی کہ سیاسیات کو مذہبی رنگ میں دکھانے کے لیے علماء کی جماعت قائم ہونی چاہیئے۔ جس کی تفصیل یہ ہے

جن دنوں وزیر ہند مارلے ہندوستان میں آئے تھے۔ جن کی یاد میں منٹو مارلے سکیم مشہور ہے۔ لکھنؤ میں علماء کی ایک مجلس حسبِ تحریک مولانا عبدالباری صاحب منعقد ہوئی۔ پنجاب سے مجھے بلایا گیا۔ مجلس مذکور میں تجویز پاس ہوئی کہ علماء کا ایک وفد وزیرِ ہند کی خدمت میں مسلمانوں کی مذہبی ضروریات پیش کرے۔ چنانچہ یہ وفد پیش ہُوا۔ میں اس کی تفصیل میں نہیں جاتا۔ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسی مجلس علماء میں میں نے یہ تجویز پیش کی کہ سیاسیات میں مذہبی رہنمائی کرنے کے لئے علماء کی ایک جماعت ہمیشہ کے لیے منظم ہونی چاہیئے۔ متواتر دو روز اس تجویز پر بحث ہوتی رہی۔ مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد دہلی میں ایک تبلیغی جلسہ ہُوا جس میں میں بھی شریک تھا۔ بعد فراغت خاص اصحاب کی مجلس میں میں نے یہ تحریک کی کہ ہمیشہ کے لیے علماء کی ایک جماعت منظم ہونی چاہیئے۔ اس جلسہ میں مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے علاوہ اور کئی ایک اصحاب میرے ہمراہ شریک تھے۔ انہوں نے میری تائید کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ جمعیتہ العلماء کا ایک خام سا ڈھانچہ تیار ہو گیا۔ جس کے صدر مولانا کفایت اللہ صاحب اور ناظم مولانا احمد سعید صاحب مقرر ہوئے۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد امرتسر میں مسلم لیگ کا جلسہ ہونے والا تھا۔ اسی امید پر میں ان دونوں صاحبوں کو جمعیتہ علماء کی تحریک کو کامیاب

بنانے کے لئے امرتسر آنے کی دعوت دے آیا تاکہ امرتسر میں اعیانِ اسلام کو جمعیۃ العلماء میں شرکت کی تحریک کی جائے۔ اسلامیہ اسکول کی ایک کوٹھڑی میں ان دونوں صاحبوں کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ ان کے ساتھ تیسرا میں (داعی) ہوتا۔ یہ کوٹھڑی کیا تھی۔ گویا غارِ ثور کا ایک نمونہ تھی۔ ہاں ان دونوں مقاموں میں امتیاز یہ تھا کہ وہاں دو پاک ہستیاں تشریف فرما تھیں اور یہاں دو تین گنہگار، مغفرت کے امیدوار بیٹھے تھے۔ جمعیۃ کے اسی فوری اجلاس میں پہلا ریزولیشن مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم نور اللہ مرقدہ کے متعلق پاس ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت ممدوح اگرچہ ان دنوں جزیرۂ مالٹا میں اسیر فرنگ تھے۔ تاہم اپنے شاگردوں کے پاس تشریف لاکر فرماتے تھے کہ میرے بچو میری رہائی کے لئے کوشش کرو۔ کیسے تشریف لاتے تھے؟ جیسے عرب کا شاعر جو جیل میں محبوس تھا۔ اسی حالت میں اپنی محبوبہ کا وہاں پہنچ جانا بیان کرتا ہے۔ ؎

عجبت لمسراها وانی تخلصت لدی وباب السجن دونی مغلق

شاعر کہتا ہے کہ میں حیران ہوں۔ باوجودیکہ میں جیل میں محبوس ہوں اور جیل کا دروازہ بھی بند ہے۔ تاہم میری محبوبہ میرے پاس پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت موصوف تشریف لاتے ہیں اور اپنے خادموں کو خوابِ غفلت سے بیدار فرماتے ہیں۔ اسی بیداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اصحاب ثلاثہ میں سب سے پہلے یہ تجویز پاس ہوئی کہ حضرت ممدوح کی رہائی کے لئے ویسرائے کو تار کیا جائے۔ تار کے خرچ کا اندازہ ۳۰؍ تیس روپے کیا گیا۔ یہاں میں پہنچ کر بڑی مسرت کے ساتھ یہ بات ظاہر کرتا ہوں۔ کیونکہ میں اس امر کو اپنے لئے باعثِ عزت اور موجب نجات جانتا ہوں کہ تار کا سارا خرچ میں نے ادا کیا۔ تقبل اللہ سعینا۔

یہ تھی جمعیۃ العلماء کی پہلی میٹنگ اور پہلا ریزولیشن۔ جو دراصل آئندہ کے لئے ایک بنیادی پتھر تھا۔ یہاں چونکہ مولانا محمود الحسن صاحبؒ کا ذکر آگیا ہے۔ اس لئے میں ممدوح کی شخصیت کے متعلق چند فقرے عرض کر دوں تو بیجا نہ ہوگا۔

"موصوف بڑے پایہ کے عالم تھے۔ ہر فن کی تعلیم دیتے تھے۔ مگر حدیث کے ساتھ آپ کو خاص اُنس تھا۔ میرا چشم دید واقعہ بلکہ روزانہ کے واقعات ہیں۔ کہ آپ جس

چوکی پر حدیث کی کتاب رکھ کر پڑھاتے تھے۔ منطق اور فلسفہ کی کتابیں اس پر نہیں رکھتے تھے بلکہ نیچے رکھتے تھے۔ یہ واقعہ میں اپنی ساری مدتِ تعلیم میں دیکھتا رہا بحق حدیث آپ کے حسنِ عقیدہ کا اظہار ان اشعار میں کروں تو بجا ہے۔ آپ گویا زبانِ حال سے فرماتے تھے ؎

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے؟ دُردانۂ دُرجِ مصطفیٰ ہے
صوفی، عالم و حکیم دینی کرتے رہے اسی کی خوشہ چینی
بابا کے ہاں سے کون لایا جس نے پایا یہیں سے پایا

آپ کی شخصیت کا ذکرِ خیر گورنمنٹ کی شائع کردہ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں بھی ملتا ہے۔ میں یہ فقرہ بھی عرض کردوں تو بجا ہے۔ کہ ممدوح کو میرے ساتھ اپنی اولاد کی طرح محبت تھی۔ اسی لئے بڑے بڑے مباحثوں میں جہاں اکابرِ دیوبندیہ کا دخل ہوتا۔ مباحثہ اس خاکسار کے سپرد کیا جاتا جیسے مباحثہ نگینہ اور رام پور وغیرہ۔

ہاں میں اوپر ذکر کر آیا ہوں کہ جمعیۃ العلماء کا پہلا ریزولیوشن مولانا موصوف کی رہائی کے متعلق پاس کیا گیا۔ خدام نے تار بھیجنے ہی پر کفایت نہیں کی بلکہ دعا کے ذریعہ بھی خدا سے استعانت کرتے رہے۔ گویا مرزا غالب کا یہ شعر وردِ زباں تھا ؎

میرے دل میں ہے غالبؔ شوقِ وصل و شکوۂ ہجراں خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

بفضلہٖ تعالیٰ نتیجہ یہ ہوا کہ جمعیۃ العلماء کے جلسہ دہلی کے صدر آپ ہی منتخب ہوئے۔ گو علالت کی وجہ سے جلسہ میں شریک نہ ہو سکے تاہم بحکم ؎

"صدر ہر جا کہ نشیند صدر است"

گویا آپ ہی صدارت فرما رہے تھے اس کے بعد جمعیۃ العلماء بعنوائے اَنْبَتَهَا اللّٰهُ نَبَاتًا حَسَنًا ایسی بڑھی کہ اس کا سایہ سارے ملک میں پھیل گیا پشاور سے کلکتہ تک اس کے جلسے ہوتے رہے۔ بڑے بڑے سیاسی امور میں اس نے رہنمائی کی۔ جمعیۃ کی کارگذاریوں میں سے ایک کارگذاری بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔ دہلی کے جلسہ میں میں نے تجویز پیش کی تھی کہ آئندہ حصولِ سوراج کے موقع پر مسلمانوں کو اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ اپنا نظامِ شرعی الگ قائم کر سکیں۔ یعنی ضروریاتِ قومی اور مذہبی کے لئے مسلمانوں کی شرعی عدالتیں قائم کی جائیں۔ جو حسبِ قانونِ شریعت

فیصلہ کیا کریں۔ اس ریزولیوشن پر بحث ہوتی رہی۔ مگر بعض ممبران کی مخالفت کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی۔ مخالف ممبر بھی نیک نیت تھے۔

اس کے بعد لاہور میں زیر صدارت مولانا ابوالکلام آزاد جمعیۃ کا جلسہ منعقد ہوا۔ میں نے یہ ریزولیوشن پھر پیش کیا۔ حسنِ اتفاق سے میرے ہم رائے ممبران مولانا ابراہیم سیالکوٹی وغیرہ بھی اس اجلاس میں شریک تھے۔ ان کی تائید سے یہ ریزولیوشن پاس ہوکر بدستخط اخبار الجمعیۃ میں شائع ہوگیا۔ اس کے علاوہ وہ سیاسی فتویٰ بھی مشہور ہے۔ جس پر جمعیۃ نے بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ شہر امرتسر بھی قربانی دینے میں پیچھے نہیں رہا۔ خدا ان قربانیوں کو قبول کرکے ان میں برکت بخشے۔ جمعیۃ العلماء کا بڑا جلسہ ماہِ مارچ میں بمقام لاہور ہونے والا ہے۔ جس کی تمہید کے طور پر امرتسر میں ایک جلسہ ہو رہا ہے۔ اس کے صدر مولانا احمد سعید صاحب قرار پائے ہیں۔ میں مجلس استقبالیہ کی طرف سے ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ کہ موصوف کرسیٔ صدارت کو عزت بخشیں۔ اور اپنے خطبۂ صدارت سے حاضرینِ مجلس کو محظوظ فرمائیں ؎

میر جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے　　پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

آخر میں مجلسِ استقبالیہ کی طرف سے حاضرین اور سامعین کے جلسہ میں شریک ہونے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۝　　ابوالوفاء ثناء اللہ صدر مجلس استقبالیہ امرتسر

(اہلحدیث امرتسر ص۴ ۸۴　۲۶ محرم ۱۳۶۱ھ)

جمعیۃ العلماء ہند کے علاوہ مرحوم اور بھی دیگر قومی سیاسی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ آپ ندوۃ العلماء کے ایک عرصہ تک رکن رہے۔ بلکہ بقول آپ کے ندوۃ العلماء آپ کی دستار بندی ہی کے اجلاس میں بمقام کانپور ۱۳۱۰ھ میں قائم کیا گیا۔ اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ مرحوم جب کبھی بسلسلہ تبلیغ اضلاع یوپی میں تشریف لے جاتے تو دارالعلوم ندوہ میں حاضری کے لئے ضرور کوشش فرماتے۔ حضرت العلامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:-

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مرحوم مدرسہ میں تشریف لائے۔ میں درس میں تھا۔ ان کو آتا دیکھ کر ان کی طرف لپکا۔ مگر مرحوم نے میرے بجائے سبقت استاذی شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور حدیث کا یہ ٹکڑا پڑھا کبر الکبر یعنی بڑے کو

بڑائی دو۔ مرحوم کبھی کبھی قومی جلسوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں ندوہ کی تحریک اصلاح کے سلسلہ میں جب حکیم اجمل خان مرحوم کی دعوت پر دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا، جس میں سارے ہندوستان کے مسلمان نمائندے شریک تھے تو مولانا شبلیؒ کی تحریک پر مرحوم ہی صدر مجلس قرار پائے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں جب تحریکِ خلافت کا پہلا ابتدائی جلسہ لکھنؤ میں ہوا، جس میں سارے ملک کے اکابر و مشاہیر جمع تھے۔ اس میں بھی مرحوم شریک تھے۔ ۱۹۲۵ء کی جمعیۃ العلماء کے اجلاس کلکتہ میں جس میں اس خاکسار کی صدارت تھی مرحوم موجود تھے۔ (معارف)

ہندی مسلمانوں کے علاوہ دیگر ممالک کے مسلمانوں سے بھی آپ کو گہری حقیقی دلچسپی تھی۔ اٹلی والوں نے جب مسلمانانِ طرابلس کو مشقِ ستم بنایا اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے تو مرحوم نے بڑی دلسوزی کے ساتھ لکھا۔

اخوانِ طرابلس سے ایک ٹریکٹ عربی زبان میں چھپا ہوا ہندوستان کے اسلامی اخباروں میں آیا ہے۔ اس ٹریکٹ میں اٹلی کے وہ مظالم لکھے ہیں جو بقول اخوت طرابلسیہ اقوام یورپ ہی کے لیے نہیں نسل انسانی کے لیے بھی موجب شرم ہیں۔ سنوسیؒ خانقاہ جہاں اللہ اللہ کہنے والے رہتے ہیں اس کو شراب خانہ بنایا گیا۔ بڑے بڑے مقدس لوگوں کو ہوائی جہاز پر بٹھا کر اوپر سے زمین پر گرا دیا گیا۔ اس پر فوجی لوگ ہنستے اور کہتے۔ "فلیات محمد ذالک البدوی الذی اغراکم بالجهاد ویخلصکم من ایدینا" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عربی کے پاس آوے۔ جس نے تمہیں جہاد کرنا سکھایا ہے۔ وہ تم کو ہمارے ہاتھوں سے چھڑائے۔ یہ سارے واقعات دل ہلا دینے والے ہیں۔ ہم مسلمانانِ ہندوستان اگر اپنی حالت پر غور کریں تو طرابلسی برادران سے بھی زیادہ ذلیل حالت میں ہیں۔ تاہم حقِ اخوت ادا کرنا ہم پر فرض ہے۔ جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہم خداوند مالک الملک سے بالحاح و زاری دعا کریں کہ اے مالک الملک ذوالجلال والاکرام تو مظلوم طرابلسی بندوں کی مدد کر اور ان کے دشمنوں کو مغلوب کر۔ (۲۹ رمئی ۱۹۳۱ء)

اقوامِ ہند کے باہمی خطرناک جنگ و جدال کو دیکھ دیکھ کر مرحوم ہر وقت کبیدہ خاطر رہتے۔ ایک موقع پر لکھتے ہیں:-

آخر یہ جنگ وجدل کب تک رہے گی۔ کیا ہمارا ملک اسی مصیبت میں مبتلا رہے گا۔ کیا اسی کی اسی طرح گت بنتی رہے گی۔ کیا یہ ملک کسی بیرحم محبوب کو مخاطب کر کے یہی کہتا رہے گا۔ ؎

یہ دل بنا ہے تیری چشم فتنہ زا کے لیے ۔۔۔ ہمارا ہوتا تو رہتا ہمارے سینے میں

ہاں ضرور یہی حالت رہے گی۔ بلکہ خطرہ ہے کہ کہیں اس سے بھی زیادہ نہ ہو جائے اس لئے کہ ہندوستانی قوموں نے باوجود مذہبی کہلانے کے اپنے مذہب اور دھرم کو چھوڑ رہا ہے، ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان کی مختلف قومیں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی وغیرہ اپنے اپنے مذہب کی ہدایت کے پورے پورے پابند ہو جائیں تو نہ کوئی لڑائی ہو نہ فساد۔

کیونکہ جہاں تک اخلاقی حصہ ہے۔ ہر مذہب میں کم و بیش اس کی ہدایت ملتی ہے لیکن اب تو یہ حالت ہے ؎

ہندو سنگٹھنے ہیں مسلماں تنظیمے (اہلحدیث ص۱۶ ۱۳ ذوالقعدہ ۱۳۵۴ھ)

آخری ایام حضرت مرحوم کے جن حالات میں گذرے وہ ایک مستقل داستان ہے۔ اگست ۱۹۴۷ء میں جملہ باشندگان پنجاب کو جن حوادث و مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ اُن سے بھلا مرحوم کیسے بچ سکتے تھے۔ مرحوم کا علمی خزانہ اور اکلوتا بیٹا فسادات کی نذر ہوا۔ مرحوم تباہ حال و مصیبت زدہ ہو کر گوجرانوالہ پہنچے۔ بنام مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی آخری نامہ مبارک تحریر فرماتے ہیں۔

عزیزم سلمکم اللہ دعائکم۔ عیال سب باستثناء ایک فرد خیریت سے گوجرانوالہ پہنچ گئے۔ مجھ اکیلے کو اہل گوجرانوالہ پیچھے لائے تھے جتنے دن میں لاہور میں رہا۔ بڑی لڑکی کے گھر میں رہا۔ باقی کیا سننا چاہتے ہو۔ ؎

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری ؎

غم نہیں رہتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس ۔۔۔ برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

خدائے تعالیٰ آپ کو اور آپ کے بچوں اور بھائی بندوں کو زمیہ ہے کہ حضرت مولانا بنارسی مرحوم کے بچوں کی فہرست میں ان کے چیدہ شاگردان اور بھائی بندوں کی فہرست میں جملہ اخوان اہل حدیث ہند شامل ہو سکیں گے۔ (مرآف) خیر و سلامتی سے رکھے ؎

نہ سمجھو بیوہ اتنا طول غالب مختصر لکھ دے ۔۔۔ کہ حسرت سنج ہوں عرض ستم ہائے جدائی کا

خیر ۲۲ ۔۔۔ ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری"

محترمی مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈے نگری تحریر فرماتے ہیں "آخر عمر میں بھی گوجرانوالہ کے قیام کے زمانہ میں مولانا کے زہد و تقویٰ ورع و پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ مولانا نے زکوٰۃ کے نام سے کوئی رقم قبول نہ فرمائی مولانا اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ کا خط میرے پاس آتا رہا۔ مولانا کے حالات معلوم کرتا رہا۔ انھوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ گوجرانوالہ میں لوٹ مار کی بہت سی چیزیں آئی تھیں۔ جب احباب کچھ تحفہ پیش کرتے تو پوچھ لیتے کہ لوٹ و غارت کی چیزیں تو نہیں ہیں۔ اطمینان کامل ہونے پر قبول فرماتے۔ وکفیٰ بہٖ قدوۃ۔" ۵ر جنوری ۱۹۴۸ء کو مرحوم اہل و عیال سمیت سرگودھا تحصیل خوشاب ضلع شاہپور بطابق حکم پنجاب گورنمنٹ (پاکستان) بادلِ ناخواستہ تشریف لے گئے۔ وہاں ۱۲ر فروری ۱۹۴۸ء کو مسلسل صدمات کے نتیجہ میں فالج کے شکار ہو گئے۔ علاج معالجہ سب بیکار ثابت ہوا اور ۱۵ر مارچ ۱۹۴۸ء کو یہ آفتاب علم سرگودھا کی زمین میں غروب ہو گیا! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝ آپ کے انتقال پر ملال کی خبر سن کر بلا امتیاز تمام علمی حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ دہلی کے ایک بہت بڑے سیاسی جلسہ میں گاندھی جی کے ماتم کے ساتھ ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند وغیرہم نے آپ کے انتقال پر ایک غیر معمولی نقصان اور علمی فقدان کا درد انگیز ماتم کیا۔ حضرت علامہ ڈاکٹر صدیق حسن سعیدی بستوی فاضل السنہ شرقیہ کی قلم سے مرحوم کی تاریخ وفات یہ ہے۔

تھی ذوق سے مجھے فکرِ تاریخ اس شیخ و مجاہد کی ہر دم!
ہاتف نے پکار دی یہ ندا لکھدے برجستہ "ھُوَ الْمَغْفُوْرُ"

۱۳۶۷ھ

مقالہ[1] بہت طویل ہو گیا۔ اور جتنا لکھا گیا بہت تھوڑا ہے مگر مزید تفصیل کے لئے یہ اوراق بالکل متحمل نہیں۔ اس لئے ناظرین کرام سے معافی کی درخواست کرتا ہوا آخر میں چند اشارے "فتاویٰ ثنائیہ" کی طرف کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

۱۔ انتخاب فتاویٰ میں جو فتویٰ جس مقام سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو اسی کے مناسب باب کے تحت درج کیا گیا ہے۔

۲۔ اگر کسی سوال کی عبارت طویل ہے تو اس کی اصلیت کو باقی رکھتے ہوئے اختصار کر دیا گیا ہے۔ ایسے گنتی میں صرف چند ہی سوال ملیں گے۔

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھو ندائے اسلام کانپور کا شیخ الاسلام نمبر۔

۳۔ بیشتر حوالہ جات تاریخ و سند وار دیے گئے ہیں۔ جن کی پوری جانچ کی گئی ہے۔ پھر بھی بتقاضائے بشریت غلطی کا ہر وقت امکان ہے۔ اس لئے اگر کہیں ایسا نظر آئے تو ناظرین سے معافی اور درستگی کی درخواست ہے۔

۴۔ مرحوم کا کوئی مقالہ یا دیگر علماءِ ملت کے فتاوے و مضامین و مقالہ جات جہاں آپ کو ملیں سمجھ لیجئے کہ اس کا تعلق منعقدہ باب سے ہے یا اس فتویٰ سے جو ابھی اس سے پہلے لکھا گیا ہے۔

۵۔ خادم کی حیثیت صرف ناقل کی ہے۔ خلافیات میں رائے زنی اور راجح مرجوح کا حق کلیۃً ناظرین کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

۶۔ فتاویٰ کی ضخامت اور مضامین کی افادیت کے پیشِ نظر فتاوے اور مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے۔ حالاتِ حاضرہ و ضروریاتِ موجودہ کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ تمام مجلدات "اہلحدیث مرحوم" میں شائع شدہ فتاووں کا استقصاء ناممکن تھا۔ پوری ذمہ داری کے ساتھ مجموعہ کو مفید ترین بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ تاہم ناقل کو اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کا دل سے اعتراف ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ ان منتخب کردہ فتاووں اور تشریحات سے بہت زیادہ مفید اور بہتر فتاوے اور متعلقہ تشریحی مضامین ایسے رہ گئے ہوں جن تک ناقل کی رسائی نہ ہو سکی ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر یہ علمی ذخیرہ حضرت والا قدس سرہ العزیز کی حینِ حیات میں آپ کی زیرِ نگرانی ترتیب دیا جاتا تو بہت زیادہ بہتر بنتا۔ مگر کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا کے مطابق علمِ الٰہی ہی اس کے لئے یہی وقت مقدر تھا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ صاحبِ فتاویٰ کی منشاء تک ناقل کہاں تک پہنچ سکا ہے اور اس اہم ترین ذمہ داری کو نباہنے میں ناقل سے کیا کیا کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جملہ لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔

اہلِ علم حضرات سے آخر میں پھر گذارش ہے کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى صرف شانِ رسالت ہی کا خاصہ ہے۔ پس اگر مولانا مرحوم کا کوئی فتویٰ قابلِ اعتراض ہو تو مرحوم کی تحقیق پر طعن تشنیع کرنے کی بجائے دعاءِ مغفرت سے کام لیں۔ اور لکل امرءٍ ما نوی کے ماتحت نیک نیتی پر محمول کریں۔ نیز حضرت محشی کی فاضلانہ تحقیقات و دیگر علماءِ کرام کی تشریحات کو بھی اسی نقطۂ نظر سے ملاحظہ فرمائیں۔

آخر میں ان تمام اہلِ علم و امداد کنندگان حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے دامے، درمے، سخنے اس نیک ارادہ میں میرے ساتھ تعاون فرمایا۔ بالخصوص کتابتی دوران

حضرت الاستاذ مولانا ابوسعید شرف الدین صاحب مدظلہ العالی کا بہت بہت مشکور ہوں۔ جنھوں نے پورے غور سے اس تمام مجموعے کو نہ صرف ملاحظہ فرمایا۔ بلکہ موقع بموقع فاضلانہ تشریحات ارقام فرما کر اس کو چار چاند لگا دیے۔ حضرت مولانا عبد السلام صاحب مولوی فاضل بستوی کا بھی نہایت شکر گذار ہوں۔ جنھوں نے مراحل طباعت میں قدم قدم پر میرا ساتھ دیا۔ نیز جناب مولانا ظفر عالم صاحب دام فیضہٗ کا بھی بہت ممنون ہوں جن کی ہمت افزائی سے اس دشوار گذار راستہ کو طے کرنے میں بہت مدد ملی۔

راقم ناچیز

محمد داؤد راز

۱۰ ذیقعدہ ۱۳۷۲ھ

مناظرِ اسلام حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نور اللہ مرقدہٗ

از قلم حضرت مولانا ابو مسعود قمر بنارسی مدظلہ العالی

حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پُر ملال سے تمام مسلمانوں کو عموماً اور جماعت اہل حدیث کو خصوصاً اس قدر نقصان پہنچا ہے کہ اس کی تلافی غیر ممکن ہے۔ مولانا مرحوم میں اس قدر خوبیاں تھیں کہ ان کا احاطہ تحریر سے باہر ہے۔

مجھے حضرت مولانا مرحوم سے سب سے پہلے شرفِ ملاقات کا موقعہ غالباً ۱۹۰۲ء میں حاصل ہوا جبکہ والد ماجد حضرت مولانا محمد سعید صاحب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ مذاکرہ علمیہ آرہ کے جلسے سے اپنے ساتھ بنارس لائے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت دونوں بزرگ برادر حقیقی کی طرح معلوم ہوتے تھے حضرت مولانا امرتسری نے اپنی آخر زندگی تک ہم لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک و برتاؤ کیا جو اپنے حقیقی عزیز کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا امرتسری مرحوم فی الواقع اس صدی کے مجدد تھے۔ آپ کی علمی و دینی خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا کوئی ثانی نہیں۔ آریہ سماج کی طرف سب سے پہلے مولانا نے ہی توجہ فرمائی اور ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب کا جواب حق پرکاش کے نام سے شائع فرمایا۔ جو بھی اسلام اور مذہب اہل حدیث کے مقابلہ پر آیا سب سے پہلے اس کی مدافعت کرنے والے حضرت مولانا مرحوم ہی تھے۔ مرزائی ہوں یا اہل قرآن، شیعہ ہوں یا بہائی۔ بریلوی ہوں یا دیوبندی ہر ایک کا کامیاب مقابلہ کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی تو مولانا سے ازحد پریشان تھے اور مرزا کی پریشانی آخری فیصلہ کی دعا سے ظاہر ہے ہر فریق مولانا کے نام سے کانپتا تھا۔ ایک دفعہ مولانا امرتسری بریلی سے گزرتے ہوئے اتر گئے اور مولانا احمد رضا خان کے پاس پہنچے اور علمی گفتگو شروع کر دی اس گفتگو میں مولانا بریلوی اور ان کے بڑے صاحبزادے اس قدر پریشان ہوئے کہ اخیر میں لاجواب ہو گئے جب مولانا امرتسری مولانا بریلوی کے پاس سے چلے گئے تو کسی نے بریلوی صاحب کو اطلاع دی کہ یہ مولانا امرتسری تھے تو مولانا بریلوی سن کر حیران رہ گئے اسی طرح بنارس کے شیعہ جماعت کے ایک مجتہد صاحب بہت ہی قابل شخص تھے ایک دفعہ حضرت مولانا امرتسری مرحوم استاذی حضرت مولانا منیر خان صاحب بنارسی مرحوم کے ساتھ ان مجتہد صاحب سے ملنے تشریف لے گئے اور مسئلہ خلافت پر گفتگو شروع

ہو گئی۔ آخر میں شیعہ مجتہد صاحب ایسے زچ ہوئے کہ بول تک نہ سکے اور جسم پر لرزہ آگیا۔

مولانا امرتسری مرحوم کی تقریر و تحریر میں وہ شیرینی تھی اور وہ مقناطیسی اثر کہ سخت سے سخت مخالف بھی اس کو مانتے تھے۔ مخالفین اسلام کی طرف سے سب سے زیادہ زہریلی کتاب جو شائع کی گئی وہ "رنگیلا رسول" نامی کتاب تھی مگر یہ مولانا ہی کا کام تھا کہ اس کا جواب "مقدس رسول" نامی کتنے شیریں اور مہذب لفظوں میں دیا ہے کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا حیران تھی اور سخت سے سخت مخالف نے بھی اس کی تعریف کی۔ مولانا اپنی ذہانت اور حاضر جوابی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اس کا لطف جلسوں، مناظروں اور علماء سے گفتگو کرنے کے وقت آتا تھا۔ کوئی مذہبی فرقہ یا جماعت ایسی نہ تھی کہ اس نے اسلام یا توحید و سنت کے خلاف کچھ لکھا اور مولانا امرتسری نے بذریعہ اخبار اہلحدیث یا رسالہ اس کا جواب نہ دیا ہو۔ ہر فرقہ یا جماعت کے جواب کی جامع و مانع خوبی محض مولانا امرتسری ہی میں تھی۔

اجراءِ اخبار۔ مرحوم نے نومبر ۱۹۰۳ء میں اخبار اہلحدیث جاری کیا جو جولائی ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ اور توحید و سنت کی اشاعت میں ہمہ تن کوشاں رہا اور بموقع آزادی و تقسیم ہند پنجاب کے انقلاب اور امرتسر کے ہولناک فساد پر حسب مولانا کو مجبوراً امرتسر چھوڑنا پڑا۔ اس وقت اخبار اہلحدیث مجبوراً بند ہوا۔ اناللہ۔ مولانا کے امرتسر کے قیام میں مناظرات میں حصہ لینے کی طرف توجہ ہوئی تو ہر دین اور ہر مذہب والوں سے مناظرے ہوئے۔ بعض مناظروں میں منصف مقرر ہوئے اور منصفوں کے فیصلے بھی خدا کے فضل سے مولانا کے حق میں ہوئے۔ مثال کے طور پر دو تین منصفانہ مناظرے یہ ہیں۔ امرتسر میں ۱۹۰۳ء مطابق ۱۳۲۱ھ مسئلہ غیب پر دیوبندی بریلوی احناف سے مناظرہ ہوا۔ فریق ثانی کی طرف سے مولوی عبدالصمد خان صاحب حنفی امرتسری پیش ہوئے جو اچھے ذی علم تھے منصف مولانا عبدالحق صاحب دہلوی مرحوم مصنف تفسیر حقانی نے فیصلہ مولانا کے حق میں دیا۔ روئیداد مناظرہ مع فیصلہ از جانب فریقین مطبوعہ موجود ہے۔ دوسرا مناظرہ جماعت مرزائیہ سے بمقام لدھیانہ ۱۹۱۲ء میں ہوا جس میں سرپنچ ایک سکھ وکیل سردار گوربچن سنگھ تھے ان کا فیصلہ بھی مولانا کے حق میں ہوا۔ جس میں تین سو روپیہ انعام بھی پایا۔ تیسرا مناظرہ ۱۹۲۳ء میں جلالپور پیروالا ضلع ملتان میں ہوا۔ رفع الیدین کے مسئلہ پر جس میں وہاں کے ایک شیعہ رئیس منصف تھے ان کا فیصلہ بھی مولانا کے حق میں ہوا۔ زبانی مباحثے ہر مذہب سے بکثرت ہوئے مگر چند مباحثے بڑے پائے کے ہوئے جن میں ہزارہا حاضرین شریک ہوئے

اور کئی کئی دنوں تک تحریری ہوتے رہے ۱۹۰۳ء میں دیوریا (یو پی) ایک ہفتہ بھر آریوں سے تحریری مناظرہ ہوا جس کی روئیداد مطبوعہ بھی موجود ہے۔ ۱۹۰۶ء میں بمقام نگینہ ضلع بجنور آریوں سے تحریری مناظرہ ہوا جس کی بھی روئیداد مطبوعہ موجود ہے۔ ۱۹۰۹ء میں بمقام ریاست رامپور والی رامپور کے زیر حکم جماعت مرزائیہ سے مناظرہ ہوا جس کے متعلق نواب صاحب والی ریاست نے فیصلہ کی شکل میں نہیں مگر سرٹیفکیٹ کی صورت میں مولانا کو ذیل کی تحریر عنایت فرمائی۔ ۱۸ جولائی ۱۹۰۹ء رام پور میں قادیانی صاحبان سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں۔ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی اسے بدلائل ثابت کیا ہم ان کے بیان سے محظوظ و مسرور ہوئے (نواب صاحب محمد علی خان والی ریاست)"

اسی طرح جبلپور میں ۱۹۱۳ء میں آریہ سے بہت بڑے پیمانہ پر مباحثہ ہوا جس کی روئیداد بھی چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ ۱۹۲۳ء میں مرزائیوں سے نکاح آسمانی پر سکندر آباد دکن میں تحریری مناظرہ ہوا۔ سندھ میں کئی مناظرے ہوئے چنانچہ جنوری ۱۹۲۶ء میں آریوں سے زبردست مناظرہ ہوا۔ ہر دو مناظروں کی مطبوعہ روئیدادیں موجود ہیں ۱۹۲۴ء میں عیسائیوں نے الہ آباد میں لیکچروں کا سلسلہ شروع کر کے مسلمانوں کو بہت تنگ کیا اور الہ آباد والوں نے مولانا امرتسری کو بلایا مضمون توحید و تثلیث پر کئی روز تک مباحثہ ہوتا رہا جس میں ہزارہا لوگ شریک ہوتے رہے۔ اس کی بھی مطبوعہ روئیداد موجود ہے۔ جنوری ۱۹۰۳ء میں مولانا کے قادیان جانے کے بعد مرزا صاحب سے مکالمہ بذریعہ اخبار و رسائل ہوتا رہا۔ آخر کار مرزا صاحب نے مولانا کے ساتھ مذاکرہ سے تنگ آکر ۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں ایک اشتہار دیا جس کی سرخی تھی "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" اس اشتہار میں مرزا صاحب نے اپنی تکلیف کا (جو مولانا کی تحریرات سے ان کو ہوتی تھیں) ذکر کر کے سچے کی زندگی میں جھوٹے کی موت کے لئے دعا کی اور بطور پیش گوئی یہ فقرہ بھی لکھا کہ اگر میں (مرزا) جھوٹا ہوں تو آپ (مولانا ثناء اللہ صاحب) کی زندگی ہی میں مر جاؤں گا۔ اگر آپ (مولانا ثناء اللہ صاحب) جھوٹے ہیں تو مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے یعنی مجھ سے پہلے مریں گے نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ تیرہ ماہ بعد مرزا صاحب کی دعا کا اثر ظاہر ہو گیا کہ مرزا صاحب مر گئے اور مولانا امرتسری سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ ان کے بعد جماعت احمدیہ کے ساتھ لدھیانہ میں انعامی مباحثہ مولانا امرتسری کے ساتھ ۱۹۱۲ء میں اسی مضمون پر ہوا جس میں مرزائیوں کو شکست فاش ہوئی۔ فللہ الحمد۔

مولانا سات برس کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے اور چودہویں سال تک کل اقربا مولانا کی جدائی ہو گئی۔ مگر مولانا کے ساتھ فضلِ ایزدی شامل حالِ رہا۔ ۱۸۹۱ء میں ایک معزز خاندان میں نکاح ہوا۔ صاحب اولاد ہوئے ۱۹۳۵ء میں ایک صاحبزادے (مولوی عطاء اللہ صاحب مرحوم شہید) اور دو صاحبزادیاں زندہ تھیں اور سب صاحب اولاد۔ ۴ نومبر ۱۹۳۷ء کو مولانا پر قاتلانہ حملہ ہوا مگر خدا نے اپنے فضل و کرم سے مولانا کو بچا لیا گو سر اور چہرہ کے زخم بہت سخت، گہرے اور خطرناک تھے مگر خدا نے اپنے فضل و کرم اور خاص مہربانی سے شفا بخشی ۱۹۴۷ء تقسیم پنجاب کے وقت امرتسر میں رمضان المبارک کے آخری ہفتہ میں جو سخت فساد ہوا ہے اس میں حضرت مولانا امرتسری کے اکلوتے صاحبزادے مولوی عطاء اللہ صاحب منیجر ثنائی برقی پریس امرتسر اپنی گلی کی حفاظت کرتے ہوئے بحالتِ روزہ "بم" سے شہید کئے گئے۔ کسی نے اس گلی میں بم پھینکا جس سے آپ سخت مجروح ہوئے اور ہسپتال لے جاتے ہوئے راستہ ہی میں روح پرواز کر گئی اور شہید ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ واقعہ بعد عصر کا ہے۔ مرحوم کے والدین کو عالم پیری میں اور مرحوم کی اولاد کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا۔ مولانا نے اپنی مسجد میں خود نماز جنازہ پڑھائی اور دس مخصوص حضرات (جن کو اس کا پرمٹ ملا تھا) مرحوم کو دفن کرنے لے گئے۔ چونکہ یہ گلی بھی جس میں مولانا کا مکان اور دفتر اخبار اہل حدیث تھا مسلمانوں کے لئے سخت مخدوش ہو گئی تھی اس لئے اسی دن بعد مغرب مولانا کے مخصوص عقیدت مند مولانا کے پاس پہنچے اور فوراً اس گلی کے چھوڑ دینے کی درخواست کی اول تو مولانا اور ان کے گھر والے اپنے اکلوتے صاحبزادے کے اچانک انتقال و شہادت سے حواس باختہ اور سخت رنجیدہ تھے ہی کہ فوراً گھر بار چھوڑنے کی یہ دوسری آفت آئی۔ محض پانی سے سب نے روزہ کھولا تھا اور وہاں اس وقت کوئی نہ تھا جو اس صدمۂ عظیم پر صبر دلاتا اور دن بھر کے روزہ داروں کو کھانا کھلاتا کہ اسی وقت مولانا کو وہ گلی چھوڑنی پڑی۔ گرمی کا زمانہ تھا اس لئے مولانا اور ان کے گھر والے، اہلیہ محترمہ، پوتے، پوتیاں اور ان کے بچے جس حالت میں تھے اور جس لباس میں تھے اسی حالت و لباس میں سب کچھ وہیں چھوڑ کر روانہ ہو گئے اور کسی طرح چھاؤنی پہنچے اور پھر چھاؤنی سے کسی طرح لاہور پہنچے اور لاہور میں مولانا مع اہل و عیال اپنی صاحبزادی کے یہاں پہنچے۔ مولانا امرتسر سے مکان چھوڑتے وقت اس قدر زیادہ رنجیدہ و پریشان تھے کہ اپنے ساتھ کچھ نہ لے سکے یہاں تک کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں جو نقد روپیہ تھا اُسے بھی نہ لے سکے بس جسم پر جو کپڑا تھا وہی تھا اور شاید مولانا کی جیب میں قریب پچاس روپیہ تھا۔ حالانکہ مولانا

امرتسر کے رئیسوں میں تھے اور لاکھوں کا سامان، پریس، عظیم الشان کتب خانہ ہزاروں کی فروختنی کتابیں کتب خانہ کی نادر کتابیں۔ تمام کاغذات گھر کا تمام سامان۔ زیورات، نقد روپے اور تمام ملبوسات وغیرہ سب چھوڑ کر گئے اور افسوس صد افسوس کہ بلوائیوں نے سب لوٹ لیا یا جلا کر خاک کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ دوسرا سخت سے سخت صدمہ و عظیم ترین نقصان ہے جو مولانا پر پڑا۔ مولانا لاہور میں تھے کہ پنجاب کے لوگ ملنے اور تعزیت پیش کرنے آنے لگے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالوی اور گوجرانوالے کے دوسرے اہل حدیث مولانا کی خدمت میں آئے اور مولانا کو مع اہل و عیال گوجرانوالہ لے گئے اور مولانا نے گوجرانوالہ میں عارضی قیام اختیار فرمایا۔ مولانا کی اس تباہی کا جب ہندوستان کی جماعت اہلحدیث کو علم ہوا تو پوری جماعت بے چین ہو گئی۔ اور انہوں نے اس وقت زیادہ سے زیادہ مولانا کی مالی امداد کی فجزاھم اللہ خیرا۔ حکومت پاکستان نے سرگودھا میں ایک برقی پریس مولانا کی خدمت میں پیش کیا اس لئے وسط جنوری ۱۹۴۸ء میں مولانا مع اہل و عیال سرگودھا تشریف لے گئے۔ سرگودھا جاتے وقت یہ بات طے نہ تھی کہ مولانا مستقل طور پر سرگودھا جا رہے ہیں یا عارضی طور سے مگر یہ بات طے تھی کہ سرگودھا پہنچ کر توحید و سنت کی اشاعت کا کام دوبارہ شروع کیا جائے گا اور اخبار اہلحدیث امرتسر سرگودھا سے جلدی کیا جائے گا۔ چنانچہ سرگودھا پہنچ کر انتظام شروع کر دیا گیا اور پریس کا نام ثنائی برقی پریس رکھا گیا۔ مولانا کو جو دو صدمے پہنچے ان میں کتب خانہ اور بیش بہا کتابوں کا صدمہ بہت سخت تھا۔ سرگودھا میں دوبارہ انتظام شروع کرتے پر یہ صدمہ مکرر عود کر آیا جس کی وجہ سے وسط فروری ۱۹۴۸ء میں مولانا پر فالج کا حملہ ہوا اور سخت دائیں جانب فالج کا حملہ تھا۔ ڈاکٹری علاج ہوتا رہا۔ آخر میں تھوڑے تھوڑے سننے لگے مگر بول نہیں سکتے تھے کان لگا کر کوئی سنتا تو یا اللہ یا اللہ سنائی دیتا۔ آہ! افسوس صد افسوس کہ اسی مرض میں ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء یوم دوشنبہ کو صبح مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے انتقال فرمایا اور علم و فضل کا یہ آفتاب سرگودھا میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مولانا نے اسی برس سے کچھ زیادہ کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کے جنازہ میں سرگودھا اور اس کے قرب و جوار کے ہر خیال کے مسلمانوں اور علماء نے شرکت کی اور بہت ہی عظیم مجمع آپ کے جنازہ میں تھا۔ ہندوستان و پاکستان کے تمام اخباروں میں آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر شائع ہوئی اور ہر جگہ کثرت سے تعزیت کی تجویزیں پاس ہوئیں۔ مولانا نے اپنے پیچھے اپنی اہلیہ محترمہ اور دو بیٹیوں اور پوتے اور پوتیوں اور ان کی اولاد کو چھوڑا جن میں سب سے

بڑے پوتے مولوی رضاء اللہ صاحب سلمہ سے ہمیں امید ہے کہ توحید وسنت کی اشاعت سے مولانا کے نام کو روشن رکھیں گے (وفقہ اللہ تعالیٰ) ہندوستان کی جماعت اہلحدیث میں انجمنوں اور اہلحدیث کانفرنس اور صوبہ جمعیت اہلحدیث کا وجود اور ان کے سالانہ جلسے محض مولانا امرتسری کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ مولانا کی الوالعزم مجسم وفا اور اخلاق نبوی کا نمونہ تھے اور بہت ہی بے نفس اور بے غرض ہستی مولانا کی تھی۔ مولانا ہمیشہ دوسروں کو ترقی کے لئے آگے بڑھاتے رہے۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی سے ہندوستان روشناس ہوا تو محض مولانا امرتسری کی بدولت۔ اخی معظم حضرت مولانا محمد ابو القاسم صاحب سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ اور یہ عاجز قمر بنارسی تقریروں اور مناظروں میں آگے بڑھے اور ہندوستان و پنجاب کے جلسوں پر جانے لگے تو یہ سب مولانا امرتسری مرحوم کی توجہ وعنایت سے مولانا کے اخلاق و مہمان نوازی کا کیا کہنا۔ میں نے امرتسر میں کبھی مولانا کو اپنے دسترخوان پر تنہا کھانا کھاتے نہیں پایا۔ بلکہ ہر وقت مولانا کے ساتھ دو چار مہمان ضرور ہوتے ہیں صبح کو چلے ہیں اس سے زیادہ اور دریافت پر معلوم ہوا کہ روزانہ کا یہی دستور ہے۔ دفتر اخبار اہلحدیث میں مہمانوں کے لئے متعدد لحاف و بستر تیار رکھے رہتے تاکہ بوقت ضرورت مہمانوں کو تکلیف نہ ہو۔

جس سال مئو ائمہ ضلع الہ آباد میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا سالانہ جلسہ تھا تو اس کے اصلی صدر حضرت اخی معظم حضرت مولانا محمد ابو القاسم صاحب سیف بنارسی مرحوم عین وقت پر سخت علیل ہوگئے اور کانفرنس کی صدارت میرے ذمہ پڑی۔ وہاں پر میرے ساتھ میرے دو چھوٹے بچے بھی تھے جو صدارت کے کام میں خلل ڈال رہے تھے۔ آہ! خدا مولانا کی قبر کو نور سے بھر رکھے۔ مولانا میرے دونوں بچوں کو پنڈال سے لے گئے اور تینوں دن ان بچوں کے ساتھ عنایت فرماتے رہے اور میں تینوں دن اطمینان سے کانفرنس کی صدارت کا کام انجام دیتا رہا۔ مولانا ہر ایک سے بہت ہی اخلاق و محبت سے ملتے ہر ایک کی سنتے اور سب کے درد کا مداوا بنتے۔ مولانا ہم لوگوں کی تکلیفوں کو سن کر بے چین ہو جاتے اور انہیں دور کرنے کی سعی بلیغ فرماتے اور ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ مولانا کی سب سے زیادہ عنایت مجھی پر ہے۔ مولانا مرحوم نے اپنے اخبارات "مسلمان" "مرقع قادیان" اور اخبار اہلحدیث امرتسر کے ذریعہ بھی اسلام اور توحید وسنت کی بڑی خدمات کی ہیں جو زمانہ میں بطور یادگار قائم رہیں گی۔ تفسیر القرآن عربی اور تفسیر ثنائی اردو بہترین تفسیریں ہیں۔ علمائے عرب و عجم متفقہ طور پر مولانا کی علمی و دینی خدمات کے قائل و مداح ہیں اور پوری اسلامی دنیا نے مولانا کے انتقال پر ماتم منایا ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت

شیخ الاسلام، شیر پنجاب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری مرحوم اپنے علم معقول و منقول، تقویٰ و طہارت، وفا و صداقت، امانت و دیانت علمی و دینی مناظرہ وغیرہ میں یکتا و بے مثیل تھے۔ نیز تصنیف و تالیف ذہانت و حاضر جوابی۔ تحریر و تقریر، اخلاق و سخاوت میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے اور ایسا کوئی عالم بلکہ کوئی ہستی میری نظر سے نہیں گذری اور نہ میرے علم میں آئی۔ مولانا مرحوم شفیقوں سے بڑھ کر شفیق تھے اخلاق میں نمونہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اس صدی کے مجتہد تھے۔ اس زمانہ کے امام و مجتہد تھے اور جماعت اہلحدیث کے سردار تھے، مولانا کے انتقال پر ملال پر جماعت اہلحدیث اگر یہ کہے تو بجا ہے کہ ؎

صبت علی مصائب لو انہا ــــــ صبت علی الایام صرن لیالیا

اللہ تعالیٰ مولانا امرتسری مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور جملہ متعلقین کو صبر و جمیل کی توفیق بخشے اور ان کی علمی و دینی خدمات کو جاری رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

خدا جزائے خیر دے حضرت مولانا محمد داؤد صاحب راز خطیب جامع مسجد مومن پورہ بمبئی کو کہ مولانا مرحوم کی بہت بڑی دینی خدمت فتاویٰ ثنائیہ کی شکل میں مسلمانوں کے لئے بڑی محنت شاقہ سے ترتیب دے کر پیش کر دی ہے۔ خدا کرے مولانا مرحوم کی یہ زندہ یادگار ہمیشہ کے لیے باقی رہے اور خواص و عام ہمیشہ اس سے مستفید ہوتے رہیں فقط والسلام۔

مولانا مرحوم کا پرانا اور ادنی خادم

عاجز ابو سعود قمر بنارسی چندوسی ضلع مراد آباد (یوپی)

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

از قلم حضرت العلامہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ العالی

مولانا ہندوستان کے مشاہیر علماء میں تھے، فنِ مناظرہ کے امام تھے، خوش بیان مقرر تھے، متعدد تصانیف کے مصنف تھے، مذہباً اہل حدیث تھے اور اخبار اہل حدیث کے اڈیٹر تھے۔ قومی سیاسیات کی مجلسوں میں کبھی کبھی شریک ہوتے تھے۔

مرحوم سے مجھے نیاز اپنی طالب علمی ہی سے تھا، وہ سال میں ایک دو دفعہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں آتے جاتے لکھنؤ آتے تھے اور دار العلوم ندوہ میں تشریف لا کر احباب سے ملتے تھے، اسی سلسلہ میں مجھے بھی نیاز حاصل ہوا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مرحوم مدرسہ میں تشریف لائے، میں درس میں تھا، ان کو آتا دیکھ کر اُن کی طرف لپکا، مگر مرحوم نے میرے بجائے سبقت الاستاذی شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف کی، اور حدیث کا یہ ٹکڑا پڑھا "کبّر الکبر" یعنی بڑے کو بڑائی دو۔

مرحوم ندوہ کے رکن اکثر رہے، بلکہ خود ان کے بقول ندوہ کانپور میں اُن کی دستار بندی ہی کے جلسہ میں پیدا ہوا۔ مرحوم نے ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ دنوں مدرسہ دیوبند پڑھا۔ پھر وہ کانپور آکر مدرسہ فیض عام میں داخل ہوئے اور یہیں ۱۳۱۲ھ میں فراغت پائی۔

یہ زمانہ وہ تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعووں سے پنجاب میں فتنہ پیدا ہوا تھا۔ انہوں نے مرزا کے خلاف صف آرائی کی، اور اس وقت سے لے کر آخر دم تک اس تحریک اور اس کے امام کی تردید میں پوری قوت صرف کر دی یہاں تک کہ طرفین میں مباہلہ بھی ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صادق کے سامنے کاذب نے وفات پائی۔ یہ پرانے قصے ہیں جن کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

موجودہ سیاسی تحریکات سے پہلے جب شہروں میں اسلامی انجمنیں قائم تھیں، اور مسلمانوں اور قادیانیوں اور آریوں اور عیسائیوں میں مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم مسلمانوں کی طرف سے عموماً نمائندہ ہوتے تھے اور اس سلسلے سے وہ ہمالیہ سے لے کر خلیج بنگال تک ہمیشہ رواں اور دواں رہتے تھے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا اس کے حملے کو روکنے کے

لیے ان کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کردی۔ فجزاہ اللہ عن الاسلام خیر الجزاء۔

وہ مصنف بھی تھے، مخالفین اسلام کے اعتراضوں کے جواب میں اُن کے اکثر رسالے ہیں، ان کی تصنیفات میں دو تفسیریں خاص ذکر کے قابل ہیں، تفسیر ثنائی اردو میں اور تفسیر القرآن بالقرآن عربی میں۔ مرحوم کو خود بھی یہ تفسیریں پسند تھیں، مرحوم چونکہ مناظر تھے اس لئے پہلی تفسیر میں آیات صفات کے باب میں سلفی عقائد کے بجائے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی پیروی میں تاویل کی راہ اختیار کی تھی۔ اس سے امرتسر کے غزنوی علمائے اہلحدیث نے ان کی بشدت مخالفت کی۔ ۱۹۲۶ء میں جب حج کی تقریب سے خاکسار اور مرحوم اور دیگر علمائے اہل حدیث کا حجاز جانا ہوا تو یہ نزاع سلطان ابن مسعود کے سامنے بھی پیش ہوئی۔ اور سلطان نے کوشش کرکے فریقین میں صلح کرادی، مرحوم وہیں مجھ سے فرماتے تھے کہ افسوس ہے کہ نجد کے علماء حضرت شاہ ولی اللہ کی قدر و قیمت سے واقف نہیں اور مجھ سے چاہتے تھے کہ میں اس باب میں سلطان سے کچھ عرض کروں۔

مرحوم کبھی کبھی قومی جلسوں میں بھی شرکت کرتے تھے ۱۹۱۲ء میں ندوہ کی تحریک اصلاح کے سلسلہ میں جب حکیم اجمل خان مرحوم کی دعوت پر دہلی میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا، جس میں سارے ہندوستان کے مسلمان نمائندے شریک تھے تو مولانا شبلی کی تحریک پر مرحوم ہی صدر مجلس قرار پائے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت کا پہلا ابتدائی جلسہ لکھنؤ میں ہوا، جس میں سارے ملک کے اکابر اور مشاہیر جمع تھے اس میں بھی مرحوم شریک تھے، ۱۹۲۵ء کی جمعیۃ العلماء کے اجلاس کلکتہ میں جس میں اس خاکسار کی صدارت تھی مرحوم موجود تھے اور خاص طور سے اس لئے آئے تھے کہ جمعیۃ کے اس اجلاس میں دار الحرب میں سود کے مسئلہ پر بحث کرنے والے تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب اور دوسرے علمائے دیوبند بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر حضرات علمائے دیوبند حنفیہ کے مشہور مسلک لا ربوا بین الحربی والمسلم فی دار الحرب پر متفق ہوں تو میں بھی تائید کروں گا۔ مگر علماء میں نجی کی گفتگو ہو کر رہ گئی کھلے اجلاس میں کوئی بحث نہیں ہوئی

مرحوم ۱۹۲۶ء میں حجاز کے موتمر اسلامی میں نمائندہ اہل حدیث کی حیثیت سے شریک تھے اور عربی میں ایک دو مختصر تقریریں بھی اپنے طرز کی موتمر میں کی تھیں مدینہ منورہ بھی حاضر ہوئے تھے کہتے تھے کہ جو اہل حدیث یہاں نہ آئے وہ محبت سے خالی ہے (ان کا اصل فقرہ

اس وقت پوری طرح یاد نہیں۔

ڈاکٹر اقبال کی وفات کے بعد میرا لاہور جانا ہوا اور ان کو خبر ہوئی تو مجھے پیغام بھیجا کہ واپسی میں ان سے ملے بغیر نہ جاؤں۔ چنانچہ واپسی میں امرتسر اترا اور ان کے پاس دو دن ٹھہرا۔ اور بہت سی باتیں ہوئیں جن میں سے ایک جیسا خیال آتا ہے اہل حدیث کے انتشار اور پراگندگی کی گفتگو بھی تھی۔ مرحوم کو گفتار رہتا تھا کہ آپ آمین اور رفع یدین وغیرہ مسائل فقہ پر جن کا ہر پہلو جائز اور ثابت ہے مناظرانہ تحریروں میں وقت ضائع نہ کریں مگر وہ ان کی اہمیت پر بھی مصر تھے۔

ان کی عمر میرے خیال میں اسی سے کچھ متجاوز ہوگی ابھی چند سال ہوئے وہ گر پڑے تھے جس سے کولھے کی ہڈی پر چوٹ لگی تھی جس کے سبب سے وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔ پنجاب کے گزشتہ حادثہ میں جوان بیٹے کی مفارقت کا اثر یقیناً بڑا ہوگا لیکن اس کے بعد پاکستان و ہندوستان کے درمیان جو دیوار قائم ہو گئی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجھے مرحوم کی وفات کی اطلاع بھی اس سے پہلے نہیں ہوئی اور یہ اطلاع بھی جمعیۃ العلماء دہلی کے تازہ جلسے میں تعزیت کی تجویز سے ہوئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے، زبان اور قلم سے اسلام پر جس نے بھی حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہ وہی ہوتے، اللہ تعالیٰ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے۔ آمین۔ (مئی ۱۹۴۸ء۔ معارف نمبر ۵۔ جلد ۶۱)

خراجِ عقیدت

ازقلم حضرت مولانا حکیم عبدالشکور صاحب شکراوی معاون مدیر اخبار اہلحدیث دہلی

فخرِ روزگار حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے آپ آسمانِ علم کے ایک آفتاب تھے، عرب و مصر شام و ایران و ہند و پاکستان کے علمائے کرام کی اکثریت نے ان کے علمی کمالات و فاضلانہ تحقیقات کا اعتراف کیا ہے۔ موجودہ دور نے سرزمین ہند میں چند گراں پایہ عالم اور محققین اسلام و مصنفین عظام پیدا کیے ان میں شبلی نعمانی۔ سید سلیمان ندوی، عبدالحق حقانی، سید انور شاہ کشمیری وغیرہ ایسی ہستیاں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے رنگ میں منفرد ہے۔ جن میں سے کسی ایک کو قطعیت کے ساتھ دوسرے پر ترجیح دینا

ایک بے جوڑ سی بات ہے۔ مگر حضرت العلامہ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہم یہ دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی ذات گرامی بہمہ صفت موصوف تھی، آپ کی تحریر اور تقریر میں آمد کی وہ کیفیت ہوتی گویا ایک دریا ہے جو امڈا چلا آتا ہے۔ اسی طرح متانت و سنجیدگی کا وہ عالم تھا کہ مخالف سے مخالف بھی داد دینے پر مجبور ہو جاتا۔ آپ کبھی اپنے مخالف سے نہیں گھبرائے۔ ان کا واسطہ ادیانِ عالم کے حامیوں سے پڑا اور بے شمار تحریری و تقریری مناظرے ہوئے مگر ہم نے نہیں سنا کہ کسی وقت بھی ان کا دامن قابلیت، سنجیدگی و متانت سے چھٹ گیا ہو وہ اپنی تنقید سے خوش ہوتے ظرافت بیان میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کی ذات گرامی کے سبب مخالفین اسلام کے مقابلے پر تقریراً اور تحریراً مسلمانوں نے کبھی نیچا نہیں دیکھا۔ حضرت العلامہ بلا شبہ ایسی عظیم الشان شخصیت کے مالک تھے جس کی نظیر صدیوں میں مشکل سے پیدا ہوگی۔ ہم فتاویٰ ثنائیہ کے مؤلف عزیز محترم مولانا محمد داؤد راز کے بڑے ہی ممنون ہیں کہ انہوں نے جو محنت شاقہ برداشت کر کے یہ خدمت انجام دی ہے اُسے دیکھ کر بیساختہ مُنہ سے مرحبا مرحبا اور جزاک اللہ نکلتا ہے۔ جماعت اہل حدیث کی طرف سے آپ نے یقیناً ایک واجب الادا فریضہ فرض کفایہ کی شکل میں ادا کر دیا ہے۔ یہ مجموعہ صرف فتاویٰ ہی نہیں بلکہ ایک اہم ترین علمی و دینی شاہکار ہے مزید سونے پر سہاگا یہ ہے کہ دورِ حاضر کے بیہقی زماں حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین مدظلہ العالی نے اس پر تحشیہ فرمایا ہے، تشریحات کے ذیل میں راز صاحب کے ذوق انتخاب نے جن مضامین کو جگہ دی ہے ان میں بیشتر علمی مقالے نوادرات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ فتویٰ نویسی کے فن میں بھی ہم حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم کو اس مقام پر پاتے ہیں جہاں مفتیان کرام میں بہت کم حضرات دیکھے گئے ہیں۔ آپ کا اندازِ تحریر نہایت عجیب تھا۔ دو سطر میں آپ اتنا لکھ دیتے کہ ایک ذی علم سے ذی علم اور عامی سے عامی آدمی ان کی تحریر سے مطمئن ہو جاتا تھا۔

رہا بعض معاصرین کا انتقاد سو یہ کچھ نئی بات نہیں ہے ؎

ومن ذا الذی ترضی سجایاہ کلہا ✦ کفی المرء نبلا ان تعد معائبہ

نذرِ عقیدت

از جناب سید ثروت کمال ساحرؔ بن مولانا سید اقتدار احمد صاحب سہوانی

مولوی بوالوفاء ثناء اللہ — آہ شیرِ خدا ثناء اللہ
خلد میں ہے نزولِ رحمتِ حق — تیرے اوپر سدا ثناء اللہ
فرقۂ ناجیہ کی جانب سے — حق کا حامی رہا ثناء اللہ
ایک مدت سے اس جماعت کا — تو ہی تھا پیشوا ثناء اللہ
تو نے اپنی زباں سے اللہ کا — بول بالا کیا ثناء اللہ
حکم مانو حدیث و قرآں کا — تھا یہ مذہب ترا ثناء اللہ
حق کی تائید ردِ باطل تھا — تو نے جو کچھ لکھا ثناء اللہ
دل میں ہر ایک کی وہ بیٹھ گیا — تو نے جو کچھ کہا ثناء اللہ
تیرا اخبار بھی تری ہی طرح — تیغِ اسلام تھا ثناء اللہ
موتِ عالِم کی موتِ عالَم ہے — صادق اب آگیا ثناء اللہ
تو مرا نام تیرا زمرہ ہے — مرحبا مرحبا ثناء اللہ
بندۂ کبریا ثناء اللہ — عاشقِ مصطفیٰ ثناء اللہ
فرقِ باطلہ کے رد کے لئے — ہند میں صرف تھا ثناء اللہ
بانیٔ کنفرنس اہلِ حدیث — صدر بھی اس کا تھا ثناء اللہ
نازشِ دار علم دیوبند — شیرِ پنجاب تھا ثناء اللہ
تو محدث بھی تھا مفسر بھی — تو مناظر بھی تھا ثناء اللہ
شرک کی ایک شاخ ہے تقلید — تو نے یہ ہی کہا ثناء اللہ
تو وہ سحر البیان مناظر تھا — رہ نہ جس کا ہوا ثناء اللہ
کوئی بھی ہو مناظرہ کے لئے — تو بلایا گیا ثناء اللہ
زندگی بھر حمایتِ اسلام — تھا ترا مدعا ثناء اللہ
آج ہر ایک کی زباں پر ہے — اس جہاں سے گیا ثناء اللہ
ہو گئی اک بڑی کمی ہم میں — تو جو ہم سے گیا ثناء اللہ

صدقِ دل سے یہی ہے ساحرؔ کی
تیرے حق میں دُعا ثناء اللہ

خلد میں تو ہے تجھ پہ نازل ہے
رحمتِ کبریا ثناء اللہ

تاریخی قطعات

(طبع اوّل)

مُبَیِّحُ الشَّیْخِ المُجتَہِدِ اَبِی الوَفَاءِ ثَنَاءُ اللّٰہِ الامرتسری وَالثَّنَاءُ عَلَی الفتاوی الثنائیہ

ازقلم استاذ الادیب الفاضل اللبیب حضرت العلام جناب مولانا عبدالغفور صاحب ملا فاضل بکبہرہ

ادام اللہ افضالہم

ابا من یُرِید النفع فی الیوم والغدِ
اِلی الخیر سابِقْ وَاُمتَنِعُ عن تمردِ

فانك یوما لا محالة مَیِّتُ
وَتاوی الی قبرٍ مھیبٍ بِفَدْفَدِ

تروح من الدنیا وتترك مالَھا
وَتُسْئَلُ عن اعمال قلبك والیدِ

ھناك یَخذُلُكَ كل خلٍ مُساعِدٍ
وكل قریبٍ كالعدو والمُفَنِّدِ

فَھَرْوِلْ اِلی الخیرات ما عشت دائما
وعن كل شرٍ اَعْرِضَنْ وَتَبَعَّدِ

كما فَعَلَ الحبر الامام ابو الوفاء
فعالا حمیدا عند ربی المُمَجَّدِ

لقد ھدَّ ما قد افسدت قوما غوىً
وابطل عند البحث حجة مُلْحِدِ

ومن سعیه یا صاح آثار سنةٍ
تلوح كباقی الوشم فی ظاھر الیدِ

الا ایھا الباغی مطالبَ دینه
نُرِیكَ كِتابا فیه غایةُ مقصدِ

فتاوی ثناء اللہ لاشك اُیِّدَتْ
بآیات قرآنٍ وسنة احمدِ

بالحان داؤد الخطیب قرأتھا
فقلت تجلّیٰ نور دین مُسَدَّدِ

بھاذ ذۃٌ شوقیةٌ لنواظرٍ
وحظ عظیمٌ لِلنُّھَی المُتَوَقِّدِ

تمیل الیھا العارفون صبابةً
یقولون فی رفع وعزٍ تَخَلَّدِی

تقود الی امرٍ یَزِیْنُكَ دائما
وتمنع من امرٍ یَشِیْنُكَ فی غدِ

وقلت متی مارمت تاریخ سنھا
تبدّت باذجی شمس ھدی مُحَمَّدِ

۱ ۳ ھ ۷ ۲

قطعاتِ تاریخ

از نتیجۂ فکر جناب مولوی حکیم صدیق احمد صاحب نامی صدیقی سہسوانی نزیل مطب صدیقیہ محلہ لال مسجد چندوسی ضلع مرادآباد

بحسنِ سعیِ مولانائے داور — مُرتب ہوگیا یہ دیں کا دفتر
لکھی نامی نے تاریخ طباعت — فتاوائے ثنائی ماہِ انور

دیگر

فتاوائے ثناء اللہ مغفور — فراہم شد بسعیِ راز یکجا!
بسال طبع گفتہ ذہن نامی — فتاوائے ثنائی روح افزا

از جناب حضرت داؤد صدیقی سعیدی بستوی فاضل درس نظامیہ مولوی فاضل، منشی فاضل، ادیب فاضل صدر بزم حسنات رکن حلقۂ اربابِ ادب دہلی، صدر مدرس مدرسہ فیض محمدی بسکوہر بازار ضلع بستی

بحمد اللہ بزرگان اولوالعزم — سفر کردند سوئے باغِ فردوس
بلے شد کامراں، آں کارواں بود — رواں در جستجوئے باغِ فردوس
فروزاں دیدہ و دل نورِ حق کرد — کہ عکسش ہست روئے باغِ فردوس
فرستادند مارا ارمغانے — گلے زاں مشکبوئے باغِ فردوس
معطر زو مشامِ جانِ عالم — جہاں شد مشکبوئے باغِ فردوس
گلے از روضۂ جاوید گویند — کہ دارند آرزوئے باغِ فردوس
کتابے مخزنِ اسرارِ وحدت — خوشا ہم گفتگوئے باغِ فردوس
"ثنائی طی رفیع الشان تصنیف — ہویدا شد کہ خوئے باغِ فردوس
کہ از فضلِ خدا شد دور جاری — تعالیٰ اللہ "جوئے باغِ فردوس"

نتیجۂ فکر جناب حضرت عبدالواحد خان صاحب خلجی مالیرکوٹلہ مشرقی پنجاب

ترتیب داد صاحبِ ایقان و علم دیں — احکام شرع جملہ بجوشِ فدائیہ
کردم بحق او چو دعائے بخوا مستقیم — تاریخ ہم شود پسِ حرفِ دعائیہ
واجد ندائے غیب شنیدم چنیں کہ گفت
زیبا صحیفہ ماند فتاوی ثنائیہ

افتتاحِ فتاوائے ثنائیہ

۵۳ عیسوی ۹ ۱

بہ زبانِ خامہ شفاؔ گوالیاری

۲ ۷ ہجری ۲ ۱

پاک فہم و پُر خلوص و خندہ رو
۳ ۵ عیسوی ۹ ۱
انجمِ حُسن و پاک طینت، پاک خو
۲ ۷ ہجری ۳ ۱

پُر عطوفت، نیک بخت و دلنواز
۳ ۵ عیسوی ۹ ۱
مردِ مومن، پارسا، اُلفت طراز
۲ ۷ ہجری ۳ ۱

زیبِ آغوشِ شبابِ ایشیا
۲ ۵ عیسوی ۹ ۱
شمسِ مکنوں۔ آفتابِ ایشیا
۲ ۷ ہجری ۳ ۱

حُسنِ عالم، بُرجِ یکتا، خوش نصیب
۳ ۵ عیسوی ۹ ۱
طبعِ روشن، نورِ تابندہ، ادیب
۲ ۷ ہجری ۳ ۱

صاحبِ وصالح، رفیق و غمگسار
۲ ۵ عیسوی ۹ ۱
مردِ قابل، متقی۔ پرہیزگار
۲ ۷ ہجری ۳ ۱

ناظرِ قرآن و منصورِ جہاں
۲ ۵ عیسوی ۹ ۱
اہلِ دل، اہلِ نظر، زیبِ زماں
۲ ۷ ہجری ۳ ۱

زینِ آفاق و ضیائے ذوالمنن
۲ ۵ عیسوی ۹ ۱
فاتحِ عرفان و دیں، باطل شکن
۲ ۷ ہجری ۲ ۱

رستمِ اسلام، شمعِ آشتی
۲ ۵ عیسوی ۹ ۱
وہ ثناءُاللہ، مُفتیِ جری
۲ ۷ ہجری ۲ ۱

اہلِ بینش، خیر خواہ و دیں نواز
۳ ۵ عیسوی ۹ ۱
رازدارِ مستقل۔ داؤد راز
۲ ۷ ہجری ۳ ۱

ہجری
چشمۂ روشن۔ فتاوائے ثنا
۲ ۵ عیسوی ۹ ۱
حبذا تالیفِ مداحِ وفا!
۲ ۷ ہجری ۳ ۱

نتیجۂ فکرِ حضرت العلام جناب مولانا سید مفتی حفیظ الدین احمد صاحب تائبؔ و انورؔ دہلوی

زہے طبع شد ایں فتاوی ثنائی | عجیبے لمعہ افگن چو خورشیدِ تاباں
عجیبے گلستانِ رشد و ھدایت | شمیمے بہ بوید زہر یک خیاباں
کتابیکہ اوصافِ محمودہ دارد | ز نامِ ثناء اللہ ذی قدر و ذیشاں
بہارِ گلستانِ درسِ فراست | چراغِ ھدیٰ رونقِ بزمِ عرفاں
ندا داد ایں ہاتفِ غیب تائبؔ | بگو سالِ او دفترِ نور افشاں

۲ ۷ ہجری ۱۳

دیگر

چھپ گیا وہ فتاویٰ نامی | کامرانیٔ دائمی کہیے
جس کی ضو سے ہوا جہاں روشن | یدِ بیضائے موسوی کہیے
جس کا ہر صفحہ نسخۂ شافی | اس کو اعجازِ عیسوی کہیے
مخزنِ کامیابیٔ عقبیٰ | چشمۂ فیضِ سرمدی کہیے
ہاتفِ غیب نے کہا انورؔ | روضۂ فضلِ ایزدی کہیے

۳ ۵ ۴ ۹ ۱

ولہٗ

وہ فتاوائے ثنائی چھپ گیا | منتظر تھیں جس کی آنکھیں بہر دید
جامع و ناشر جناب رازؔ ہیں | دے خدا اُن کو پذیرائی مزید
انورِ خستہ لکھو تاریخِ سال | مخزنِ اسرارِ دینِ حق گزید

۲ ۷ ھ ۳ ۱

شاعرِ خوش الحان خطیبِ شیریں بیان حضرت مولانا عبد المبین صاحب منظرؔ سمراوی بستوی

مژدہ ہو اے عاشقِ دینِ خدائے کائنات | گلشنِ اسلام کے حل ہو گئے سب مشکلات
یہ ثنائیہ فتاویٰ جس کا ہر مضمون ہے | گوہرِ علم و حِکَم گنجینۂ اہلِ ثقات
مولوی داؤد صاحب رازؔ بھی مشکور ہیں | آپ ہی ہیں باعثِ تنویرِ اسرار و نکات
چھوڑ کر رخصت ہوئے دنیا میں صد ہا یادگار | حضرتِ علامۂ امرتسری پاک ذات
غور تاریخِ فتاویٰ پر جو منظرؔ نے کیا | کہہ دیا "خَیْرٌ لَّہٗ بِالْبَاقِیَاتِ الصّٰلِحَاتِ"

۳ ۵ ۴ ۹ ۱

دیگر

فتاویٰ کہ جس کی تھی سخت احتیاج | چھپا اہلِ دل ہو گئے باغ باغ

پئے فکرِ تاریخ منتظر ہوا ! !   ندا آئی (اسلام کا ہے چراغ)

واقفِ اسرار یکتائے روزگار جناب حافظ عبداللہ صاحب البصیر ٹونکی دامت برکاتہم

چھپا ثنائی فتاویٰ حدیث و قرآں آج   نصیب مفتیٔ علامہ کو مدارِ رحمت

از رشحاتِ قلم جناب مولوی حکیم محمود احمد صاحب محمود خلف الرشید حضرت نامی سہسوانی مدظلہ

بسعیٔ داؤدِ پاک طینت ہوئے نمایاں رموزِ سنت   ثنائی فتوے کئے جو یکجا، ہلا دی بنیادِ شرک و بدعت

بہ ہوش باش اے غرورکے دشمن سنبھل سنبھل کر مجاہدانہ   یہ طبعِ محمود کہہ رہی ہے۔ چھپا ہے اب شحنۂ شریعت

دیگر

جب فراہم ہوا مجموعۂ فتاوائے حدیث   ہاتھ میں آگئی دینداروں کے برّاں شمشیر

طبعِ محمود کو تاریخ کی جب فکر ہوئی   لکھ دیا "ہدیۂ احکام حدیث و تفسیر"

نتیجۂ فکر جناب ماسٹر عبدالرؤف حیرت صاحب ایچ۔ ٹی۔ سی، قابل انسپکٹر ازالبستی

ثناء اللہ کا کامل فتاویٰ   بحمد اللہ ہوا ہم سب کو حاصل

یہ کہہ دو رازسے تاریخ حیرت   مبارک ہو "چراغ اوجِ محفل"

گلہائے عقیدت از جناب مولانا نشر دیوریادی سعیدی زاد فضلہ

ثناء اللہ جو تھے حق کی صمصام   رہے جو عمر بھر شیدائے اسلام

چراغِ حق جلایا خوب جس نے   ہوئی جس سے منور ظلمتِ شام

اڑائے خوب باطل کے پرخچے   گرے سب منہ کے بل باطل کے اصنام

فتاوے ہیں کہ اسرار و معارف   نکاتِ دیں کی زیبائش خوش کام

کتابِ حق نما کی نشرِ تاریخ   کہی ہیں نے "ہے خضرِ راہِ اسلام"

دیگر

جنابِ بوالوفاء رب کے پیارے   نہ رکھتے تھے جہاں میں اپنا ثانی

بہت سی آپ نے لکھی کتابیں   ہوئیں جو چھپ کے مقبول جہانی

فتاووں کا چمن اُجڑا پڑا تھا ضرورت تھی ہوا اس کی باغبانی
ہوئی مشکور سعئ راز صاحب ہے جلوہ گر متاعِ شادمانی
برائے یادگارِ شیخ اے نشتر ہوا اک عمدہ نقشِ غیر فانی

دیگر

عجب حق کی کرتے ہیں تحقیق فتوے رہِ حق کی کرتے ہیں تصدیق فتوے
مناہی سے انسان کو روکتے ہیں اوامر کی کرتے ہیں توثیق فتوے
ہوئی فکر جب سال ہجری کی اے نشتر کہا دل نے۔ انوارِ تحقیق فتوے

نتیجۂ جناب منشی محمود انصاری صاحب ناظر مسجد جامع اہل حدیث مومن پورہ بمبئی ۱۱

جلد اوّل کی ہو گئی تکمیل شکرِ صد شکر تیرا ربِ جلیل
روز روشن کی طرح کھولے راز کس کی جرأت ہے جو کرے تاویل
حضرت راز کیا ہیں برقِ بیاں واہ کیا لائے ہیں نفیس دلیل
ورق گردانی سے نجات ملی سب مسائل ہیں اس میں با تفصیل
مال و دولت میں دے خدا برکت جن کے دستِ کرم نے کر دی سبیل
ہو فتاویٰ ثنائیہ" مقبول سن لے محمود کی دعا اے وکیل
۱۲۸ ۹۹
= سال عیسوی ۱۹۵۷ء = سال ہجری ۱۳۷۷ھ

قطعات

نتیجۂ فکر جناب عبد اللہ ناصر صاحب بمبئی

کیا خوب ہے کتاب فتاویٰ ثنائیہ! فتووں کا انتخاب فتاویٰ ثنائیہ
جو اہل علم دین ہیں ان کا ہے فیصلہ آپ اپنا ہے جواب فتاویٰ ثنائیہ
پیچیدہ مسئلوں کی ہے تفسیر یہ کتاب ہے حلِ مشکلات فتاویٰ ثنائیہ
مولانا راز حضرت داؤد نے ہمیں بخشی ہے راہِ نجات فتاویٰ ثنائیہ

حضرت مولوی ثناء اللہ | بے شمار اُن پہ رحمتِ باری
صائب الرائے نکتہ رس تھے وہ | اُن کے فتوے جہاں میں تھے مشہور
قدر دانوں کی قدر دانی سے | زندہ جاوید ہوگئے مرحوم
یہ فتاویٰ ثنائیہ کیا ہے ! | راز صاحب کی کوشش مشکور

از جناب حضرت شمس صاحب دیوریاوی

صد شکر چھپ گیا ہے فتاویٰ ثنائیہ | اک دُرِ بے بہا ہے فتاویٰ ثنائیہ
بے مثل یادگار جناب ابو الوفا | مجموعۂ ہدیٰ ہے فتاویٰ ثنائیہ
یہ دیکھتے ہی شمس نے بیساختہ کہا | کیا خوب مرحبا ہے فتاویٰ ثنائیہ

دیگر

از نتیجۂ فکر جناب عبد الرؤف صاحب حیرت - انتری بازار بستی - (یوپی)

جو لکھا کیا راز نے یہ فتاویٰ | درخشاں ہے اس تمنا کی نشانی
سرِ دشمناں کاٹ ڈالو جو حیرت | تو تاریخ ہے . ھدیۂ غیر فانی

قصیدۂ یائیہ در مناقب ثنائیہ

از راز

فضل کر دیتا ہے جب مولائے چرخ چنبری | گلشنِ عالم میں برساتا ہے آبِ کوثری
نوعِ انساں کی ہدایت کے لئے ایک رہنما | ہاتھ میں آتا ہے لے کر مشعلِ پیغمبری
خلق کو اک روز گرویدہ بنا لیتا ہے وہ | اپنے اخلاقِ حمیدہ سے بشانِ دلبری
دین پرور اے ثناء اللہ اے عالی مقام | آپ کو اللہ نے بخشا ہے کارِ رہبری
آپ شیخ الازکیا ہیں حجۃ الاسلام ہیں | آپ کے حق میں ہے زیبا تر لباسِ سروری
ٹھہر جائے سامنے باطل یہ طاقت ہے کہاں | آپ کے آگے بھلا کیا شے ہے سحرِ سامری
جب کہ اسلامی صداقت آپ کرتے ہیں بیاں | سرنگوں ہو کر رہ جاتی ہے بزمِ کافری
جب کبھی آتا ہے باطل سر اٹھا کر سامنے | آپ کی تقریر بن جاتی ہے ضربِ حیدری
آپ کا اسمِ گرامی سُن کے اہلِ قادیان | سر جھکا لیتے ہیں وہ مثلِ بتانِ آذری

آپ جاتے ہیں عصائے موسوی بن کر جہاں
خاک ہو جاتی ہے پھر مرزائیوں کی ساحری

آپ ہیں گلا دنیب اقلیم قلم کے تاجدار
آپ کی تحریر ہوتی ہے زوائد سے بری

خرمنِ بدعت کے حق میں آپ ہیں برقِ تپاں
اہلِ سنت کے لئے ہیں آپ بوئے عنبری

آپکا ہے وِرد قال اللہ اور قال الرسول
جانچتے ہیں آپ اس میزان پر کھسوٹی کھری

آپ نے جڑ سے اکھاڑا پرچم تقلید کو
مٹ گیا ہے جس سے اب تقلید کا دردِ سری

آپ کی خدماتِ ملت، قابلِ تحسین ہیں!
آپ کے حق میں دعا گو ہوں نہ کیوں جن و پری

باغبانِ "گلشنِ توحید و سنت" آپ ہیں۔
اے مسیحا آپ کے دم سے یہ کھیتی ہے ہری

اے نقیہِ وقت! اے گنجینۂ علم و عمل
آپ کو بخشا ہے حق نے اوجِ ماہ و مشتری

آپ میدانِ صداقت کے ہیں نامی شہسوار
بے حقیقت ہے یہاں پر شہرتِ اسکندری

گنجِ شفقت ہیں مساکین و یتامی کے لئے
ہیں نمایاں آپ ہیں اوصافِ غربا پروری

اس حقیقت کا بھلا انکار کیسے ہو سکے
آپ کو اللہ نے بخشا ہے عزمِ بوذری

آپ کی ہیں کوششیں تعمیر ملت کے لئے
ہے یہ ملت کے لیے بر وقت و بے بہتری

طول مستحسن نہیں ہے اہلِ دانش کے لئے
میں اٹھاؤں کیوں نہ اب دستِ دعائے بہتری

دونوں عالم میں الٰہی آپ کو رکھ بامراد
رازؔ کے دل سے یہ نکلی ہے دعائے خوشتری

(اخبار اہلحدیث امرتسر، ۸ مارچ ۱۹۴۶ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

بابُ اوّل

عقائدِ و مُہمّاتِ دین

مقصدِ مذہب

انجمن احمدیہ لاہور کے انتظام سے لاہور میں ایک مذہبی کانفرنس بتاریخ ۲۸-۲۹ دسمبر ۱۹۲۳ء منعقد ہوئی۔ جس نے تمام مذاہب کو دعوتِ شرکت دی کہ اس مضمون پر اپنی اپنی کتاب کی ہدایت سُناو کہ "مذہب کا مقصد کیا ہے۔ حسب پروگرام مشتہرہ کانفرنس مندرجہ ذیل اصحاب مقررین تجویز ہوئے۔

۱- پنڈت چموپتی جی ایم۔ اے لیکچرار آریہ سماج
۲- خواجہ کمال الدین صاحب لیکچرار اسلام
۳- پنڈت متھرا پوری صاحب لیکچرار سناتن دھرم
۴- پادری علی بخش صاحب لیکچرار عیسائیت
۵- لالہ رام پرکاش لال صاحب لیکچرار برہمو سماج
۶- مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب لیکچرار اسلام
۷- پروفیسر راجا رام صاحب لیکچرار آریہ سماج۔

میں نے جو مضمون کانفرنس مذکور میں سُنایا وہ ناظرین "اہلحدیث" کی ضیافتِ طبع کے لئے درج ذیل ہے۔

مسلم نے حرم میں راگ گایا تیرا　　　ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے　　　انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ :-

صاحبان! السلام علیکم ——— جلسہ اعظم مذاہب کے بعد یہ دوسرا جلسہ اس نوع کا ہے جو ۱۸۹۶ء میں بمقام اسلامیہ اسکول دروازہ شیرانوالہ میں ہوا تھا۔ آہ اس وقت کے منتظموں اور مقرروں میں سے اکثر کو میں غیر موجود پاتا ہوں تو دُنیا کی بے ثباتی پر بیساختہ یہ شعر میرے مُنہ سے نکلتا ہے ؎

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

اس قسم کے جلسوں کا فائدہ بہ نسبت مناظرانہ مجالس کے بہت زیادہ ہے۔ مگر ہمارے ملک کو مناظرانہ طرز میں کچھ زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایسا جلسہ ۷،۲ سال تک ملتوی رہے۔ بحالیکہ مناظرانہ جلسے قریباً روزانہ ہوں۔ خیر ہر ایک شخص اپنی رائے کا مالک ہے۔ ؏

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلے نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

خدا ہماری نیتوں کی اصلاح کرے اور کلمۂ حق میں برکت ڈالے۔

صاحبان! کچھ شک نہیں کہ انسان کی پیدائش مثل سونے کے ہے جو باوجود قیمتی جوہر ہونے کے کان سے خاک آلود نکلتا ہے بعد میں صاف ستھرا کیا جاتا ہے تو قدر و قیمت پاتا ہے اسی طرح انسان اپنی فطری حالت میں نفسانی آلائشوں سے آلودہ ہے جن سے صاف ہونا اس کا فرض قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا
(یعنی جو شخص نفس کو بُری آلائشوں سے پاک صاف کرے گا وہی نجات پائے گا۔ اور جو اس کو آلودہ رکھے گا وہ تباہ ہو گا۔"

پس ثابت ہوا کہ مذہب سے مقصد ہے۔ "تہذیب نفس" دیگر ہیچ۔ یعنی انسان جن آلائشوں میں آلودہ ہے۔ ان سے پاک ہونے کی کوشش کرنا اس کا فرض ہے۔ تاکہ نتھرے ہوئے سونے کی طرح خالص ہو جائے۔ سچ ہے ؏

تا مثل حنا سودہ نگردی تہ سنگ ہرگز بکف دست نگارے نرسی

امر تنقیح طلب ابھی باقی ہے کہ وہ کیا آلائشیں ہیں جن سے انسان کا پاک کرنا مذہب کا مقصد ہے۔ مجمل بیان اس کا قرآن شریف نے ان لفظوں میں فرمایا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى
"انسان اپنی حدودِ بندگی سے باہر ہو جاتا ہے" کیونکہ وہ باوجود محتاج ہونے کے خدا سے مستغنی بنتا ہے۔"

نیز فرمایا۔ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ
"بُرے کاموں سے دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے۔"

یہ تو مجمل بیان۔ قرآن مجید نے اس کی تفصیل فرمائی ہے جو یہ ہے۔
کچھ شک نہیں کہ انسان کے تعلقات مختلف اور متعدد ہیں۔ مگر آسانی کی غرض سے دو قسموں

میں آسکتے ہیں۔ ایک تعلق خدا سے اور دوسرا مخلوق سے۔ خدا سے جو تعلق ہے وہ بندگی اور عبودیت کا ہے۔ دوسری قسم کا تعلق بنی نوع انسان سے ہے جس کو تمدنی تعلق کہتے ہیں۔

پہلی قسم کا تعلق یہ ہے کہ انسان اپنے خالق مالک کو پہچانے۔ پہچان کر جو تعلقات اس کے ساتھ ہوں وہ کسی دوسرے کے ساتھ دل میں نہ لائے۔ قرآن مجید کا مختصر ارشاد ہے۔

لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ۔ (دو معبود مت بناؤ)

دوسرے کسی کے ساتھ وہ تعلق پیدا کرنا انسان کے لئے خاک آلود ہونا بلکہ اس سے بدتر ہے۔ قرآن مجید نے اس قسم کی آلائش کا نام شرک رکھا ہے۔ جس کی صورت یہ بتائی ہے۔

مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (پ۱۷ ع۱۲)

یعنی جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اس کی حالت یہ ہے کہ گویا وہ بہت بلندی سے گرا۔ آتے آتے اس کو جانوروں نے نوچ نوچ کر کھایا۔ یا ہوا نے اس کو کہیں دور دراز مکان میں پھینک دیا۔

صاحبان! اس تعلق کو قرآن مجید نے اتنا بڑا ضروری قرار دیا ہے کہ اور گناہوں پر بھی گو سزاؤں کے اعلان جاری کئے ہیں مگر اس شرک کی بابت جتنا سخت اعلان دیا ہے کسی اور کی بابت نہیں دیا۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ (خدا شرک کو ہرگز نہ بخشے گا)

کیونکہ یہ خدا کے ساتھ بغاوت ہے اور اسی سے سب قسم کی آلائشیں پیدا ہوتی ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں شرک ام الامراض ہے اس لئے اس کی جتنی تفصیل کی ہے کسی اور آلائش سے اصل جوہر انسانی (جس کا نام توحید ہے) مٹتا ہے جس کے مٹنے سے انسان کی جملہ صفات حسنہ مٹ جاتی ہیں۔

قرآن مجید "تائم ازمنی" کہنے والے عدیم الفرصتوں کا عذر معقول جان کر توحید کی علامت کا ذکر نہایت مختصر لفظوں میں کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو سب چیزوں سے محبوب ترین مان کر اپنا سب کچھ مال، اسباب، دولت قوت تن من دھن اس کے سامنے رکھ کر دل سے فرمانبردار ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ

یعنی جو کوئی اپنا تن من دھن خدا کو سپرد کر کے نیکی اختیار کرے وہ اپنا اجر اللہ کے پاس

عِنْدَ رَبِّهٖ ۔ (پ ۔ ع ۱۴)　　پائے گا ۔"

اسی اصول پر اپنے نبی سید الانبیاء علیہم السلام کو حکم دیتا ہے ۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (پ ۸ ع)

"یعنی اے نبی تو اعلان کر دے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت سب اللہ کے لئے ہیں۔ جس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی امر کا حکم ہوا ہے۔ اور میں سب سے پہلے خدا کا فرمانبردار ہوں۔"

اسی مضمون کو اسلامی قومی شاعر خواجہ حالی مرحوم نے ایک بند میں یوں ادا کیا ہے ؎

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق　　زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق　　اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

قرآن مجید کو اختصار نویسی میں خاص کمال ہے۔ چنانچہ اس مذکورہ بالا اختصار کو بھی مختصر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ۔　　"یعنی سب غیر اللہ سے کٹ کر اسی (خدا سے مل جاؤ)۔"

جیسے ایک محب اپنے محبوب حقیقی سے ملتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔　　"ایمانداروں کو اللہ تعالیٰ کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔"

ان سب آیات کا نتیجہ ہے کہ جس مدعی اسلام کے دل میں خدا کی محبت اور خوف مع انقیاد و اطاعت سب مخلوق سے زیادہ نہیں ہے وہ مسلمان نہیں چاہے مدعی الاسلام ہو بلکہ اس کے ماتھے پر سجدوں کے اثر سے بہت بڑا نشان نمایاں ہو۔

خدا جزائے خیر دے شیخ سعدی مرحوم کو جنہوں نے توحید کا مضمون ایک چھوٹی سی رباعی میں کیا خوب ادا کیا ہے۔ ؎

موحد چہ در پائے ریزی زرش　　وچہ تیغ ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد ز کس　　ہمین ست بنیاد توحید و بس

جو کچھ کہا گیا ہے سمجھدار آدمی کے لئے کافی ہے اس لئے میں وقت کے لحاظ سے بادل ناخواستہ اس تعلق کے مضمون کو چھوڑ کر دوسرے مضمون پر متوجہ ہوتا ہوں۔

دوسری قسم یعنی بنی نوع انسانی کے تعلقات کی جتنی قسمیں ہیں وہ کسی انسان سے مخفی نہیں۔ ان تعلقات میں جو آلائشیں پیدا ہوتی ہیں۔ اُن کی مختصر فہرست یہ ہے۔

ظلم۔ دغا۔ زنا۔ بداخلاقی۔ مال مردم خوری بذریعہ چوری۔ ڈاکہ۔ کم ناپی۔ کم وزنی۔ خاص کر یتیموں کا مال کھا جانا۔ انسان کی خُداداد نعمت پر جلنا۔ کسی اپنے جیسے انسان کا بیجا قتل کرنا۔ اپنے پڑوسیوں شہریوں اور ملکیوں کے حقوق پائمال کرنا۔ اپنے نسلی اور قومی بزرگوں کے ساتھ غرور سے پیش آنا۔ حکومت کی حالت میں بے انصافی کرنا۔ غصہ کی حالت میں حد سے نکل جانا۔ بیجا کینہ، عداوت لالچ وغیرہ یہ سب آلائشیں ہیں۔ جن سے پاک ہونا انسان کا فرض مذہبی ہے اور اس کے متعلق معقول ہدایات دینا سچے مذہب کا فرضِ اوّلین ہے۔

قرآن مجید ان سب عیوب کی اصلاح بتاتا ہے۔ نہ صرف ایک آدھ دفعہ بلکہ انسانی فطرت کے مطابق بار بار مکرر سہ کرر تنبیہات فرماتا ہے تاکہ بقاعدہ ؎

گر ہمی خواہی کہ باشی خوش‌نویس　　　　مینویس و مینویس و مینویس

انسان اپنی فطری کمزوریوں کی تلافی کر سکے۔ قرآن مجید نے ان اصطلاحات کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان تین مختلف مراتب پر عمل کرنے والوں کے نام بھی جدا جدا مقرر فرمائے۔ ایک کا نام جماعت عقلاء ہے۔ دوسرے درجہ کا نام جماعت متذکرین (نصیحت یاب) ہے تیسرے کا نام جماعت متقین ہے۔ چونکہ سب مراتب کی بناء عقل پر ہے۔ اس لئے سب سے پہلے عقلاء کا درجہ رکھا ہے اور قرآنی اصطلاح میں سب سے بالا رتبہ متقین کا ہے اس لیے ان کو سب سے بالاتر رکھا ہے۔ ان مراتب ثلاثہ کی مثال آجکل کی تعلیمی اصطلاح۔ مڈل، انٹرنس۔ اور بی اے سمجھنی چاہیئے۔

میں عرض کر آیا ہوں کہ "تہذیب نفس" کا پہلا زینہ یا بنیادی پتھر خدائی تعلق ہے۔ اس لئے قرآن مجید اس بنیادی پتھر کو ہر جگہ مقدم رکھتا ہے ناممکن ہے کہ اس سے چشم پوشی ہو جائے۔ کیونکہ یہی بنیادی پتھر امتیاز ہے۔ مذہبی اور غیر مذہبی تہذیب میں۔

اب سنیئے ان تینوں جماعتوں کے لئے جو کورس قرآن مجید نے بتایا ہے وہ یہ ہے۔ ارشاد ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ خَشْيَةِ إِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ط وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ (پ ۸ ۔ ع ۶)

"اے نبی آپ لوگوں کو کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ احکام بتلاؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر مقرر کئے ہیں (جن سے تمہاری اصلاح نفس ہو) یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو ساجھی نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا کرو اور اپنی اولاد بھوک کے خوف سے قتل نہ کرو (جیسا کہ تم عرب کے لوگ قبل از اسلام کرتے رہے ہو) (دیکھو خدا فرماتا ہے کہ) تم کو اور اُن (تمہاری اولاد) کو بھی ہم (خدا) ہی رزق دیتے ہیں۔ پھر تم اس فکر سے ان کو کیوں قتل کرتے ہو؟ اور سنو! بے حیائی کھلی ہو یا مخفی اس کے نزدیک بھی مت جاؤ۔ خبردار کھلا تو کیا پردہ پوشی سے بھی بدکاری نہ کرو۔ اور سنو! کسی جان کو جس کا مارنا خدا نے حرام کیا ہو مت مارو۔ یہ احکام تم کو خدا نے بتائے ہیں تاکہ عقلمند بنو (مڈل کلاس) اور سنو! بے پدر یتیم جب تک بالغ نہ ہو اس کے مال کو کسی طرح چھوڑ بھی نہیں (ایسا نہ ہو کہ ہاتھ لگاتے لگاتے تمہاری نیت فاسد ہو جائے تو تم ہضم بھی کر جاؤ) اور سنو! دکانداری کرتے ہوئے ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ہم کسی آدمی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتے۔ اور سنو! جب تم کوئی بات بولو تو عدل اور انصاف سے بولا کرو۔ جانبداری سے کام نہ لیا کرو۔ چاہے کوئی جانب تمہاری تعلقدار بھی کیوں نہ ہو۔ اور سنو! خدا کے وعدے پورے کیا کرو جو تم نے بندگی میں رہنے کے اس کے ساتھ کئے ہوئے ہیں۔ یہ احکام تم کو خدا بتاتا ہے تاکہ تم نصیحت یاب بنو (انٹرنس کلاس) (اور سنو! تمہارا خدا فرماتا ہے) میری طرف آنے کا یہی سیدھا راستہ ہے۔ پس تم اس راہ پر چلو اور اس کے سوا دوسرے راستوں پر (جو اِدھر اُدھر جا رہے ہیں) مت جاؤ ورنہ وہ راستے تم کو خدا کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ دیکھو یہ احکام خدا تم کو بتاتا ہے۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ (بی اے کا درجہ پاؤ)

یہ احکام کیسے ضروری ہیں ان کی تفصیل اور تشریح کی حاجت نہیں۔ ایک اور مقام پر یوں ارشاد ہے

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ط اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا

رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔ رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِکُمْ اِنْ تَکُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّهٗ کَانَ
لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا۔
اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا۔ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ
عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّیْسُوْرًا۔ وَلَا تَجْعَلْ
یَدَکَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْهَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۔ اِنَّ رَبَّکَ
یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ط اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا
اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا۔
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِیْلًا۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا
فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ط اِنَّهٗ کَانَ مَنْصُوْرًا۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ
اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ کَانَ مَسْـُٔوْلًا
وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ط ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ
تَاْوِیْلًا۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ
کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا۔ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ
لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔ کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ
رَبِّکَ مَکْرُوْهًا۔ ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَةِ ط وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ
اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ (پ ۱۵ ع ۳)

"تمہارے پروردگار کا قطعی حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو۔ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو۔ دیکھو اگر تمہاری زندگی میں وہ دونوں یا ایک ان میں کا بڑھاپے کو پہنچے (اور تمہاری خدمت کا محتاج ہو) تو خدمت بجالاتے ہوئے ان کو "ہوں" بھی نہ کہو بلکہ عزت کے ساتھ اُن سے خطاب کیا کرو۔ اور اپنی جوانی کے بازو نرمی سے اُن کے سامنے جھکا دیا کرو اور ان کے لئے خدا سے دُعا کیا کرو۔ خداوندا! ان دونوں نے میری صغرسنی میں جس طرح مجھے محبت سے پالا تھا اُسی طرح تو اُن پر مہربانی کی نظر کر (لوگوں کے دکھاوے کے لئے کروگے تو سنو!) تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے بھیدوں کو بھی خوب جانتا ہے اگر تم واقعی نیک ہوگئے تو وہ بھی نیک لوگوں کے حق میں بخشنہار ہے۔ اور سنو! باپ کے سوا قرابتداروں۔ مسکینوں اور مسافروں کے حقوق بھی دیا کرو (یعنی ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش

دیا کرو) اور اپنی خواہشات نفسانیہ میں فضول خرچی مت کیا کرو۔ فضول خرچ لوگ شیطان کے ساتھی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اگر کوئی ایسا موقع آجائے کہ تم بوجہ رکاوٹ آمدنی کے ان مذکورہ لوگوں کو مالی امداد نہ دے سکو اور آمد کے انتظار میں ان لوگوں کی امداد میں توقف کرنا چاہتے ہو تو ان کو آسان اور نرم بات کہا کرو (تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو) اور ایک اصولی حکم متعلق خیرات سنو! کہ نہ تو خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو بالکل بند رکھو نہ بالکل کھلا چھوڑ دیا کرو (کہ یہ مصرعہ ورد زبان کرنے لگو گرہ ہے تو حاتم کوڑی نہ رکھ کفن کو ورنہ پھر تم خود شرمندے عاجز درماندہ ہو رہو گے (خیر کے کاموں میں خرچ کرنے میں تم کو بخل غالب آئے تو سنو!) تمہارا پروردگار جس کو چاہتا ہے فراخ رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے واقف ہے اور دیکھتا ہے۔ اور سنو! اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے قتل نہ کیا کرو (جیسے عرب کے لوگ قبل اسلام لڑکیوں کو قتل کرتے تھے) ہم (خدا) ہی ان کو رزق دیں گے اور تم کو بھی۔ ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ اور سنو! زناکاری، بدکاری کے قریب بھی نہ جانا۔ کیونکہ یہ بے حیائی کا کام اور بہت برا راستہ ہے۔ اور سنو! کسی نفس کو مت قتل کرو۔ جس کا قتل کرنا خدا نے حرام کیا ہو۔ جو کوئی مظلومی کی حالت میں قتل ہوگا ہم اس کے وارثوں کو ڈگری دلائیں گے مگر وہ وارث بھی قتل کرنے میں جلدی نہ کریں (شاید باہمی کسی نوع کی مصالحت ہو جائے) اس میں شک نہیں کہ سرکار سے اس کی مدد کی جائے گی۔ اور سنو! یتیم جب تک نابالغ رہے اس کے مال کے نزدیک بھی مت جاؤ۔ ہاں اس طرح جاؤ کہ اس کے حق میں بہتر ہو (مثلاً اس کو تجارت وغیرہ میں لگاؤ) اور وعدہ وفائی کیا کرو۔ بے شک وعدے سے سوال ہوگا (کہ کیوں پورا نہیں کیا) اور سنو! جب تم دوکانداری کی حالت میں سودا فروخت کرو تو ناپ پورا دیا کرو۔ اور وزن سیدھی ترازو سے کیا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ (اور اصول تجارت کے لحاظ سے بھی) انجام کار اچھا ہے۔ اور ایک ضروری حکم سنو! جس کے خلاف کرنے سے دنیا میں فساد عظیم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جس بات کا تم کو پختہ علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو یعنی محض خیالات اور توہمات پر کسی قوم یا شخص کی برائی کی اشاعت نہ کیا کرو۔ سنو! کانوں، آنکھوں اور دل اسی طرح اور اعضاء کی بابت تم کو سوال ہوگا کہ ان کو کہاں استعمال کیا تھا اور سنو! زمین میں متکبرانہ روش مت چلو۔ تم نہ تو زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ لمبائی میں پہاڑ تک پہنچ سکتے ہو۔ یہ مذکورہ بالا احکام تمہارے پروردگار کے نزدیک بہت بڑے ہیں سنو! یہ حکمت ایمانیہ ہے جو تمہارے پروردگار نے تم کو دی ہے اور ان سب کے لیے مقطع کلام یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت بناؤ۔ ورنہ ذلیل و خوار کر کے تم جہنم میں ڈالے جاؤ گے۔"

یہ ہے وہ تعلیم جو قرآن مجید نے "تہذیب نفس" کے لیے بتائی ہے کس قدر جامع تعلیم ہے۔ چونکہ

قرآن مجید کی غرض ہی یہ ہے کہ انسان کی اصلاح نفس مکمل ہو۔ اس لئے اس نے تعلیم کی کئی طرزیں اختیار کی ہیں۔ ایک تو یہی جو اوپر ذکر ہوئی ہے جس میں حکمی الفاظ کے ساتھ ھدایت دی جاتی ہے جس کو میں اپنے لفظوں میں سرپڈر کہتا ہوں۔ دوسری تصویری تعلیم ہے۔ جس کو آج کل کی تعلیمی اصطلاح میں "پکچر" کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی یہ طرز اختیار کیا۔ بلکہ خود جاری کیا ہے۔ مگر دوسری طرح سے۔ وہ یہ کہ نیک بندوں کی نیک خصلتیں بغیر اُن کا نام لینے کے ذکر کرتا ہے۔ جس سے مقصود تصویری تعلیم دینا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۔ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۔ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ط ۔ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ط وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ط وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ط اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ط وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۔ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۔ (پ ۱۹ ع ۴)

"خدا کے مہذب بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم روش سے چلتے ہیں (یعنی بنی نوع انسان کے ساتھ نرم برتاؤ کرتے ہیں) اور جب نااہل لوگ ان سے سامنا کرتے ہیں تو وہ سلام کہہ کر گذر جاتے ہیں اور وہ لوگ خدا کے مہذب بندے ہیں جو راتوں کو خدا کے سامنے عبادت کرتے ہوئے سجدے اور قیام میں گذارتے ہیں اور جو خدا سے دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں اے خدا ہمارے پروردگار تو ہم سے جہنم کا عذاب ہٹائے رکھ اس کا عذاب بُری بلا ہے اور وہ بری جگہ ہے اور خدا کے مہذب بندے وہ ہیں۔ جن کی عادت ہے کہ جب کسی نیک کام میں بھی خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کی روش اعتدال سے ہوتی ہے۔ اور وہ لوگ خدائے رحمٰن کے مہذب بندے ہیں جو اپنے پروردگار کے ساتھ

کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو بے جا قتل نہیں کرتے۔ اور نہ زنا کاری کرتے ہیں جو کوئی یہ بُرے کام کرے گا وہ بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گا اور اس کو قیامت کے روز بہت بڑا عذاب ہو گا۔ جس میں وہ ذلیل و خوار ہو کر ہمیشہ پھنسا رہے گا۔ ہاں رحمتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ) جو کوئی ان برائیوں سے توبہ کر کے خدا پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت کے تقاضا سے) ایسے لوگوں کی بُرائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔ کیونکہ خدا بڑا بخشنہار مہربان ہے۔ اور (بھلا توبہ کیوں قبول نہ ہو جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ) جو کوئی خوفِ خدا کی وجہ سے بُرائی سے ہٹتا ہے وہ تو اللہ کی طرف جھکتا ہے (پھر یہ کیا نظرِ رحمت ہے کہ خدا بندوں کے جھکنے پر بھی نظرِ رحمت نہ کرے) اور مہذب بندے وہ ہیں جو بیہودہ مجالس میں شریک نہیں ہوتے اور جب کبھی اُن کو لغویات پر سے گذرنا ہوتا ہے تو عزت کے ساتھ بچ کر نکل جاتے ہیں (اُن لغویات میں پھنستے نہیں) اور وہ لوگ مہذب ہیں جب ان کو احکام اللہ سنائے جائیں تو بہرے ہو کر نہیں سنتے اور آیاتِ قدرت سمجھائی جائیں تو اندھے ہو کر نہیں دیکھتے۔ بلکہ شنوا اور بینا ہو کر سنتے اور دیکھتے ہیں۔ اور سنو! وہ لوگ مہذب ہیں جو اپنے نفس کی تہذیب کے سوا اپنے متعلقین کے حق میں (بھی بہی خواہ نیک سگال رہتے ہوئے کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو ہم کو ہماری بیویوں اور اولادوں (کو ایسا نیک بنا کر اُن کی طرف) سے ہم کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کر اور ہم کو اعلیٰ درجہ کا پرہیزگار بنا! آمین

یہ ہے قرآن مجید کی تصویری تعلیم جو بغرضِ اصلاحِ نفس وہ دیتا ہے۔

ریڈر کا ایک حصہ قابلِ ذکر رہ گیا ہے۔ جس میں نہایت اختصار کے ساتھ قرآن مجید نے تہذیبِ نفس کے احکام جاری فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔

(پ ۵ ع ۳)

" اللہ کی عبادت کیا کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی مت بناؤ اور والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آیا کرو اور قرابتداروں یتیموں، مسکینوں، قریبی ہمسایوں، دُور کے پڑوسیوں سے بھی حُسنِ سلوک کیا کرو اور سنو جو کسی سفر میں کسی مجلس میں یا گاڑی اور ٹرین میں (جو تمہارے پہلو میں بیٹھا ہو اس کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک سے پیش آیا کرو۔ مسافروں اور ماتحتوں کے ساتھ احسان کیا کرو سنو جو

ایسے کام نہ کرے وہ متکبر بداخلاق ہے) اور خدا کو ایسے متکبر بداخلاق نہیں بھاتے ۔"

ایسی جامع تعلیم پر بھی انسان عمل نہیں کرتے - کیونکہ انسان فطرتاً ایسا ہے کہ اس کو محض زبانی نصیحت کارگر نہیں ہوتی بلکہ بسااوقات اس کی اصلاح کے لیے سیاست اور تعزیرات کی بھی ضرورت ہوتی ہے - چنانچہ کسی پنجابی عارف خدا کا شعر ہے ؎

چار کتاباں عرشوں آئیاں پنجواں آیا ڈنڈا　　ڈنڈے باہجوں بھجدا نائیں بے دینی دا کنڈا

یعنی چار کتابوں کے ساتھ سیاست کا قانون بھی خدا نے نازل فرمایا ہے - تاکہ سخت دل لوگوں کو اس سیاست سے سیدھا کیا جائے -

قرآن مجید چونکہ بانی فطرت کی طرف سے ہے جو انسانوں کی فطری عادات سے پورا واقف ہے - اس لیے اصلاحی احکام بصورت تعزیرات بھی اس میں آئے ہیں کیونکہ قرآن مجید اپنے اتباع کو مطلع کرتا ہے کہ جو میری کامل پیروی کرے گا - میں خدا کی طرف سے اس کو دنیا کی سب سے اعلیٰ عزت دلوانے کا اعلان کرتا ہوں - جس کا نام حکومت ہے - چنانچہ ارشاد ہے -

أَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ -

اسی اصول سے قرآن مجید میں زانیوں، چوروں اور ڈاکوؤں کی تعزیرات بھی آئی ہیں - تاکہ ان کی تعزیرات کا اثر دوسروں پر بھی پڑے اور لوگ ان تعزیرات کے خوف سے اصلاح نفس پر متوجہ ہوں ان تعزیری اصلاحوں کا ذکر میں نے اپنے رسالہ "اسلام اور برٹش لا" میں مفصل کیا ہے -

گذشتہ حکایات لفظی اور تصویری تعلیم کے علاوہ تیسری قسم کی تعلیم جو قرآن مجید نے اختیار کی ہے وہ واقعات صحیحہ ہیں - گذشتہ زمانہ کے نیک اور بد لوگوں کے قصے بھی اسی غرض سے قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں کہ لوگ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ ؎

از مکافات عمل غافل مشو　　گندم از گندم بروید جو ز جو

چنانچہ ارشاد ہے - فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (پ ۹ ع ۱۲)

"اے ہمارے نبی آپ لوگوں کو واقعات گذشتہ سنائیے کہ یہ لوگ نیک و بد نتائج پر غور کریں ۔"

بنیادی اصول باوجود ہر قسم کی تفصیلات کے ان سب کا اختصار بھی کمال درجہ پر کر کے سامنے رکھ دیا - جس کی تمہید یہ ہے -

کون نہیں جانتا دنیا میں جتنے فساد، جتنے جرائم، جتنے مقدمات، جتنی سزائیں ہیں -

سب کی بنا ایک ہی ہے۔ جس کو لالچ اور طمع نفسانی کہنا چاہیئے۔ چور چوری کرتا ہے تو اسی لئے۔ ڈاکو ڈاکہ مارتا ہے تو اسی لئے۔ غرض ہر کام میں بھی موذی جلوہ نمائی کر رہا ہے۔ اسی بنیادی اصول پر اطلاع دینے کو فرمایا ہے۔

اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ۔ (پ ۵ ع ۱۶) "یعنی ہر نفس کو اپنا لالچ ہے"

جس طرح مرض کا ذکر مختصر لفظوں میں کیا علاج بھی مختصر فرمایا۔

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (پ ۲۸۔ ع ۴) "یعنی جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچ جائیں۔ پس وہی حقدار نجات ہوں گے"

اس کے علاوہ انسانی فرائض، عبادات، اخلاق وغیرہ کی ہر شاخ کو قرآن مجید نے بالتفصیل بیان کیا ہے مگر میں وقت کی پابندی سے تفصیل عرض نہیں کر سکتا۔ ہاں جو صاحب ان قرآنی مضامین کو مفصل دیکھنا چاہیں وہ میری ناچیز تصنیفات "القرآن العظیم"، "تعلیم القرآن"، "الہامی کتاب" (وید اور قرآن کا مقابلہ) اور "تقابل ثلاثہ" (توریت، انجیل اور قرآن کا مقابلہ) ملاحظہ کریں۔

یہ مقصد جو میں نے بیان کیا ہے یعنی تہذیب نفس دراصل مقصدِ اصلی نہیں بلکہ ذریعہ ہے مقصدِ اصلی کا۔ مقصدِ اصلی نجات ہے مگر تہذیب نفس اس کے حصول کے لئے ذریعہ خاص ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

تِلْکَ الْجَنَّۃُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا۔ (پ ۱۶ ع ۴) "یعنی جنت (نجات) کے وارث ہم (خدا) اُن لوگوں کو کریں گے جو پرہیزگار ہوں گے"

دوسرے مقام پر اس سے ذرا زیادہ الفاظ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ (پ ۲۰ ع ۱۲) "یعنی نجات اُن لوگوں کی ہوگی جو زمین پر تکبر اور فساد کرنا نہیں جانتے"

بس مذہبیت سے یہ دو مقصد ہیں ایک تہذیب نفس جو ذریعہ ہے دوسرے اصلی مقصد کا جس کا نام نجات یہی اصل مقصود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

مَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ ط وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔

(کامیاب ہے) جو کوئی عذاب آخرت سے بچ کر (دار النجات) جنت میں داخل ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا ھٰذَا مِنْ فَضْلِکَ :- چونکہ میں قرآن مجید کو اپنا بلکہ جملہ انسانوں کا کامل ہدایت نامہ جانتا ہوں۔ اس لیے اپنا اعتقاد دو شعروں میں ظاہر کر کے بعد سلام رخصت ہوتا ہوں

جمالِ حُسنِ قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے — قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا — بھلا کیوں کر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے

۴ رجنوری ۱۹۲۷ء خادم اسلام ہمہ داں

ابو الوفاء ثناء اللہ اڈیٹر "اہلحدیث" امرتسر

عقائدِ صحیحہ

جو کچھ ہمارے عقائد ہیں ہم انہیں علی الاعلان بیان کرتے ہیں وَاللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ۔
جب تک انسان پورا کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ نہ کہے وہ مسلمان نہیں ہو گا۔
اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں یکتا اور بے نظیر ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
وہی سب کا خالق و مالک اور روزیاں پہنچانے والا ہے وہ ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش عظیم پر ہے
جو جو صفات اللہ تعالیٰ کی قرآن شریف اور صحیح حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں ہمارا اُن سب پر بغیر انکار اور تاویل باطل اور تحریف اور بغیر دریافت کیفیت ایمان ہے۔
عبادتوں کے قابل صرف اُسی کی ذات ہے۔ عبادت مالی ہو یا بدنی یا زبانی سب اُسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات کے لیے ہونی چاہیئے جو شخص اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرے۔ یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں خدا تعالیٰ کی کوئی صفت مانے وہ کھلا گمراہ اور مشرک ہے۔ مشرک ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جسے اُس نے جبرئیل امین علیہ السلام کی معرفت اپنے نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے سچے رسول ہیں۔ آپ کل انس و جن کی طرف پیغمبر بن کر آئے ہیں۔
نبوۃ حضرت آدمؑ سے شروع ہوئی اور آپ کی ذاتِ والا صفات پر ختم ہوئی۔ آپ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہ ہو گا جو شخص آپ کے بعد کسی کو نبی مانے اور آپ کو خاتم النبیین نہ جانے وہ کافر ہے
آپ تمام نبیوں سے افضل اور کل اولادِ آدم کے سردار ہیں
آپ کی شفاعت حق ہے۔ قیامت کے میدان میں سب سے پہلے اور سب سے بڑی

شفاعت آپ کی ہوگی۔

آپ کی گستاخی اور بے ادبی کرنے والا، آپ کی توہین اور تحقیر کرنے والا۔ آپ پر سب وشتم لعن طعن کرنے والا گردن زدنی اور کافر مطلق ہے۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ کوئی امتی خواہ کتنی ہی عبادت و ریاضت زہد و تقویٰ کرے۔ وہ کتنا ہی بڑا عالم و عابد ہو۔ نبوت کے درجہ کو نہیں پا سکتا۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کی خاکِ پا کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

جب تک آپ کی محبت و عزت و بزرگی انسان کے دل میں اپنے ماں باپ، بھائی بہن، حاکم و محکوم وغیرہ غرض دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ نہ ہو تب تک وہ مسلمان نہیں ہوتا۔

آپ کے کل معجزے مثلاً چاند کے دو ٹکڑے ہونا، پہاڑوں و درختوں اور کنکریوں کا آپ کی نبوت کی گواہی دینا وغیرہ سب برحق ہیں۔

معراج برحق ہے آپ کو رب العالمین نے ایک ہی رات میں مکہ سے بیت المقدس کی اور وہاں سے ساتوں آسمان کی سیر کرائی اور پھر اسی رات میں واپس اپنی جگہ پہنچا دیا۔ معراج جاگتے ہوئے آپ کے جسم و روح سمیت سیر کرائی گئی۔

آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیے۔ جو شخص آپ کا مبارک نام سنے اور درود نہ پڑھے وہ بڑا بدنصیب اور سب سے زیادہ بخیل ہے۔

قیامت کے روز سب سے پہلے آپ اٹھیں گے۔ آپ کے لیے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔

سب سے بڑا حوض کوثر آپ کا ہوگا۔ سب سے زیادہ جنتی امت آپ کی ہوگی۔ یہاں تک کہ اہلِ جنت کی ایک تہائی میں تمام اور امتیں اور دو تہائی میں صرف امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ کے کل فرمان اور افعال امت پر واجب العمل ہیں۔ احکام شرعیہ میں آپ اُس وقت تک کوئی ارشاد نہیں فرماتے تھے جب تک خدائے تعالیٰ کی جانب سے وحی نہ آجائے۔

آپ گناہوں سے اور شریعت کی باتوں میں غلطی کرنے سے معصوم تھے۔

قرآن و حدیث کا یا صرف قرآن کا یا صرف حدیث کا منکر کافر ہے۔

حجت تامہ اور مستقل دلیل صرف قرآن کریم و حدیث صحیح ہے۔

ہر ایک امام مجتہد، بزرگ محدث کے قول کو قرآن و حدیث پر پیش کرنا چاہیے۔ اگر مطابق ہو قبول کرنا چاہیے۔ اور اگر خلاف ہو تو قبول نہ کرنا چاہیے۔

کُل انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابیں اور اُن کے معجزے برحق ہیں۔

انبیاء کے بدن قبر میں سڑتے گلتے نہیں۔ بلکہ جوں کے توں باقی رہتے ہیں۔

دوزخ، جنت، عذاب و ثواب، لوح محفوظ، قلم، قیامت، صور، عذاب و ثواب قبر، میزان، نامۂ اعمال، پُل صراط، دیدارِ باری تعالیٰ، مرنے کے بعد جینا، تقدیر کی بھلائی، بُرائی، فرشتہ، حور و غلمان وغیرہ سب برحق ہیں۔

صحابۂ کرام کی محبت عین ایمان ہے۔ اور ان کا بغض علامتِ کفر ہے خصوصاً خلفاء اربعہ میں سے کسی سے بغض رکھنا۔ اولیاء اللہ سے دوستی رکھنا ایمان ہے اور اُن کی دشمنی خدا کی دشمنی ہے۔

اولیاء اللہ کی کرامتیں برحق ہیں۔ اولیاء اللہ کا ادب اور عزت کرنی چاہیئے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھیں یا کوئی اور وصف خدا جیسا اُن میں مانیں یا جو عبادتیں مالی ہوں یا بدنی یا زبانی اُن اولیاء اللہ کے لیے کریں۔

اماموں اور مجتہدوں اور محدثین کی توہین کرنا، انھیں بُرا بھلا کہنا، اُن سے بغض رکھنا، دشمنی رکھنا مسلمان کا کام نہیں خصوصاً چاروں امام۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد حنبل رحمۃ اللہ کی توہین کرنا۔ ان بزرگانِ دین کو بُرائی سے یاد کرنا۔ اُن سے دشمنی رکھنا صریح بے دینی ہے۔

ہم اہلِ حدیث اُن بزرگوں اور اُن کے سوا اور بزرگانِ دین کی تہِ دل سے عزت کرتے ہیں۔ انہوں نے جو باتیں ہمیں خدا اور رسولؐ کی پہنچائی ہیں ہم ان کا ماننا اپنے ذمہ فرض سمجھتے ہیں۔ ہاں جس کسی کی بات کلام اللہ یا حدیثِ رسول اللہ کے خلاف ہو اسے ہم نہیں مانتے۔ ہمارا یہ مذہب نہیں کہ ایک امام کی کل باتیں چاہے وہ حدیث قرآن کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ سب کا ماننا اپنے ذمہ فرض یا واجب سمجھیں۔ یعنی تمام امورِ شرعی میں اُسی ایک کی تقلید کریں۔ ہم ایسی تقلید کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں۔

دنیا بھر میں کوئی ایسا بزرگ نہیں اور نہ گذرا اور نہ آئندہ ہوگا کہ جس کی کل باتوں کا ماننا امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض و واجب ہو بجز حبیب خدا احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف آپ ہی کی ذات ایسی ہے جن کی اتباع کرکے ہم نجات حاصل کرسکتے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جس سے احکامِ شرعی میں غلطی اور خطا نہ ہوتی ہو۔ سوائے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

ہم آپ کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ اور آپ کی جائے ہجرت مدینہ منورہ کو حرم مانتے ہیں ہم[1] آپ کے روضہ مبارک کی زیارت کو مسنون اور کارِ ثواب جانتے ہیں۔ ہم خلافت کو آپ کے خاندانِ قریش میں مختص مانتے ہیں۔ قیامت تک ان کے سوا کوئی خلیفہ نہ ہوگا۔ آپ کی تمام امت میں سب سے زیادہ افضل اور بزرگ خلیفہ بلا فصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں آپ کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ کے بعد خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ امام مہدی علیہ السلام کی امامت برحق ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ وہ اب تک زندہ ہیں اور قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے۔ دجال کو قتل کریں گے۔ وغیرہ۔　(محمد ہاشم محمدی ناندوری) ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

سوال۔ کلام مجید میں بکثرت آیات شرک کی رد میں وارد ہیں۔ مشرک کے لیے اللہ ذو الجلال نے سخت وعید بیان فرمائی ہے۔ تلاوت کے وقت طبیعت خائف ہوتی ہے کہ اس مرض سے نجات کیسے ہوگی۔ مہربانی فرما کر شرک کی جامع مانع تعریف تحریر فرمائیں۔

محمد غنی فضل الرحمن از جہلم شہر

جواب۔ شرک کی جامع مانع تعریف اور اس کے اقسام سمجھنے کے لیے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان پڑھیے (اہلحدیث جلد ۴۴ نمبر ۱)

تشریح۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ سُنَّتِيْ (الحدیث) یعنی خدا کا دین اسلام شروع شروع مسافرانہ روش میں چلا ہے۔ ترقی کے بعد پھر مسافرانہ صورت میں ہو جائے گا۔[2] خوشخبری ہو ان مسافروں کو جو میری سنت میں لوگوں نے جو بگاڑ کیا ہوگا اس کی وہ اصلاح کریں گے۔ اس حدیث شریف میں اسلام کی زندگی کے چار مراتب فرمائے ہیں (۱) پہلی حالت بے کسی کی تھی جو ہجرت سے قبل مکہ معظمہ میں گذری (۲) دوسرے درجہ میں

---

[1] سفر مدینہ مسجد نبوی (روضة من ریاض الجنة) میں نماز ادا کرنے کی نیت سے ہونا چاہیے۔ پھر روضہ مطہرہ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا عین کارِ سعادت ہے۔ (راز)

[2] اسلام حالت غریبی میں شروع ہوا اور آخر زمانہ میں پھر حالت غریبی میں ہو جائے گا۔ زہے نصیب ان غریب مسلمانوں کے جو ایسے وقت میں اصلاح مفاسد کا کام کریں

اسلام کی ترقی کی طرف اشارہ ہے (۳) تیسرے مرتبے میں پھر اصل اسلام کی کس مپرسی کا ذکر ہے۔ یعنی اصل اسلام خود اہل اسلام میں نسیاً منسیاً ہو کر توحید و سنّت کی جگہ شرک و کفر لے لیں گے اور سنّت پر بدعات غالب آجائے گی۔ اصل اسلام بتانے والوں کو اسی طرح دیکھا جائے گا جس طرح پہلے طبقہ کے مسلمانوں کو دیکھا جاتا تھا۔ (۴) چوتھے درجہ میں ان مصلحین کی طرف اشارہ ہے۔ جو اس تیسرے درجہ میں پیدا ہو کر مفسدین کے فساد کی اصلاح کریں گے۔ اس حدیث کی واقعات سے تصدیق ہوتی ہے۔ پہلے درجے کی صحت تو مکہ معظمہ کے ایام میں ہوئی۔ دوسرے درجے کا معاملہ مدینہ شریف میں اور زمانۂ خلافت اور اس کے بعد بھی کچھ مدت تک ہوتا رہا ہے تیسرے درجے کا ظہور ہندوستان میں شاہی زمانہ میں کمال کو پہنچ گیا۔ ہر قسم کی پرستش شروع ہوگئی۔ ہر طرح کی بدعات رواج پا گئیں۔ یہاں تک کہ اولیاء اللہ کی پہچان یہ ہوئی۔ کہ شراب کی مستی سے اُن کی آنکھیں مست ہوں۔ زلفیں لمبی لمبی معطّر ہوں۔ جس راستہ سے چلیں راستہ مہک جائے۔ عام طور پر آوازے کسے جاتے ہیں ؎

اگر بابِ اجابت بند ہو جائے تو کیا ڈر ہے   کھُلا رہتا ہے دروازہ معین الدین چشتی کا

یہ بھی کہا جاتا ہے ؎

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے   جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے

جب یہ حالت اپنے کمال کو پہنچ گئی تو حسب پیشگوئی رسالت پناہی علیہ الصلوٰۃ والسلام دہلی کے خاندان علمیہ میں ایک روشن چراغ (مولانا اسمٰعیل شہید قدس اللہ سرّہ) پیدا ہوئے جنہوں نے کڑاکے دار آواز سے مسلمانوں کو اصل دین اسلام بتایا۔ اس کے جواب میں مسلمانوں نے کیا کہا اور کیا برتاؤ کیا۔ اس کی تفصیل شہید مرحوم کی سوانح عمری "حیات طیبہ" میں دیکھئے۔ جو دفتر اہل حدیث[عه] سے مل سکتی ہے۔ اس تحریک میں ممدوح نے کتاب تقویۃ الایمان لکھی جس میں محض قرآن و حدیث کے آئینہ میں اسلام کی تصویر دکھائی۔ اس کتاب کے مواعظ کا اہل دہلی بلکہ اہل ہند پر بہت اچھا اثر ہوا۔ مولانا حالی مرحوم نے اصلاحِ عرب کے متعلق "مسدس حالی" میں ایک بند لکھا ہے۔ جو ایک لفظ کی تبدیلی سے تحریک اسماعیلی پر پورا صادق آتا ہے ؎

نہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی   زمیں ہند کی جس نے ساری ہلا دی

عه اب غالباً دفتر اہل حدیث سوہدرہ یا دفتر المحدیث دہلی سے مل سکے۔ فقط راز۔

نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی　　اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غُل یہ پیغام حق سے

کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نام حق سے

خدا کے فضل سے کتاب تقویۃ الایمان اتنی مقبول ہوئی کہ آج اسلامی کتب میں بعد کتاب اللہ کے یہی کثیر الاشاعت ہے اس کے برابر کوئی کتاب اتنی کثیر الاشاعت نہیں۔ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ توحید پسند علماء نے اس کو بہت پسند کیا۔ اہل حدیث کے علاوہ سرکردہ علماء احناف مولانا رشید احمد گنگوہی رح۔ مولانا عبدالحی رح لکھنوی علماء دیوبند اس کی بڑی تحسین فرماتے رہے چنانچہ مولانا گنگوہی رح کے الفاظ یہ ہیں۔

کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ اور سچی کتاب اور موجب قوت و اصلاح ایمان کی ہے۔ اور قرآن و حدیث کا مطلب پورا اس میں ہے اس کا مؤلف ایک مقبول بندہ تھا حضرت مولوی اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم و متقی بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری کرنے والے اور قرآن و حدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے اور تمام عمر اسی حال میں رہے اور آخر کار فی سبیل اللہ جہاد میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ پس جس کا ظاہر حال ایسا ہووے وہ ولی اللہ اور شہید ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[1] - اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب اجر کا ہے اس کے رکھنے کو جو بُرا کہتا ہے وہ فاسق اور بدعتی ہے اگر اپنے جہل سے کوئی اس کتاب کی خوبی کو نہ سمجھے تو اس کا قصورِ فہم ہے۔ کتاب اور مؤلفِ کتاب کی کیا تقصیر۔ بڑے بڑے عالم اہلِ حق اس کو پسند کرتے ہیں اور رکھتے ہیں اگر کسی گمراہ نے اس کو بُرا کہا تو وہ خود ضالّ اور مضل ہے۔

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ ص۱۲۲)

مولانا گنگوہی رح نے تقویۃ الایمان کو جن بُرا جاننے والوں کا اجمالی ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک

---

[1] اولیاء اللہ صرف وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو پرہیز گار خدا سے ڈرنے والے ہوں۔

مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی ہیں آپ نے حال میں ایک کتاب موسوم "اطیب الکلام بتردید تقویۃ الایمان" شائع کی ہے۔ مجھے یہ کتاب ملی تو مجھے خیال ہوا کہ شہید مرحوم کے ساتھ ہو کر مجاہدین کے گھوڑوں کی لید اٹھانے کا موقع تو نہیں ملا۔ اُن کی کتاب کی تائید کر کے اتبعوھم باحسان میں شامل ہو جاؤں۔

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا   بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

اس بارے میں میں نے اپنے مخلص دوست حافظ عزیز الدین صاحب مراد آبادی سے مشورہ لیا۔ کیونکہ موصوف کو مراد آبادی کی حیثیت سے اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے میں اس امر کا اہل جانتا تھا۔ کہ اُن سے مشورہ لوں۔ موصوف نے تمنا کی کہ جواب کی خدمت مجھے سپرد کی جائے تاکہ میں بھی شہید مرحوم کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلنے کے لائق ہو جاؤں اگرچہ میں اس لائق نہیں ہوں کیونکہ؎

تیز جاتی ہے بہت اُن کی سواری اِن دنوں   ہم پہنچ سکتا ہے کب ہم سے ناتوانوں کا غبار

میں نے اس نیت سے موصوف کی درخواست کو قبول کیا کہ آپ لکھیں گے اور میں بذریعہ اخبار شائع کروں گا۔ تو دونوں شہید قدس سرہ کے جہادی گھوڑوں کے ساتھ اس طرح دائیں بائیں چلیں گے جس طرح شہید خود اور مولوی عبدالحی مرحوم دہلوی حضرت سید احمد صاحب رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے گھوڑے کے دونوں طرف چلا کرتے تھے۔

نوٹ:۔ ان دونوں حضرات کا ذکر کرتے ہوئے میدانِ جہاد میں اُن کی تگ و دو کا تصوّر اور بدقسمتی سے اس میدان میں اپنی غیر حاضری کا خیال کر کے میں زار زار رو رہا ہوں میری دونوں آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی ہیں۔ خدا کرے یہ پانی آتشِ دوزخ مجھ پر سرد کرنے میں کام آئے آہ

عدم کے جانے والو بزمِ جاناں تک اگر پہنچو   ہمیں بھی یاد رکھنا ذکر گر دربار میں آئے

جواب اگلے پرچہ سے شروع ہوگا۔ ان شاء اللہ

ناچیز ابو الوفاء (۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۱ھ)

مولانا حافظ عزیز الدین مرحوم کا مضمون بنام "اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان بجواب اطیب البیان کافی عرصہ تک اخبار اہلحدیث میں چھپتا رہا۔ پھر بھی آٹھواں حصہ بھی شائع نہ ہو سکا کہ انقلابِ زمانہ نے سب کچھ منقلب کر دیا۔ الحمد للہ کہ اس کتاب کا پورا مسودہ اُن کے صاحبزادے جمیل احمد صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے سامانِ اشاعت مہیا فرمائے آمین

افسوس کہ آج یہ سب بزرگ بزمِ توحید کو سونا کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو فردوسِ بریں میں اعلیٰ مقام نصیب کرے اور ناقل کو بھی ان کے نقوشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(راز)

مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی

گذشتہ زمانہ میں اہلِ علم کا دستور تھا کہ علم کی حیثیت سے اپنے مخالف کی بھی قدر اور تعریف کرتے تھے۔ مگر آج کل جہاں اور دستور مٹ گئے۔ یہ دستور بھی مٹ گیا۔ اپنے مخالف کی تعریف کرنا تو کیا سننا بھی گوارا نہیں۔

گذشتہ جنگ یورپ میں ایسی خبریں ملتی رہی ہیں کہ انگریز افسر ترکوں کی تعریف کرتے تھے کہ ترک بڑے مہذب اور شریف سپاہی ہیں۔ دشمنی اور اختلاف اور چیز ہے۔ علم اور کمال اور چیز۔ اسی اصول سے ہم مولانا شہید کی زندگی کے بعض حالات ایک معتبر حنفی رسالہ سے نقل کرتے ہیں جس سے مراد ہماری الفاسم دیوبند ہے۔ یہ رسالہ مدرسہ دیوبند کا آرگن ہے مدرسہ دیوبند علم دینی کی عموماً اور مذہب حنفی کی خصوصاً جو خدمت کر رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ باوجود اس کے مولانا شہید کی زندگی کو کس عزت سے دیکھتا اور دکھاتا ہے۔ وہ سننے کے قابل ہے۔ لکھا ہے:

اس آخری دور میں بھی مجدد الملت حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور شہید فی سبیل اللہ حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب دہلوی قدس اللہ سرہما و نور مرقدہما۔ تیرہویں صدی میں قرون مشہود لہا بالخیر کا تماشہ دکھلا گئے۔

حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ جس وقت تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔ دہلی کا پر فضا گلزار باوجو مسلمانوں کی دار السلطنت ہونے کے بدعات اور رسومِ شرکیہ کے جھاڑ اور کانٹوں سے ایک خارستان نظر آتا تھا۔ جہلا کے من گھڑت اختراعات اور بدعات نے اس کو ایک بدعت کدہ بنا رکھا تھا۔ جس کا زہریلا اثر جہلا ہی تک محدود نہ تھا۔ بلکہ علما کے گھرانے بھی اس سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ مبتدعین کی کثرت اور قوت اور علماءِ ربانی کی قلت و ضعف نے ان لبوں پر مہرِ سکوت لگا رکھی تھی خود حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بعض عزیزوں میں یہ بلا پھیلی ہوئی تھی۔

حضرت شہید قدس سرہ یہ دیکھ کر ایک روز جمعہ کے بعد جامع مسجد دہلی کے مکبرہ پر کھڑے ہوگئے اور آیت کریمہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ

فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلّموا تسلیما ، اے محمد (صلعم) آپ کے رب کی قسم وہ لوگ مومن و مسلمان نہ ہوں گے جب تک وہ آپ کو اپنے تمام کاروبار میں فیصلہ کن حاکم نہ بنالیں پھر وہ آپ کے حکم سے دل تنگ نہ ہوں۔ بلکہ اس کو برضا و رغبت تسلیم کرلیں) پڑھ کر وعظ فرمانا شروع کیا۔ آج پہلا دن ہے کہ دہلی والوں کے کانوں میں اُن کاموں کی برائی اور قباحت ڈالی جاتی ہے۔ جو اُن کے نزدیک فرائض و واجبات سے زیادہ مؤکد تھے۔ جس کو دیکھتے ہوئے خیال ہوتا ہے کہ حضرت شہیدؒ کا یہ وعظ جعجعہ ولا طحین (چکی کی آواز ہے مگر آٹا نظر نہیں آتا) کا مصداق ہو کر رہ گیا تھا۔

مگر نہیں نہیں! حق میں ایک مخفی قوت ہوتی ہے۔ جو اپنا اثر دکھلاتی ہے۔ اور ضرور دکھلاتی ہے۔ حضرت شہید نہایت جرأت و بے پروائی کے ساتھ اُن کے ہر ہر خیال کو باطل کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ دین و عبادت محض اتباعِ سنّتِ سیّد المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا نام ہے۔ منگھڑت بدعات کو اس میں داخل کرنا جہل مرکب ہے اور بار بار حافظ شیرازی کا یہ شعر وردِ زباں ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار　بگزارند و سرِ طرۂ یارے گیرند

اور وہی حق سے ناآشنا کان اور قبر پرست سر ہیں کہ ان کے سامنے جھکے جاتے ہیں آخر وعظ سے فراغت ہوئی اور ۹۵۰ آدمی اسی مجلس میں اپنے خیالات سے تائب ہوئے۔

لوگ اپنے اپنے گھروں پر واپس آئے۔ اب دہلی جیسا شہر ہے اور اس کے ہر گھر میں نزاع و جدال کا بازار گرم ہے۔ ہر گھر میں چار آدمی اگر اپنے پرانے خیالات پر مصر ہیں تو ایک وہ بھی ہے جس کو ہدایت خداوندی نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ اور اُس پر حضرت شہید کی مؤثر تقریر اپنا رنگ چڑھا چکی ہے۔

تحصیل علم کے بعد یہ پہلا کام ہے جو حضرت شہید کے ہاتھوں ظہور میں آیا ہے۔ اب آپ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا کے موافق اُن کی عمر بھر کے کارناموں کا اندازہ کر سکتے ہیں

آپ جب بارادۂ حج بیت اللہ تشریف لے گئے تو بیت اللہ کے اندر مردوں اور عورتوں کو اکٹھے داخل ہوتے دیکھا۔ آپ کو کہاں تاب تھی کہ کوئی امر منکر دیکھیں اور خموش ہو رہیں۔ تلوار کھینچ کر دروازہ بیت اللہ پر کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا۔ کہ واللہ جب تک اسمٰعیل زندہ ہے۔ مرد اور عورت مل کر بیت اللہ میں داخل نہ ہو سکیں گے۔ یہ دیکھ کر لوگوں

میں شور ہوا۔ اور شدہ شدہ یہ خبر ملازمانِ حکومت تک پہنچی۔ حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سبب دریافت کیا گیا۔ کہ آپ اتنا تشدد کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ اُن مردوں کے تہبند دیکھے جائیں جو عورتوں کے ساتھ مل کر بیت اللہ میں داخل ہوتے ہیں چنانچہ دیکھا گیا کہ اُن سب کے تہبند آگے سے بھیگے ہوئے تھے۔ اس وقت سب کو اس کا احساس ہوا۔ اور اسی وقت سے عورتوں اور مردوں کے ساتھ داخل ہونے کی ممانعت ہو گئی۔

اسی طرح اس سفیان ثانی کے ہاتھوں سینکڑوں مُردہ سنتیں زندہ ہوئیں اور یہی وہ کام تھا کہ جس کو آپ نے اپنی زندگی کا مقصود اعظم بنایا تھا۔ اور جس کے پورا کرنے میں آپ کو دنیوی جاہ و مال بلکہ عزت و آبرو سے بھی ہاتھ اٹھانا پڑا۔ ہزاروں آفات اور مصائب کا سامنا ہوا۔ دوستوں اور دشمنوں کے طعنے سُنے مگر وہ کوہِ وقار تھے کہ اپنی جگہ سے ایک انچ ٹلنا نہ جانتے تھے۔ ان کے مطمح نظر ارشاد خداوندی :۔

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا :۔ اور تم ضرور سنو گے اُن لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی ہے اور مشرکوں سے بہت ایذا کی باتیں ؛ تھا وہ اُن کی ایذاؤں کو برضا و رغبت سہنے کے لیے تیار تھے ؎

بیا لے عشق رسوائے جہانم کن کہ یک چندے ملامتہائے بے دردان شنیدن آرزو دارم

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ جامع مسجد دہلی سے اُتر رہے تھے کہ دہلی کے چند شہدوں نے آپ کو گالیاں دینی اور حرامی کہنا شروع کیا۔ اب آپ کا جواب سنئے مسکرا کر نہایت متانت سے فرماتے ہیں کہ بھیئے میں حرامی کیوں کر ہو سکتا ہوں۔ میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اب تک موجود ہیں۔ تبلیغ احکام خداوندی اور اشاعت سنّت کا خیال ہر وقت دامنگیر تھا۔ ایک روز خیال آیا کہ دہلی میں کسبی عورتیں بہت ہیں۔ ان کو کوئی وعظ و نصیحت نہیں سناتا۔ آخر یہ بھی تو آدمی ہیں۔ ممکن ہے کہ نصیحت کارگر ہو جائے اور ایک ساتھ سینکڑوں خدا کے بندے گناہ سے بچ جائیں۔

آخر رات کو ایک مشہور کسبی کے مکان پر جا کر دروازہ پر پہنچے معلوم ہوا کہ شہر کی اور بھی بہت سی کسبیاں اس مکان پر موجود ہیں اور گانے بجانے میں مصروف ہیں۔ جاتے ہی گداگروں کی سی صدا دی۔ مکان کے اندر سے ایک لڑکی بھیک لے کر آئی۔ حضرت شہیدؒ نے فرمایا کہ جا کر صاحب مکان سے کہدو کہ اس فقیر کی عادت ہے کہ جب تک اپنی صدا نہیں سنا لیتا

اُس وقت تک بھیک نہیں لیتا۔ لڑکی نے جا کر کہہ دیا جواب ملا کہ ہمیں صدا سننے کی ضرورت نہیں تم فقیر ہو تمہیں اپنی بھیک سے مطلب ان باتوں سے کیا غرض۔ مگر حضرت شہیدؒ کو تو غرض ہی اسی سے تھی فرمایا کہ ہم تو بدون صدا سُنائے بھیک نہ لیں گے۔ آخر چند مرتبہ کی ردّ و کد کے بعد کسبیوں نے بھی خیال کیا کہ یہ کوئی عجیب فقیر ہے۔ اس کی صدا بھی سُن لو دیکھو کیا کہتا ہے یہ بھی ایک تماشہ سہی حضرت شہیدؒ اندر داخل ہوئے اور کھڑے ہو کر

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۔ الاٰیۃ۔

" قسم انجیر کی و زیتون کی اور طور سینین کی اور اس شہر امن والے کی۔ ہم نے بنایا آدمی خوب سے خوب انداز؟"

پڑھ کر وعظ شروع کر دیا۔ حضرت شہیدؒ کا وعظ ہے۔ اور فاحشہ عورتوں کی مجلس۔ یہ عجیب و غریب منظر کچھ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ فواحش کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ طبلچیوں نے اپنے اپنے طبلوں اور سارنگیوں کو بغلوں سے نکال کر پھینک دیا ہے کوئی مصروف آہ و زاری ہے تو کسی کو گریہ و بکا دم لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ کسی کو کسی کی خبر نہیں۔ گویا یہ لوگ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔

نہ معلوم کہ حضرت شہیدؒ نے ان سرد دلوں میں وہ کونسی برقی حرارت چھوڑ دی۔ جس کی تاثیر سے معاصی کے تمام نجس مادّے پگھل پگھل کر آنکھوں سے بہنے لگے ؎

آج اُس بزم میں ہم آگ لگا کر اُٹھے یاں تلک روئے کہ اُن کو بھی رُلا کر اُٹھے

وعظ کا ختم ہونا تھا اور ساری مجلس کا حضرت شہیدؒ کے قدموں پر گر پڑنا۔ اُن کی ہدایت کا وقت آگیا تھا۔ اُسی ایک مجلس میں سب نے حضرت شہید کے ہاتھ پر توبہ کی اور سب کے سب خدائے تعالیٰ کے مقبول بندے ہوگئے۔ صاحب خانہ جو اُن سب میں حُسن و جمال اور مال و ریاست کے اعتبار سے بڑی تھی۔ اور اکثر رئیسا و نواب اُس سے مبتلا تھے۔ اس سحر بیان وعظ سے اتنی متاثر ہوئی کہ اپنا سارا مال و متاع لٹا کر شب و روز عبادت میں مشغول ہوگئی۔ اور جب حضرت شہیدؒ نے سکھوں سے جنگ کی تو یہ بھی آپ کے لشکر میں تھی۔ اور وہی ہاتھ جنہوں نے عمر بھر چکی کا ہتھہ نہ دیکھا تھا۔ آج اُن میں گھوڑوں کا دانہ دلتے دلتے مہندی کی بجائے آبلے پڑے ہوئے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔

مولانا اسمٰعیل صاحبؒ وعظ سے فارغ ہو کر باہر آئے۔ آپ کے ایک عزیز آپ کو

فواحش کے گھر کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہو لئے تھے، اور چھپ کر دروازہ میں یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ جب اس کے گھر سے نکل کر چند قدم آگے بڑھے تو وہ عزیز سامنے آئے اور عرض کیا۔ کہ حضرت کچھ اپنی عزت کا بھی تو خیال چاہیئے۔ مولانا نے فرمایا:-

"واللہ میری عزت تو اُس وقت ہو گی کہ میرا منہ کالا کر کے مجھے گدھے پر سوار کیا جائے اور دہلی کے چاندنی چوک میں پھرایا جائے مگر میری زبان کسی خلافِ حق کلمہ کے ساتھ ملوث نہ ہو۔ میری زبان پر وہی قال اللہ، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہو۔"

(القاسم بابت شوال و ذیقعدہ ۳۷ھ)

اہلحدیث:- امرتسر کے حنفی علماء (مولوی رسل بابا مرحوم اور ان کے خاندان کے دیگر افراد) بھی مولانا اسمٰعیلؒ کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ مولوی غلام مصطفےٰ صاحب نے بھی اپنے رسالہ میں مولانا کو شہید دہلوی لکھا ہے۔ جو سب اعلیٰ صفات کا جامع ہے۔ آہ! باوجود ایسے شہید سے عداوت اور رنج رکھنے والے ڈرتے نہیں کہ وہ اس حدیث کے نیچے نہ آجاویں۔ جس میں فرمایا۔

مَن عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب (جو کوئی میرے (خدا کے) ولی سے عداوت رکھتا ہے۔ میرا اس سے اعلان جنگ ہے) (۲۴ ذی الجحہ ۳۷ھ)

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی نگاہِ دور رس میں

اور پھر چند قدم آگے بڑھو۔ مقام عزیمت دعوت کی کیسی کامل اور آشکارا مثال سامنے آتی ہے۔ ساری مثالوں سے آنکھیں بند کر لو صرف یہی ایک مثال زیر بحث حقیقت کے فہم و کشف کے لئے کافی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام ہر رنگ میں کس درجہ جامع و کامل ہے بایں ہمہ یہاں جو کچھ ہوا تجدید و تدوین علوم و معارف اور تعلیم و تربیت اصحاب استعداد تک محدود رہا۔ اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ عملاً فعل و نفاذ اور ظہور و شیوع کا پورا کام تو کسی دوسرے ہی مرد میدان کا منتظر تھا اور معلوم ہے کہ توفیق الٰہی نے یہ معاملہ صرف حضرت علامہ شہید رضی اللہ عنہ کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ خود حضرت شاہ صاحب کا بھی اس میں حصہ نہ تھا

می خواست رستخیز ز عالم برآورد
آں باغباں کہ تربیت ایں نہال کرد

اگر خود شاہ صاحب بھی اس وقت ہوتے تو انہیں کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے۔ الی آخرہ

(تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد ص ۲۵۵ تا ۲۹۶)

کیا مولانا اسمٰعیل شہید رحؒ مقلد تھے؟

قدرت کا قانون ہے کہ جس چیز سے انسان محبت رکھتا ہے اس کو ہر طرف وہی نظر آتا ہے۔ ایک عربی شاعر اس کا نقشہ یوں دکھاتا ہے ؎

أُرِيدُ لِأَنْسَى ذِكْرَهَا فَكَأَنَّمَا ... تَمَثَّلُ لِي لَيْلَى بِكُلِّ سَبِيلِ

یعنی میں لیلیٰ کا ذکر بھولنا چاہتا ہوں لیکن وہ ہر راستہ میں میرے سامنے آجاتی ہے۔
یہی معنی ہیں اس مصرع کے ؎ جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

ارباب تقلید جدھر نظر اُٹھاتے ہیں اسی قانون قدرت کے ماتحت اُن کو تقلید ہی تقلید نظر آتی ہے سب سے پہلے اُن کی نظر امام المحدثین امام بخاریؒ پر پڑتی ہے۔ ان کو بھی یہ لوگ امام شافعیؒ کا مقلد بنا دیتے ہیں۔ حالانکہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں امام شافعیؒ کا بعض مسائل میں رد بھی کیا ہے اور امام موصوف کا نام بھی سادے لفظوں میں (قال ابن ادریس) لکھا ہے۔ باوجود اس کے ان کو امام شافعیؒ کا مقلد کہا جاتا ہے یا للعجب!

گذشتہ ایام میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا ذکر خیر رسالہ "الفرقان" بریلی میں درج ہوا تھا۔ اس میں بھی اسی قانون قدرت کا جلوہ نظر آتا تھا۔ مضمون نگاروں نے عموماً شاہ صاحب ممدوح کو حنفی مقلد بتایا تھا جس کے متعلق انہی دنوں "اہلحدیث" میں مفصل بحث ہوئی تھی۔ جو ملکی فضا صالح[لہ] ہونے پر رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہوگی۔ انشاء اللہ! آج اسی کا تتمہ ہمارے سامنے ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ

رسالہ "المفتی" دیوبند میں ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جو مع سوال درج ذیل ہے، سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا اسمٰعیلؒ مقلد تھے یا غیر مقلد؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حنفی مقلد تھے سوال و جواب کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کو غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ وہ غیر مقلد تھے دریافت طلب امر یہ ہے کہ حقیقت میں وہ غیر مقلد تھے یا حنفی تھے۔ جیسا کہ بعض علمائے دیوبند کہتے ہیں۔ اگر حنفی المذہب تھے تو اس کے ثبوت میں ان کی کوئی تصنیف اردو یا بدرجہ مجبوری فارسی کی ہو۔ جس سے ثابت ہو کر حنفی المذہب تھے آپ پیش

لہ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔ راز

کر سکتے ہیں۔ اگر وہ خدانخواستہ غیر مقلد ہیں تو ان کی تصانیف کو دیکھنا کیسا ہے۔ اور علمائے دیوبند ان کی بہت حمایت کرتے ہیں۔ اگر وہ غیر مقلد ہیں تو ان کی حمایت کرنے سے کیا فائدہ۔ مجھ کو ایک شخص نے تقویۃ الایمان کا حوالہ دکھایا جس میں ایک فصل ہے بیان در ردّ تقلید۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض دیگر تصانیف مولانا مرحوم موجود ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہل حدیث تھے؟ دریافت طلب امر یہ ہے۔ کہ یہ دعویٰ ان کا صحیح ہے یا غلط۔ اور ان کی تصنیف علاوہ "تقویۃ الایمان" کے اور "صراط مستقیم" اور "منصب امامت" کے دوسری کیا بھی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہل حدیث تھے۔ "منصب امامت" اور "صراط مستقیم" کے مسائل سے کیا ثابت ہوتا ہے حنفی المذہب ہونا۔ مہربانی کر کے ان چاروں باتوں کا جواب دیا جاوے۔ کیونکہ ان کے متعلق متضاد حالات مشہور ہو رہے ہیں۔

الجواب

حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید رحمہ حنفی المذہب عالم ربانی اور بزرگ تھے اور ردّ بدعات میں بہت زیادہ ساعی تھے۔ ہر دینی کام میں جہاں ذرا بھی خلل دیکھتے تھے اس کا ردّ فرماتے تھے۔ مسئلہ تقلید میں بھی ہندوستان میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے۔ جیسا کہ غیر مقلدین نے تقلید میں تفریط کی اور تقلید کو شرک، مقلدین کو مشرک قرار دیا، ائمہ سلف پر طعن و تشنیع کو شیوہ بنالیا۔ اسی طرح بعض مقلدین نے تقلید میں غلو اور افراط سے کام لیا۔ کہ ائمہ مجتہدین کو چھوڑ کر ہر پیر و فقیر کی تقلید لازم[1] کر دی خواہ اس کا فعل و قول شریعت کے دائرہ میں ہو یا نہ ہو۔

تقویۃ الایمان میں چونکہ تمام رسوم بدعیہ پر ردّ لکھا گیا ہے۔ اس لئے اس غلو اور افراط فی التقلید کو بھی منع کیا گیا ہے۔ اسی کے متعلق یہ فصل لکھی گئی ہے۔ جیسا کہ خود تقویۃ الایمان کی عبارت مندرجہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے:۔

سو سننا چاہیئے کہ اکثر لوگ مولویوں اور درویشوں کے کلام اور کام کو سن کر سند پکڑتے ہیں (الیٰ قولہ) ان مولویوں اور درویشوں کے قول و فعل کے خلاف کوئی آیت اور حدیث پڑے تو اس کا انکار اور اس کے مطلب میں تکرار کرنے کو موجود ہو جاتے ہیں الخ

---

[1] گویا ائمہ مجتہدین ہی کی تقلید پر کاربند رہنا ضروری تھا سبحان اللہ کیا اچھا فیصلہ ہے۔ ثنائی

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت شہید مطلقاً تقلید کو منع نہیں فرماتے بلکہ صرف اس غلو اور افراط کو روکتے ہیں کہ ائمہ دین مجتہدین سے گذر کر ہر کس و ناکس کی تقلید اختیار کر لی جائے۔ چنانچہ اسی فصل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کی خود ہدایت فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

تو ایسی بات پر یعنی جس میں کوئی نص صریح قرآن و حدیث و اجماع میں موجود نہ ہو۔ مجتہدوں کے قیاس صحیح کے موافق عمل کرے۔ پر وہ مجتہد بھی ایسا ہو کہ جس کا اجتہاد امت کے اکثر عالم مسلمانوں نے قبول کیا ہو۔ جیسے امام اعظم رح اور امام شافعی رح اور امام مالک رح اور امام احمد رح الخ" فقط، واللہ تعالیٰ اعلم!

(رسالہ المفتی دیوبند بابت ماہ ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ صفحہ ۳۷-۳۸)

اہل حدیث مولانا شہید رح کا جو فتویٰ "المفتی" نے نقل کیا ہے۔ بعینہٖ یہی حکم معیار الحق میں ملتا ہے۔ اگر متنازعہ تقلید یہی ہے تو اس پر دونوں صاحبوں کا اتفاق ہے ہمارا بھی اسی پر صاد ہے۔ مگر اس کی تفصیل جو مولانا شہید کی اسی کتاب (تقویۃ الایمان) میں ملتی ہے قابل لحاظ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

سب سے بہتر راہ یہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے کلام کو اصل رکھئے اور اسی کو سند پکڑیئے اور اپنی عقل کو کچھ دخل نہ دیجئے اور جو قصہ بزرگوں کا یا کلام مولویوں کا اس کے موافق ہو اس کو قبول کیجئے اور جو موافق نہ ہو اس کی سند نہ پکڑیئے۔ (ص۳)

یہ ہے مولانا کا مسلک کہ آپ قرآن و حدیث کو اصل اور سند قرار دیتے ہیں یعنی اولاً بالذات انہی پر نظر ڈالنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ارباب تقلید کا مسلک بھی ملاحظہ کیجئے۔ جو یہ ہے:۔

اما المقلد فمستندہ قول مجتہدہ (مسلم الثبوت ایضاً توضیح)

یعنی مقلد کی سند اپنے امام کا قول ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کو دونوں فریق مانتے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ جو فریق حسب ہدایت مولانا شہید رح پہلی نظر قرآن و حدیث پر ڈالے وہ غیر مقلد (اہل حدیث) ہوگا اور جو فریق پہلی نظر امام کے قول پر ڈالے اور بحسن ظن اسی کو واجب العمل سمجھے (گو مزید اطمینان کے لیے قرآن و حدیث کو بھی دیکھے) وہ حسب تصریح علماء اصول مقلد ہے۔ یہی مسلک علماء دیوبند (ومن یتعلقھم) کا ہے۔ اس وقت ہم اس مسلک

کی صحت و سقم پر بحث نہیں کرتے۔ صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مولانا شہیدؒ کا یہ مسلک نہ تھا بلکہ وہی تھا جو ممدوح نے خود بتایا ہے

مولانا کے مسلک کی مزید وضاحت آپ کی کتاب تنویر العینین سے ہوتی ہے جو مسئلہ رفع یدین کے اثبات میں ہے۔ جس کا خلاصہ ان دو لفظوں میں ہے جو مولانا نے اپنے دیباچہ میں لکھے ہیں:-

یثاب فاعلہ ولا یلام تارکہ۔ یعنی عند الرکوع رفع یدین کرنا ثواب کا کام ہے۔

کیا رفع یدین کے متعلق علماء حنفیہ کا یہی مذہب ہے؟ اگر یہی ہے تو نعم الوفاق و

ناظرین کرام! عبذا الاتفاق۔ مختصر یہ ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا مسلک وہی تھا جو ان کے دادا مرحوم شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہم کا تھا کہ اولاً و بالذات قرآن و حدیث پر نظر رکھتے تھے۔ گویا ان کا یہ قول تھا ؎

اے داغ مقلد ہیں اسی طرز کے ہم بھی　　ہر شعر میں ہو بلبل شیراز کا انداز پیدا

اتباع حدیث

(۲۴ صفر ۱۳۶۱ھ)

شیخ بشیر احمد بی اے۔ معتمد محمد قاسم ولی اللہ سوسائٹی لاہور:۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ولی اللہ پارٹی کے کارکن کی حیثیت سے جو امام عبد العزیز کی قیادت میں کام کر رہا تھا۔ فقط حنفی فقہ کو ماننا کلیتہً ضروری تھا مگر خلیفۃ المسلمین بن جانے کے بعد اُن کی دعوت میں عمومیت آگئی۔ جس کے ساتھ نجدی اور یمنی طریقوں سے کام کرنے والوں کا زور چڑھ گیا۔ جو فقہ حنفی کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے اس کا انجام یہ ہوا کہ افغانوں کو جو فقہ حنفی کے شدت سے پابند تھے مجاہدین کے ساتھ دشمنی ہوگئی۔ یہ بات وہابیت کی تاریخ میں واضح طور پر موجود ہے کہ وہابی کی اصطلاح کا عمومی اطلاق "جماعت اہل حدیث" پر ہوتا ہے۔ سید احمد شہیدؒ کی جماعت میں فی الحقیقت اہلحدیث ہی کا غلبہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت اسماعیل شہیدؒ اعتقاداً و عملاً اہل حدیث تھے اور آپ لشکر کے کمانڈر انچیف یا سپہ سالار تھے (اخبار زمزم لاہور۔ ۷ مئی ۱۹۴۵ء ۲۱ جلد ۸)

تقویۃ الایمان! اور اس کا مصنف عالیشان اسمٰعیل ومآادراک ما اسمٰعیل

آج کل بعض اخباروں میں مجاہد فی اللہ شہید فی سبیل اللہ مولانا اسمٰعیل رضی اللہ عنہ کی کتاب "تقویۃ الایمان" پر ذکر اذکار ہو رہا ہے۔ کتاب کی نسبت بحث ایک عالمانہ رنگ

یں ہو سکتی تھی مگر افسوس ہے کہ اس بحث کو اٹھانے والوں نے اصل بحث سے گذر کر مصنف کی ذاتیات پر بھی بُرے لفظوں میں حملہ کیا۔ ناظرین کو معلوم ہو گا کہ آجکل اس بحث کو اٹھانے والے حضرت فاخر صاحب الہ آبادی ہیں جن کا ذکر خیر اہلحدیث مورخہ ۵ ستمبر میں ہو چکا ہے۔ ان ہی صاحب نے اخبار شوکت بمبئی مورخہ ۱۲ اگست میں مولانا شہیدؒ اور مولانا کے ہم صحبت حضرت مولوی عبدالحی مرحومؒ کو ڈو کیتے کہہ کر دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ جس کے جواب میں بجز اس عربی شعر کے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ؎

و اذا اتتک مذمتی من ناقص فھی الشھادۃ لی بانی کامل

مولانا شہید رضی اللہ عنہ سے جن علماء کو اختلاف رائے بھی ہے وہ بھی ممدوح کی عزت کرتے ہیں۔ مولوی میر احمد اللہ صاحب مرحوم امرتسری کو ریاست خیرپور سندھ میں تعلق تھا ریاست کے والی میر علی مراد شیعہ تھے۔ مولوی صاحب مرحوم نے تین دفعہ یہ روایت بیان کی کہ نواب میر علی مراد علماء کے ذکر پر کہا کرتے تھے کہ ہندوستان میں عالم ہوا ہے تو اسمٰعیل ہوا ہے۔ ان کے بعد تو سب ملاّنے ہیں

مدرسہ دیوبند میں ہدایہ کی کتاب الشہادۃ کا سبق ہو رہا تھا۔ جس میں یہ ذکر آیا۔ لا تقبل شھادۃ من یظھر سب السلف لظھور فسقہ۔ یعنی جو شخص سلف صالحین کو گالیاں دے اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ اس کا فسق خود اس سے ظاہر ہے"۔ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ سے میں نے سوال کیا کہ جو لوگ مولانا اسمٰعیل کو برا کہتے ہیں اُن کا کیا حکم ہے؟ فرمایا" ان کی شہادت مقبول نہیں"۔ بعدہ ہم من قائل۔ آہ۔ آج یہ کیسا زمانہ آیا کہ مقبولان بارگاہ شہیدان راہ خدا کے حق میں ایسے مکروہ الفاظ سننے میں آتے ہیں۔ الی اللہ المشتکیٰ (۲۶ صفر ۱۳۴۳ھ)

آج کل بعض اخباروں (خلافت بمبئی اور زمیندار لاہور وغیرہ) میں کتاب تقویۃ الایمان کے برخلاف مضامین نکلے ہیں۔ نامہ نگاروں کی شکایت توجہ ہو رہے ہیں۔ اڈیٹر صاحب خلافت کن لفظوں میں شکایت کریں جو کتاب مذکور کی نسبت لکھتے ہیں کہ چونکہ اس کتاب کو بہت سے مسلمان ناپسند کرتے ہیں اس لئے آئندہ اس کا ذکر اخبار خلافت میں نہ ہوگا۔ ساتھ ہی اس کے دوسرے پرچے میں لکھتے ہیں کہ ہم نے یہ کتاب پڑھی نہیں۔ بتائیے جب

اڈیٹران اخبار بھی اتنے بے پرواہ ہوں کہ ایک بابرکت کتاب کی نسبت چند لوگ محض سُنے سنائے ناراضگی کرتے ہوں ان کی خاطر سے اتنے ذمہ دار اخبار کا اڈیٹر کہے کہ ہم نے پڑھی نہیں۔ اس لئے آئندہ اس کتاب کا ذکر نہیں ہوگا۔

فاضل اڈیٹر "خلافت" اگر تکلیف کر کے کتاب مذکورہ کو دیکھتے یا کم سے کم جناب شوکت علی محمد علی صاحبان سے اس کتاب اور اس کے جلیل القدر مصنف کی بابت دریافت کرتے تو کتاب مذکور کا نام "خلافت" کے سرورق پر ہمیشہ لکھا کرتے۔ خیر جو کچھ آپ سے ہو سکا وہ آپ نے کیا۔ اِلَى اللهِ المشتكى۔

اب ہم مولانا فاخر الہ آبادی کے مضمون کی تنقید کرتے ہیں جو ان کی طرف سے اخبار "شوکت" بمبئی ۱۰ راگست میں نکلا ہے۔

مولانا فاخر میرے ذاتی دوست ہیں اس لئے میں آپ سے ذاتی محبت رکھتا ہوں۔ مگر اُن کی علمی واقفیت محدودہ کی وجہ سے اُن کی نسبت اگر یہ رائے ظاہر کروں کہ شرعیات اور عقائد میں اُن کی رائے بصورت فتویٰ پیش ہونے کے لائق نہیں تو کچھ بیجا نہیں۔ ہاں میں نے سُنا ہے کہ وہ شاعر ہیں۔ قوالی میں اچھا دسترس رکھتے ہیں۔ بہت سی تکشوفات ان کی شاگرد ہیں گذشتہ تحریکِ خلافت میں جہاں اور بہت سے لوگ مولانا بنے تھے۔ آپ بھی اسی زمانہ کے سند یافتہ ہیں جن سب کی نسبت یہ کہا گیا تھا ؎

نہ مذہب سے ہوئے واقف نہ دینِ حق کو پہچانا پہن کر جبہ و شملہ لگے کہلانے مولانا

باوجود اس کے مجھے اُن سے ذاتی طور پر جو مراسم دوستانہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مذہبی عقائد اور مسائل میں میں اُن کی رائے کسی علمی اصول پر مبنی نہیں جانا کرتا۔

فاخر صاحب نے اخبار "شوکت" میں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی چھوٹی عمر کے حالات لکھے ہیں جو محض اُن کے خیالات کا عکس ہیں اس لئے ہم اُن سے تعرض نہیں کرتے۔ بلکہ اصل کتاب "تقویۃ الایمان" (جزی اللہ مصنفه عن اهل الاسلام) کی طرف سے جواب دیتے ہیں۔ فاخر صاحب نے کتاب مذکور پر دو اعتراض کئے ہیں۔

(۱) اس میں لکھا ہے۔ ولی اور رسول اللہ کے یہاں ذرہ ناچیز سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔

(۲) دوسرا یہ کہ تقویۃ الایمان محمد بن عبد الوہاب نجدی کی کتاب "التوحید" کا ترجمہ ہے۔

ہمارے خیال میں دوسرا الزام تو ایسا ہے کہ اس کے قائل کی نسبت یہ کہنا بجا ہے کہ ؎

قدر مے ...... تو کیا جانے ہائے کم بخت تو نے پی ہی نہیں

معلوم ہوتا ہے کہ قائل نے دونوں کتابوں کو مقابلہ میں نہیں دیکھا ورنہ وہ یہ نہ کہتا۔ دونوں کا طرزِ تحریر الگ۔ دونوں کی فہرست الگ۔ ہاں بقول شخصے "سو سیانے ایکو مت"

دونوں اس مضمون پر متفق ہیں جو مولانا حالی مرحوم کے ایک بند میں مذکور ہے ؂

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق
لگاؤ تو لو اپنی اُس سے لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

ہم اس الزام کے جواب میں اتنا ہی کہتے ہیں کہ دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر کسی اہلِ دوران سے فیصلہ کرالو۔ کہ کون ان میں سے اصل ہے اور کون ترجمہ۔

علاوہ اس کے ہم حیران ہیں کہ کتاب التوحید نجدی میں مصنف کے الفاظ کتنے ہیں۔ جن کا ترجمہ قبیح سمجھا جائے۔ اُس میں تو آیات ہیں یا احادیث۔ ان کا ترجمہ اگر کیا جائے تو کیا جرم؟ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی بزبانِ حال کہتا ہے ؂

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم از ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

جواب نمبر اول یہ الزام بالکل غلط ہے کہ مولانا شہید نے ایسا لکھا ہے۔ کہ انبیاء (کذا فی الحدیث) اولیاء خدا کے نزدیک چوڑھے چماروں کے برابر ہیں۔ واللہ اگر وہ ایسا کہتے یا لکھتے تو سب سے پہلے (باوجودیکہ میری عادت کسی کی تکفیر کرنے کی نہیں) میں اُن کو کافر بلکہ اکفر کہتا۔ مگر افسوس کہ اُن کے کلام کو نکتہ چینوں نے شرک و بدعت کی محبت میں سمجھا نہیں۔ سچ ہے ؂

سِرِ مستاں منطق الطیر است جامی لب بہ بند جز سلیمانے نہ شناسد نہم ایں گفتار را

مولانا شہید مرحوم نے توحید اور شرک کی مثال سمجھانے کو لکھا ہے کہ

"خدا کے ساتھ شرک کرنا ایسا ہے جیسے بادشاہ کا تاج چمار کے سر پر رکھنا"

یہ تمثیل گو بادی الرائے میں صحیح معلوم ہوتی ہے۔ مگر واقعہ میں کمزور ہے۔ اس لئے کہ بادشاہ اور چمار دونوں میں گو درجہ کا فرق ہے لیکن انسانیت میں دونوں شریک ہیں۔ نسلِ انسانی میں دونوں متحد۔ مگر خدا کے ساتھ کسی مخلوق کو کسی قسم کا اتحاد نہیں۔ اس لئے مولانا مرحوم نے اس مثال سے ترقی کر کے فرمایا۔

"جاننا چاہیے سب مخلوق چھوٹی بڑی خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔" اٰمنّا و صدّقنا فاکتبنا مع الشاھدین۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نسبت جو چمار کو بادشاہ سے ماتحتی کی ہے۔ سب مخلوق کو خدا کے سامنے اُس سے زیادہ ماتحتی ہے کیونکہ اتحادی نوعیت جو چمار کو بادشاہ سے ہے وہ خُدا کے ساتھ کسی مخلوق کو نہیں۔ صدق اللہ۔

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

صوفیائے کرام کے اقوال مولانا شہیدؒ کی تائید میں بکثرت ہیں۔ ہم اُن میں سے صرف ایک نقل کرتے ہیں عارف باللہ مولانا جامی مرحوم خالق و مخلوق کی نسبت کے متعلق فرماتے ہیں؎

او چو جان ست و جہاں چوں کالبد کالبد از وے پذیرد آلبد

یعنی دُنیا ساری مثل ایک بُت بیجان کے ہے۔ اور خدا کا حکم اس کے لئے مثل جان کے ہے۔

پھر بتایئے کہ جان اور بُت میں سے کون اعلیٰ اور کون ادنیٰ۔ صدق اللہ۔

مَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ

مولانا جامیؒ کے اس شعر پر غور کریں تو مولانا شہیدؒ سے معنی میں بڑھ کر پائیں۔ خیر جو کچھ اس شعر کا مطلب ہے۔ یہی مولانا مرحوم کے کلام کا ہے۔ مختصر یہ کہ شہید مرحوم نے جو لکھا ہے۔ قرآن و حدیث اور اقوال صوفیاء کے بالکل مطابق ہے۔ اسی لئے علماء اہل حدیث کے علاوہ محققین علماء حنفیہ بھی کتاب تقویۃ الایمان اور اس کے جلیل القدر مصنف کے حق میں تحسین کی رائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے حنفیہ کرام کے سرتاج مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم فرماتے ہیں:۔

"مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم، متقی، بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری کرنے والے اور قرآن و حدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے اور تمام عمر اسی حال میں رہے۔ آخر کار فی سبیل اللہ جہاد میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ پس جس کا ظاہر حال ایسا ہو وے وہ ولی اللہ اور شہید ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ اور کتاب "تقویۃ الایمان" نہایت عمدہ کتاب ہے اور ردِ شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اُس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اُس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عینِ اسلام ہے اور موجب اجر کا ہے۔ اس کے رکھنے کو جو بُرا کہتا ہے

وہ فاسق اور بدعتی ہے۔ اگر اپنے جہل سے کوئی اس کتاب کی خوبی کو نہ سمجھے تو اس کا قصور فہم ہے۔ کتاب اور مؤلف کتاب کی کیا تقصیر، بڑے بڑے عالم اہل حق اس کو پسند کرتے ہیں اور رکھتے ہیں۔ اگر کسی گمراہ نے اس کو برا کہا تو وہ خود ضال و مضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۳۲)

برادران اسلام! اس فتوے کو پڑھئے اور غور سے پڑھئے اس کے بعد طوعاً یا کرہاً ایک دفعہ تقویۃ الایمان کو بھی دیکھ لیجئے تاکہ آپ اس کی نسبت جو کچھ رائے رکھیں بصیرت سے رکھیں، بے خبری سے نہ رکھیں ؎

نہیں معلوم تم کو ماجرائے دل کی کیفیت سنائیں گے تمہیں ہم ایک دن یہ داستاں پھر بھی

(۵ ستمبر ۱۹۲۴ء)

سوال:۔ یہاں کچھ لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ جب آپ لوگ قرآن شریف اور حدیث کے ماننے والے ہیں تو پھر آپ اہل حدیث کیوں کہلاتے ہیں۔ یعنی صرف حدیث والے کیوں کہلاتے ہیں۔ کیا آپ لوگ قرآن شریف کو بھی حدیث کہنا صحیح سمجھتے ہیں۔

ڈاکٹر موسیٰ از آگرہ

جواب: قرآن شریف متن ہے اور حدیث اس کی شرح ہے۔ شرح میں متن آجاتا ہے۔ دوسری مثال اس کی کلمہ شریف ہے جس کا دوسرا حصہ محمد رسول اللہ ہے۔ کیا کوئی شخص اس معترض کی طرح اگر یہ کہے کہ محمد رسول اللہ کہتے ہو کیا موسیٰ رسول نہیں تھے اس کا جواب علمائے اصول نے یہی دیا ہے کہ محمد رسول اللہ کہنا متضمن ہے موسیٰ رسول اللہ کو بھی۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث جلد ۴۱ ص ۱۹)

سوال:۔ ہماری طرف ہندو قوم اپنے باپ دادوں کے ایصال ثواب کے لئے (ایک جانور داغ کر مطلق العنان چھوڑ دیتی ہے۔ جو ان کی ملکیت سے بھی خارج ہو جاتا ہے اور مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ کا حکم بھی ان پر صادق نہیں آتا۔ اس جانور سے فصلوں کا معقول نقصان ہوتا ہے کیا ایسے جانور کو ذبح کرکے کھا لینے میں شرعاً کوئی حرج ہے۔

عبدالجلیل منظر بستی

جواب: مشرک جو کچھ بھی چھوڑے اس میں مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ کا اثر ضرور ہوتا ہے علاوہ اس کے مال غیر ہے۔ بلا اجازت اس کا کھانا جائز نہیں

اہل حدیث جلد ۴۱ ص ۱۹

"قرآن کی رو سے جن چیزوں کا کھانا حرام ہے ان میں ایک وہ چیز بھی ہے۔ جس پر تعظیم و تقرب کے لئے کسی غیر اللہ کا نام پکارا جائے یعنی غیر خدا کے لئے اس کو شہرت دے دی جائے وہ چیز مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہے۔" (ستار از)

سوال: نبی سب حیات ہیں یا نہیں۔

جواب: قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ (اے نبی تم بھی مرنے والے ہو۔ اور یہ مخالفین بھی سب ایک دن مرنے والے ہیں (مترجم) حدیث بخاری شریف میں ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کے انتقال پر اختلاف ہوا کہ آپ زندہ ہیں یا فوت ہو چکے ہیں۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور دیکھ کر فرمایا۔ اَمَّا الْمَوْتَةُ الْاُوْلٰى فَقَدْ ذُقْتَهَا۔ حضور آپ ایک موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔ رہی روحانی زندگی سو وہ انبیاء اور اولیاء اور شہداء سب کو حاصل ہے يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (سورہ آل عمران) اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ ان کو دیا ہے اس پر وہ مگن رہتے ہیں) (اہل حدیث جلد ۴۴ ص۱۵)

تشریح از علامہ ابو القاسم سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

حیات برزخی کا مسئلہ قیاسی نہیں ہے کہ حیات شہداء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الممات کو قیاس کیا جائے۔ بلکہ اس کے لئے نص کا ہونا ضروری ہے۔ آنحضرت ؑ کے لئے صاف ارشاد ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ (زمر پ۲۴) اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ (آل عمران) حضرت صدیق اکبر نے خطبہ میں ہزارہا صحابہ کی موجودگی میں فرمایا تھا۔ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ (بخاری پ۵) اور اس پر سب صحابہؓ نے سکوت فرمایا۔ ابوداؤد میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مَا مِنْ اَحَدٍ يُّسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ ص۸۶) اگر آنحضرتؐ قبر میں زندہ ہوتے تو رد روح چہ معنی دارد؟ بخلاف شہداء کے کہ اُن کی بابت اللہ تعالیٰ نے صاف

ؔ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پجاری تھا یعنی محض آپ کے ڈر سے مسلمان ہوا تھا اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ آج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتقال فرما گئے اب ایسے لوگوں کو اختیار ہے مسلمان رہیں یا کافر ہو جائیں اور جو لوگ اسلام کو دین الٰہی برحق مذہب جان کر مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کو حضور کے انتقال سے کوئی مخالفانہ اثر نہ لینا چاہیے جس اللہ پر وہ ایمان لائے ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا غیر فانی ہے الخ

فرمایا ہے بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

ارسال کردہ مولانا عبدالرؤف جھنڈے نگری

سوال ۔ نذر اللہ نیاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی پیر یا ماں باپ کی نیت سے کی جانے کیا جائز ہے؟

جواب ۔ نذر غیر اللہ جائز نہیں ہے۔ نذر للہ کا ثواب میت کو پہنچانا جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ هٰذَا اُمُّ سَعْدٍ۔ اہل حدیث جلد ۳۴ ع ۱۵

حضرت سعدؓ ایک صحابی ہیں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اپنی والدہ مرحومہ کو ایصال ثواب کرنے کے لئے ایک کنواں بنوا دیا تھا جو بایں نام مشہور ہو گیا تھا کہ کنویں کا ثواب سعد کی ماں کے لئے ہے۔ (راز)

غیر اللہ کی نذر و منت حرام ہے اور منذور یعنی جو چیز نذر کی جائے شیرینی ہو یا فرینی کھانا ہر امیر و فقیر پر حرام ہے۔ کما بسطہ فی بحر الرائق والدالمختار و غیرھما۔ مجموعۃ الفتاوٰی مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم ج ۱ ص ۳۶۱ و جلد ۲ ص ۲۹۹

سوال ۔ یا اللہ صدقے اپنے رسول مقبول علیہ السلام کے میری دعا قبول فرما کر کوئی بھی دعا ہے ۔کیا ایسا کہنا جائز ہے؟

جواب ۔ ایسا کہنا مجھے کسی حدیث میں نہیں ملا ۔ اللہ اعلم　اہل حدیث جلد ۲۴ ع ۱۵

سوال ۔ وَاِذْ قُلْنَا ... فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ میں استثنار متصل ہے یا کہ منقطع کیا یہ صحیح ہے کہ ابلیس پہلے کثرت سے عبادت کیا کرتا تھا؟

جواب ۔ ملائکہ کے ساتھ ابلیس کو بھی سجدہ کا حکم ہوا تھا لقولہ تعالیٰ ۔ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (آل عمران)[5] آیت کی تقدیر عبارت یوں ہے قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ وَاِبْلِيْسَ ط پس اس تقدیر عبارت پر استثنار متصل ہے۔ بہت سے حضرات منقطع بھی کہتے ہیں۔ ہمارے علم میں قرآن و حدیث سے ابلیس کی عبادت کا کوئی ثبوت نہیں کسی اعلم سے پوچھئے ۔　اہل حدیث جلد ۴۰ ع ۲۷

---

[5] ۔ اصل میں ایسا ہی ہے۔ (راز)

شرفیہ۔ میں کہتا ہوں بدلیل مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ تقدیر عبارت یہی مناسب ہے۔ سورہ کہف میں ہے فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ اور صحیح مسلم میں ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُّوْرٍ وَّ خُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ۔ الحدیث مشکوٰۃ (طبع ۵ ص ۲) یہ اتصال سے مانع ہے۔ ہاں اگر ابن عباسؓ کی تفسیر کہ ایک قسم ملائکہ کی ایسی ہے جو نور سے مخلوق نہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہو جائے تو تخصیص بعض ملائکہ از نار اتصال صحیح ہو سکتا ہے۔ مگر یہ روایت ابن عباسؓ کی اسرائیلی روایات میں سے ہے اور صحیح مسلم کی مرفوع حدیث کے خلاف ہے۔ لہٰذا استثنار منقطع صحیح معلوم ہوتا ہے اور تقدیر عبارت یہی صحیح ہے جو مولانا نے لکھا ہے۔

سوال۔ کیا قیام مولود و فاتحہ کرنا کسی حدیث شریف سے ثابت ہے

سلطان احمد نیا تالاب ڈمراؤں ضلع آرہ

جواب۔ یہ کسی حدیث شریف سے جائز نہیں۔ لہٰذا بدعت ہے (اہل حدیث جلد ۳ ص ۱۹)

بزم میلاد

مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ ہمارے دینی اور دُنیاوی تنزل کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم نے اسلام کی اصلی تعلیم کو چھوڑ دیا۔ باوجود اس کے وہ ہر ایک ممتاز موقع پر اسلامی تعلیم کے خلاف کرنے پر تُل جاتے ہیں۔ ہندوستان میں محرم کا مہینہ ایک خاص شہرت رکھتا چلا آیا ہے جو بوجہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہٗ کے ایک ماتمی مہینہ مشہور ہے۔ یہاں تک کہ شعراء نے اس مہینہ کو بغیر اظہار ماتم کے ماتمی بنا رکھا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

شادی و عیش تو گھر گھر ہے رچی پر قسمت   عید کا چاند محرم نظر آتا ہے ہمیں

علمائے اسلام محرم کی رسومات کے بند کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ ابھی اس کام سے ہنوز فرصت نہ ہوئی تھی کہ دوسرے مہینے ربیع الاول نے بھی قریب قریب اس کی شہرت حاصل کرنا۔ جس کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ اس ماہ میں حضور پرنور احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی۔ اس لئے اس میں خوشی کرنی چاہیئے

حالانکہ ربیع الاول کے مہینے میں آنحضرت فداہ ابی و امی کی ولادت ہوئی ہے تو وفات بھی ہوئی ہے۔ اس اتفاقیہ وقوعہ (حیات و ممات) کو لحاظ کرکے چاہیئے تو یہ تھا کہ خوشی

اور غم دونوں بالمقابل مساوی کر کے خاموشی رہتی جیسی کہ صدر اوّل کے مسلمانوں میں تھی مگر مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ سابق زمانہ سے آج کل بڑھ کر اس پر زور دے رہے ہیں۔

پہلے اس مہینہ میں کوئی شخص فرداً فرداً مجلس میلاد کیا کرتا تھا۔ مگر اب اس کا نام عید میلاد رکھ کر قومی تہوار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گو ایسی کوشش کرنے والوں کو اس کوشش میں ہنوز کامیابی نہیں ہوئی خدا نے چاہا تو نہ ہوگی مگر وہ اپنی کوشش میں خوب چست ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں نقصان کیا ہے اور مانعین کیوں منع کرتے ہیں۔ ان دونوں سوالوں کا جواب ہم اس مضمون میں دیں گے۔ انشاء اللہ۔

شریعت محمدیہ کا عام قانون ہے کہ جو کام دینی ہو یا بالفاظ دیگر جس کام میں ثواب سمجھا جائے۔ اس کی اجازت شرع شریف سے ہونی چاہیئے۔ اگر کوئی کام ایسا کیا جائے۔ جس کی بابت شرع سے ثبوت نہ ہو تو اس کو بدعت کہا جاتا ہے۔ اسلام میں بدعت کا درجہ شرک سے درجہ دوم پر ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۔ (پارہ ۲۱)	تم ایماندار وں کے لئے اللہ کے رسولؐ کی تابعداری میں نیک نمونہ ہے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کو بہت یاد کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (پارہ ۳)	تو اے نبیؐ ان لوگوں کو کہہ دے۔ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔ خدا تم کو دوست رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

غرض قرآن مجید کو کہیں سے کھول کر دیکھو یہی پاؤ گے کہ شرعی رنگ میں جو کام ہو اس میں حضور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے اجازت یا ثبوت ہونا چاہیئے اگر یہ نہیں تو بدعت ہے یہی مضمون اس حدیث شریف کا ہے۔ جس کے الفاظ طیبہ یہ ہیں۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)	جو کوئی ہمارے دین میں کوئی نیا کام نکالے جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔

بدعت کی مذمت میں احادیث اور اقوال بکثرت آتے ہیں۔ جن سب کا متفقہ مضمون یہ ہے کہ بدعت کا کام بجائے ثواب کے باعث عذاب ہے۔ بدعتی کا کوئی کام خدا کے ہاں مقبول

نہیں۔ وغیرہ

مانعین اس لئے منع کرتے ہیں تاکہ بدعت کے پھیلنے سے اصل دین الٰہی پر برا اثر نہ پہونچے جیساکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اصول تھا ؎

ہمارا کام سمجھانا ہے یارو　　اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

بدعت کی پہچان کے لئے آسان صورت یہ ہے کہ زمانہ رسالت یا خلافت میں اس کی تلاش کی جائے اگر ثبوت مل جائے تو سنت ہے نہیں تو بدعت۔ اس امر کی تحقیق کہ ربیع الاول میں مجالس میلاد بدعت ہیں یا سنت اسی اصول سے ہو سکتی ہے۔ آؤ اس کی تحقیق کا آسان طریقہ ہم بتلائیں۔

جو کام کسی زمانہ میں عام طور پر ہوتا ہے اس کی تاریخ اور وقت میں اختلاف نہیں ہوتا۔ جیسے مسلمانوں کے تہوار عید الفطر عید البقر وغیرہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کا کوئی فرقہ یا کوئی فرد ایسا نہیں جو یہ کہے کہ عید الفطر شوال کی چوتھی تاریخ کو ہے۔ دوسرا کہے آٹھویں کو۔ کیوں؟ اس لئے کہ ابتدا سے آج تک یہ دن بطور تہوار کے مانے جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں بحکم نبوی مقرر ہوئے تھے اور ان کی شان قومی تہواروں کی تھی جو آج تک بھی ہے۔

برخلاف اس کے یوم ولادت آں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا .... روایات حدیثیہ میں تو اس کا ثبوت بلکہ ذکر تک بھی کسی حدیث سے نہیں ملتا۔ کتب تواریخ میں ملتا ہے تو ۳۔ قول ہیں علامہ ابن اثیر (کامل) مورخ کے الفاظ یہ ہیں:۔

ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاثنین لاثنتی عشر لیلۃ مضت من ربیع الاول۔ و قیل ولد لعشر خلون منہ و قیل لیلتین خلتا منہ (تاریخ کامل صفحہ ۲۰۰ جلد اول)	"آنحضرت ہیر (دوشنبہ) کے روز بارہ تاریخ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ بعض کا قول ہے دس کو۔ بعض کہتے ہیں دو ربیع الاول کو ولادت باسعادت ہوئی"

اس اختلاف سے ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ زمانہ نبوت اور زمانہ خلافت میں یہ دن بطور تہوار کے نہیں سمجھا گیا تھا نہ اس کی بابت کوئی اہتمام تھا جیسے آجکل کے شوقین کر رہے ہیں جس کا نمونہ دکھانے کو ہم امرتسر ہی کے ایک دو اشتہار نقل کرتے ہیں۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - ۱۲ ربیع الاول یوم میلاد النبی قریب آگیا ہے۔ جب

اس مبارک دن کی عظمت و فضیلت پر غور کیا جاتا ہے تو ہر مسلمان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام کے جتنے تہوار عیدین اور خوشی کی تقریبیں ہیں۔ وہ سب اس مبارک دن کی برکتیں اور نتائج ہیں۔ یہی دن تمام اسلامی خوبیوں اور نیکیوں کا منبع ہے[1]

اگرچہ قدیم الایام[2] سے اس دن مولود شریف کی مجالس منعقد کرنے کا دستور چلا آتا ہے لیکن انجمن اسلامیہ امرتسر نے مناسب سمجھا ہے کہ مثل سال گذشتہ مسلمانان امرتسر کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جاوے۔ کہ اس مبارک دن کو ایسے احسن طریق و عمدہ انتظام کے ساتھ منائیں کہ موجودہ صورت کی نسبت ثواب بھی زیادہ حاصل ہو۔ اور یہ موقع نہایت عظیم الشان اور پُر اثر تقریب بن سکے اس لیے مسلمانان امرتسر کی خدمت میں التماس ہے کہ

۱۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ جمعہ کے دن صبح کو نہا دھو کر اجلا لباس پہنا جاوے اور خوشبو لگائی جاوے۔

۲۔ صبح سے لے کر ۱۲ بجے دوپہر تک لوگ اپنے گھروں اور محلوں میں مجالس مولود کریں۔

۳۔ ۴ بجے دوپہر سے شام تک مدرسۃ المسلمین امرتسر میں ایک عظیم الشان قومی مجمع ہوگا جس میں علماء و لیکچرار عظمت یوم المیلاد کی مختلف پہلوؤں پر مؤثر طریق سے تقریریں کریں گے۔ جن میں زیادہ تر رسول پاکؐ کی مبارک زندگی کے حالات بیان کرنے پر زور دیا جائے گا۔ اس جلسہ میں تشریف لا کر شامل ثواب ہوں۔

۴۔ رات کو اپنے گھروں، مسجدوں پر چراغاں کریں (چنانچہ عمارت مدرسۃ المسلمین امرتسر میں چراغاں کی جائے گی اور غرباء کو کھانا تقسیم کیا جائے گا)

امید ہے کہ مسلمانان امرتسر اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر اس عظیم الشان طور پر منانے میں کوتاہی نہ کریں گے (۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ)

حیرت ہوتی ہے۔ مشتہرین نے کس جرأت سے کام لیا ہے۔ اکٹھے تین حکم صادر کئے ہیں جن میں سے ایک کا ثبوت بھی شرع سے نہیں۔ تیسرے حکم کی بابت ہم منتظر تھے کہ لیکچرار اور واعظان جناب سرور کائنات علیہ افضل السلام والصلوٰۃ کی زندگی کے حالات بتلاتے

---

[1] ساری نیکیوں کا منبع یوم بعثت یعنی وہ دن ہے جس میں حضورؐ کو رسالت ملی جس کو آپ لوگ جانتے بھی نہیں (مؤلف)

[2] قدیم الایام سے نہیں بلکہ چند ایام سے۔ (مؤلف)

ہوئے یہ بھی فرمادیں گے کہ حضور کی رسالت اور نبوت کی یہ بڑی قوی دلیل ہے کہ آپ نے اپنی شخصیت کو اتنا امتیاز بھی نہیں دیا کہ ساری عمر میں ایک دن بھی اپنے روزِ ولادت کی خوشی کے لیے مقرر فرماتے۔ مگر افسوس کسی صاحب نے یہ نہیں فرمایا۔ کم از کم یہ روایت ہمارے کانوں تک پہونچی۔

اس کے جواب میں کہیے یا حقیقتِ حال کہیے۔ حقانی تعلیم کا ایک اشتہار بھی امرتسر ہی سے شائع ہوا تھا جو درج ذیل ہے۔

"مسلمان اور عید میلاد"

از انجمن اہلحدیث امرتسر

اسلام ایک ایسا دین ہے کہ اس میں ثواب و عذاب کی تعیین صرف اس پر رکھی گئی ہے کہ خدا کی وحی سے اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتلا دے۔ جب تک کسی کام کو قرآن و حدیث میں ثواب نہ بتلایا گیا ہو اس کو ثواب سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں بار بار یہی ذہن نشین کیا گیا ہے۔ کہ مسلمان کوئی کام ایسا نہ کریں جس کا نمونہ حضور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہ ملتا ہو۔ ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔

یعنی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لیے نیک نمونہ ہیں۔ اللہ اور رسولؐ کی تابعداری کرو۔ جو کوئی رسولؐ کی تابعداری کرے، اس نے اللہ کی تابعداری کی۔

شیخ سعدی مرحوم نے کیا اچھا کہا ہے ؎

مپندار سعدیؔ کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پے مصطفٰےؐ

یعنی بغیر تابعداری سنت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہرگز نجات نہیں ہوگی۔

اس لیے مسلمانوں پر فرض ہے کہ جو کام کریں پہلے یہ دیکھا کریں کہ ہمارے سردار، ہمارے نبی، ہمارے شفیع، ہمارے آقا، نامدار، سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ نے فرمایا ہے یا نہیں؟ اس سنہرے اصول پر مسلمان آجاویں۔ تو آج ان کے بہت سے نفرتے مٹ سکتے ہیں۔

ربیع الاوّل کے مہینے میں مجالس میلاد یا عید میلاد کی رسم کو بھی اسی اصول سے جانچنا چاہیے کہ جس ذات ستودہ صفات کی پیدائش کا دن سمجھ کر ہم یہ مجالس کرتے اور چراغاں جلاتے یا میلہ مناتے ہیں۔ اس سردار نے ہم کو فرمایا ہے۔ یا اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس روز کچھ کیا ہے؟ ہرگز کچھ نہیں کیا۔ اگر کیا ہوتا تو آں حضرت کے روزِ پیدائش میں اختلاف

کیوں ہوتا۔ کتب تواریخ میں صاف مرقوم ہے کہ روز پیدائش میں بہت اختلاف ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ زمانہ نبوت اور زمانہ خلافت میں اس دن کو مذہبی تہوار کی طرح کسی نے یاد نہ کیا تھا۔ آج اگر کوئی شخص دعویٰ کرتا ہے تو ہم کو کسی معتبر کتاب سے دکھا دے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اس روز ایسے کام کرنے کا حکم فرمایا۔ بعد انتقال آپ کے صحابہ کرام نے کیا یا ائمہ اہل بیت یا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے حکم دیا یا فقہ کی کسی کتاب میں اس کا ذکر ہے۔

بھائیو! جب کچھ نہیں تو پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول کو عید مناؤ۔ چراغاں جلاؤ کام چھوڑ کر میلہ کرو۔ یاد رکھو جس کام میں خرچ کرنے کی اجازت شرع شریف میں نہ آئی ہو۔ اس میں خرچ کرنا اسراف اور فضول خرچی ہے۔ فضول خرچی کا گناہ سب کو معلوم ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (فضول خرچی کرنے والے شیطان کے ساتھی ہیں) جب تک قرآن و حدیث یا فقہ کی کسی معتبر کتاب میں مجالس میلاد کا ثبوت نہ ہو اس قسم کے کام اور اخراجات سب گناہ اور خدا تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہیں شیخ سعدیؒ مرحوم نے کیا سچ کہا ہے ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ "

اس اشتہار میں کس خوبی اور نرمی سے اسلام کی وہ شاہراہ دکھائی گئی ہے جس میں کسی ایک متنفس کو بھی اختلاف نہیں۔ اس دعوے پر گو کسی شہادت کی ضرورت نہیں تاہم دو شہادتیں بھی پیش کی جاتی ہیں۔ اول شہادت حضرت مولانا شیخ سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی ہے جو فرماتے ہیں:۔

اجعل الكتاب والسنة امامك قرآن اور سنت کو اپنا امام بنالو اور بس

(فتوح الغیب)

حضرت سید الطائفہ مجدد صاحب سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بہترین مصلحہا برائے دور کردن محبت غیر اللہ اتباع سنت است (مکتوبات)	غیر اللہ کی محبت دل سے نکال کر خدا کا مقرب بندہ بننے کا ذریعہ اتباع سنت ہے اور بس

ان حوالجات اور روایات کے مقابلہ پر کسی مجوز کا یہ کہنا:۔

"چونکہ ہندو، عیسائی اور سکھ وغیرہ اپنے اپنے بزرگوں کی ولادت کے دن کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ اس لئے ہم مسلمانوں کو بھی ایسا کرنا چاہیے" کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟

ہمارے خیال میں مجوزین کی یہ رائے کہ چونکہ غیر مسلم قومیں ایسا کرتی ہیں ہم کو بھی کرنا چاہیے ایک اصولی تنقیح پر مبنی ہے جو یہ ہے۔

"ہم مسلمانوں کو اپنے نبیؐ کے ساتھ اُس طریق سے برتاؤ کرنا چاہیے۔ جو انھوں نے خود سکھایا اور جو برتاؤ صحابہ کرام نے آنحضرتؐ کے ساتھ کیا یا وہ برتاؤ کرنا چاہیے جو ہندو کرشن جی کے ساتھ اور سکھ باوا نانک جی کے ساتھ اور عیسائی حضرت مسیحؑ کے ساتھ کرتے ہیں"؟

ہمارے خیال میں کوئی مسلمان دوسری صورت اختیار کرنے کی رائے نہ دے گا۔ بلکہ یہی آواز آئے گی کہ ہم تو وہی طریقہ اختیار کریں گے جو حضورؐ نے سکھایا اور صحابہ کرامؓ نے برتا۔ خواجہ حالیؒ نے ایک حدیث کا ترجمہ کیا اچھا کیا ہے ؎

نصاریٰ نے جس طرح کھایا ہے دھوکا	کہ سمجھے ہیں عیسیٰؑ کو بیٹا خدا کا
مجھے تم سمجھنا نہ زنہار ایسا	مری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا

سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اُسی طرح ہوں میں بھی اک اُس کا بندہ

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم	نہ کرنا مری قبر پہ سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم	کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

اس تنقیح کے فیصلہ کے بعد کون مسلمان ہے جو یہ کہے کہ چونکہ ہندو اپنے بڑوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں۔ ہم کو بھی ایسا کرنا چاہیے۔ یاد رہے اسلام دوسرے مذاہب کی طرح پنچائتی مذہب نہیں بلکہ اسلام الٰہی مذہب ہے۔ جس میں کسی بات کے حکم دینے سے پہلے یہ سوچنا ضروری ہے کہ خدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اس بارے میں کیا حکم فرمایا ہے۔ اس قسم کی خود رائی کو اگر دخل دیا جائے تو ہر ایک اُمتی پیغمبر بن جائے گا اور ہر ایک کا دین و مذہب الگ ہو گا اور وہ اس مذہب پر چلنے میں کسی طرح موردِ الزام نہ ہو گا۔

معقول سوالات

اگرچہ اس تقریر پر اصولاً تو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی دانشمند سوال کر سکتا ہے لیکن دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن

کا قصہ مشہور ہے۔

"ایک مولوی صاحب نے کسی بے نماز کو نصیحت فرمائی کہ نماز پڑھا کر۔ بے نماز نے جواب دیا۔ آپ نے دعوت کی تھی۔ تو نمک زیادہ کیوں ڈالا تھا۔ مولوی صاحب نے کہا اس بات کو میری بات سے کیا تعلق۔ جواب دیا تعلق ہو یا نہ ہو۔ بات سے بات نکل آئی ہے۔"

اسی اصول سے مجوّزین کی طرف سے بھی مانعین پر چند سوال ہوتے ہیں۔ مثلاً "آپ بائیسکل پر چڑھتے ہیں کیا یہ سنت ہے؟ اپنے بیٹے کی شادی پر دعوت ولیمہ بڑی دھوم سے کی۔ آپ نے دعوتی خط چھپوا لئے وغیرہ۔

اے صاحب! سُنیئے آپ کے سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہم مانعین کا مطلب نہیں سمجھا۔ بلکہ یوں کہیے کہ سمجھنے کی طرف توجہ بھی نہیں کی اس لئے ایسے معمولی سوال آپ کو پیدا ہوئے ہیں۔

اے جناب سوال وہی معقول اور پسندیدہ سمجھا جاتا ہے جو اصل مضمون کو سمجھ کر کیا جائے اور جو بے سمجھی سے کیا جائے اس کی بابت یہ کہا جاتا ہے۔ ؎

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست — سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست

ہمارا مطلب یہ ہے کہ جس کام کو کارِ ثواب جان کر کیا جائے اُس پر شریعت کی طرف سے ثبوت ہونا چاہیئے۔ اگر شریعت سے ثواب کا ثبوت نہیں اور کرنے والا اس کو ثواب سمجھے تو وہ بدعت ہے اور کرنے والا بدعتی۔ یہی بدعت کی تعریف ہے۔

پس اس اصول سے اگر کوئی شخص بائیسکل پر اس نیت سے سوار ہو کہ یہ ثواب کا کام ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس کا ثبوت شرع شریف سے دے اور اگر نہ دے تو بدعتی ہے۔ اور اگر اس نیت سے سوار ہو کہ چونکہ شرع میں ممانعت نہیں آئی۔ اس لئے جائز ہے تو اس پر مواخذہ نہیں۔ جواز کے خلاف دعویٰ کرنے والا مدعی ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اس کا ثبوت شرع شریف میں دکھادے۔

پس بائیسکل ہو یا ریل، ململ کا لباس ہو یا لٹھہ، دعوت ہو یا دعوتی خطوط۔ ان سب میں یہی طریق ہے جو کوئی یہ سمجھ کر کہ شریعت میں اس فعل کی ممانعت نہیں۔ جواز کی نیت سے کرتا ہے وہ بدعت نہیں۔ مگر جو شخص ثواب کے ارادہ سے کرتا ہے وہ بدعت ہے۔ جب تک شرع

شریف سے ثواب کا ثبوت نہ دکھا دے۔ ہاں اس امر کی تنقیح کرنے کی ضرورت نہیں کہ مجوزین مجالس میلاد اس کام کو ثواب کی نیت سے کرتے ہیں۔ نہ محض جواز کی نیت سے کیونکہ مذہبی کام کوئی بھی ہو بغیر نیت ثواب کے نہیں ہو سکتا۔

مجالس میلاد کب سے جاری ہیں۔؟ عام طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ رسم صحابہ تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ دین کے زمانہ میں نہ تھی۔ تو کب سے جاری ہوئی ہے؟

گو یہ ایسا سوال ہے کہ اس کی تحقیق پر کوئی امر شرعی موقوف نہیں۔ کیونکہ بدعت ہر حال میں بدعت ہے۔ خواہ اس کی ایجاد کا زمانہ معلوم ہو یا نہ ہو تاہم ہم اس کی ایجاد کا زمانہ بتلاتے ہیں۔

موصل کے ملک میں اربل شہر کا ایک بادشاہ تھا جس کا نام تھا "سلطان ابوسعید مظفر" اس سلطان کے زمانہ میں یعنی ۶۰۴ھ ہجری میں ایک شخص عمر بن محمد نے مولود ایجاد کیا اس کے بعد شاہ اربل کے بیٹے اور قائم مقاموں نے اس کو بہت رواج دیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رح نے حسن المقصد میں اور علامہ شامی رح نے سیرت میں یہ تاریخ لکھی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ چھ سو برس تک اسلام میں اس کا کہیں وجود نہ تھا۔ پس بانصاف ناظرین خود ہی انصاف فرمائیں۔ کہ چھ سو سال تک اسلام میں جس کام کا نشان نہ ملتا ہو۔ اس کے بدعت ہونے میں کیا شک سا ہے؟

اظہار تعجب ہندوستان میں اس رسم کے کرنے والے حنفی مذہب کے پیرو کہلاتے ہیں۔ گو سارے حنفی نہیں بلکہ محقق حنفیہ جن کو علم فقہ کے ساتھ علم حدیث سے بھی واقفی ہے۔ یا یوں کہیے کہ جن کو بوجہ حدیث دانی کے مذہب حنفی اور رسومات بدعیہ میں تمیز ہے۔ جیسے علماء دیوبند، گنگوہ، میرٹھ، سہارنپور، مراد آباد، دہلی وغیرہ۔ جن کو عام طور پر دیوبندی کہا جاتا ہے۔ ان کو چھوڑ کر باقی جتنے لوگ میلاد کی رسم کے دلدادہ ہیں۔ وہ سب کے سب اپنے آپ کو مذہب حنفی کا مقلد کہتے ہیں۔ خیر اس کا تو تعجب نہیں۔ تعجب تو اس امر کا ہے کہ کہلا دیں مقلد۔ مگر کام کریں تقلید کے صریح برخلاف۔ مقلد کی شان بحیثیت تقلید یہ ہے جو کتب اصول میں لکھی ہے کہ۔

اما المقلد فمستندہ قول مجتہدہ (مسلم الثبوت)　　"مقلد کی دلیل امام کا قول ہے اور بس۔"

اسی اصول کو مدنظر رکھ کر ہمارے حنفی بھائی مہربانی کر کے کسی آیت حدیث سے نہیں دکھا سکتے۔ تو امام ابوحنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی سے دکھا دیں کہ ربیع الاول کی مجالس مروجہ کرنا کار ثواب ہے۔ یا فقہ کی کسی کتاب میں کسی متاخر امام یا عالم کا فتویٰ پیش کریں۔ ہاں مہربانی کر کے ایسے قیاسات نہ کریں کہ۔

"چونکہ غیر مسلم قومیں اپنے بزرگوں کی پیدائش کے دن مناتی ہیں۔ ہم کو بھی ایسا کرنا چاہیئے" کیونکہ ایسے قیاسات کے حق میں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے۔

اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِیْسُ

(سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا)

جس طرح کسی مسلمان کو مذہبی کاموں میں یہ اجازت نہیں کہ بغیر حکم خدا اور رسول کے کوئی کام کرے اور اس پر ثواب کی امید رکھے اسی طرح حنفی مقلد کو یہ جائز نہیں کہ بغیر اجازت اپنے امام کے کوئی کام کرے اور اس کو ثواب جانے۔ اگر جانے گا تو وہ دائرہ تقلید سے نکل جائے گا۔

ایک اور بات قابل غور کہا جاتا ہے کہ روز ولادت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ دُنیا کے لئے موجب رحمت ہے اس لئے ہمیں اس روز کو عید منانا چاہیئے۔ حالانکہ یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ روزِ ولادت سے چالیس سال تک آں حضرت کو کسی قسم کی نبوت یا رسالت یا بالفاظ دیگر یہ عہدہ نہ ملا تھا۔ آپ رحمت بنے یا ہادی ہوئے تو وصف رسالت سے ہوئے نہ کہ وصف ولادت سے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی نکتہ کو سمجھانے کے لئے جہاں حضور کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ذکر کیا ہے۔ یہ فرمایا ہے؛

مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

"ہم نے تجھ کو (اے نبی) رسول بنا کر بھیجا ہے تو اس لئے کہ دُنیا کے لوگوں پر رحمت کریں"

یہ نہیں فرمایا۔ مَا خَلَقْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ جس کا ترجمہ ہوتا۔ ہم نے تجھ کو پیدا کیا ہے۔ پیدا ہونے اور رسول بننے میں بہت فرق ہے۔ ان دونوں اوصاف میں چالیس سال کی مدت ہے۔

پس اگر غور کیا جائے اور قرآن وحدیث اور کتب فقہ اور ائمہ دین کے فتوے سے قطع نظر کر کے اپنے ہی قیاس سے کام لینا ہو تو یوں کہنا چاہیئے۔ کہ جس روز حضورؐ کو رسالت کا پیغام پہنچا ہے اس روز کو مثل عید کے تہوار بنایا جائے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس دن کی بلکہ اس مہینے کی تعیین میں بھی اختلاف ہے۔ کوئی ربیع الاول کہتا ہے۔ تو کوئی رمضان

بتلاتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ مجالس میلاد کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ کرام سے نہیں اور یہ کہ روز ولادت سے یوم رسالت افضل ہے۔ جس کو مجوزین میلاد نے بالکل چھوڑ رکھا ہے۔

اعلان ہم جانتے ہیں کہ ہماری تحریر کا جواب دیا جائے گا۔ ہم بھی اس کو شوق سے دیکھیں گے۔ مگر یاد رہے کہ ہم کسی ایسی تحریر کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا کرتے جس میں کسی کی ذاتیات پر حملہ ہو۔ یا کسی فرقہ کے حق میں دشنام دہی ہو۔ بلکہ ایسی تحریرات لکھنے والوں کو ہم بطور نصیحت استاد صائب کا شعر سنایا کرتے ہیں ؎

دہن خویش بدشنام میالا صائب   کہ ایں زرقلب بہر کس کہ دہی باز دہد

ہاں ہم اُس تحریر کو عزت کی نگاہ سے دیکھا کرتے ہیں۔ جس میں ہمارا مدعا سمجھ کر محض دلیل کے زور سے جواب دیا گیا ہو۔ خدا کرے ہمارے دوست جواب دینے سے پہلے ہمارے مطلب پر ٹھنڈے دل سے غور کریں جو یہ ہے کہ

"ہم مجالس میلاد کو کار ثواب نہیں جانتے۔ اس لئے کہ زمانۂ رسالت و خلافت میں اس کا ثبوت نہیں ملتا"

جو کوئی ان کو کار ثواب جانے بحکم البینۃ للمدعی۔ اس کا فرض ہے کہ اس کا ثبوت دے واللہ الموفق

"ابوالوفاء" فروری ۱۹۱۴ء

سوال بعض لوگ کہتے ہیں کہ مولود شریف کرنا چاہیے۔ لیکن خوشی پر منحصر ہے خواہ کرے خواہ نہ کرے۔ فقط محبتی ہے کچھ قرآن شریف سے مولود ثابت نہیں ہے۔؟

جواب: مولود کی مجلس ایک مذہبی کام ہے جس پر ثواب کی امید ہوتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی کام پر ثواب کا بتلانا شریع شریف کا کام ہے اس لئے کسی کام پر ثواب کی امید رکھنا جس پر شرع شریف نے ثواب نہ بتلایا ہو اس کام کو بدعت بنا دیتا ہے۔ مولود کی مجلس بھی اسی قسم سے ہے۔ کیونکہ شریعت مطہرہ نے اس پر ثواب کا وعدہ نہیں کیا اس لئے ثواب سمجھ کر تو یقیناً بدعت ہے۔ رہا محض محبت سے کرنے کی صورت یہ بھی بدعت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا بھی ایک مذہبی حکم ہے جس پر ثواب کی امید ہے۔ پس جس طریق سے شرع شریف نے محبت سکھائی ہے اسی طریق سے ہوگی تو سنت ورنہ بدعت

(۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ)

انعقاد محفل میلاد اور قیام وقت ذکر پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا۔ پس یہ بدعت ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس بروز عیدین و پنجشنبہ وغیرہ میں فاتحہ مرسومہ ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا۔ البتہ نیابۃً عن المیت بغیر تخصیص ان امور مرقومہ کے للّٰہ مساکین و فقراء کو دے کر ثواب پہنچانا اور دعا و استغفار کرنے میں امید منفعت ہے اور ایسا ہی حال سوم دہم، چہلم وغیرہ اور پنج آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث و کتب دینیہ سے ہے۔ خلاصہ یہ کہ سب بدعات مخترعات ناپسندیدہ شرعیہ ہیں۔

محمد یعقوب مدرس اول مدرسہ دیوبند عفی عنہ	محمد محمود دیوبندی	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۱۳۲)

عَقْدُ مَجَالِسِ الْمِيْلَادِ الشَّائِعَةِ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ بِدْعَةٌ لَا مِرْيَةَ فِيْ كَوْنِهَا بِدْعَةً لِاَنَّ عَقْدَهَا اَمْرٌ مُحْدَثٌ وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ فَعَقْدُهَا بِدْعَةٌ الخ كتبه محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۱۴۱)

قاضی شہاب الدین دولت آبادی تحفۃ القضاۃ میں لکھتے ہیں کہ جاہل لوگ سالانہ ربیع الاول میں جو مجالس میلاد مروجہ کے نام سے کرتے ہیں۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور ذکر ولادت کے وقت جو قیام کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک یہاں حاضر ہوتی ہے یہ ان کا محض گمان باطل ہے بلکہ ایسا عقیدہ شرک ہے اور ائمہ اربعہ نے ایسے عقیدوں اور کاموں سے قطعاً منع فرمایا ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۱۵۱)

قیام و ہاتھ باندھنا بوقت ذکر ولادت بدعت و ناجائز ہے۔ کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت نہیں ہے اور مولود و غزلیات جو آج کل چھپ کر شائع ہیں وہ ناجائز مضامین اور روایات موضوعات و مفتریات سے مملو ہیں۔ ان کا پڑھنا اور سننا بلاشبہ ممنوع و ناجائز ہے۔ (ملخص) حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۱۱۵)

تشریح از حضرت مولانا ابو المکارم ظفر عالم صاحب میرٹھی۔

اسلام کے محققین علماء جیسے علامہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ و حافظ ابن کثیر و ابن جوزی وغیرہم کی تالیفات کے مطالعہ کرنے سے اس کی پوری پوری تحقیق ہو جاتی ہے کہ مجلس مولد النبیؐ کا موجد اور مخترع ایک مسرف بادشاہ تھا۔ جس نے سب سے پہلے اس بدعت کے رچانے میں اقدام کیا۔ چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ حسن المقصد فی عمل المولد

میں ارقام فرماتے ہیں واول من احدث ذلک ابن المظفر ابو سعید ابن زین العابدین بن علی یعنی سب سے پہلے جس شخص نے مجلس مولود ایجاد کی ہے وہ ابو سعید زین الدین ہے۔ اسی طرح سے حافظ ابن کثیر و ابن جوزی نے اپنی تواریخ میں لکھا ہے۔ اور اسی طرح ابن خلکان اپنی مشہور کتاب وفیات الاعیان میں سب سے زیادہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور اس کا موجد مظفر الدین صاحب اربل کو تبلاتے ہیں اور یہاں تک لکھتے ہیں کہ سلطان موصوف کی قائم کردہ محفل مولد النبی کو سن کر لوگ دور دور سے آتے اور اس کے اس حسن عقیدت کو دیکھ کر ہر سال جمع ہوتے اور محرم الحرام سے لے کر ربیع الاول کے پہلے ہفتہ تک برابر آتے رہتے اور سلطان موصوف ان لوگوں کے لئے لکڑی کے چار چار پانچ پانچ منزل کے عارضی مکان بنواتا اور صفر کے پہلے ہفتہ سے ان مکانات کی زیبائش اور آرائش شروع ہو جاتی ہر مکان میں ایک گروہ گانے والوں کا ایک گروہ اصحاب خیال کا۔ اور ایک گروہ باجے وغیرہ بجانے والوں کا ہوتا۔ اور کوئی منزل ایسی باقی نہ رہتی جس میں ان گروہوں میں سے کوئی گروہ نہ ہوتا۔ ان دنوں میں لوگوں کے کاروبار خراب ہو جاتے اور ان کا اس کے سوا اور شغل نہ ہوتا کہ ان گانے بجانے والوں کا تماشہ دیکھتے پھرتے اور ابن جوزی اپنی کتاب مرآۃ الزمان میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ویعمل للصوفیۃ سماعا من الظھر الی العصر ویرقص بنفسہ معھم۔ صوفیوں کے لئے ظہر سے عصر تک مجلس سماع (راگ) منعقد کراتا اور خود شاہ اربل بھی ان لوگوں کے ساتھ ناچتا (دیکھو فتاویٰ میلاد صا)

حضرات! اس مختصر تحریر اور کیفیت کے بعد آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مجلس میلاد کی تاریخی حیثیت کیا ہے۔ یہ مجلس محض خوشنودی طبع اور ہوا پرستی کے لئے قائم کی گئی تھی۔ نہ اس کا ثبوت صحابہؓ کے زمانہ میں نہ ائمہ دین کے وقت میں پایا جاتا ہے۔ بلکہ یہ محض رسمی تقریب تھی۔ جس کو آج تک منایا جاتا ہے۔ (ملخص)

(اہل حدیث ۲۰ جون ۱۹۲۳ء)

میلاد نمبر "الفقیہ"

امرتسر کے حنفی اخبار "الفقیہ" نے ایک رسالہ "میلاد نمبر" نکالا ہے جو بغرض ریویو ہمیں بھیجا ہے۔ اس کی نسبت ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے لکھنے والے مولوی حکیم محمد عالم صاحب آسی مدرس مدرسہ اسلامیہ

امرتسر ہیں۔ ہم نے رسالہ مذکورہ کو بغور دیکھا۔ اس لیے ہم عجیب مخمصے میں ہیں۔ ایک طرف ہم مولوی صاحب موصوف کی علمی قابلیت کو ذہن میں رکھتے ہیں۔ دوسری طرف رسالہ مذکور کو سامنے رکھتے ہیں تو ہماری حیرت کی حد نہیں رہتی۔ ہم سوچتے ہیں کہ مولوی صاحب کی علم و فضل سے انکار کریں۔ یا اس رسالہ کی نسبت کو غلط قرار دیں۔ یعنی یہ کہیں کہ مولوی صاحب اپنا پڑھا پڑھایا بھول گئے۔ یا رسالہ کو ان کی تصنیف بتانے میں غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک دوسری صورت آسان تر ہے۔ کیونکہ رسالہ مذکور کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کو علم مناظرہ کی ترتیب طبعی سے بھی اطلاع نہیں۔ اس لئے مناظرہ میں مستدل کا فرض ہے کہ سب سے پہلے اپنے دعوے کی تعیین کرے۔ پھر جو حصہ اس کا نظری ہو اس پر دلیل لائے۔ رسالہ مذکورہ کو ہم اس طرق مناظرہ سے خالی پاتے ہیں۔ نہ اس میں دعوے کی تعیین ہے نہ اس کے نظری حصہ پر دلیل ہے۔ بلکہ ابتدا ہی سے مضمون ایسا لکھنا شروع کیا ہے کہ اگر اس سے کچھ ثابت ہوتا ہے تو ان کے دعوے کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً

گروہ اہل توحید (عام اس سے کہ اہل حدیث ہوں یا حنفی دیوبندی) کا دعویٰ ہے کہ آج کل کی مجالس مولود۔ جس میں ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے اور بروقت ذکر ولادت سب لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

اٹھو مومنو! بہر تعظیم سب — تولد ہوئے آج شاہِ عرب

یہ شعر بھی پڑھا جاتا ہے ؎

ندا از حاملانِ عرش آمد — کہ برخیز داز پے تعظیم احمد

اس فعل کے فاعلین اس مجموعی کام کو شرعی مستحسن اور کار ثواب جانتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:-

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ (پ ۲۵ ع ۲) "یعنی کیا ان مشرکوں کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ایسے کام ان کے لئے موجب ثواب بنا دئے ہیں۔ جن کی خدا نے اجازت نہیں دی"

اس آیت کے ماتحت اہل توحید کا عقیدہ ہے کہ ہر اس کام کے لئے جس کو کار ثواب سمجھا جائے۔ شرعی دلیل سے ثبوت ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جو کام ایسا ہو کہ

قرآن میں یا حدیث میں اصلاً یا فرعاً اس پر ثواب کا وعدہ نہیں آیا۔ اس کو کارِ ثواب جان کر کرنا بدعت ہے۔ یہی ایک اصول ہے۔ جس کے ماتحت سنت اور بدعت میں تمیز کر سکتے ہیں فاضل مصنف شروع سے لکھتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ مجالس میلاد جو موجودہ وقت میں پیش کی جاتی ہیں یا جس طرز پر آج کل جریدہ "ایمان" پیش کر رہا ہے نہ عہدِ رسالت میں موجود تھیں اور نہ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس کا ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی بعد میں کئی صدیوں تک اس کا نشان نظر آتا ہے۔ کیونکہ عہدِ رسالت میں ابھی حضور علیہ السلام دنیا میں تشریف رکھتے تھے۔ اس لئے میلاد مع وفات کا ذکر ہوتا تو کیسے ہو سکتا تھا اور عہدِ صحابہ میں ابھی اتنی فرصت ہی کہاں ملی تھی کہ اس قسم کی شان و شوکت ظاہر کرنے کے لئے مسلمان اپنے آپ کو پیش کرتے۔ علاوہ بریں اس وقت ابھی تمدن سادہ تھا اور ضروریاتِ اسلام کی تکمیل زیادہ مصروفیت رکھتی تھی۔ کبھی جمع قرآن کی سلسلہ جنبانی تھی کبھی نمازِ تراویح کا سوال پیش تھا۔ اور کبھی اذانِ جمعہ پر حیص بیص ہوتی تھی۔ اس طرح مطلقہ ثلاثہ کا تنازعہ یا وراثت کے پیچیدہ مسائل حکومتِ اسلام کی توجہ اپنی طرف منعطف کیے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ انتخاب خلیفہ کی معرکۃ الآرا لڑائیاں اور محیر العقول تنازعات اس طرح پر توافگن تھے کہ مجالس میلاد جیسے مستحسنات کی طرف ممکن نہ تھا کہ ذرہ بھر بھی نظر ڈالی جاتی۔

اس کے بعد جب عہدِ امامت آیا تو اس وقت مجالس میلاد سے بڑھ کر دیگر اور اسلامی ضرورتیں رونما ہو گئیں کہ جن کے سرانجام دینے میں مسلمان شب و روز کی پیہم کوشش سے بھی بمشکل عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ کیونکہ اسلام میں رخنہ اندازی شروع ہو گئی تھی۔ عہدِ رسالت کے ستارے غروب ہو رہے تھے۔ علوم جدیدہ اور اقوام عجمیہ کی دخل دہی نے اسلامی دنیا میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اب اگر مجالس میلاد وغیرہ مستحسنات کی طرف مسلمان توجہ کرتے تو جمع احادیث، تدوینِ مسائل اور جمع روایات کا سلسلہ کیسے حل ہو سکتا تھا۔ اور کیسے آج مسلمان اپنی مذہبی روایات سے روشناسی حاصل کر سکتے تھے۔

رفتہ رفتہ جب اسلامی تبلیغ کا انتظام دلخواہ طریق پر ہوگیا۔ اور بنی امیہ اور بنی عباس کے درمیان سیاسی اور اقتصادی تحریکات کا پُرآشوب فتنہ فرو ہوگیا۔ تو سب سے پہلے تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت علوم و فنون جدیدہ کی طرف مسلمانوں نے اپنی توجہات منعطف کیں۔ ابھی یہ قصہ ختم ہی نہیں ہوا تھا کہ مذہبی اختلافات اور مذاہب جدیدہ اور حکمت و فلسفہ یونان سے مقابلہ کرنے میں مسلمانوں کو ذکر و شغل اور عزلت و تحنث کی فرصت نہ ملی تاکہ مجالس میلاد کی نشر و اشاعت میں اپنا وقت صرف کر سکیں۔

تاریخی نقطہ نگاہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ مجالس میلاد یا مجالس ذکر و شغل کی طرف مسلمانوں کو زیادہ تر توجہ اس وقت ہوئی جب کہ ضروریات اسلام سے فراغت پاکر مسلمان اپنی حکومت اور اسلامی ترقیات سے بہرہ ور ہو کر آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اور غیر اقوام کے میل جول نے ان کو اس امر کی طرف مجبور کیا کہ جس طرح وہ لوگ اپنے اسلاف کی یادگاریں قائم کرتے تھے، اسی طرح دوش بدوش مسلمان بھی اسلامی شان و شوکت ظاہر کرنے کے لئے مجبور ہوگئے کہ وہ بھی ایام اللہ کے منانے میں کوشش کریں۔ علاوہ اس کے ساتویں صدی ہجری میں جب تاتاری قوم کی ظالمانہ حکومت سے مسلمانوں کی حکومت اور اسلامی خلافت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور لوگ اپنی جان بچانے کی خاطر کچھ تو ہندوستان یا افغانستان وغیرہ پُرامن ممالک میں پناہ گزیں ہوئے اور کچھ عزلت نشین ہو کر دنیا سے بے تعلق ہو کر خانقاہوں اور مساجد یا عبادت خانوں میں یکسوئی حاصل کر کے سیاسیات سے ایسے روکش ہوگئے کہ شب و روز ذکر و شغل اور ورد و وظائف یا تلقین و ارشاد میں ہمہ تن مصروف ہو کر اپنی حیاتِ مستعار کے دن پورے کرنے لگے۔ کیونکہ ساتویں صدی اور اس کا پس و پیش زمانہ کچھ ایسا تھا کہ غیر جانبدار طبائع کے لئے سوائے اس وقت زہد و تقویٰ اور گوشہ نشینی کے کوئی چارہ نہ تھا۔" (۲/۲)

اہلحدیث

ہم مصنف ممدوح کے شکر گذار ہیں کہ ہمارے دعوے کا ثبوت انہوں نے خود پیش کر دیا۔ کس بلاغت اور لطافت سے مروجہ مجالس مولود کی بیخ کنی کی ہے کہ زبان اور قلم سے بے ساختہ نکلتا ہے۔ مرحبا جزاک اللہ۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ہاں جناب زمانہ رسالت میں مجلس میلاد کی ضرورت نہ ہوئی کہ اس وقت حضور زندہ سلامت تھے ۔ جب کہ چھوٹے چھوٹے نیک کام بھی سکھائے جاتے اور کرائے جاتے تھے تو مجلس مولود جیسا نیک کام کیوں چھوڑ رہا ۔ جہاں سال بھر میں دو عیدیں ہوتی تھیں ، تیسری عید میلاد بھی ایک ہو جاتی تو کیا حرج تھا ۔ بہر حال ہم میں آپ میں اختلاف نہیں رہا کہ زمانہ رسالت میں یہ کام نہیں ہوتا تھا ۔ اس سے لطیف تر یہ فقرہ ہے ۔ " عہدِ صحابہؓ میں اتنی فرصت کہاں تھی " خدا کے فضل سے صحابہ کرام نے کوئی چھوٹے سے چھوٹا دینی کام نہیں چھوڑا ۔ کیا عہد صحابہؓ میں کار خیر کرنے کی فرصت نہ تھی ۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ! جس زمانہ کو کل اہل سنت اسلام کا مکمل نمونہ اور خیر و برکت کا زمانہ جانتے ہیں ، اس کی بابت یہ بدگمانی ہو کہ ان کو ایک ضروری اور بڑے کام کی فرصت نہ ہوتی تھی بہر حال اس میں بھی ہمارا آپ کا اتفاق ہے کہ زمانۂ خلافت میں بھی مجلس مولود نہ ہوتی تھی ۔ فالحمد للہ

زمانہ امامت (شائد مراد زمانہ ائمہ اربعہ ہے) اس زمانہ میں بھی یہ کام نہ ہوتا تھا کیونکہ اس میں اور اہم کاموں پہ توجہ تھی ۔

عجیب بات ہے ہر جمعہ کو تعطیل منائیں ، سال میں دو عیدیں کریں ، ہر ہفتہ میں جمعہ کا اہتمام کریں ، نماز جمعہ پڑھائیں ، مگر سال میں ایک گھنٹہ مجلس میلاد کرنے کی فرصت نہ ہو ۔ بہر حال ہمارا آپ کا اس میں بھی اتفاق ہوا کہ زمانۂ امامت میں بھی مروجہ طریق نہ تھا ۔ لہ الحمد ۔ آخر بات نکلی تو یہ کہ

" جس طرح کفار اپنے اسلاف کی یادگاریں قائم کرتے تھے ۔ مسلمان بھی ایسا کرنے پر مجبور ہو گئے "

پس مطلع صاف ہے ۔ مرکز بحث یہ ہوا کہ کفار کا فعل بھی ادلہ شرعیہ میں ہے یا نہیں ۔ جہاں تک علم اصول کی شہادت ہے ۔ دلائل شرعیہ چار ہیں ۔ قرآن ۔ حدیث ۔ اجماع اور قیاس ۔ آج سننے میں آیا ہے کہ پانچواں اصل " فعل کفار " بھی ہے ۔ جو لوگ کفار کے فعل کو شرعی امر کے لئے مقیس علیہ بنائیں ۔ ان کے حق میں یہ شعر موزوں ہے ؂

مل گئی اے دل تجھے کفرانِ نعمت کی سزا　　میرے پہلو سے گیا پالا ستمگر سے پڑا

اسی تقریب میں فاضل مصنف نے مانعین میلاد کو یہ طعنہ دیا ہے

"جو وہابی آج مجالس میلاد کو بدعت سمجھے ہوئے ہیں وہ ماتھے پر سیندھور لگا کر ہندوؤں کو خوش کرنا سعادت دارین سمجھتے ہیں"۔ (ص۵)

ہمیں ایسے وہابی نہیں ملے جو سیندھور لگاتے ہوں۔ واللہ! اگر ملیں تو ہم ہاتھوں سے ان کا سیندھور اتار دیں۔ ہو سکے تو دو طمانچے ان کے منہ پر رسید کریں۔ مگر مصنف صاحب یہ تو بتا دیں کہ جو لوگ محبت رسول میں میلاد کرنا ثواب جانتے ہیں وہ قبروں پر اور پیروں کے پیروں پر سجدے کیوں کرتے ہیں۔ کیا اُن کے فعل کا ذمہ دار بھی کوئی ہے؟ مولانا! ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

بدعت کیا ہے؟

سب سے بڑا شبہ کہ یہ کتاب مولوی محمد عالم صاحب مدرس اسلامیہ اسکول کی تصنیف نہیں ہے۔ یہ سُرخی ہے۔ کیونکہ اس سُرخی کے نیچے یوں تو بہت لمبی چوڑی تقریر کی گئی ہے۔ مگر اصل بات ناخنوں سے چھیلنے سے بھی نہیں ملتی۔ ناظرین اس سُرخی (بدعت کیا چیز ہے!) کو اپنے سامنے رکھیں اور اس کے ماتحت عبارت بغور پڑھیں۔ قابل مصنف لکھتے ہیں۔

"قرآن شریف موجودہ ترتیب کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سعی بلیغ کا نتیجہ ہے۔ سنت تراویح کی باقاعدہ جماعت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کوشش ہے۔ ترتیب ابواب کے ساتھ مسائل فقہ کو جمع کرنے کا سہرا حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے سر لہلہا رہا ہے۔ تدوین احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم تابعین اور تبع تابعین کے لئے خداوند تعالیٰ نے مخصوص کر رکھا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس مسجد نبوی عہد رسالت میں سادہ چھپر کی بنی ہوئی تھی۔ عہد خلافت راشدہ میں اس میں ترمیمات کے ساتھ اضافے کئے گئے۔ اس کے بعد عہد سلاطین اسلامیہ میں اس میں اسی شان و شوکت کی زینت کی شان دکھلائی گئی کہ آج اسلامی دنیا میں اس سے بہتر اور قیمتی پتھروں کی بنی ہوئی اور مسجد صفحہ دنیا میں نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن شریف پر حرکات و سکنات اور اوقاف و رکوعات کی محنت خلفاء بنی امیہ کے عہد میں ٹھکانے لگی۔ اس کے بعد مفسرین نے اپنے اپنے عہد تالیف میں قرآن و حدیث کے دو سمندروں کو ملا کر مجمع البحرین بنا دیا اور وہ تفاسیر لکھیں۔ کہ قرآن و حدیث کے تطابق کی زحمت امت محمدیہ سے

سے اٹھا دی۔ اس کے بعد جب اور بھی سہولت کو مد نظر رکھا گیا تو سب سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم نے قرآن شریف کا ترجمہ کیا۔ جس کی پاداش میں آپ کو حرمین شریفین میں سر چھپانا پڑا۔ بعد میں جب لوگوں نے اس بدعت کو مفید سمجھا تو خود تراجم میں شروع ہو گئے۔ چنانچہ آج یہ بدعت یہاں تک پھیل گئی ہے۔ اور اس قدر زور پکڑ گئی کہ ہندوستان کے وہابی عموماً اور بعض حضرات معتزلہ خصوصاً اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ نماز جمعہ کا خطبہ بھی غیر عربی میں ہونا چاہیئے۔ معلوم نہیں کہ چند سالوں کے بعد اسی جماعت وہابیہ کے جانشین انہی حدود کے اندر پابند رہیں گے یا ساری عبادات اور ادعیہ کو بھی غیر عربی میں رائج کر دیں گے۔ بہت ممکن ہے کہ انقلاب ترکی سے متاثر ہو کر اب ہی سے غیر عربی میں نماز کی اشاعت کر دیں گے"۔ (ص ۳۲)

ناظرین! مصنف کی علمی قابلیت سے ہمیں توقع تھی کہ بطریق محصلین بدعت کی جامع و مانع تعریف کریں گے۔ پھر اس پر آثار مرتب فرمائیں گے۔ لیکن افسوس کہ ؎

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

المختصر بحث کو جتنا لمبا کریں کر سکتے ہیں۔ مگر بات صرف اتنی ہے کہ اہل توحید کے دو فقرے ہیں۔ جن پر سلدا مدار ہے۔

(۱) مجلس میلاد زمانہ رسالت و خلافت میں نہ تھی (۲) جو کام ان زمانوں میں نہ ہو وہ دینی کام نہیں۔ نتیجہ یہ کہ مجلس میلاد دینی کام نہیں۔

شکر ہے کہ ہمارے مخاطب کو پہلا فقرہ (جو زیادہ بحث طلب ہے) مُسلّم ہے۔ ملاحظہ ہو اُن کی منقولہ عبارت (از ص ۲ الفقیہ مذکور)۔ دوسرا فقرہ تو ہر ایک مسلم کو مسلّم ہے۔ یہی معنے ہیں اس حدیث کے۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (مشکوٰۃ) "جو کوئی ہمارے دین میں نئی بات پیدا کرے وہ مردود ہے"۔ پس ؎

محال است سعدیؔ کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

(اہل حدیث ۵ راگست ۱۹۳۲ء)

مولود شریف کا ثبوت؟ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَرَد

"اہل حدیث" ۵ راگست میں ہم نے "الفقیہ"

کے ایک رسالہ کے جواب میں مختصر سا مضمون در بارہ مولود لکھا تھا ہماری نیت یہی تھا کہ آئندہ ربیع الاول میں اس کا جواب مفصل دیں گے۔ انشاء اللہ۔

اس کے بعد "الفقیہ" مورخہ ۱۴؍اگست میں ایک مضمون نکلا ہے۔ جسے ہم پہلے کی طرح فیصلہ کن جانتے ہیں۔

فاضل مجیب نے اپنے ناظرین کو اہل حدیث سے نفرت دلانے کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ مثلاً لکھتا ہے۔

"آئے دن وہابیوں کی طرف سے تکفیر۔ تلعین یا تجہیل و توہین کی تحریرات شائع ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی فروعات پر خامہ فرسائی کر کے مشین تکفیر و تلعین سے گولہ باری کی جاتی ہے۔"

(الفقیہ ۱۴؍اگست ۲۲ء ص ۲)

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ انہی لوگوں کی طرف سے ہو رہا ہے جن کا فتویٰ ہے کہ افراد اہل حدیث کے پیچھے اقتدار جائز نہیں کیوں، مومن صالح ہیں؟ نہیں مومن ہونا تو وجہ عدم جواز کی نہیں۔ اچھا بدعتی ہیں؟ بدعتی کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ خاص کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جن کا فتویٰ اس حدیث کے ماتحت ہے۔

صلوا خلف کل بر و فاجر (شرح فقہ اکبر) (ہر ایک نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھا کرو) پھر کیوں جائز نہیں؟ اس کے سوا کیا وجہ ہے کہ ان مفتیان کے نزدیک وہ کافر ہیں۔ برخلاف اس کے اہل حدیث ابتدا سے حنفیہ کے پیچھے اقتدار جائز کہتے اور کرتے آئے ہیں۔ پھر بتاؤ تکفیر کس نے کی؟

۵؍اگست کے "اہل حدیث" میں ہم نے لکھا تھا کہ مصنف رسالہ خود لکھتے ہیں کہ "مولود کی رسم نہ زمانۂ رسالت میں تھی نہ زمانۂ خلافت میں نہ زمانۂ امامت میں" تو پھر اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہ؟ اس کا جواب مجیب نے جو دیا ہے۔ اس کو بھی ہم فیصلہ کن جان کر ناظرین تک پہنچاتے ہیں۔

"جس امر کی اجمالی تصویر بھی خیر القرون میں نہ ملے وہ بدعت ہے" (ص کالم ۱)

ہم اس تعریف کو صحیح مان کر فاضل مجیب کو مجمل کی تعریف پر توجہ دلاتے ہیں جو یہ ہے۔

المجمل ما ازدحمت فیہ المعانی واشتبہ المراد بہ اشتباھا لا یدرک بنفس العبارۃ بل بالرجوع الی الاستفسار ثم الطلب ثم

التامل۔ (نور الانوار صفحہ ۹۱)

"یعنی مجمل وہ ہوتا ہے جس کے معانی کثیرہ جمع ہوں اور مراد ایسی مشتبہ رہ جائے کہ استفسار از متکلم۔ پھر طلب پھر تامل کے بغیر سمجھ میں نہ آئے"

اس تعریف کے مطابق آپ مولود کی مجمل صورت قرون ثلاثہ (زمانۂ رسالت و زمانۂ امامت) میں دکھاویں۔

نوٹ واضح رہے کہ مولود متنازعہ یہ ہے۔ "مجلس میں قرآن خوانی، نعت خوانی، ذکر ولادت، ذات رسالت۔ اس میں جزو اعظم ذکر ولادت کے وقت بہ نیت تشریف آوری آنحضرتؐ قیام کرنا۔ اور دست بستہ سلام و صلوٰۃ بایں الفاظ پڑھنا "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ"

اس مفصل کا مجمل پتہ قرون ثلاثہ میں دکھاویں تو ہم مجیب صاحب کے مشکور ہوں گے۔ مگر یاد رہے کہ مجمل اس طرح کا ہو جو علماءِ اصول نے بتایا ہے۔ جن کی عبارت ہم نے اوپر نقل کی ہے۔

نوٹ مجیب موصوف نے بڑے دعوے سے لکھا ہے کہ مولود کرنا اگر شرک ہے تو کیا فلاں بزرگ مشرک تھے۔ مثلاً علامہ سیوطیؒ، شیخ عبد الحقؒ، مولانا عبد الحیؒ وغیرہ۔

ہم اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ مولانا! اہل علم کا اصول ہے۔

"ثبت العرش ثم انقش" (پہلے تخت بناؤ پھر رنگ کرو)

پہلے آپ ان بزرگوں کی تحریرات سے مروجہ مولود کا ثبوت تو دکھائیں۔ پھر فتویٰ بھی پوچھیں سنیئے۔ ہم بطور معارضہ آپ کے گواہوں میں سے ایک زبردست گواہ مولانا عبد الحی لکھنوی مرحوم کو پیش کرتے ہیں۔ پس آپ انصاف سے سنیئے اور دادِ انصاف دیجئے مولانا موصوف فرماتے ہیں۔

"قیام کرنا جو وقت ذکر ولادت کے کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ بے اصل ہے اور ادلہ شرعیہ سے ثابت نہیں" (فتاویٰ لکھنوی جلد اوّل ص ۲۲۹ بار چہارم ۱۳۱۶ھ)

مروجہ مولود سے قیام اگر الگ کر دیا جائے تو باقی جسد بلا روح (مردہ) رہ جائے گا اور اگر قیام کو شامل کیا جائے محض قیام کی نظر سے تو حسب فتوے مولانا مرحوم بے ثبوت ہونے سے مجوزہ مولود بدعت ہے۔ اور اگر بہ نیت حاضر و ناظر کیا جائے تو چونکہ ہر جگہ حاضر و ناظر

ہونا خدا کی صفت ہے۔ لہٰذا شرک ہے۔

یہ ہے تفصیل ہمارے اور جملہ اہل حق کے مذہب کی۔ اب آپ کو اختیار ہے۔ جو صورت چاہیں اختیار کریں۔ مختصر یہ کہ آپ حسب قاعدہ مناظرہ پہلے مولود کی حقیقت متضمن اجزا بیان کریں۔ پھر اس کا حکم بتائیں۔ پھر زمانہ خیر میں اس کی مجمل صورت دکھائیں۔ اگر ایسا نہ کریں گے اور محض غصہ اور رنج کا اظہار کر کے اپنے ناظرین کو بھڑکائیں گے۔ تو لاچار ہم یہ کہنے پر مجبور رہوں گے ؎

مدعی چوں رگ گردن بفراز د بجدل ۔ نیم تصدیق بیانش نہ و تحسینش کن (۱۲ ستمبر ۱۹۳۲ء)

مروجہ مجالس میلاد اور جشن میلاد النبی ﷺ پر تبصرہ

مندرجہ بالا عنوان پر ایک مضمون معاصر الفرقان بریلی بابت ماہ ربیع الآخر ۱۳۵۲ھ میں مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ چونکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی مضمون ہے اور ایک حنفی المذہب کا مرقوم ہے۔ اس لئے ہم ناظرین اہل حدیث تک اسے پہنچاتے ہیں۔ تاکہ مدعیان حنفیت بھی اس سے خاص کر مستفیض ہوں۔ (مدیر)

اخبار "الامان" دہلی کے میلاد نمبر میں ایک مضمون مجالس نبویہ کے انعقاد پر "محققانہ بحث" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں صرف ذاتی تحقیق پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ مخالفین پر طعن بھی موجود ہے۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ اس تحقیق کی حقیقت ظاہر کر دیں۔ تاکہ فاضل محقق اپنی تحقیق کی غلطی پر متنبہ ہو کر حق کی طرف رجوع کریں پس ہم کہتے ہیں کہ

(ا) اس امر پر دونوں فریق متفق ہیں کہ ان میلادی محافل کا وجود نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا اور نہ صحابہ کے زمانہ میں اور نہ تابعین کے زمانہ میں اور نہ تبع تابعین کے زمانہ میں۔ جن کی خیریت کی شہادت رسول اللہ نے دی ہے۔ یہ صرف شر القرون کی ایجاد ہے۔ جب کہ زمانہ اجتہاد ختم ہو چکا تھا اور کوئی مجتہد باقی نہ رہا تھا۔ صرف مقلد ہی مقلد باقی رہ گئے تھے۔ جن کو اجتہاد کا حق نہ تھا۔ بلکہ ان کا کام صرف مجتہدین کی تقلید تھا۔

(ب) یہ حقیقت بھی فریقین کے نزدیک مسلم ہے کہ ان مجالس کا موجد کوئی دیندار عالم نہ تھا جس نے آیات و احادیث کے تابع ہو کر ان کا احداث کیا ہو۔ بلکہ وہ ایک دنیا دار بادشاہ تھا۔ جس کو قرآن و حدیث سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ اور نہ اس کو ان سے مسائل کا استنباط کا حق تھا۔

(ج) یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ ہر زمانہ میں علماء دو قسم کے ہوئے ہیں۔ ایک دُنیادار، دوسرے دیندار۔ دنیادار دین کو دنیا کی عوض بیچ دیتے ہیں۔ لیکن دیندار ایسا نہیں کرتے۔

(د) یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ اختلاف اَفہام مجتہدین میں بھی ہوتا ہے اور غیر مجتہدین میں بھی اور بعض لوگوں کی نظر سطحی ہوتی ہے اور بعض کی نہایت گہری۔ گہری نظر اور دقیق فہم والے افراد کم ہوتے ہیں اور سطحی نظر والے افراد زیادہ۔ چنانچہ خدا نے امام ابوحنیفہ کو جو نظر دقیق عطا فرمائی تھی وہ دوسرے مجتہدین کے لئے بھی حاصل نہ تھی۔ اسی وجہ سے انھوں نے ان کو "صائب رائے" کا لقب دیا۔ پس جب کہ مجتہدین میں یہ اختلاف افہام موجود ہے تو غیر مجتہدین میں یہ اختلاف بالاولیٰ ہوگا۔

(ہ) یہ حقیقت بھی فریقین کے نزدیک مسلّم ہے کہ صرف مقلّدین کا اجماع بھی حجت نہیں چہ جائیکہ کثرت۔

(و) یہ حقیقت بھی متفق علیہ ہے کہ اس مسئلہ میں ابتدا ہی سے اختلاف موجود ہے۔ چنانچہ علامہ تاج الدین فاکہانی، ابن الحاج مالکی، مولانا عبدالرحمٰن معتزلی حنفی، مولانا نصیر الدین شافعی، مولانا شرف الدین حنبلی، مولانا قاضی شہاب الدین دولت آبادی وغیرہ مانع ہیں اور دوسرے بعض حضرات مجوّز۔

(ز) یہ حقیقت بھی متفق علیہ ہے کہ مقلد کو بلا ضرورت ملجیہ براہِ راست دلائل شرعیہ سے استنباط مسائل کا حق نہیں۔ کیونکہ یہ کام صرف مجتہد کا ہے۔ اگر مقلد کو بھی یہ حق ہو تو وجوب تقلید کے کوئی معنی نہیں۔

جب کہ یہ تمام امور ہمارے اور ان کے درمیان متفق علیہ ہیں تو اُن سے معاملہ کی حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ کہ جس بادشاہ نے ان محافل کو احداث کیا ہے۔ اس نے دلائل شرعیہ کی بنا پر اس کو ایجاد نہیں کیا۔ بلکہ اس نے اس مسئلہ میں عیسائیوں کے کرسمس ڈے کی نقل اتاری تھی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس نے کسی بُری نیت سے ایسا کیا تھا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی نیت اچھی ہو لیکن یہ ضرور نہیں کہ جس فعل کی نیت اچھی ہو۔ وہ فعل بھی اچھا ہو چنانچہ قوم موسیٰ نے بت پرستوں کو بت پرستی کرتے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی "اجعل لنا الٰھاً کما لھم الٰھۃ" اور صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ "اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط" اور ظاہر

ہے کہ اس بارہ میں اصحاب موسیٰ اور اصحاب محمد علیہما السلام کی نیتیں بُری نہ تھیں۔ بلکہ صرف ناواقفی کی وجہ سے ایسی درخواست کی تھی۔

پس اس بادشاہ نے بھی اپنی ناواقفی سے حضرت عیسیٰ کی ولادت کی خوشی عیسائیوں کو مناتے ہوئے دیکھ کر خیال کیا۔ کہ ہمارے نبیؐ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم ان کی ولادت کی خوشی منائیں اس لئے اس نے یہ محفل ایجاد کی۔ اس پر بعض خام ذہنیت رکھنے والے علماء نے بادشاہ کی خوشنودی کے لئے قرآن و حدیث کی ورق گردانی کی اور جس قدر ان کو اس بدعت کی تائید میں دلائل مل سکے۔ انھوں نے ان کو جمع کر دیا۔ اُن دلائل کو دیکھ کر دیندار علماء میں دو فریق ہو گئے۔

ایک وہ جو اہل بصیرت تھے۔ دوسرے وہ سطحی نظر کے لوگ تھے۔ اہل بصیرت نے ان دلائل کی کمزوری کو محسوس کر لیا۔ اور اس سے اختلاف ہو گیا۔ اور اس کے بدعت ہونے کا حکم لگایا۔ سطحی نظر والوں نے ان کو صحیح سمجھ کر ان کے ساتھ موافقت کی اور اس کو بدعت حسنہ قرار دیا۔ اب محقق کا کام یہ ہے کہ فریقین کے دلائل کو پیش نظر رکھ کر انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے۔

(۱) مانعین کی دلیل یہ ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ حدیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل و تقریر کا نام ہے۔ اگر مجوزین کے وہ دلائل صحیح ہیں۔ جن کو قرآن و حدیث سے پیش کرتے ہیں تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دلائل سے ان مجالس کا استحسان کیوں نہ سمجھا اور نبوت کے تیئس ۲۳ برس کے عرصہ میں تیئیس ۲۳ دفعہ بارہ ربیع الاول کا دن آیا اور کرسمس ڈے کی نظیر بھی آپ کے آنکھوں کے سامنے موجود تھی۔ مگر باوجود اس کے ایک مرتبہ بھی آپ نے اس کرسمس ڈے کی نقل کا استحسان نہ قولاً بیان فرمایا نہ فعلاً۔ اس کے تیس برس تک خلافت راشدہ کا زمانہ رہا۔ اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کے سامنے یہ دلائل موجود تھے۔ مگر اُن کو بھی توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس عیسائیوں کی نقل کا استحسان قرآن و حدیث سے استنباط کرتے۔ اس کے بعد چار سو برس تک مجتہدین کا زمانہ رہا۔ اور اس عرصہ میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں مجتہد گزرے اور انھوں نے قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کے لئے انتہائی قوت صرف کی۔ مگر باوجود اس کے اس بدعت کا استحسان ان کو بھی نظر نہ آیا۔ اب جب کہ زمانہ علم ختم ہو گیا اور زمانہ جہل شروع ہوا۔ تو اس زمانہ جہل میں بھی دو سو برس تک اس بدعت کا استحسان کسی کو نظر میں نہ آیا۔ اب جب کہ جہل اپنی پوری قوت پر پہنچ گیا تو اس وقت بھی اس کا استحسان کسی دیندار عالم کی نظر میں نہ آیا۔ بلکہ اس کا استحسان ایک ایسے شخص کو نظر آیا۔ جس میں کوئی قابلیت نہ تھی۔ اس غیر عالم شخص

نے علماء کی رہنمائی کی اور اب اُن کو بھی تمام قرآن وحدیث میں یہ بدعت نظر آنے لگی۔ اب اگر ہم علمائے مجوزین کے دلائل کی صحت کو تسلیم کرلیں۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اس بدعت کی ایجاد کے وقت تک تمام علماء اُمت، صحابہ وتابعینؒ تبع تابعین اور دوسرے مجتہدین وغیر مجتہدین کو نعوذ باللہ "جاہل" اور "نافہم" مان لیں۔ تاکہ اس کے مجوزین کی علمی پوزیشن محفوظ رہ سکے۔ سو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ کہ کوئی مسلمان اس کی جرات کرسکے گا۔ بجز مجوزین اور اُن کے دوسرے ہمنواؤں کے۔

(۲) تمام مقلدین کا اس پر اتفاق ہے کہ دلائل شرعیہ سے براہِ راست مسائل کا استنباط کا حق صرف مجتہدین کو ہے اور غیر مجتہدین کو یہ حق نہیں بلکہ اُن کا فرض صرف مجتہدینؒ کا اتباع ہے (الا بضرورۃ ملجئۃ) اور جب کہ یہ مسلّم ہے۔ تو اب کسی مدعی تقلید کو یہ حق نہیں کہ وہ تقلید ائمہؒ کو چھوڑ کر براہِ راست دلائل شرعیہ سے اس مسئلہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ اس کی انتہائی نافہمی ہے کیونکہ وہ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ میرے قول اور فعل میں تناقض ہے۔ کیونکہ اس کے دعوئ تقلید کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اجتہادی قابلیت نہیں ہے اور اس بدعت کو دلائل سے ثابت کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اس میں اجتہادی قابلیت ہے۔

(۳) ایسے لوگ تارکینِ تقلید سے بھی زیادہ قابلِ الزام ہیں۔ کیونکہ ان کے اجتہاد کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ وہ ایک مجتہد نیز مسئلہ میں ایک مجتہد کے قول کو ترجیح دے لیتے ہیں اور تمام مجتہدین کے خلاف کوئی بدعت ایجاد نہیں کرتے بلکہ بدعت کو نہایت بُرا جانتے ہیں۔ اور اُن کے اجتہادی مسائل میں اگر ایک مجتہد ان کا تخطیہ کرتا ہے تو دوسرا مجتہد ان کی تصویب بھی کرتا ہے اور یہ لوگ (باوجود ادعائے تقلید محض) اجتہاد کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے اجتہاد میں کسی مجتہد کی موافقت

ف کتب اصول فقہ کی تصریحات آپ کی تائید کرتی ہیں توضیح میں ہے دلیل المقلد ان یقول هذا: ما ادّی الیہ رای ابی حنیفۃ وکلما ادّی الیہ رای ابی حنیفۃ فھو عندی صحیح نیز اصول کی بلند پایہ کتاب مسلّم الثبوت میں مرقوم ہے اما المقلد فمستندہ قول مجتہدہ اسی طرح دیگر کتب اصول میں بھی یہ تصریحات ملتی ہیں۔ افراد اہلحدیث جب سنتے ہیں کہ بعض علمائے مقلدین فتویٰ دیتے ہیں کہ غیر مقلدین کے پیچھے اقتدا جائز نہیں تو وہ اس بنا پر ان سے سوال کرتے ہیں کہ اس فتویٰ کی دلیل ائمہ مجتہدین کے قول سے دکھائیے۔ کیونکہ مقلد کو حق نہیں ہے کہ وہ بغیر قول امام کے فتویٰ دے تو اس کے جواب میں وہ خاموش ہو جاتے ہیں چونکہ یہ اصول مذہب تقلید کا مسئلہ ہے اسی لئے اس کا اعتراف نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اس سے انحراف کرنے والے کو دائرہ تقلید سے باہر سمجھنا چاہیئے۔ (اہلحدیث)

بھی نہیں کرتے۔ بلکہ سب سے الگ ایک مسلک اختیار کرتے ہیں۔ اس لئے کسی مجتہد کی تائید ان کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ ان سے زیادہ قابل الزام ہیں اور ان کا دعویٰ تقلید بھی سراسر جھوٹا ہے

(۴) مروجہ حال "عید میلاد" میں جو مفاسد پیشتر تھے وہ بحالہا باقی ہیں اور ان کے علاوہ اس میں دوسرے مفاسد کا بھی اضافہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اب وہ علماء بھی اس کو جائز نہیں کہہ سکتے جو قدیم میلاد کو جائز کہتے تھے۔ مثلاً جلوس نکالنا۔ جو کہ موجودہ یورپ کی تقلید ہے چراغاں کرنا جو کہ دیوالی کی نقل ہے۔ باجے گاجے جو کہ بالکل حرام ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس اس بارہ میں مجوزین کے قول سے بھی استدلال صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس وقت انہوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا اس وقت وہ مفاسد اس میں موجود نہ تھے جو آج ہیں۔

(۵) ان افعال شنیعہ کے اثبات میں قرآن و حدیث میں تحریف کرنی پڑتی ہے۔ جس کا حاصل خدا اور رسول پر بہتان باندھنا ہے۔ جو کہ انتہائی ظلم ہے۔ ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا۔

یہ وہ مضبوط دلائل ہیں جن سے مانعین تمسک کرتے ہیں اب رہے وہ لچر اور پوچ دلائل جن سے مجوزین تمسک کرتے ہیں۔ ان کی حقیقت اگرچہ اجمالی طور پر سطور بالا میں معلوم ہو چکی ہے۔ لیکن ہم ان پر تفصیلاً بھی گفتگو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

(۱) فاضل محقق نے واذ اخذ الله ميثاق النبيين لما اٰتيتكم من كتاب وحكمة ثم جاءكم رسول مصدق لما معكم لتؤمنن به ولتنصرنه سے ان مجالس کے استحسان پر استدلال کیا۔ حالانکہ یہ کلام الٰہی کی صریح تحریف ہے۔ کیونکہ اس آیت میں ان مجالس کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں اس لئے کہ آیت کا حاصل یہ ہے۔ کہ تمام انبیاء سے یہ عہد لیا گیا تھا۔ کہ اگر تمہارے پاس کوئی خدا کا رسول آئے تو تم کو اس کی تصدیق و تائید کرنی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس مضمون کو جشن میلاد سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

فاضل محقق نے اس آیت کے ذیل میں طبری سے حضرت علیؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ لم يبعث الله نبيا من ادم فمن دونه الا اخذ عليه العهد فى محمد صلى الله عليه وسلم لئن بعث وهو حى ليؤمنن به ولينصرنه" لیکن اوّل تو یہ روایت ہی ثابت نہیں کیونکہ اس کا راوی سیف بن عمرو ضاح و کذاب اور متہم بالزندقہ ہے" قال ابن حبان يروى الموضوعات عن الاثبات قال وقالوا انه كان يضع الحديث اتهم بالزندقة وقال الحاكم اتهم بالزندقة هو فى الرواية ساقط

وقال ابو حاتم متروک الحدیث"

اور بالفرض اگر ثابت ہو تو اس سے فقط اتنا ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاء سے اس بات کا عہد لیا گیا تھا۔ کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے زمانہ میں رسول بنا کر بھیجے جائیں تو تم اُن پر ایمان لانا اور اُن کی مدد کرنا۔ لیکن اس مضمون کو بھی عید میلاد سے کوئی تعلق نہیں ہاں اگر روایت میں یہ مضمون ہوتا کہ اگر محمدؐ تمہارے زمانہ میں پیدا ہوں تو تم ان کی پیدائش کی اسی طرح خوشی منانا۔ جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی مناتے ہیں تو بے شک ان کا مدعا ثابت ہو جاتا۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے تو پھر ان کا مدعا کیوں کر ثابت ہو۔

(۲) فاضل محقق نے حضرت عیسیٰؑ کے اس قول سے بھی جشن میلاد نبوی پر استدلال کیا ہے "وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا" لیکن یہ بھی سراسر غلط ہے کیونکہ اوّل تو اس کو مروجہ جشن میلاد سے کوئی تعلق نہیں اور اگر ہو بھی تو اس سے "کرسمس ڈے" کا ثبوت ہوگا۔ نہ کہ عید میلاد النبیؐ کا۔ اس لئے اُن کو چاہیے کہ عیسائیوں کے ساتھ ہو کر "کرسمس ڈے" منایا کریں۔ پھر اگر اس سے جشن میلاد کا ثبوت ہوتا ہے تو "والسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا" سے جشن میلاد اور جشن وفات دونوں کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ اس میں یوم ولادت اور یوم وفات کو ایک حیثیت میں رکھا گیا ہے۔ لیکن وہ جشن میلاد مناتے ہیں اور جشن وفات نہیں مناتے اس کی وجہ بجز نصاریٰ کی تقلید کی اور کوئی نہیں معلوم ہوتی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ فاضل محقق نے حضرت عیسیٰؑ کے قول سے تو استدلال کیا لیکن خود حق تعالیٰ کے قول کو نظر انداز کر دیا۔

(۳) فاضل محقق نے اپنے استدلال میں لقد جاءکم رسول اور قد جاءکم برھان من ربکم اور یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا اور ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن ان آیات میں بھی نہ ولادت کا ذکر ہے نہ یوم الولادت کا اور نہ جشن میلاد کا۔ بلکہ بعثت اور ارسال کا ذکر ہے جو کہ ولادت کے چالیس سال بعد کا واقعہ ہے۔ پس اگر ان آیات کی بناء پر جشن کا منانا صحیح ہو سکتا ہے تو جشن بعثت منانا چاہیے۔ ان آیات کی رو سے جشن ولادت منانا کہاں سے ثابت ہے۔ اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ دراصل ان آیات کو کسی جشن سے کوئی تعلق ہی نہیں اور ان سے جشن میلاد جیسی بدعات کو ثابت کرنا بعض آریہ پنڈتوں کے کو دنوا قرۃ خاسئین۔

وغیرہ آیات سے تناسخ ثابت کرنے سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔

(۴) فاضل محقق نے اپنے مدعا پر " اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ " سے بھی استدلال کیا ہے لیکن یہ بھی سراسر جہالت ہے۔ کیونکہ نعمت میں ولادت کی تخصیص نہیں۔ تو پھر جشن میں ولادت کی تخصیص کی سوائے پیروی نصاریٰ کے اور کون وجہ ہوسکتی ہے۔ پھر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ تم خدا کی نعمتیں بیان کرو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ نے اپنی ولادت کا جشن نہیں منایا۔ تو اس کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ اس آیت میں اس جشن کا حکم ہی نہ تھا۔ اور اس سے ایسا سمجھنا خود اہل بدعت کی غلطی ہے یا اس میں حکم تھا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں سمجھا یا سمجھ کر اس پر عمل نہیں کیا۔ تو یہ بھی اہل بدعت ہی کہہ سکتے ہیں۔ غرضیکہ یہ استدلال بھی سراسر باطل اور مہمل ہے اور اس کی بنا پر معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر الزام آتا ہے۔

(۵) فاضل محقق نے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلك فليفرحوا سے بھی استدلال کیا ہے۔ لیکن یہ استدلال بھی غلط ہے کیونکہ اس سے پہلی آیت یہ ہے۔ یا ایھا الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمة للمؤمنین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بذلك میں مجیئ موعظة وشفاء وھدی ورحمة کی طرف اشارہ ہے اور اسی پر خوش ہونے کا حکم ہے اور معنی یہ ہیں کہ قل قد جاء کم ما ذکر بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلك المجیئ فليفرحوا۔ سو اس میں ولادت کا ذکر ہی نہیں تو یہ استدلال بھی غلط ہے اور اگر اس میں فضل و رحمت ہی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اہل بدعت کا مقصود ہے تب بھی اس سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس فضل و رحمت کا اولیٰ تعلق بھی اسی مجیئ موعظہ وغیرہ سے ہے نہ کہ ولادت سے۔ پھر استدلال بے معنی ہے۔ اور اگر فضل و رحمت کو عام بھی لیا جاوے تب بھی ولادت کی تخصیص بے معنی ہے۔ بلکہ ہر ایک فضل و رحمت پر جشن منانا چاہیئے۔ الغرض یہ استدلال بھی ہر پہلو سے باطل اور سراسر جاہلانہ ہے۔

پھر ان لوگوں کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ " فليفرحوا " کے معنی بھی نہیں جانتے۔ فرح کے معنی خوش ہونے کے ہیں جس کا تعلق دل سے ہے اور جو کہ ایک طبعی کیفیت ہے۔ جو کسی خوشی کن واقعہ کے وقت پیدا ہوتی ہے نہ کہ خوشی منانے کے۔ جس کا تعلق

جشن سے ہے۔ پس فلیفرحوا کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کو اس سے خوش ہونا چاہیئے۔ نہ یہ کہ ان کو اس کی خوشی کرنی اور بطور جشن خوشی منانی چاہیئے جیسا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں۔ اور اگر اس کے معنی جشن منانے کے ہوں تو ماننا پڑے گا کہ صحابہؓ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ پھر یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس حکم کے مخاطب عامۃ الناس ہیں نہ کہ خاص مومنین۔ جیسا کہ آیتِ سابقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عنوان خطاب یاایھا الناس ہے نہ کہ یاایھا الذین امنوا۔ اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ فلیفرحوا کے معنی جشن منانے کے نہیں۔ اور نہ سُرورِ قلبی کے ہیں۔ بلکہ اس کے لازمی معنی مراد ہیں یعنی فلیتقبلوہ بطیب النفس (یعنی اس کو بطیب خاطر قبول کرو) اور اس صورت میں بنار استدلال ہی منہدم ہے۔

اس موقعہ پر فاضل محقق نے ایک نوٹ دیا ہے اور کہا ہے کہ حضور کی ولادت خدا کا سب سے بڑا فضل و رحمت ہے اور اس پر مسرت کا نام عید میلاد ہے۔ سو اس نوٹ میں بھی سراسر ناسمجھی سے کام لیا گیا ہے کیونکہ اوّل تو یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ حضور کی ولادت خدا کا سب سے بڑا فضل و رحمت ہے۔ کیونکہ آپ کو عطائے نبوت و کمالات نبوت ضرور اس سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ انہی کی وجہ سے ولادت کو شرف حاصل ہوا ہے۔ اگر کہا جاوے کہ ولادت ذریعہ ہے ان کمالات کا۔ اگر ولادت نہ ہوتی تو وہ کمالات کیسے حاصل ہوتے۔ تو یہ اس سے بھی بڑھ کر جہالت ہوگی۔

کیونکہ ذرائع ہمیشہ مقاصد سے ادنیٰ ہوتے ہیں اور پھر اگر یہ صحیح ہو تو آپ کے والد کی ولادت کو آپ کی ولادت سے افضل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ذریعہ ہے آپ کی ولادت کا غرضکہ یہ دعویٰ سراسر مغالطہ ہے۔ پھر ان کا یہ کہنا کہ اس پر مسرت کا نام عید میلاد ہے یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ مسرت اور چیز ہے اور عید میلاد دوسری شے۔ مسرت کا تعلق دل سے ہے جو کسی خوش کن واقعہ کے وقت طبعی طور پر ہوتی ہے۔ اور عید میلاد جشن ہے۔ پھر ولادت کا تحقق تو بر وقت ہے۔ اس لئے بر وقت جشن کرنا چاہیئے اور خاص دن ہی خوشی منانے کے معنی سوائے تقلید نصاریٰ کے اور کچھ نہیں ہو سکتے۔

(۲) فاضل محقق نے "ذکرھم بایام اللہ" سے بھی استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ خدا کے دنوں میں حضورؐ کی ولادت کا دن عظیم المرتبت ہے۔ اس کی یاد دلانا مسلمانوں کے لیے ضروری ہوا۔ اس سے فاضل محقق کی فضیلت اور ادعائے تحقیق کا بھانڈا اچھی طرح پھوٹ

جاتا ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ یہ حکم حضرت موسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انھوں نے اس پر کس طرح عمل کیا۔ کیا ان کو اپنی ولادت کا دن یاد دلایا۔ اور ان کو اس دن جشن منانے کی ہدایت کی۔ یا ادم کو حضرت ابراہیمؑ و حضرت نوحؑ وغیرہ کی ولادت کے دن یاد دلائے اور ان پر جشن منانے کی تعلیم دی۔ اگر نہیں تو جو معنی اُس کے اُس وقت نہ تھے۔ اب وہ معنی اس کے کیسے ہو گئے۔ پھر آیت کا مطلب یہ تھا کہ اپنی قوم کو وہ واقعات سُنا کر جو نافرمان قوموں کو پیش آئے ہیں۔ ان کو نافرمانی سے روکو اور اطاعت پر آمادہ کرو۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ کیونکہ یہ ترجمہ ذَكِّرْهُمْ اَيَّامَ اللّٰهِ کا ہے نہ کہ ذَكِّرْهُمْ بِاَيَّامِ اللّٰهِ کا اور ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ایک معمولی استعداد کے طالب علم پر بھی مخفی نہیں۔ چہ جائیکہ ایک فاضل محقق پر۔ اور اگر یہ بھی ہو تو اس میں بڑے اور چھوٹے کی کوئی قید نہیں۔ لہٰذا ہر روز اور ہر کام کے لئے جشن منانا چاہیئے۔ غرضکہ یہ استدلال بھی سراسر غلط ہے۔

(۷) فاضل محقق نے "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" سے بھی استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ جب احکم الحاکمین حضور کے ذکر کو بلند فرمادیں تو ہمارا بھی فرض ہے کہ حضورؐ کا ذکر کریں۔ کیا کہنے ہیں اس تحقیق کے؟ یہ مسلّم ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کا ذکر بلند کیا اور اس کے لئے خاص طریقوں کی تعلیم کی۔ لیکن اس سے یہ کب لازم آیا۔ کہ ہم جس طرح چاہیں آپ کا ذکر کریں اور اگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو منع فرمائیں تو ہم اُن کی بھی نہ مانیں اور جب یہ لازم نہیں تو پھر عید میلاد کا اس سے ثبوت کیسے ہُوا۔؟

(۸) فاضل محقق نے وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى سے بھی استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ علماء نے ضحیٰ سے مراد ولادت اور لیل سے شب ولادت ہی کو لیا ہے۔ لیکن اول تو یہ بیان سراسر غلط ہے۔ علمائے کرام کو تو ایسی لغو باتوں کا خطرہ بھی نہیں گزرتا۔ یہ تو صرف جاہلوں کی ایجاد ہے اور نہ قرآن میں یہ معنی مراد ہو سکتے ہیں اس لئے کہ ضحیٰ کے معنی ولادت نہ لغت میں ہیں نہ عرف میں۔ اور اگر استعارہ کیا جائے تو اول تو یہ استعارہ صحیح نہیں اور اگر ہو بھی تو وہ مجاز ہے اور مجاز کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے اور یہاں کوئی قرینہ اس کا نہیں۔ اسی طرح "لیل" سے شب ولادت مراد ہونے پر بھی کوئی قرینہ نہیں۔ بلکہ آگے "اِذَا سَجٰى" صاف اس کے خلاف شہادت دے رہا ہے کیونکہ اِذَا مستقبل کے لئے آتا ہے۔ اور شب ولادت مدت ہوئی گزر چکی تھی۔ پس ایسا دعویٰ ضرور ایک گونہ تحریف ہوگا۔ اور اس تحریف کے بعد

بھی یہ بدعت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ نے آپ کی ولادت اور شب ولادت کی قسم کھائی۔ سو اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ اس دن جشن منانا جائز ہو۔ آپ قرآن کو پڑھیے اور دیکھیے کہ قرآن میں حق تعالیٰ نے ہر والد اور مولود کی قسم کھائی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ "ووالد وما ولد ۝ لقد خلقنا الانسان فی کبد" اور اس کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں۔ مثلاً چاند، سورج، تین، زیتون وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا ان سب کا جشن منانا جائز ہوگا۔ حد ہے اس لغویت کی۔ آپ انصاف فرمائیں کہ ایسے لوگوں کو کوئی ذی علم کس طرح قابل خطاب سمجھ سکتا ہے اور ان کی مہملات و خرافات کے جواب میں وقت ضائع کرنا کیونکر گوارہ ہو سکتا ہے۔ جن کی گفتگو کا کوئی اصول ہی نہیں اور اس لیے وہ ایک دیوانہ کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

خیر یہ تو دلائل قرآنیہ تھے۔ اب دلائل حدیثیہ کی حالت معلوم فرمائیے۔ اس سلسلہ میں اول نمبر یہ حدیث پیش کی گئی ہے۔

"اخبرکم باول امری دعوۃ ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ ورؤیا امی التی رأت حین وضعتنی قد خرج منها نور اضاء لها منه قصور الشام"

ناظرین غور فرمائیں۔ اس روایت کو جشن میلاد سے کیا تعلق۔ اگر آپ نے کسی موقعہ پر کسی سلسلہ گفتگو میں یہ تذکرہ فرما دیا کہ میں ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ اور عیسیٰؑ کی بشارت کا مصداق اور اپنی ماں کی خواب کی تعبیر ہوں تو اس کے یہ معنی کب ہوئے کہ تم ہر سال عیسائیوں کی تقلید میں میری ولادت کا جشن منایا کرو۔ قرآن میں موسیٰؑ کی ولادت، عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، یحییٰ علیہ السلام کی ولادت اور مریم علیہا السلام کی ولادت۔ بلکہ جن وانس، آسمان و زمین وغیرہ کی پیدائش کے تذکرے موجود ہیں۔ تو کیا مسلمانوں نے ان کی ولادت اور پیدائش کے جشن منائے۔ ؟ اگر نہیں تو آپ کے اتنا فرما دینے سے جشن میلاد کا جواز کیسے ثابت ہو گیا۔ افسوس ہے کہ اس گروہ کو علم اور استدلال تو کجا، غالباً اس سے معمولی مناسبت بھی نہیں۔ اگر ان کے ان دلائل کو کسی غیر مسلم کے سامنے رکھ دیا جائے۔ تو وہ بھی یہی کہے گا کہ ان سے زیادہ غیر معقول کوئی نہ ہوگا۔ پھر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اس حالت پر یہ لوگ اجتہاد کے مدعی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ پکے مقلد ہیں (ضدان لا یجتمعان)

دوسرے نمبر پر حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضع لحسان بن ثابت منبرا فی المسجد الخ لیکن یہ استدلال بھی سراسر مغالطہ ہے کیونکہ نہ اس میں ولادت کا ذکر ہے۔ نہ یوم ولادت کا بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جس طرح کفار اسلام کا مقابلہ تلوار سے کرتے تھے اور مسلمان اس کا جواب تلوار سے دیتے۔ یوں ہی جب کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں قصیدے لکھتے تھے تو وہ اُن کا جواب قصائد کی صورت میں دیتے تھے اور اس جہاد لسانی کو زیادہ تر حضرت حسان بن ثابت انجام دیتے تھے اور ان کے واسطے حضورؐ مسجد میں منبر رکھوا دیتے تھے اس کو جشنِ میلاد سے کیا تعلق ہے ؟

تیسرے نمبر پر حضرت صحابہؓ کے ذکر رسولؐ سے استدلال کیا ہے۔ لیکن جب تک اس ذکر کی نوعیت نہ معلوم ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ اس مروجہ جشنِ میلاد کے طریقے پر ہوتا تھا۔ اس وقت تک اس سے استدلال سراسر جہالت ہے اور یہ ثابت ہونا محال ہے۔

چوتھے نمبر پر مجالس ذکر اللہ میں ملائکہ کے حضور سے استدلال کیا ہے۔ لیکن اس میں اس بدعت کا کچھ پتہ و نشان نہیں۔ بلکہ اس میں ذکر اللہ کا بیان ہے۔ لہٰذا یہ استدلال بھی محض سفاہت اور حماقت پر مبنی ہے ۔ یہ دلائل حدیثیہ تھے جن سے معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کے پاس تنکے کا سہارا بھی نہیں۔

اس کے بعد فاضل محقق نے تعیین تاریخ پر بحث کی ہے اور اس میں بھی اپنی قابلیت کے کرشمے دکھلائے ہیں۔ اگر حق تعالیٰ نے کسی کام کے لئے کوئی وقت مقرر فرمایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کی مصلحت کو جانتا ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے کوئی وقت مقرر فرمایا ہے تو اگر وہ تشریع کی قسم سے ہے۔ تو وہ بھی حق تعالیٰ ہی کا مقرر کردہ ہے اور اگر وہ تشریع کے قبیل سے نہیں تو وہ محل بحث ہی نہیں جیسا کہ آپ کا ان عورتوں کو وقت دینا جنھوں نے آپ سے وعظ کی درخواست کی تھی۔ رہے وہ علماء جنہوں نے اس بنا پر معمولات کے لئے اوقات کی تعیین کی کہ ان اوقات اور تاریخوں میں خدا کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ سو ان کا یہ فعل اس لئے حجت نہیں کہ یہ تعیین بلا دلیل شرعی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حق تعالیٰ اس کے زیادہ مستحق تھے کہ وہ اُن کے لئے ان اوقات کو وجوباً یا استحباباً متعین کرتے۔ کیونکہ ان کو ان

اوقات کا بھی علم ہے۔ اور ان کاموں کا بھی اور ان کے درمیان مناسبت کا بھی۔ برخلاف علماء کے کہ ان کو ان میں سے کسی بات کا بھی یقینی علم نہیں۔

پس ان کی تعیین کو تعیین شارع پر قیاس کرنا۔ قیاس الجهل علی العلم والادنی علی الاعلیٰ ہے۔ جو کہ بالاجماع باطل ہے یہی وجہ ہے کہ مقلدین کو قیاس اور اجتہاد سے روکا گیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ وہ باز نہ آئے اور اسی وجہ سے دین میں بے انتہا مفاسد پیدا ہوگئے۔ اس کے بعد "فاضل محقق" نے بعض علماء کے فتاوے نقل کئے ہیں۔ سو اوّل تو ان فتاویٰ کی بناء معلوم ہو چکی ہے۔ اور معلوم ہوگیا ہے کہ ان کے پاس اس کی کوئی کمزور دلیل بھی نہیں۔ پھر اس کے مقابل ہم دوسرے علماء کے فتاوے پیش کرتے ہیں۔ جو اُن کے علم و فہم اور دین کی کسی بات میں بھی کم نہیں۔ بلکہ اُن سے بڑھے ہوئے ہیں۔ تو یہ فتاوے بھی بے سود ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اس باب میں ان مولوی مفتی صاحب کے پاس کوئی بھی حجت صحیح نہیں۔

یہ مسلّم ہے کہ جس طرح انبیاء کی مساعی سے دنیا سے کفر و ضلالت کا خاتمہ نہیں ہوا اور جن گمراہوں کی قسمت میں ہدایت سے محرومی مقدر تھی وہ اب بھی گمراہ ہی رہے یوں ہی ان کے جانشینوں کی مساعی جمیلہ سے دنیا میں شرک و بدعت، اتباع یہود و نصاریٰ وغیرہ کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔ اور جن کی قسمت میں محرومی مقدر ہے وہ ہدایت پر نہیں آسکتے۔ لیکن یہ اُن کے لئے فخر کی بات نہیں۔ کیونکہ اس کا نتیجہ ان کو مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا۔ ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

امید ہے کہ "فاضل محقق" اور ان کے ہم خیال دوسرے افراد اگر علم و فہم کا کچھ حصہ رکھتے ہیں تو ہماری اس تحریر سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اور اگر ان کو ان چیزوں سے حصہ نہیں ملا ہے۔ تو تقلید باطل کو چھوڑ کر مسلک احتیاط کو اختیار کریں گے۔ اور اگر دین مقصود ہی نہیں تو اس کا کچھ علاج ہی نہیں والسلام علی من اتبع الهدیٰ

(الفرقان بریلی) ، ماہ صفر ۱۳۵۶ھ

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ماہ محرم میں دسویں تاریخ کا اور ماہ ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ کی عظمت کا ثبوت حدیث

قرآن وصحابہ، تابعین وتبع تابعین، ائمہ اربعہ ومحدثین سے ہے یا نہیں؟

(۲) ماہ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ اور محرم کی دسویں تاریخ کو تمام دن کاروبار بند کرنا اور اس کی عظمت سمجھنا۔ اور اس دن محفلِ میلاد کرنا کیا وقعت رکھتا ہے۔ اس دن کی عظمت اور محفل میلاد کرنے کا ثبوت قرآن وحدیث، صحابہ وتابعین ائمہ محدثین سے ہے یا نہیں؟

(۳) ماہ ربیع الاوّل میں شریعت مطہرہ سے محفل میلاد کرنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب: دنیا کا کاروبار بند کر دینا مسلمانوں کے لئے بغرض اظہار غم عاشورہ کے روز بھی شرعاً ادلہ شرعیہ اربعہ میں سے کسی ایک دلیل سے بھی ثابت نہیں اس بندش پر بارہویں ربیع الاوّل کی بندش قیاس کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے خلفائے راشدین وائمہ مجتہدین وسلف صالحین کے زمانے میں اس بارہویں تاریخ میں دنیا کے کاروبار بند رکھنا ثابت نہیں۔ اور اس طرح پر محفل میلاد کا منعقد کرنا بھی اس مروج طور پر ثابت نہیں اور شرعاً کسی میت پر تین روز سے زائد صدمہ کا اظہار کرنا جائز نہیں۔ ماسوا بیوہ عورت کے کہ اس کے لیے صرف چار مہینے دس دن مقرر ہیں کہ ان ایام میں زینت وآرائش نہ کرے۔ لیکن دنیاوی ضروری کام کے ترک کر دینے کا حکم شرعی اس کے لیے بھی نہیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی بارہویں تاریخ کے روز اگر اس زمانے میں دنیاوی روزگار وبازار کا بند کر دیا جانا جاری کر دیا جائے گا۔ تو چند سال کے بعد عوام الناس اس حکم کو شرعی وضروری ٹھہرانے کی وجہ سے گنہگار وگمراہ ہوں گے اور ایسا کام جو ذریعہ معصیت کا ہوتا ہے۔ تو وہ بھی ناجائز اور گناہ ہو جاتا ہے۔

اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی (حنفی)

الجواب صحیح مولوی محمد موسیٰ خان مدرس مدرسہ حسینیہ (حنفی) دہلی　الجواب صحیح محمد اسحٰق عفی عنہ محلہ گڑھیا دہلی (حنفی)　الجواب صحیح ابو یحییٰ عبد اللطیف (اہلحدیث) صدر دہلی۔

بغرض اظہار غم کاروبار بند کرنا یہ ایک دنیاوی رسم ہے۔ شرعاً اس کا ثبوت نہیں ہے اور اظہار عظمت کے واسطے بھی کاروبار بند کرنے کا شریعت شریف سے بالکل ثبوت نہیں۔

محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ عبد الرب (حنفی) دہلی

جواب صحیح ہے۔ بے شک اس روز کاروبار بند کرنا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ اس کو شرعی حیثیت دے کر تعطیل جاری کرنا ایک ایجاد واحداث فی الدین ہو گا

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ (حنفی) صدر جمعیۃ علماء ہند دہلی

اصل جواب اور بعد کی تصدیقات از روئے ادلہ شرعیہ صحیح ہیں۔

بندہ محمد میاں مدرسہ حسین بخش (حنفی) دہلی

محفل میلاد مروجہ ساتویں صدی کی بدعت اور اس دن کاروبار بند کرنا چودھویں صدی کی بدعت ہے۔ بدعتی خدا اور رسولؐ کے دشمن ہیں۔ اس دن دکانیں بند کرنے والے دنیاوی نقصان کے ساتھ ہی ساتھ اخروی نقصان بھی کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو مل جل کر اس بدعت کو اٹھا دینا چاہیے۔ واللہ الموفق

محمد اڈیٹر محمدی دہلی

الجواب صحیح: مولوی احمد اللہ شیخ الحدیث دہلی

الجواب صحیح: مولوی عبد السلام مدرس مدرسہ حاجی علی جانؒ دہلی (اہل حدیث)

الجواب صحیح: مولوی محمد یونس مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب پھاٹک حبش خان دہلی اہلحدیث

الجواب صحیح مولوی ابو الفضل عبد الحنان دہلی (اہل حدیث)

(اخبار اہلحدیث ۱۹ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ)

سوالاتِ عشرۂ حنفیہّ کے جواباتِ سُنّیہ

جو چاہے کہ لوگ میرے ساتھ معاملہ صاف رکھیں۔ اُسے خود پہلے صاف رکھنا چاہیئے چونکہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے مخاطب ہمارے مطلوبہ جوابات ہم کو دیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے سوالات کے جوابات دیں اور اُن سے صحیح جواب کی امید رکھیں

سوال ۱: "علماءِ اسلام کی ایک جماعت محدثین یا اہلِ حدیث کے نام سے مشہور ہے۔ مگر ایک قوم اہلِ حدیث کہ جس کا بچہ بچہ بھی اہلِ حدیث کہلاتا ہے کس صریح دلیل سے تیار کی گئی ہے"

(الفقیہ، نومبر ۱۹۳۲ء صہ ۹ کالم ۳)

جواب ۱: جو کوئی کسی کتاب کو اپنا دستور العمل سمجھے اس کو اس کتاب کی طرف نسبت کرنا جائز ہے قرآن مجید میں اصول کے مطابق یہودیوں کو اہل الکتاب اور عیسائیوں کو اہل الانجیل فرمایا ہے قُلْ یَا اَھْلَ الْکِتَاب ولیحکم اھل الانجیل۔ جس فرقہ کا دستور العمل حدیث نبوی ہے وہ اس اصول کے ماتحت اہل حدیث کہلانے کا حق رکھتا ہے۔ اس لقب کے لئے علم حدیث ہونا ضروری نہیں فقط ذہن میں نصب العین ہونے کی ضرورت ہے۔

لطیفہ البتہ فقہ حنفیہ کی مستند کتاب ردالمختار شامی میں لکھا ہے کہ مذہب اس کا ہوتا ہے جو مذہب میں واقفیت رکھتا ہو۔ عامی آدمی کا حنفی یا شافعی کہلانا ایسا ہے۔ جیسے نحوی اور منطقی۔ اس قاعدہ کو ملحوظ رکھ کر ہمارے احناف دوست اپنا نام حنفی رکھتے ہوئے غور کر لیا کریں کہ کہاں تک زیبا ہے۔

سوال ۲: "حضور علیہ السلام کو معاذ اللہ طارش[۱] کہنا اور آپ کو صرف قاصد کی ہستی تصور کرنا کس دلیل شرعی پر مبنی ہے؟ جواب میں صرف آیتِ قرآنی پیش کی جائے یا حدیث۔ ورنہ شیخ نجدیہ کا قول حجت نہ ہوگا"

(الفقیہ مذکور)

جواب ۲: ہمارا جو عقیدہ ہے ہم تو اس کے جواب دہ ہیں کسی غیر کے نہیں۔ ہمارا اہل حدیث کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاصدِ خدا و مبینِ پیغامِ الٰہی ہیں اس کا ثبوت چاہے تو لے لو ان علیک الا البلاغ۔ ان انت الا نذیر علیک البلاغ وعلینا الحساب

---

۱ اس لفظ سے کیا مراد ہے۔

لتبین للناس ما نزل الیھم۔ ان آیات میں آنحضرتؐ کو مبلغ اور مبین کتاب فرمایا ہے اس کے سوا ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو ہم سے امید نہ رکھئے کہ ہم بھی آپ کی طرح اس شعر کو وردِ زبان کریں ؎

وہی جو مستویٔ عرش تھا خدا ہو کر اُتر پڑا وہ مدینہ میں مصطفیٰؐ ہو کر

کیونکہ اگر ہم ایسا کہیں تو دوسری طرف سے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے حق میں اور ہندو کرشن جی کے حق میں یہی کہیں گے۔ پھر تو ہماری، عیسائیوں کی اور ہندوؤں کی اچھی خاصی متساوی الاضلاع مثلث بن جائے گی۔ اس لیے ہم اس مثلث کا ضلع بننا نہیں چاہتے۔ اللھم تبرئنا الیک۔

سوال ۳: "یہ کس دلیل شرعی سے ثابت ہے کہ نماز میں کسی جانور کا تصور آ جائے تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ مگر حضور علیہ السلام کا خیال آ جائے تو فوراً ٹوٹ جاتی ہے۔" (الفقیہ مذکور)

جواب ۳: یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے نہ ہمارے کسی معتبر مصنف نے لکھا ہے۔ دکھاؤ گے تو جواب پاؤ گے۔

سوال ۴: "کس صریح آیت یا حدیث سے ثابت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام کو چوہڑے چماروں کی صف میں کھڑا کیا گیا ہے۔" (الفقیہ مذکور)

جواب ۴: یہ بھی ہمارا عقیدہ نہیں کہ چوہڑے چمار اور انبیاء خدا کی بارگاہ میں ایک صف میں کھڑے ہیں۔ معاذ اللہ۔ بلکہ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ سب بنی آدم سے بہتر انبیاء کرام ہیں۔ ان کے بعد اولیاء عظام وغیرہ۔ اس دعوے کی دلیل چاہو گے تو بتا دی جاوے گی۔

سوال ۵: "کونسی صریح آیت یا حدیث بتا رہی ہے کہ جمعہ کا خطبہ عربی زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں پڑھنا جائز ہے اور بدعت نہیں ہے۔" (الفقیہ مذکور)

جواب ۵: قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ۔ "ہم (خدا) نے جو رسول بھیجے ہیں وہ اس قوم کے ہم زبان بھیجے تاکہ وہ ان کو خدائی احکام واضح طور پر بیان کر کے سنائیں۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس جگہ مخاطبوں کو کوئی مضمون سمجھانا مقصود ہو۔ وہاں متکلم اور مخاطب کی زبان ایک ہونی چاہیے۔ خطبہ میں چونکہ سمجھانا مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے ہم خطبہ میں دیسی زبان میں وعظ کیا کرتے ہیں۔ فقہ حنفیہ کی مستند کتاب میں یہی لکھا ہے کہ خطیب خطبہ میں وعظ کیا کرے۔

سوال ۶: کسی آیت یا حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے روضہ مبارک پر زیارت

کے لئے حاضر ہونا حرام ہے" (الفقیہ مذکور)

جواب ۱۱ : حرام کا فتویٰ تو ہم نے دیا نہیں البتہ ہمارا عقیدہ ہے۔ کہ مسجد نبوی کی زیارت کی نیت کرے۔ اسی ضمن میں دوسرا کام بھی ہو جائے تو جائز ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔

لا تشد الرحال الا الی ثلاث مساجد۔	یعنی مسجد کعبہ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے سوا کسی مکان کی بحیثیت مکان زیارت کو مت جاؤ۔

یہ حدیث ہمارے عقیدہ کی دلیل ہے۔

نوٹ روضہ مبارک قبر شریف کا نام ہے۔ کیا قبر شریف کی زیارت ممکن بھی ہے؟ ذرا حاجی جماعت علی شاہ صاحب سے پوچھ کر بتائیے۔

سوال ۱۲ : "کانفرنس اہل حدیث یا دیگر تبلیغی مجالس کس صریح آیت یا حدیث سے ثابت ہے" (الفقیہ مذکور)

جواب ۱۲ : قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے سب زبانوں کو اپنی صنعت بتایا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ۔	"آسمان زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کے اختلاف خدا کی قدرت کے نشان ہیں"

پس ہم جس زبان سے چاہیں اپنا مطلب ادا کریں۔ کانفرنس ہو یا انجمن ایسوسی ایشن ہو یا جمعیۃ سب زبانیں خدا کی ہیں۔ نیز اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ نص قرآنی ہے۔

نوٹ اگر غیر عربی میں بولنا آپ کے نزدیک ناجائز ہے تو سب سے پہلے "خدا" کا استعمال نہ کیجیے۔ پھر اخبار الفقیہ کو اردو کی بجائے عربی میں نکالیے۔ ورنہ کہا جائے گا۔ لم تقولون ما لا تفعلون۔

سوال ۱۳ : "نانی یا دادی سے نکاح کا جواز کس صریح آیت یا حدیث سے ثابت کیا جا رہا ہے؟" (الفقیہ مذکور ص کالم ۱)

جواب ۱۳ : نانی، دادی سے نکاح کرنا حرام ہے بحکم حرمت علیکم امہاتکم

جو ان سے نکاح کا فتویٰ دے وہ غلط کہتا ہے۔

سوال ۹: بنک کا سود کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے کہ جس کو چیدہ چیدہ وہابی ہضم کر رہے ہیں۔ (الفقیہ مذکور)

جواب ۹: جو لوگ بنک سے معاملہ کرنا جائز کہتے ہیں وہ بنک کے معاملہ کو اصولِ تجارت کے ماتحت کہتے ہیں۔ آپ کے حنفی برادر مفتی دیوبند اور مفتی جمیعۃ العلماء دہلی کا یہی فتویٰ ہے؎۔ ہاں آپ کے حقیقی حنفی بھائی تو بنک کے علاوہ عام طور پر سودی لین دین کو ہندوستان میں جائز کہتے ہیں۔ مولوی محمد حسن حنفی مرحوم ساکن بھیں ضلع جہلم کی کتاب "روض الربیٰ" دیکھیے یا ان کے عزیز اور معزز کرم الدین جہلمی سے پوچھیے۔ پھر ہم سے بولیے۔

سوال ۱۰: کس دلیل سے یوں کہنا جائز ہے کہ "ابن قیم مدرسے قاضی شوکاں مدرسے" (م)

جواب ۱۰: مذہبی اصطلاح میں جائز نہیں، شاعرانہ اصطلاح کے ہم ذمہ دار نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہم نے سائل کے جوابات سے فراغت پائی اس لئے ہم بھی ایک اور سوال کرنا چاہتے ہیں۔

سوال | حنفی۔ شافعی۔ مالکی یا حنبلی نام رکھنے کس آیت یا حدیث یا اجماع یا قیاس سے ثابت ہیں؟

یاد رہے | قیاس مجتہد کا فعل ہے۔ اور اجماع میں کافروں اور مقلدوں کو دخل دینے کا حق نہیں (علم اصول کی مسلمہ کتاب مسلم الثبوت ملاحظہ ہو) ؎

ادھر آ پیارے ہنر آزمائیں   تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

۲۵ رنومبر ۱۹۳۲ء

سوال: اس زمانے کے صوفیائے کرام اس امر پر زور دے رہے ہیں کہ ہر شے میں خداتعالیٰ کا ظہور اور حلول ہے۔ یہ حضرات ہمہ اوست کا عقیدہ پھیلانے کی بہمہ تن کوشش کر رہے ہیں کیا سلف کے صوفیاء کرام کا یہی عقیدہ تھا۔ اور کیا ہم کو اولیاء اللہ کے مزاروں پر سالانہ میلے لگانا اور ان میں شرکت کرنا جائز اور ثواب

؎ اصل فتویٰ مع اپنی تفصیلات کے اخبار محمدی جلد ۲ نمبر ۲ میں ملاحظہ فرمایئے۔

جواب: سلف کے صوفیاء کا یہ عقیدہ نہ تھا وہ تو شرک اور بدعت سے اتنے متنفر تھے کہ اس کی ہوا کو بھی مضر جانتے تھے۔ ان رسمول عرسوں وغیرہ کا ثبوت تو ان کی تحریروں وغیرہ میں کہیں بھی نہیں ملتا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہم کے ملفوظات فتوح الغیب اور مکتوبات دیکھنے سے ان بزرگوں کے مذہب اور روش کا پتہ ملتا ہے۔ (۲۳ نومبر ۱۹۱۷ء)

مسئلہ وحدت الوجود

اس صورت میں اس پر بحث کی جائے کہ قرآن و حدیث سے اس کا ثبوت دیا جائے۔ صحابہ کرام و من بعدہم کے زمانہ میں نہ تھا۔ اس کا مدعا بیان کرنے میں دو قول ہیں۔ ایک موافق شرع۔ دوسرا مخالف شرع۔ (۱) ساری دنیا کا وجود یعنی ہستی بخشنے والا ایک ہے۔ جس کا نام القیوم ہے (۲) دوسرے معنی میں موجودات بلحاظ اصل کے سب ایک ہیں ؎

در انجمن فرق نہاں خانہ جمع　　　باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

(۲ مارچ ۱۹۲۳ء)

(تشریح) میں کہتا ہوں یہ (مروجہ) تصوف جوگیوں اور سادھوؤں کا فلسفہ ہے۔ ہمہ اوست کا عقیدہ صریح کفر ہے یہ قرآن و حدیث کی تکذیب ہے۔ اس عقیدہ پر نہ اللہ تعالیٰ معبود رہتا ہے نہ خالق، نہ رازق، نہ عابد، نہ معبود۔ پھر نہ کچھ حلال نہ حرام۔ ایسے خیالات رکھنے والے اور پھر مسلمانی کا دم بھرنے والے حقیقت میں شیطان کے بندے ہیں۔ بے ایمان ہیں۔ یہ لوگ محض تقیہ اور نفاق کے طور پر شریعت کا دم بھرتے ہیں۔ رسمی طور پر نہ دل سے۔

وحدۃ الوجود اور اس کی تشریح

رسالہ "معارف" اعظم گڈھ میں مسئلہ وحدۃ الوجود لکھتے ہوئے راقم مضمون نے ایک فقرہ یہ بھی لکھ دیا کہ ہم نے مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق دریافت کیا تھا وحدۃ الوجود کے سوا چارہ نہیں۔

یہ جواب جن اصحاب کی نظر میں اہل حدیث کے مسلک سے اجنبی معلوم ہوا۔ انھوں نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ میں اپنے قصور علم اور مسلک تصوف سے علیحدگی کا مقر ہوں۔ میں نے مولٰنا محمود الحسن صاحب دیوبندی مرحوم سے سنا تھا۔ کہ یہ مسئلہ مزلۃ الاقدام ہے۔ اس لیے مجھے اس میں دخل دینے کی جرأت نہیں ہوتی مگر احباب کے اصرار سے جو کچھ میں نے سمجھا وہ عرض کرتا ہوں۔

وحدۃ الوجود کی دو تشریحیں ہیں ان دونوں میں وجود کے معنی قابل غور ہیں۔ وجود کے اصلی معنی ہیں مَا بِہِ الْمَوْجُودِیَۃ یعنی جس کی وجہ سے کوئی چیز موجود ہو جائے اس کی پہلی تشریح یہ ہے کہ جتنی اشیاء نظر آتی ہیں ان سب کا وجود یعنی ما بہ الموجودیت صرف ایک ہی چیز ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس اللہ سرہ نے اس کے متعلق ایک پُر معنی رباعی لکھی ہے ؎

لا آدم فی الکون ولا ابلیس　　لا ملک سلیمان ولا بلقیس

فالکل عبارۃ وانت المعنی　　یا من ھو للقلوب مقناطیس

شیخ ممدوح فرماتے ہیں کہ دنیا میں کسی چیز کی مستقل ہستی نہیں ہے۔ یہ سب تیری قدرت کے نشان ہیں اور تیری طرف توجہ دلانے والے ہیں۔ یہی مضمون ایک اردو شاعر نے یوں ادا کیا ہے

نظر آتا ہے جو کچھ نورِ وحدت کی تجلی ہے　　یہ نقشِ اہلِ بصیرت کے لئے وجہ تسلی ہے

اس تشریح کے مطابق وحدۃ الوجود کی مثال یہ ہے کہ کسی مکان کی کوٹھریوں میں مختلف رنگ کے شیشے لگا دئے جائیں۔ کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی سبز، کوئی سیاہ۔ ان کے پیچھے ایک لمپ رکھ دیا جائے تو باہر سے دیکھنے والا ان شیشوں کو مختلف رنگوں میں دیکھے گا۔ مگر باریک نظر والا لمپ کی وحدت کو ملحوظ رکھے گا۔ قرآن مجید بھی اس تشریح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ اللہ نور السموات والارض۔ اس تشریح کے مطابق وحدۃ الوجود کے معنی وحدۃ الموجد کے ہوں گے۔ جو بالکل ٹھیک ہے۔ مولانا سیالکوٹی کا مطلب غالباً یہی ہوگا۔ وحدۃ الوجود کی دوسری تشریح میں وحدۃ الموجودات لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ صوفیانہ رباعی اس تشریح کی یوں مظہر ہے ؎

در دلق گدا و در اطلس شاہ ہمہ اوست　　در منزل جاناں چو تو از خویش گذشتی[1]

در انجمن فرق نہاں خانہ جمع　　باللہ ہمہ اوست ثم باللہ ہمہ اوست

اس عقیدے کے صوفیاء کے نزدیک انجمن فرق سے مراد یہ دنیاوی امتیازات ہیں نہاں خانہ سے مراد وہ وحدت بحت ہے۔ جو ان امتیازات سے پہلے تھی۔ شاعر کہتا ہے اس انجمن دنیا میں بھی اور نہاں خانہ میں بھی وہی ایک ہے دوسرا کوئی نہیں۔ غالب مرحوم گو اس فن کے آدمی نہ تھے۔ مگر پھر بھی کچھ کہہ گئے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

؎ یہ مصرعہ یاد نہیں۔ کسی صاحب کو یاد ہو تو مطلع فرمائیں (اہل حدیث) ؎ تلاش کردہ قمر اعظمی۔

جب کہ تجھ بن یہاں نہیں کوئی پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

سکھوں کے گرو نانک جی کا بھی یہی عقیدہ تھا جو کہہ گئے ہیں ؎

آپے ٹھاکر آپے سیوک نانک جنت بیچارہ

یہ تشریح ایسی ہے کہ اس کو کوئی (مالک کیا) اہلِ شرع نہیں مان سکتا۔ بدقسمتی سے یہی تشریح زیادہ مشہور بھی ہو گئی ہے۔

قادیانی آواز مرزا صاحب قادیانی نے بھی ایک ٹریکٹ وحدۃ الوجود کے متعلق لکھا تھا اس میں آپ لکھتے ہیں کہ

وجودی ہر ذرہ کو خدا مانتا ہے۔ پھر بڑے مزے کی بات لکھتے ہیں کہ وجودی سے گفتگو کرتے ہوئے اس کو زور سے کاٹنا چاہیئے۔ اگر وہ سی کرے تو کہنا چاہیئے کیا خدا بھی "سی" کرتا ہے (کیا ہی عامیانہ طریق گفتگو ہے)

مقام حیرت حیدرآباد دکن سے ایک کتاب نکلی تھی جس میں وحدۃ الوجود بہ تشریح ثانی کی تائید کی گئی تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کو اس میں وحدۃ الوجود کے قائلین میں لکھا تھا۔ (یا للعجب)

اطلاع ناظرین کی آگاہی کے لئے میں بتاتا ہوں کہ اس مسئلہ کے متعلق حضرت مجدد صاحب سرہندی کا ایک مکتوب اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا بھی ایک عربی مکتوب شائع شدہ ہے۔ ناظرین اس سے مزید فائدہ اٹھائیں۔ مولانا حالیؒ نے اس کے متعلق ایک رباعی لکھی ہے۔ جو یہ ہے ؎

مسلم نے حرم میں راگ گایا تیرا ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

(اہلحدیث ۱۲ جولائی ۱۹۳۶ء)

اسلام اور صوفیاء کرام علی گڑھ کالج کے پروفیسر آرنلڈ (انگریز) نے سرسید احمد خان علی گڑھی کی فرمائش پر ایک کتاب لکھی تھی۔ جس کا نام "پریچنگ آف اسلام" تھا۔ اس کا ترجمہ بھی سرسید احمد نے اردو میں شائع کرایا

---

(۱) بہ سلسلہ بحث "بعض مسائل تصوف" ان مضامین کو یہاں جگہ دی گئی۔ راز

تھا۔ جس کا نام "دعوت اسلام" ہے۔ مصنف موصوف نے دنیا کے مختلف ممالک میں اسلام کی اشاعت کے ذرائع لکھے تھے۔ ان ذرائع میں ایک ذریعہ یہ بتایا تھا۔ کہ صوفیائے کرام کی وجہ سے اسلام کو بہت ترقی ہوئی۔ مثلاً راجپوتانہ میں اسلام کی اشاعت حضرت معین الدین چشتی رحمہ کے ذریعہ ہوئی۔ کشمیر میں حضرت علی ہمدانی رحمہ کے ذریعہ سے اسلام پھیلا۔ دہلی کے گرد و نواح میں حضرت نظام الدین رحمہ کا خاص اثر تھا۔ حضرت مجدد صاحب سرہندی رحمہ کی خدمت اسلام بھی خصوصاً قابل قدر ہے۔ رضی اللہ عنہم وارضاھم۔ ان بزرگان دین کی خدمت اسلام سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان بزرگوں کے حالات جو صحیح طور پر ہمیں پہنچے ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنے اپنے مسلک کے مطابق متبع سنت تھے۔ چنانچہ حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات کا مندرجہ ذیل فقرہ ممدوح کے مسلک کی خبر دیتا ہے آپ فرماتے ہیں۔

"بہترین مصقلہا برائے زدودن محبت غیر اللہ اتباع سنت است"

"یعنی سب سے بہترین آلہ خدا کی محبت پیدا کرنے اور غیر خدا کی محبت دل سے نکال دینے کا اتباع سنت ہے۔"

مگر ان حضرات کے مزارات پر بیٹھنے والے مجاوران کے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہیں جو مولانا روم مرحوم نے اس شعر میں بتائی ہے ؎

آں گدا گوید خدا از بہر ناں　　متقی گوید خدا از بہر جاں

(گداروٹی کے لئے اللہ اللہ کرتا ہے اور متقی خدا کے عذاب سے بچنے کے لئے خدا کی یاد کرتا ہے)

ہم بیّن طور پر آج یہ فرق دیکھ رہے ہیں۔ الخ۔ (ملخص) (یکم جمادی الاول ۱۳۶۲ھ)

حقیقی تصوف[1] پر ایک نامہ مبارکہ

از حضرت استاذ العلماء فخر المتاخرین مولینا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ بنام شاہ سلیمان رحمہ قادری چشتی پھلواری۔

---

[1] یہ سلسلہ بحث "بعض مسائل تصوف" ان مضامین کو یہاں جگہ دی گئی۔　　راز

"ہو المولیٰ الہادی الی الصراط المستقیم اے عزیز از محاسبہ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ اندیشہ کن و ہمچو أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بحظوظ نفسانی مباش، و سر در مراقبہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ فرو بر۔ و دیدۂ دل در مشاہدہ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ بکشائے و نظارہ کن و سکہ طلب استقامت خود در بوتہ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا و باتش يُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ بگداز و خالص کن تا شایان مہر لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا گردد و در بازار إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ او را ثمنے باشد۔ و بمال سرمایہ توانی کہ بضاعت دین خالص أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ حاصل کنی شاید رمزے از اسرار وَالْمُخْلِصُونَ عَلَى خَطَرٍ عَظِيمٍ بر تو کشاید و از لوامع انوار أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ شعاعے بر تو تابد۔ تا از حضیض قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ پائے ہمت بیرون نہی و بر اوج وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى عبور کنی و مبشر اقبال ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ بشارت چنیں وارساند أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ و رِضْوَانُ جَنَّتِ النَّعِيمِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ندا دہد كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ"

ترجمہ مکتوب مقدس

"وہی مولا صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔ اے عزیز فرمانِ الٰہی کے اس محاسبہ سے ڈرتا رہ وان تبدوا الخ (اور اگر تم اپنے دلوں کی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ تو اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرنے والا ہے) اور مانند أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ (اور وہی ہیں مانند چوپایوں کے) اپنے نفس کی خواہش میں مبتلا نہ رہ۔ اور فاذکرونی اذکرکم (تم ہمیں یاد کرو ہم تمہیں یاد کریں گے) کے مراقبہ میں غور کرو۔ اور دل کی آنکھ بمصداق وجوہ الخ مشاہدہ الٰہی کے نظارہ میں لگا دے اور اس کا نظارہ کر اور فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ الخ (موافق حکم الٰہی مستقیم ہو اور راہ حق میں جہاد) کے بوتہ میں استقامت و طلب صادق کے زر و جواہر کو رکھ اور آگ میں يُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ (خوف خدا سے اپنے نفسوں کو بچاؤ) کے اس طلب صادق کے زر کو پگھلا کر خالص کر لے تا کہ شایانِ مہر ہدایت لَنَهْدِيَنَّهُمْ

(تو ہم ان کو اپنی راہوں کی طرف ہدایت کر دیں گے) ہو جائے تاکہ وہ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی الخ (اللہ نے مومنین کی جانیں اور ان کے اموال جنت کے عوض خرید لئے ہیں) کے بازار میں کسی قیمت کے قابل ٹھہرے اور اس سرمایہ سے تو دین خالص کی پونجی بمصداق اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ (ہوشیار کہ خدا ہی کے لئے دین خالص ہے) حاصل کر سکے شاید اس طرح کی کوشش سے کوئی بھید اسرارِ الٰہیات سے تجھ پر کھل جائے۔ کیونکہ وَالۡمُخۡلِصُوۡنَ عَلٰی خَطَرٍ عَظِیۡمٍ (مخلص بڑے خطروں میں ہیں) اور اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ الخ کیا ایسا نہیں کہ جس کا سینہ اللہ کی جانب سے اسلام کے لئے کھل چکا ہے۔ پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور میں ہے) کے انوار میں سے کوئی شعاع تیرے اوپر چمکنے لگے تاکہ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ (فرما دیجئے کہ دنیا کی متاع ہیچ ہے) کی پستی سے نکل کر تو اپنی ہمت کا پیر باہر رکھ سکے اور وَالۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ وَّاَبۡقٰی (اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے) کی بلندی پر تو چڑھ جائے اور ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ الخ (یہ اللہ کا بڑا فضل ہے دیتا ہے جس کو چاہے) کی بشارت دینے والا۔ اقبال مندی کی یوں بشارت دے کر اَلَّا تَخَافُوۡا الخ (خبردار نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوش ہو اس جنت سے جس کا وعدہ دیا گیا ہے) اور جنت النعیم کے دربان (اللہ ان سے راضی ہو) ندا کریں کہ کلوا الخ کہ جی بھر کر کھاؤ اور پیو بدلے اس کے جو تم کرتے تھے[1]۔)

اہل حدیث امرتسر صفحہ ۱۶ رمضان ۱۳۵۱ھ جم

سوال: آپ نے تفسیر ثنائی میں فرمایا ہے کہ جنت میں دو زوجہ ملیں گی اور ستر حور والی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اگر دنیا میں ایک شخص کی یکے بعد دیگرے چار یا دس زوجہ ہو گئی ہیں تو ان کو کل ملنا چاہیئے یا صرف دو۔ اگر جنتی ہزار زوجہ کا طالب ہو تو ملیں گی یا نہیں۔ اگر نہیں تو لھم ما یشاؤن کا کیا مطلب ہے؟

جواب: جو عورت جس مومن کے نکاح میں مرے گی وہ اسی کو ملے گی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ اَنۡتُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ (پ۲۵ ع۱۲) تفسیر ثنائی

---

[1] مفتی مرحوم نے تبرکات آثار سلف کے طور پر اس نامۂ مبارک کو شائع کیا تھا۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اس کو فتاوی ثنائیہ میں جگہ دی گئی۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ (راز)

میں جہاں دو عورتوں کا ذکر لکھا ہے۔ اس سے مراد ایک دنیا کی عورت اور ایک جنت کی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: زَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ط ایک بیوی والے کے لیے ہے۔ ہر ایک کے لیے نہیں۔ جنتی جو خواہش کرے اس کو ویسا ہی ملے گا۔ العلم عند اللہ

اہل حدیث جلد ۴۰ نمبر ۲۵

شرفیہ قول باری تعالیٰ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ الآیۃ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس مومن کی ازواج اس کے نکاح میں مری ہیں۔ اگر وہ بھی جنت میں جائیں گی تو اس کو ملیں گی جتنی بھی ہوں گی تعداد کی کوئی شرط نہیں یہ چار کی تعداد صرف دنیا میں ہے اور حدیث نبوی لکل امرئ منهم زوجتان من الحور العين يرى مخ سوقهن من وراء العظم من الحسن. متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۶ - یہ علاوہ ان دنیاوی ازواج کے ہوں گی۔ جن کی یہ صفت بیان کی گئی ہے۔ بظاہر تو یہ حوریں جنت کی مخلوق سے معلوم ہوتی ہیں مولانا مرحوم کی توجیہ بھی ممکن ہے ایسے ہی لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ (پ ۲۶ ع ۱۶) کا انعام ملا ہے۔

سوال: جس نے اپنی اولاد کو قرآن شریف پڑھایا۔ اس کو آخرت میں ایسی ٹوپی ملے گی جس کی روشنی سورج سے بہت گنا ہوگی۔ تو کیا تاج والے کا جسم یا بدن بھی سورج سے زیادہ روشن ہوگا اور جس نے قرآن کا درس دیا ان کو بھی ملے گا یا نہیں! سائل مذکور

جواب: حدیث کے الفاظ میں تاج کی روشنی کا ذکر ہے۔ بدن کی روشنی کا نہیں۔ لہٰذا یہ غیر ثابت ہے۔ درس دینے والے کا ذکر بھی حدیث شریف میں نہیں ہے۔ امید ہے کہ اس کو بھی ملے گا۔

اہل حدیث جلد ۴۰ ع ۲۵

یہ حدیث مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۸۶ باب فضائل القرآن فصل ثانی میں معاذ جہنی کی روایت سے مروی ہے)

سوال: کیا جنتی جنت میں صرف ایک مرتبہ ایک گلاس شربت پینے سے پچاس ہزار برس سیر رہے گا۔ اور اُن کو بالکل بھوک و پیاس نہیں لگے گی اور پچاس ہزار کا برس دنیا کے مقدار برس ہوگا یا کم یا زیادہ۔

سائل مذکور

جواب: یہ شربت کا گلاس جو ملے گا وہ میدان حشر میں ملے گا جس کا اثر میدان حشر تک ہوگا۔ جنت میں جنتی خوب کھائیں پئیں گے۔ ارشاد ہوگا۔ كُلُوا وَاشْرَبُوا

هَنِيْئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ط

جلد ۲۸ ع ۳۵

سوال: زید کہتا ہے کہ ایک دن سب کو فنا ہے۔ زمین و آسمان، جنت و دوزخ، انسان ولی نبی سب فنا ہوں گے اور آیت کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جنت و دوزخ ابدی ہیں ان کو فنا نہیں اور مشرک کبھی نہیں بخشا جائے گا۔ کس کا قول صحیح ہے۔

نیاز احمد تیواڑی المورہ

جواب: زمین و آسمان کے متعلق یوں ارشاد ہے۔ اِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا۔ یعنی ہم زمین کو چٹیل میدان کر دیں گے۔ (لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَا اَمْتًا) اس میں اونچائی اور نیچائی نہیں دیکھو گے۔ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ) جب کہ یہ زمین بدل کر اور طرح کی زمین کر دی جائے گی اور علی ہذا القیاس آسمان کے متعلق ارشاد ہے۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔ جب آسمان اپنے رب کے حکم سے پھٹ جائے گا۔ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ۔ اور آسمان پھٹ جائے گا۔ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین و آسمان میں کچھ تبدیلیاں ہوں گی بالکلیہ فنا نہیں ہوں گے۔ سوال میں مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کا ترجمہ مرقوم ہے جو قرآن مجید کی آیت ہے۔ یعنی جو اشخاص اور چیزیں زمین پر ہیں۔ ان سب کو فنا کر کے زمین صَعِيْدًا جُرُزًا کر دی جائے گی۔ مشرک کے متعلق جمہور کا یہی مذہب ہے کہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا مگر بعض صحابہ اور بعض ائمہ ہدیٰ و شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیم وغیرہما کی تحقیق ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جہنم خالی ہو جائے گی۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ۔

اہل حدیث ۱۳ رجب ۱۳۶۲ھ

سوال: کیا جنتی جنت میں ہمیشہ رہے گا۔ جب تک خدا کی خدائی رہے گی یا آخر میں چل کر کبھی معدوم ہو جائے گا۔ زید کہتا ہے خدا کی خدائی جب تک رہے گی۔ تب تک جنتی کا جنت میں رہنا غیر ممکن ہے جیسا کہ پارہ عم میں سورہ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ میں مذکور ہے کہ کافر اور مشرک ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اور آپ نے ۱۶ جولائی ۱۹۴۳ء کے پرچہ میں فتویٰ پر جواب لکھا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جہنم خالی ہو جائے گی۔ جب کہ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ہے .... ایسا ہی جنت بھی شاید ایک دن خالی ہو جائے گی۔ چونکہ جنت کے بارے میں کیا جہنم بھی اٹھا دی جائے گی۔

خَالِدِیْنَ فِیْھَا آیت ہے۔ قرآن و حدیث صحیح سے جواب دیں۔ خدا اجر عظیم دے گا۔
جواب: جنت اور جہنم میں فرق ہے۔ یہ فرق دراصل قرآن مجید کی آیتوں میں صاف ملتا ہے۔ جہنمیوں کی بابت ارشاد ہے۔ خَالِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۝ جنتیوں کی بابت آیا ہے خَالِدِیْنَ فِیْھَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ ط عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۝ (سورۂ ہود) پہلی آیت سے بعض علماء نے سمجھا ہے کہ جہنم کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ صحابہؓ میں سے اس کے قائل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اور متاخرین علماء میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ اور ان کے اتباع ہیں۔ دوسری آیت میں جنتیوں کے غیر مجذوذ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جنتیوں کی عطاء غیر منقطع (دائمی) ہوگی۔ اس لئے جنت اور دوزخ میں فرق ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ۔ (اہل حدیث جلد ۴۸ ص ۲۴)

تنقید از حضرت علامہ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ یہ آیت قرآن میں بہت جگہ آئی ہے اور فرمایا وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ اور حدیث ابن عمرؓ میں فرمایا ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں اور اہل نار نار میں داخل ہو چکیں گے تو ایک موذن درمیان ان کے اذان دے گا۔ کہ یا اھل الجنۃ لا موت ویا اھل النار لا موت کل خالد فیما ھو فیہ رواہ الشیخان۔ اور حدیث ابو سعید خدری میں ذکر موت کے ذبح کرنے کا درمیان جنت اور نار کے آیا ہے۔ پھر یہ کہہ دیا جائے گا۔ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ خُلُوْدٌ وَّلَا مَوْتَ وَیَا اَھْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ وَّلَا مَوْتَ۔ رواہ الشیخان۔ اس باب میں کئی حدیثیں نزدیک ترمذی وحاکم و ابن ماجہ کے آئی ہیں۔ اور صحت کو پہنچی ہیں۔ غرض کہ قرآن و حدیث دونوں کی دلیلوں سے خلود اہل دارین کا ابد الآباد تک بخوبی ثابت ہے اور اہل سنت و جماعت نے اس بات پر اجماع اور اتفاق کیا ہے۔ کہ نہ عذاب کفار کا منقطع ہوگا اور نہ نعیم اہل جنت کو انقطاع ہوگا۔ ہاں جہمیہ فنا جنت و نار کے قائل ہیں اور اس مسئلہ میں سات قول ہیں جن کا ذکر اصل رسالہ میں موجود ہے جو عربی ہے اور جس کا نام یقظۃ اولی الاعتبار مما ورد فی النار و اصحاب النار ہے)

لیکن بعض صحابہؓ اور تابعین نے یہ کہا ہے کہ جنت غیر منقطع ہے اور نار ایک دن فانی ہو کر عذاب نار کا زائل ہو جائے گا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور اُن کے شاگرد امام ابن القیمؒ بھی اسی طرف مائل ہیں۔ مگر یہ قول ان کا شاذ و فاذ ہے۔ ہم ان سے اس مسئلہ میں موافقت نہیں کرتے ہیں۔ ابن القیمؒ نے بجاوید بیس وجہ سے اس مسئلہ کو راجح کہا ہے۔ یہ لوگ اگرچہ اسلام میں کبراء ائمہ ہیں لیکن حق اکبر تر ہے۔ یہ قول ظاہر کتاب و سنت کے خلاف ہے کوئی حاجت صرف نصوص ظاہرہ کی ان کے ظواہر الفاظ و واضحات معانی سے اس جگہ نہیں ہے۔ شیخ مرعی کرمی حنبلی نے اس باب میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ توفیق الفریقین علی الخلود اہل الدارین۔ اور اس باب میں ایک رسالہ سید محمد بن اسماعیل امیریمنی کا اور ایک رسالہ امام ربانی قاضی محمد بن علی شوکانی کا بھی ہے۔ حاصل ان رسائل کا یہ ہے کہ جنت و نار دائما باقی رہیں گے۔ اور اہل جنت و نار ہمیشہ ان میں خالد و مخلد ہوں گے۔ کسی کو فنا نہ ہو گی۔ یہی حق ہے اور کتاب و سنت و اجماع ائمہ و امت بھی اسی پر دلیل ہے۔ قرطبی نے کہا ہے۔ علماء اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ اہل نار مخلد ہوں گے۔ کبھی اس سے باہر نہ نکلیں گے جیسے ابلیس و فرعون و ہامان و قارون اور ہر کافر متکبر اور طاغی متجبر، متمرد کے لیے نار جہنم متعین ہے۔ یہ اس آگ میں نہ مریں گے نہ جئیں گے۔ اللہ نے ان سے وعدہ عذاب الیم کا کیا ہے۔ قَالَ عَزَّ وَجَلَّ: كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۝ نیز اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ نار میں کوئی مومن باقی نہیں رہے گا۔ خلود واسطے کافر جاحد کے ہے۔ اس جگہ بعض علماء سے لغزش ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک دن ہر کافر مبطل شیطان بھی آگ سے خارج ہو کر جنت میں جلئے گا۔ اور یہ بات عقلاً جائز ہے کہ صفت غضب کی منقطع ہو جائے۔ سو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ اس طرح عقلاً یہ بھی جائز ہے کہ صفت رحمت کی منقطع ہو جائے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انبیاء و اولیاء معاذ اللہ معذب فی النار ہوں۔ اور یہ عقیدہ فاسد و مردود ہے اس لیے کہ اللہ جو سب سچوں کا سچا ہے اور اس کا وعدہ سب سے زیادہ پکا اس نے حق میں اہل جنت کے یوں فرمایا ہے عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ اور فرمایا ہے لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ۔ یعنی غیر مقطوع اور فرمایا ہے لَهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۝ اور کفار کے حق میں کہا ہے۔ لَا يَدْخُلُوْنَ

الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ اور فرمایا ہے۔ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۔ اور یہ ادلہ واضحہ ہیں۔ عقول کو اس جگہ کچھ دخل نہیں ہے اس اعتقاد کی جڑ تو پہلے ہی اجماع و نقول سے کٹ گئی ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۔ انتہی۔ میں کہتا ہوں کہ شاید مراد قرطبی کی اس جگہ امثال شیخ ابن عربی ہیں۔ اس لئے کہ ان کے اتباع اسی طرف گئے ہیں۔ غالباً ان حضرات کی نظر میں جانب رحمت وسبق کرم کی راجح ٹھیری ہے۔

بخاری میں رفعاً آیا ہے۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ یا بنیاد اس قول کی اس بات پر ہے۔ کہ وعید میں خُلف جائز ہے اور وعد میں ناجائز۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ظاہر نظم قرآنی اور واضح نص سُنّی اس خلود اہل دارین پر جنت و نار میں دلیل ہے۔ اور یہی حق ہے۔ مطابق ادلہ شرعیہ صحیحہ مجمع علیہا کے بلکہ خود شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے ایک سوال کے جواب میں یہ لکھا ہے۔ قد دلت الادلة على بقاء الجنة والنار واهلهما۔ بالجملہ جنت و نار و لوح و قلم و عرش و کرسی و حور و قصور کو بوقت نفخ صور کے فنا نہ ہوگی۔ اس لئے کہ یہ واسطے بقاء کے پیدا کیے گئے ہیں۔ یہ تو ابدالاباد تک بلا انقطاع مع اہالی و موالی خود باقی و خالد رہیں گے۔

فقط از حضرت والاجاہ جناب العلامہ نواب صدیق حسن خان والی بھوپال رحمۃ اللہ علیہ۔ در کتاب نذیر العریان ... ص۱۰۱ مطبوعہ مفید عام آگرہ سنہ ۱۳۰۲ھ

سوال: بعض لوگ پیغمبر کی یا اماموں یا اولیاؤں کی یا اپنے پیروں کی تصویروں کی تعظیم کرتے اور اپنے پاس باعث برکت سمجھ کر رکھتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا شریعت کے خلاف نہیں ہے؟

محمد مسیح الزمان عظیم آبادی

جواب: تصویروں کا برکت کے لیے پاس رکھنا کسی طرح جائز نہیں۔ حدیثوں میں اس سے سخت منع آیا ہے۔ اگر یہ چیز جائز ہوتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر جو خانہ کعبہ میں رکھی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ اپنے ہاتھ سے نہ گراتے۔ اللہ اعلم!

اہل حدیث جلد ۴۱ ع۱۲

سوال: اگر کوئی سخت بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی صحت کے لئے یہ خیال کرکے کہ جان کے بدلہ میں ایک جان صدقہ کرنی چاہیئے چنانچہ ایک بکرا یا بھیڑ ذبح کرکے غربار

کو تقسیم کر دیا کرتے ہیں۔ ایسا فعل شرعاً جائز ہو سکتا ہے؟ **ایک خریدار اہل حدیث**

جواب: جان کے بدلے جان دینی بدعت سیئہ ہے بلکہ قریب کفر ہے۔ جس جان کا وقت آتا ہے وہی جاتی ہے۔ **اہل حدیث جلد ۴۳ ہم ۲۷**

سوال: اخبار اہل حدیث کے سابقہ پرچوں میں یہ سوال ہوا تھا کہ زلیخا کا عقد یوسف علیہ السلام سے ہوا تھا یا نہیں۔ آپ نے نفی میں جواب لکھا تھا حالانکہ تفسیر احسن التفاسیر میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۴۹

محمد عثمان خان جنرل مرچنٹ از محبوب نگر۔ حیدر آباد

جواب: نکاح کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ بائبل میں اس کے خلاف ہے۔ حضرت یوسف ع کا نکاح کسی اور جگہ ہوا تھا۔ قاضی سلیمان رح نے تفسیر سورۂ یوسف میں نکاح کا انکار کیا ہے۔ اللہ اعلم! **اہل حدیث جلد ۴۳ ہم ۳۶**

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کے متعلق کیا کوئی روایت قوی یا ضعیف موجود ہے؟ **ایم عبد اللہ**

جواب: مجھے اس کے متعلق کوئی حدیث معلوم نہیں۔ کسی صاحب کو معلوم ہو تو مجھے بھی مطلع کریں۔ مشکور ہوں گا۔ **اہل حدیث جلد ۴۳ ہم ۳۳**

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی کوئی حدیث ثابت نہیں۔ بعض کا قول یا غلط روایت ہے۔

سوال: زید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نفس کو بقدر ظرف کے روحانیت سے سرشار کیا۔ یعنی جس قدر کسی کی استعداد تھی۔ اسی قدر اسرار و رموز کا انکشاف کیا۔ لہٰذا بعض باتیں آپ نے صرف خواص کو بتائیں۔ اور وہ ضبط تحریر میں نہیں ہیں۔ صرف سینہ بسینہ چلی آتی ہیں۔ کیا حضور نے فرق مراتب کو ملحوظ رکھا ہے۔ **ایم عبد اللہ چھنیانوالہ**

جواب: تبلیغ سب احکام کی فرمائی ہے۔ کچھ چھپا کر نہیں رکھا۔ اور یہی مقصد حکم خداوندی کا ہے۔ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔ باقی حدیثوں کے متعلق مجھے صحیح علم نہیں۔ **اہل حدیث جلد ۴۳ ہم ۳۲**

تشریح: جواب صحیح ہے کہ جب نص قرآنی ہے۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ الآیۃ (پ ۶ع)

اور یہ بھی فرمایا ہے۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ الآیۃ (پ۲۸۔ ع۹) تو یہاں بھی لفظ عام ہے اور کتاب اور حکمت بھی امیوں کے لئے تھی تو پھر تخصیص ترجیح صحیح نہیں۔ لہٰذا عقیدہ مذکورہ بالا قطعاً باطل ہے۔ ہاں استعداد ہر شخص کی الگ ہے کہ ہر ایک کی سمجھ اور حافظہ یکساں نہیں۔ کسی نے کم یاد رکھا یا سمجھا۔ کسی نے زائد۔

سوال: قانونِ فطرت کا متبع خدا کی وحدانیت کا قائل اور اس کی ہستی کا مقر۔ برگزیدہ مردان ایزدی کا معترف محض اس بنا پر کہ وہ اپنا طریقہ عبادت طریق اسلامیہ سے جدا رکھتا ہے۔ مشرک کافر دوزخی کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ (ثناء اللہ پریو انڈین پور)

جواب: قرآن مجید کا منکر دو طرح سے ہے۔ ایک اس کو منزل من اللہ نہ جاننے والا دوسرا اپنے حق میں واجب العمل نہ جاننے والا۔ یہ دونوں کافر ہیں۔ (اہل حدیث جلد ۳۰ ص ۲۴)

قرآن کریم کے متعلق مغربی دنیا کی رائے

از محمد عنایت اللہ مالک آل انڈیا نمک لاانظیر کمپنی متوطن رامایڈی نظام دکن

قرآن عالم اسلامی کا ایک مشترکہ قانون ہے جو معاشرتی، ملکی، تجارتی، فوجی، عدالتی، تعزیری معاملات پر حاوی مذہبی ضابطہ جس نے ہر چیز کو باقاعدہ بنایا۔ مذہبی رسوم سے لے کر حیات روزمرہ کے افعال روحانی نجات سے جسمانی صحت۔ اجتماعی حقوق سے انفرادی حقوق، شرافت سے دنائت اور دنیاوی سزا سے لے کر اخروی عقوبت تک تمام امور کو ایک ضابطہ میں منسلک کر دیا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر انسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل فرمایا۔ تمام مذاہبِ عالم میں ایسا مکمل دستور العمل ہونے کا فخر اسلام اور صرف اسلام ہی کو حاصل ہے۔ جس پر ستر کروڑ انسان فخر کر رہے ہیں۔ مغرب کے نامور علماء کی ایک بڑی جماعت اسلام کو دنیا کا سب سے برگزیدہ اور مکمل مذہب مانتی ہے۔ اور جس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ ان میں سے چند مستشرقین کے خیالات جو بجائے خود ایک ضخیم کتاب کی صورت ہو گی۔ اس لئے بہ اختصار درج کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر موریس جو فرانس کے مشہور ماہر علوم عربیہ ہیں جنھوں نے بحکم گورنمنٹ فرانس قرآن کریم

کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا۔ اپنے ایک مضمون میں جو "لا بار ول فرانس رومان" میں شائع ہوا تھا۔ ایک اور فرانسیسی مترجم قرآن موسیو سالان رینباش کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب (قرآن) تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کے آگے سارے جہان کے بڑے بڑے انشا پرداز و شاعر سر جھکا دیتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو تنقید الکلام مصنفہ سید امیر علی باب (۱۷) روم کے عیسائیوں کو جو کہ ضلالت کی خندق میں گر پڑے تھے کوئی چیز نہیں نکال سکتی تھی بجز اُس آواز کے جو غارِ حرا سے نکلی۔

پروفیسر اڈوائر مونتے | اپنی تالیف "اشاعت مذہب عیسوی اور اس کے مخالف مسلمان" (صفحہ ۱۸ پیرس ۱۸۹۰ء) میں لکھتے ہیں "حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب تمام کا تمام ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے۔ جو معقولیت کے امور مسلّمہ پر مبنی ہے۔ اور یہ وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید ایسی پاکیزگی اور جلال جبروت کمال تیقن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

ریورنڈ آر۔ بکسوئل کنگ | اپنی تقریر "دین اسلام" میں جو ۱۷ جنوری ۱۹۱۵ء کو قدیم پر لیبا ٹیرین چرچ نیوبارڈز میں کی گئی۔ فرماتے ہیں۔

"اسلام کی آسمانی کتاب قرآن ہے۔ اس میں نہ صرف مذہب اسلام کے اصول و قوانین درج ہیں۔ بلکہ اخلاق کی تعلیم روزمرہ کے متعلق ہدایات اور قانون ہے۔ اگر کہا جاتا ہے کہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصنیف سب توریت و انجیل سے لیا گیا ہے۔ مگر میرا ایمان ہے کہ اگر الہامی دنیا میں الہام کوئی شے ہے اور الہام کا وجود مکمل ہے تو قرآن شریف ضرور الہامی کتاب ہے۔ بلحاظ اصولِ اسلام مسلمانوں کو عیسائیوں پر فوقیت ہے۔

موسیو اوجین کلاقل | نامور فرانسیسی مستشرق ہیں۔ جنھوں نے مسلمانوں اور یہودیوں عیسائیوں کے مذہب کی تحقیق میں عمر صرف کر دی۔ ۱۹۰۱ء کے فرانسیسی اخبارات میں مضمون شائع کرتے ہیں کہ قرآن مذہبی قواعد و احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ ایک عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام پیش کرتا ہے۔

کونٹ ہنری دی کاستری | اپنی کتاب "اسلام" جس کا ترجمہ مصر کے

مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں شائع کیا لکھتے ہیں: کہ عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل امی تھے۔ تمام مشرق نے اقرار کیا کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے جو تاحال ایک ایسا مہتمم بالشان راز چلا آتا ہے کہ اس طلسم کو توڑنا انسانی طاقت سے باہر ہے

انگلستان کا نامور مورخ: ڈاکٹر گبن اپنی تصنیف "انحطاط و زوال سلطنت روما" کی جلد ۵ باب ۵۰ میں لکھتے ہیں:- قرآن کی نسبت بحر اطلانتک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ وہ شریعت ہے اور ایسے دانشمندانہ اصول اور عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی:

مسٹر مارماڈیوک پکھتال نے "اسلام اینڈ ماڈرنزم" پر لندن میں تقریر کرتے ہوئے بیان کیا۔ کہ وہ قوانین جو قرآن میں درج ہیں۔ اور جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سکھائے۔ وہی اخلاقی قوانین کا کام دے سکتے ہیں۔ اور اس کتاب کی سی کوئی اور کتاب صفحہ عالم پر موجود نہیں ہے" گذشتہ چند سالوں میں مسلمانوں نے کسی شیخ الاسلام یا مجتہد کے فتوے کی اندھی تقلید میں قرآن کے اصلی مدعا کو خبط کر دیا ہے۔ حالانکہ اس قسم کے تمامی امور کو قرآن نے بہت مذموم قرار دیا ہے۔" (شیدایان تقلید و مقلد مولوی صاحبان غور کرو۔ دیکھو کہ "کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا؟")

الکس لوازون: فرانسیسی فلاسفر اپنی کتاب "لائف آف محمد" میں لکھتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (جو فصاحت و بلاغت شریعت کا دستور العمل دنیا کے سامنے پیش کیا یہ وہ مقدس کتاب (قرآن) ہے۔ جو اس وقت تمام دنیا کے ⅓ حصہ میں معتبر اور مسلم سمجھی جاتی ہے۔ جدید علمی انکشافات میں جن کو ہم نے بزور علم حل کیا ہے یا ہنوز وہ زیر تحقیق ہیں وہ تمام علوم اسلام و قرآن میں سب کچھ پہلے ہی سے پوری طرح موجود ہیں۔

موسیو سیدلو: فرانسیسی خلاصہ تاریخ عرب صفحہ ۵۹ و ۶۳ و ۶۴ میں لکھتے ہیں" اسلام بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں۔ ان کو تاریک ضمیر بتلاتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ ہم بزور دعوے کرتے ہیں کہ

کہ قرآن میں تمام آداب و اصول حکمت فلسفہ موجود ہیں۔

موسیو گاسٹن کار نامور فرنچ مستشرق کے مضمون کا ترجمہ اُمّی زمانہ کے بیروت کے مشہور اخبار "البلاغ" ۱۲ صفر ۱۳۳۲ھ نے شائع کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "اسلام حقیقت میں ایک طرح کا اجتماعی مذہب ہے۔ جس کو دنیا کی ۱/۲ حصہ آبادی نے حق تسلیم کر لیا ہے۔ اس علاقہ مذہب کے قانون (قرآن) میں وہ تمام فوائد و مصالح موجود ہیں جن سے زمانہ حال کا تمدن بنا ہے۔ اسلام ہی نے دنیا کی عمرانی ترقی کے لئے ہر قسم کے ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے۔ اگرچہ کوئی ہم سے اعتراف نہ کرے۔ مگر امر واقعہ یہی ہے" اور سوال کرتا ہے کہ "روئے زمین سے اگر اسلام مٹ گیا، مسلمان نیست و نابود ہو گئے۔ قرآن کی حکومت جاتی رہی تو کیا دنیا میں امن قائم رہ سکے گا" پھر خود ہی جواب دیتا ہے "ہرگز نہیں"

نامور جرمن فاضل اور مستشرق جوابیمر ڈی لوُلف، جرمن کے رسالہ "دی ہالف" بابت ۱۹۱۲ء میں "اسلام اور حفظ صحت" پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کو حفظ صحت کے اعتبار سے ساری دنیا کی آسمانی کتابوں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ اسلام نے صفائی طہارت اور پاکبازی کے صاف صریح ہدایات نافذ کر کے جراثیم ہلاکت کو مہلک صدمہ پہنچایا ہے"

محقق عمانوئیں ڈی اش (اسرائیلی) کوارٹرلی ریویو جلد ۲۱۷ نمبر ۴۲۵ میں زیر عنوان "اسلام" تحریر فرماتے ہیں "یہی عرب لوگ (قرآن کی مدد سے) یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھانے آئے۔ جنھوں نے یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کیا۔ اور مغرب و مشرق کو فلسفہ طب اور ہیئت اور دلچسپ فن سکھانے کے لئے آئے۔ اور علوم جدیدہ کے بانی ہوئے۔

پروفیسر ٹی ڈبلیو۔ آرنلڈ اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" صفحہ ۲۷۹ و ۲۸۱ میں لکھتے ہیں۔

"مدارس میں قرآن کی تعلیم دی جائے تو کچھ کم ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ افریقہ کو ایک یہ بھی فائدہ ہوا کہ بجائے اپنی رائے سے حکومت کرنے کے انتظام سلطنت کے لئے ایک ضابطہ اور دستور العمل مل گیا۔ مسلمانوں کی تاثیر اور طرز اسلام سے، افریقہ کے ملک میں لاتنے

بڑے بڑے شہر قائم ہو گئے۔ کہ یورپ کو اولاً ان باتوں کا یقین نہ آیا۔

مسٹر ایچ ایس لیڈر بعنوان "عربوں کا احسان تمدن پر" اور نٹیل سرکل لندن میں فرماتے ہیں کہ قرآن حدیث کی تعلیم دینی و دنیوی ترقیوں کا سرچشمہ ہے۔ عرب بحیثیت فاتح قوم امن و ترقی بخش قوم کی شان اختیار کرنے لگے تو اس کے لئے قرآن و حدیث کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔

مسٹر ای ڈی ماریل نے ۱۹۱۲ء میں رائل سوکا آف آرٹس میں ایک لیکچر شمالی نائیجیریا پر دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن نے نظام تہذیب و تمدن پیدا کیا۔ شائستگی کی روح پھونکی سول گورنمنٹ کا نظام اور حدود عدالت کے قیام میں (اسلام) بڑا معاون ثابت ہوا ہے۔ جہاں ابھی تک اسلام کی روشنی نہیں پہنچی لوگوں کے فائدہ کے بہت ضروری ہے کہ حکومت برطانیہ اس کو (اسلام) قائم رکھ کر اس کو مضبوط اور طاقتور بنانے کی کوشش کرے۔

جان جاک ولیک مشہور فلاسفر جرمنی نے مقامات حریری، تاریخ ابوالفدا اور معلقہ طرفہ عربی تصانیف کا لاطینی میں ترجمہ کیا ہے اور ان پر حواشی لکھے ہیں۔ لکھتا ہے کہ تھوڑی عربی جاننے والے قرآن کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ اگر وہ خوش نصیبی سے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معجز نما قوت بیان سے تشریح سنتے تو یقیناً یہ شخص بے ساختہ سجدہ میں گر پڑتے اور سب سے پہلی آواز ان کے منہ سے یہ نکلتی کہ پیارے نبی پیارے رسول خدا ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے اور ہمیں اپنے پیرؤوں میں شامل کر کے عزت اور شرف دینے میں دریغ نہ فرمایئے۔

لندن کا مشہور ہفتہ وار اخبار "نیر الیسٹ" ۱۲ اپریل ۱۹۲۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے قرآن کی حسن و خوبی سے جن کو انکار ہے وہ عقل و دانش سے بیگانہ ہے۔

ایک عیسائی فاضل داؤد آفندی محاعص نے بیروت کے مسیحی اخبار "الوطن" ۱۹۱۱ء میں دنیا کا سب سے بڑا ہیرو کون ہے؟ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"جب کوئی مسلمان قرآن و حدیث کا یکسوئی سے مطالعہ کرے یا اس پر تدبر کی نظر ڈالے

تو اُن میں دین و دُنیا کے فلاح وبہبودی کے تمامی اسباب پائے گا۔

مشہور مسیحی پادری[19] "دین و سینٹلی" نے "مشرقی کلیسا" کے ص۲۷۹ میں لکھا ہے۔ "قرآن کا قانون بے شبہ بائبل کے قانون سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا ہے"۔

مسٹر رچرڈسن[20] نے "قانون ازالہ غلامی انڈیا کونسل میں پیش کرتے وقت سنہ۱۸۱۸ء میں فرمایا۔ غلامی کی مکروہ رسم کے اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندو شاستر قرآن سے بدل دیا جائے۔

کرنل انگرسال امریکہ[21] کے ایک مشہور دہریہ ہیں۔ جن کو اسلام اور عیسائیت تو کجا دُنیا کے کسی مذہب سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے اس فہرست میں اُن کو خاص طور پر شریک کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہندسے کا رواج۔ الجبرا، علم المثلثات کے گُر، علم پیمائش، ستاروں کے نقشے۔ زمین کا حجم۔ اعوجاج طلوق شمس، سال کی صحیح مدت۔ آلاتِ ہیئت وغیرہ مختلف قسم کے کلاک۔ علم الکیمیا، علم المائعات علم المناظر وغیرہ جنھوں نے اس قدر ایجادات واختراعات کیں۔ اور علوم وفنون کو اس قدر نشو ونما دی وہ عیسائی نہ تھے ہم کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ موجودہ سائنس کا سنگِ بنیاد پیروان اسلام ہی کو رکھنے کا فخر حاصل ہے جو کسی مفید کام کے لئے عیسائیت یا کلیسا کے منت پذیر نہیں ہیں۔

ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ[22] کے مصنف اور مشہور مستشرق جناب ایس پی اسکاٹ لکھتے ہیں۔

"ہم کو چاہیئے کہ اس غیر معمولی مذہب (اسلام) کی سرعت ترقی اور اس کے دوامی اثرات کی قدر کریں کہ جو ہر جگہ امن وامان۔ دولت وحشمت فرح وسرور اپنے ساتھ لے گیا۔

مشہور فرانسیسی مورخ والٹیر[23] تہذیب اسلام پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے پادریو! راہبو! اور مجاورو! اگر تم کو ماہ جولائی میں (جب کہ رمضان المبارک کا مہینہ اُس مہینہ میں آئے) ۴ بجے صبح سے ۱۰ بجے شب تک آپ پر کھانے پینے کی ممانعت کا قانون عاید کر دیا جائے۔ کسی قسم کی

قمار بازی ہو سب سے منع کر دیا جائے۔ شراب حرام کر دی جائے تپتے ہوئے صحراؤں سے گزر کر حج کو جانے کے لئے کہا جائے۔ اپنی آمدنی کا ۲½ فیصدی حصہ محتاجوں میں تقسیم کر دیں۔ اگر آپ ۱۸ عورتوں کی رفاقت کا لطف اٹھاتے ہوں اور ان میں سے ۱۴ کو یک لخت کم کر دی جائیں تو کیا آپ ایمانداری سے یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں؟ کہ ایسا مذہب عیش پرست ہے میں پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جاہل، ضعیف العقل ہیں جو مذہب اسلام پر اتہامات و الزام عائد کرتے ہیں۔ یہ سب بیجا اور صداقت سے مُعرّا ہیں۔

بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو[۲۴] ان سے کون ناواقف ہے۔ مسجد ورکنگ میں جماعت مسلمین کے روبرو ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء میں تقریر کرتے ہوئے کہا (از اسلامک ریویو جنوری ۱۹۲۰ء) "قرآن کریم غیر مسلموں سے رواداری کا برتاؤ سکھاتا ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کم و بیش ایثار علی النفس کی تعلیم دیتے ہیں مگر اسلام اس باب میں سب سے آگے ہے۔ بنی نوع انسان کی خدمت تعلیم اسلام کا سرمایۂ ناز ہے۔ اسی لئے اسلام نے تمام عالمگیر اخوت کا اصول دنیا کے روبرو پیش کیا ہے۔ دنیا اس اصول کی پیروی کرنے سے خوشحال ہو سکتی ہے

مہاتما گاندھی[۲۵] اپنے مضمون میں جو (خدا ایک ہے) کے موضوع سے آپ ہی کے اخبار "ینگ انڈیا" میں شائع ہوا فرماتے ہیں کہ مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہے۔ ہندو مسلم اتحاد اور موپلوں کے بلوہ پر گاندھی جی نے ایک مضمون اپنے اخبار میں لکھا کہ پیغمبر اسلام کی تمام زندگی کے واقعات مذہب میں کسی سختی کو روا رکھنے کی مخالفت سے لبریز ہیں جہاں تک مجھ کو علم ہے کسی مسلمان نے آج تک زبردستی مسلمان بنانے کو پسند نہیں کیا۔ اسلام اگر اپنی اشاعت کے لئے قوت اور زبردستی کو استعمال کرے گا تو تمام دنیا کا مذہب باقی نہ رہ جائے گا یہ ہے وہ اسلام" ماخوذ از پیام امن۔

آج کل جو محض ضد اور اندھی تقلید اور زعم باطل کی وجہ سے انصاف سے ہٹ کر مقدس برگزیدہ اسلام پر جا و بیجا الزام تراشنے میں جو مشغول ہیں۔ ان کو چاہئے کہ میدانِ علم میں آنکھ کھولیں اور دیکھیں کہ مشاہیر عالم کے آراء کیا ہیں؟ اور خود اپنے

ہاں کے نامور اہلِ قلم چندر پال، مسٹر بھوپندر ناتھ باسو اسلام کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں۔ دورِ حاضرہ کی عالمگیر شخصیت کا انسان مہاتما گاندھی کے زرین ارشاد کو بہ نظر غائر دیکھو کہ صداقتِ اسلام کے وہ کس قدر دلدادہ ہیں۔

کیا وہ طبقہ جو اسلام پر اعتراض و الزام دھرتا ہے۔ یہ جاہل، ضعیف العقل و عقل و دانش سے بیگانہ نہیں۔ اس کا جواب فرانس کا مؤرخ والٹیر و لندن کا مشہور اخبار ہفتہ وار رائیٹر ایسٹ ۱۲ اپریل ۱۹۲۲ء کی اشاعت میں دے چکا ہے کہ "بے شک اسلام کو الزام دینے والا جاہل، ضعیف العقل عقل و دانش سے بیگانہ ہے۔

(محمدی دہلی - یکم ستمبر ۱۹۳۵ء)

سوال: آپ نے کتاب حضرت محمد رشی علیہ السلام جو لکھا ہے اور ہندوؤں کی مذہبی کتاب سام وید کی عبارات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رشی (رسول) ہونا ثابت کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وید بھی زبور، توریت، انجیل کی طرح کتب آسمانی میں سے ہے اگر نہیں تو مذکورہ وید کی عبارتوں سے ثابت کرنا اس کتاب کو آسمانی کتب کا درجہ دینا ہوا یا نہیں؟ کیونکہ نبی اور رسول کے متعلق بشارت آمد سوائے آسمانی کتب کے دیگر کتب میں ہرگز نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا اگر یہ بھی دیگر اگلی آسمانی کتابوں میں سے ہے تو اس کا ثبوت قرآن مجید و احادیث سے ہونا چاہیے۔ (محمد سلیمان از جگر دھر پور)

جواب: ہمارا اعتقاد ہے کہ وید مجموعی طور پر الہامی نہیں۔ لیکن بعض کلام اس میں کسی صاحب باطن کا درج ہو تو ممکن ہے۔ جس کلام سے محمد رشی لکھا گیا ہے۔ وہ کشفی معلوم ہوتا ہے اگر اس جواب سے آپ کی تشفی نہیں ہوئی تو سمجھئے کہ محمد رشی معتقدین وید کے لئے الزامی دلیل ہے۔ جیسے انجیل، توراۃ موجودہ کے حوالے الزامی ہیں

(اہل حدیث ۱۸ اگست ۱۹۳۳ء)

وید اور اُس کے تراجم اور تفاسیر

نوشتہ (پنڈت) منصور حسن صاحب حنیف چترویدی۔ متوطن روڑکی ضلع سہارنپور

---

[1] مرحوم کی مشہور ترین کتاب "محمد رشی" میں یہ تفصیلات موجود ہیں۔

اسلام پیارا پیارا۔ اسلام۔ نورانی اسلام۔ ایک تبلیغی مذہب ہے اور اس حیثیت سے دیگر مذاہب کی تسلیم کردہ الہامی کتابوں سے واقفیت رکھنا اس کے مبلغین کے لئے فرض کفایہ ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان کے عام باشندے وید کو الہامی کتاب مانتے ہیں اور اس ملک میں فریضۂ تبلیغ کے ادا کرنے کے لئے مسلمانوں کا وید سے واقف ہونا ضروریات دین سے ہے۔ لیکن آج کتنے مسلمان ہیں جو اس دینی ضرورت کے پورا کرنے والے ہیں۔ ہمارے اندازہ میں آٹھ کروڑ میں بمشکل دس بیس حد پچاس مسلمان ایسے نکلیں گے جنھوں نے چار ویدوں یا اُن کے ایک معتد بہ حصے کا مطالعہ کیا ہو۔

آج جب کہ ہمارے ملک میں کانگریس کا صرف اثر بلکہ حکومت قائم ہوتی جا رہی ہے اور شدھی یا اشدھی کا سلسلہ بھی مستقل طور سے قائم ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کے لئے پہلے سے زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ ویدوں کا مطالعہ کریں۔ جس سے نہ صرف اشاعت اسلام میں مدد ملے بلکہ اغیار کے حملوں کی مدافعت بھی کما حقہٗ ہو سکے۔ اسی واسطے اس عاجز کی دلی آرزو ہے کہ مسلمانوں میں کم از کم ایک چھوٹی سی جماعت جس کی تعداد چند سو تک پہنچتی ہو ایسی تیار ہو جائے جو ویدوں سے خاص طور پر واقفیت رکھتی ہو۔

ہمارے بہت سے نوجوانوں کے لئے ایک ایسی جماعت کے افراد بن جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ کیونکہ اس کام کے لئے سنسکرت کا جاننا اب چنداں ضروری نہیں رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب تک ویدک دھرم ایک تبلیغی مذہب نہیں کہا جاتا تھا۔ اُس وقت تک وید کے پیرو اُس شخص سے جو وید کا مطالعہ کرنا چاہیے یہ کہنے کا ایک حد تک حق رکھتے تھے کہ جناب پہلے سنسکرت پڑھ آئیے تب اس مقدس کتاب کو ہاتھ لگایئے گا لیکن اب جب کہ ویدک دھرم تبلیغی مذاہب کی شان ہی یہ ہے کہ وہ کسی ایک زبان جاننے والوں کے لئے مخصوص نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کی کتب مقدسہ کے ترجمے ہر زبان میں پڑھے جا سکتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں غرض کہ سنسکرت کا نہ جاننا ہمارے نوجوانوں کے لئے وید کے مطالعہ کا مانع نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ اُن میں سے جو افراد انگریزی یا ہندی سے ایک اچھی حد تک

واقف ہوں۔ انھیں ویدوں کو ضرور ہی پڑھنا اور اپنے دیگر بھائیوں کو پڑھانا چاہیے کیونکہ انگریزی میں بہت پہلے سے اور آجکل ہندی میں بھی ویدوں کے متعلق بہ کثرت لٹریچر فراہم ہوچکا ہے۔ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ پیروان وید کا جدید ترین فرقہ (آریہ سماج) اگرچہ انگریزی تراجم اور اکثر ہندی تراجم کو مستند نہیں مانتا۔ لیکن ان کے اس انکار سے ان کے مستند ہونے میں فرق نہیں آسکتا۔ یہ تراجم ہندوؤں کے کثیر طبقہ (سناتن دھرمیوں) کے نزدیک مستند ہیں اور مستند رہیں گے اور اگر کوئی چھوٹا سا طبقہ ان کی صحت سے انکار کرے۔ تو اسے چیلنج دیا جاسکتا ہے کہ ترجمہ میں غلطی ثابت کرے۔

البتہ ایک امر ہے جو انگریزی یا ہندی داں مسلمان نوجوانوں کو شوق رکھنے پر بھی ویدوں کے مطالعہ میں مانع آسکتا ہے۔ اور آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عزیز مفید کتابوں کے ناموں اور پتوں سے ناواقف ہیں اور اسی وجہ سے وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہ مضمون ہم اسی غرض سے لکھ رہے ہیں کہ ان کتابوں کا تذکرہ ایک جا کیا جائے تاکہ شائقین ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ان کتابوں کے پڑھنے سے پہلے جو جو معلومات طالب علم کو ہونی چاہئیں۔ ان کو بھی اس مضمون میں فراہم کردیا گیا ہے۔

ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ جو لوگ انگریزی یا ہندی نہیں جانتے وہ بھی ویدوں کو پڑھیں ان کے لئے ہم نے ویدوں کے ضروری حصص کا ترجمہ اردو میں کرلیا ہے۔ خدا وہ دن بھی کرے کہ یہ انتخابات کتابی شکل میں طبع ہوکر تمام شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ سکیں

شرتی اور سمرتی کا بیان

واضح ہو کہ برادران ہنود کی کتب مقدسہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شرتی یعنی الہامی کتابیں۔ دوسرے یعنی کتب روایات عام ہندوؤں یعنی سناتن دھرمیوں کے نزدیک تو بہت سی الہامی کتابیں ہیں لیکن فرقہ آریہ سماج الہام کو صرف چار ویدوں ہی میں محدود مانتا ہے۔

ان چار ویدوں کے نام یہ ہیں۔

رگ وید - سام وید - یجر وید - اتھروید

یہ چاروں وید نظم میں ہیں۔ اگرچہ یجر وید اور اتھرو وید کہیں کہیں نثر کے فقرے بھی پائے جاتے ہیں۔ وید کی نظم کا ہر شعر منتر یا رچا کہلاتا ہے۔ منتروں کے ایک بڑے مجموعے کو وید کہتے ہیں۔ مجموعہ کے لئے سنسکرت میں سنگھتا کا لفظ ہے اور

کبھی کبھی وید کے بعد سنگھتا کا لفظ بھی ملا دیتے ہیں۔

مثلاً۔ رگ وید سنگھتا۔ یجر وید سنگھتا۔ یعنی مجموعہ رگ وید۔ مجموعہ یجر وید وغیرہ۔

وید سنگھتاؤں کے بعد ہندوؤں کی مقدس ترین کتابیں وہ ہیں جو برہمن گرنتھ کہلاتی ہیں یہ کتابیں وید کی عمدہ ترین تفسیریں ہیں۔ سناتن دھرمی ان گرنتھوں کو الہامی بلکہ ویدوں کے ہی جزو لاینفک کے طور پر مانتے ہیں۔ لیکن آریہ سماجی اُن کو شرتی کا درجہ نہیں دیتے۔ بلکہ سمرتی کے درجہ میں رکھتے ہیں۔ یعنی ان کو غیر الہامی مقدس کتابیں سمجھتے ہیں۔

برہمن گرنتھ اگرچہ متعدد ہیں۔ لیکن ان میں چھ زیادہ مشہور ہیں (۱) ایتریہ برہمن (۲) کوشیتکی برہمن۔ یہ دونوں برہمن رگ وید کے متعلق ہیں۔ (۳) تانڈیہ مہا برہمن یہ سام وید کے متعلق ہے۔ چونکہ اس میں ۲۵ ابواب ہیں۔ اس لئے اس کو پنچ ونش برہمن بھی بولتے ہیں (۴) شت پتھ برہمن (۵) تیتریہ برہمن۔ یہ دونوں یجر وید کے متعلق ہیں۔ (۶) گوپتھ برہمن۔ (۷) یہ اتھروید کے متعلق ہے۔

برہمن گرنتھوں کے خاص خاص فلسفیانہ اور صوفیانہ حصص آرنیکوں اپنشدوں کے نام سے مشہور ہیں۔ اس لئے سناتن دھرمیوں کے نزدیک وید گویا چار طرح کی کتابوں کو کہتے ہیں یعنی سنگھتا۔ برہمن۔ آرنیک اور اپنشد ان کے نزدیک سمرتیاں ہیں۔ ہندوؤں کے ہر طبقہ میں اپنشد بڑی مقبول اور خوب پڑھی جانے والی کتابیں ہیں۔ عام طور پر ان کو ویدوں کا عطر سمجھا جاتا ہے۔

سمرتیوں میں اگرچہ منو سمرتی بہت مشہور ہے۔ لیکن ہم اس کا ذکر نہیں کریں گے۔ کیونکہ ویدوں سے اس کا تعلق دور کا ہے۔ قریب کا نہیں ہے۔ ویدوں سے قریب کا تعلق رکھنے والی وہ سمرتیاں ہیں جو شروت سوتر کے نام سے مشہور ہیں۔ شروت کے معنی ہیں۔ وہ کتاب جو شرتی سے تعلق رکھے۔ اور سوتر سوت یا تاگے کو کہتے ہیں۔ شروت سوتر بھی متعدد ہیں۔ لیکن ان میں سے چند مشہور سوتروں کے نام یہ ہیں۔

(۱) اشولائن (۲) شانکھاین۔ یہ دونوں رگوید کے متعلق ہیں (۳) آپستمب۔ (۴) بودھاین (۵) کاتیاین۔ یہ تینوں یجر وید کے متعلق ہیں۔ (۶) لاتیاین۔ سام وید کے متعلق ہے۔ (۷) کوشک۔ (۸) دیتان۔ یہ دونوں اتھروید کے متعلق ہیں۔

وید سنگھتاؤں کی ضخامت اور اُن کے مختلف نسخے آج کل عموماً ویدک ییترالیہ اجمیر

کے چھپے ہوئے وید دیکھے جاتے ہیں۔ یہ وید سنگفتا ہیں معمولی کتابی سائز پر جو ساڑھے چھ انچ چوڑا اور دس انچ لمبا ہوتا ہے چھپی ہیں۔ ہر صفحہ میں ۲۹ سطریں ہیں۔ اور ہر وید کے صفحات کی تعداد حسب ذیل ہیں۔

رگ وید ۶۵۹ صفحات۔ سام وید ۱۲۰ صفحات۔ یجر وید ۱۵۹ صفحے، اتھروید ۲۹۸ صفحے میزان کل چار ویدوں میں بارہ سو چھتیس صفحات۔

یہ ضخامت ان ویدوں کی ہے۔ جو آج کل عام طور پر ملتے ہیں۔ اور جو ہر ایک وید کی مشہور ترین قسم ہے۔ ورنہ ایک ایک وید کئی طرح کا ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں صرف سام وید صرف ایک ہزار طرح کا یا ایک ہزار شاخوں کا ملتا تھا۔ چاروں ویدوں کی ایک ہزار ایک سو اکتیس شاخیں مشہور ہیں۔ گویا باقی تین ویدوں کی ملا کر ۱۳۱ شاخیں (شاکھائیں تھیں) یہ شاخیں اس طرح سے پیدا ہوگئیں ہوں گی۔ کہ ایک گھرانا ایک وید کو کسی طرح سے پڑھتا ہوگا۔ دوسرا گھرانا اسی وید کو ذرا فرق سے پڑھتا ہوگا۔ تیسرے گھرانے میں کچھ اور فرق ہوگا۔ ایک استاذ کسی طرح پڑھتا ہوگا۔ دوسرا کسی طرح۔ پھر ان شاگردوں اور شاگرد در شاگردوں میں اختلاف ہوا ہوگا۔

آج کل بھی بہت سے ویدوں کی کئی کئی شاخیں چھپی ہوئی ملتی ہیں۔ رگ وید پہلے ۲۱ قسم کا ملتا تھا۔ اب اس کی صرف ایک قسم یعنی شاکل شاکھا (شاخ) ملتی ہے۔ رگ وید کی ایک دوسری شاخ یعنی واشکل شاکھا کی نسبت معلوم ہے۔ کہ اس میں اور شاکل میں بہت کم فرق تھا۔ یعنی واشکل میں شاکل سے چند گیت زائد تھے۔ اور بعض کی ترتیب مختلف تھی یہ زائد گیت آج بھی ملتے ہیں۔ اور شاکل نسخہ میں عموماً بطور ضمیمہ شائع کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح گویا رگ وید کی دو شاکھائیں اس وقت موجود ہیں۔

سام وید کی آج کل جو شاخ عام طور پر پائی جاتی ہے۔ وہ رانائنی شاکھا ہے۔ سام وید کی ایک دوسری شاخ کوتھمی ہے۔ رانائنی اور کوتھمی شاخوں میں تھوڑا ہی سا فرق تھا۔ آج کل کوتھمی شاخ کا صرف ایک حصہ ہی پایا جاتا ہے۔ ایک تیسری شاخ سام وید کی جےمنی ہے۔ غالباً اس شاکھا کا بھی کچھ حصہ موجود ہے۔

یجر وید کی بھی متعدد شاخیں تھیں۔ جن میں سے اب پانچ چھ شاخیں ملتی ہیں۔ اوّل مادھیندنی جو عام طور پر ملتی ہے۔ دوم کانوی۔ یہ بھی بمبئی وغیرہ میں چھپ گئی ہے۔

مادھینڈنی اور کانوی شاخوں میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ جرمنی کے پروفیسر ویبر نے غدر ہندوستان سے چند سال پیشتر دونوں شاخوں کو یکجائی طور پر شائع کیا تھا۔ یجر وید کی یہ دونوں شاخیں شکل یعنی سفید کہلاتی ہیں۔ شکل یجر وید کو واجسنئی سنگھتا بھی کہتے ہیں یجر وید کی تیسری شاخ تیتری سنگھتا کہلاتی ہے۔ یہ گورنمنٹ پریس میسور اور دیگر مقامات میں چھپی ہے۔ اس شاکھا کی ضخامت مادھینڈنی شاکھا سے تقریباً تین گنی ہے۔ چوتھی شاخ کٹھ اور پانچویں میترایئی کہلاتی ہے۔ ان دونوں شاخوں کو پروفیسر شروڈر نے ۱۸۹۰ء کے پس و پیش وائنا دار السلطنت آسٹریا سے شائع کیا تھا۔ یجر وید کی آپستمبی شاخ کے کچھ حصص بھی غالباً پائے جاتے ہیں۔ تیتری کٹھ، میترایئی وغیرہ شاخیں کرشن یعنی سیاہ یجر وید کہلاتی ہیں۔

کرشن یجر وید کا رواج دکھن میں اور شکل یجر وید کا رواج شمالی ہندوستان میں زیادہ ہے۔ اتھرو وید کی کسی زمانہ میں نو شاخیں تھیں۔ جن میں سے صرف شونک شاکھا ہی آج کل عام طور پر ملتی ہے۔ اس وید کی ایک دوسری شاخ یعنی پیپلاد شاکھا کا دنیا میں صرف ایک نسخہ کشمیر میں تھا۔ اس واسطے یہ شاکھا کشمیر شاکھا بھی کہلائی جانے لگی ہے۔ اس نسخہ کے کئی ورق گم ہیں۔ پروفیسر ماریسن بلوم فیلڈ اور پروفیسر رچاڈ گاربے کی حسن سعی سے یہ نسخہ ۱۹۰۱ء میں کرومو فوٹو گرافی سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے

اہل حدیث امرتسر ۲۵ ش ۲۷ رجب ۱۳۵۶ھ

فاضل محترم کے اس مضمون کی یہ ابتدائی قسطیں ہیں۔ مضمون بہت کافی طویل اور معلومات سے پُر ہے جو اہل حدیث کی کئی اشاعتوں میں نکلا ہے۔ مناسب تھا کہ ہم یہ مضمون سارا نقل کرتے۔ مگر فتاویٰ کی محدود ضخامت ہمیں اس کے چھوڑنے پر مجبور کر رہی ہے۔ جو صاحب سارا مضمون پڑھنا چاہیں وہ اہل حدیث مرحوم ۱۳۵۵ھ و ۱۳۵۶ھ کے فائل ملاحظہ فرمائیں (جامع)

"کیا وید الہامی ہیں؟"

اس علمی بحث کی تفصیلات کے لئے ۹ رجب ۱۳۵۵ھ سے اہل حدیث کے فائلوں کو ملاحظہ فرمائیے۔ افسوس کے ساتھ ہم اس بحث کو بھی بوجہ عدم گنجائش کے یہاں درج نہیں کر سکے۔ فقط۔ سرانز

سوال: مشکوٰۃ شریف باب اثبات عذاب القبر میں ایک حدیث ہے کہ

مُردہ سے قبر میں نکیرین سوال کرتے ہیں کہ مَنْ رَّبُّکَ ۔ تو اگر مُردہ مومن ہے تو جواب دیتا ہے کہ فَیَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰہُ پھر سوال ہوتا ہے مَادِیْنُکَ پھر جواب دیتا ہے فَیَقُوْلُ دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ ۔ پھر سوال ہوتا ہے ۔ فَیَقُوْلَانِ مَا ھٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ جواب دیتا ہے ۔ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ حدیث مذکورہ بالا کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مُردے کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ مَا ھٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ کیونکہ لفظ ھٰذَا سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اور اگر اس لفظ ھٰذَا کے اور دوسرے معنی ہوتے ہیں تو مع دلیل و حوالہ جات کے شائع فرمایئے گا ۔ اور اگر لفظ ھٰذَا سے موجودگی ثابت ہوتی ہے تو بھی شائع فرما دیجئے گا تاکہ عوام اس سے فائدہ اٹھائیں اس کے جواب دیکھنے کے بہت سے لوگ منتظر ہیں ۔

رحمت اللہ خان بانسی

جواب: حدیث شریف میں ھٰذَا کے ساتھ اَلَّذِیْ بُعِثَ بھی آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول مبعوث سے سوال ہے ۔ معنی یہ ہیں کہ جو شخص تم میں رسول کر کے بھیجا گیا تھا ۔ اس کو کیا کہتے ہو ۔ ھٰذَا کے ساتھ جب اَلَّذِیْ آئے تو وہاں موجود مراد نہیں ہوتا ۔ بلکہ موصول مع صلہ کی طرف کلام کا رخ ہوتا ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت ہیں اَمَّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ اسی قسم سے ۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ آنحضرت صلعم کی شکل دکھائی جاتی ہے یہ اُن کا اپنا خیال ہے ۔ جس کے ذمہ دار وہی ہیں

۱۵ر جنوری ۱۹۳۲ء

تشریح: وقت سوال منکر نکیر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا کسی حدیث یا آثار سے ثابت نہیں اور اعتقاد رکھنے والا اس کا گمراہ ہے (فتاویٰ نذیریہ جلد ا صہ ۱۵)

لفظ ھٰذَا اس مذکورہ موجود شے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے موضوع ہے جو قریب ہو ۔ عام اس سے کہ مذکور حقیقی ہو یا حکمی اور موجود خارجی ہو یا ذہنی روایت مذکورہ فی السوال نیز دیگر روایات مختلفہ فی الباب کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں ۔ اور پھر اشارہ کر کے کہا جاتا ہے تو اگر بندہ مومن ہے ۔ تو تمام اوصاف کو سن کر جواب دے گا ۔ عبد اللہ و رسولہ ۔ پس لفظ

ہذا سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعضوں نے روایت مذکورہ فی السوال کی بنا پر یہ بھی کہا ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مکشوف ہوتا ہو اور مکشوف ہونے کے بعد کہا جاتا ہے کہ مَا تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ۔ مگر اس بارے میں کوئی صریح روایت نہیں وھذہ بشارۃ عظمی لمومن وما ذالک علی اللہ بعزیز واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

مرسلہ صالح یعقوب جوہانسبرگ ساؤتھ افریقہ	العبد محمد نانا عفا اللہ عنہ سیملکی

جواب صحیح ہے۔ اول تو سوال میں لفظ اَلَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ موجود ہے۔ جس سے اشکال ہی واقع نہیں ہوتا۔ یا رفع ہو جاتا ہے پھر ھٰذا میں اشارہ عام ہے۔ خصوصاً مومن کے ذہن میں کلمہ توحید ہے۔ لہٰذا ما حضر فی الذہن بھی صحیح ہے اور کشف صورت کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں۔ محض لفظ ھٰذا سے لوگوں کو وہم ہوتا ہے۔

راقم ابوسعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ پل بنگش دہلی ۲۲ رجب ۱۳۵۶ھ

جواب یہی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں مردہ کے سامنے ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ آپ کا ذکر اور وصف ہے۔ اَلَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ۔ یعنی یہ شخص جو تمہارے میں نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس کے بارے میں کیا جواب ہے۔ اس کے جواب میں کہتا ہے۔ ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی وہ رسول اللہ کے ہیں ھو میں اور ھٰذا میں فرق ہے۔ ھو ضمیر غائب کی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ھٰذا سے مراد آپ کا وصف بعثت ہے۔ ھو سے جواب آپ کے وجود کا ہے جو نبی ہو کر آئے تھے۔ آپ کا حاضر ہونا تو ثبوت چاہتا ہے۔ اور ہر مومن کے عقیدہ وایمان میں ہر وقت موجود ہیں۔ وہی وجود ھٰذا سے مراد ہے۔ یعنی جو کچھ ذہن میں آپ کے وصف نبوت ہے۔ اور ھو سے مراد آپ کا وجود یا نبوت ہے۔

الراقم العاجز عبید الرحمن کفاہ المنان مدیر اشاعۃ الحق دہلی

جواب صحیح۔ ھٰذا سے اشارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب باعتبار شہرت اور وصف کے ہے۔ اس اعتبار سے نہیں کہ آپ اس وقت قبر میں مردہ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ایسا ماننے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور ایسا ثابت بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نیک عقیدے کی توفیق دے۔ آمین

عبدالوکیل خطیب ناظم ریاض توحید نواب گنج دہلی

الجواب صحیح سید تقریظ احمد مدرس مدرسہ رشیدیہ اجمیری دروازہ دہلی

(اہل حدیث گزٹ دسمبر ۱۹۵۸ء)

شرفیہ: یہ ھذا الرجل الذی بعث فیکم ایسا ہے جیسا کہ ہرقل شاہ روم نے ملک شام میں تجار مکہ کو بلا کر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا تو ان سے پوچھا اور کہا۔ ایکم اقرب نسبا بھذا الرجل الذی یزعم انہ نبی الی قولہ قال (ای ھرقل) لترجمانہ قل لھم (ای تجار مکۃ) انی سائل عن ھذا الرجل (ای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) الی ان قال ھرقل کیف نسبہ فیکم (ای الرجل المذکور) فیکم قلت (ای قال سفیان) ھو فینا ذو نسب الخ (صحیح بخاری ج ۱ ص۴) دیکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تھے اور ہرقل شاہ روم ملک شام میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ھذا الرجل سے اشارہ کر رہا ہے۔ اور تجار مکہ اہل لسان ہی اس کا کلام نقل کر رہے ہیں۔ ثابت ہوا کہ کبھی ھذا اسے محسوس مبصر کی طرف اشارہ نہیں بھی ہوتا۔ بلکہ ما حضر فی الذہن۔ یا سیاق کلام کی طرف اشارہ ہوتا ہے خصوصاً جب آگے موصول موصلہ موجود ہو۔ کما فی الحدیث

دیگر: اس مضمون کی تین حدیثیں آئی ہیں۔ تینوں کے الفاظ درج ہیں۔

۱۔ ما کنت تقول فی ھذا الرجل۔

۲۔ ما کنت تقول فی ھذا الرجل المحمد

۳۔ ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم (مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر)

پہلی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے میت تو اس آدمی کے حق میں کیا کہتا تھا۔

دوسری روایت کے یہ معنی ہیں۔ اے میت تو اس آدمی یعنی محمد کے حق میں کیا کہتا تھا۔

تیسری روایت کے معنی یہ ہیں۔ اے میت تو اس آدمی کے حق میں جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا کیا کہتا تھا۔

ان تینوں روایتوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی الفاظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہیں وہ آخری الفاظ ہیں پہلی اور دوسری روایتوں میں راوی نے

انحصار کر دیا ہے۔ پس ساری گفتگو کا مدار کار آخری روایت ہے۔ اس میں نہ صورت دکھانے کا کوئی لفظ ہے نہ تصویر کا ذکر ہے۔ بلکہ صرف یہ لفظ ہے کہ یہ آدمی محمد جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا۔ اس کی بابت تو کیا کہتا تھا۔ اس سوال میں آنحضرتؐ کی بعثت کا ذکر کر کے سوال اس غرض سے ہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت کی بابت تصدیق یا تکذیب کا اقرار کرے۔ یہ نہیں کہ تصویر دکھائی جائے۔

ھٰذا الرجل کی تشریح کرنے میں بعض علماء نے کہدیا ہے کہ آنحضرتؐ کی قبر مبارک تک پردہ اٹھ جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ تصویر دکھائی جاتی ہے۔ یہ سب اُن کے اپنے خیالات ہیں۔ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ھٰذا کا استعمال مشہور آدمی کے لئے بھی آیا کرتا ہے۔ اس کے ثبوت میں سر دست ہم تین مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔

(۱) تاریخ ابن خلدون کی جلد اول کے صفحہ پر لکھا ہے۔ ھذا جوھر الصقلی الکاتب قائد جیش العبیدیین الخ مصنف اپنے سے بہت پہلے کا واقعہ لکھتا ہوا کہتا ہے " یہ جوہر صقلی جب لڑائی کو جلا وغیرہ " (۲) اسی جلد کے صفحہ پر لکھا ہے ھٰذا عثمان لما حصر فی الدار (یہ عثمان رضی اللہ عنہ جب گھر میں گھر گئے)۔ (۳) اسی صفحہ پر لکھا ہے ھٰذا علی اشار علیہ المغیرۃ " یہ علی رضی ہیں جن کو مغیرہ نے مشورہ دیا تھا۔ پس نہ خود صورت منورہ دکھائی جاتی ہے۔ نہ تصویر۔ نہ کچھ بلکہ شہرت کی وجہ سے صرف یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نبی جو تم میں رسول کر کے بھیجا گیا تھا۔ تو اس کے حق میں کیا کہتا تھا۔ ایسے موقعہ پر ھٰذا کا استعمال عام طور پر کیا جاتا ہے جیسا کہ مثالیں ہم بتا چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

از قلم حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم۔ در اہل حدیث ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۴۹ھ

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ مردوں کو جلاتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مُردے جی اٹھتے ہوں گے تو اُن سے حالات موت و بابت عذاب و ثواب قبر ضرور دریافت کئے جاتے ہوں گے۔ تو اگر مردوں نے کچھ اظہار کیا ہو تو بہ اسناد صحیح اطلاع کریں اور اگر اظہار نہ کیا ہو تو کیا ممکن ہے کہ اظہار کر سکتے ہوں یا بعد زندہ ہونے کے لوگ ضرور ان سے تفتیش کرتے ہوں گے۔ لہٰذا کوئی معقول جواب بہ اسناد صحیح ہو تو اطلاع کریں کہ وہ کس طرح زندہ ہو جاتے تھے۔

ظہیر الحق

جواب: قرآنی لفظ اُحْیِ الْمَوْتٰی سے صرف احیاءِ موتی ثابت ہوتا ہے۔ سوال از عذاب و ثواب کا ثبوت قرآن یا حدیث میں نہیں ہاں حضرت عزیر پر قیاس کیا جائے جو زندہ ہوئے تھے تو یہی سمجھا جائے گا کہ کسی نے پوچھا ہی نہیں۔ (۸ اگست ۱۹۳۰ء)

تشریح: کہا جا سکتا ہے کہ ان کی وہ موت عالم برزخ کی نہ تھی جو اُن سے سوال منکر نکیر ہوتا۔ ان کو ابھی دنیا میں رہنا تھا جیسے حضرت موسیٰ کے ساتھ جو لوگ کوہِ طور پر گئے اور کچھ عرصہ کے لئے مر گئے تھے پھر جی لئے۔ وہ موت بھی برزخی نہ تھی۔ ایسے ہی ایک قوم بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ الآیۃ (پ۲ - ع۱۶)۔ یہ زندگی بھی برزخی نہ تھی۔ لہٰذا جواب اول ہی صحیح ہے کہ کسی نے اُن سے دریافت نہ کیا ہوگا۔ اور اتنا موقعہ بھی نہ ملا ہوگا کہ دریافت کریں۔ ایسے امور کی اشاعت سے ایمان بالغیب میں فرق بھی آتا ہے۔

ابو سعید شرف الدین دھلوی

سوال: کیا بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی اور شخص کو بھی معصوم کہہ سکتے ہیں۔

جواب: امت میں کوئی معصوم (بے خطا) نہیں۔ اہل حدیث ۳۰ محرم ۱۳۵۲ھ

سوال: اگر تقلید کی یہ تعریف ہے کہ وہ قول امام کو بلا دلیل کے مان لے تو صاحبین اور بعض دیگر حنفیہ علماء نے حضرت امام سے کیوں اختلاف کیا۔

جواب: واقعی سوال قابل غور ہے۔ مقلدین اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ صاحبین خود مجتہد فی المذاہب تھے اس لئے ان کو اختلاف کرنے کا حق تھا۔ اس مسئلہ کی تفصیل ہمارے رسالہ تقلید شخصی اور سلفی میں ملتی ہے۔ اہل حدیث ۳۰ محرم ۱۳۵۲ھ

سوال: کیا واقعی اب ہر قسم کے اجتہاد کا دروازہ بند ہے؟

جواب: اجتہاد ملکہ کسبی ہے۔ اس لئے یہ بند نہیں۔ خود حنفیہ کی تصریح ہے کہ شیخ ابن ہمام شارح ہدایہ درجہ اجتہاد کو پہنچا ہوا تھا۔ اہل حدیث ۳۰ محرم ۱۳۵۲ھ

تشریح: اجتہاد جاری ہے اور قرب قیامت تک جاری رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر میں جو خطبہ دیا اس میں فرمایا تھا۔ فلیبلغ الشاهد الغائب فرب مبلغ اوعی من سامع۔ متفق علیہ مشکوٰۃ صفحہ ۲۳۲ ج ۱۔ اور دوسری روایت میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها

فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه الحديث (رواه الشافعي والبيهقي في المدخل واحمد والترمذي وابوداؤد وابن ماجة والدارمي. مشکوٰۃ ج ا ص۳۵) وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يزال من امتي امة قائمة بامر الله لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى ياتي امر الله وهم على ذالك - متفق عليه. مشكوٰة ص۵۸۳ ج ۲) - ان احادیث سے ثابت ہوا کہ صحابہؓ نے آپ کے حکم سے تابعین کو احکام شریعت پہنچائے - انہوں نے آگے اپنے شاگردوں کو - علی ہذا القیاس تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا - اور ہر زمانہ میں پہلوں سے بھی بعض افقہ ہوں گے اور قیامت تک بسبب تفقہ حق پر رہیں گے - پس ثابت ہوا کہ قیامت تک اجتہاد جاری رہے گا - اس لئے کہ تمام جزئیات کتاب و سنت میں مصرحہ نہیں - پس سوائے اجتہاد کے کوئی چارہ نہیں اور یہ امر بدیہی ہے کوئی جاہل مطلق ہی اس سے انکار کر سکتا ہے - فافہم وتدبر اور مقلدین کا دعویٰ انقطاع اجتہاد رجما بالغیب اور قول باطل بلا دلیل ہے -

ابو سعید شرف الدین دہلوی

سوال: اگر کوئی مقلد کسی مذہبی پیشوا سے یہ سوال کرے کہ اس مسئلہ میں آپ مجھے دلیل سے سمجھائیں تو کیا وہ تقلید سے باہر ہو جائے گا -

جواب: تقلید کی تعریف میں چونکہ دلیل کا عدم علم داخل ہے - اس لئے صورت مرقومہ تقلید کے برخلاف ہے -

اہل حدیث - ۲۰ محرم ۱۳۵۲ھ

سوال: سورہ کہف میں حضرت خضرؑ کے متعلق لکھا ہے کہ وعلمناه من لدنا علما زید کہتا ہے کہ حضرت خضرؑ کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا کیا تھا - جو اس آیت میں مذکور ہے - عمر کہتا ہے کہ علم لدنی کی تعریف کیا ہے - اس آیت میں تو علم لدنی کا تذکرہ نہیں ہے - زید اس کے ثبوت میں صحیح بخاری کے باب العلم کی ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے علم بتلائے تھے - ایک کو تو ہم نے سب کے لئے پھیلا یا اور سب پر ظاہر کر دیا - اگر دوسرے کو ظاہر کر دوں تو میرا حلقوم کٹ جائے گا یعنی میں قتل کیا جاؤں گا - یہ دوسرا علم وہی علم باطن یا علم لدنی ہے - سوال یہ ہے کہ علم لدنی کی تعریف کیا ہے - علم لدنی کوئی علم ہے یا نہیں؟

احمد ظہیر الحسن بانسدیہہ

جواب: علم لدنی اس علم کو کہتے ہیں جو بغیر کسب و اکتساب کے خدا کی وحی یا الہام سے حاصل ہو اسی لئے سارا قرآن علم لدنی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: قَدْ آتَيْنَاكَ مِن لَّدُنَّا ذِكْرًا (طٰہٰ)۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کو جو بتایا تھا اس کی اشاعت کرنے کا حکم یا منع نہیں تھا۔ اسی لئے ابوہریرہ رضؓ نے بعض واقعات نہیں بتائے جو ظالم امراء کے متعلق تھے مصلحت مبنی تھی۔ گناہ نہیں تھا۔ گناہ جب ہوتا کہ حکم کے خلاف ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ موت سے ڈرتے تھے۔

اہل حدیث ۵ رجب ۱۳۶۱ھ

شرفیہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دو قسم کی احادیث معلوم تھیں ایک متعلق احکام دین دوسری متعلق شرور و فتن آپ نے احادیث احکام کی اشاعت فرمائی۔ مگر فتن کی احادیث کو حکام ظلمہ کی وجہ سے حسب موقع بیان کیا اور بس۔

سوال: ہمارے گاؤں میں ایک شخص ہے جو نماز اپنے پیر کے گاؤں کی طرف یا جس طرف اس کا پیر جائے۔ اسی طرف پڑھتا ہے۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھتا۔ اس کا پیر بھی اس کو اس بیہودہ فعل سے منع نہیں کرتا۔ لہٰذا آپ اس پر روشنی ڈالیں۔

قمر الدین اسمٰعیل سکنہ ٹھٹھہ بھٹیاں شیخوپورہ

جواب: صورت مرقومہ میں شخص مذکور کا فعل قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہے اور وہ شرک ہے۔ قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے۔ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ۔ اللہ اعلم۔

۱۱ جمادی الاول ۱۳۶۱ھ

سوال: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا وظیفہ پڑھنا یا کلمہ غرانی اس طور پر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

محمد شہادت اللہ۔ خریدار اہلحدیث ۱۱۷۹۱

جواب: کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں۔ ایک میں توحید کی تصدیق ہے۔ دوسرے میں رسالت کی تصدیق ہے۔ دونوں کا ذکر قرآن مجید میں مذکور ہے۔ دونوں حصوں کو تصدیق کے طور پر پڑھنا جائز بلکہ شرعی حکم ہے۔ اس کو وظیفہ نہیں کہتے۔ وظیفہ ہے یا اللہ یا رحمن ندا کے ساتھ اسی طرح کوئی یا محمد۔ یا رسول کہے تو بیشک ناجائز ہے۔

یکم محرم ۱۳۶۵ھ

تشریح از علامہ ابو القاسم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ:

بات یہ ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھنے کے دو موقع ہیں۔ ایک تو بطور اقرار و شہادت کے

دوسرے بطور ذکر و عبادت کے۔ موقع اوّل میں تو دونوں جزء ملا کر پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر ان دونوں جزوں کے شہادت ہی نہ ہوگی۔ اسی لئے فرمایا گیا۔ الاسلام ان تشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ (متفق علیہ) لیکن موقع ذکر و عبادت میں فقط لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی ہے۔ کیونکہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف عبد ہیں نہ معبود۔ جیسا کہ عبدہٗ و رسولہٗ کے لفظ سے ظاہر ہے۔ اور حدیثوں میں بھی ایسے مقام پر صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی آیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (مسلم) مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (ابوداؤد)۔ اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (ترمذی ابن ماجہ) یا ایها الناس قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ واترکوا اللات والعزیٰ۔ ما قال عبد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الا فتحت له ابواب السماء (ترمذی) قل لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (شرح السنۃ ومشکوٰۃ)

ان اور ان جیسی احادیث میں "محمد رسول اللہ" کا لفظ نہیں ہے۔ غالباً اسی لئے صوفیاء کے نزدیک بھی ذکر عبادت میں صرف لا الٰہ الا اللہ ہی ہے۔ اور اس کے پڑھنے کے خاص طریقے مقرر ہیں۔ لہٰذا اہل حدیث باتفاق صوفیائے کرام یہ کہتے ہیں کہ ذکر و عبادت کے موقع پر تو صرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی ہے۔ جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور اس پر صوفیا کا عمل ہے۔ ہاں اقرار شہادت کے وقت محمد رسول اللہ کہنا ضروری ہے۔ ورنہ بغیر اس کے ایمان ہی مقبول نہ ہوگا۔ اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ فافترقا۔

عاجز محمد ابوالقاسم سیف محمدی بنارسی ۷ار شعبان ۱۳۳۹ھ

سوال: ہمارے ہاں وبا کے حملہ سے محفوظ رہنے کے لئے اکثر مسجدوں اور محلوں میں سات اذان دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے۔

سلطان احمد از ڈھر اول

جواب: اس فعل کا ثبوت قرآن اور حدیث میں نہیں ملتا۔ ایسا کرنا لوگوں کی ایجاد ہے۔ لہٰذا بدعت ہے۔

۸ر محرم ۱۳۴۶ھ

سوال: ایک شخص غیر مسلم کمزور مسلمان کو مار رہا تھا۔ تو زید نے اس کو منع کیا چنانچہ

اس غیر مسلم نے زید کے سر پر کاری ضرب لگا دی۔ اس ضرب سے وہ انتقال کر گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ زید شہید ہوا یا غیر شہید؟ حافظ سلطان احمد

جواب: ایک قسم شہادت مظلومی کی موت ہے۔ ان معنی سے وہ شہید ہوا ہے۔ لیکن اس کا غسل، کفن، جنازہ وغیرہ کیا جائے گا۔ واللہ اعلم ۱۳ شعبان ۱۳۶۵ھ

سوال: ماہ محرم میں حجامت بنانا، نئے کپڑے پہننا، شادی کرنا جائز ہے یا نا جائز؟

جواب: جائز ہے منع کی کوئی دلیل نہیں۔ ۳ ربیع الآخر ۱۳۶۵ھ

تشریح: دعویٰ سنت وجماعت کسے رامی رسد کہ استقامت برآں طریقہ داشتہ باشد کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمود۔ ما انا علیہ واصحابی وارتکاب تعزیہ پرستی وساختن ضرایح وعلم وغیرہ وآوردن ازجائے گل وبالائے چبوترہ نہادہ۔ نقش سبطین رسول الثقلین قرار دادن وتعظیم وتکریم آں نمودہ براں چیز ہائے مثل شربت ومالیدہ وشیرینی وگل وسہرہ داشتہ فاتحہ براں ودرود خواندن وایں امور مذکورہ راموجب نجات اخروی ووسیلہ ترقی درجات وانجام مقاصد وبرآمدن مطالب دنیوی دانستن ودیگر حرکات نامشروعہ نمودن ملتزم مخالفت ومشاقت جناب سید المرسلین واتباع غیر سبیل مومنین واعراض وتولی از طریقہ مسلمین است کہ موجب سخط خدا ومستحق دخول آتش جہنم است۔ الی آخرہ

فتاوی نذیریہ ج ۱ صفحہ ۱۶۷

خلاصہ: اس عبارت کا یہ کہ تعزیہ اور اس کے لوازمات علم، شدے وغیرہ بنانا اور ان کا احترام کرنا۔ اور شربت، مالیدہ، شیرینی وغیرہ ان پر چڑھانا اور درود دلانا اور ان کاموں کو دارین کی کامیابیوں کا وسیلہ جاننا یہ سارے افعال سراسر ناجائز حرام اور صریح اللہ اور رسول کے خلاف ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے واسطے ہرگز لائق نہیں کہ ایسے بدعتی کاموں کے مرتکب ہو کر خدا اور رسول کے غضب میں گرفتار ہوں اور آگ دوزخ کو اپنے لیے ضروری قرار دیں۔

سوال: روح انسان کا اور چرند پرند کا ایک قسم کا ہے۔ یا کہ مختلف اور روح بڑھتا گھٹتا ہے یا نہیں، جوان ہوتا ہے یا بوڑھا ہوتا ہے۔؟ علی حسن خان آزاد بر سنبڑہ

جواب: سوال کے پہلے حصہ کے جواب کے متعلق مجھے کوئی حدیث یاد نہیں کسی اور عالم سے پوچھیے۔ اور بڑھنا گھٹنا جسم کا خاصہ ہے۔ روح جسم نہیں ہے۔ اللہ اعلم

تشریح: حجۃ اللہ البالغہ باب حقیقۃ الروح میں شاہ ولی اللہ مرحوم محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ جس کو لوگ بادی النظر میں روح جانتے ہیں وہ حقیقی روح نہیں وہ روح حقیقی کا مطیہ یعنی سواری ہے۔ وہ گھٹتی بڑھتی بھی ہے۔ تغیر پذیر ہے اور جو روح حقیقی ہے وہ ایک نقطۂ نورانیہ ہے۔ اس میں تغیر و تبدل نہیں۔ انتہی خلاصۃ تحریرہ۔ چونکہ روح ایک جنس ہے لہٰذا اختلاف انواع ضرور ہوگا۔

سوال: نحن اقرب جو خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے۔ یعنی ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ کیا کافر، زانی، چور، مشرک، ہندو و مسلمان سب کی رگوں کے نزدیک رہتا ہے یا صرف مومن و مسلمان کے؟

جواب: بے شک سب کی شہ رگ کے قریب ہے مگر اس کی حقیقت معلوم نہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون۔ اللہ اعلم۔ (۲۶ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ)

سوال: قوالی سننا کیسا ہے! ہماری طرف قوال بہت ہیں۔ چنانچہ خوشی کے وقت لوگ قوالی کراتے ہیں اور سب چھوٹے بڑے شریک ہوتے ہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: قوالی سننا لہو لعب اور گناہ ہے۔ اللہ اعلم۔ (۲۶ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ)

سوال: ہمارے علاقہ میں ایک خانقاہ ہے۔ بعض لوگ اس خانقاہ کے پیر کے نام کا بکری کا بچہ چھوڑتے ہیں اور جب بچہ سال بھر کا ہو جاتا ہے یا جب وہاں عرس ہوتا ہے تو چڑھاتے ہیں۔ کیا خانقاہ کے نام کا چھوڑا ہوا بکرا اگر بیمار ہو جائے تو اس کو ذبح کر کے مسلمان اس کا گوشت کھا سکتے ہیں؟ (عبدالغنی ٹیچر ٹریننگ سکول جموں توی)

جواب: صورت مرقومہ میں بکرے کا گوشت کھانا حرام ہے۔ کیونکہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے حکم میں ہے۔ اللہ اعلم۔ (اہل حدیث ۱۰ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ)

تشریح (از علامہ عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکپوری مدظلہ العالی) لغت میں اہلال کے معنی مطلق رفع صوت کے ہیں یا مطلق نام ذکر دینے کے کما لا یخفی علی من لہ ادنی ممارسۃ بکتب اللغۃ وموارد مادۃ ھذا اللفظ فی الحدیث والادب العربی۔ پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ نے اس جانور کو حرام کیا ہے جو بہ نیت تقرب

تعظیم غیر اللہ کے لیئے نامزد کر دیا گیا ہو۔ یا اس چیز کو جو اللہ کے سوا اور کسی کے نام سے پکاری گئی ہو۔ اس تحقیق کی رو سے ثابت ہوا کہ جانور یا کسی چیز کی حرمت کی علت اور مناط غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کی نیت سے غیر اللہ کے نام پر اس جانور یا چیز کو نامزد کر دینا ہے۔ پس اگر ایسے جانور کو جسے غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کے لیئے نامزد کر دیا گیا ہے۔ اسی غیر اللہ کی تعظیم و تقرب کی نیت دل میں رکھ کر ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہوگا۔ عند جمھور المحدثین والفقھاء الحنفیۃ۔ عام ازیں کہ وقت ذبح اللہ کا نام لیا جائے یا نہ بوقت ذبح بسم اللہ کہنے سے وہ حلال نہ ہوگا۔ جب کہ دل میں نیت، غیر اللہ کے واسطے ذبح کرنے کی ہے۔ اس لیے کہ عوام ایسے جانور کو ذبح کرنے میں غیر اللہ کی تعظیم و تقرب کا قصد کرتے ہیں اور محض عادۃً و رسماً بسم اللہ بھی پڑھتے ہیں اور اعتبار نیت کا ہے نہ ظاہری الفاظ کا۔ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ الخ (مصباح ص۹ جلد ۱ سے)

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور زمانہ حال کے اہل بدعت

بہت سے جاہل نام کے مسلمان شہیدوں اور بزرگوں کے لئے مرغوں، بکروں وغیرہ جانوروں کی نذریں مانتے ہیں۔ اور جب ان کے پورا کرنے کا وقت آتا ہے۔ تو ان جانوروں کو ان شہیدوں یا بزرگوں کی قبروں یا ان سے خصوصیت رکھنے والے کسی اور مقام پر لیجا کر ذبح کرتے ہیں (میاں کبیر کی گائے شیخ سدو کا بکرا سید سالار یا شاہ مدار کا مرغا۔ یہ سب اسی قبیل سے ہیں)

علمائے اہل سنت اس فعل کو "شرک" کہتے ہیں اور ہمارے زمانہ کے اہل بدعت "ایصال ثواب" کی تاویل سے اس سب خرافات کو ٹھیک، درست اور ان ذبائح کو حلال طیب ٹھہراتے ہیں۔ اہل سنت اور اہل بدعت کا یہ بھی ایک مشہور نزاعی مسئلہ ہے۔ اب حضرت مجددؒ قدس سرہٗ کا فیصلہ اس بارہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

"و حیوانات را کہ نذر مشائخ می کنند و بر سر قبر ہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات ذبح مے نمایند در روایات فقہیہ ایں عمل را نیز داخل شرک ساختہ اند و دریں باب مبالغہ نمودہ ایں ذبح را از جنس ذبائح جن انگاشتہ اند کہ ممنوع شرعی است و داخل دائرہ شرک" (مکتوب ۴۱ دفتر سوم ص ۸۴)

اور بزرگوں کے لئے جو حیوانات (مرغوں، بکروں وغیرہ) کی نذریں مانتے ہیں اور پھر ان کو قبروں پر لے جاکر ذبح کرتے ہیں۔ تو فقہی روایات میں اس فعل کو بھی شرک میں داخل کیا ہے۔ اور فقہار نے اس باب میں پوری شدت سے کام لیا ہے۔ اور ان قربانیوں کو جنوں (دیوتاؤں اور دیویوں) کی قربانی کے قبیل سے ٹھیرایا ہے جو شرعاً ممنوع اور شرک ہیں۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ کا یہ واضح فیصلہ ہے کہ جاہل، قبر پرست۔ شہیدوں اور بزرگوں کی نذر کے طور پر جو جانوروں کی قربانی کرتے ہیں وہ داخل شرک ہیں۔ نیز حضرت قدس سرہٗ کی اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ "روایات فقہیہ" میں بھی اس کو شرک ہی قرار دیا گیا ہے۔ اور "فقہار" کے نزدیک اس کی حیثیت "ذبائح جن" ہی کی سی ہے۔ یعنی ان جانوروں کی سی جن کی قربانی دیوؤں دیویوں یا پریوں کے لئے کی جاتی ہے۔

"لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ"

پیروں اور بیبیوں کا روزہ اور ایام معینہ تک خاص طریقوں اور مخصوص کھانوں کے ساتھ بزرگوں کی فاتحہ کا بہت سے مقامات پر جاہل عورتوں میں اب تک رواج ہے کہ وہ اپنی حاجتوں کے لیے خاص خاص دنوں میں پیروں، شہیدوں اور بعض بیبیوں مثلاً حضرت بی بی فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے نام کے روزے رکھتی ہیں۔ اور ان کو اپنی حاجت برآری کا ذریعہ سمجھتی ہیں۔ علمار اہل سنت کے نزدیک یہ بھی داخل شرک ہے۔ اور اہل بدعت اس میں بھی ایصالِ ثواب کا وہی فرسودہ حیلہ نکال کر اس کو بھی جائز بلکہ "امر مستحسن" گردانتے ہیں۔ حضرت مجدد قدس سرہٗ اس بارہ میں بھی صاف ارقام فرماتے ہیں۔

"و از یں عالم است صیام نسار کہ بہ نیت پیراں و بیبیاں نگاہ دارند و اکثر نامہائے ایشاں را از خود تراشیدہ روزہائے خود را بنام آنہا نیست کنند و در وقت افطار از برائے ہر روزہ خاص بوضع مخصوص تعین مے نمایند و تعین ایام نیز مے کنند از برائے صیام و مطالب و مقاصد خود را بایں روزہا مربوط مے سازند و بتوسل ایں روزہ ازینہا حوائج مے خواہند و روائے حاجت خود را از آنہا مے دانند۔ ایں شرکت در عبادت است و بتوسل عبادت غیر حاجات خود را ازاں غیر خواستن است۔

شناعت ایں فعل را نیک باید دریافت .... و حیلہ است آنچہ بعضے از زنان در وقت اظہار شناعت ایں فعل گویند کہ ما ایں روزہ ہا برائے خدا نگاہ مے

داریم و ثواب آں بہ پیراں مے بخشیم اگر دریں امر صادق باشند تعیین ایام از برائے صیام چہ در کار است و تخصیص طعام و تعیین اوضاع شنیعہ مختلفہ در افطار برائے چیست۔

(مکتوب ۴۱ دفتر سوم ص۸۰)

ترجمہ: اور شرک ہی کے قبیلہ سے ہیں عورتوں کے وہ روزے جو وہ پیروں اور بیبیوں کی نیت سے رکھتی ہیں اور ان میں سے اکثر کے تو نام بھی خود انہی کے تراشے ہوئے ہیں۔ اور انہی خود ساختہ ناموں پر وہ روزے رکھتی ہیں۔ اور ہر روزہ کے افطار کے لیے انہوں نے خاص طریقے مقرر کیے ہیں۔ اور ان روزوں کے دن بھی الگ الگ مقرر ہیں یہ بدبخت اور جاہل عورتیں اپنی حاجتوں کو ان روزوں سے وابستہ کرتی ہیں۔ اور ان روزوں ہی کے وسیلے سے اپنی مرادیں ان پیروں یا بیبیوں سے مانگتی ہیں اور ان کی حاجت روائی کا اعتقاد رکھتی ہیں۔ اور یہ بلاشک شرک فی العبادت اور غیر اللہ کی عبادت کے ذریعہ اسی غیر سے اپنی مرادیں چاہنا ہے۔ اس مشرکانہ فعل کی شناعت و خرابی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے ..... اور وہ جو بعض عورتیں اس کے جواب میں یہ تاویل کرتی ہیں کہ ہم یہ روزے اللہ کے واسطے رکھتے ہیں۔ اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتے ہیں۔ سو یہ محض ان کا حیلہ ہے۔ ورنہ اگر وہ اس بات میں سچی ہوتیں تو ان روزوں کے لئے خاص ہی دنوں کا تعین کیوں ہوتا۔ اور پھر افطار میں خاص قسم کے کھانوں اور خاص طریقوں کے اہتمام سے کیا غرض؟

حضرت مجدد قدس سرہ کے اس ارشادِ گرامی سے ایک طرف تو پیروں اور بیبیوں کے نام کے روزوں کا شرک ہونا معلوم ہوا۔ اور دوسری طرف یہ اصول بھی صاف ہو گیا کہ اگر کسی بزرگ کو صرف ایصالِ ثواب مقصود ہو تو پھر دن، تاریخ کے تعین اور کسی مخصوص ہی کھانے کے اہتمام اور کسی خاص ہی طریقے کے التزام کے کوئی معنی نہیں اور جو جاہل لوگ بزرگوں کی فاتحہ میں یہ سارے التزامات و اہتمامات کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت کسی مخفی اعتقادی خرابی اور مشرکانہ قسم کی کسی توہم پرستی میں مبتلا ہیں اور ایصالِ ثواب کی آڑ وہ صرف حیلے کے لئے دیتے ہیں۔

یہی ہے وہ زریں اصول جس کی بناء پر علماء اہل سنت مروجہ گیارہویں، بارہویں، بی بی کی صحنک، شیخ عبدالحق کے توشہ، سہمنی شاہ بو علی قلندر وغیرہ وغیرہ کو سختی سے ناجائز کہتے

ہیں اور اس بارہ میں غیر معمولی شدت برتتے ہیں۔"

(الفرقان بریلی صفحہ بابت ربیع الاوّل ۱۳۵۰ھ) اہل حدیث ۹ رجون ۱۹۳۱ء

سوال: امام مہدیؑ کی آمد کے نشانات جیسے اصلی نام، جائے پیدائش، قومیت، حلیہ وغیرہ نیز آمد کی غرض و غایت جو احادیث میں مرقوم ہیں بالفاظ بحوالہ صفحہ و کتاب حدیث تحریر فرمائیں

حکیم غلام نبی

جواب: امام مہدی کا نام محمد جائے پیدائش مکہ معظمہ حلیہ مثل حلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آمد کی غرض و غایت ھدایۃ الناس یملأ الارض عدلا کما ملئت جورا۔ مفصل در حجج الکرامہ

۲۸ راگست ۱۹۳۱ء

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں یا نہیں۔

جواب: ایک روایت میں ایسا آیا ہے "نبی اللہ حیّ"۔ مگر اس حیات کی حقیقت ہم نہیں جانتے۔ اور یہ دنیاوی حیات نہیں۔

۶ ر نومبر ۱۹۳۱ء

سوال: مقلدین کو رسولؐ کی شفاعت نصیب ہوگی یا نہیں۔؟

جواب: ہر کلمہ گو غیر مشرک کو شفاعت ہوگی۔ مقلدین بھی اس میں داخل ہیں ۶ ر نومبر ۱۹۳۱ء

تعاقب: جناب مفتی صاحب اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متفرق ہوگی میری امت اوپر تہتر گروہ کے۔ وہ سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک گروہ۔ صحابہؓ نے عرض کیا کونسا ہوگا وہ گروہ۔ اے رسول خداؐ! فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔ قرآن و حدیث سے صاف صاف ظاہر ہے کہ نجات پانے والی جماعت اہل حدیث ہی ہے۔ جب مقلدین کو بھی شامل کر لیا تو باقی فرقے خارج ہیں؟

ابوالقاسم خالد

جواب: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ پورے پورے توحید و سنت کے پابند ہوں گے وہ تو دوزخ سے بالکل دور ہی رہیں گے۔ اولئک عنہا مبعدون اور جن میں کچھ کمی ہوگی (بشرطیکہ شرک کے مرتکب نہ ہوں گے) تو ان کو سزا مل کر نجات ہو جائے گی۔ چنانچہ حدیث شفاعت میں تفصیل آئی ہے۔

۲۲ رجنوری ۱۹۳۲ء

سوال: کسی ولی کے نام پر چھوڑا ہوا بکرا اگر ولی کا نام لئے بغیر فقط بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر کاٹا جائے۔ کیا تب بھی حرام ہو جاتا ہے۔

جواب: جو چیز کسی غیر اللہ کے نام پر بطور خیرات کے رکھی جائے وہ حرام ہے۔ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔

(۷ ہار نومبر ۱۹۳۱ء)

سوال: تقدیر کے لکھے ہوئے کے خلاف انسان کام کر سکتا ہے یا نہیں۔ تقدیر لکھی ہوئی تبدیل ہو سکتی ہے یا نہیں۔

جواب: تقدیر کو تقدیر والا ہی تبدیل کر سکتا ہے۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ

(۱۳ رمئی سنہ ۱۹۳۲ء)

تقدیر کی تفسیر بطرز جدید

تقدیر کیا ہے؟ آئندہ ہونے والے واقعات کا اندازہ یا موازنہ۔ جس طرح سلطنتوں کا نظم و نسق اور موازنہ شائع ہوتا ہے۔ مگر فرق اتنا ہے کہ سلطنتوں کا موازنہ انسانی ہاتھوں کا مرتبہ ہوتا ہے۔ اس لئے سال ختم ہونے تک اس میں کمی بیشی ہونے کا امکان رہتا ہے بلکہ یقینی طور پر کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

موازنہ میں ہر ایک کام کے لیے ایک مقدار رقم کی شریک رہتی ہے۔ لیکن اتنی رقم خرچ نہیں ہونے پاتی۔ یا زیادہ خرچ ہو جاتی ہے۔ کام جیسا مطلوب تھا انجام نہیں پاتا۔ اسی قسم کے سینکڑوں انقلابات رونما ہوتے ہیں۔ یہ خود دلیل انسانی کمزوری کی ہے موازنہ قدرت کا حال ایسا نہیں۔ اس کی بیشی ناممکن۔ اس میں افراط و تفریط ناممکن۔ اس میں مقررہ کام کی کمی ناممکن۔ غرض اس میں مقدار مقررہ اور حدود مقررہ سے تجاوز ناممکن ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ موازنہ موصوفہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا مرتب فرمودہ ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں سارا جہان اور جہانیاں ہیں۔ اور جس سے ذرہ ذرہ کسی طرح پوشیدہ نہیں۔

نیز ایک فرق یہ ہے کہ دنیوی سلطنتوں کا موازنہ صرف رقمی آمد و خرچ کے حسابات تک محدود رہتا ہے۔ اور صانع حقیقی کا موازنہ ہر امر کلی و جزئی، ارضی و سماوی، ملکی و ملکی اور جملہ تغیرات و تصرفات وغیرہ پر محیط رہتا ہے سلطنتوں کا موازنہ ایک محدود مدت سال دو سال تک کے لئے ہوتا ہے اور موازنہ الٰہی ازلی و ابدی ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان اپنی جہل کی وجہ سے ہر چیز کی تفصیلات پر احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور اپنے حادث ہونے کی وجہ سے محل تغیر و انقلاب میں ہے۔ خداوند تعالیٰ کی ذات، قدیم، تغیر و فساد سے بری اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ اور کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں، تو اس کا موا[زنہ]

اُسی شان کا ہونا چاہیئے اور ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ

"اللہ سبحانہ کے پاس ہر چیز ایک اندازہ پر ہے وہ حاضر و غائب سب کو جاننے والا ۔ بڑائی والا اور سربلندی والا ہے ۔"

اور دوسری جگہ ارشاد ہے :۔

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ

"ہم نے ہر ایک چیز کو ایک اندازہ سے پیدا کیا ہے اور ہمارا امر صرف ایک پلک جھپکنے کے برابر ہے ۔"

جس طرح سلطنتوں کے موازنہ میں قیدیوں کے خوراک کی رقم ۔ ان کے پوشاک کی رقم اور ان کے جملہ اخراجات کا اندازہ شریک رہتا ہے ۔ اور ان کے جرم سے سلطنت ناراض اور اُن کے جرائم کے خلاف حکومت سے حکم صادر ہوتے ہیں لیکن باوجود اس کے ان کے جملہ اخراجات عدالت ۔ پولیس ۔ مجلس ۔ فوج وغیرہ کے مصارف شریک موازنہ ہوتے ہیں ۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ شانہ بھی عاصیوں کے عصیان سے ناراض ہے ۔ اور اُن کی نافرمانی خلاف امر الٰہی ہے اور اس کی سزا دہی کے لئے اللہ پاک نے دنیا میں مذکورہ اسباب اور آخرت میں دوزخ اور اس کے عذاب پیدا کئے ہیں ۔ اللہ محفوظ رکھے آمین ۔"

مثلاً کسی جگہ قتل کی واردات ہو جاتی ہے ۔ تو اس میں شک نہیں کہ قاتل سرکاری ملازم یا رعایائے سرکاری اس کا ہتھیار جس کے ذریعہ خون کیا ہے وہ بھی سرکاری ۔ یا کم از کم سرکاری حکم و اجازت سے بنایا ہوا ۔ یا سرکاری اجازت سے درآمد کیا ہوا ہوتا ہے ۔ لیکن سرکاری اجازت کسی بے گناہ کے متعلق قتل کی ہرگز نہیں ہوتی ۔ اسی طرح ان واقعات کو تقدیر الٰہی کے تحت سمجھنا چاہیئے کہ ایک خدا کے بندے نے اللہ کے بندے کو اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہتھیار سے اللہ کے ملک میں اللہ کی دی ہوئی قوت سے قتل کیا ۔ لیکن اللہ پاک نے اُس بے گناہ کو قتل کرنے کا حکم کبھی نہیں دیا تھا ۔ اس لئے سزا و جزا کا اس سے متعلق ہونا سلطنت کے نزدیک بھی واجبی بات ہے ۔ اور خداوند تعالیٰ شانہ کے پاس بھی ۔ فرق اس قدر ہے کہ سلطنت کے موازنہ میں ان امور کا اندراج

نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان واقعات کو رقمی آمد و خرچ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ صرف قیدی مذکور کی خوراک، پوشاک، مجلس، محافظ دستہ کے اخراجات، فیصلہ کنندہ حاکم اور محکمہ کے اخراجات وغیرہ وغیرہ رقمی مدات درج موازنہ ہیں۔ اور اللہ پاک نے اپنے علم محیط اور قدرت علی الاطلاق وغیرہ کے مدنظر ہر امر کو تقدیر میں لکھا ہے۔ جس میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ جن کو وہی خوب جانتا ہے اور کسی کو اس میں چون و چرا کرنے کی کوئی مجال نہیں۔ ارشاد ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ اس کے کیے ہوئے کی نسبت کوئی سوال کا مجاز نہیں۔ خود ان لوگوں سے بازپرس ہوتی ہے۔ جب ہتھیار کی تیاری یا درآمد، اور اس کی فروخت، اس کے طریقہ استعمال کی تعلیم، وغیرہ (امور جو مبادی قتل ہیں) کے باوجود حکومت پر قتل کی ذمہ داری نہیں اور قاتل کو سزا دینے میں وہ حق بجانب ہے۔ تو کس کا منہ ہے کہ باری تعالیٰ شانہ کی جناب میں کوئی دریدہ دہنی کرسکے۔ اور اس کے کسی فعل پر حرف شکایت یا اعتراض زبان پر لائے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا" بہت بڑی گستاخی کی بات ہے جو معترضین کی زبان سے نکل جاتی ہے۔ وہ صرف جھوٹ کہتے ہیں" ان کو ایسا کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

چونکہ بعض نافہم یا کج فہم یا کم فہم لوگ کچھ کا کچھ سمجھ لیتے اور اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ اور مسئلہ تقدیر باریک مسئلہ ہے۔ اس بارے میں حصہ لینے اور اس میں موشگافیاں کرنے یا بحث کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

دوسرے انسان کا کام اپنے فرائض کی انجام دہی ہے۔ نہ کہ موازنہ پر غور و خوض کرنا۔ کام کرنے والوں کو تو موازنہ سے سروکار ہی نہیں۔ ان کو صرف اپنے دستور العمل پر کاربند رہنا چاہیے۔

سلطنت کا موازنہ چونکہ انسانی ہاتھوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ جس میں کمزوریاں بھی ہیں اور اغراض بھی۔ کسی کی حق تلفی بھی ہے اور دیگر اصولی لغزشیں بھی۔ اس لیے اس پر وہ لوگ بحث کرتے ہیں جو اس کی اصلاح کرسکتے ہیں۔ تو ان کا بحث کرنا بھی بجا ہے۔ لیکن خداوند تعالیٰ کا ہر حکم اکمل ہے اور ہر امر کی بنیاد مستحکم۔ یہاں دم مارنے کی کسی

کو کیا مجال ہے۔ لہٰذا بحث کر کے اپنے اوقات ضائع کرنے کے سوا تقدیر میں بحث کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

پس یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ہر امر خواہ خیر ہو یا شر۔ اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے۔ خیر سے خدا راضی اور اس کا حکم فرماتا ہے۔ اور شر سے خدا ناراض اور اس کے کرنے کا کبھی حکم نہیں فرماتا۔ جتنے برے کام دنیا میں ہوتے ہیں۔ وہ اگرچہ تقدیر الٰہی سے باہر نہیں لیکن خلاف امر الٰہی ضرور ہیں۔ اسی طرح اچھے کام جس قدر ہوتے ہیں۔ وہ بھی تقدیر الٰہی میں داخل اور حکم الٰہی کے مطابق ہیں۔ لہٰذا برے کام کی سزا اور اچھے کام کی نیک جزا ملنی بھی واجبی بات ہے۔ اور یہ بھی تقدیر الٰہی میں داخل اور موازنہ الٰہی میں شامل ہے۔

ابوالنصر محمد شفیع مئوی مدرس مدرسہ محمدیہ دیوریا	اہل حدیث ۲۶ ربیع ۱۳۳۲ھ

سوال: فرقہ شیعہ معاً اپنے عقائد سب وشتم خلفاء کیا داخل اسلام ہے یا خارج۔

جواب: اسلام کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آمنوا باللہ ورسولہ اس لحاظ سے تو اصحاب کی تصدیق داخل اسلام نہیں دوسری حیثیت صحبت رسولؐ کی ہے جس کی بابت ارشاد ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ والے ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں۔ آپس میں رحمدل ہیں۔ تم ان کو دیکھتے ہو کہ رکوع سجود کرتے ہوئے اللہ کا فضل چاہتے ہیں۔ وغیرہ اس آیت کی تصدیق بھی داخل اسلام ہے۔ اس لئے اصحاب کے حق میں سب وشتم کرنے والے کو کافر یا مومن کہنے کے بارے میں کف لسان اور قلم کو روکتا ہوں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

اہل حدیث ۱۸ ربیع ۱۳۲۱ھ

تشریح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم بھی مہاجر ہیں اور یہ امر بدیہی اور تواتر سے ثابت ہے بفحوائے ارشاد باری تعالےٰ

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (پ ۱۱ ع ۲)

اس آیت شریفہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ خلفاء ثلاثہ وغیرہ صحابہ مہاجرین رضی اللہ عنہم کو کافر و منافق کہنا ان کو سب و شتم کرنا۔ ان کو دائمی دوزخی بتانا قرآن شریف کی تکذیب ہے اور یہ کہنا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد مرتد ہو گئے تھے یا پہلے ہی سے منافق تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو جنتی بنا کر ان کو بشارت بھی دی اور پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع نہ کیا۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم کیسے رہے اور اگر اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم نہ تھا۔ تو یہ اللہ کی تجہیل ہے۔ بہر حال خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ایسے ناپاک خیالات صراحتاً کفر ہیں۔ اب فیصلہ قارئین کرام کے اختیار میں ہے۔ جن کو اللہ عالم الغیب نے دائمی جنتی بتایا۔ ان کو دوزخی کہنا دعوائے علم غیب اور قرآن پاک کی تکذیب ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو ان کے کفر و نفاق کا علم نہ تھا۔ نیز جو دلائل خلفاء ثلاثہ کے ایماندار اور جنتی ہونے کے ہیں۔ اگر وہ صحیح نہیں ہیں۔ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جن کو شیعہ اپنا پیشوا اور جنتی جانتے ہیں۔ سوائے اُن کے ایمان اور اخلاص کے اور کچھ بھی نہیں۔ وَمن ادعىٰ فعليه البيان بالبرهان ودونه خرط القتاد۔

ابو سعید شرف الدین دہلوی

سوال: ہم لوگوں میں دو فریق ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے کہ جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے۔ اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ جادو جھوٹا ہے اور کرنے والا مشرک ہے۔

جواب: تم دونوں میں اختلاف نہیں جو جادو غیر اللہ کے نام کا ہے وہ بالکل شرک و کفر ہے۔ اس کا کرنے والا کافر ہے جو جادو کفر کے یا کسی دوسری طرح کے کلام سے ہے وہ بھی بُرے اثر کی وجہ سے بُرا ہے۔ جو شخص جادو کو برحق کہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جائز ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جادو کا اثر واقعی ہے چنانچہ ہاروت ماروت کے جادو کا قرآن شریف سے ثبوت ملتا ہے۔ اللہ اعلم

(۲۶ فروری ۱۹۳۱ء)

سحر کیا چیز ہے؟

سحر لغت میں پھرا دینا ایک چیز کا ایک چیز کی طرف ہے۔ اس لحاظ سے اس کو چند معنے پر اطلاق کرتے ہیں۔ اول جو چیز لطیف اور باریک ہو۔ اس پر سحر کا لفظ اطلاق ہوتا ہے۔ اسی پر کسی ایک محاور

استعمال کرتے ہیں (۱) جیسا اسحرت الصبی۔ یعنی مہربانی کی میں نے بچہ پر۔ (۲) جیسا شاعروں کو کہتے ہیں۔ سحر العیون۔ یعنی اس نے ٹھنڈی کی آنکھیں (۳) طبیب لوگوں کا محاورہ الطبیعة ساحرة۔ یعنی مزاج نرم ہے جب مریض کی طبیعت سحرت ہو۔ (۴) اللہ تعالیٰ کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے ایک قوم کو۔ بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ۔ یعنی بلکہ ہم لوگ ایسی قوم ہیں جو لطیف اور ادق دل والے ہیں معرفت سے (۵) اور آپ نے فرمایا اسی معنی کے لحاظ سے ان من البیان لسحرا۔ یعنی بعض بیان (وعظ) میں لطافت جو دل کو نرم کر دینے والی ہے۔

ثانی۔ سحر کا اطلاق دھوکہ اور خیالی چیز جو حقیقت میں ٹھیک نہ ہو۔ اس پر بھی ہوتا ہے جیسے شعبدہ باز اور انسوں گر اور تمڑی والے ہیں۔ یہ لوگ اکثر دیہاتی لوگوں میں اور شہروں میں جا کر آنکھیں بند کر کے رسی پر کھسکتے اور آنکھ سے کانٹا نکال لیتے ہیں۔ پس دوسرے معنی کر کے اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو (جو کہ شعبدہ بازوں سے مقابلہ کیا تھا) بیان کیا۔ ملاحظہ ہو سورہ طٰہٰ۔ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی یعنی محض خیالی طور سے اُن ساحروں، شعبدہ بازوں کو رسی وغیرہ سے سانپ وغیرہ کی شکل دوڑتی ہوئی نظر آتی تھی۔ دوسرے۔ سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ۔ یعنی اُن ساحروں نے صرف تخیل علین کو بدل دیا۔ یعنی ظاہر نظر کو پلٹ دیا حقیقت میں وہ رسی وغیرہ بعینہ وہی تھی۔ مگر ناظرین کی آنکھوں میں سانپ بچھو نظر آنے لگے۔ بس ٹھیک آج مسمریزم اسی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا شیر پنجاب ضیغم قادیانی نے اپنی تفسیر القرآن میں تحت آیت وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ پر حاشیہ لگا کے اس واقعہ کو مسمریزم فرمایا ہے۔

ثالث۔ لفظ سحر کا اطلاق اُن کے قول پر بھی ہوتا ہے جو لوگ شیاطین کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ یعنی شیاطین سے دوستی دلگاؤ پیدا کر کے اُن سے سیکھتے ہیں۔ جیسا پنڈا و جان گرو لوگ شیاطین کی معرفت تھوڑی سی حقیقت اور جھوٹ ملا کر لوگوں میں شائع کرتے ہیں۔ بلحاظ ان معنے کے اللہ پاک اللہ فرماتا ہے۔ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ۔ یعنی لیکن شیاطین لوگ کافر ہوئے لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

سابع: اس معنے پر بھی اطلاق لفظ سحر ہے جو کہ ستارہ کے ذریعے سے نجومی لوگ

حالت بتاتے ہیں۔ یعنی علوم نجوم بھی از قسم سحر ہے۔

ناظرین کرام! اب تو آپ نے سن لیا کہ یہ چاروں معنے سحر کے ہیں۔ بعض قرآن پاک میں مستعمل ہیں اور بعض عرب کی اصطلاح میں۔ اب صرف اس بات کو سوچنا چاہیے کہ آیا اس سحر میں بنفسہٖ تاثیر ہے یا نہیں؟ آیئے سلف صالحین کی تحقیق کو سنیئے:

قال النووی والصحیح ان له حقیقة وبه قطع الجمهور وعلیه عامة العلماء ویدل علیه الکتاب والسنة الصحیحة المشهورة.

فتح الباری انصاری صفحہ $\frac{۲۴۰}{۲۴}$

"یعنی امام نووی کہتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس میں بنفسہٖ تاثیر ہے اور اسی پر جمہور اور علماء عام نے بات کو قطع کیا اور صحیح حدیث مشہور اور قرآن پاک اسی پر دلالت کرتے ہیں۔"

گویا امام نووی رد کرتے ہیں ان لوگوں کی باتوں کو جو لوگ کہتے ہیں کہ اس میں بنفسہٖ تاثیر نہیں ہے۔ بتاتے ہیں کہ اس میں حقیقی اثر خداداد۔ یعنی اس میں اللہ پاک نے حقیقی اثر دیا ہے جو کرنے والے کرتے ہیں۔ اور اس پاک ذات کی مرضی سے ہوتا ہے۔

اب مرقومہ بالا شہادت کو معلوم کر لینے کے بعد جو لوگ کہتے ہیں کہ جادو کوئی چیز نہیں ہے وہ غلط ہے۔ ضرور جادو ایک چیز ہے جو قرآن پاک میں اللہ پاک نے مختلف لغات ہونے کی وجہ سے مختلف معنوں میں بیان کیا۔ عیاں راچہ بیاں۔ اور جادو کوئی چیز نہ ہوتا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ پر کیوں اثر کرتا۔ اور دو سورۃ معوذتین اس کے دفع کرنے پر کیوں اترتیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک چیز بری ہے اور اس کا کرنے والا کافر ہے۔ وہ فلاح نہ پائے گا۔ خدا خود فرماتا ہے۔ لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی۔ یعنی جادو جیسا بھی ہو کرنے والا فلاح (نجات) نہ پاسکے گا۔ اور کروانے والا بھی فلاح نہ پائے گا۔ **کما هو الظاهر۔**

اور بعض لوگوں کا گمان یہ بھی ہے کہ جادو پر یقین کرنے والا بے ایمان ہے۔ تو ان کی بات بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ مومن کا جادو پر یقین اس معنی کر کے ہے کہ وہ ایک بری چیز ہے جو کہ برے لوگ کرتے ہیں۔ اس یقین سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ بے ایمان ہے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں شیطان کا وجود دنیا میں ہے اور وہ رجیم ہے اور وہ لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے۔ تو کیا ہم ان باتوں کو جو خداوند کریم نے بتادی ہیں نہ یقین کریں اور نہ سچ جانیں۔ اسی طرح سے جادو کی حالت قرآن میں بیان کی۔ پس اس کو بھی من حیث جادو مؤثر ہے۔ بحکم خدا یقین کرتے ہیں

اور اس کو بُرا جان کر حکم خدا کو پالن کرتے ہیں۔ یعنی خدا و رسولؐ کے منع کرنے کی وجہ سے ہم نہیں کرتے۔ اور ساحروں کو لائق قتل ہم جانتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اپنے عامل کو خط میں لکھتے ہیں۔ ان اقتلوا کل ساحر وساحرۃ۔ فتح الباری انصاری
یعنی قتل کرو تمام جادوگر مرد اور جادوگر عورتوں کو　پ۲۔ ص۲۴۲۔

والسلام۔ محمد گلزار مدرس مدرسہ کھڑ دھول۔ پوسٹ گاجل ضلع مالدہ۔

اہل حدیث ۱۲ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۵ھ

سوال: عذاب قبر و سوال نکیرین کا اعتقاد جو شریعت محمدیہ میں مسلم الثبوت و احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے۔ بعض احباب اس کا ثبوت قرآن شریف سے چاہتے ہیں　ظہیر حسن

جواب: عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے۔ فرعونیوں کے حق میں مذکور ہے۔ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ (پ۲۴۔ ع۱۶) فرعونیوں کو آگ کے عذاب پر صبح و شام پیش کیا جاتا ہے) اس کے علاوہ ارشاد ہے۔ وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ. حدیثوں میں ان ہی دو آیتوں کی تفصیل ہے۔ اللہ اعلم۔　۲۰ ذی قعدہ سنہ ۱۳۶۳ھ

تشریح: یہ عذاب قبر بطور حوالات کے ہے۔ پورا عذاب قیامت میں ہوگا۔ اسی طرح اسے کلاس کے لوگوں کے لئے قبر میں کچھ راحت بھی ہے۔ پوری راحت قیامت کو ملے گی۔

مولانا عبد السلام شیخ الحدیث دہلوی　　اہل حدیث دہلی۔ ۱۵ رجون ۱۹۵۱ء

سوال: کیا کتاب اور شریعت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں؟

جواب: کتاب کے دو معنی ہیں۔ ایک آسمانی وحی جو الہامی لفظ میں انبیائے کرام پر نازل ہوئی تھی۔ جیسے قرآن۔ توراۃ وغیرہ اس کے علاوہ انبیاء کے قلب پر مضمون القا ہوتا تھا جسے وہ اپنے لفظوں میں بیان کرتے تھے۔ اسی کو حدیث انبیاء کہتے ہیں ان معنی سے کتاب خاص ہے اور شریعت عام ہے جو دونوں کو شامل ہے دوسرے معنی کتاب کے ہیں شریعت الٰہیہ جو دونوں حصوں کو شامل ہے۔ ان معنی سے کتاب اور شریعت ایک ہی چیز ہے۔

۱۰ شعبان سنہ ۱۳۶۶ھ

تشریح: یہی سنت نبویؐ کا مفہوم ہے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی سیرت نبوی ج۴ ص۔۔

پر لکھتے ہیں۔
کتاب اصولی احکام ہیں۔ اور سنت ان اصولی احکام کی عملی تشریح اور بیان ہے۔ کتاب براہ راست وحی الٰہی کا نتیجہ اور سنت ملکۂ نبوی ہے۔ کتاب بلفظ وحی ہے اور سنت بالمعنیٰ۔ پیغمبر کی وحی اور ملکۂ نبوت دونوں کے احکام واجب الاتباع ہیں: "وحی اور ملکۂ نبوت" پر ایک علمی مقالہ اہل حدیث ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ میں دیکھئے۔

سوال: ہمارا لین دین ہندوؤں سے ہے۔ کسی وجہ سے فریقین میں جھگڑا ہوگیا ہے اور لین دین بند ہوگیا۔ ہر فریق کے پاس جتنی رقم رہ گئی ہے اس نے روک لی ہے تو کیا روزِ محشر ہندو کی رقم کا معاوضہ مسلمانوں سے دلایا جائے گا۔

جواب: ہندو اس ملک ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ معاہد ہیں۔ حربی نہیں ہیں۔ معاہد کا حکم مسلمان کا حکم ہے۔ اللہ اعلم　(۱۴ رجادی الآخر ۱۳۶۲ھ)

سوال: برقع اوڑھ کر مسلمان عورتوں کو سینما اور ناٹک کے تھیٹروں میں جاکر سینما اور ناٹک جائز ہے یا نہیں اور بعض عورتیں ہندو عورتوں کا لباس پہن کر سینما میں جایا کرتی ہیں۔ ایسی عورتوں کے بارے میں خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟

جواب: سینما دیکھنا عورتوں کا ہو یا مردوں کا ناجائز ہے۔ فواحش ہے اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ہندوانہ لباس پہن کر جانا ڈبل گناہ ہے۔ واللہ اعلم

(۷ رجمادی الآخر ۱۳۶۵ھ)

سوال: اس جگہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تصور نہیں کرتے۔ قرآن و حدیث سے ان کے سایہ کا ثبوت دو۔

جواب: یہ بات یوں ہی بے ثبوت مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ جو کوئی بیان کرے۔ اس سے اس کا ثبوت طلب کیجئے۔ اگر مل جائے تو ہمیں بھی اطلاع دیجئے۔ اللہ اعلم　(۱۱ر نومبر ۱۹۳۸ء / ۱۷ر رمضان ۱۳۵۷ھ)

سوال: ۱۷ر رمضان کے پرچے میں نمبر ۱۶ اگر درج کردیں تو تنقید کی توقع ہے۔ جو میرے واسطے مفید ہے وھو ھذا ولم یکن له صلی اللہ علیه وسلم ظل فی شمس ولا قمر لانه کان نورا۔ روی ابن الجوزی عن ابن عباس انه لم یکن للنبی صلی اللہ علیه وسلم ظل ولم یقم مع الشمس الا غلب ضوء الشمس

شرح زرقانی علی المواہب صفحہ ۲۲۰ قال عثمان ان اللہ اوقع آیۃ ولولاذ سمعتموہ اسی طرح تذکرۃ الموتیٰ قاضی ثناء اللہ پانی پتی صفحہ ۳ پر لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

المجیب ابو عبد الغنی فیض پوری

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مسلّم ہے اور بشریت کے لیے جسم لابدی اور جسم کو سایہ ضروری ہے۔ جب تک اس کے خلاف کوئی معتبر ثبوت نہ ہو۔ یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر احادیث سے ثابت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "ثم افاض علی سائر جسدہٖ" کہ آپ نے اپنے سارے جسم مبارک پر پانی ڈالا۔ اس حدیث سے جسم اطہر کا ثبوت ہوا۔ اور جسد کا سایہ ہونا ضروری ہے۔ سائل نے جو اقوال نقل کئے ہیں وہ بے دلیل ہیں۔ اور ایسے اقوال حجت شرعیہ نہیں ہیں۔ امام ابن جوزی ہوں۔ یا صاحب مدارک ان کے اقوال حجت موجبہ نہیں ہیں۔

اہل حدیث ۲۳ دسمبر ۱۹۳۵ء

سوال: زید کا دعویٰ ہے کہ کوئی شخص ہندو ہو یا عیسائی، سکھ ہو یا یہودی۔ غرض کسی مذہب کا آدمی ہو اور اپنے مذہب پر پختہ رہے۔ نماز نہ پڑھے۔ روزہ نہ رکھے۔ غرض کہ اسلام کی کوئی بات بھی نہ مانتا ہو۔ مگر اتنا کہہ دے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں تو اس کی نجات لازمی ہے۔ نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ نجات کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ درجات کے لیے ہیں۔ کیا یہ عقیدہ از روئے قرآن و حدیث صحیح ہے۔

عبد الحکیم

جواب: عقیدہ مذکورہ صحیح نہیں۔ توحید باری والے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی تصدیق کے بعد اسلام کے کسی حکم کا بھی انکار کرنے والا کافر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری ومسلم) یعنی اسلام کی بناء پانچ چیزوں پر ہے۔ خدا کی وحدانیت کی شہادت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی۔ نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج کرنا۔ ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔

اہل حدیث ۸ نومبر ۱۹۳۵ء

سوال: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرۃ رضی کو حکم دیا کہ جاؤ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس شخص نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا۔ جنت میں داخل ہو گیا۔ تو بعد حضرت عمر رضی کے کہنے کے آپ نے حضرت ابوہریرۃ کو منع کر دیا۔ اب سائل کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے سے حکم دیا تھا یا وحی الٰہی کے ذریعہ سے؟

جواب: نبی کوئی حکم شرعی اپنی رائے سے نہیں دیتا۔ یہ حکم بھی وحی الٰہی سے تھا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے دینی امور میں وہ جو بھی کہتے ہیں۔ سب اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے)

۱۸ ؍ نومبر ۱۹۳۸ء

سوال: جغرافیہ دان جو بیان کرتے ہیں کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ آیا اس کی بابت قرآن شریف و حدیث میں ذکر ہے۔

محمد شریف

جواب: آیت قرآنیہ وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب (دیکھنے والے تو پہاڑوں کو جامد دیکھ رہا ہے) (ایک دن آنے والا ہے کہ یہ پہاڑ) بادلوں کے مثال اڑیں گے) کی ایک تفسیر یہ بھی مضارع حال اور مستقبل دونوں زمانوں کو شامل ہے۔

۱۰ ؍ شعبان ۱۳۶۴ھ

تشریح ثنائیہ) اگر زمین سورج کے گرد گھومتی تو پھر سورج ہمارے سر پر دکھائی نہ دیتا۔ واذ لیس فلیس :۔

تعاقب اہل حدیث ۱۰ شعبان ۱۳۶۴ھ جواب میں بیان کیا گیا ہے کہ زمین حول الشمس گھومتی ہے۔ اس کی دلیل آیت قرآنیہ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ بیان کی گئی ہے۔ زمین گھومتی ہے۔ یا آسمان یہ بحث حکماء کا ہے۔ فیثا غورث اور بطلیموس دو یونانی حکماء کے درمیان اختلاف ہے کہ زمین گھومتی ہے یا آسمان۔ ایک زمین گھومنے کے قائل ہیں۔ دوسرا آسمان جس قول کی تائید پر ہدایت الحکمت والا نے لکھا ہے۔ ان الفلك يتحرك على الاستدارة دائما۔ قانون قدرت الٰہی نے دونوں قول کے خلاف نعرہ احتجاج بلند کرتا ہوا بآنگ دہل پکارتا ہے۔ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ جس سے معلوم ہوا کہ چاند سورج اپنے اپنے محور میں متحرک ہیں۔ بندہ کے خیال میں زمین یا آسمان کے متحرک ہونے کا ثبوت قرآن کریم سے نہیں ملتا۔ آیۃ تری الجبال میں احوال قیامت کا بیان ہے۔ خیال کی صورت اول بیان کی گئی ہے۔ وتکون الجبال کالعھن المنفوش۔ جب کہ جبال کی حالت عہن منفوش کی طرح ہو جائے گی تو وہی تمر مر السحاب کا ہونا اظہر من الشمس ہے۔ علاوہ بریں مسوری و دوری ایک چیز نہیں۔ دونوں علیحدہ علیحدہ شئے ہے۔ جبال کی جمادات۔ ثقالت و ضخامت کے باوجود ہول قیامت کی وجہ سے سحاب کی صورت پہ فضائے آسمان پر نظر آنے کا بیان ہے۔ فطرت الٰہی یا قانون قدرت کا کرشمہ کا بیان مقصود بالذات نہیں۔ واللہ اعلم

الراقم میر عبدالسلام بنگالی۔ بگوردی

اہلحدیث

اس امر میں بحث کا مدار یہ ہے کہ تَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً میں تری کا صیغہ جو فعل مضارع ہے یا بمعنی حال۔ حضرات مترجمین دونوں طرف گئے ہیں۔ امام غزالیؒ جیسے باریک بین بزرگوں نے اس امر کی تصریح کی ہوئی ہے کہ علوم جدیدہ میں جن امور کا انکشاف ہو اور قرآن شریف سے اس کا تائیدی اشارہ ملتا ہو۔ تو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ میرا بھی یہی مسلک ہے۔

یکم رمضان سنہ ۶۴ھ

سوال: یہاں چند اہل حدیث اور حنفی شافعی اس بات پر متفق ہیں۔ کہ خدا آسمانوں پر عرش پر ہے اس کا علم و قدرت سارے جہان میں موجود ہے۔ جیسا کہ سلف صالحین عقیدہ رکھتے ہیں۔ مگر ایک مولوی صاحب نے یہاں آکر بیان کیا ہے۔ کہ خدا ہر جگہ اپنے علم اور وجود سے موجود ہے۔ اس کو ایک جگہ یعنی عرش پر ٹھہرانا غلط عقیدہ ہے اور دلیل سے عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ؛ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اور دوسری دلیلوں سے دلیل دے کر اللہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے کر کے کہہ دیا۔ اب یہاں کے لوگوں میں کھلبلی پڑ گئی ہے۔ جواب سے مطلع فرمائیں۔

محمد علی کاڈوٹی

جواب : محدثین نے صاف لکھا ہے کہ جو لفظ خدا کی صفات کے متعلق آئے ہیں ان کو بلا تاویل رکھنا چاہیئے۔ اَمِرُّوْهَا كَمَا وَرَدَتْ (ترمذی وغیرہ) قرآن شریف میں استوی علی العرش بھی ہے اور هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ بھی ہے۔ دونوں کو بجائے خود رکھنا چاہیئے۔ امام شوکانیؒ نے اپنے رسالہ عقیدۃ السلف میں اس کا ذکر مفصل لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ رہا اختلاف سو یہ مدت سے چلا آرہا ہے۔ اس میں منازعت یا مناقشت کرنی منع ہے کل من عند ربنا۔ (۱۳ رجمادی الاول ۱۳۶۴ھ)

ایک تعاقب کا جواب | اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۳ ر جمادی الاول ۱۳۶۴ھ میں مسئلہ عقیدۃ استوار علی العرش کی بابت لکھا گیا تھا۔ کہ قرآن شریف میں استوار علی العرش بھی ہے اور هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ بھی ہے۔ دونوں کو بجائے خود رکھنا چاہیئے۔ اس پر مدراس کے اخبار رفیق نے اس عقیدہ کو خلاف اہل حدیث سمجھ کر تعاقب کیا ہے۔ واضح ہو کہ یہ مضمون میں نے امام شوکانیؒ کے عقیدۃ السلف سے لیا ہے۔ آپ تکلیف کر کے اس کو ملاحظہ فرمالیں۔ (۱۳ ر شوال ۱۳۶۵ھ)

سوال : استوی علی العرش میں اہل السنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے اور معتزلی کا کیا؟

جواب : اس امر میں اہل سنت کے دو فریق ہیں مفوضین و ماولین۔ خاکسار کا مسلک تفویض کا ہے۔ حضرت شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں غیر کی قسم میں فرماتے ہیں۔ و اتفقوا علی اثبات الاستواء علی العرش والوجه والضحك على الجملة ثم اختلفوا فقال قوم انما المراد معان مناسبة فالاستواء هو الاستيلاء والوجه الذات وطواها قوم على غرها وقالوا لا ندری ما ذا اريد بهذه الكلمات وهذا القسم لست استصح ان ترفع احدى الفرقتين على صاحبتها بانها على السنة صنہ مطبوعہ مصر (۔ علماء نے اثبات استوار علی العرش پر اور وجہ اور ضحک پر اجمالاً تو اتفاق کیا ہے۔ لیکن تفسیر میں مختلف ہوئے ہیں کسی نے کہا کہ ان سے ظاہر کے سوا ان کے مناسب معانی مراد ہیں۔ پس استوار سے مراد استیلار (غلبہ ہے) اور وجہ سے مراد ذات ہے اور بعض نے ان کو بحال خود (غیر متکیف) چھوڑ دیا اور کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ ان کلمات سے کیا مراد ہے۔ اس قسم (غیر منطوق کی نسبت میں کسی فریق کو دوسرے پر ٹھیک طور پر ترجیح نہیں دے سکتا کہ فلاں گروہ اس امر میں سنت پر ہے

اسی طرح کتاب الاسماء والصفات میں امام بیہقی استاد ابو منصور سے نقل کرتے ہیں۔

وفیما کتب الی الاستاذ ابو منصور بن ابی ایوب ان کثیرا من متاخری اصحابنا ذهبوا الی ان الاستواء هو القهر والغلبة ومعناه ان الرحمن غلب العرش وقهره (ص۲۹۳) کہ انہوں نے جو تحریر میری طرف لکھی اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ہمارے متاخرین اصحاب میں سے بہت سے اس طرف گئے ہیں کہ استواء سے مراد غلبہ ہے اور اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ رحمٰن نے عرش پر تصرف کیا۔ اور اس پر اپنا حکم چلایا"۔ باقی رہا۔ سائل صاحب کا یہ سوال کہ اس امر میں معتزلی کا کیا عقیدہ ہے۔ سو اس کی نسبت معروض ہے کہ ہر شخص اپنے عقیدے کو خوب بیان کر سکتا ہے۔ دوسرے کی اسے کیا پڑی۔ اس لیے کسی معتزلی سے دریافت کریں ۔

ما اہل حجیم دغا را نہ شناسیم

علم کلام میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا ہے کہ منطوق اور غیر منطوق امور میں فرق نہ کرکے علماء کے فہم و استنباط کی بنا پر بھی مذاہب مدون ہو گئے ہیں ہر ایک نے اپنے فہم کو سنت قرار دیا ہے اور دوسرے کے قیاس کو الحاد و زندقہ حالانکہ اہل سنت ہونے کے یہ معنی تھے کہ امور منصوصہ میں سنت کے خلاف اعتقاد نہ رکھیں اور غیر منصوصہ امور پر مذہبی تفریق کی بنا نہ رکھیں۔ کیونکہ جس امر کی تفصیل اور چگونگی صاحب شریعت سے ثابت نہیں۔ اس امر میں علماء میں اختلاف پڑے اور ضرور ہے کہ پڑے تو بوجہ اس کے ایک کا فہم دوسرے پر حجت نہیں کوئی فریق دوسرے کو الزام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح استواء علی العرش تو بے شک ثابت ہے لیکن اس کی کیفیت ماثور نہیں ہے۔ تو اب الزام کیا۔ یہی امر حضرت شاہ صاحب پر جنہوں نے اس امر پر تنبیہ کی۔ اب علماء کا کام ہے کہ اسے معقول پاکر قبول کریں یا اس سے بہتر لائیں۔ تمت ۔ والحمد للہ ۔

خاکسار محمد ابراہیم سیالکوٹی ۱۸ دسمبر ۱۹۱۲ء

صفات کے متعلق عقیدہ سلف
از قلم حضرت مولانا مفتی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

محدثین اور سلف صالحین سب کا عقیدہ صفات کے متعلق تفویض تھا۔ یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی صفات کے متعلق جو جو الفاظ فرمائے ہیں۔ ان کو

ان ہی لفظوں میں ماننا اور ان کی کسی قسم کی تاویل نہ کرنا۔ چنانچہ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں۔

والمذهب فی هذا عند اهل العلم من الائمة مثل سفیان الثوری و مالك بن انس وسفیان بن عیینة وابن المبارك ووكیع وغیرهم انهم رووا هذه الاشیاء وقالوا تروی هذه الاحادیث ونؤمن بها ولا یقال كیف وهذا الذی اختاره اهل الحدیث ان یرووا هذه الاشیاء كما جاءت ویؤمن بها ولا تفسر ولا یتوهم ولا یقال كیف وهذا امر اهل العلم الذی اختاروه وذهبوا الیه (ترمذی جلد ۲۔ ص۷)

اہل علم (مثل سفیان ثوری۔ امام مالک۔ سفیان بن عیینہ۔ ابن المبارک وغیرہ کے نزدیک یہی مذہب معتبر ہے کہ وہ روایات صفات کو روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیثیں نقل کی جائیں اور ہم ایمان لائیں۔ اور کیفیت نہ بتلائیں۔ یہی مذہب ہے جو محدثین نے پسند کیا ہے کہ ان روایات کو نقل کرتے ہیں۔ جیسی یہ آئی ہیں اور ایمان لایا جاتا ہے اور ان کی تفسیر نہیں کی جاتی اور نہ وہم کیا جاتا ہے۔ اور نہ کیفیت بتلائی جاتی ہے۔ یہی مذہب ہے جو اہل علم نے اختیار کیا ہے اور اسی کو پسند کیا ہے۔

امام بیہقیؒ لکھتے ہیں:۔

فاما الاستواء فالمتقدمون من اصحابنا رضی الله عنهم كانوا لا یفسرونه ولا یتكلمون فیه كنحو مذهبهم فی امثال ذلك؛ سمعت سفیان ابن عیینة كل ما وصف الله تعالیٰ من نفسه فی كتابه فتفسیر تلاوته والسكوت علیه۔ (كتاب الاسماء و الصفات ص۲۹۰-۲۹۱)

"ہمارے متقدمین سلف استوٰی علی العرش کی تفسیر نہ کرتے تھے۔ اور نہ اس میں کلام کرتے تھے۔ جیسے وہ اس کی مثل اور صفات میں بھی نہیں کرتے تھے۔ امام سفیان بن عیینہ کہتے تھے۔ جس لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنی تعریف کی ہے اس کی تفسیر صرف اس کا پڑھنا اور خاموش رہنا ہے"

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:۔

وكما نقول هذا فی الاستواء والكون فی تلك الجهة فكذا نقول فی مثل قوله تعالیٰ وهو معكم اینما كنتم و قوله سبحانه وما یكون من نجوی

ثلاثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم و فی نحو ان اللہ مع الصابرین وان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ الی ما یشابہ ذلک ویماثلہ ویقاربہ ویضارعہ فنقول فی مثل ھذہ الایات ھکذا جاء فی القرآن ان اللہ سبحانہ مع ھولاء ولا نتکلف بتاویل ذلک کما یتکلف غیرنا بان المراد بھذا الکون والمعیت ھو کون العالم ومعیتہ فان ھذا شعبۃ من شعب التاویل تخالف مذاھب السلف وتبائن ما کان علیہ الصحابۃ وتابعوھم رضوان اللہ علیھم اجمعین واذا انتھیت الی السلامۃ فی ذالک فلا تتجاوز۔ التحف صلا")

جیسا ہم استواء اور جہت فوق کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں۔ ویسا ہی ان اقوال خداوندی (ھو معکم وغیرہ) کی نسبت اعتقاد رکھتے ہیں۔ قرآن شریف میں ایسا ہی آیا ہے کہ خدا تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے۔ ہم اس کی تاویل علم کے ساتھ یا نصرت کے ساتھ کرنے میں تکلف نہیں کرتے۔ جیسا کہ اور لوگ تکلف کرتے یعنی وہ کہتے ہیں کہ ساتھ ہونے سے اس کا علم مراد ہے کیونکہ یہ بھی تاویل کی ایک شاخ ہے۔ جو مذہب صحابہؓ و تابعین وغیرہ سلف کے مخالف ہے جب تو حد سلامت کو پہنچے تو اس سے آگے نہ بڑھیو!"

نواب صدیق حسن خان مرحوم لکھتے ہیں۔

فی احادیث الصفات مذھبان احدھما الایمان والتسلیم لما جاء فی آیات الصفات واحادیثھا ووجوب الاعتقاد بظاھرھا کما جاءت واحالۃ علمھا الی اللہ تعالیٰ مع تنزیہہ سبحانہ عن التشبیہ والتمثیل والتحریف والتبدیل والتعطیل وھو قول سلف ھذہ الامۃ وائمتھا۔ (تفسیر فتح البیان جلد اول مصری صنع ۲)

احادیث صفات کے متعلق دو مذہب ہیں۔ ایک یہ کہ جیسی وہ آئی ہیں۔ ویسی ہی مانی جائیں اور ان پر اعتقاد رکھا جائے اور ان کا علم خدا کے سپرد کیا جائے۔ نہ خدا کو کسی سے تشبیہ دی جائے۔ نہ تمثیل۔ اور نہ کلام کی تحریف یا تبدیل کی جائے۔ یہی سلف صالحین اور ائمہ اسلام کا مذہب تھا"۔

کہاں تک مزید حوالجات دیے جائیں۔ سلف صالحین۔ محدثین اور غیر محدثین سب کا قریبًا

یہی مذہب تھا۔

(اللہ اعلم بذاتہ وصفاتہ)۔ خدا ہی اپنی ذات و صفات کو خوب جانتا ہے۔

کتاب الاسماء والصفات وغیرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت عرصہ بعد علماء میں ایک گروہ پیدا ہوا۔ جو صفات میں تاویل کرنے لگا۔ بعض نے کسی صفت کی تاویل کی۔ بعض نے کسی کی مثلاً بعض نے کہا آیت اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ تاویل پذیر ہے۔ بعض نے کہا ھو معکم کی تاویل ہے۔ یہاں سے دو شاخیں متکلمین کی پیدا ہوئیں۔ پھر جس جس کو جو جو تاویل پسند آئی۔ وہ اُدھر کو ہولیا۔ مگر متبعان سلف اپنے پہلے عقیدے پر ثابت قدم رہے۔ کہ جو لفظ خدا اور رسولؐ نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی بابت فرمایا ہے اس کو بلا تاویل ہم مانتے ہیں خاکسار راقم آثم کا ذاتی اعتقاد یہی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کسی صفت کی تاویل یا تحریف کی ضرورت نہیں۔ وہ ویسا ہی ہے۔ جو اس نے اور اس کے رسولؐ نے خود بتلایا ہے جیسے قرب و معیت اُس کے بے تاویل ہیں۔ استوار علی العرش بھی بے تاویل ہے۔

چنانچہ امام شوکانی رحمہ کی منقولہ بالا عبارت اس مدعا میں صاف ہے کہ سلف صالحین کسی صفت میں تاویل یا کیفیت نہیں بتاتے تھے۔ قرب و معیت۔ ید۔ وجہ۔ اور استوار علی العرش بلا تاویل اور بلا کیف جانتے اور بتلاتے تھے　　۲۷ رجولائی ۱۹۱۴ء

دیگر: میرا اعتقاد بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات اور صفات کو جانتا ہے یہی معنی تفویض کے ہیں۔ مگر میدان مناظرہ میں جہاں پر مخالفوں کے سامنے تفویض کافی نہیں ہوتی۔ اور دوسرا مسلک (تاویل) بھی اہل علم بلکہ بعض محدثین سے منقول ہے۔ اس لئے وہاں تاویل کیا کرتا ہوں۔ اس فرق کو جو لوگ نہیں جانتے۔ وہ مجھ پر ناراضگی کا اظہار۔ بلکہ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ جن سب کے جواب میں اسی قدر کافی ہے ؎

قاضی ار با ما نشیند بر فشاند دست را　　محتسب گر می خورد معذور دارد دست را

ابو الوفاء ۱۸ ردسمبر ۱۹۱۴ء

نوٹ: حضرت مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی نے جو اوپر تفصیلی بیان دیا تھا۔ مولانا مرحوم کی یہ تحریر اسی بیان سے متعلق ہے۔ فقط۔ راز

فیصلہ | آیت استوٰی کی تفسیر کی بابت فیصلہ ہوا کہ مصنف تفسیر (تفسیر القرآن بالقرآن) نے آیت

لے حضرت مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ جب حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ تو آپ کے مخالفین نے آپ کی طرف منسوبہ عقائد دربار سلطانی میں پیش کئے۔ سلطان نے علماء نجد کی ایک جماعت کے سامنے فریقین کے بیان سن کر فیصلہ دیا جس کی تفصیلات ۸ رفروری ۱۹۲۷ء کے اہل حدیث میں ملاحظہ فرمایئے۔ فقط۔ محمد داؤد راز

استوی کی تفسیر جو بطرز فریق متکلمین کی ہے۔ وہ ترک کر کے موافق سلف صالح کے تفویض الی اللہ کر دے۔ فریق مدعی اپنا مطبوعہ فتویٰ اربعین جلا دے۔ میں نے اس فیصلہ کو علی الرأس والعین رکھ کر تفسیر طبع ثانی میں عمل کر دیا۔ ناظرین تفسیر طبع دوم کا صفحہ ١٢٥ ملاحظہ فرمائیں۔ ٢٥ / اگست ١٩٢٣ء

ادارہ اخبار توحید امرتسر کی طرف سے

جلالۃ الملک کے اس فرمان کے مطابق ہم اعلان کرتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے استوی علی العرش اور دوسری آیاتِ صفات کی تاویل سے رجوع کرنے اور مذہب سلف اختیار کرنے میں قابل تعریف رویہ کا ثبوت پیش کیا ہے۔ ہم تہ دل سے اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس پر اپنی دلی خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اس کو ان کے علم و فضل کے کمال سے تعبیر کرتے ہیں۔

اخبار توحید امرتسر ٩ / جمادی الاول ١٣٤٢ھ

بنام حضرت مولانا محمد صاحب اڈیٹر اخبار محمدی دہلی

فاضل اڈیٹر صاحب "محمدی" السلام علیکم۔ آپ نے اخبار محمدی ١٥ / فروری ١٩٣٩ء میں صفات باری تعالیٰ کے متعلق اپنا عقیدہ تفویض لکھا ہے۔ میں اس کی تائید کرتا ہوں۔ میں بھی صفات باری تعالیٰ میں وہی عقیدہ رکھتا ہوں جو سلف صالح نے کہا ہے۔ اَمِرُّوْهَا كَمَا وَرَدَتْ بِلَا كَيْفٍ (ترمذی) پس آپ میری طرف سے یہ چند سطور درج اخبار کر کے مشکور فرمائیں۔

ثناء اللہ از امرتسر ، اخبار محمدی دہلی یکم مارچ ١٩٣٩ء

مبارکبادی از مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مولانا موصوف (مولانا ثناء اللہ صاحب) نے بذریعہ پرچہ محمدی یکم مارچ ١٩٣٩ء اعلان کرا دیا ہے کہ میں بھی صفات باری تعالیٰ میں وہی اعتقاد رکھتا ہوں جو سلف صالح نے کہا ہے۔ اَمِرُّوْهَا كَمَا وَرَدَتْ بلا کیف (ترمذی) ہم تہ دل سے مولانا کو مذہب سلف صالحین کے اعتصام پر مبارکباد دیتے ہیں۔

محمد عبدالجلیل سامرودی ١٧ / محرم الحرام ١٣٥٨ھ | اخبار محمدی یکم اپریل ١٩٣٩ء

سوال: اَلَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ خود سو سال مرا رہا۔ یعنی پوری صدی تک اس کی میت پڑی رہی اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ اسی دوران میں اس کا گدھا تو ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا۔ مگر اُنْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وہ جوں کا

ترن رہا۔ یہ کہانی خلاف عقل[1] اور بچوں کا بہلاوہ معلوم ہوتی ہے۔ (بی۔ اے اکبر)

جواب: بچوں کا بہلاوہ تو نہیں۔ قرآنی منصوصات ہیں آپ کو اگر ظاہری الفاظ پر اطمینان نہیں ہے تو سر سید احمد خاں مرحوم کی تاویل ہی مان لیجیے جو اس کو خواب کا قصہ بتاتے ہیں۔ یا کسی اور صاحب سے دریافت کرلیں۔ اللہ اعلم۔ (اہل حدیث ۱۲ر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

سوال: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بعض صحابہؓ نے دجال کو ایک جزیرے میں زنجیروں سے جکڑا ہوا دیکھا۔ وہ جزیرہ کون سا ہے۔ اب تو دنیا کا کونا کونا معلوم ہوچکا ہے۔ اور کیا یاجوج ماجوج اور دجال اکٹھے ہی خروج کریں گے یا علیحدہ علیحدہ اور یہ نسلِ انسانی ہے یا جن بھوت؟

جواب: پوری دنیا کی تلاش ابھی تک نہیں ہوئی مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (یاجوج وماجوج) حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں نکلیں گے اور ان ہی کے زمانہ میں مریں گے۔ دجال بھی ان ہی کے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ یہ قومیں نسل انسانی سے ہیں حدیثوں میں ایسا ہی آیا ہے۔ (۱۲ر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

سوال: قرآن میں ہدہد پرندے کی لمبی چوڑی تقریر درج ہے جس میں توحید باری تعالیٰ اور تردید شرک میں زبردست دلائل دئے گئے ہیں۔ کیا پرندے بھی ان امور کو سمجھ سکتے ہیں۔ تو پھر مقدس مقامات کو ناپاک کیوں کر دیتے ہیں۔ یا صرف اسی زمانہ کے پرندے ٹرینڈ تھے۔ مگر اب محض جانور ہیں۔ اگر وہ بقول قادیانیوں کے آدمی تھا۔ تو اس کا ثبوت درکار ہے۔ قرآن کے الفاظ سے تو نہیں نکلتا کہ وہ آدمی تھا۔ (سائل مذکور)

جواب: ہدہد ایک خاص پرند کا نام ہے جو اردو میں ٹھوک بجھیا اور پنجابی میں چکی راہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی صحبت سے باشعور ہوگیا تھا جیسے اصحاب کہف سے کتا اور پرند اپنی اصلی حالت پر ہیں۔ یہ خصوصیت اس میں امتیازی تھی۔ (۱۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

تشریح: کائنات کی ہر چیز اپنی اپنی حیثیت کے مطابق كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (قرآن مجید) کے ماتحت معرفتِ الٰہی وخالقِ کائنات کو جاننے کا شعور رکھتی ہے

---

[1] اس وسوسہ کا جواب خود قرآن نے اسی مقام پر ان لفظوں میں دے دیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ فقط (محمد داؤد راز)

اور عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ کے ماتحت حضرت سلیمان علیہ السلام کو بارگاہ احدیت سے یہ علم ملا تھا۔ کہ وہ پرندوں کی بولیاں سمجھ جاتے تھے۔ ان قرآنی نظریات کے ماتحت ہدہد اور سلیمان علیہ السلام کا مکالمہ بعید از عقل نہیں۔ وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (۲ر آف)

سوال: زید کہتا ہے کہ تصویر کا اتارنا اور رکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ تصویر کی پشت پر ہاتھ پھرایا نہ جائے۔ جائز ہے ایسی تصویر جو آج ہر جگہ فوٹو نظر آرہی ہے۔ اتار لینا جائز ہے۔ بکر بحوالہ قرآن وحدیث کہتا ہے۔ اسلام میں خواہ کیسی ہی تصویر ہو! جاندار کی اتارنا اور تصویر کا مکان میں رکھنا جائز نہیں بلکہ مطلقاً حرام اور ممنوع ہے۔ زید بحوالہ قرآن وحدیث ایک نظیر پیش کرتا ہے۔ کہ شریعت میں تاکیدی امر ہونے پر بھی ہمارے پیشوا۔ بڑے بڑے علمائے دین۔ جیسے کہ شوکت علی صاحب مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ حسن نظامی صاحب وغیرہ وغیرہ۔ کیوں اپنی تصویر لیتے ہیں۔ کیا ان کو خدا کا خوف نہیں۔ یا اُن کے لئے جائز ہے۔ ہمارے لئے ممنوع ہے۔

جواب: اول تو یہ قاعدہ ہے کہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کسی کا قول و فعل سند تو کیا قابل قبول بھی نہیں۔ مولانا آزاد نے تصویر کی اجازت سے خود رجوع کیا ہوا ہے (دیکھو دیباچہ تذکرہ) دوسرے اور تیسرے صاحب علمائے دین نہیں ہیں۔ اخبارات میں عزت کے طور پر اُن کو مولانا لکھتے ہیں خواجہ حسن نظامی کی کوئی تحریر اجازت کی ہم نے نہیں دیکھی۔ اگر انہوں نے بھی اجازت دی ہے۔ تو یہ اجازت ان کی ویسی ہی ہوگی۔ جو سجدۂ پیر کی بابت انہوں نے دے رکھی ہے۔ اس لئے شریعت میں سوائے نبی علیہ السلام کے کسی کا قول و فعل سند نہیں۔ اللہ اعلم

۱۷ر جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ

شرفیہ صحیح بخاری امسلم کی حدیث ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ قبروں پر تصویریں بناتے بنواتے تھے۔ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اولئك شرار الخلق۔ انتہی۔ مشکوٰۃ۔ تصویریں بنانے، رواج دینے والے مخلوق میں شریر ہیں۔ اور دوسری حدیث مرفوع میں ہے۔ من رضي عمل قوم كان شريك من عمل به اخرجه ابویعلی وغیرہ۔ ہدایہ ص۲۶۵ پس تصویر بنانا۔ رکھنا پسند کرنا شرار الخلق بننا ہے۔

ابوسعید شرف الدین۔ دہلوی

سوال: بخدمت جناب مولانا مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ

واضح ہو کہ آپ نے جو معجزوں کا انکار اپنی تفسیر میں کیا ہے اور خود آپ ہی اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس روش کو اختیار کیا ہے تفسیر لکھنے میں جس کو امام جوزیؒ اور امام سیوطیؒ نے اختیار کیا ہے۔ کہ امام جوزیؒ اور امام سیوطیؒ نے آیت سے آیت کی تفسیر کی۔ تو میں نے بھی انہیں کی روش کو اختیار کیا ہے۔ تو کیا (نعوذ باللہ) امام جوزیؒ اور امام سیوطیؒ نے آیت سے آیت کی تفسیر کر کے کسی معجزہ کا بھی انکار کیا ہے۔ لہٰذا آپ بذریعہ اخبار اہل حدیث کے مطلع فرمائیں۔

جواب: میں معجزات کا منکر نہیں۔ میں نے اپنی دونوں تفسیروں (اردو اور عربی) میں خاص کر "ترک اسلام" میں جو آریوں کے جواب میں ہے۔ معجزات کا کافی ثبوت دیا ہے ملاحظہ ہو! معجزات موسوی اور عیسوی۔ تفسیر عربی کے صفحات ۱۴، ۱۵، ۵۷، ۵۸ وغیرہ تفسیر ثنائی اردو میں تو سرسید کے ہر انکار پر تعاقب کیا ہے۔ میرے مخالفوں کا مجھ پر یہ ویسا ہی اتہام ہے۔ جیسا جماعت اہل حدیث پر تھا کہ یہ لوگ معجزات اور کرامات کے منکر ہیں۔ نہیں معلوم جو لوگ کسی پر ناجائز اتہام لگاتے ہیں۔ وہ خدا کو کیا جواب دیں گے۔

ہاں میں اگر کسی واقعہ سے منکر ہوں۔ تو اپنے خیال میں۔ اس کے عدم ثبوت کی وجہ سے ہوں۔ نہ اس لئے کہ میں معجزے کا منکر ہوں۔ اس کی مثال بعینہٖ یہ ہے۔ جس طرح اہل حدیث حضرت پیر صاحب کی اس کرامت کے منکر ہیں کہ بارہ برس کے بعد ڈوبی کشتی نکالی۔ نہ اس لئے کہ یہ کرامت اولیاء اللہ کے منکر ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ اس کا ثبوت نہیں محض ماتحت قدرت ہونے سے وقوعہ پر اعتقاد نہیں ہو سکتا۔ ہاں تفسیر کے متعلق میرا دعویٰ ہے کہ میں نے وہی اصول مدنظر رکھے ہیں۔ جو سلف صالحین کے مدنظر تھے۔ جن کا ثبوت میری کتاب تقلید شخصی اور سلفی سے مل سکتا ہے۔ ۱۶ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ

سوال: کلام اللہ میں جو معجزے نبیوں سے صادر ہوئے ہیں۔ ان کو آپ حقیقت مانتے ہیں یا مجاز پر حمل کرتے ہیں۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام سے جانوروں کا بلانا۔ اور داؤد علیہ السلام سے لوہے کا موم ہونا اور عیسیٰ علیہ السلام سے مردوں کا زندہ ہونا۔

جواب: معجزات کیا قرآنیہ اور کیا حدیثیہ۔ سب حقیقی ہوئے ہیں جب تک حقیقتاً قلب

ماہیت نہ ہو۔ معجزہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ ہاں کسی خاص امر کے معجزے ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ سو اس کی بنا اس بات پر نہیں ہے کہ فریق ثانی مطلقاً معجزہ سے منکر ہے بلکہ اس میں خاص امر کی صورتِ اعجازی کے ثبوت میں اختلاف ہوتا ہے۔ سو اس کا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جو لوگ امر معجزے کے سرے سے منکر ہیں وہ کسی معجزہ کو بھی نہیں مانتے اور ان کے انکار کی بنا اس بات پر ہے کہ کوئی شے بغیر علت کے موجود نہیں ہو سکتی۔ اور علت تامہ بشرائطہا موجود ہو تو معلول کا تخلف نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارے نزدیک علت و معلول کا سلسلہ سب کچھ خدائے قادر کے ہاتھ میں ہے۔ وہی علت بناتا ہے وہی معلول کو موجود کرتا ہے۔ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں لا موثر الا اللہ الصمد۔ ہر چیز اس کے کلمہ کن کے ماتحت ہے۔ سہ

کسی موجود سے ایجاد کرنا نام رکھتا ہے مگر لوح عدم پر نقش کرنا کام رکھتا ہے (منہ)

طیور ابراہیم علیہ السلام کی نسبت خاکسار کی تحقیق یہ ہے کہ وہ حقیقتاً زندہ کر کے دکھائے گئے تھے۔ لیکن قرآن شریف کے الفاظ میں اس کا فیصلہ قطعی نہیں۔ فہم و استنباط و استدلال کے دخل سے خالی نہیں۔ اس لئے فریق ثانی اگر یہ کہے کہ زندہ جانوروں کو بلا کر سمجھایا گیا تھا کہ جس طرح یہ جانور تم سے مانوس ہو کر تمہارے بلانے سے دوڑے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح مردے ہمارے حکم سے جی اٹھیں گے۔ تو یہ بعید نہیں۔ کیونکہ محسوسات سے معقولات کی تفہیم قرآن و حدیث میں بکثرت وارد ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سوال کیف یاتیک الوحی کے جواب میں فرمایا تھا کہ احیانا یاتینی مثل صلصلۃ الجرس۔ تو یہ گھنگرو کی آواز سے تشبیہ محض تفہیم کے لئے تھی۔ کہ سائل اس سے آشنا تھا۔ ورنہ وحی کی حقیقت دیگر ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ سوال کیف تحیی الموتی کے جواب میں ایسی معروف صورت بتلائی جائے۔ جس سے سائل معتاد ہے۔ کیونکہ انتقال ذہن کا فائدہ اس سے بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لئے صرہن الیک وارد ہے۔ جس کی دو قراتیں ہیں۔ اول بضم صاد جو معروف و متواتر ہے۔ اور اس کے معنی مائل کرنے اور سدھانے کے ہیں۔ دوسری بکسر الصاد جس کے معنی قطع کرنے کے ہیں (تفسیر معالم) پس جس نے صرف سدھانا مراد لیا۔ اس نے قرات متواترہ کی بنا پر کیا اور جس نے قطع کرنا وغیرہ مراد لیا اس نے دوسری قرات کی بنا پر کہا۔ لہذا کسی فریق

پر الزام نہیں۔ تفسیر جلالین میں بھی اس کے معنی اَمْھِلْھُنَّ لکھے ہیں۔ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہ ترجمہ کیا ہے۔ "پس ہلا ان کو" قرارتِ متواترہ کی رُو سے استدلالی طور پر سمجھایا گیا۔ اور دوسری قرارت کی رُو سے عیانی طور پر دکھایا گیا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہاں اگر یہ امر حدیث میں علی التعیین وارد ہو جاتا تو کوئی گنجائش باقی نہ رہتی۔ لیکن کوئی حدیث مرفوع اس باب میں ثابت نہیں ہوئی۔ اور جو امور قرآن و حدیث میں منطوق نہ ہو اور علماء کے فہم و استنباط وغیرہ کے نتائج ہوں۔ یا اُن کی بنا غیر مرفوع روایات پر ہو۔ ان میں علماء مختلف ہو جائیں تو ایک دوسرے پر الزام نہیں آسکتا۔ جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ کی عبارت[1] میں اِسْتَوٰی کے سوال کے جواب میں گذر چکا۔ فتدبر۔ اسی طرح داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کا موم ہو جانا قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ صرف اَلَنَّا کا لفظ ہے۔ جس کے معنی نرم کرنے کے ہیں اور نہ حدیث مرفوع میں مذکور ہے۔ لہٰذا فریق ثانی کا انکار اس وجہ سے نہیں کہ وہ ایک پیغمبر برحق کے ہاتھ میں لوہے کا موم ہونا ممکن نہیں جانتا۔ بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں پایا گیا۔ اگرچہ خاکسار کی تحقیق میں اس لوہے کا نرم ہونا بھی اعجازی صورت میں تھا۔ لیکن چونکہ اس کی بناء استدلال و رعایت قواعد و اصول پر ہے۔ لہٰذا منطوق نہ ہونے کے سبب دوسرے فریق کو الزام نہیں دے سکتا باقی رہے معجزاتِ عیسویہ وہ تو سب کے سب حقیقی ہیں۔ ان میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ نہ لفظاً نہ عقلاً۔ کیونکہ وہ سب ثبوتِ رسالت میں پیش کئے گئے ہیں۔ اور ثبوت رسالت میں بعد از دعوئ رسالت وہ امر پیش ہو سکتا ہے جس سے دوسرے پر حجت پوری ہو سکے اور ماسوا رسول کے دوسرے میں موجود نہ ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب امر مجازی صورت میں انبیاء و غیر انبیاء میں برابر پائے جاتے ہیں۔ پس ان کے سوائے حقیقت کے اور کوئی صورت جائز نہیں۔

خاکسار محمد ابراہیم سیالکوٹی۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۲۸ء

مسئلہ خلق قرآن کے متعلق

مسئلہ خلق قرآن کے متعلق میرے عنایت فرما کچھ کہتے رہتے ہیں۔ لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں۔ کہ مسئلہ ہذا میں۔ میں وہی عقیدہ رکھتا ہوں۔ جو امام بخاری کا ہے

ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری

[1] یہ عبارت آپ صفحہ ۲۰ پر ملاحظہ فرما سکتے ہیں:-

از مولانا محمد صاحب مرحوم	خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ اور آپ کی عزت و وقوت دوبالا کرے

(محمدی ۱۵ اپریل ۱۹۳۹ء)

تشریح: باب ما جاء فی تخلیق السمٰوات والارض وغیرہا من الخلائق وھو فعل الرب وامرہ فالرب بصفاتہ وفعلہ وامرہ وکلامہ ھو الخالق المکون غیر مخلوق .... وما کان بفعلہ وامرہ وتخلیقہ وتکوینہ فھو مفعول مخلوق مکون۔ (بخاری شریف جلد دوم ۱۱۱۰)

مقصد امام المحدثین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے۔ کہ آسمان وزمین اور جملہ خلائق اللہ تعالیٰ کے فعل اور امر سے عالم تکوین میں آئی اس لئے یہ سب کچھ مخلوق قرار پائے۔ پس رب تعالیٰ اپنی صفات اپنے فعل اپنے امر اور اپنے کلام کی رو سے خالق ہے۔ غیر مخلوق پس جس طرح وہ خود غیر مخلوق ہے۔ اسی طرح اس کی صفات بھی غیر مخلوق ہیں۔ اور امر و کلام اس کی صفات ہیں۔ لہٰذا یہ غیر مخلوق ہیں اور تخلیق و تکوین کے نتائج ہیں جو کچھ عالم کون میں ہے وہ مخلوق ہے۔ پس بقول علامہ ابن حجر شارح بخاری۔ ان ذاتہ وصفاتہ غیر مخلوقۃ والقرآن صفۃ لہ ھو غیر مخلوق (حوالہ مذکور کا حاشیہ) بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات جس طرح غیر مخلوق ہے۔ اسی طرح اس کی جملہ صفات بھی غیر مخلوق ہیں اور قرآن مجید بھی اس کی صفات میں سے ہے۔ لہٰذا یہ غیر مخلوق ہے یہ عقیدہ ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جس کی طرف مولانا مرحوم نے اشارہ فرمایا ہے۔

(از مولانا ظفر عالم صاحب میرٹھی صدر مدرس دار الحدیث مالیگاؤں)

حضرت شاہ سید محمد شریف صاحب گھڑیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار

شاہ صاحب مرحوم کو روپڑی امرتسری نزاع کا بہت صدمہ تھا۔ انہوں نے مجھے اس غرض سے دہلی بھیجا تھا کہ میں علمائے اہل حدیث دہلی سے مولانا ثناء اللہ صاحب کی بابت فتویٰ لاؤں۔ وہ فتویٰ میں لایا۔ مگر شاہ صاحب جلدی فوت ہوگئے۔ اس لئے ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے فتویٰ مذکور میں بذریعہ اشتہار شائع کرکے ناظرین سے حضرت ممدوح کے لئے ترقی درجات کی دعا چاہتا ہوں۔

(خادم حافظ عبد الرحمٰن زمیندار از گھڑیالہ ضلع لاہور)

فتویٰ علمائے دہلی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے اہل حدیث اس مسئلہ میں ایک بزرگ کی طبیعت بہت دنوں سے علیل تھی اور حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری بیمار پرسی کے لیے آئے۔ اور اس کے بعد ایک اور حافظ[1] صاحب تشریف لائے۔ اس حافظ صاحب نے اس بزرگ کو یہ کہا۔ کہ تم نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو کیوں آنے دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہاں سے تمہاری خاص دوستی ہے۔ بزرگ کو ان صاحب نے یہ بھی کہا کہ تم مولوی ثناء اللہ صاحب سے دوستی نہ رکھو۔ کیونکہ وہ بے دین آدمی ہے اور ان صاحب نے اس بزرگ سے یہ بھی کہا کہ تم خود اپنے ہاتھ سے لکھ دو کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری مشرک و بیدین ہے اب علمائے اہل حدیث سے پوچھتا ہوں کہ اس مسئلہ کے بارے میں آپ لوگوں کا کیا خیال ہے۔؟

الجواب: حافظ صاحب مذکور کا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو مشرک، بیدین کہنا یا بتانا بالکل قول باطل ہے جو حسد یا لاعلمی پر مبنی ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب عالم دین موحد اہل حدیث ہیں۔ عالم دین کو بیدین کہنا خود بے دینی ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے قرآن مجید کی خدمت کی۔ آریوں، عیسائیوں وغیرہ غیر مسلموں کو دندان شکن جواب دئے۔ جنھوں نے قرآن مجید اور خود رسول اللہ صلعم پر سخت حملے کئے۔ لاجواب کر دیا۔ ان بے دینی کا فتویٰ دینے والوں سے کچھ بھی نہ ہوا۔ اہل بدعت کو بھی مولانا ثناء اللہ صاحب نے جواب دے کر ساکت کر دیا۔ الغرض حتی الامکان مولانا نے دین کی کافی خدمت کی ہے اور کر رہے ہیں، اور ان صاحبان کے پاس سوا کفر کی ٹکسال کے اور کیا رکھا ہے۔ مگر کفر بھی مسلموں موحدوں کے لئے ڈھالتے ہیں۔ ملحدین کفار کے لئے نہیں۔ یہ سب حسد یا لاعلمی یا خودغرضی ہے اور کچھ نہیں۔ ہاں شاید ان صاحب کا مولانا ثناء اللہ صاحب پر اعتراض ہو۔ کہ ان کی تفسیر یا اور کسی تحریر میں کچھ غلطیاں ہیں تو جواب یہ ہے کہ کتاب و سنت صحیحہ کے سوا کوئی تفسیر کسی کی بھی یا اور کوئی تحریر غلطی سے خالی نہیں۔ پھر مولانا کی کیا تخصیص ہے۔ سب پر ہاتھ صاف کریں۔ ہم نے مولانا کی تفسیر اور تحریروں کو دیکھا ہے۔ ان میں کوئی ایسی غلطی نہیں جو مولانا کو اہل حدیث سے خارج کرنے کی

[1] غالباً مولانا مولوی حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی مراد ہیں۔

موجب ہو۔ جیسے اور تفسیریں ہیں۔ ایسے ہی ان کی تفسیر بھی ہے۔ اور بزرگ مرحوم[1] نے جو کام کیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ اہل اسلام اور خصوصاً اہل حدیث کو ان حافظ صاحب کی طرف بالکل توجہ کرنی چاہیئے۔ اس لیئے کہ وہ بالکل راہ راست سے منحرف ہو کر ایسے فتوے دیتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور اُن سب کو معاف فرمائے۔ صراط مستقیم پر قائم رکھے آمین۔

الراقم :- ابوسعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ پل بنگش دہلی

(۲)

حافظ عبدالرحمن صاحب گھریالوی نے دریافت فرمایا ہے کہ آپ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب کو کافر یا بدعتی سمجھتے ہیں یا اہل حدیث ؟ جواباً گذارش ہے کہ میں حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب سے بعض مسائل میں اختلاف رکھتے ہوئے بھی آپ کو شیخ الاسلام معدن العلوم والفنون رئیس المناظرین۔ علمبردار مذہب اہل حدیث مانتا ہوں۔ آپ کے اہل حدیث ہونے میں کیا شک ہے۔ بلکہ آپ کے فیوض علمیہ و کمالات باطنیہ سے ہزاروں بندگان خدا اہل حدیث ہو چکے ہیں۔ آپ کا مرتبہ معاصرین میں ممتاز ہے۔ آپ کی تصانیف کو علمائے ہندوستان اپنے لیئے مایۂ ناز سمجھتے ہیں۔ اعدائے اسلام کے لیے آپ تمام علماء کی طرف سے فرض کفایہ بنے ہوئے ہیں۔ اس دورِ کفر و الحاد میں مسیحیوں وآریوں و دیگر مخالفین و اعدادِ دین کا آپ نے ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ آپ کے علم و فضل کا غلغلہ چہار دانگ عالم میں بلند ہے۔ میری قلم آپ کے مناقب لکھنے میں یقیناً قاصر ہے ؎

بحر مواج آپ معارف و معانی ہیں ۔۔۔ جن کا ثانی نہیں وہ سبع مثانی ہیں

خاکسار محمد یونس۔ مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ پھاٹک حبش خان دہلی

(۳)

بلاشبہ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری موحد اہل حدیث ہیں۔ ان کی تصانیف میں مجھ کو کوئی ایسی تحریر نہیں ملی۔ جس سے اُن کا مشرک اور بیدین ہونا ثابت ہو۔ جو لوگ ان کو مشرک یا بیدین کہتے ہیں۔ جہل و حسد کی وجہ سے کہتے ہیں۔ حضرت مولانا ممدوح کی دینی، علمی خدمات جماعت اہل حدیث کے لیے باعث فخر ہیں۔ ادام اللہ برکاتہ علی المسلمین و متعھم بطول حیاتہ۔

عبید اللہ رحمانی مدرس دار الحدیث رحمانیہ دہلی

[1] حضرت شاہ گھریالوی مرحوم مراد ہیں۔ م ۔ آ ۔ ز

(۴) میرے خیال میں تو حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری متع اللہ المسلمین بطول بقائہٖ کے موحد، متبع سنت اہل حدیث ہونے پر بحث کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے شیعوں کے مقابلے میں حضرات شیخین سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ایمان پر اور بریلوی مبتدعین کے مقابلہ میں شہید ملت حضرت مولانا اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے اسلام پر بحث کرنا۔ جس طرح ان بزرگوں کا اسلام اپنے بے شمار براہین کے باوجود بعض معاندین، حاسدین اور شپرہ چشم غرض پرستوں کے نزدیک مشکوک ہے۔ ورنہ مولانا کی تحریروں میں میرے نزدیک کوئی بھی ایسی تحریر شائع نہیں جس کو جمہور سلف کے خلاف کہا جائے۔ یا ان کی وجہ سے ان پر شرک و بے دینی کا فتویٰ لگایا جائے یہ محض اپنے جاہل مریدوں میں اپنی پیریت برقرار رکھنے کے لئے فضول غوغا آرائی ہے اور کچھ نہیں۔ مسلمانوں کو ایسے فتنے انگیز مولویوں کے دام فریب میں آکر راہ عدل سے انحراف نہ کرنا چاہیئے۔

نذیر احمد اعظمی رحمانی مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی

(۵)

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مشہور معروف عالم جماعت اہل حدیث کے ہیں۔ ان کو بے دین و مشرک کہنا بعید از عقل و نقل ہے۔ اور کوتاہ نظری پر مبنی ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب پکے موحد، دین دار عالم و فاضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمین کو پھوٹ کی وبا سے محفوظ رکھے۔ جو ذرہ ذرہ بات پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ اور فتویٰ لگانے سے خود کافر ہو جاتے ہیں۔

الٰہی بخش مدرس مدرسہ دار الہدیٰ محلہ کشن گنج دہلی

(۶)

الاجوبة كلها صحيحة

تقریظ احمد ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی

میری درخواست ہے کہ ناظرین حضرت شاہ صاحب مرحوم کے حق میں مغفرت اور ترقی درجات کی دعا کریں۔[1]

المشتہر

خاکسار (حافظ) عبدالرحمٰن زمیندار گھریالہ ضلع لاہور۔ خادم حضرت شاہ صاحب مرحوم

(۱۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اہل حدیث امرتسر ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء

---

[1] اللهم اغفر له وارحمه واكرم نزله ووسع مدخله آمين۔ ورحم الله عبدا قال آمينا۔ (محمد داؤد راز)

سوال: مٹھائی وغیرہ سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ کیا ائمہ اربعہ نے ایسا کیا ہے؟

جواب: یہ طریقہ بدعت ہے۔ کسی امام کا قول یا مذہب نہیں ہے۔ (اہل حدیث ج ۱ ص ۴۹)

تشریح: از قلم حضرت مولانا عبدالسلام صاحب (مولوی فاضل) بستوی مصنف تصانیف کثیرہ

سوال: (۱) کیا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقت میں کسی کی نیاز یا فاتحہ دی تھی یا دلائی تھی؟

سوال: (۲) آج کل جو ہندوستان میں عام طور سے بڑے بڑے پیر صاحب۔ نظام الدین اولیاء رح۔ یا خواجہ معین الدین رح اجمیری کے نام پر نیاز یا فاتحہ کرتے ہیں۔ اس کھانے کو فقیر اور مساکین کے علاوہ بڑے امراء و رؤساء بھی بہ شوق کھایا کرتے ہیں۔ کیا اس قسم کے کھانے عوام کے لئے جائز ہیں یا ناجائز؟

سوال: (۳) اگر نیاز یا فاتحہ نہ بھی کی جائے۔ صرف بزرگان دین کے نام سے کھانا پکایا جائے تو اس کھانے کو فقراء و مساکین کے علاوہ اور لوگ بھی کھا سکتے ہیں کہ نہیں۔ براہِ کرم تینوں باتوں کے جواب میں فقہ کا حوالہ بھی دیں۔

جواب: (۱) نہیں (۲) ناجائز ہے۔

(۳) دن۔ تاریخ اور رسموں کی پابندی کے بغیر جائز ہے۔ اور صرف فقراء و مساکین کا حق ہے۔ اب ان کا مفصل جواب سنیئے:۔

(۱) شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وصیت نامہ میں لکھتے ہیں: از بدعاتِ شنیعہ ما مردم اسراف است۔ در ماتم یا در رسوم چہلم و ششماہی و فاتحہ و سالینہ و ایں ہمہ را در قرن اولیٰ وجود نہ بود مصلحت آنست کہ غیر تعزیہ وارثان میت تا سہ روز و طعام ایشاں یک شبان و روز زرسے نہ باشد۔ یعنی۔ جو بدترین بدعتیں ہم میں جاری ہیں۔ ان میں ماتم کی فضول خرچی اور تیجہ و چالیسواں و ششماہی و فاتحہ و برسی ہے۔ خیر القرون میں ان تمام بدعتوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ صرف تین روز تک میت کے وارثوں کی تسکین و تسلی و ہمدردی اور غمخواری اور ایک دن رات تک انہیں تیار کھانا بھیجنے کے سوا اور سب رسموں کو ترک کر دینا چاہئے۔

(۲) امام سندھی مدنی حاشیۂ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں۔

قد ذکر کثیر من الفقہاء ان الضیافۃ من اھل المیت قلب المعقول لان الضیافۃ حقھا للسرور لا للحزن۔ یعنی۔ اکثر فقہاء نے یہ لکھا ہے

کہ میت والے دعوت کریں۔ یہ تو بالکل الٹی بات ہے اور خلافِ عقل ہے۔ ضیافت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے۔ نہ کہ غم کے موقع پر۔

(۳) حنفیہ کے سرتاج امام ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں۔

یکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیتۃ لانہ شرع فی السرور لا فی الحزن وھی بدعۃ مستقبحۃ۔ یعنی۔ اہل میت کی طرف سے دعوتوں کا ہونا مکروہ ہے کیونکہ مشروع تو یہ ہے کہ خوشی کے وقت دعوتیں کی جائیں نہ کہ غمی کے وقت۔ پس مصیبت کے وقت۔ یعنی میت کے بعد یہ دعوتیں سب کی سب بدترین بدعت ہے۔

(۴) مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی مجموعہ فتاوی میں فاتحہ مروجہ کے طریقہ کی نسبت لکھتے ہیں۔ "اس کی اصل شرع میں نہیں ہے۔ اور سوائے ہندوستان کے کسی ملک میں مروج نہیں۔

(۵) مجموعہ فتاوی جلد سوم میں مروجہ فاتحہ کی نسبت لکھتے ہیں۔

"ایں طور مخصوص نہ در زمانِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود۔ و نہ در زمانِ خلفاء بلکہ وجود آں در قرونِ ثلاثہ کہ مشہود لہا بالخیرات منقول نہ شدہ" یعنی مروجہ فاتحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفاء اربعہ رض کے یا صحابہ رض اور تابعین رح کے زمانہ میں نہ تھی۔ تیجے کی نسبت اسی کتاب میں لکھتے ہیں۔ "در شریعتِ محمدیہ ثابت نیست۔ اسلام میں یہ ثابت نہیں۔

(۶) خلاصہ میں ہے لا یباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلاثۃ ایام .... یعنی تیجہ کرنا درست نہیں۔

(۷) فتاوی بزازیہ میں ہے۔ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثانی والثالث وبعد الاسبوع۔

یعنی۔ میت کے بعد پہلے، دوسرے اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد دعوت کرنی مکروہ ہے۔

(۸) ملّا آفندی حنفی رسالہ ردّ بدعات میں لکھتے ہیں۔

والاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد الطیب والثمار وغیرھا ثمہ والاطعام فی الایام المخصوصات کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشھر السادس۔

یعنی - جو خلاف شرع باتیں ہمارے زمانہ میں ہو رہی ہیں - ان میں یہ بھی ہیں کہ قبر پر تیسرے روز جمع ہونا - اور خوشبو پھل وغیرہ تقسیم کرنا - اور خاص خاص دنوں میں کھانا کھلانا - جیسے تیسرے، پانچویں - نویں - دسویں، بیسویں - چالیسویں دن اور چھ ماہ کے بعد -

(۹) شیخ عبدالحق دہلوی ؒ مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں: "عادت نہ بود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند - ختمات خوانند - نہ بر سرِ گور نہ غیراں وایں مجموع بدعت است - یعنی قبرستان میں یا میت کے گھر پر یا کسی اور جگہ لوگوں کو جمع ہو کر قرآن خوانی ختم کرنے کی سلف صالحین میں عادت نہ تھی -

(۱۰) شیخ علی متقی ؒ رسالہ ردِ بدعات میں لکھتے ہیں - الاجتماع للقراءۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبر والمسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ -

یعنی میت پر قرآن پڑھنے کے لئے قبرستان یا مسجد یا گھر میں لوگوں کا اجتماع بدترین بدعت ہے۔

(۱۱) حنفی مذہب فقہ کی معتبر کتاب جامع البرکات اور کشف الخطاء میں ہے - آنچہ بنو سالے یا ششماہی یا چہل روز دریں دیار طعام پر نذر و بخشش کنند آں را بجاجی گویند - چیزے داخل اعتبار نیست - بہتر آنست کہ نخورند،

یعنی جو کھانا ان اطراف میں برسی ششماہی اور چہلم میں پکا کر کھلاتے ہیں - اس میں کوئی بھلائی نہیں - بلکہ اسے کھانا بھی نہ چاہیے -

(۱۲) مأۃ مسائل جو مولانا شاہ اسحاق صاحب حنفی نے ۱۲۴۵ھ میں خاندانِ تیموریہ کے بعض ارکین کے سوالات کے جواب میں تحریر فرمائی ہے - جس کا اردو ترجمہ بنام امداد السائل بھی خود حنفیوں کے نامور مولوی صاحب مولانا عبدالحی صاحب نے کیا ہے اس کے صہ۳۲ پر لکھا ہے: - شریعت سے چالیسویں کی فاتحہ کے لئے دن مقرر کرنا ثابت نہیں - بلکہ چہلم وغیرہ میں کھانے کا انتظام بھی اچھا نہیں سمجھا گیا (۱۳) اسی کتاب کے صفحہ ۸۶ پر ہے - روٹیوں پر فاتحہ دینا - جیسا کہ مروج ہے - کسی حدیث اور مجتہدین کی کسی روایت سے ثابت نہیں - (۱۴) اسی کتاب کے صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں - فاتحہ مروجہ کی کچھ بھی اصلیت نہیں - اس لئے کہ یہ امور جو لوگوں میں رائج ہیں - وہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور تابعین رحمہ سے منقول نہیں -

(۱۵) حنفی مذہب فقہ کی کتاب عالمگیری میں ہے - قراءۃ الکافرون الی الآخر

مع الجمع مکروهة لانها بدعة لم ینقل ذلك عن الصحابة رضی .....
یعنی سورہ قل یاایہا الکٰفرون سے آخر تک لوگوں کا جمع ہو کر پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ صحابہ رض سے منقول نہیں۔

(۱۶) فقہ حنفیہ کی کتاب نصاب الاحتساب میں ہے۔ قرآءة الکافرون الی الاخر۔ مع الجمع مکروهة لانه بدعة لم ینقل ذلك عن الصحابة والتابعین۔ یعنی سورۂ قل یا سے آخر تک مجمع جمع کر کے پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ بدعت ہے۔ صحابہ رض اور تابعین رض سے منقول نہیں۔

(۱۷) ہدایہ میں ہے کہ صبح صادق کے بعد دو سنتوں کے علاوہ اور کچھ پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ باوجود حرص کے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو سنتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھا۔ اور اسی طرح عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے نفل پڑھنے کو منع کرتے ہوئے یہی دلیل وارد کی ہے۔ کتاب الحج میں صحابہ رض کے فعل کی نقل نہ ہونے کو دلیل بنا کر مسئلہ ثابت کیا ہے اور ۱۴ اور ۱۵ کی دلیل میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ صحابہ رض اور تابعین رض سے منقول نہ ہونے کو کراہیت کی دلیل میں پیش کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کسی فعل شرعی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رض اور تابعین رح سے منقول نہ ہونا اس فعل کے مکروہ اور بدعت ہونے کی دلیل ہے پس مروجہ فاتحہ اور رسوم چہلم وغیرہ بھی بوجہ عدم ثبوت از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدعت و مکروہ ہوگا۔

(۱۸) مولانا شاہ اسحاق صاحب رح کی کتاب مائۃ مسائل کے ترجمہ اردو امداد السائل ص۱۱۹ میں ہے۔ کھانے کی چیزوں شیرینی وغیرہ پر فاتحہ دلانا ان راتوں میں یعنی جمعہ کی رات شب عاشورہ شب برات، شب قدر وغیرہ میں احادیث اور کتب معتبرہ کی روایات سے ثابت نہیں اور احادیث صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد سے ارواح کا ان راتوں میں آنا بھی ثابت نہیں۔

خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی سوئم اور چہلم کے عنوان سے اپنے رسالہ "درویش" مجریہ یکم جون ۱۹۲۲ء میں لکھتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ مر گئے مردود جن کی فاتحہ نہ درود۔ میں کہتا ہوں۔ فاتحہ درود کرنے والوں کو مرنے والوں کے ایصال ثواب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ تو محض اپنی ناموری کے لیے سوئم اور چہلم کی رسمیں ادا کرتے ہیں۔ سوئم چہلم دسویں، بیسویں کا رواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت نہیں ہے۔ یہ

سب رسمیں مسلمانوں نے ہندوؤں سے سیکھی ہیں[۱] یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب مرحوم لکھنوی نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ ان کا سوئم چہلم نہ ہو۔ جیسے حیدر آباد والے زیارت کہتے ہیں۔ قبر میں میرے اعمال میرے ساتھ جائیں گے۔ میں کسی کا محتاج مرنا نہیں چاہتا۔ جو خرچ سوئم اور چہلم میں ہوتا ہے وہ میں اپنی زندگی میں نیک کاموں کے لئے کرونگا۔ تاکہ میں اپنے والوں کا محتاج نہ رہوں۔ پس ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے لازم ہے کہ سوئم چہلم کی رسم ترک کر دے اور جو نیکی کرنی ہو۔ اپنی زندگی میں کرے۔ زندگی میں جو نیک کام کیا جاتا ہے اس کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد سوئم چہلم چونکہ نام و نمود کے لئے کئے جاتے ہیں۔ اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اس کا رواج ہوا ہے اس واسطے بجائے ثواب کے الٹا عذاب مردے کی روح کو ہوگا۔

(۱۹) شامی میں ایک لمبی بحث کر کے ان تمام افعال کی نسبت فیصلہ لکھا ہے کہ فَلَاشَکَّ فِیْ حُرْمَتِہٖ وَبُطْلَانِ الْوَصِیَّۃِ بِہٖ یعنی یہ تمام کام بے شک وشبہ حرام محض ہیں۔ اور اگر مرنے والے نے ان کاموں کی وصیت کی ہو۔ اس کی وصیت بھی یقیناً باطل اور بے کار ہے۔

(۲۰) ردّ المختار جو حنفی مذہب کی چوٹی کی کتاب ہے۔ اس میں تحریر ہے وما یصنع فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی القوارع الطریق من اقبح القبائح۔ یعنی ہندوستان وغیرہ میں جو بد رسم ہے کہ میت کے بعد راستوں پر دریاں وغیرہ بچھا کر بیٹھتے ہیں۔ یہ بہت بری رسم ہے۔

(۲۱) صاحب قاموس مجد الدین فیروز آبادیؒ سفر السعادت میں لکھتے ہیں۔

"عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند۔ قرآن خوانند وختمات کنند نہ بر گور نہ غیر آں مکان وایں بدعت است۔ ومکروہ۔ یعنی سلف صالحین میں یہ دستور نہ تھا کہ قبر پر یا کسی اور جگہ جمع ہو کر کسی مردے کے لئے قرآن خوانی کریں یا ختم پڑھیں۔

(۲۲) حنفی مذہب کی بہت ہی معتبر کتاب خانیہ میں ہے۔ اوصٰی بان یتخذ الطعام بعد موتہ للناس ثلثۃ ایام فالوصیۃ باطلۃ۔

---

[۱] بدعت پسند حضرات کے لئے کیا اس بیان میں کچھ عبرت ہے؟ کیا فرماتے ہیں حضرات؟ خواجہ حسن نظامی دہلوی کے بارے میں؟ (راز)

یعنی اگر مرنے والا وصیت بھی کر جائے کہ میری موت کے بعد آنے جانے والوں کو تین دن کھلاتے پلاتے رہنا۔ تو یہ وصیت بھی باطل ہے۔ وارثوں کے لئے اس کو پورا کرنا جائز نہیں۔

(۲۳) تذکرہ قرطبی میں ہے قال احمد بن حنبل ھو من فعل الجاھلیة۔ یعنی جن کے ہاں میت ہوگئی ہو وہ لوگوں کی دعوت کریں یہ فعل اسلام سے پہلے کے جاہلوں کا ہے۔

(۲۴) اسی کتاب میں ہے الطعام الذی یصنعه اھل المیت فیجتمع علیه النساء والرجال فھو قوم لاخلاق لھم فی الدین۔ یعنی جس گھر میں کوئی مر گیا ہو وہ کھانا پکائیں۔ یہ کام ان لوگوں کا ہے۔ جن کا دین اسلام میں کوئی حصہ نہ ہو۔

(۲۵) تلخیص السنن میں ہے ان ھذا الاجتماع الخ یعنی میت کے مخصوص مقررہ دنوں میں جمع ہونا مطلقاً ثابت نہیں۔ بلکہ ایسا کرنے والے گویا سلف رح پر صحابہ پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ خدا پر طعنہ کرنے والے ہیں۔ کہ امر دین اور میت کے نفع کی چیز ان سب کو تو معلوم نہ ہوئی۔ اور اس کے کرنے والوں نے معلوم کرلی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبد السلام بستوی	اہلحدیث دہلی ۱۵ مئی ۱۹۵۱ء

سوال: یہ اعتقاد رکھنا کہ وصال کے بعد اولیاء اللہ اپنی کرامت دکھا سکتے ہیں (شرک ہے یا نہیں)۔ اگر شرک ہے۔ تو منصور کی لاش سے انا الحق کی صدا کیوں کر آتی تھی؟ مجدد الف ثانی نے اپنی تربت سے یہ جواب (کدام مرزا شیفتہ ما) کیوں کر دیا۔ قصہ اس کا یوں ہے کہ کوئی بزرگ مجدد الف ثانی کی زیارت کو گئے تھے۔ وقت چلنے کے ان سے مرزا مظہر جان جاناں نے اپنا سلام کہلا بھیجا۔ جب فاتحہ سے فارغ ہو کر اُن کا سلام اُن کو پہنچایا۔ تو تربت سے یہ آواز آئی تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔

جواب: ایسے اعتقاد کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں۔ منصور اور مجدد صاحب کا قصہ بھی کسی صحیح روایات سے نہیں آیا۔ مریدوں کی خورش اعتقادی ہے۔

۲۳ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ

شرفیہ: یہ قصہ سراسر جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَھُمْ عَنْ دُعَائِھِمْ غَافِلُوْنَ (پ۲۶-ع۱) وقال ایضا فانک لا تسمع الموتی -(پ۲۱-ع۴) - نیز جب قبر سے آواز آئی تھی تو پیغام رساں سے کیوں نہ کہا - کہ حضرت میں نے تو آپ کو مردہ جان کر فاتحہ پڑھی میں نے غلطی کی کہ آپ زندہ تھے - آپ کو مردہ تصور کیا - معاف فرمایئے - اور قبر سے باہر تشریف لایئے - چھپے ہوئے کاہے کو ہیں - باہر آ کر لوگوں کو تبلیغ سے فائدہ پہنچایئے -

ابو سعید شرف الدین دہلوی

سوال: کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ اپنے صفات میں ظہور کرے - اور خدا کی صفات اسمائیہ آثار میں جلوہ گر ہوں - کیا یہ درست ہے - اگر ہے تو دلیل قرآن شریف اور حدیث نبوی سے تحریر فرمائی جائے -

جواب: اللہ تعالیٰ کے ظہور کرنے سے مراد اگر یہ ہے کہ اس کی صفات کا اثر مخلوق میں پایا جائے - مثلاً قدرت کا اثر مقدور میں - اور خالق کا اثر مخلوق میں تو ٹھیک ہے چنانچہ یہ دیکھ ہی رہے ہیں - اور قرآن مجید صاف بتاتا بھی ہے - وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ - اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ وہ خود جلوہ گر ہو - جیسا عیسائیوں کا حضرت مسیحؑ کے نسبت اور ہندوؤں کا اپنے بزرگوں کی نسبت جن کو وہ اوتار کہتے ہیں عقیدہ ہے - تو یہ عقیدہ قرآن مجید و حدیث شریف - بلکہ جملہ اہل اسلام کے خلاف ہے اللہ اعلم -

۳۰ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ

سوال: حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا - شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ - اور حضورؐ نے فرمایا ہے - بعض لوگ میری امت سے ایک جماعت کے لوگوں میں شفاعت کریں گے - بعض ان میں سے وہ شخص ہے کہ ایک قبیلہ کی شفاعت کرے گا - یہاں تک کہ تمام امت جنت میں داخل ہو گی - الفاظ حدیث شریف یہ ہیں -

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - قال ان من امتی من یشفع للقبیلۃ (الحدیث) (ترمذی باب صفۃ القیمۃ[1])

لہٰذا آپ بذریعہ اخبار اہل حدیث ان احادیث کے تحقیق و مفہوم معنی سے مطلع فرمائیں -

جواب: ایک شفاعت کبریٰ ہو گی - جو عام امت کے لئے ہو گی - جس کے بابت

ارشاد ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ۔ دوسری شفاعت اسی تفصیل سے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ مفصل ہو گی جس میں کچا۔ گرا ہوا بچہ بھی ماں باپ کی شفاعت کرے گا یہاں تک کہ سب سے اخیر خدائے تعالیٰ فرمائے گا۔ کہ سب نے شفاعت کر لی''۔ لَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔ اب تو ارحم الراحمین (خدا) ہی باقی رہ گیا۔ وہ رحمت کے دونوں ہاتھوں سے دوزخیوں کو نکال دے گا۔ یہاں تک کہ سب امت بہشت میں داخل ہو جائے گی۔ ان پچھلے لوگوں کا نام ہوگا عُتَقَاءُ اللهِ[1]۔ (۷ شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ)

سوال: خطبہ۔ جمعہ۔ یا وعظ میں آنحضرت رسولِ کائنات کا نام نامی۔ اسم گرامی سُن کر درود بھیجتے ہیں۔ اور درمیان اذان کے بھی جواب کے ساتھ درود پڑھتے ہیں۔ آیا از روئے شریعت یہ امور جائز ہیں۔ یا نہیں۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے۔ جب میرا نام (آنحضرت) سنو تو درود پڑھو۔ اس حدیث پر تعمیل کرنے کو درود پڑھیں تو جائز بلکہ کار ثواب ہے۔ (۲ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ)

شرفیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی و اسم گرامی کا جب ذکر ہو تو درود شریف پڑھنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رغم انف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علیّ (الحدیث اخرجہ الترمذی وقال حسن غریب کذا فی تنقیح الرواۃ صلا ج ا۔ هذا عن ابی هریرۃ واخرجہ ایضا الطبرانی عن کعب بن عجرۃ وفیہ قال جابر ئیل رغم انف امرئٍ ذکرت عندہٗ فلم یصل علیک فقلت آمین رجالہ ثقات کما قال العراقی واخرجہ ایضًا الطبرانی عن جابر بلفظ قال جبرئیل شقی من ذکرت عندہ فلم یصل علیک فقلت آمین انتہی کذا فی نیل الاوطار ص۲۴۱ ج ۲۔

مقصد ان روایات کا یہ ہے کہ آپ کے نام نامی کو سن کر آپ پر درود شریف پڑھنا بہت ہی ضروری ہے۔ جو اس میں کوتاہی کرے وہ بخیلوں کا بخیل ہے۔ درود شریف بہتر وہی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ مختصر پڑھنا ہو تو صلی اللہ علیہ وسلم ہی پڑھ لیا جائے

ابو سعید شرف الدین دہلوی

---

[1] یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے آزاد کردہ بندے۔ اللّٰھم اعتقنا من النار آمین۔ راز

سوال: جو شخص جماعت اہل حدیث کو گمراہ اور جہنمی قرار دیتا ہے اور علمائے اہل حدیث کے پیچھے نماز ناجائز قرار دیتا ہے۔ ایسے شخص پر منجانب قرآن واحادیث نبویہ کوئی حرف اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اور ایسے شخص کے خلف نماز ہوتی ہے یا نہیں الخ

سائل ابو طیب محمد فرید کوٹی

جواب: ایسے شخص کی وہی سزا ہے جو حدیث میں آئی ہے۔ کہ جو شخص کسی کو کافر یا فاسق کہے اور وہ اصل میں نہ ہو۔ تو وہ الفاظ اس پر لوٹ پڑتے ہیں۔ لیکن ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہیئے۔ اگر نماز پڑھا رہا ہو تو اقتدا جائز ہے۔ صحیح بخاری میں باب امامۃ المفتون و المبتدع ملاحظہ ہو۔

۵ر نومبر ۱۹۳۷ء

سوال: ایک شخص کا عقیدہ کہ قرآن مجید کے موجودہ تیس پاروں میں کوئی منسوخ الحکم آیت نہیں ہے۔ اور وہ شخص قائلین نسخ کو ضال یا گمراہ بھی نہیں کہتا ہے اور ایک دوسرا شخص قرآن مجید کی بعض آیات کو بعض آیات سے منسوخ الحکم قرار دیتا ہے۔ اور نسخ قرآن کے نہ ماننے والے کو گمراہ اور ضال کہتا ہے۔ ان دونوں میں کون حق پر ہے۔

ابو سعید عبدالرحمٰن فرید کوٹی

جواب: کسی آیت مخصوصہ کو منسوخ کہنا منصوص امر نہیں ہے۔ بلکہ مفسر یا مترجم کا اپنا فہم ہے۔ جو عند التعارض اس کو پیش آتا ہے اس لئے ممکن ہے جو تعارض کی وجہ سے ایک مفسر کسی آیت کو منسوخ کہے دوسرا اس تعارض کو اور طرح سے رفع کرے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے فوز الکبیر میں اس کے متعلق کافی روشنی ڈالی ہے۔ کوئی عالم صحیح معنی میں قرآن کی آیت منسوخہ میں تطبیق دے سکے۔ اور وہ تطبیق کسی دوسری آیت یا حدیث کے خلاف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بلکہ فعل ممدوح ہے۔ اس لئے نسخ کے بارے میں اتنا تشدد کرنا اچھا نہیں ہے۔[1] اللہ اعلم

۵ر نومبر ۱۹۳۷ء

سوال: حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا الخ تا مِنْ دُوْنِهَا سِتْرًا (پ ۱۶۔ سورہ کہف)۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین نے سورج کو بیچ چشمے کیچڑ کے ڈوبتا پایا۔ اگر یہ

---

[1] اسباب نسخ کی تفصیلات کے لئے حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۲۳ ملاحظہ فرمائیے۔ محمد داؤد راز

بات صحیح ہے تو جس وقت سورج کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا ہے۔ اس وقت تمام دُنیا میں رات ہونی چاہیئے تھی۔ مگر ادھر جغرافیہ داں کہتے ہیں کہ جس وقت دُنیا کے ایک حصہ میں دن ہوتا ہے دوسرے حصے میں رات ہوتی ہے۔ براہِ مہربانی بہت جلد اپنے جواب سے ہمیں یہ بات ذہن نشین فرمائیے۔

جواب: وَجَدَ کے معنی "گمان کیا" بھی آتے ہیں۔ علم نحو میں وَجَدَ افعال قلوب میں لکھا ہے۔ افعال قلوب یہ ہیں ؎

خلت حاشد باعلمت پس حسبت بارئمت
پس ظننت بارایت پس وجدت بے خطا

اس شعر میں افعالِ قلوب شمار کیے گئے ہیں۔ یعنی وہ افعال جو دل سے تعلق رکھتے ہیں پس معنی یہ ہیں کہ ذوالقرنین نے سورج کو غروب ہوتے ہوئے دلدل میں ڈوبتا سمجھا۔ ذوالقرنین سے کیا مخصوص ہے۔ اب بھی سمندر کے کنارے غروب کے وقت کوئی نظر کر کے دیکھے تو یہی سمجھے گا کہ سورج سمندر میں ڈوب گیا۔ ایسا ہی ذوالقرنین نے گمان کیا۔

۴ مارچ ۱۹۳۲ء

سوال: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دیکھا میں نے چند ایسے لوگوں کو جن کے منہ میں خون بھرا ہوا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ نیز فرمایا کہ جہنم میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حشر کے دن تمام مخلوق سے حساب و کتاب لینے کے بعد اپنے اپنے اعمال کے مطابق دوزخ یا جنت میں بھیجے گا۔ تو یہ لوگ جن کو آپ نے معراج میں دیکھا تھا۔ کون تھے جو ابھی سے دوزخ میں بھیجے گئے اور اپنے بداعمال کا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ نیز اگر دوزخ میں گنہگار ہیں تو جنت میں بس نیک لوگ بھیجے گئے ہوں گے جو ابھی تک وہاں آرام سے بسر کرتے ہوں گے۔

جواب: جس روز آنحضرتؐ نے دیکھا۔ اس سے پہلے جو لوگ ایسے گذر چکے تھے۔ ان کو دیکھا تھا۔ بعض اکابر (مثل شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ قدس سرہ) عالم مثال کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک عالم مثال میں ہر چیز کی تمثال ہے۔ وہ بعینہٖ اصل کی طرح ہے۔ آنحضرتؐ نے اس تمثال کو دیکھا تھا۔ اس کی حکایت فرمائی ہے جو اصل کے حکم میں ہے۔ اللہ اعلم۔

۱۱ مارچ ۱۹۳۲ء

سوال: ارہاص معجزہ کرامت معرفت۔ استدراج وغیرہ کا مفہوم ایک ہی ہے یا

الگ الگ۔ بشق اوّل معجزہ جو دلیل نبوت کہا جاتا ہے اور جس سے خاص انبیا علیہم السلام ممتاز ہیں۔ یہ اور وہ شخص جس کی معاشرت ٹھیک اور اس سے استدراج صادر ہو۔ ان کے مفہوم اور وقعت حقیقی میں آیا کچھ فرق ہے؟

جواب: ارہاص استدراج وغیرہ مشق کے نتیجے ہیں۔ معجزہ مشق کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ وہبی طریق سے فوری ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جس نبی کی معرفت معجزہ ہوتا ہے۔ اس کو ایک منٹ بلکہ سکنڈ بھر بھی پہلے خبر نہیں ہوتی اور کرامت تو ماتحتی نبوت کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے علماء کلام کہتے ہیں کہ ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا معجزہ ہوتی ہے۔ جس نبی کا وہ تابع ہے۔

۲۹ نومبر ۱۹۱۸ء

سوال: سیرت النعمان کے صفحہ ۱۱۱ میں ۷۳ فرقوں والی حدیث کو بناوٹی حدیث بتلایا ہے یہ حدیث صحیح ہے یا بناوٹی۔

جواب: حدیث ۷۳ فرقوں والی صحیح نہیں ہے۔ مگر بناوٹی بھی نہیں ہے کیونکہ بناوٹی موضوع کو کہتے ہیں۔ البتہ ضعیف ہے۔

یکم محرم الحرام ۱۳۶۵ھ

شرفیہ ۷۳ فرقوں والی حدیث کو امام احمد و ترمذی و ابوداؤد و حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن غریب کہا ہے۔ ایک راوی ترمذی کی سند میں مختلف فیہ ہے بعض نے اس میں کلام کیا ہے۔ قال الامام البخاری یقوی امرہ و وثقہ ایضا یحیی بن سعید القطان وسندا حمد والحاکم حسن۔ (تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۴۲)

حدیث بالا کے ماتحت فرقہ ناجیہ کی تشریح[1]

از قلم حضرت مولانا ابو تمیم محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی

حضرات! "فرقہ ناجیہ" کا تصور و خیال ایک حدیث شریف سے اٹھتا ہے۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی۔ ایک فرقہ کے سوائے دیگر سب دوزخ میں جائیں گے۔"

اس ایک فرقہ کے قائم رکھنے میں حکمت خداوندی یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کی ساری امت گمراہ نہ ہو جائے اور دین محمدی محرف نہ ہو جائے۔ نیز یہ کہ اس فرقہ حقہ سے دوسروں پر حجت پوری ہوتی رہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں:-

[1] حضرت مولانا نے یہ تقریر جلسہ سالانہ مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی منعقدہ ۲۶/۲۷ دسمبر ۱۹۳۱ء فرمائی تھی۔

"فَاِنَّ لِلّٰهِ طَائِفَةً مِّنْ عِبَادِهٖ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حُجَّةُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ"

(حجۃ اللہ مصری جلد اول صفحہ ۱۵۳)

"یعنی خدا تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک گروہ ہے جن کو وہ شخص جو اُن کا ساتھ چھوڑ دے کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اور وہ زمین میں خدا کی حجت ہیں۔"

اگلے دین اسی سبب سے محرف ہوگئے کہ اختلاف کے وقت اُن میں کوئی فرقہ بھی سنن انبیاء پر قائم نہ رہا تھا۔ یہ امر اس شخص پر بہت آسان ہے۔ جو تاریخ یہود و نصاریٰ اور ان کی کتابوں کا مطالعہ گہری نظر سے کرے۔ اور ان کے باہمی اختلافات کو فکرِ صائب سے سوچے۔

یہ ایک فرقہ کون سا ہوگا؟ جن لوگوں کی آنکھ پر تحزب و تشنیع کی پٹی بندھی ہے۔ وہ حقیقت کو نہ دیکھتے ہوئے یہی زعم کریں گے کہ بس وہ فرقہ ہمارا ہی ہے۔ باقی سب فی النار والسقر۔ جیسا کہ اگلی امتوں کے اختلاف کی نسبت ان کے مزعومات کا ذکر کیا۔

فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔

(مومنون پ۱۸)

"یعنی انبیاء علیہم السلام کے بعد اُن کی اُمتوں نے دین (واحد) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر فرقہ اپنے عندیہ پر نازاں ہو رہا ہے۔" لیکن قربان جائیں اس رسول پاک صلعم کے کہ آپ نے اس فرقہ ناجیہ کی حقیقت پر کوئی پردہ نہیں رہنے دیا۔ اور اس کی تعیین کے لیے ہمیں بھول بھلیوں میں نہیں چھوڑ گئے۔ کہ ہر کوئی اپنے مزعومات و تخیلات و توہمات پر ڈینگیں مار سکے۔ چنانچہ حدیث مذکور الفوق کا تتمہ یوں ہے کہ

"صحابہؓ نے عرض کیا حضرت! وہ فرقہ کون سا ہوگا؟ آپ نے فرمایا۔ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ۔ یعنی جو اس طریقے پر ہوں گے جس پہ میں ہوں اور تم میرے اصحابؓ ہو" پیارے بھائیو! حدیث کے پہلے ٹکڑے یعنی اختلاف امت اور مختلف فرقے بن جانے کی تصدیق واقعات نے کر دی۔ اور اب اس کے سوا کسی حالت منتظرہ کا انتظار باقی نہیں ہے۔ تو کیا دوسرا ٹکڑا تعیین مصداق کے سوا ہی رہے گا؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مخبر صادق کی خبر کا ایک جزو تو درست اُترے اور دوسری میں ہم ڈانواں ڈول رہیں۔ اب تعصب کی پٹی کھول کر "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ" کے مطابق ہر فرقے

کے مسائل (اصولی و فروعی) کو دیکھ لیا جائے۔ جس کے عقائد اور عملیات سنت رسول اللہ صلعم کے مطابق، اور تعامل صحابہؓ کے موافق ہوں، اُسے حق پر جانتے ہوئے اس میں شامل ہو جائیے۔ بس اللہ اللہ خیر سلا۔ نہ اس میں آپ کو کوئی تردد ہوگا نہ ہونا چاہیے۔

اس حقیقت کو مکدر کرنے کے لئے قرآن و حدیث کے نصوص میں بہت کچھ کھینچ تان کی گئی ہے۔ اور طرح طرح کی تاویلات بلکہ تحریفات سے کوشش کی گئی ہے کہ اپنے مزعومات کو قرآن و حدیث سے ماخوذ بنایا جائے۔ لیکن حضرات! میں یہ مضمون ایک ایسے طریق پر بیان کرتا ہوں۔ جس میں اپنے اپنے خیال کی پچ نہیں ہے اور وہ فرقہ بندی کی قید سے آزاد ہے حقیقتِ مطلوبہ کو نمایاں کرنے کے لئے ایک امر کی وضاحت ضروری ہے۔ جس پر اس کی بنیاد ہے۔ وہ یہ کہ صحیح بخاری میں حضرت مغیرہؓ سے اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ اور ثوبانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ رہے گا جو حق پر ہو کر لڑتا رہے گا۔ حتیٰ کہ خدا کا حکم آجائے۔ اور وہ اسی حالت معنویہ پر ہوگا"

اس وقت میرا استدلال حدیث کے لفظ "لا تزال" (ہمیشہ رہے گا) سے ہے کہ آنحضرت صلعم اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ہر زمانے میں قائم رہنے کی بشارت سناتے ہیں۔ اس بنا پر ہم کو تاریخی طور پر دیکھنا چاہیئے کہ کس فرقے کا وجود بلحاظ عقائد و عملیات کے ہر زمانے میں پایا جاتا رہا ہے! یا یہ کہ کسی کی روش کے آثار حوادث کی پامالی سے کسی زمانہ میں کبھی نہیں مٹ سکے۔ سو معلوم ہو کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری سال میں ایک یہودی الاصل شخص عبداللہ بن سبا نے آپ کے برخلاف سیاسی ایجی ٹیشن شروع کی۔ جس سے سبائی [illegible] جماعتیں بن گئیں۔ اور اس کا انجام حضرت عثمانؓ کی شہادت سے ہوا آپ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے اور سبائی ان کے ساتھ ہو گئے۔ عثمانی حضرت عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے ان کے بالمقابل کھڑے ہوگئے اور باقاعدہ صف آرائی سے جنگ شروع ہوگئی۔ جنگ صفین میں اس بات پر لڑائی ختم ہوگئی کہ ایک منصف حضرت علیؓ کی طرف سے اور ایک حضرت معاویہؓ کی طرف سے مقرر ہو۔ جو کچھ وہ دونوں فیصلہ کریں۔ طرفین منظور کر لیں۔ سبائی صلح نہیں چاہتے تھے ایک بہانے سے کہ حضرت علیؓ نے ایک انسان کو حکم مانا ہے۔ اور خدا کو چھوڑ کر انسان کو حکم ماننا شرک ہے کوئی بارہ ہزار سبائی حضرت علیؓ کی طاعت سے خارج ہوگئے۔ اور ان کا نام خارجی ہوا

جو لوگ حضرت علیؓ کے طرفدار تھے اُن کے مقابلہ ان کا نام شیعہ علیؓ یعنی حضرت علیؓ کی جماعت پڑا۔ اس فتنہ عظیم کے وقت ایک بڑی جماعت غیر جانب دار رہی۔ اور انھوں نے کسی طرف بھی حصہ نہ لیا۔ اس لیے کہ آنحضرت صلعم نے ایسے موقع پر فتنے میں حصہ نہ لینے کی بابت حکم دیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس سیاسی فتنے نے مذہبی صورت اختلاف پکڑ لی۔ اور ہر طرح کی عملی اور اعتقادی بدعات شروع ہو گئیں۔

جس طرح ایک کثیر جماعت نے سیاسی فتنے میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اور ہر طرح سے فتنے سے بچتے رہے تھے۔ اسی طرح ان بدعات کے وقت بھی ایک بھاری جماعت طرز اوّل اور طرز قدیم پر قائم رہی۔

یعنی آنحضرت صلعم کے عہد میں اور اس فتنے سے پہلے صحابہؓ کے وقت میں دین کی جو حالت تھی اس پر قائم رہی۔ اور ان کا نام اہل سنت ہوا۔ اہل سنت ان اہل بدعت کی (بدعی روایات کی قبولیت سے پرہیز کرتے رہے۔ چنانچہ محمد بن سیرینؒ تابعی کا قول ہے:
فَيُنْظَرُ اِلٰى اَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيْثُهُمْ وَيُنْظَرُ اِلٰى اَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيْثُهُمْ (مقدمہ صحیح مسلم) اس قول سے معلوم ہوا کہ امام محمد بن سیرینؒ کے وقت تک ایک گروہ کا نام اہل سنت پڑ چکا تھا۔ جن کی روایات قابل اعتبار سمجھی جاتی تھیں۔ امام محمد بن سیرینؒ تابعی ہیں۔ اپنے وقت کے امام تھے۔ ۳۳ھ میں حضرت عثمانؓ کی خلافت میں پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے مشہور صحابہؓ سے روایت لی۔ مثلاً حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت انس بن مالکؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت حذیفہ بن یمانؓ۔ حضرت معاویہؓ۔ حضرت ابو درداءؓ حضرت ابو قتادہؓ اور حضرت حسنؓ (نواسہ آنحضرت صلعم) وغیرہم۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ آپ کی وفات ستتر سال کی عمر میں ۹ شوال ۱۱۰ھ کو ہوئی۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ اہل سنت نام پہلی صدی ہجری ہی میں پڑ چکا تھا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اہل سنت کا مذہب مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) میں منحصر ہے۔ اور جو کوئی ان چاروں کی تقلید سے خارج ہو۔ وہ اہل سنت سے خارج ہے؛ صریحاً غلط ہے۔ کیونکہ پہلی صدی ہجری میں ان مذاہب اربعہ کا وجود کذائی ہرگز موجود نہیں تھا۔ کیونکہ حنفی امام ابو حنیفہؒ

کی طرف منسوب ہیں۔ آپ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں قید خانہ میں ظلماً زہر سے شہید کئے گئے اور مالکی امام مالکؒ کی طرف منسوب ہیں۔ اور آپ ۹۳ھ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے اور اسی پاک زمین میں ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے اور شافعی امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی طرف منسوب ہیں، اور آپ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں مصر میں فوت ہوئے۔ اور حنبلی امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہیں۔ آپ ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ اور بغداد ہی میں ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے۔ چنانچہ ہم ناظرین کی سہولت اور بیک نظر دیکھنے کے لئے ان کی ولادت اور وفات کی تواریخ ایک نقشہ میں لکھ دیتے ہیں۔

نقشہ تواریخ ولادت و وفات حضرات ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم

نمبر شمار	نام امام	تاریخ ولادت	تاریخ وفات
۱	ابو حنیفہ رح	۸۰ھ	۱۵۰ھ
۲	امام مالک رح	۹۳ھ	۱۷۹ھ
۳	امام شافعی رح	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ
	امام احمد رح	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ پہلی صدی ہجری میں مذاہب اربعہ کا وجود ہی نہیں تھا تو ان کی تقلید کہاں تھی؟ کہ جو شخص ان کی تقلید سے خارج ہے وہ اہل سنت سے خارج ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ معاذ اللہ صحابہ و تابعین اہل سنت نہیں تھے۔ یہ کیسی غلط اور بے معنی بات ہے کہ ائمہ اہل سنت اہل سنت تھے۔ کیونکہ اہل سنت نام تو ان ائمہ اربعہؒ سے پیشتر ہی مشہور و مروج ہو چکا ہے۔ اب نفی کے کیا معنی؟

نیز یہ کہ صحیح بخاری میں حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:- خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ فَلَا أَدْرِي أَذَكَرَ بَعْدَ قَرْنِهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا۔ (الحدیث)

یعنی آنحضرت نے فرمایا کہ میری امت میں سے میرا زمانہ سب سے بہتر ہے، پھر

وہ لوگ جو اُن سے ملیں گے۔ یعنی ان کے بعد ہوں گے پھر وہ جو اُن سے ملیں گے حضرت عمران رضؓ صحابی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ آنحضرتؐ نے اپنے زمانہ کے ذکر کے بعد دو دفعہ (دو زمانوں کا) ذکر کیا یا تین دفعہ۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین و اتباع تابعین بہترین امت ہیں اور انہی کو قرون ثلاثہ کہتے ہیں۔ اور چونکہ آنحضرتؐ نے ان کی خیریت کی شہادت دی ہے۔ اس لئے انھیں مشہود لہا بالخیر کہتے ہیں۔

ان تین زمانوں کی حدیں بھی سن لیجئے۔

پیارے بھائیو! میں پھر عاجزی سے کہتا ہوں۔ کہ میں کوئی بھی بات اپنی طرف سے بنا کر نہیں کہتا۔ جو کچھ کہتا ہوں صحیح صحیح کتابی حوالہ سے کہتا ہوں۔ اور خدا کے فضل سے وہ بات ہوتی بھی حق اور درست اور مطابق واقعہ اور عقل و دین میں مقبول ہے، واللہ الموفق۔

(۱) آنحضرت صلعم کا زمانہ سنہ ۱۱ھ تک رہا۔ یعنی آنحضرت صلعم کی وفات سنہ ۱۱ھ میں ہوئی

(۲) صحابہؓ کا زمانہ سنہ ۱۱۰ھ تک رہا۔ کیونکہ آخری صحابی ابو طفیل سنہ ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے

(۳) تابعینؒ کا زمانہ سنہ ۱۸۰ھ تک رہا۔ اور

(۴) اتباع تابعین کا زمانہ سنہ ۲۲۰ھ تک رہا۔

نوٹ: ان زمانوں کی مذکورہ بالا تحدید فتح الباری (ج ۱۴ صفحہ ۲۵۲) اور تدریب الراوی (صفحہ ۲۰۹ و ۲۱۵) میں مذکور ہے۔ اس سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ قرونِ خیار کی میعاد سنہ ۱۸۰ھ تک یا زیادہ سے زیادہ سنہ ۲۲۰ھ تک ہے۔ اور ہر چہار مذہب کی تقلید اس میعاد تک نہیں تھی۔ کیونکہ چوتھے امام احمدؒ کی وفات سنہ ۲۴۱ھ میں ہوئی۔ اور یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ امام احمدؒ کی تقلید ان کی زندگی میں واجب جانی جاتی تھی۔ پس جس طریق پر قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بالخیر گذرے۔ وہی طریقہ حق اور موجب نجات ہے۔

اور وہ کیا تھا؟ بغیر اینچ پیچ اور کھینچ تان کے اور بغیر کسی خاص شخص کی تقلید کے قرآن و حدیث پر عمل کرنا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

اِعْلَمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا قَبْلَ الْمِائَةِ الرَّابِعَةِ غَيْرَ مُجْمِعِيْنَ عَلَى التَّقْلِيْدِ الْخَالِصِ لِمَذْهَبٍ وَّاحِدٍ بِعَيْنِهٖ۔

(حجۃ اللہ مطبوعہ مصر جلد اوّل صفحہ ۱۵۲)

"اس بات کو جانے رکھو کہ (امتِ محمدیہ کے) لوگ چوتھی صدی (ہجری) سے پیشتر

بعینہٖ کسی خاص مذہب کی تقلید پر جمع نہیں تھے "۔

ان تاریخی حوالوں کے بعد یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جماعت اہل حدیث کو اہل سنت کا مصداق قرار دینا میرا اپنا اختراع و ایجاد نہیں ہے۔ بلکہ ائمہ محدثین انہی کو قرار دیتے آئے ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ حضرت قرہ بن ایاسؓ صحابی کی حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں۔ قال محمد بن اسماعیل (البخاری) قال علی بن المدینی ھو اصحب الحدیث (ترمذی جلد۲ صـ۴۲) امام بخاریؒ نے کہا کہ (میرے استاد) علی بن مدینی نے کہا کہ وہ اصحاب حدیث ہیں "۔

اسی طرح حافظ ابن حجرؒ حضرت مغیرہؓ والی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

اَخْرَجَ الْحَاکِمُ فِیْ عُلُوْمِ الْحَدِیْثِ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ عَنْ اَحْمَدَ اِنْ لَّمْ یَکُوْنُوْا اَھْلَ الْحَدِیْثِ فَلَا اَدْرِیْ مَنْ ھُمْ۔ " امام حاکم نے اپنی کتاب علوم الحدیث میں امام احمد سے بسند صحیح نقل کیا کہ آپ نے فرمایا اگر اُن سے مراد اہل حدیث نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ کون لوگ مراد ہیں "۔

اور حضرت پیران پیر صاحبؒ فرقہ ناجیہ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ ان کا نام تو بس اصحاب الحدیث اور اہل سنت ہی ہے۔ (غنیۃ صـ۲۱۳ مترجم فارسی)

اسی طرح امام ابن حزم قرطبی فرماتے ہیں:۔ وَاَھْلُ السُّنَّۃِ الَّذِیْنَ نَذْکُرُھُمْ اَھْلُ الْحَقِّ وَمَنْ وَّرَآءَ ھُمْ فَاَھْلُ الْبَاطِلِ فَاِنَّھُمُ الصَّحَابَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَکُلُّ مَنْ سَلَکَ نَھْجَھُمْ مِنْ خِیَارِ التَّابِعِیْنَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ ثُمَّ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ۔ وَمَنِ اتَّبَعَھُمْ مِنَ الْفُقَھَاءِ جِیْلًا فَجِیْلًا۔ اِلٰی یَوْمِنَا ھٰذَا وَمَنِ اقْتَدٰی بِھِمْ مِنَ الْعَوَامِ فِیْ شَرْقِ الْاَرْضِ وَغَرْبِھَا رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ (کتاب الفصل جلد۲ صـ۱۱۳)

" اور اہل سنت جن کو ہم اہل حق کے نام سے یاد کریں گے۔ اور ان کے سوا کو اہل باطل کہیں گے۔ پس تحقیق وہ " اہل سنت " تو صحابہؓ ہیں۔ اور نیک تابعین میں سے ہر وہ جو ان کے طریق کی پیروی کرے۔ پھر اُن کے بعد اصحاب حدیث ہیں اور ہمارے اس زمانہ تک جس قدر فقہاء یکے بعد دیگرے جو بھی ان کے پیرو ہوئے۔ دُنیا کے مشرق و مغرب تک وہ سب عوام بھی جنہوں نے ان کی پیروی کی۔ ان سب پر خدا کی رحمت ہو "

اس حوالہ سے معلوم ہو گیا کہ لقب اہل سنت کے پورے مستحق اہل حدیث ہی ہیں۔ اور انہی کی بابت آنحضرت صلعم کلی نجات کی بشارت سنا رہے ہیں۔ ولله الحمد۔

دفع دخل بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جماعت اہل حدیث تھوڑے عرصہ سے قائم ہوئی ہے۔ یہ بات بالکل غلط اور تاریخی ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔

ہم فقہ کی ایک معتبر اور مشہور کتاب کے حوالے سے ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جماعت اہل حدیث خدا کے فضل سے قدیمی گروہ ہے۔ بلکہ ہر چار مذاہب کے قائم ہونے سے بھی پہلے کی ہے۔ چنانچہ شامی شرح درِ مختار میں ہے۔

حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفة خطب الی رجل من اصحاب الحدیث ابنته فی عهد ابی بکر الجوزجانی فابی الا ان یترك مذهبه فیقرء خلف الامام ویرفع یدیه عند الانحناء ونحو ذالك فاجابه فزوجه (شامی جلد ۳ صـ۲۹۳)

"روایت ہے کہ قاضی ابوبکر جوزجانی رح کے عہد میں ایک حنفی نے ایک اہل حدیث سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو اس (اہل حدیث) نے انکار کر دیا۔ مگر اس صورت میں کہ وہ (حنفی اپنا) مذہب چھوڑ دے۔ اور امام کے پیچھے (سورہ فاتحہ) پڑھا کرے اور رکوع جاتے وقت رفع یدین بھی کیا کرے مثل اس کے (اہل حدیث کے) دوسرے کام بھی کیا کرے۔ پس اس (حنفی) نے اس بات کو منظور کر لیا تو اس (اہل حدیث) نے اپنی لڑکی اس کے نکاح میں دے دی"

اب قاضی ابوبکر جوزجانی کا زمانہ دیکھنا چاہیے کہ کونسا زمانہ ہے؟

آپ تیسری صدی کے قاضی ہیں۔ اور ابوسلیمان رح کے شاگرد ہیں۔ اور وہ بلاواسطہ امام محمد رح کے شاگرد تھے (الفوائد البهیہ صـ۱۲)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ تیسری صدی میں بھی مستقل ایک گروہ موجود تھا۔ جس کو لوگ اصحاب الحدیث یا اہل حدیث پکارتے تھے۔ اور ان کے امتیازی مسائل میں سے قرأت خلف الامام۔ اور رکوع جاتے وقت رفع یدین بھی تھے۔

کیا اس زمانہ میں بھی انہی مسائل کی وجہ سے اہل حدیث سے عداوت نہیں کی جاتی۔ جس کے جواب میں ہماری طرف سے صرف یہی مظلومانہ آواز ہے ؎

مکش بہ تیغِ ستم والہانِ سنت را نکردہ اند بجز پاسِ حق گناہِ دگر

ھٰذا واللہ الھادی وآخر دعوانا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

نیاز مند درگاہِ کریم محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (اہل حدیث امرتسر ۲۷ رمضان ۱۳۴۵ھ)

سوال: عامل بالحدیث جو کہ تقلید شخصی کا قائل نہیں۔ جس کے اعتقاد کا مدار فقط حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو اور وہ خود کو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی ایک کی جانب منسوب نہیں کرتا۔ بلکہ خود کو اہل حدیث کہلاتا ہے۔ کیا یہ بدعت نہیں اور اس سے ایک نیا فرقہ اسلام میں پیدا نہیں ہوتا۔ خدائے پاک نے ہم کو قرآن مجید میں مسلم اور مسلمان کے پیارے لقب سے یاد کیا ہے اتنا بس نہیں؟ کیا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تابعین یا تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی نے اپنے کو اہل حدیث کہلایا ہے۔ پھر یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

جواب: اہل حدیث میں جو لفظ حدیث ہے۔ اس کا مضاف الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس معنی اس لقب کے یہ ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے والے یہی معنی مسلم کے ہیں۔ دیگر فرقوں کی نسبتیں اس طرف نہیں۔ آپ خود دیکھ لیں۔ حنفی اور شافعی کے کیا معنی ہیں۔ ان بزرگوں کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے یہ لقب ایک جدید فرقہ پیدا کرتے ہیں۔ اہل حدیث کا لقب جدید فرقہ پیدا نہیں کرتا۔ رہا یہ سوال کہ یہ لقب پہلے نہ تھا۔ اب کیوں رکھا گیا؟ اس کا جواب یہ کہ اسلام میں جب مذاہب مختلف ہوئے۔ تو ایک فریق اس وقت بھی ایسا تھا۔ جس کا یہی دعویٰ تھا کہ ہم مذہبی امور میں کسی اور کی ہدایت نہ سنیں گے۔ نہ عمل کریں گے۔ بلکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بصورت قرآن و حدیث ہماری نصب العین رہے گی۔ چونکہ قرآن مجید امت میں مشترک تھا اور حدیث ہی ما بہ الامتیاز چیز تھی۔ اس لئے اس گروہ کا نام اصحاب الحدیث یا اہل حدیث مشہور ہو گیا پس یہ اہل حدیث عملی امتیازی لقب ہے مسلمان مذہبی لقب ہے درحقیقت دونوں کا مصداق ایک ہے۔

(۱۱ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ)

تشریح: یہ نام مرفوع حدیث اور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ عن انس قال قال

النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامۃ یجیئ اصحاب الحدیث و معھم المحابر فیقول اللہ لہم انتم اصحاب الحدیث الی قولہ انطلقوا الی الجنۃ اخرجہ الطبرانی (القول البدیع للسخاوی ص۱۸۹)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اہلحدیث کہا۔ (دیکھو اصابہ ج ۲ ص۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۲۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رض کو بھی اہل حدیث کہا گیا۔ دیکھو تاریخ بغداد ج ۳ ص۲۲۷ و ج ۹ ص۱۵۴)

حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا۔ انتم خلوفنا واھل الحدیث بعدنا (کتاب الشرف للخطیب ص۱۲)

امام شعبی تابعی رح جنھوں نے ۵ سو صحابہ رض کو دیکھا اور ۴۸ صحابیوں سے حدیثیں پڑھیں تھیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ تمام صحابہ اہل حدیث تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۷۴ حدیث مرفوع لا یزال طائفۃ من امتی منصورین لا یضرھم من خذلھم الخ جس طائفہ حقہ کی بابت حضور نے پیشگوئی فرمائی ہے۔ ابن مدینی جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے اصحاب الحدیث مراد ہیں۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح مشکوٰۃ ص۵۸۴ ج ۲۔

ایک ضروری سوال

ایک مخلص دوست نے سوال کیا کہ اہل حدیث اہل حدیث کیوں کہلاتے ہیں۔ چونکہ سوال و جواب عام ناظرین اور جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے درج اخبار کئے جاتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

" مولانا! دام فیوضکم: السلام علیکم:۔ آپ کا اور مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی وغیرہم کا دعویٰ ہے کہ ہم اہل حدیث ہیں

اہل حدیث کون تھے؟

اس ہیچمدان کے خیال میں اہل حدیث وہ لوگ تھے جو کہ کسی خاص مجتہد کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ مسئلہ کو پہلے قرآن مجید، حدیث شریف۔ صحابہ کرام کے عمل سے تلاش کرتے۔ پھر مجتہدین کی طرف رجوع سے فائدہ اٹھاتے۔ پھر اپنا دماغ خرچ کرتے۔

نوٹ:۔ اصل مذہب بھی یہی ہے۔ احقر بھی اسی کو قابل عمل یقین کرتا ہے۔)

کیا وہ اہل حدیث کہلائے؟ میرے خیال میں اس درجے کے علماء نے اپنے آپ کو اس نام سے بالکل نہیں گردانا بلکہ دوسرے علماء نے واسطے شناخت ان کا نام ایسا رکھ دیا۔ کیونکہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کے مقابلہ ان کا نام اہل حدیث رکھا۔ انہوں نے اپنے نام کے ساتھ یہ لفظ بالکل نہیں لگایا۔

کیا عامی لوگ بھی اہل حدیث کہلا سکتے ہیں جوہری وہ ہے۔ جو کہ ہر ایک قسم کے جوہر سے پوری مہارت رکھتا ہو۔ ہر فرد جوہری نہیں ہے۔ مولوی وہ ہے جو کہ علوم شرعیہ عربی فارسی سے واقف ہو۔ ہر آدمی مولوی نہیں کہلا سکتا۔ بالکل اسی طرح اہل حدیث وہ ہے جو کہ مذکورہ تعریف پر پورا اترے جس کو قرآن مجید پڑھنا نہیں آتا۔ یا بالکل ان پڑھ ہے۔ وہ اہل حدیث کس طرح ہو سکتا ہے۔

آج کل کے اہل حدیث ان پڑھ یا معمولی لیاقت کے آدمی کیا ہیں؟ حضرت مولانا آپ معاف فرمائیں گے اگر احقر آپ کے پیروؤں کو آپ کا مقلد کہے۔ جو کہ دراصل صحیح ہے کیا وجہ۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ میں قرآن مجید کو نہیں جانتا۔ اور نہ ہی حدیث شریف کو۔ لہذا میرے لئے ضروری ہے۔ کہ میں آپ کے علم پر بھروسہ کروں اور آپ سے فتوے طلب کر کے اس کے مطابق عمل کروں۔ بس اسی کو مقلد کہتے ہیں۔ لہذا اس بات سے بخوبی ثابت ہے کہ عامی لوگ مقلد ہوتے ہیں۔ خواہ آپ کے یا مولوی ابراہیم صاحب کے یا اپنے شہر کے قاضی کے۔

کیا آپ کا مقلد اچھا ہے یا ائمہ اربعہ کا؟ میرے خیال میں ائمہ اربعہ کا مقلد آپ کے مقلد سے اچھا ہے۔ کیونکہ وہ عالم بے بدل فاضل اجل تھے۔ اُن کے علم میں اور تقوی میں کسی کو کلام نہیں انھوں نے اپنی زندگیاں فی سبیل اللہ خرچ کر دیں۔ اور اپنے مرشد کامل و پیر اکمل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے فقہ تدوین کی اور نہایت جانفشانی دیانتداری اور ہر طرح کی مصیبت جھیلنے سے ہر ایک مسئلہ کی بال کی کھال نکالی اور کتابیں تصنیف کیں۔ تاکہ عامہ مسلمین ان کی تصنیفات سے مستفید ہوویں۔ اور جو کچھ کیا۔ فی سبیل اللہ کیا اور آپ بھی ان ہی بزرگوں کے

خوشہ چین ہیں۔

نتیجہ: لہٰذا صاف ثابت ہے کہ عامۂ مسلمین کا مقلد ہونا ضروری ہے۔ اور ائمہ اربعہ کا مقلد موجودہ عالموں کے مقلدوں سے اچھا اور افضل ہے۔

مذاہب خمسہ مذاہب اربعہ لکھا جاتا تھا تو کہا جاتا تھا کہ ان چاروں اماموں کے مقلدین نے اہل سنت والجماعت کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اور یہ تقسیم نہایت ہی بری ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب سے ایک گروہ نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم اہل حدیث ہیں۔ اور ہم ہی اصل مسلمان ہیں۔ اُس سے ہمارے پانچ گروہ ہو گئے ہیں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہل حدیث۔ اس قسم کے الزام میں جیسے کہ ایک حنفی پر تشنیع کی جا سکتی ہے۔ بالکل اتنی ہی کا اہل حدیث بھی مستحق ہے۔ سر مو فرق نہیں ہے۔ لہٰذا بالکل واضح ہو گیا کہ مذکورہ بالا پانچ گروہوں میں شامل ہونے والا اہل سنت والجماعت کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے والا ہے۔

ہم کو کیا کہلانا چاہیے؟ اس بات میں ہم کو کسی اور شخص۔ عالم۔ مجتہد۔ بادشاہ۔ امیر کی تابعداری نہیں کرنی چاہیے بموجب اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ ط اب دنیا کی ساری کتابوں کو الگ کر دیجیے کہ قرآن کریم ہمارا نام کیا رکھتا ہے۔ آیئے قرآن مجید کو کھول لیں اور پڑھیے۔ (۱) وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّ ھُدًی وَّرَحْمَۃً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ۔ (۱۶-۹۰) (۲) قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (۶-۱۶۳) (۳) فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (۱۰-۷۲) (۴) وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَہِیْدًا عَلَیْکُمْ (۲۲-۷۷)

قرآن مجید میں شاید پچاس دفعہ مسلمین کا لفظ آیا ہے۔ اگر زیادہ فہرست دوں تو

بہت لمبی ہو جاوے گی۔ درخانہ اگر کسی ہست۔ بیک حرف بس است۔ مولانا! آپ عالم فاضل ہیں۔ بلکہ باریک بین ہیں۔ میرے خیال میں یہ بھی ایک ٹھوکر ہے۔ جو کہ ہم نے کھائی ہے۔ اور فرقہ فرقہ مبارک اسلام کو کر دیا ہے۔ کوئی اہل حدیث ہے کوئی حنفی کوئی حنبلی وغیرہ وغیرہ۔

نتیجہ ہم کو مسلمان کہلانا چاہیئے اور شریع میں مقدم قرآن مجید۔ پھر حدیث شریف پھر صحابہ کرام کے اقوال وافعال۔ پھر ائمہ مجتہدین کی محنت اور جانفشانی کی قدر کرنی چاہئے اور دعا مانگنی چاہیئے۔ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ آمین۔ والسلام

احقر العباد غلام حسین کلرک محکمہ نہر

اہل حدیث کچھ شک نہیں کہ اسلام ہاں سچا مذہب اسلام وہی ہے۔ جس کی تعلیم حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دی۔ اور اپنے سامنے عمل کرتے اس کو دیکھا۔ وہ کیا تھا۔ قرآن اور سنت نبی علیہ السلام اصل دین بس یہی دو ہیں۔ اور بس۔ ان ہی دو کی وجہ سے ہمارا نام مسلمان تھا۔ یعنی تا بعدار آج اگر اس صورت اور شکل کو دیکھنا ہو کہ اسلام جو کچھ حضور علیہ السلام سکھا گئے تھے کہاں ہے تو اس کی پہچان صاف ہے۔ کہ ہر ایک فرقہ کے انتسابات کو دیکھا جائے کہ وہ کس کس طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے۔ یعنی جو فرقہ اسلام کی ماہیت میں ایسے کچھ اجزاء داخل کرتا ہے۔ جن کا دخول نہ حضور کے حکم سے ہو۔ نہ حضور کے زمانہ میں تھا تو سمجھا جائے گا۔ کہ وہ فرقہ اسلام میں بوجہ چند باتیں اضافہ کرنے کے جدید ہے۔ اور جو فرقہ اپنے اندر کسی زائدیات کو یہاں تک کہ اپنی نسبت کو بھی داخل نہیں کرتا۔ وہی اسلام کا نمونہ اور وہی قدیم ہے۔ آج جس فرقہ کا نام اہل حدیث ہے اس کا دعوی ہے ؎

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن　　پس حدیث مصطفےٰ برجاں مسلم داشتن

یہ فرقہ نہ تو اپنی نسبت کسی غیر کی طرف کرتا ہے نہ کرنا جائز جانتا ہے۔ اس فرقہ کا نام اہل حدیث بھی اسی بنا پر ہے کہ یہ لوگ سوائے قرآن وحدیث کے کسی اور کلام کو حجت شرعی نہیں جانتے۔ ہاں یہ بات میں صاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ اس فرقہ کا نام جو اہل حدیث بولا جاتا ہے۔ یہ نام مسلمان کی طرح مذہبی اسم یا لقب نہیں۔ بلکہ عملی طریق کا اظہار ہے۔ اس لئے کوئی شخص اگر قرآن وحدیث پر عمل کرے اور اپنی نسبت

کسی غیر کی طرف نہ کرے۔ تو گو وہ اہل حدیث نہ کہلائے تاہم وہ اہل حدیث کی اصطلاح میں اہل حدیث ہے۔ گو وہ اپنا نام مسلمان ظاہر کرے اور مسلمان کے سوا کوئی دوسرا نام اپنے اوپر بولنا پسند نہ کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل حدیث مذہبی نام نہیں۔ مذہبی نام صرف مسلمان ہے اور یہ نام عملی ہے۔ اس کی مثال بالکل یہ ہے کہ ایک شخص جس کا والدین نے "ابراہیم" رکھا ہے۔ اس کو علمی زندگی کے لحاظ سے اس کو "مولوی ابراہیم" کہا جاتا ہے اگر وہ اپنے دستخطوں میں صرف ابراہیم لکھے تو بھی وہ "مولوی ابراہیم" ہے۔

عام و خاص میں کیا فرق ہے؟

رد المختار میں شامی نے لکھا ہے۔ حنفی وہ ہے جسے مذہب حنفی میں بصیرت اور واقفی ہو۔ جس کو مذہب سے واقفی نہیں۔ اس کا اپنے آپ کو حنفی یا شافعی کہنا ایسا ہے۔ جیسے وہ اپنے آپ کو نحوی یا منطقی کہنے لگے۔ (جلد ۳ مصری صفحہ ۱۹۶)۔ اس تعریف سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام ہندوستان میں حنفیوں کی تعداد ہزار پانسو سے زائد نہ ہوگی کیونکہ ایسے لوگ جو مذہب حنفی میں براہ راست بصیرت رکھتے ہوں۔ اسی قدر ہوں گے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ۔

تو کیا ہمارے حنفی بھائیوں کو یہ شمار منظور ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو اپنی شمار کروڑوں تک پہنچاتے ہیں کیونکر! اس طرح کہ حنفی کی تعریف ان کے نزدیک ایک تو یہ ہے جو علامہ شامی نے کی ہے۔ اس کو اصطلاح خاص میں رکھ کر ایک اور اصطلاح بیان کرتے ہیں۔ حنفی وہ ہے جو امام ابو حنیفہ رح کی فقہ کا تابع ہو۔ عام اس سے کہ اپنی واقفیت سے ہو یا کسی دوسرے کے بتلانے سے ہو۔ (بہت خوب) یہی اصطلاح اہل حدیث کے متعلق ہے۔ ایک تو وہ اصطلاح ہے جو آپ نے لکھی ہے۔ جو قرآن و حدیث کے واقف پر اطلاق پاتی ہے۔ دوسری اصطلاح یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث کی تابعداری اپنے نفس پر واجب جان کر عمل کرتا ہو۔ عام اس سے کہ وہ قرآن و حدیث کا خود واقف ہو یا کسی کے بتلانے سے واقف ہوا ہو ان معنی سے وہ عام لوگ بھی جو آج کل اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ اہل حدیث ہیں جیسے کہ آج کل عوام حنفی ہیں۔ اسی اصطلاح کو ہم اور ذرا وسیع کریں تو مسلمان پر بھی اس کا اجرا ہوتا ہے۔ مسلمان وہ ہے جو مذہب اسلام میں براہ راست واقفی حاصل کر کے اس کا تابعدار ہو۔ ان معنی سے مسلمانوں کی تعداد جتنی ہوگی "عیاں راچہ بیاں" دوسرے معنی مسلمان کے یہ ہیں کہ جو شخص اسلام کا تابعدار ہو۔ عام اس سے کہ خود واقف ہو یا کسی

کے بتلانے سے واقف ہوا ہو۔

رہا یہ مسئلہ کہ ائمہ اربعہ کے مقلد آج کل کے اہل حدیث سے جو علماء کو پوچھ کر عمل کرتے ہیں اچھے ہیں قابل غور ہے کسی کی اچھائی اور برائی کا علم تو اللہ کو ہے۔ مگر قواعد علمیہ سے جو معلوم ہو سکتا ہے یہ ہے کہ اصل مقصود حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہے یہی معیار ہے اچھائی اور برائی کا۔ پس اس اصول سے معلوم کرنا آسان ہے۔ کہ مقلدین کو اس منزل تک پہونچنے میں کتنے وسائط طے کرنے پڑتے ہیں۔ اور اہل حدیث کو کتنے۔ کچھ شک نہیں۔ آج کل کا مقلد آج کل کے علماء کو پوچھے گا۔ ایک مرحلہ یہ ہوا پوچھے گا تو یہ کہ ہمارے امام نے اس مسئلہ کی بابت کیا ارشاد فرمایا ہے۔ تاکہ ہم اس کی پیروی کرکے اطاعت رسول کی منزل پر پہونچیں۔ یہ دو مرحلے ہیں۔ اہل حدیث کو حضور نبوی میں پہونچنے کے لئے صرف ایک مرحلہ ہے۔ یعنی اپنے زمانہ کے عالم کو پوچھ کر عمل کرلینا۔ بتلائیے بلحاظ بعد و قرب مسافت کون اچھا ہے۔ ہاں یہ خیال آپ کا کہ ائمہ اربعہ موجودہ علماء سے ہر بات میں افضل تھے۔ واجب الایمان اور قابل تسلیم امر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کا مقلد براہ راست تو ائمہ اربعہ سے نہیں پوچھ سکتا۔ آخر وہ اپنے زمانہ کے کسی عالم سے پوچھے گا۔ کہ کیا موجودہ زمانہ کے مقلد عالم کی نسبت بھی یہی خیال کرنا چاہیئے۔ کہ اہل حدیث عالم سے ہر بات میں افضل ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے آپ بھی اس کے قائل نہ ہونگے۔

مختصر یہ کہ اہل حدیث نہ کوئی نیا فرقہ ہے نہ اس کا نام (اہل حدیث) کوئی مذہبی اسم ہے بلکہ طریق عمل کا نام ہے۔ جو حسب ضرورت رکھا گیا۔ اس فرقہ کے عامی آدمی بھی اپنے خیال اور اعتقاد (اتباع قرآن و حدیث) کی رو سے اہل حدیث ہیں کوئی شخص قرآن و حدیث پر عمل کرکے اہل حدیث نہ کہلائے تو خدا کے ہاں اس کو کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ اس لئے میں آپ کی دعا میں شریک ہونے کو کہتا ہوں:۔

اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَالسُّنَّۃِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔ اَللّٰھُمَّ اَلْحِقْنَا بِاَھْلِ الْاِسْلَامِ وَالْاِیْمَانِ۔ اٰمین۔

(اہل حدیث ۱۸ ستمبر ۱۹۱۲ء)

مزید تشریح از مولانا ابو مسعود خان صاحب قمر بنارسی۔ پروفیسر جین دوسی کالج

جس طرح ہمیں قرآن شریف نے مسلم کہا ہے اسی طرح یہود و نصاریٰ وغیرہ اگلے دین والوں

کو بھی مسلم کا خطاب دیا گیا ہے۔ نصرانیوں کے اوّلین گروہ یعنی حواریوں کا مقولہ قرآن شریف میں ہے۔ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ یعنی گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ لیکن ان مسلمانوں کو پھر خود قرآن فرماتا ہے۔ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ یعنی اہل انجیل کو خدا کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی احکام جاری کرنے چاہئیں۔

ان دونوں آیتوں سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ مسلمان اپنی کتاب کی طرف بھی منسوب ہو سکتے ہیں۔ عیسائیوں کا مسلم ہونا پھر ان کا اہل انجیل ہونا قرآنی لفظوں سے ثابت ہے ان کی کتاب کا نام انجیل تھا۔ ہماری کتاب کا نام خود کتاب ہی میں "حدیث" رکھا گیا ہے۔ ارشاد ہے فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ الخ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے۔ اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا۔ مختصر یہ کہ قرآن و فرمان سنت رسول کا نام حدیث ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا الخ۔ یعنی خدا تعالیٰ اسے تروتازہ رکھے جو میری حدیث کو سن کر یاد کر کے دوسروں کو پہنچائے۔ پس ان دونوں کے ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ جَاءَ اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ مَا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَمَعَهُمُ الْمَحَابِرُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ اَنْتُمْ اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ كُنْتُمْ تُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ۔ (تاریخ خطیب بغدادی ص۳ وصواعق الجیہ وجواہر الاصول)۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جب قیامت کا دن آئے گا۔ اہل حدیث جناب باری کی خدمت میں پیش ہوں گے اور ان کے بکثرت درود لکھنے پڑھنے کی وجہ سے ان سے خدا فرمائے گا کہ تم جنت میں چلے جاؤ۔

حضرت امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے شرف اصحاب الحدیث کے ص۲۱ پر ایک روایت بیان کی ہے کہ:

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا رَاَى الشَّبَابَ قَالَ مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نُوَسِّعَ لَكُمْ فِي الْمَجْلِسِ

وَاَنْ نُّفَهِّمَكُمُ الْحَدِيْثَ فَاِنَّكُمْ خُلُوْفُنَا وَاَهْلُ الْحَدِيْثِ بَعْدَنَا ۔ یعنی حضرت ابی سعید خدری صحابی رضی اللہ عنہ، جب نوجوانان طالب علم حدیث کو دیکھتے تو فرماتے تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت مبارک ہو۔ ہمیں اللہ کے پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے رکھا ہے کہ ہم تمہارے لئے اپنی مجلسوں میں کشادگی کریں اور حدیثیں سمجھائیں۔ تم ہمارے لئے ہو۔ اور ہمارے بعد تم ہی اہل حدیث ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام بھی اپنے کو اہل حدیث ہی کہتے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ میں امام شعبیؒ جو پانچ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں :۔ لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا حَدَّثْتُ اِلَّا مَا اَجْمَعَ عَلَيْهِ اَهْلُ الْحَدِيْثِ ۔ یعنی اگر مجھے پہلے سے یہ نتیجہ معلوم ہوتا ...... تو میں صرف وہی حدیثیں بیان کرتا۔ جن پر اہل حدیث یعنی صحابہؓ کا اجماع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تابعین (رضی اللہ عنہم) بھی صحابیوں کو اہل حدیث ہی جانتے۔ اور کہتے تھے۔ نیز کتاب حدائق الحنفیہ مطبوعہ نول کشور صد ۱۳۲ ملاحظہ کیجئے۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت سفیان بن عیینہ اور خود حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما بھی اپنے آپ کو اہل حدیث ہی کہا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا سے صاف ثابت ہو گیا کہ اہل حدیث نام عملی اور منسوب الی النبی ہے اور خدا و رسول خدا سے ثابت ہے اور جملہ اصحاب و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے کو اہل حدیث ہی کہا کرتے تھے۔ پس ہم کو بھی اپنے کو اہل حدیث ہی کہنا چاہیئے۔

حنفی، شافعی وغیرہ منسوب الی الامتی ہے۔ اس لئے محبان رسول کو رسول ہی کی طرف منسوب ہونا چاہیئے لا غیر۔

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

عاجز ابو مسعود خان قمر بنارسی۔ سعید منزل شہر بنارس۔ المرقوم ۳۰ جون ۱۹۴۱ء

اہل حدیث امرتسر ۲۰ رجب ۱۳۶۰ھ

مولانا عبد العلی بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے۔ وقیل لا یجب الاستمرار واصح الانتقال وھذا ھو الحق الذی ینبغی ان یؤمن بہ ویعتقد علیہ لکن ینبغی ان لا یکون الانتقال للتلھی فان التلھی حرام قطعاً

فی التمذہب کان اوغیرہ اذلا واجب الا ما اوجبہ اللہ تعالیٰ والحکم لہ ولم یوجب علی احد ان یتمذہب بمذہب رجل من الامۃ فایجابہ تشریع جدید (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۱۵۱)۔ خلاصہ اس عبارت کا یہ کہ مذاہب مروجہ میں سے کسی ایک ہی مذہب کو اپنے اوپر لازم کرنا شرعاً کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ (دلیل حق معلوم ہو جانے پر) ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو جانا صحیح ہے لیکن یہ انتقال محض لہو و لعب کے طور پر نہ ہونا چاہیے۔ (اس طرح کہ نفسانی خواہش کے لئے کسی صحیح دلیل کو چھوڑ کر کوئی اس کے خلاف ضعیف دلیل پاویں اور اس کے پیچھے لگ جاویں) ایسا کرنا قطعاً حرام ہے۔ مذہب کے بارے میں لہو و لعب یا دیگر امور میں بہر حال حرام ہے۔ اور واجب صرف وہی چیز ہے جس کو اللہ نے واجب کیا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ امت میں کسی آدمی کے مذہب کو لازم پکڑنا اللہ نے ہرگز واجب قرار نہیں دیا۔ ایسا خیال اپنی طرف سے ایک نئی شریعت گھڑنا ہے۔

طوالع الانوار میں ہے وجوب تقلید مجتہد معین لا حجۃ علیہ لا من جہۃ الشریعۃ ولا من جہۃ العقل کما ذکرہ الشیخ ابن الہمام من الحنفیۃ فی فتح القدیر وفی کتابہ المسمّٰی بتحریر الاصول (محمد داؤد راز)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی اور اہل حدیث

مولانا عبدالحی لکھنوی کا فتویٰ دیکھنے سے معلوم ہوا ہے۔ اکابرین علمائے احناف کو جماعت اہل حدیث سے کسی قسم کا اختلاف نہ تھا تعصب اور عناد تو بیٔے خود۔ چنانچہ ذیل میں مولانائے ممدوح و موصوف کا فتویٰ نقل کر کے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں تاکہ موجودہ احناف کا تعصب اور عناد جو جماعت اہل حدیث سے ہے دُور ہو۔

یہ فتویٰ ۱۲ر جنوری ۱۸۸۸ء کا ہے۔ شاید احناف کے لیے موجب عبرت ہو سکے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ:-

"سوالات و جوابات متعلقہ مقدمہ آرہ جو بذریعہ وکیل عدالت بند سوالات بتاریخ ۱۲ر جنوری ۱۸۸۸ء میں آیا تھا۔ حضرت مولانا استاذنا الحافظ الحاج ابوالحسنات محمد عبدالحی صاحب قبلہ نے جواب اس کا تحریر فرمایا تھا:

سوال نمبر ۱:- مسلمان ہونے کے لیے ایک مذہب حنفی شافعی وغیرہ ہونا خدا و رسولؐ نے

شرط کیا ہے یا نہیں۔ اور پیغمبر صاحب اور اصحاب اور اماموں کے وقت میں لوگ حنفی یا شافعی وغیرہ کہلاتے تھے یا نہیں۔ اور اماموں نے اپنی اپنی تقلید کرنے کو کہا ہے یا نہیں۔ اور پیغمبر صاحب کے بعد کئی سو برس تک مسلمان لوگ تقلید ایک امام خاص کی نہیں کرتے تھے اور وہ مسلمان غیر مقلد اصحاب اور تابعین اچھے سچے مسلمان تھے یا اُن کے بعد کے مقلدین حنفی شافعی کہلانے والے۔ حدیث اور قرآن کے عامل سے ناراض ہونے والے اچھے ہیں۔ اور پیغمبر صاحب نے صحابہ اور تابعین غیر مقلد لوگ کے زمانہ کو اچھا کہا ہے یا نہیں۔ اور اس کے بعد کے زمانہ میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہے یا نہیں۔ قوی دلیل بیان کیجیے۔

جواب سوال نمبر ۱۔ نام میرا مولوی عبدالحی ابن مولوی عبدالحلیم صاحب ساکن فرنگی محل عمر تخمیناً ۳۲ سال بقول صالح بیان کرتا ہوں۔ حنفی وغیرہ ہونا مسلمانی میں شرط نہیں کیا گیا ہے۔ اور پیغمبر صاحب اور اصحاب اور امام کے وقت میں حنفی شافعی وغیرہ سے مسلمان موسوم نہ تھے۔ اماموں نے اپنے قول کی تقلید کی اجازت دی ہے۔ اس حالت میں جب خلاف قرآن و حدیث نہ ہو۔ مسلمان زمانہ اصحاب اور تابعین کے اچھے تھے۔ ان لوگوں سے جو عامل متدین قرآن و حدیث سے ناراض ہیں۔ اور پیغمبر صاحب نے زمانہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کو اچھا کہا ہے۔ اور پچھلے زمانہ میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہے۔

سوال نمبر ۲۔ اگر کسی ایک امام کا مقلد بادشاہ ہو۔ یا کوئی اور مسجد بنا دے۔ تو وہ مسجد بنانے والے کی ملکیت میں باقی رہتی ہے یا نہیں۔ اور ہر مسجد میں ہر مسلمان اپنے طور مشروع پر مستحق نماز پڑھنے کا بیک وقت و بیک جماعت ہے یا نہیں؟

جواب نمبر ۲۔ مسجد بنانے والے کی ملکیت نہیں رہتی۔ اور اس میں سب مسلمان بطور شرع نماز ادا کر سکتے ہیں اور ایک وقت اور ایک جماعت سے پڑھ سکتے ہیں۔ مگر ایک ساعت میں ایک ہی مسجد میں دو جماعت نہیں پڑھ سکتے۔

سوال نمبر ۳۔ جو شخص بموجب قرآن و حدیث کے نماز ادا کرے۔ اور مسئلوں میں مقلد ایک امام خاص کا نہ ہو۔ اور سب اماموں کو برابر حق جان کر جس کا مسئلہ موافق حدیث کے سمجھے عمل کرے تو وہ مسلمان سنت جماعت ہے یا نہیں؟

جواب نمبر۳:۔ ایسا شخص مسلمان سنت جماعت ہے۔ بشرطیکہ قابلیت قرآن و حدیث سمجھنے کی رکھتا ہو۔ اور تخریب دین اس کو منظور نہ ہو۔

سوال نمبر۴:۔ آمین بالجہر کہنا نماز میں پیغمبر اسلام کا قول اور فعل ہے یا نہیں۔ اور یہ اسلام کی بات ہے یا کفر کی۔ اور حنفی کتابوں سے اور صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے یا نہیں۔ اور مسلمانوں کا فعل ہے یا نہیں؟

جواب نمبر۴:۔ آمین بالجہر کہنا پیغمبر صاحب کا فعل ہے۔ اور یہ اسلام کی بات ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور حنفی بھی اس مضمون کو لکھتے ہیں۔ مگر اختلاف ہے اور بہت سے مسلمانان قدیم کا یہ فعل ہے۔

سوال نمبر۵:۔ حنفیوں کی کسی کتاب میں آمین بالجہر کہنے والے کے یا اس کے ساتھ کے نماز پڑھنے والوں کی نماز کا ٹوٹنا اور کسی اور قسم کا حرج اور نقصان ہونا اس کے امام نے لکھا ہے یا نہیں؟

جواب نمبر۵:۔ آمین بالجہر کہنے سے کہنے والے یا اس کے ساتھیوں کی نماز کا ٹوٹنا یا نقصان ہونا اور پہنچنا کسی کتاب معتبر حنفی میں نہیں لکھا ہے۔

سوال نمبر۶:۔ آمین بالجہر سے ناراض ہونا مسلمان کا فعل ہے یا یہودیوں کا۔ حدیث سے کیا ثابت ہے۔ اور کسی امام یا عالم کے قول سے قرآن اور حدیث پر عمل نہ کرنے والا اور جو شخص پیغمبر صاحب کے حکم کو معیوب سمجھ کر خود عمل نہ کرے اور عمل کرنے والے کو برا جانے وہ از روئے قرآن و حدیث کون ہے؟

جواب نمبر۶:۔ باوصف علم اس امر کے کہ آمین بالجہر کہنا فعل نبوی ہے۔ اس سے ناراض ہونا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ اور حدیث کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور جو قول امام کا یا کسی عالم کا یقیناً خلاف قرآن اور حدیث کے ہو۔ اس پر عمل کرنا اور قرآن و حدیث کو چھوڑ دینا مسلمان کا فعل نہیں ہے۔ اور جو شخص پیغمبر صاحب کے حکم کو باوجود اس بات کے کہ یہ حکم نبوی ہے۔ معیوب سمجھے وہ شخص مسلمان نہیں ہے اور عالموں کو برا جاننا درست نہیں ہے۔

سوال نمبر۷:۔ امور مذہبی میں شدآمد قدیم رسم و رواج کو دخل ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو زور سے آمین کہنے والا مسلمان۔ آہستہ آمین کہنے والے حنفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب نمبر۷۔ امور و احکام مذہبی میں رسم و رواج کو دخل نہیں۔ اور زور سے آمین کہنے والا اگر منظور اس کو اتباع شریعت ہو اور فساد منظور نہ ہو تو حنفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔

سوال نمبر۸۔ اگر کسی کو کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے سے یا اور کسی طرح سے یادالٰہی سے روکے تو روکنے والے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بڑا ظالم اور اس کے واسطے دنیا میں میں رسوائی اور آخرت میں عذاب سخت کا حکم کیا ہے یا نہیں؟

جواب نمبر۸۔ جو شخص کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے یا یاد الٰہی سے بغیر وجہ شرعی کے روکے اس کو اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا ہے۔ اور عذاب سخت کا موعود ہے۔

سوال نمبر۹۔ کسی حاکم کا یہ حکم کہ مسلمان لوگ مسجد میں اندر نماز کے آمین بالجہر نہ کہیں دست اندازی امورِ مذہبی میں ہے یا نہیں۔ اور آمین بالجہر کہنے والوں کو اس حکم امتناعی سے نقصان دینی ہے یا نہیں۔ اور مسجد میں اذنِ عام واسطے ہر مسلمان کے اپنے طور پر ہے یا نہیں؟

جواب نمبر۹۔ آمین بالجہر کو منع کرنا امور مذہبی میں دست اندازی ہے اور آمین بالجہر کہنے والوں کا نقصان دینی ہے اور مسجد میں ہر مسلمان کے واسطے بطور شرعی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

ابو الحسنات محمد عبدالحی عفی عنہ لکھنوی

(نقل مطابق اصل از فتاویٰ مولانا عبدالحی ص ۲۰۴ تا ۲۰۸)

اہل حدیث امرتسر ص ۱۱ ۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ

ہندوستان میں مسلک عمل بالحدیث تاریخ کی روشنی میں

(از قلم حضرت مولانا حکیم عبدالشکور صاحب ناظم دارالعلوم شکراوہ ضلع گوڑگاؤں)

بہت سے بھولے بھٹکے عوام اور جعلی مولویوں کا گروہ یہ کہتا رہتا ہے کہ مسلک اہل حدیث ایک نو پیدا شدہ مذہب ہے۔ جو ابھی ماضی قریب میں پیدا ہوا تھا۔ جس کے جوابات ہمیشہ ہمارے جماعت کے عالم قدیم اسلامی لٹریچر سے دیتے رہتے ہیں۔ اس کی اس قدر تکرار کی گئی ہے۔ اور اتنی کتابیں اس مضمون پر لکھی گئی ہیں کہ ہم ان کی تعداد کا اپنے ذہن

میں تصور بھی نہیں لا سکتے مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں سے کوئی نہ کوئی پیر اور مولوی بول ہی پڑتے ہیں۔ اور اس پر اپنے جھوٹ کا اعادہ کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے آج کی صحبت میں پھر ہم اس پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر باادب درخواست کرتے ہیں کہ جن کو مسند علم پر بیٹھ کر جماعت اہل حدیث اور علمائے محدثین پر ہمیشہ غلط اور پُرفریب الزامات لگانے کی عادت ہو چکی ہے۔ کہ وہ اللہ سے ڈریں۔ اور یوم الحساب کا تصور کریں کہ جب بارگاہ الٰہی میں جھوٹے اور پُرفریب الزامات کے مقدمات پیش ہوں گے اور عاملین بالحدیث اور علمائے محدثین بارگاہ الٰہی میں یہ فریاد کریں گے۔ کہ اے ہمارے پاک مولا ان ہمارے بھائیوں نے ہمارے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح طریقہ پر عمل کرنے کی وجہ سے ہم پر جھوٹے الزامات لگائے بہتان بازیاں کی تھیں۔ اور صرف تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے والوں کو یہ دستار علم دین باندھنے والے گمراہ، وبے دین کہا کرتے۔ اور اپنے رائے وقیاس والے معمولات ومحدثات کو عوام میں پھیلانے کے لئے لمبی لمبی تقریریں کیا کرتے تھے۔ اور مسند تعلیم پر بیٹھ کر اپنی پُرپیچ تاویلوں اور لطیفوں اور حیلہ جوئیوں سے حدیثوں کو رد کر دیتے تھے اور اپنے احبار ورہبان کے مذاہب کو رواج دینے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا کرتے تھے۔ آج جبکہ پریس وطباعت کی آسانیوں۔ سلسلہ رسل ورسائل کی سہولتوں۔ اور دیگر آمد ورفت کے ذرائع نے چودہ سو سالہ اسلامی لٹریچر کو جمع کر دیا ہے۔ کوئی بات اندھیرے میں نہیں رہی۔ بلکہ نقلی اور عقلی علوم جو اب تک نوشتوں کی شکل میں ملتے تھے قطعی طور پر اب سارے کے سارے انسان کے سامنے آچکے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ایسا کہنے والے اور غلط الزام لگانے والے کیونکر ایسی جرأتیں کرتے رہتے ہیں اور حقائق پر پردہ ڈالنے کی کس لئے اس قسم کی بدعنوانیاں اور غلط بیانیاں کرتے رہتے ہیں۔ کیا اب بھی ان کو یہ توقع ہے کہ وہ غلطی خوردہ اور فریب خوردہ لوگوں کو اپنا کر عوام کو اس کی دعوت دیتے چلے جائیں گے۔ اور پھر اس کو ان سے منوا لیں گے۔ ایک دانشمند اور ذی علم انسان کا تو یہ کام نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسی جرأت کرے۔ بلکہ ہر ذی ہوش انسان اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ آج تاریخ کا

ریسرچ ہو رہا ہے۔ اور قدیم تاریخ کا کھوج لگایا جا رہا ہے۔ جملہ پیروایانِ مذاہب اپنے مذہبوں کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ اور اپنے اسلاف کے غلط معتقدات و محدثات کو چھوڑ کر اپنے مذاہب کے صحیح حقائق کو تلاش کر رہے ہیں۔ پیر پرستیاں امام پرستیاں بخویش پرستیاں اور پیر پرستیاں ختم ہو رہی ہیں۔ اور عنقریب مذاہب کی ان غلطیوں کا راز فاش ہو جائے گا۔ جن کی وجہ سے اسلام کے سہتر دو بہتر ٹکڑے بنے اور قرآن و حدیث کے تکے بوٹیاں کی گئیں۔ اور قرآن کریم کا یہ فرمان سچ ہوا۔ وَجَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۔

بھلا یہ کہیں ٹھکانے لگتی بات ہے کہ جو جماعت اپنے منہ سے ہر وقت اور ہر موقع پر خیر الحدیث کتاب اللہ وَخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتہا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار لگاتی ہو اور اس پر اس کا عمل بھی ہو؟ تو وہ جماعت کیونکر نو پیدا شدہ خیال کی جا سکتی ہے۔ کیا یہ نعرہ آج کسی عامل بالحدیث نے وضع کیا ہے۔

بڑے ہی شرم کی بات ہے کہ جس جماعت کا عمل کتاب و سنت پر ہو۔ اس کو نو پیدا شدہ بتلا جائے اور جو مذاہب کتاب اللہ کے نزول و تکمیل دین سے صدیوں بعد وضع کئے جائیں۔ اور ان کی نسبتیں صدیوں بعد کے امتیوں سے جوڑی جائیں ان کو اصلی و قدیم بتایا جاوے۔ فیا للعجب ثم العجب۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب دوسری صدی میں ان کے شاگردوں نے مدون کیا۔ اور صدہا علماء اور فقہاء کے رائے قیاس اس میں شامل کئے گئے۔ پھر اس کی سند کا بھی کوئی التزام نہیں کیا گیا۔ جس کی وجہ سے اس میں صدہا عالموں نے اپنی رائے، قیاس اور فتووں کو شامل کر دیا۔ اس کو تو صحیح اسلام قرار دیا جاوے اور جس مذہب کا ڈھانچہ کتاب اللہ اور حدیث صحیح سے تیار کیا گیا ہو۔ جس کی صحت اور سند کا التزام اس قدر حزم و احتیاط اور صحیح نقل کے ساتھ کیا گیا ہو۔ کہ اس سے زیادہ صحت اور سند کا التزام آج تک انسانی دنیا نہ کر سکی ہو۔ اس کو نیا جعلی اور بناوٹی مذہب قرار دیا جاوے۔ اَللّٰھُمَّ اشْفِ صُدُوْرَ الْعٰلِمِیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔

اس مقام پر ہم نواب محسن الملک سید مہدی علی خان بہادر مرحوم کی مشہور کتاب تاریخ تقلید اور عمل بالحدیث سے تھوڑا سا نقل کرتے ہیں۔ جو کہ عمل بالحدیث اور جدید مذاہب کے حقائق پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ وہو ہذا۔

مذاہب اربعہ کے رواج اور ترک اجتہاد کا سبب

تبع تابعین کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تعلیم و تعلم کی صورت تو وہی تھی۔ جو تابعین کی تھی لیکن اس وقت میں بسبب کثرت مسلمانوں کے اور شروع ہونے جھگڑے اور فساد کے اور جاہل ہونے خلفاء وقت کے اور شائع ہونے جھوٹ اور اختراع کے اور واقع ہونے اختلاف کے خدا نے لوگوں کو مسائل کے جمع کرنے اور اصول و قواعد کے منضبط کرانے اور ارکان و آداب وعبادت کی تشریح کرنے اور اجتہاد اور استنباط اور استخراج کے قاعدے ترتیب دینے پر راغب کیا۔ اس وقت کے نیک اور پاک لوگوں کو حدیث و فقہ کی تدوین کا شوق دیا۔ چنانچہ دوسری صدی کے اوسط سے جس شہر میں جو نامی اور عالم تھا۔ ان میں بعض بعض نے حدیث کی تالیف اور تدوین پر کمر باندھی اور مسائل کا جمع کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ نے اور مدینہ میں امام مالک اور محمد بن عبد الرحمان ابن ابی ذئب نے اور کوفہ میں ثوری نے اور بصرہ میں ربیع ابن صبیح نے اول اول حدیث میں تالیف کی اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے فقہ کی تدوین شروع کی۔ سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کو خود اسنے اجتہاد اور استنباط مسائل اور استخراج فروعات کی ایک خاص قسم کی استعداد تھی اور وہ زہد و ورع میں بھی کامل تھے۔ پس انہوں نے اپنے شہر کے امام و فقیہ ابراہیم نخعی کی احادیث و اقوال اور روایات پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کی۔ اور انہیں کے اصول پر استخراج کرنا جزئیات مسائل کا شروع کیا۔ چنانچہ یہ امر بخوبی اس شخص پر ظاہر ہے۔ جس نے امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبد الرزاق اور مصنف ابی بکر ابن شیبہ کو دیکھا ہے۔ اور پھر ابراہیم نخعی کے اقوال کو امام ابو حنیفہ کے مذاہب سے ملایا ہے۔ غرض جب امام ابو حنیفہ نے اس طور پر فقہ کی تدوین شروع کی۔ تب لوگوں نے ان کی طرف رغبت کی۔ اور ان کے اصول و فروع کو پسند کر کے ان سے سیکھا۔ اور فقہائے کوفہ نے ان کے

اجتہاد کو قبول اور اُن کے استخراجی مسائل پر عمل کیا۔ اور جب قاضی ابویوسفؒ اور امام محمدؒ سے دو شاگرد ان کے ہوگئے۔ تب پہلے شاگرد کی امارت اور قضاء کے سبب سے اور دوسرے شاگرد کے علم اور تالیف کی برکت سے امام کا مذہب سارے عراق اور خراسان ما وراء النہر میں پھیل گیا۔

حنفی مذہب کے بعد بنیاد مالکی مذہب کی پڑی۔ امام مالکؒ حدیث اور فقہ و زہد و تقویٰ میں بہت مشہور تھے۔ اُن کو احادیث نبوی بہت سی یاد تھیں اور وہ ان کے ضعف و قوت سے بھی بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت عمدہ اور صحیح اور جامع کتاب حدیث کی لکھی۔ جس کا نام "مؤطا" ہے۔ اس کی مقبولیت اعلیٰ درجہ پر پہنچی اور ہزاروں آدمیوں نے امام مالکؒ سے حاصل کی۔ پس امام مالکؒ کی اس کتاب کی برکت سے ایسا فائدہ لوگوں نے پایا۔ کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہوسکتا۔ پس جہاں جہاں ان کے اصحاب اور شاگرد پہنچے۔ ان کی کتاب کو لوگوں نے دیکھا۔ اور ان کے مذہب پر عمل کرنا شروع کیا۔ پھر تو اُنؒ کے بعد ان کے شاگردوں نے ان کے مذہب کے اصول اور دلائل کو ترتیب دیا۔ اور اُن کی کتاب کے خلاصے کیے۔ ان کے کلام اور فتووں کی شرح کی۔ یہاں تک کہ آخر ان کا بھی ایک جدا مذہب قرار پایا اور نواحِ مغرب کی طرف جہاں ان کے تلامذہ زیادہ ہوئے۔ مالکی مذہب پھیل گیا۔

اُن دونوں مذاہب کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ کہ امام شافعیؒ پیدا ہوئے۔ انہوں نے دونوں مذہبوں کے اصول و فروع کو دیکھ کر اور ان کے کلیات و جزئیات پر نظر کر کے ان باتوں کو جو ان مذہبوں میں ناقص تھیں۔ پورا کیا اور نئے طور سے اصول و قواعد کو ترتیب دیا۔ امام شافعیؒ نے سب سے اول ایک کتاب اصول کی تالیف کی۔ اور اس میں احادیث مختلف کے جمع کرنے کے قاعدے مرتب کیے ۔ ۔ ۔ ۔ اور احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرنے کا بغیر پائے جانے کے اس کی شرائط کا التزام ترک کیا۔ انتہیٰ کلامہ

یہ تو تھا مذہب اور تقلید کے متعلق ہمارے زمانے کے مؤرخ کا بیان۔ اب ذرا ایک پرانی تاریخ کا بیان بھی ملاحظہ کیجیے۔ ۳۸۰ھ میں علیٰ بن ملک نامی ایک بادشاہ بڑی سلطنت والا ابوحنیفہؒ کے مذہب پر تھا اور پرلے درجہ کا متعصب

تھا کتاب "مسعودی" اس کو تمام یاد تھی۔ لوگوں کو حنفی مذہب اختیار کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ سب کے سب امام ابو حنیفہ رح ہی کے اقوال پر عمل کرو۔ صاحبین یعنی ان کے شاگردوں کے اقوال پر بھی عمل نہ کرو۔ اور اس کے حکم کے بموجب فقیہوں نے ایک ایسی کتاب اس کو بنا دی تھی۔ کہ جس میں بجز اقوال ابو حنیفہ رح کے اور کسی کا بھی حکم نہ تھا۔ اس کو بھی اس نے یاد کر لیا تھا۔ اور بسبب تعصب اپنے مذہب کے جس قدر شافعی مذہب والے اس ملک میں تھے۔ سب کو قتل کر ڈالا تھا۔ انتہی ملخصاً

("تاریخ ابن خلکان")

حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ رح محدث دہلوی کا معتبر بیان بھی ملاحظہ فرمایئے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

اِعْلَمُوْا ان الناس کان قبل المائة الرابعة غیر مجمعین علی التقلید الخالص لمذھب واحد بعینه۔

ترجمہ:۔ تم اس بات کا یقین کر لو کہ مسلمان چوتھی صدی سے پہلے کسی خاص مذہب کی تقلید پر متفق نہ تھے)۔ مختصر ان حوالہ جات سے یہ بات بخوبی روشن ہوتی ہے کہ مذاہب اربعہ کا رواج کب ہوا اور کس طرح ہوا۔ اب ذرا مسلک عمل بالحدیث کی دردناک داستان ملاحظہ ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں آپ نے مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں میں یہ سمو دیا تھا کہ میں دو چیزیں تمہارے لیے چھوڑ کر جاؤں گا۔ کتاب اللہ و سنت۔ چنانچہ فرمایا:

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ كِتَابُ اللهِ وَسُنَّتِيْ۔ اور قرآن مجید کا یہ حکم ہر مسلمان سن چکا تھا۔ کہ اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اس پر تمام مسلمان اور صحابہ عمل پیرا تھے۔ اور مسائل دینی میں صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجت سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ہمارے زمانے کے مشہور مؤرخ مولانا اکبر شاہ خان صاحب اپنی کتاب قول حق میں تحریر فرماتے ہیں جو احقاق حق اور اظہار صداقت کے لیے مرحوم نے تصنیف فرمائی تھی۔ گذشتہ صدی میں اگرچہ دوسرے علوم اور قرآن مجید کے سوا دوسری کتابوں کے لکھنے اور پڑھنے کی طرف مسلمان

متوجہ ہو چکے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق ابھی تک یہی دستور چلا آتا تھا۔ کہ تابعیؒ اور تبع تابعیؒ احادیث کو اپنے حافظے میں محفوظ رکھتے اور زبانی ہی اپنے شاگردوں کو یاد کراتے اور لوگوں کو سناتے تھے۔ اجتہادی مسائل میں علماء کے فتوے مختلف ہو جاتے تھے۔ یہ اختلاف کبھی تو حدیثوں کے مطالب مختلف ہونے کی وجہ سے ہوتا۔ یعنی ایک عالم ایک حدیث کو اپنے فتوے کی بنیاد قرار دیتا اور دوسرا عالم دوسری حدیث کو اختیار کرتا۔ اس قسم کا اختلاف صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے موجود تھا۔ اور اس کو مسلمانوں کے لئے رحمت بتایا گیا تھا۔ مسلمان اس کو رحمت سمجھتے بھی تھے۔ ایک دوسرے پر نہ معترض ہوتا اور نہ اس کو خاطی اور گنہگار خیال کرتا۔ کبھی یہ اختلاف ایک ہی حدیث سے دو قسم کے مطالب اخذ کرنے پر واقع ہوتا تھا۔ مثلاً ایک عالم نے ایک نتیجہ اخذ کیا اور دوسرے نے دوسرا نتیجہ نکالا۔ اس طرح دو مختلف فتوے صادر ہوئے۔ کہ یہ اختلاف بھی اسی پہلی قسم کا اختلاف اور مسلمانوں کے لئے رحمت تھا۔ کبھی اختلاف کی وجہ یہ ہوتی۔ کہ ایک عالم کو ایک حدیث پہنچی تو اس نے اس حدیث کے موافق فتویٰ دیا۔ اور دوسرے عالم کو وہ حدیث نہیں پہونچی۔ اس نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر فتویٰ صادر کر دیا۔ یہ اختلاف بھی مسلمانوں کے لئے رحمت اور اذیت کا موجب تھا۔ کیونکہ جو شخص حدیث کی غیر موجودگی میں رائے قیاس سے کوئی فتویٰ دیتا۔ تو یہ شرط لگاتا۔ کہ اگر حدیث مل جائے تو میرا فتویٰ چھوڑ دینا اور حدیث پر عمل کرنا۔ فتویٰ دیتے وقت مذکورہ شرط کا لگانا اس لئے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ کہ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث جو صحابہ کرام کے ذریعہ روایت ہو کر لوگوں کو پہنچی ہیں وہ ساری کی ساری ایک جگہ مجتمع نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف شہروں اور مختلف عالموں تک پہنچ چکی ہیں۔ اور دوسرے شہروں میں جانے اور دوسرے عالموں سے ملاقات کرنے سے واقفیت بڑھتی رہتی ہے۔ کہ مدینہ دمشق قاہرہ کوفہ بصرہ وغیرہ صحابہ کرام کے بھی قیام گاہ رہے ہیں۔ اور ان مقامات میں ان کے شاگرد یعنی تابعیؒ لوگ۔ اور تابعیوں کے شاگرد تبع تابعین موجود تھے۔ جن جن صحابیوں کے شاگرد جن جن شہروں میں زیادہ موجود تھے۔ ان شہروں میں ان صحابیوں کی روایت کردہ احادیث لوگوں کو

زیادہ یادتھیں اور انھیں احادیث کا زیادہ چرچا تھا۔ اور اُن ہی صحابیوں یا اُن کے شاگردوں کے اجتہادی مسائل زیادہ مروّج تھے۔ اور انہیں پر قیاس کر کے نئے نئے اجتہاد بھی کئے جاتے تھے۔ اور اس دوسری قسم کے تمام مسائل فروعی ہوتے تھے باوجود اس اختلاف کے کوئی تفریق اور کوئی گروہ بندی نہ تھی۔ مدینہ والے۔ مکہ والوں کو۔ کوفہ والے بصرہ والوں کو کسی الگ مذہب کا متبع اور دوسرے فرقہ کا پیرو نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ لوگ اختلاف کے اس ناگریز سبب سے واقف تھے ایک کے ذریعہ دوسرا اپنی واقفیت کو وسیع کرنا چاہتا تھا۔ اور سب کا ایک ہی اسلام تھا۔ جس کے عقائد نہایت صاف اور سادہ۔ اور اعمال نہایت آسان تھے۔ دماغ کو پریشان کرنے والی موشگافیاں اور پیچیدگیاں اعمال وعقائد میں مطلق نہ تھیں۔ ان کا قبلہ قرآن مجید اور اس کے بعد احادیث نبوی اور آثار صحابہ تھے۔ کتاب وسنت کے سوا وہ لوگ اسلام کے لیے اور کسی چیز کو ضروری اور لازمی نہ سمجھتے تھے۔

(۱۵ ر اپریل ۱۹۵۲ء)

خواجہ حسن نظامی دہلوی کے سوالات علمائے اہل حدیث سے

خواجہ صاحب دہلوی نے مختلف فرقوں سے چند سوال کئے ہیں۔ مثلاً شیعوں سے، قادیانیوں سے اور علمائے اہل حدیث سے خواجہ صاحب نے جو سوالات کئے ہیں اہل حدیث کی طرف سے ان کے جوابات خواجہ صاحب کو غالباً معلوم ہوں گے۔ چونکہ مذہب اہل حدیث اور اسلام دو مترادف لفظ ہیں اس لئے جواب سے پہلے ہماری گذارش تو یہی ہے ؎

ضرورت کیا ہمارے امتحاں کی — سنئے لوگوں کی کیجئے آزمائش

بہرحال خواجہ صاحب کے سوالات مع جوابات درج ذیل ہیں۔

سوال (۱): کیا فرماتے ہیں جماعت اہل حدیث کے علماء اس مسئلہ میں کہ جو مسلمان آیات قرآنی اور احادیث نبوی پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر چاروں اماموں میں سے کسی ایک

امام کی تقلید ان کے ایمان میں کوئی فتور پیدا کرتی ہے یا نہیں؟

(منادی دہلی ص۳ ۸ جنوری ۱۹۴۱ء)

جواب (۱): اس سوال کا جواب شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی۔ المعروف میاں صاحب نے اپنی کتاب "معیار الحق" میں دیا ہوا ہے۔ مرحوم نے مسئلہ تقلید شخصی کو چند قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے ایک قسم مباح بتائی ہے۔ یعنی اس پر کوئی گناہ مرتب نہیں ہوسکتا۔ وہ یہ ہے کہ مقلد کسی ایک امام کو محقق سمجھ کر ہمیشہ اسی کی بات مانتا رہے۔ مگر اس تعیین کو شرعی حکم نہ سمجھے۔ بلکہ ایسے مقلد کو اگر اپنے امام کے قول کے خلاف کوئی حدیث معلوم ہوجائے تو فوراً اس کی طرف رجوع کرے۔ اپنے امام کی بات پر اصرار نہ کرے۔ مرحوم نے دوسری قسم کو حرام بتایا ہے۔ یہ وہ تقلید ہے جس میں مقلد اس تعیین کو حکم شرعی سمجھے۔

اس فتوے میں میاں صاحب مرحوم متفرد نہیں ہیں۔ بلکہ فقہاء حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں۔ رد المحتار شامی شرح درمختار میں بالتصریح مذکور ہے۔ لَیْسَ عَلَی الْاِنْسَانِ اِلْتِزَامُ مَذْهَبٍ مُعَیَّنٍ۔ (شامی مطبوعہ مصر جلد ا ص۵۳)

بس اس سوال کا جواب تقلید کرنے والوں کی نیت پر موقوف ہے

دوسرا سوال: جو مسلمان اہل حدیث کے عقائد اور اعمال سے الگ ہیں۔ اور کسی امام کی تقلید میں اس طرح ارکان اسلام کو ادا کرتے ہیں۔ جن میں جماعت اہل حدیث کے عقائد اور اعمال کے مقابلہ میں کچھ فروعی فرق اور اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ تو ایسے مقلد مسلمانوں سے مزاحمت کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ ایسی حالت میں کہ وہ مقلد مسلمان غیر مقلد مسلمانوں کے عقائد اور اعمال کے خلاف کچھ نہ کہتا ہو۔ (منادی تاریخ مذکور)

جواب نمبر ۲۔ اس کا جواب بھی پہلے سوال کے جواب میں آگیا ہے۔ تقلید کرنے والا پہلی دو قسموں میں سے جس قسم میں داخل ہوگا۔ ویسا ہی حکم اس پر لگے گا۔ فقہاء حنفیہ نے تقلید شخصی کے متعلق صاف لکھا ہے۔ کہ "کوئی شخص کسی ایک امام کی تقلید اپنے اوپر لازم کرلے تو بھی یہ لازم نہیں ہوتی"۔ (رد المحتار مصری جلد ۳ ص۱۹۶)

تیسرا سوال۔ کیا علمائے اہل حدیث سیاسی معاملات میں اپنے عقائد کے اختلافات کو محدود رکھنا اور دوسرے فرقوں کے مسلمانوں سے متحد ہوجانا جائز سمجھتے ہیں یا نہیں؟

(منادی دہلی - تاریخ مذکور)

جواب نمبر ۳ - بے شک جائز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ علماء اہل حدیث از روئے علم منطق جانتے ہیں کہ انواع متمازہ اپنی جنس اور جنس الاجناس میں ضرور شریک ہوتی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ الانسان والفرس والبقر ما ھم کے جواب میں حیوان آتا ہے۔

اگر آپ چاہیں گے تو ہم ان علمائے اہل حدیث کے نام بتادیں گے جو اس وقت بھی ہندوستان کی سیاسیات میں بلا تکلف شریک ہیں۔

خواجہ صاحب! ہم آپ کے سوالات سے فارغ ہوگئے ہیں۔ اب ہمارا بھی ایک سوال حل کر دیجیے اگر آپ اسے حل کر دیں گے تو ہم آپ کے بہت مشکور ہوں گے۔ پس توجہ سے سنیے!

آپ جو اپنی تحریر میں جملہ ھو الکل لکھا کرتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں؟ اس میں تو شک نہیں کہ ھُوَ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور الکل سے مراد کل کائنات ہے پس ہمارا سوال یہ ہے کہ یہ کل افرادی ہے یا مجموعی۔ افرادی ہونے کی حالت میں کائنات میں سے ہر شے اس ھُوَ کی جو مبتدا ہے خبر بنے گی۔ اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے ھو کل شیئ جو بحکم حیوان عکس القضیہ یوں بولا جائے گا۔ کل شیئ ھو۔ مثلاً انسان، چڑیا، کوا، طوطا، مینا وغیرہ میں سے ہر ایک اللہ کا مصداق ہوگا۔ یعنی اللہ انسان ہے چڑیا ہے۔ طوطا ہے اور مینا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قول کے قائل کے نزدیک ہر ایک جانور طوطا۔ مینا وغیرہ الٰہ (معبود) ٹھہرے گا۔ کیونکہ یہ ھُوَ (مبتدا) کی خبر ہے۔ کل کو مجموعی کہنے کی صورت میں یہ ترجمہ ہوگا۔ کہ کل کائنات کا مجموعہ مل کر معبود ہے۔ جس میں اس قول کا قائل بھی داخل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ معبودیت میں وہ بھی حصہ دار ہے۔ آپ خود ہی فرمائیے کہ ان دونوں تشریحوں میں سے آپ کی مراد کون سی تشریح ہے۔ یا ان کے علاوہ اور کوئی تشریح مراد ہے۔ ہم سے پوچھیں تو ہم اپنا عقیدہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں پیش کیے دیتے ہیں۔ جو فرماتے ہیں ؎

اے برون از وہم و قال و قیل من — خاک بر فرق من و تمثیل من

اس مضمون کو آپ کے دہلوی شاعر مرزا غالب مرحوم نے یوں ادا کیا ہے ؎

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا معبود / مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں ؎

(۲، محرم سنہ ۱۳۶۰ھ)

تشریح مزید از قلم حضرت العلامہ مولانا مفتی ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آج اسلامی دنیا سے ایک گونج دار آواز آ رہی ہے۔ کہ مسلمانوں کو فرقہ بندی نے تباہ کر دیا مگر یہ نہیں بتایا جاتا کہ فرقہ بندی کیا چیز ہے اور اس کی ابتدا کب سے ہوئی ہے۔

کچھ شک نہیں کہ زمانہ رسالت اور عہد خلافت میں اسلام ایک ہی شکل میں تھا مسائل میں اختلاف تھا۔ باوجود اس کے فرقہ بندی نہ تھی۔ جب کسی کو ضرورت پیش آتی۔ وہ اپنے ہاں کے جس عالم سے چاہتا مسئلہ پوچھ لیتا۔ شیخ ابن الہمام رئیس الحنفیہ کا قول رد المختار شامی میں ایسا ہی منقول ہے۔ (مصری جلد سوم ص ۱۹۶)

اتفاق حسنہ سے رسالہ "برہان" دہلی بابت جولائی ۱۹۴۵ء میری نظر سے گذرا۔ تو اس میں یہ مضمون بالفاظ ذیل ملا۔ مولوی مناظر احسن صاحب حیدر آباد سے لکھتے ہیں کہ عہد صحابہ ہی سے مسلمان ان امور میں مختلف ہوتے رہے۔ لیکن نہ اس اختلاف کو انہوں نے چنداں اہمیت دی، اور یہ تو کبھی ہوا ہی نہیں کہ محض اس اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں کے کسی گروہ کو دوسرے طبقہ سے جدا کیا گیا ہو بلکہ اس اختلاف میں افادے کے نت نئے پہلو مختلف زمانوں میں مسلمان جو پیدا کرتے رہے ان کی ایک حد تک تفصیل سنائی جا چکی ہے۔ (برہان دہلی بابت ماہ جولائی ۱۹۴۵ء ص)

اہلِ حدیث اس کے ساتھ ہی حضرت حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کا بیان ملا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ فرقہ بندی ارباب تقلید نے پیدا کی ہے۔ حضرت ممدوح حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں۔ تین سو سال تک فرقہ بندی بشکل تقلید نہیں تھی۔ چوتھی صدی کے شروع میں اس کی ابتدا ہوئی۔ انا للہ!

نتیجہ صاف ہے کہ مسائل میں اختلاف ہونے سے فرقہ بندی نہیں ہوتی۔ ہاں فرقہ بندی یہ ہے کہ کہا جائے۔ کہ یہ ہمارا مذہب ہے۔ اور وہ شافعیؒ کا اور وہ مالکؒ کا۔ یہاں تک کہ طرق استدلال بھی جدا جدا بتایا جائے۔ چنانچہ صاحب توضیح نے حنفی مقلد کا طریق استدلال یوں بتایا ہے:

ھٰذا ما ادّی الیہ رای ابی حنیفۃ وکل ما ادّی الیہ رای ابی حنیفۃ فھو عندی صحیح۔	یعنی۔ یہ مسئلہ ابوحنیفہؒ کی رائے ہے اور جو ابوحنیفہؒ کی رائے ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے۔

یہی حق شافعیوں کو دیا گیا ہے۔ ھٰذا رای الشافعی وکل رای الشافعی فھو عندی صحیح۔

اس فرقہ بندی کی مثال؟

منطقی اصطلاح میں یوں سمجھنی چاہیئے۔ کہ ہر صنف کو نوع بتایا جائے۔ جیسا یہ غلط ہے۔ ویسا ہی فرقہ بندی بھی غلط ہے۔ مولانا حالی مرحوم نے ایک بند اس کے متعلق یوں لکھا ہے ؎

سدا اہلِ تحقیق سے دل میں بل ہے ۔ حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے
فتاووں پہ بالکل مدارِ عمل ہے ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے
کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبیؐ سے نہیں کام باقی

(۶ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ)

تقلید اور اقتدا

اس عنوان سے اخبار "سچ" لکھنؤ میں ایک سلسلہ مضمون نکلا ہے فاضل مضمون نگار (مولانا مناظر احسن استاد جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) کا نام دیکھ کر ہم نے اس مضمون کو بغور دیکھا۔ گمان تھا کہ فاضل موصوف مسئلہ تقلید کو اپنے علم وفضل سے کماحقہ منقح کر کے ناظرین کو مستفید فرمائیں گے۔ مگر سارا مضمون دیکھ کر ہماری تشنگی بحال رہی۔ کیوں؟

اس لئے کہ (بحکم وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا) مسئلہ تقلید کی تنقیح اور تحقیق کرنے والے کا فرض ہوتا ہے کہ پہلے تقلید کی تعریف کرے۔ پھر اس کی تقسیم پھر اس کا حکم ہونا چاہیئے رسالہ مذکورہ کو ہم نے اس سے خالی پایا بلکہ مولانا موصوف ان سب مراتب سے آگے جا کر ایک فقرہ لکھ گئے۔ جس کی وجہ سے ہمیں یہ نوٹ لکھنا پڑا۔ ورنہ ہم اس پر توجہ نہ کرتے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

"سچ ہے کہ ائمہ اسلام اصول میں نہیں۔ بلکہ بہت دور کے بعض فروعی مسائل

میں باہم کچھ اختلاف ضرور رکھتے ہیں۔ لیکن ان اختلافات کو تم اتنی اہمیت کیوں دیتے ہو۔ اختلاف جس سے تفرق پیدا ہوتا ہو۔ قابلِ ملامت ہے۔ ہم سے کہا گیا ہے۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ "اور نہ ہو جانا ان لوگوں کے مانند جو بکھر گئے اور مختلف ہوئے کھلی باتوں کے آجانے کے بعد"

لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ حنفیت و شافعیت کے اختلاف نے باہم مسلمانوں کو جدا کیا۔ حنفیوں نے ہمیشہ شافعیوں سے تعلیم حاصل کی۔ شافعیوں نے بسا اوقات حنفیوں کے ہاتھ پر بیعت کی، مرید ہوئے اور دیکھو! عرب میں، عجم میں، مصر میں، مراکو میں، کیا مالکیوں نے حنفی امام کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھی ہیں؟ کتنے حنفی تھے جن کو شافعی غزالیؒ نے صوفی بنایا۔ اور کتنے شافعی تھے جو حنبلی شیخ المشیوخ قطب الاسلام گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے توسل سے فلاح و فوز کی بلندیوں تک پہنچے۔ ۱۲ ۵/۳۱

اہلحدیث: اس دعویٰ کی تحقیق کے لئے ائمہ اصول کے اقوال سامنے رکھ کر پوچھیں گے کہ خدا را انصاف!

تقلید کی جامع مانع تعریف یہ ہے کہ۔ التقليد اخذ قول من غير معرفة دليله (متن جمع الجوامع للسبکی) یعنی کسی غیر نبی کا قول بغیر اس کی دلیل پہچاننے کے قبول کرنا تقلید ہے۔ اس کا نتیجہ شارح الفاظ میں یوں ہے۔ واخذ قول الغير مع معرفة دليله اجتهاد وافق اجتهاد القائل۔ (شرح جمع الجوامع جلد ۲ ص۲۵) یعنی کسی غیر نبی کی بات کو اس کی دلیل کے ساتھ قبول کرنا تقلید نہیں بلکہ اجتہاد ہے۔"

فاضل مضمون نگار حیدر آباد میں رہتے ہیں۔ اس لئے تعریفِ تقلید میں حیدر آباد کے ایک بزرگ کا قول ہم نقل کرتے ہیں۔

"تقلید کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کو معتبر سمجھ کر اس کے فعل و قول کی پیروی بغیر طلب دلیل کی جائے۔" (حقیقۃ الفقہ مصنفہ مولانا انوار اللہ مرحوم حیدر آبادی حصہ دوم ص۵)

اس تعریف کے بعد تقلید کی تقسیم۔ تقلید مطلق یہ ہے کہ بغیر تعیین کسی عالم سے مسئلہ پوچھ کر عمل کیا جائے۔ جو اہل حدیث کا مذہب ہے۔ تقلید شخصی یہ ہے کہ خاص ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کی بات مانی جائے۔ جو مقلدین کا مذہب ہے۔ یہ ہے تعریف

اور تقسیم۔ اب سوال یہ ہے کہ تقلید کا حکم کیا ہے۔ اصحاب تقلید کہتے ہیں کہ تقلید فرض واجب ہے۔ اس پر غور طلب امر یہ ہے کہ جس صورت میں تقلید کی تعریف میں "عدم معرفت دلیل" داخل ہے اور اُن کے نزدیک دلیل نام ہے قرآن و حدیث، اجماع اور قیاس کا تو اس صورت میں تقلید کے فرض واجب ہونے کا صاف نتیجہ ہے کہ مقلد کو بوقت تقلید قرآن و حدیث وغیرہ کا پڑھنا حرام ہے۔ کیونکہ اس تقلید کی فرضیت میں نقص آتا ہے۔ یا للعجب۔ خیر یہ تو ہے تقلید کی تعریف، تقسیم اور حکم پر بحث۔ اب ہم فاضل مضمون نگار کے مقولہ پر متوجہ ہوتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ:۔

ائمہ اسلام اصول میں مختلف نہیں تھے" حالانکہ علماء اصول کی تصریحات اس کے خلاف ہیں۔ علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں

فان ابا یوسف ومحمداً یخالفان اصول صاحبهما — "یعنی صاحبین امام صاحب رح کے اصول میں مخالف تھے"

(طبقات سبکی ج ۱ ص ۲۴۳)

مولانا عبدالحی رح لکھتے ہیں

فان مخالفتهما لامامهما فی الاصول غیر قلیلة حتی قال الامام الغزالی فی المنخول انهما خالفا ابا حنیفة فی ثلثی مذهبه (مقدمہ شرح وقایہ ص) — "یعنی امام ابو یوسف اور محمد کی امام صاحب سے اصول میں مخالفت بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ امام غزالی رح نے لکھا ہے کہ یہ دونوں صاحب امام ابو حنیفہ رح کے مذہب کے دو ثلث مخالف تھے"

قاضی دبوسی نے کتاب "تاسیس النظر" میں ان کی اصول کی تفصیل دی ہے۔ جن میں شاگرد اپنے استاد معظم کے مخالف تھے۔ اس کے سوا وہ اصول بھی لکھے ہیں۔ جن میں ائمہ اربعہ باہمی مخالف ہیں۔

نوٹ اس بحث کی تفصیل ہمارے رسالہ "تقلید شخصی اور سلفی" میں ملتی ہے۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فاضل مضمون نگار نے جو حنفیت اور شافعیت وغیرہ کو موجب تفریق ہونا تسلیم نہیں کیا۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ موجب تفریق نہ ہو۔ مگر علماء اصول کی تصریحات اس کے خلاف ہیں۔

فاضل موصوف سے مخفی نہ ہوگا کہ جن دو فریقوں میں حجت شرعیہ اور طریق استدلال الگ الگ ہو تو ان میں فرق لازمی ہے۔ ذرا تفصیل سے سنیئے!

علم اصول کی مستند کتاب توضیح کے مصنف صدر الشریعہ حنفی مقلد کی دلیل اور طرز استدلال بناتے ہیں۔ ھذا عندی صحیح لانہ اذی الیہ رای ابی حنیفۃ فھو عندی صحیح۔ (توضیح تعریف علم الفقہ)۔

یعنی حنفی مقلد کی دلیل یوں ہونی چاہیئے کہ :۔

"یہ قول ابوحنیفہؒ کا ہے اور جو قول ابوحنیفہؒ ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے"۔

ٹھیک اسی طرح شافعیہ کا اصول ہے اور ہونا چاہیئے کہ :۔

"یہ قول شافعیؒ کا ہے۔ اور جو قول شافعی کا ہے میرے نزدیک وہی صحیح ہے"۔ ....

علیٰ ہذا دوسرے مقلدین کا۔ فرمائیے جب ہر فریق کے نزدیک اس کے امام کی بانسبت داخل فی الدلیل ہے تو تفریق ہوئی یا وحدت۔

منطقی اصطلاح میں اس کی مثال یوں ہے کہ جنس فصول مختلفہ سے مل کر انواع مختلفہ بنتی ہے۔ اور انواع مختلفہ قسیم ہیں۔ جو یقیناً الگ الگ ہیں۔

اسی طرح دلیل (قرآن اور حدیث) کی حجیت میں جب امام کا فہم داخل ہے۔ تو قرآن اور حدیث بمنزلہ جنس کے ہوئے۔ جو فہم ابوحنیفہؒ اور فہم شافعیؒ وغیرہ سے مل کر انواع بنتے ہیں پس تفریق لازم۔

اسی کا نتیجہ ہوا کہ کعبہ شریف جیسے واحد مرکزی مقام میں چار مصلے بنائے گئے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک گروہ کے جماعت کراتے ہوئے دوسرا اور دوسرے کے کراتے ہوئے تیسرا اور تیسرے کے کراتے ہوئے چوتھا گروہ بیٹھا رہتا تھا۔

حتیٰ کہ کسی عارف خدا کو کہنا پڑا ؎

دین حق را چار مذہب ساختند — رخنہ در دین نبی انداختند

خدا جزاء خیر دے جلالۃ الملک ابن سعود (ایدہ اللہ بنصرہ) کو جن کی حکمت عملی سے چار مصلوں کی بجائے ایک ہی جماعت ہو گئی۔ فللہ الحمد۔

اہل حدیث امرتسر۔ صلے ۱۲ ار جمادی الاول ۱۳۵۰ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام وفضلاء انام وفقہاء عظام اس مسئلہ میں کہ چار مصلوں کا ایجاد کرنا قرآن شریف واحادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ائمہ اربعہ سے ثبوت ہے یا نہیں۔ بینوا بیانا شافیا توجروا عند اللہ اجرا عظیما۔

الجواب: چار مصلے قائم کرنا خود ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں۔ نہ اُن کے زمانہ میں قائم ہوئے ہیں۔ بلکہ اُن کے زمانہ سے بہت دنوں بعد ایک بادشاہ نے قائم کر دے ہیں۔ اس میں یہ خرابی تو ظاہر ہے کہ جماعت ہو رہی ہے اور دوسرے مصلے کے لوگ بیٹھے ہیں جماعت اولی میں شریک نہیں ہوتے۔ اسی طرح ان میں اور بھی خرابیاں ہیں۔ پس یہ فعل دلائل شرعیت سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ہے حرمین شریفین کی وہ باتیں جن میں کوئی ممانعت شرعی موجود ہو۔ قابل حجت اور استدلال نہیں اور خود مذاہب اربعہ کے محققین نے ان مصلوں کو ناجائز فرمایا ہے۔

واللہ اعلم واتم واحکم۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ
مدرس مدرسہ امینیہ دہلی وسکریٹری جمعیت علماء ہند

الجواب صحیح الجواب صواب
بندہ محمد یامین، مدرسہ امینیہ
بندہ ضیاء الحق عفی عنہ دہلی (مرحوم مہتمم) مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح والمجیب العلام نجیح الجواب صحیح
احقر الزمن محمد مہدی حسن غفرلہ
سید لطیف مدرسہ امینیہ دہلی سنہری مسجد مدرس مدرسہ فتحپوری (حال وارد) اندھیر ضلع سورت (دہلی)

الجواب صحیح
بندہ عبد العزیز عفی عنہ، مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی

جواب صحیح ہے
مظہر الحسن مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی

اخبار محمدی بابت پندرہ ستمبر ۱۹۲۴ء
جلد ۲ عدد ۱

ایک علمی سوال

مولوی محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے جلسہ احناف مئو ائمہ ضلع الہ آباد میں خطبہ صدارت پڑھا۔ خطبہ میں ساری توجہ مسئلہ تقلید پر مبذول رکھی۔ اور جلسہ امرتسر میں بھی منتظمین نے تقلید کا عنوان داخل کیا ہے۔ اسی لئے میرے دل میں خیال آیا کہ اسی جلسہ میں دیوبندی علماء کی خدمت میں ایک سوال پیش کر کے حل کراؤں۔ امید ہے کہ علماء ممدوحین اس سوال کو علمی مذاکرہ سمجھ کر تحریری جواب سے خورسند فرمائیں گے۔

تقلید: آپ حضرات سے مخفی نہیں کہ علماء اصول کی اصطلاح میں نفس مسائل شرعیہ کا جاننا علم نہیں بلکہ کتاب وسنت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ جاننا علم ہے۔ ان دوجہوں کی مثال قدوری اور ہدایہ ہے۔ تقلید کی تعریف میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (التقلید ھو قبول قول بلا حجۃ) کتاب المستصفی مصری ج ۲ ص ۳۸۔

صاحب مسلم الثبوت لکھتے ہیں۔ (التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ) (مسلم ص ۲۸۹)

علامہ ابن حاجب مصنف کافیہ فرماتے ہیں۔ (فالتقلید العمل بقول غیرک من غیر حجۃ) (مختصر ابن حاجب ج ۲ ص ۳۰۵)

جمع الجوامع میں تقلید کی تعریف میں یوں مرقوم ہے۔ (التقلید اخذ القول من غیر معرفۃ دلیلہ۔) (جمع الجوامع لابن السبکی ج ۲ ص ۲۵۱)

نور الانوار میں تقلید کی تعریف یوں ہے۔ التقلید اتباع الرجل غیرہ فیما سمعہ بقولہ او فی فعلہ علی زعم انہ محقق بلا نظر فی الدلیل (حاشیہ نور الانوار ص ۲۱۶ مطبع انوار محمدی لکھنؤ)

ان سب تعریفات کا مفہوم مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے یوں ادا کیا ہے۔ "تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دے گا۔ اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔" (الاقتصاد ص ۱)

حضرات! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تقلید کی تعریف میں بالاتفاق دلیل کی عدم معرفت داخل ہے۔ گویا وہ فصل مقوم ہے جس کے بغیر تقلید کی ماہیت متقرر

نہیں ہو سکتی۔ پس جو شخص مسائل دینیہ کو دلیل کے ساتھ جانتا ہو نہ صرف جانتا ہو۔ بلکہ تعلیم دیتا ہو۔ بلکہ ان کو حق ثابت کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہتا ہو۔ جیسے آپ حضرات کی ذوات مبارکہ ہیں۔ ایسے شخص کے علم و فضل پر تقلید کی تعریف کیونکر صادق آسکتی ہے۔ اور اس کو مقلد کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق بھی علمائے اصول کا فیصلہ پیش کرتا ہوں شرح جمع الجوامع میں تقلید کی تعریف پر جو امر متفرع کیا گیا ہے۔ وہ قابل غور ہے۔ فرماتے ہیں:

اخذ قول الغیر مع معرفۃ دلیلہ اجتہاد وافق اجتہاد القائل (ج ۲ ص ۳۵۲) یعنی کسی مجتہد کے مسئلہ کو دلیل کے ساتھ صحیح سمجھنا اجتہاد ہے جو مجتہد اول کے موافق واقع ہوا ہے۔ تقلید کی تعریف اور تشریح کے بعد میں آپ حضرات کی علمی حیثیت کا ذکر کرتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ آپ لوگ مسائل دینیہ کو بالدلیل جانتے ہیں ..... ایسا جانتے ہیں کہ نہ صرف طلباء کو سمجھانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ بلکہ ان کو عالم بالدلیل بناتے ہیں۔ تو کیا آپ حضرات کی علمی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر آپ کو مقلد کہا جائے یا غیر؟ یہ ایک سوال ہے۔ جس کے لئے میں نے آپ حضرات کو متوجہ کیا ہے۔ میں اپنا سند یہ عرض کئے دیتا ہوں کہ کسی شخص کو مقلد کہنا اس کے عالم ہونے کی نفی کے برابر ہے۔ اس لئے آپ حضرات کو مقلد کہنے کے علاوہ تعریفات مذکورہ کے مجھے امام غزالی رحمہ اللہ سخت مانع ہوئے ہیں۔ گویا وہ فرماتے ہیں کہ دیوبندی علماء چونکہ مسائل کو دلیل کے ساتھ جانتے ہیں۔ اس لئے ان کو مقلد نہ کہو۔ کیونکہ (لیس ذالک التقلید طریقا الی العلم لا فی الاصول ولا فی الفروع حوالہ مذکور) تقلید علم کا درجہ نہیں ہے۔ اور نہ علم کا ہے۔ بلکہ جہالت کا درجہ ہے۔ یہی معنی ہیں علماء اصول کے اس قول کے۔

اِنَّمَا التَّقْلِیْدُ وَظِیْفَۃُ الْجَاہِلِ۔

پس آپ حضرات ان اصولی حوالجات کے ماتحت اعلان فرمائیں کہ آپ کو مقلد کہیں یا غیر۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

پس اس امر کا فیصلہ کہ آپ مقلد ہیں یا غیر۔ آپ حضرات کے جواب پر موقوف ہے۔

نوٹ: اس مضمون میں میں نے بوجہ خاص خطاب حضرات دیوبندیہ سے کیا ہے۔ مگر دراصل یہ خطاب جملہ ان علماء کو ہے جو مسائل دینیہ کو دلیل کے ساتھ جانتے ہوں۔ خواہ وہ بریلی کے ہوں یا لکھنؤ کے۔ دہلی کے ہوں یا لاہور کے۔ پنجاب کے ہوں یا ہندوستان کے۔

سندھ کے ہوں یا بنگال کے۔ عرب کے ہوں یا عجم کے سب میرے مخاطب ہیں۔ وہ علماءِ اصول کی تصریحات ملحوظ رکھ کر اپنے لیے جو نام تجویز فرمائیں۔ ہم اسی کو قبول کر لیں گے۔ اس سے زیادہ طول دینا نہیں چاہیے۔ کیونکہ استاد غالب مرحوم کہتے ہیں ؎

نہ دے نامے کو اتنا طول غالبؔ! مختصر لکھدے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

خادم العلماء ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۴۳ء

علمی سوال کا جواب الجواب
متعلق تقلید علماء

علماءِ سلف میں علمی مذاکرات ہوا کرتے تھے جن کو وہ موجب ترقی سمجھتے تھے۔ مگر آج ہماری حالت اس کے برخلاف ہے جونہی کوئی علمی سوال ہمارے سامنے پیش آتا ہے۔ اس کو سائل کی بدنیتی پر محمول کر کے ہم اعلانِ جنگ کر دیتے ہیں۔ یہ طریقہ علماءِ سلف کا پسندیدہ نہیں ہے۔

اہل حدیث مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۴۳ء میں ناظرین کی نظر سے ایک علمی سوال گذرا ہو گا جو مسئلہ تقلید کے متعلق تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقلید اپنی جامع مانع تعریف کے لحاظ سے علماءِ مقلدین پر صادق نہیں آتی۔ پھر وہ مقلد کیوں کہلاتے ہیں۔ سوال کی عبارت نہایت شیریں تھی اور مضمون بالکل صاف تھا۔ اس کا جواب جمعیت الاحناف مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ کی طرف سے دیا گیا۔ جن صاحب نے یہ جواب لکھا ہے۔ ہم ان کو جانتے ہیں۔ اس لیے اُن کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ ؏

چھپ نہ تو ہم سے کہ او ماہِ جبیں دیکھ لیا

ناظرین اس اشتہار کا جواب الجواب پڑھیں :-

امرتسر کے جلسۂ احناف منعقدہ ۵ دسمبر ۱۹۴۳ء کے موقع پر میں نے ایک اشتہار کے ذریعے اربابِ تقلید سے ایک علمی سوال کیا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقلید کی تعریف جو علماءِ اصول نے کی ہے وہ ان علماء پر صادق نہیں آتی جو خدا کے فضل سے علمی استعداد اتنی رکھتے ہیں کہ مسائل فقہیہ کو دلائل کے ساتھ جانتے ہیں۔ جتنے اقوال تقلید کی تعریف میں میں نے نقل کئے تھے۔ ان کا ترجمہ اور مطلب بھی میں نے اپنے الفاظ میں نہیں بیان کیا تھا۔ بلکہ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کے لفظوں

میں تبایا تھا۔ جو یہ ہیں۔

تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلائے گا۔ اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔ (الاقتصاد صک)

اس اشتہار سے میری غرض یہ تھی کہ میں معزز علمار تقلید کو ان کے علم کی حیثیت سے اطلاع دوں کہ آپ مقلد کے درجہ میں کیوں بیٹھے ہیں جو ادنیٰ درجہ ہے۔ آپ اعلیٰ درجہ میں بیٹھئے۔ جس کا ٹکٹ آپ کے ہاتھ میں ہے اس کی واضح مثال یہ ہے کہ کوئی مسافر جس کے پاس اول یا دوم درجہ کا ٹکٹ ہو۔ وہ تھرڈ کلاس (تیسرے درجہ) میں بیٹھ جائے۔ تو اس کو کہا جائے گا کہ آپ اپنے ٹکٹ کی عزت کیجئے۔

میری یہ غرض نہ تھی کہ جماعت مقلدین کی کسی خاص شخص کی توہین کی جائے۔ مگر افسوس ہے کہ علمار مقلدین نے میری منشار بلکہ روش کے بھی خلاف سخت توہین آمیز الفاظ میں ایک اشتہار دیا ہے جو مئو ضلع اعظم گڑھ سے ۶ مارچ سنہ رواں کو میرے پاس پہنچا ہے۔ جس میں میری نسبت بہت سے الفاظ ایسے لکھے ہیں۔ جن سے ان کا غیظ و غضب نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن میں اُن کے جواب میں اپنے مسلک کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بقول ؎

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلیٰ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

اس لئے میں ان الفاظ کو نہ نقل کرتا ہوں۔ اور نہ جواب دیتا ہوں۔ جواب مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ مجیب نے میری منقولہ تعریفات تقلید کو صحیح مان کر لکھا ہے۔ کہ دلیل کی پوری معرفت ہدایہ وغیرہ پڑھنے سے نہیں ہوتی۔ کیونکہ معرفت دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور پر جاننا بالفاظ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض کوئی نہیں۔ اور یہ منسوخ بھی نہیں وغیرہ۔ ایسا جاننا مجتہد کا خاصہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مجیب نے جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے مگر مجیب صاحب نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ جن علمار کی نسبت میرا سوال ہے وہ تو دلیل کی معرفت تامہ رکھتے ہیں۔ اب میں مجبوراً چند علمار کے اسمار گرامی بطور مثال پیش کر کے پوچھتا ہوں کہ کیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم، مولانا انور شاہ دیوبندی مرحوم، مولانا محمود الحسن مرحوم۔ مولانا حسین احمد سلمہٗ، مولانا اشرف علی مرحوم، مولانا احمد رضا بریلوی مرحوم

(مجدد مائۃ حاضرہ) وغیرہ اکابر علمار حنفیہ کو بھی دلیل کی معرفت تامہ حاصل تھی یا نہ تھی ہوا یقہ مجھے اس کی نفی کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ میں ایسا خیال کرنا ان بزرگوں کی ہتک سمجھتا ہوں۔ کیا ہی لطف ہے کہ درسوں میں تصنیفوں میں بڑے زور سے اپنے مسائل کو مدلل بیان کریں۔ اور فریق مخالف (اہل حدیث ہوں یا شافعیہ، مالکیہ ہوں یا حنبلیہ اشعریہ ہوں یا ماتریدیہ) کے دلائل کی تردید اور اپنی تائید پورے طور پر کریں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں۔ علیٰ وجہ البصیرت کہتے اور لکھتے ہیں۔ چنانچہ مجیب صاحب خود مانتے ہیں کہ

"علمار دیوبند اور دیگر علمار مقلدین حدیث کا درس دیتے ہیں اور علل حدیث و رجال پر نہایت محققانہ و عالمانہ گفتگو کرتے ہیں"۔ (اشتہار مذکور)

پھر معلوم نہیں کہ مجیب صاحب ہماری "تائید کرتے ہیں یا تردید۔ مختصر یہ ہے کہ ہماری دلیل کے دو مقدمے ہیں۔ اول یہ کہ آج کل کے اکابر علمار حنفیہ دلائل شرعیہ کی معرفت تامہ رکھتے ہیں۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس صاحب کو دلیل کی معرفت تامہ حاصل ہو۔ وہ مقلد نہیں ہے۔ مجیب صاحب کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دونوں مقدمے مسلم ہیں۔ اور ہر ایک طالب علم جانتا ہے۔ کہ جس دلیل کے دونوں مقدمے (صغریٰ کبریٰ) مسلم ہوں۔ نتیجہ بھی مسلم ہوتا ہے۔ اس لئے مقام شکر ہے کہ ہمارا اور ہمارے مجیب کا دعویٰ کی صحت پر اتفاق ہو گیا ؎

شکر للہ کہ میان من او صلح فتاد حوریاں رقص کناں سجدۂ شکرانہ زدند

مقلد کے بعد دوسرا مرحلہ مجتہد کا ہے۔ پہلے اشتہار میں ہم نے اپنا سوال محض تقلید اور مقلد پر منحصر رکھا تھا۔ اب مجیب کی تحریک سے ہم مجتہد کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ خدا جانے ان حضرات نے مجتہد کا رتبہ کیا سمجھا ہوا ہے۔ کتب اصول فقہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دلالات اربعہ (عبارت النص، ارشارت النص۔ اقتضار النص، دلالت النص) سے کام لینا مجتہد کا کام ہے (نور الانوار ص ۱۳ مطبوعہ انوار احمدی لکھنؤ) پس مجتہد وہ ہے جو ان دلالات اربعہ سے استدلال کر سکے۔

ہمارا خیال ہی نہیں۔ بلکہ یہ امر واقع ہے کہ ہندوستان کے اکابر علماء مقلدین دلالات اربعہ سے استدلال کر سکتے ہیں بلکہ کرتے ہیں۔ یہ ان پر خدا کا فضل اور علمی نعمت ہے

مقلد کہلانے سے اس نعمت کی ناقدری لازم آتی ہے۔ اس بات کا ان کو اختیار ہے کہ خدا کی نعمت کی قدر کریں یا ناقدری ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں و کار آساں کن

دفع خلل کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ ہر علم کی معرفت اس علم کے ائمہ کے اقوال سے ہوتی ہے۔ علم صرف اور نحو کے قواعد علماء صرف اور علماء نحو سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ علم لغت کی تحقیق علماء لغت سے ہوتی ہے۔ اس کا نام تقلید رکھ کر تقلید مذہبی کو ثابت کرنا تارِ عنکبوت سے زیادہ ضعیف ہے۔ پس مجیب کے سوال مندرجہ اشتہار کا جواب مختصر یہی ہے کہ بقول آپ کے جو علماء علیٰ وجہ البصیرت علوم شرعیہ کا درس دیتے ہیں۔ وہ مقلد نہیں ہیں۔ بلکہ میں تو ان کو باصطلاح علم اصول مجتہد کہنا بھی جائز سمجھتا ہوں۔ ہاں آپ کو اختیار ہے کہ فسٹ و سیکنڈ کلاس (اول و دوم درجوں) کا تحت رکھنے والوں کو تھرڈ کلاس (تیسرے درجہ) میں بٹھلائیں۔ میں آپ کو اس سے منع نہیں کر سکتا۔ ہاں میں اپنا عندیہ ان لفظوں میں عرض کردوں گا ؎

گر بر سرو چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

"خادم علماء ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری" ٢٤/ مارچ ١٩٤٤ء

تنقید بر تقلید امسال جلسہ احناف مئو آئمہ ضلع الہ آباد میں خطبہ صدارت مولوی محمد طیب صاحب دیوبندی نے پڑھا۔ قریباً سارے خطبہ میں آپ نے مسئلہ تقلید ہی کا ذکر کیا۔ پھر اس مضمون کو اتنی اہمیت دی کہ رسالہ دار العلوم دیوبند کے خاص نمبر میں اس کو جگہ دی گئی اس لئے فریق ثانی نے بھی بغرض تحقیق "ایک علمی سوال" کے عنوان سے اشتہار شائع کیا۔ جو ٥/ دسمبر ١٩٤٢ء کو جلسہ احناف امرتسر میں تقسیم ہوا۔ اور اسی تاریخ کے اہل حدیث میں بھی درج کیا گیا۔ سوال اس بناء پر تھا کہ علم معقول میں یہ بات مصرح ملتی ہے کہ ہر تعریف کے لئے ضروری ہے کہ وہ دو اوصاف (جامع و مانع) سے موصوف ہو۔ اس لئے ہم نے تقلید کی تعریف علماء اصول کے لفظوں میں بتائی تھی اور امام غزالیؒ سے لے کر مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ تک اقوال نقل کئے تھے۔ ساری تعریفوں کا خلاصہ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کے لفظوں میں یہ بتایا تھا کہ

تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حُسنِ ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق

بتلائے گا۔ اور اس سے ذیل کی تحقیق نہ کرنا۔ (الاقتصاد ص۱)

بات تو مختصر تھی کہ تقلید کی تعریف جامع مانع ہونی چاہیئے۔ برادران احناف جو باوجود عالم معلم علیٰ وجہ البصیرت مصنف ہونے کے اور معرفت تامہ رکھنے کے مقلد کہلاتے ہیں اس سے تقلید کی تعریف مانع نہیں رہتی۔ ایسے حضرات کو چاہیئے کہ تقلید کی تعریف پر غائر نظر ڈال کر اپنے کو اس سے علیحدہ رکھیں۔ اس معقول سوال کے جواب میں ایک اشتہار جمعیت الاحناف مئو ضلع اعظم گڈھ کی طرف سے نکلا۔ جو تردید کی بجائے ہمارے سوال کی تائید میں تھا۔ کیونکہ اس میں لکھا تھا کہ

علماء دیوبند جو ہر سال دورۂ حدیث پڑھاتے ہیں اور علل حدیث و رجال پر نہایت محققانہ و عالمانہ گفتگو کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان کے اور بہت سے علماء ہیں جو اپنی تصانیف میں بہت خوبی سے بحث کرتے ہیں۔

اہل دانش کے نزدیک اس اعتراف سے ہمارا خیال مزید قوت پا گیا کہ جو حضرات اتنی قابلیت رکھتے ہیں۔ ان پر تقلید کی تعریف صادق نہیں آتی۔ مگر بغرض مزید توضیح ہم نے ایک مضمون بعنوان "جواب الجواب" اہل حدیث مورخہ ۲۴ مارچ سنہ رواں میں اور بذریعہ اشتہار مورخہ ۱ مارچ (سنہ رواں) کو شائع کیا۔ جو ناظرین کے ملاحظہ سے گذرا ہوگا۔ اس کے جواب میں پھر ایک دوسرا اشتہار جمعیت الاحناف مئو نے (بے تاریخ) شائع کیا۔ جو ۲۳ مارچ سنہ رواں کو بذریعہ ڈاک ہمیں ملا۔ اس جواب میں بحث کو اصل مرکز سے دور لے جانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو آداب محصلین سے بعید ہے۔ اس لئے میں بحث کو مرکز پر لا کر گفتگو کرتا ہوں۔ پس ناظرین اور سامعین غور سے پڑھیں اور سنیں:۔

خدا جزائے خیر دے علماء اصول کو جنہوں نے تقلید کی جامع مانع تعریف کرنے کے علاوہ مقلد کے استدلال کا طرز وا یسے صاف الفاظ میں پیش کیا ہے۔ جو ہمارے اور ہمارے مخاطبوں کے درمیان فیصلہ کن ہیں۔ پس ہمارے مخاطب نظر انصاف سے دیکھیں اور سماع قبول سے سنیں۔ علم اصول میں توضیح چوٹی کی کتاب ہے۔ اس میں مقلد کا طریق استدلال یوں لکھا ہے کہ:۔

ھذا رای ابی حنیفۃ وکلما ادی الیہ رای ابی حنیفۃ فھو

عندی صحیح"۔

یعنی مقلد کا استدلال یوں ہے "کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کی جو رائے ہو۔ وہ میرے نزدیک صحیح ہے"۔

برادران احناف کیا آپ کا طرز استدلال یہی ہے۔ کیا شیعہ کے سامنے مسئلہ خلافت کے ثبوت میں آپ اس طرزِ عمل پر قناعت کر سکتے ہیں۔ ہاں اہل حدیث اور شوافع وغیرہ کے مقابلہ میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی جانتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنا امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے۔ اس لئے یہی مسئلہ صحیح ہے۔ واللہ مجھے یقین ہے کہ آپ ہرگز ایسا نہیں کرتے اور نہ کر سکیں گے کیونکہ ایسا کرنا آپ کے نزدیک بھی بجوئے نیرزد[1] کا مصداق ہے۔ بلکہ اس سے آگے چل کر آیات اور احادیث سے استدلال کریں گے۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ وہ استدلال آپ کا علی وجہ البصیرت اور معرفت تامہ کے ساتھ ہوگا یا بے بصیرت اور معرفت ناقصہ کے ساتھ۔ بس یہ ایک سوال ہے جس کے متعلق آپ لوگوں کے ضمیر سے میری اپیل ہے۔

خدا بھلا کرے مولوی خیر محمد صاحب جالندھری کا جنھوں نے باوجود دیوبندی مقلد ہونے کے مسئلہ تقلید کا بہت ساحصہ صاف کر دیا۔ آپ اپنے رسالہ خیر التنقید میں لکھتے ہیں۔ کہ قرآن وحدیث کی نصوص میں تقلید نہیں ہے۔ تقلید صرف مسائلِ استنباطیہ میں ہے۔

اس بناء پر میں جملہ علماء احناف سے پوچھا کرتا ہوں۔ آپ نماز میں جو ارکان ادا کرتے ہیں یہ آپ کے نزدیک منصوص ہیں یا نہیں؟ مثلاً قیام۔ رکوع۔ سجود۔ اور قعدہ وغیرہ۔ منفرد حالت میں فاتحہ کا پڑھنا، مقتدی ہونے کی صورت میں نہ پڑھنا۔ کیا یہ سب افعال منصوص نہیں ہیں؟ اسی طرح دیگر ارکان سب منصوص ہیں۔ پھر بتایئے کہ ارکانِ اسلام کے ادا کرنے میں آپ مقلد ہوئے یا محقق؟

بس یہ ایک سوال ہے جو قابلِ غور ہے۔ باوجود اس کے اگر آپ مقلد ہی کہلانا چاہتے ہیں تو ہمارا اس میں کوئی نقصان نہیں۔ البتہ اس سے دو خرابیاں لازم آئیں گی۔ ایک یہ کہ تقلید کی تعریف مانع نہ رہے گی۔ دوسری یہ کہ آپ کا مخاطب آپ کا میدانِ کلام تنگ

---

[1] جو برابر قدر نہیں رکھتا۔ ۱۲ منہ

کرنے کو کہہ سکتا ہے۔ کہ آپ بحیثیت مقلد پیش ہوئے ہیں تو صرف اپنے امام کا قول پیش کیجئے استدلال بالنص نہ کیجئے۔ بس یہ ہے مدارِ گفتگو اور یہ ہے مرکزِ بحث۔

ناظرین کرام حضرات مقلدین کی تصنیفات ملاحظہ کیجئے۔ کہ ہر مسئلہ پر نصوص پیش کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ نصوص ان کے مدعا کو مثبت ہوں یا نہ ہوں حضراتِ دیو بند نے کتب حدیث کی جو شروح لکھی ہیں ان پر سرسری نظر ڈال کر دیکھئے تو صاف معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ مصنف جو کچھ لکھتا ہے۔ بڑی بصیرت اور معرفت کے ساتھ لکھتا ہے۔ مگر جب پوچھا جائے تو مجیب صاحب کہتے ہیں کہ ان کو معرفت تامہ حاصل نہیں۔ کیا خوب! ہم بہت خوش ہو کر اپنا سوال واپس لے لیں گے۔ اگر حضرات مقلدین یہ اعلان شائع کر دیں۔ کہ ہم نے اپنی تصنیفات میں جو کچھ لکھا ہے۔ یا ہم درس میں اپنے خیالات کی تائید میں جو کچھ کہتے ہیں۔ سب بے بصیرت اور بے معرفت کہتے ہیں۔ اس وقت ہم صرف یہ عرض کریں گے۔ کہ آپ حضرات ذرا غور فرمائیے۔ کہ ضروریہ مطلقہ کی نقیض ممکنہ عامہ ہوتی ہے۔ اور یہ منطقی قاعدہ آپ کی جملہ تحقیقاتِ علیہ کے متزلزل کرنے کو کافی ہوگا۔

باقی رہی بحث مجتہد کی۔ اس کے لئے محاذ قائم کرنا ابھی ہمارا مقصود نہیں۔ وقت آنے پر اس بحث کے لئے بھی ہم تیار ہیں۔ ہم علماءِ اصول کی تصریحات سے دکھائیں گے کہ اجتہاد کا منصب رسالت کی طرح وہبی نہیں ہے۔ بلکہ کسبی ہے اور یہ کبھی بند نہیں ہوا۔ بلکہ برابر جاری چلا آیا ہے۔ اگر بعض لوگوں نے امام بخاریؒ جیسے مجتہد کو بھی مقلد لکھ دیا ہے۔ تو یہ اُن کی خوش فہمی اور خوش اعتقادی ہے۔

مجیب نے دوسرے اشتہار میں یہ بھی سوال کیا ہے۔ کہ تم علماءِ دیو بند میں سے مولانا حسین احمد صاحب سے پوچھو کہ وہ معرفت تامہ رکھتے ہیں یا نہیں؟

مجیب نے اس سوال کو مدارِ فیصلہ قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ مولانا حسین احمد (نجاہ اللہ من قید الفرنگ) کو پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ آپ نے ان کو درس دیتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ اگر نہیں دیکھا تو جب رہا ہو کر آئیں گے۔ تو آپ دیکھ لیجئے گا۔ وہ اپنے مذہب کا اثبات اور فریق مخالف کا ابطال معرفت تامہ سے کرتے ہیں۔ یا معرفتِ ناقصہ سے؟ اچھا اسے جانے دیجئے۔ میں دو عادل گواہ پیش

کرتا ہوں۔ مولانا انور شاہ مرحوم کی درسی نوٹ دو کتابوں کی شکل میں شائع ہوئے ہیں۔ ترمذی کے حواشی عرف الشذی اور بخاری کے حواشی فیض الباری کے نام شائع ہوئے ہیں۔ یہ کتابیں بڑے فخر و مباہات کے ساتھ مصر میں چھپوائی گئی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کو دیکھیے۔ تو ان کے درس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ کہ مرحوم کس طرح اپنے مسائل کو معرفت تامہ کے ساتھ مدلل بیان کرتے ہیں۔ ہاں اس سوال کا جواب میرے ذمہ نہیں ہے۔ کہ علماء دیوبند وغیرہم باوجود معرفت تامہ رکھنے کے مقلد کیوں کہلاتے ہیں۔ میں کہوں گا یہ ان کی تواضع ہے۔ یا پرانا دستور ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان کا طریق عمل کیا ہے۔ اگر ان کا طریق عمل بقول صاحب توضیح محض امام کے قول سے استدلال ہے۔ تو بیشک مقلد ہیں۔ اگر اس سے بڑھ کر نصوص کے ساتھ استدلال ہے تو آپ ہی ان کا نام تجویز کیجیے۔

اطلاع ہماری یہ گفتگو سر دست محض تقلید کی جامع مانع تعریف پر ہے۔ ابھی مسائل فرعیہ پر نہیں ہے۔ مشتہرین نے مولانا حسین احمد صاحب سے دریافت کرنے کو لکھا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم مئو ہی کی جماعت احناف کو مخاطب کر کے پوچھتے ہیں کہ وہ اپنا حلفیہ بیان شائع کرے کہ ہمارے علماء کو مسائل شرعیہ کی معرفت تامہ نہیں ہے۔ اس وقت ہم بڑی خوشی سے مندرجہ ذیل شعر ان کی نذر کریں گے ؎

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں ۔۔۔ زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

۵ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

چند دینی سوال

ہمارے پاس یہ سوال عیسائی کالج لاہور کے پروفیسر یوسف خان نے بھیجے ہیں جو مع جواب درج ذیل ہیں۔

جناب ایڈیٹر صاحب "اہل حدیث" سلام :-

براہ کرم مفصلہ ذیل سوالات کے جوابات مختصر یا مفصل جیسی رائے ہو جلد عنایت فرما کر شکر گذاری کا موقع دیجئے گا۔ یہ سوالات محض احقاق اور حقیقت پژوہی کی خاطر کئے گئے ہیں: تاکہ مختلف مذاہب کا موازنہ کیا جاسکے۔ آپ کی ذات سے یقین ہے کہ مجھے واقعی امداد سے محروم نہ فرمائیں گے۔

سوال نمبر ۱۔ وہ طریقہ کیا ہے جس کے ذریعہ سے ایک شخص آپ کے مذہب میں داخل ہوسکتا ہے؟

جواب نمبر ۱۔ صرف کلمہ شریف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ معنی سمجھ کر بالیقین پڑھ لینے سے داخل اسلام ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۲۔ آپ کا مذہب اختیار کرنے کے بعد کیا اس شخص میں کوئی فوری تبدیلی ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر ۲۔ احکام اسلام کی پابندی اپنے اوپر لازمی جاننے تو صحیح معنی سے شائستگی یعنی خداخوفی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر پہلے ہے تو اس میں ترقی ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ثبوت یوں ملتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ (پ ۲۶-ع ۶) یعنی جو لوگ ایمان میں ہدایت یاب ہوئے خدا ان کو ہدایت زیادہ دیتا ہے۔ اور ان کو تقویٰ نصیب کرتا ہے۔

سوال نمبر ۳۔ کن احکام کی پابندی اس شخص پر عائد ہوتی ہے۔ تاکہ وہ راسخ العقیدہ مومن بنا رہے۔

جواب نمبر ۳۔ قرآن مجید میں اس کی تفصیل کئی جگہ آئی ہے۔ ان میں سے ایک مقام کی فہرست درج ذیل ہے:-

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ

عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا
وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ
وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ط رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ
نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ
تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ
لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۔ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ
تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً
اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝
اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ
خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ
نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۔ وَلَا تَقْرَبُوا
الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا
لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۔
وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ
وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ط اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا
كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ
تَاْوِيْلًا ۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ
مَرَحًا ۔ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ط
كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ط ذٰلِكَ مِمَّآ
اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۔ (پ ۱۵ ع ۳)

"یعنی تمہارے پروردگار نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

اور ماں باپ سے سلوک کرو۔ اگر اُن میں سے ایک یا دونوں تمہاری موجودگی میں بڑھاپے کو پہنچیں تو خدمت کرتے ہوئے ان کے سامنے ہائے بھی نہ کہو۔ اور ان کے سامنے زمیں سے جھکے رہو۔ اور اُن کے حق میں دُعا کرتے رہو کہ اے ہمارے پروردگار! ان پر رحم کر جیسا انہوں نے مجھ کو چھوٹی عمر میں پرورش کیا بُسنو! اگر تم نیک اور فرمان بردار رہو گے۔ تو تمہارا پروردگار بھی نیک بندوں کے حق میں بخشنے والا مہربان ہے۔ (ان حقوقِ خداوندی اور آبائی کے علاوہ پھر سُنو! کہ) قرابتداروں اور مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کیا کرو۔ یعنی حسب مقدور اُن سے سلوک کیا کرو اور فضول خرچی مت کیا کرو۔ کیونکہ فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں۔ اور شیطان تو خدا سے منکر ہے۔ اور اگر کسی بھلائی کی امید پر جس کی تم آئندہ کو توقع رکھتے ہو۔ رشتہ داروں سے سردست سلوک نہ کر سکو تو ان کو نہایت آسان اور نرم بات کہا کرو۔ جس سے اُن کی دل شکنی نہ ہو۔ اور تمہاری معذرت ظاہر ہو۔ اور اپنا ہاتھ خرچ کرنے سے نہ تو بالکل بند کر لیا کرو، کہ کوڑی بھی نہ خرچ کرو اور نہ بالکل فراخ دستی ہی اختیار کرو۔ کہ جو ہاتھ لگا سو اڑا دیا۔ ایسا کرنے سے تم خود شرمندہ اور لاچار ہو جاؤ گے (سُنو! یہ نہ سمجھو کہ تمہارا پروردگار جو تم کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے وہ کوئی محتاج ہے بلکہ) تمہارا پروردگار ہی جس کو چاہتا ہے فراخ رزق دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے۔ تنگ کر دیتا ہے (سب قبضہ اسی کا ہے) تحقیق وہ اپنے بندوں کے حال پر خبردار اور بینا ہے۔ (ان احکام کے علاوہ تمدّنی احکام سُنو! کہ) اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے جان سے نہ مارا کرو۔ ہم ہی اُن کو اور تم کو رزق دیتے ہیں۔ بیشک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ زنا کے قریب بھی نہ جانا۔ تحقیق وہ بے حیائی اور بدکاری کی راہ ہے۔ اور کسی نفس کو ناحق قتل نہ کیا کرو۔ جو کوئی مظلوم مارا جائے۔ ہم نے اس کے والیوں کو حق دلایا ہے۔ پس وہ بھی قتل کرنے میں جلدی نہ کیا کریں۔ کچھ شک نہیں کہ سرکار کی طرف سے ان کی حمایت کی جائے گی۔ اور یتیم کے مال کے نزدیک بھی مت جایا کرو۔ ہاتھ سے چھونا بھی تم کو جائز نہیں۔ ہاں جس طریق سے ان کو فائدہ ہو (مثلاً ان کے مال کو تجارت میں لگا کر نفع حاصل کرو) جب تک وہ جوان ہو۔ یہی حکم ہے اور عہد و پیمان کو پورا کیا کرو بیشک عہد سے سوال ہوگا۔ کہ پورا کیوں نہ کیا۔ اور جب ناپ تول کرنے لگو تو پورا کرو۔ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔ یہ تمہارے حق میں خدا کے نزدیک بہتر ہے اور دنیا

میں بھی اس کا انجام اچھا ہے۔ ذکر زبان کی نیک نامی ہونے سے فائدہ پہنچتا ہے ا اور جس بات کی تم کو خبر نہ ہو۔ اس کے پیچھے مت پڑا کرو۔ (کرخواہ مخواہ دیکھے بھالے بے سنے سنائے کشیدہ خاطر ہو جاؤ) بے شک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے سوال ہوگا۔ کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا۔ اور زمین پر متکبرانہ وضع اختیار نہ کرو۔ کبھی تم زمین کو نہیں پھاڑ سکو گے یا لمبے ہوکر پہاڑ پر نہیں چڑھ جاؤ گے یہ سب ایسے تمام کام تمہارے پروردگار کے نزدیک برے ہیں۔ پس ان سے بچتے رہو۔ اے پیغمبر! یہ دانائی کی باتیں ہیں جو تیرے پروردگار نے تیری طرف الہام کیں۔ پس ان پر عمل کیا کر اور خدا کے ساتھ شریک نہ بناؤ۔ ورنہ شرمندہ اور ذلیل ہوکر تو جہنم میں ڈالا جائے گا۔

اس فہرست کے شروع میں جو عبادت کا حکم ہے۔ اس کی تفصیل بھی کئی ایک جگہ مذکور ہے کہ نماز، روزہ وغیرہ کیا کرو۔

نوٹ:۔ اس سوال کے متعلق ہمارے دو مستقل رسالے قابل دید ہیں "الفرقان العظیم" اور "تعلیم القرآن"۔

سوال نمبر ۴۔ مومنانہ زندگی بسر کرنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔

جواب نمبر ۴۔ مومنانہ زندگی کا نتیجہ دنیا اور آخرت میں پاک زندگی ملتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (پ ۱۴ - ع ۱۹) "یعنی جو کوئی ایمانداری کی حالت میں نیک کام کرے۔ مرد ہو یا عورت ہم (خدا) اس کو پاک زندگی بخشتے ہیں۔ اور ان کو بہت اچھا بدلہ دیتے ہیں"

سوال نمبر ۵۔ "مومنانہ زندگی کا کوئی معیار آپ کی کتاب میں پیش کیا گیا ہے؟ اس معیار تک پہنچنے کے لیے آپ کی کتاب اس شخص کو کیا طاقت عطا کرتی ہے؟"

جواب نمبر ۵۔ اس سوال کا مطلب میں یہ سمجھا ہوں کہ "مومنانہ زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ یا کورس کیا ہے؟ اور مومنانہ زندگی حاصل ہونے کے بعد مومن کی پہچان کیا ہے۔ اس کا جواب قرآن مجید کے کئی ایک مقامات سے ملتا ہے۔ مگر بغرض اختصار ہم ایک ہی نقل کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ
اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ
اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ٥ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۔ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّ
رِزْقٌ كَرِيْمٌ ٥ (پ ۹ - ع ۲۵)

اس آیت میں تین مضمون بیان ہوئے ہیں۔ تینوں سوال ہذا سے تعلق رکھتے ہیں پہلے نمبر میں مومنانہ زندگی کا معیار بتایا ہے۔ دوسرے میں کورس یا زینہ کا بیان ہے۔ تیسرے میں نتیجہ کا بیان ہے۔ اب سنیے! اس آیت کا ترجمہ۔ ارشاد ہے۔

(۱) کچھ شک نہیں ایماندار وہ لوگ ہیں۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اُن کے دل کانپ جاتے ہیں۔ اور جب ان کو خدائی احکام سنائے جاتے ہیں تو ان کا ایمان بڑھتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کیا کرتے ہیں۔

(۲) یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو نماز ادا کرتے رہتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے تھوڑا بہت نیک کاموں میں خرچ کیا کرتے ہیں۔ یہی پکے مومن ہیں۔

(۳) خدا کے نزدیک ان کے بہت درجے ہیں اور بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

پس یہ تینوں نمبر سوال کے دونوں جزؤں کے علاوہ تیسرے فائدے (بیان نتیجہ) پر حاوی ہیں۔ فالحمد للہ۔ یکم مئی ۲۵ء

سوال: کسی کے ماں باپ تمام عمر شرک و بدعت میں مرے ہوں۔ اور نہ اس بارے میں توبہ ہی کی ہو۔ بظاہر تو یوں ہو۔ باطن کی خدا جانے۔ ایسے شخص کی اولاد اُن ماں باپ کے واسطے دعا مانگ سکتی ہے یا نہیں؟ اور نماز میں درود اور تشہد کے بعد دُعا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ مانگ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دعا اُن کے واسطے مانگ سکتا ہو جب تو اچھا ہے اور جو گنہگار ہونے کا ڈر ہو اس بارے میں کون دعا یا کن لفظوں میں ہے۔ جس سے کہ گنہگار ہونے کا خوف نہ رہے اور اولاد کا حق ادا ہو۔

جواب: قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى (مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے

حق میں دعا بخشش مانگیں چاہے وہ قریبی ہوں پس جس ماں باپ کی بابت علم ہو کہ وہ مشرک تھے۔ ان کے حق میں تو یہی حکم ہے۔ اگر زیادہ شفقت غالب آئے تو یوں دعا کریں "خداوندا۔ میرے باپ تیرے علم میں بخشش کے اہل ہیں تو ان کو بخش دے"۔

(۲۲ ذی قعدہ ۱۳۲۹ھ)

ایک پادری کے چند سوال؟

مجھ احقر سے اور ایک پادری مشن سے حضرت محمد رسول اللہ کے بارے میں گفتگو ہوئی تو اس نے مجھ سے یہ سوال کئے جو لغرض جواب ارسال ہیں۔ (مرسلہ امین الدین خریدار اہل حدیث ۵۱۹۵ سکندر راؤ)

سوال ۱:۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک ایک ہی خاندان ہے اور اسی میں انبیاء گذرے ہیں ہم ان سب کو مانتے ہیں۔ چونکہ حضرت محمد صاحب اس خاندان سے نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو نبی نہیں مانتے۔

جواب ۱: اس کا کچھ ثبوت ہے کہ سارے انبیاء ایک ہی خاندان سے گذرے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ ہر ایک قوم میں کوئی نہ کوئی رسول گذرا ہے۔ پھر ہم یہ کیونکر مان لیں کہ ایک ہی خاندان میں سب گذرے ہیں؟

بفرضِ محال ثابت ہو جائے کہ ایک ہی خاندان کے گذرے ہیں تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ دوسرے خاندان کے نبیوں کو ماننا ضروری نہیں۔ اس ممانعت کے لئے کوئی حکم ہے؟ ہو تو دکھایئے ورنہ غلط دعویٰ کرنے سے شرمایئے۔

سوال ۲:۔ یہ جو امت محمدیہ کا یہ قول ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہوئے ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے اور اگر غلط نہیں ہے تو آپ ہم کو کل پیغمبروں کے نام بنام فہرست دیجئے۔

جواب ۲: ہم بھی اس روایت کو صحیح نہیں مانتے۔ بلکہ ہمارا اعتقاد ہے کہ ہم نبیوں اور رسولوں کی تعداد صحیح نہیں جانتے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ۔ یعنی بعض رسول ہم نے تمہیں بتائے ہیں اور بعض نہیں بتائے۔

سوال ۳:۔ جس خاندان میں حضرت محمد صاحب پیدا ہوئے ہیں ان سے قبل اس خاندان میں کوئی اور نبی پیدا ہوا تھا؟

جواب ۳ :- اس خاندان کے جد امجد حضرت اسمٰعیل نبی تھے۔ قرآن مجید میں مذکور ہے وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا۔ یعنی اسمٰعیل بڑا راستباز نبی تھا۔ بائبل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسمٰعیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا موعود فرزند تھا۔ (پیدائش بائبل)

سوال ۴ :- یہ ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ حضرت محمد صاحب زمین عرب میں پیدا ہوئے حالانکہ جتنے انبیاء گذرے ہیں کل زمین کنعان میں پیدا ہوئے۔

جواب ۴ :- ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ انبیاء ساری دنیا میں پیدا ہوئے۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں بھی پیدا ہوئے۔ لہٰذا ہم پر یہ سوال وارد نہیں ہو سکتا۔

سوال ۵ :- اس بات کا ہم کو کافی طور پر یقینی اور مستند روایات کا پتہ بتلایئے کہ قیام دنیا کب سے ہے؟

جواب ۵ :- دنیا کی ابتدا اور ابتدا سے آج تک کتنی مدت ہوئی ہے اس کا علم ہم کو نہیں۔ قرآن و حدیث میں اس کا ذکر صاف لفظوں میں نہیں ملتا جو کوئی کہتا ہے اس کا خیالی اعتقاد ہے وغیرہ بھی۔ آپ کے پاس کوئی ثبوت ہو تو پیش کیجئے

(۴ ماہ شعبان ۱۳۴۹ھ)

حالات بائبل[1] بقلم حضرت مولانا محمد ابو القاسم صاحب سیف بنارسی

بائبل :- انبیائے بنی اسرائیل پر جس قدر کتب سماویہ نازل ہوئیں ان کو علمائے مسیحی نے لقب بائبل (بمعنی کتاب) دے کر دو حصوں میں تقسیم کیا ہے (۱) عہد عتیق یعنی حضرت مسیح کے قبل جتنی کتابیں انبیائے بنی اسرائیل پر اتریں۔ (۲) عہد جدید یعنی اناجیل اربعہ کے ساتھ حواریوں کے اعمال خطوط اور مکاشفات پہلے عہد عتیق کا حال ملاحظہ ہو۔

عہد عتیق :- مروج عہد عتیق میں ۳۹ کتابیں ہیں لیکن علمائے یہود نے ان کو ۲۴ کتابوں میں شمار کر کے تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔ (۱) توراۃ جس کو قانون بھی کہتے ہیں اس میں پانچ کتابیں ہیں تکوین۔ خروج۔ احبار۔ اعداد۔ استثناء (۲) نبیم ان میں یوشع۔ قضاۃ سموئیل اول و دوم۔ ملوک اول و دوم۔ یشعیاہ۔ یرمیا۔ حزقیل اور بارہ چھوٹے بڑے پیغمبر

[1] کتب عیسائیت کی معلومات کے پیش نظر یہ مضمون یہاں درج کیا گیا ہے۔ محمد داؤد راز

شامل ہیں (۳) بقیہ۔ ان میں زبور۔ امثال سلیمان۔ ایوب۔ روت۔ نوحہ یرمیاہ۔ واعظ۔ استیر۔ دانیال۔ عزرا۔ نحمیاہ۔ ایام اول و دوم ہیں۔

معدوم صحیفے موجودہ مجموعہ عہد عتیق کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی کتب سماوی معدوم اور لاپتہ ہو گئیں صرف ان کا حوالہ عہد عتیق میں باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو (۱) عہد نامہ موسیٰ لاپتہ ہے۔ جو اس کا خروج ۲۴/۷ میں ہے (۲) جنگ نامہ خداوند۔ حوالہ اعدادی ۲۱/۱۴ (۳) کتاب یشر۔ حوالہ یوشع ۱۰/۱۳ (۴) کتاب ناتن نبی و اعیدو مکاشفات یعدو کاہن۔ حوالہ ایام دوم ۹/۲۹ (۵) کتاب یاہو بن حنانی۔ حوالہ ایام دوم ۲۰/۳۴ (۶) کتاب اشعیا بن عاموص۔ حوالہ ایام دوم ۲۶/۲۲ (۷) امثال و نغمات سلیمان و کتاب خواص نباتات و حیوانات و کتاب اعمال سلیمان حوالہ ملوک اول ۴/۳۲-۳۳ و ۱۱/۴۱ (ماخوذ از تاریخ صحف سماوی) پروفیسر نواب علی۔

اسباب تباہی کتب سماوی یہود کی کتب سماوی کی بربادی کا سب سے بڑا سبب وہ ہولناک حوادث ہیں جو حضرت سلیمان کے بعد پے در پے واقع ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد اسباط بنی اسرائیل میں تفرقہ پڑ گیا۔ اور ان کی دو جداگانہ سلطنتیں جو ایک دوسرے کی رقیب تھیں قائم ہو گئیں۔ دو اسباط یعنی یہود اور بنیامین نے رحبعام بن سلیمان کی اطاعت کی لیکن دس اسباط بغاوت کر کے علیحدہ ہو گئے اور بجانب شمال سامریہ کو اپنا دار السلطنت قرار دیا۔ عبادت الٰہی کے ساتھ سونے کے بچھڑوں کی بھی پرستش کرنے لگے (ملوک اول ۱۲/۲۸) آخر ۷۲۲ قبل مسیح میں اسٹریلیا والوں نے اس سلطنت کو تباہ کیا اور بنی اسرائیل کو نینوا پکڑ لے گئے۔ اس طور سے دس اسباط فنا ہو گئے۔ یا بت پرست قوموں میں جذب ہو کر یہودیت سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو گئے۔ دوسری سلطنت کو بھی ۵۸۶ ق م میں بخت نصر تاجدار بابل نے برباد کر دیا۔ اور بیت المقدس کو مع تورات و تبرکات کے جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔

۴۴۳ ق م عزرا اور نحمیاہ کی کوششوں سے بیت المقدس کی تکمیل ہوئی۔ عزرا نے توراۃ یعنی سلسلہ اول کی پانچ کتابوں کو مؤرخانہ حیثیت سے قلم بند کیا (نحمیاہ ۸) پھر نحمیاہ نے دوسرے سلسلہ ہیم کی کتابوں کو مع زبور جمع کیا (کتاب مقابیان دوم ۲/۱۳) دو سو برس کے بعد یونانیوں کی فتوحات کا سیلاب آیا۔ انطاکیہ کے یونانی بادشاہ

انٹو نیس نے بیت المقدس میں یونانی دیوتا زمیس کا مندر بنادیا اور توراۃ وغیرہ کی تلاوت بند کردی۔ یہود کے شعائر کی ممانعت کردی۔ پھر تمام مقدس صحیفوں کو جلوا دیا۔ یہ کتب مقدسہ کی دوسری بار تباہی ہوئی۔ پھر یہودا مقابی نے شاہ انطاکیہ کو شکست دی بیت المقدس کو پاک صاف کیا اور مقدس صحیفے محض اپنی یاد سے جمع کیے۔ ساتھ ہی تیسرے سلسلہ کتبیہ کا بھی اضافہ کردیا۔ اب رومیوں کی تلوار چمکی۔ ۷ ستمبر ۷۰ھ کو ٹائٹس رومی نے بیت المقدس کو فتح کرکے ہیکل سلیمانی کو مسمار کردیا۔ اور مقدس صحیفوں کو بطور یادگار فتح کے روم لے گیا۔ (ملخص)

اہل حدیث امرتسر ص ۹ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ

سوال:۔ کیا قرآن پاک اور حدیث شریف دونوں کا ماننا ضروری ہے یا صرف قرآن پاک کافی ہے۔ جونسا شق اختیار کیا جائے مدلل قرآنیہ سے ہو یعنی دلیل قرآن پاک کی آیت ہو اور بس۔

محمد سلیم از پٹنہ

جواب:۔ دونوں کا ماننا ضروری ہے۔ قرآن کی آیت ہے:۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (پ ۱۸ ع ۱۳)

اہل حدیث ۴ مئی ۱۹۳۴ء

حدیث کی شرعی حیثیت

از جناب امین افغانی صاحب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانہ سے لے کر پچھلی صدی تک کے تمام مسلمان اس بات پر متفق رہے ہیں کہ قرآن کریم کے بعد احادیث نبوی مسلمانوں کے لیے رشد و ہدایت کا منبع اور خیر و برکت کا سرچشمہ ہیں۔ لیکن جہاں اس صدی میں بعض لوگوں نے مذہب کے دوسرے مسائل کو ملیا میٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہاں ایک گروہ اس قسم کا بھی پیدا ہوا ہے جس نے اعلان کیا ہے کہ احادیث نبوی کو مذہبی حیثیت سے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے اس لیے کہ خود قرآن کریم ہر مذہبی امر کو کافی وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ اور وہ مسلمانوں کی رہنمائی کرنے میں کسی معاون کسی مددگار اور

شریک کا محتاج نہیں۔ یہ زعم فاسد ان لوگوں کے دل و دماغ پر اس طرح مسلط ہو چکا ہے کہ ان کے نزدیک احادیثِ نبویہ پر عمل کرنا اور آنحضرتؐ کے بتائے ہوئے دستور العمل پر چلنا راہِ حق سے بھٹک جانے اور اسلام کی روشن تعلیمات سے دُور پڑ جانے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کھلے بندوں احادیث نبویہ کی تردید کرتے اور ہر ناجائز طریقہ سے اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے آنحضرتؐ کا دامن چھڑا لیں۔

وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے اس قلعہ کو سر کر لیا تو پھر مسلمان من مانی تاویلوں کے گورکھ دھندے میں پھنس کر قرآن مجید کو خود بخود چھوڑ بیٹھیں گے اور ایک دفعہ پھر ہندوستان کی زمین توحید کے نور سے خالی ہو جائے گی اور مادر وطن کے یہ سپوت متحدہ قومیت کے خواب کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

انکار حدیث کی اصل وجہ

میں نے اس فرقہ کے ذمہ دار حضرات سے اس بارہ میں گفتگو کی ہے اور گھنٹوں ان کے ساتھ بیٹھ کر یہ سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہوں کہ ان لوگوں کا نظریہ کیا ہے۔ اور چاہتے کیا ہیں اصل بات جو میں نے سمجھی ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ مذہبی پابندیوں اور شرعی قیود سے تنگ آ گئے ہیں اور ان احکام کو ماننے کے لئے تیار نہیں جو بہ تفصیل تمام احادیث میں مذکور ہیں۔ اس لئے چاہتے ہیں کہ کسی طرح اسلام کی چلتی گاڑی کا ایک پہیہ (احادیث) توڑ دیں دوسرا پہیہ خود بخود بیکار ہو جائے گا۔ اور اپنے منصوبے میں کامیاب ہو کر آزادی سے زندگی کے دن بسر کریں گے۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ۔

ایک مبصر کی رائے

ایک دفعہ میں ایک کیمبرج کے ایک مشہور فاضل سے گفتگو کر رہا تھا۔ مرزا صاحب کی نبوت کا تذکرہ شروع ہوا تو اس فاضل نے کہا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے مرزا صاحب کا مقصد دراصل یہ تھا کہ وہ خود نبی بن کر نبوت کی اہمیت لوگوں کی نظروں میں گھٹا دیں۔ اس طرح

آہستہ آہستہ خود مذہب کی اہمیت گھٹ جائے گی اور فلسفیانہ مذاہب (دہریت و زندقہ) کے لئے رستہ کھل جائے گا۔ لیکن مرزا صاحب نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو رستہ اختیار کیا وہ عاقبت اندیشی پر مبنی نہیں تھا۔ اس لئے ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ مسلمانوں نے فوراً ان کو جماعت سے الگ کر دیا اور اس کے متبعین ایک حقیر سی اقلیت بن کر رہ گئے۔ ہاں صاحب (امام اہل قرآن) نے نفسیات کے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جماعت کے عقائد دیر میں اور تدریجی طور پر بدلتے ہیں اس لئے جب انہوں نے دیکھا ہے کہ اب لوگ فقہ کی بندش سے تقریباً آزاد ہو گئے ہیں تو انہوں نے احادیث پر نکتہ چینی شروع کر دی ہے اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا تو وہ جمع و تدوین قرآن میں رخنے نکالنے شروع کر دیں گے اور جب تمام لوگوں کو اس عیاری کا پتہ نہ چلے گا وہ عوام اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ کو اتنا مسموم کر چکے ہوں گے کہ اس کا تدارک کسی سے بھی نہ ہو سکے گا یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔

جماعت اہل قرآن ناظرین غالباً یہ سمجھتے ہوں گے کہ اہل قرآن کسی خاص جماعت کا نام ہے جن کا مذہبی نظریہ ایک ہے اور وہ کسی خاص عقیدے کو ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ پہلے میرا بھی یہ خیال تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ حقیقت ایسی نہیں ہے ان میں کا ہر ایک شخص خود امام اور مجتہد ہے اس کو کسی دوسرے کی تقلید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تقلید نام ہے پابندی کا۔ اور اسی پابندی سے بھاگنے کے لئے تو یہ سارا کھیل کھیلا گیا ہے۔ اس لئے یہ لوگ ایک دوسرے کی بالکل نہیں سنتے۔ ہر شخص قرآن مجید کو جس طرح سمجھتا ہے اسی طرح اس پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کوئی خاص جماعت موجود نہیں ہے۔ تَحْسَبُھُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُھُمْ شَتّٰی ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ۔

انکار حدیث یہی وجہ ہے کہ انکار حدیث کے بارے میں بھی ان کا نظریہ ایک نہیں ہے۔ بعض تو سرے سے حدیث کو قابل استدلال ہی نہیں

سمجھتے۔ بعض صرف اس کو تاریخی حیثیت دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اصولاً حدیث سے مذہبی مسائل کے بارے میں استناد درست ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ احادیث کی تدوین بہت بعد میں ہوئی ہے۔ اس لئے ہم کسی حدیث کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ آنحضرت کی فرمودہ ہے گویا وہ لوگ چند ایک ضعیف یا موضوع روایتوں کی وجہ سے احادیث کے تمام ذخیرے کو نظرانداز کرتے ہیں۔ کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ

اگر ہم ان میں سے ہر ایک نظریہ کی الگ الگ تردید شروع کر دیں تو بحث لمبی ہو جائے گی اور غالباً اس کا یہ نتیجہ بھی کچھ نہیں نکلے گا۔ اس لئے ہم ذیل میں ان لوگوں کے باہمی اختلافات سے قطع نظر کر کے صرف عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے حدیث کی مذہبی حیثیت کو پیش کرتے ہیں۔

ضرورت حدیث از روئے قرآن

(۱) قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو حضرت جبرئیل کی وساطت سے آنحضرتؐ پر تئیس سال کے عرصہ میں نازل ہوئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس کتاب کے متعلق آنحضرتؐ کی حیثیت صرف ایک چٹھی رساں کی تھی جس کا کام مکتوب کے مضمون سے واقفیت حاصل کئے بغیر اس کو مکتوب الیہ تک پہنچانا ہوتا ہے۔ یا یہ کتاب آپ پر اس لئے نازل ہوئی تھی کہ آپ اسے دوسروں کو سنائیں، پڑھائیں اور سمجھائیں۔ ظاہر ہے کہ آپ حامل قرآن ہونے کے ساتھ معلم قرآن بھی تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔	بیشک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی احسان کیا جو ان میں ان ہی کی قوم کا ایک رسول بھیجا وہ ان کو خدا کی آیتیں سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور علم سکھاتا ہے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کا منصب یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آیتیں سنائیں اور ان کو قرآن کی باقاعدہ تعلیم دیتے وقت آپ یقیناً آیات کی تشریح اور توضیح کے لئے اپنی طرف سے کچھ ارشاد فرمائیں گے

کسی مجمل آیت کی تفصیل بیان فرمائیں گے۔ کسی عام حکم کی تخصیص کریں گے کسی مطلق کی تقیید کریں گے۔ کسی عمل کا مفصل طریقہ بتائیں گے۔ اور وہ ارشادات فہم قرآن کے لئے نہایت ضروری اور لازمی ہوں گے۔ آپ کے انہی ارشادات کو ہم حدیث کہتے ہیں۔ اور ان کو اس وجہ سے مذہب کا دوسرا رکن سمجھتے ہیں کہ ان کے ذریعے قرآن کریم کی مختصر آیتوں کی تفسیر ہوتی ہے اور مسلمان زید و عمر کی من گھڑت تاویلوں سے بچ کر آنحضرت کے دامن سے وابستہ رہتے ہیں۔

(تنبیہ) یاد رہے کہ جو شخص اس آیت پر ایمان رکھتا ہے اور آنحضرتؐ کو معلم قرآن تسلیم کرتا ہے وہ کسی طرح احادیث کی مذہبی اہمیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

(۲) اس امر پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ہمارا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اسی قدر نہیں ہے کہ آپ حامل قرآن تھے۔ بلکہ اگر ہم مسلمان کامل بننا چاہیں تو ہمیں اپنی دنیوی زندگی کے ہر شعبہ میں آپؐ کی پیروی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اخلاق، طرز معاشرت، ملکی معاملات اور قلبی اعمال وغیرہ سب میں آنحضرتؐ کے اقوال و اعمال کی پیروی کریں۔ آنحضرت کے اقوال و اعمال کا یہ بیش بہا ذخیرہ مسلمانوں کو کہاں سے ملے گا؟ آپ کی زندگی کے مفصل حالات کہاں سے دستیاب ہوں گے۔ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ کتب حدیث سے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی اس آیت پر ایمان لانے والے لوگ مجبور ہیں کہ احادیث نبویہ پر عمل کریں اور ان کو مشعل راہ بنا کر منزل مقصود تک رسائی حاصل کریں۔

(۳) قرآن کریم ایک جامع کتاب ہے اور اپنی جامعیت کی وجہ سے تشریح اور توضیح طلب ہے وہ توضیح آنحضرت فرمائیں یا کوئی اور۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن توضیح اور بیان کا محتاج ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی ایک آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ (اے نبی! تم قرآن پڑھنے میں اپنی زبان کو

لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ۔

حرکت نہ دو۔ تاکہ اُسے جلدی یاد کرلو بے شک اس کا یاد کرادینا اور اس کا پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے"۔ پھر جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کرو پھر اس کا واضح کرنا ہمارے ذمہ ہے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی قرارت، جمع، تدوین اور بیان کا خود ذمہ لیا ہے۔ اگر اس ذمہ داری کا ظہور اس طرح ہوا کہ قرآن کریم کی قرارت اور تدوین آنحضرتؐ نے فرمائی تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے مطالب کا بیان کون کرے گا۔ کیا اس کام کے لیے ہمیں کسی اور کے در پر دستک دینی پڑے گی۔ اگر نہیں تو ماننا پڑے گا کہ فہم قرآن کے لئے بیان نبویہ کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ آپ معلم اور مبین تھے اور آپ نے قرآن کے جو رموز بیان کیے ہیں وہ سب کتب حدیث میں موجود ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ آنحضرتؐ کی پیروی کریں اور اسی پیروی کو حب الٰہی اور نجات کی نشانی قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔

ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ تم سے خوش ہو اور تمہارے گناہ معاف کر دے۔

کیا منکرین حدیث یہ بتا سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے اقوال و افعال سے انکار کرنے کے بعد بھی آپ کی پیروی کی جا سکتی ہے اور کیا اتباع کے معنے یہی ہیں کہ آپ کی ہر بات اور آپ کا ہر عمل متروک قرار دیا جائے۔

(خلاصہ) قرآن کریم میں اس قسم کی آیتیں بہت کافی ہیں۔ جن میں مسلمانوں کو اطاعت رسول کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ یہ تخصیص نہیں ہے کہ اطاعت رسول سے مراد فقط اس پر نازل شدہ آسمانی کتاب کو ماننا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں نے ہر زمانہ میں حدیث و سنت کی مذہبی قدر و قیمت کو محسوس کرکے ان کی خدمت کی ہے اور مسلمانوں

کو ایک روشن اور سیدھے راستہ پر ڈال کر منصب وراثت نبوت کا حق ادا کیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اس صدی تک باوجودیکہ مسلمان بہت سے فرقوں میں منقسم ہو چکے ہیں لیکن استناد حدیث سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا ہے۔ تمام علماء، صلحاء، مجتہدین، ائمہ، تابعین اور صحابہ کرام برابر قرآن کریم کے بعد احادیث نبویہ سے استدلال کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ کسی سُنّی، کسی شیعہ، کسی خارجی، کسی ناصبی، کسی ظاہری، کسی باطنی نے کبھی حدیث کے حجت شرعی ہونے کا انکار نہیں کیا ہے اور جن اسلاف کے متعلق یہ پروپگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ وہ حدیث کو حجت شرعی نہیں مانتے تھے۔ یہ صرف ان لوگوں کے نفس کا دھوکہ ہے۔ ورنہ احادیث صحیحہ کا حجت شرعی ہونا ایک ایسا واضح مسئلہ ہے جس پر تمام دنیائے اسلام کا ہمیشہ اجماع رہا ہے۔

حدیث اور امت اسلامیہ

اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس تیرہ سو سال کے اندر تمام دنیا میں جتنے بھی مسلمان گذرے ہیں وہ سب کے سب حدیث اور سنت کو حجت اور سند مانتے رہے اور وہ ہمیشہ قرآن مجید کی تعلیمات کو احادیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اب اگر ان چند متفرق الخیال آدمیوں کی بات صحیح مان لی جائے اور کہا جائے کہ مسلمانوں نے حدیث کو حجت شرعی سمجھ کر غلطی کی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ سے لے کر اب تک جتنے مسلمان ہو گذرے ہیں انہوں نے اسلام کو قطعاً نہیں سمجھا ہے بلکہ نعوذ باللہ انہوں نے اسلام میں تحریف کی ہے کیونکہ انہوں نے ایک غیر متعلقہ امر کو مذہب کا جزو بنا کر وہ گناہ کیا ہے جس کا ارتکاب امم سالقہ میں احبار یہود کیا کرتے تھے۔ دین کو نہ سمجھنے یا دین میں تحریف کرنے کا یہ اعتراض اگر یا وشما تک محدود رہتا تو چنداں معیوب بات نہیں تھی۔ لیکن یہ اعتراض تو اتنا ہمہ گیر ہے کہ اس کی زد میں وہ بزرگ بھی آ جاتے ہیں جو قرآن مجید کے اول مخاطب، آنحضرتؐ کے درس کے تربیت یافتہ اور بلاواسطہ آپ کے شاگرد تھے کیونکہ وہ حضرات برابر حدیث کو حجت شرعی مانتے اور ہمیشہ اس سے استدلال کیا کرتے تھے۔ پس اگر وہ سب اس گناہ

کے مرتکب ہوئے ہیں اور کسی ایک کو راہِ حق معلوم کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی ہے تو ہم اس گناہ کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔

انکارِ حدیث اور اسلام

اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ حدیث کو شرعی حجت سمجھ کر تمام دنیا کے مسلمان ہمیشہ سے غلطی کرتے چلے آئے ہیں تو کیا اس کے معنے یہ نہ ہوں گے کہ نبی کریم اپنے مشن میں سخت ناکام رہے ہیں اور آپ جس اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس کو تیرہ سو سال تک کسی ایک انسان نے بھی نہیں سمجھا۔ یہاں تک کہ اسلام کا نور ایک ہندوستانی کے دل میں جلوہ گر ہوا۔ اور اس نے قرآن کے رموز و اسرار لوگوں پر ظاہر کرکے ان کو شرک اور تحریف کے گناہوں سے بچا کر راہِ حق پر ڈالا۔

انکارِ حدیث اور قرآن

(۱) ظاہر ہے کہ قرآن مجید توریت کی طرح بیک وقت نازل نہیں ہوا۔ بلکہ ۲۳ سال کے عرصہ میں موقع اور ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا کبھی ایک واقعہ پیش آجاتا تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قطعی حکم نازل ہوجاتا۔ کبھی کوئی شخص آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتا تو اس کا جواب حضرت جبرئیل لے آتے۔ سو جب تک اس واقعہ کو مفصل طور پر نہ سمجھا جائے یا اس سوال کو پیش نظر نہ رکھا جائے قرآن کریم کا حکم ہرگز نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس لئے قرآن کی متعلقہ آیت ان واقعات یا سوالات کے بارے میں افسرِ اعلیٰ کے آخری فیصلے کی طرح ہوتی ہے جس کا سمجھنا مقدمہ مذکورہ کی ساری مثل کو سمجھنے پر موقوف ہوتا ہے۔ اس واقعہ اور سوال کی تفصیل احادیث ہی سے مل سکتی ہے اس لئے فہم قرآن کے لئے احادیث کو پیش نظر رکھنا ناگزیر ہے۔

(۲) کبھی قرآن مجید ایک کام کا حکم دیتا ہے لیکن اس کے کرنے کا طریقہ نہیں بتاتا مثلاً ارشاد ہوتا ہے:۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ (نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو) لیکن یہ نہیں بتاتا کہ نماز کس طرح پڑھنی چاہیئے۔ اس کے اوقات کیا ہیں۔ شرائط کیا ہیں اور زکوٰۃ کن لوگوں سے اور کس حساب سے وصول ہونی چاہیئے۔ یہ تمام تفصیلات کتب حدیث میں ملتی ہیں۔ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کے فرائض میں سے ایک بہت بڑا فرض قرآن مجید کی تشریح اور توضیح کرنا تھا جو آپ نے بطریق احسن انجام دیا ہے

پس جب تک احادیث کو پیش نظر نہ رکھا جائے صرف ڈکشنری (لغات) کی مدد سے قرآن مجید کا مطلب سمجھا نہیں جا سکتا۔

(۳) کبھی قرآن مجید میں ایک لفظ آجاتا ہے جس کے معنی متعین کرنے کے لئے حدیث کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن نے خمر کو حرام قرار دیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا ہے کہ خمر کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی مقدار حرام ہے۔ یہ تمام تفصیلات حدیث سے مل سکتی ہیں۔

(۴) قرآن مجید کی موجودہ ترتیب وہ نہیں ہے جس پر وہ نازل ہوا تھا۔ اس لیے جب اس میں ایک مسئلہ کے متعلق دو مختلف حکم دکھائی دیں تو اس وقت یہ سمجھنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے کہ ان میں سے کونسی آیت پہلے اور کونسی بعد میں نازل ہوئی ہے۔ اور جب تک یہ معلوم نہ کیا جائے قرآن مجید سے مسئلہ نہیں نکالا جا سکتا۔ اور اس کا اصل مطلب سمجھا نہیں جا سکتا۔ اس لئے بھی فہم قرآن کے لئے حدیث کی سخت ضرورت ہے۔

(۵) ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام نے دنیا کے سامنے ایک نظام اخلاق، ایک نظام معاشرت، ایک نظام سیاست اور ایک نظام فکر پیش کیا ہے اور اس طرح پیش کیا ہے کہ تمام مہذب دنیا آج تک اسی سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ اس "نظام اسلام" کی تفصیل یقیناً قرآن مجید سے دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن اور اسلامی روح کو باقی رکھنے کے لئے حدیث کو ماننا اور ان کو قرآنی تعلیمات کا جزو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

ایک عرض

ہمارے بعض بھائی اصولاً حدیث کو حجت مانتے ہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ احادیث میں بعض ایسی باتیں ہیں جو خلاف قرآن، خلاف عقل اور خلاف تجربہ ہیں۔ اس لئے ہم حدیث کو حجت شرعی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ واقعی بعض خود غرض اور نفس پرست لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے نام سے غلط باتیں مشہور کی ہیں۔ لیکن علماء نے احادیث کی چھان بین کر کے ایسی باتوں کو بالکل غلط اور خلاف تعلیمات اسلام قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے احادیث کو پرکھنے کے لیے تصحیح سند کے علاوہ دوسرے اصول و ضوابط بھی بتائے ہیں جن کی روشنی میں ان کی یہ مشکل حل ہو سکتی ہے اس لیے ان کو مایوس نہیں ہونا

چاہیئے۔ اور اس چھوٹے سے دھبے کے لیے سارے کپڑے کو آگ نہیں دکھانی چاہیئے۔

(اہل حدیث امرتسر ۱۰ر جنوری ۱۹۴۱ء)

ایک ضروری استفسار

بحضور علامہ مدیر اہل حدیث دام فیوضہم

السلام علیکم۔ واضح ہو کہ کئی ایک فرق ہائے باطلہ نے حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محض اپنی کم علمی اور عدم فہمی کی وجہ سے مورد الزام وطعن بنا رکھا ہے اور یا ہر وقت کوئی نہ کوئی الزام اس شریف علم کے سر تھوپا جا رہا ہے باقی فرقہ ہا کو جانے دیجئے صرف فرقہ شیعہ ہی کو لیجئے اس کو علم حدیث سے اس قدر دوری ہے کہ خدا کی پناہ۔ کئی ایک رسالے و اخبارات حدیث کی برائی اور ہجو میں سیاہ ہو رہے ہیں۔ آج خاکساران کے ایک رسالے "اصلاح" کے دو اعتراض نقل کر کے آنجناب کی خدمت میں بغرض جواب بھیج رہا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ کس قدر دریدہ دہنی سے مضمون نگار نے حدیث شریف پر بیجا حملہ کیا ہے۔ وہو ہذا۔

(۱) رسول اللہ کی چوری چنانچہ پہلی صفت چوری کرنا ہے۔ اس کی روایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ملاحظہ ہوں۔

سنن ابوداود اور جامع ترمذی سے جو دونوں صحاح ستہ میں داخل ہیں۔ کتاب تلخیص الصحاح مطبوعہ لاہور جلد اوّل صـ۱۴۲ میں یہ عبارت مرقوم ہے:-

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال نزلت هذه الآيات وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ فی قطيفة حمراء فقدت يوم بدر فقال بعض القوم لعل رسول الله صلى الله عليه وسلم اخذها فانزل الله تعالى هذه الآيات (ابوداؤد، ترمذی)۔

یعنی ابن عباسؓ سے آیت مبارکہ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ (یعنی نبی کا یہ کام نہیں ہے کہ کوئی چیز چرالے) کی شان نزول اس طرح مروی ہے کہ بدر کی لڑائی

میں غنیمت کے مال سے ایک سرخ رنگ کی روئیدار چادر کھوئی گئی تو بعض صحابہؓ نے کہا کہ شاید رسولِ خدا صلعم نے چرائی ہو۔ تب خدا نے یہ آیت شریف نازل فرمائی۔ ابوداؤدؒ ترمذی اس کے راوی ہیں۔

(۲) رسول اللہ کا ارادہ زنا

روایت صحیح بخاری کا دوسرا حصہ یا مضمون یہ ہے کہ کوئی شخص زنا بھی کرے تو جنت میں جائے گا۔

حضرات اہل سنت نے اس میں بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبتلا کر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اسی بخاری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۹۷ کتاب الطلاق میں ہے۔

(نوٹ) حدیث شریف کے صرف ترجمہ پر اکتفا کی جاتی ہے (یعنی اوزاعی کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کس نے جناب رسولِ خدا سے خدا کی پناہ مانگی تھی تو زہری نے کہا مجھ سے عروہ نے بیان کیا ہے کہ اس سے حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا تھا کہ جون کی بیٹی جب حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی گئی اور حضرت صلعم اس سے قریب ہوئے تو اس نے حضرت کو خطاب کر کے کہا اعوذ باللہ منک (اے محمد میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں) تو حضرت نے اس سے فرمایا کہ تم نے بڑی ذات کی پناہ مانگی۔ اپنے خاندان میں واپس چلی جاؤ۔

ابواسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے باہر ایک باغ کی طرف چلے جس کو شوط کہتے تھے یہاں تک کہ ہم لوگ دو باغوں کے قریب پہنچے اور ان دونوں کے درمیان میں بیٹھ گئے تاکہ دونوں باغ دونوں طرف سے پردہ کا کام کریں اور ہم لوگوں کی کاروائی کسی آنے جانے والے پر ظاہر نہ ہو۔ وہاں پہنچنے پر جناب رسولِ خدا صلعم نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ یہیں بیٹھ جاؤ۔ اور خود حضرت اندر داخل ہوئے۔ جہاں جونیہ لائی گئی تھی اور امینہ بنت النعمان بن شراحیل کے گھر میں کھجور کی شاخوں میں ایک کمرہ میں بٹھائی گئی تھی اور اس کے ساتھ اس کی دایہ حاضنہ بھی تھی۔ غرض جب آنحضرت اس جونیہ کے پاس پہنچے تو اس سے کہا مجھے اپنا نفس بخش دے۔ اس پر وہ فوراً بولی، کیا شہزادی بھی بازاری لوگوں کو اپنا نفس بخشتی ہے؟ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنا ہاتھ ادھر بڑھایا اس کے بدن پر رکھتے تھے تاکہ وہ نرم ہو جائے مگر وہ بگڑ گئی اور کہا (اعوذ باللہ منک) میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ کیونکہ اس کے سوا اس مجبوری میں اور کیا کر سکتی تھی جب معاملہ ایسا پیش آ گیا تھا تو غالباً اس نے بلند آواز سے کہا ہوگا جو باہر تک گونج گئی ہوگی (کیونکہ جب وہ راضی نہیں تھی تو آہستہ کہنے کی کوئی وجہ نہ تھی) تو حضرت نے اس سے کہا تو نے بڑی پناہ مانگی پھر حضرت (مایوس ہو کر اس گھر سے نکل آئے اور مجھ سے کہا اسے ابو اسید اس کو دو رازقیہ کپڑے دے دو (جو کتان کا سپید کپڑا ہوتا ہے) اور اس کے گھر تک واپس پہنچا دو۔ انتہی

شیعہ مضمون نگار اس حدیث کے ترجمہ سے فراغت حاصل کر کے اپنا ریمارک لکھتا ہے۔

"اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عورت جو نہ خود سے آئی نہ اپنے اہل و عیال کی اجازت سے طلب کی گئی۔ اور یہ معاملہ اس درجہ مخفی کیا گیا کہ حضرت اپنے مخصوص اصحاب کے ساتھ مدینے سے باہر دو باغوں کے درمیان میں ٹھہرے اور کھجور کا ایک کمرہ بنایا گیا اس میں وہ رکھی گئی۔ حضرت نے اس سے اپنی خواہش ظاہر کی اس نے انکار کیا اس پر حضرت نے ہاتھ بڑھا کر کوشش کرنی چاہی مگر اس نے پناہ طلب کی جس پر حضرت مجبور ہو گئے۔ جو واضح کرتا ہے کہ حضرت کی نیت اس عورت کے ساتھ کیا تھی؟! حالانکہ اسی صحیح بخاری کی پہلی حدیث یہ ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" یعنی انسان کے اعمال اس کی نیت پر موقوف ہے۔ پس جب حضرت کی نیت واضح ہو گئی تو اب کیا امر باقی رہا۔ اس روایت سے ایک اور امر معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہشہائے نفسانی کے پورا کرنے میں خداوند عالم کے دوسرے احکام کی مخالفت کا کبھی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ یہ عورت جو نیز کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوتا کہ مسلمان رہی ہو اس لئے کہ جو مسلمان عورت حضرت کی صحبت میں ایک منٹ بھی بیٹھ جاتی تھی وہ صحابیہ کی صفت سے متصف ہو جاتی تھی۔ پس اگر یہ عورت مسلمان ہوتی تو یہ بھی صحابیہ ہوتی حالانکہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی تمیز الصحابہ میں جن صحابی عورتوں کا نام لکھا ہے ان میں اس عورت کا نام بھی نہیں لیا گو دوسری عورتوں کے ذکر میں اس کا قصہ لکھا ہے مگر صحابیات میں اس کا ذکر نہیں

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ عورت مسلمان نہیں تھی بلکہ مشرکہ تھی اور غالباً یہی وجہ ہے کہ جب وہ باغ میں لائی گئی اور حضرت اس کے پاس تشریف لے گئے تو اس سے یہ نہیں فرمایا کہ (انکحی ایاک ایای یا انکحی نفسک ایای) اپنا نکاح مجھ سے کر دے نہ یہ فرمایا کہ زوجی نفسک منی یعنی اپنی تزویج مجھ سے کر دے۔ بلکہ وہ لفظ فرمایا جو ناجائز طریقے پر مطلب حاصل کرنے کے لئے مشرکہ عورتوں سے کہا جاتا ہے کہ ھبی نفسک لی یعنی تو اپنا نفس مجھے بخش دے حالانکہ مشرکہ عورتوں سے تو نکاح تک کرنے کے لئے خدا نے منع فرمایا ہے چہ جائیکہ بغیر نکاح کے اس سے مطلب پورا کرنا۔ چنانچہ سورہ بقر رکوع ۱۱ میں فرماتا ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ یعنی اے رسول تم اور کل مسلمان مشرکہ عورتوں سے نکاح تک نہ کرنا لیکن حضرات اہل سنت کی نہایت صحیح دینی کتاب صحیح بخاری کہتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکہ عورت سے بغیر نکاح ہی کے مطلب برآری کی کوشش کی۔ شاید اسی بارے میں کہا گیا ہے ؎ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

(راقم ع۔ ح صدر الافاضل۔ نقل رسالہ اصلاح از صہ ۲۲ لغایت صہ ۲۶ نمبر ۱ جلد ۲۸ ایم رقیمہ نیاز فقیر ابو نعیم عبدالرحیم متعلم جامعہ مغل حسن خان ڈاک خانہ کوٹ سمابہ ریاست بہاولپور)

اہلحدیث۔ سائل ہذا نے جس سوال نمبر ۲ کو آج شیعہ رسالہ سے نقل کر کے بڑی تڑپ سے جواب طلب کیا ہے۔ اس کا جواب اہل حدیث مورخہ ۲ نومبر ۱۹۲۲ء میں ہم نے دیا ہوا ہے۔ آج بھی حسب منشاء سائل دیگر جدید خریداروں کے لئے مختصر طور پر ہم بتاتے ہیں۔

جواب (۱)۔ قرآن شریف کی شہادت ہے کہ بعض بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو کچھ ایسا الزام یا عیب لگایا جس سے ان کو تکلیف ہوئی اور خدا نے ان کو اس الزام سے پاک کیا۔ غور سے پڑھیے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسٰى فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوا ط

یعنی مسلمانو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے حضرت موسیٰ کو تکلیف دی۔ پھر خدا نے اس کو اس

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ط - الزام سے پاک کیا"

(پ ۲۲ ع ۶)

بتایئے دشمن تہمت لگائے، اور خدا اس تہمت کو دور کرے تو یہ کوئی نقص ہے یا تعریف! یہ ہے قرآنی فیصلہ اور فرقانی اصل الاصول۔

اب سنیئے! اسی طرح کسی بے ایمان منافق نے کہدیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر غنیمت کر لی۔ خدا نے بالفاظ خود اس الزام کو دفع کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال عصمت ثابت ہوئی یا نقصان؟ کیا یہ سچ ہے کہ

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

جواب (۲): اصل باعث فساد راقم مضمون کا وہ عناد ہے جو ہمارے ائمہ اسلام خصوصًا حضرت امام بخاری سے ان کو ہے۔ ورنہ دیانت اور صداقت سے کام لیتے تو جو روایت معترض نے صحیح بخاری کی نقل کی ہے اس میں اس اعتراض کا جواب موجود ہے

تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیمۃ بنت شراحیل فلما ادخلت علیہ بسط یدہ الیہا فکانہا کرہت فامر ابا اسید ان یجھزھا ویکسوھا ثوبین رازقیین (صحیح بخاری ص۷۹۰)

اس روایت کے شروع میں صاف لفظوں میں ذکر ہے کہ آنحضرت اس عورت سے نکاح کر چکے تھے جب اس کے پاس گئے تو اس نے آپ کو دیکھا نہ تھا اس لئے پہچانا نہیں اس عدم پہچان میں اس نے کراہت کی حالت میں آنحضرت کو کہہ دیا۔ اعوذ باللہ منک جیسے حضرت مریم نے جبرائیل کو مرد کی صورت میں دیکھ کر کہا إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ (مریم) آنحضرت نے اس کراہت کا جواب ترک سے دیا۔ کیونکہ آپ نے سمجھا کہ جبرًا اس کو رکھنا اچھا نہیں۔ حکم دیا کہ اس کو جوڑہ کپڑوں کا دے کر عزت کے ساتھ رخصت کر دو۔

ہم نے جو کہا کہ اس عورت نے عدم معرفت میں ایسا کیا۔ اس کا ثبوت ہمارے پاس یہ ہے کہ قالوا لہا اتدرین من ھذا قالت لا قالوا ھذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (پ ۲۲ ع ۸) لوگوں نے اس عورت کو کہا تو جانتی ہے یہ کون ہیں؟ اس نے کہا نہیں میں نہیں جانتی۔ لوگوں نے کہا یہ رسول اللہ ہیں الخ"

پس اس قصہ کی ساری روایات سامنے رکھ کر غور کریں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس نیت سے جونیہ کے پاس گئے تھے جس نیت سے خاوند بیوی کے پاس جاتا ہے جو کسی مذہب میں بھی ناجائز نہیں۔ پس ایسے رقائق معترضین کو کہدو کہ

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

۴، ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

سوال: سنا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کی خلافت کی مدت ظاہر فرمائی ہے غالباً چالیس سال چھ ماہ، اسی چالیس سال میں چھ ماہ کم تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رحلت فرمائی۔ یہ چھ ماہ کی مدت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بن کر پوری کی اس بناء پر پانچ خلفائے راشدین ثابت ہوئے غرض صحیح کیا ہے حقیقت سے آگاہ فرمایئے۔

جواب: خلافت راشدہ علی طریق النبوت کی مدت حدیث شریف میں تیس سال آئی ہے۔ چالیس سال نہیں۔

۲۰، جولائی ۱۹۳۲ء

سوال: بعد دفن بوقت حساب کتاب قبر میں عذاب روح اور جسم دونوں کو ہے یا ایک کو۔

چودھری رحیم بخش نظام آباد

جواب: اس کی تشریح مجھے یاد نہیں اتنا ہے کہ بقعل میت کو بٹھلاتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب میں جسم بھی شریک ہے اس کے بعد روح جب اپنے مقام میں چلی جاتی ہے تو اس کے لائق اس کو جسم مل جاتا ہے۔ اس جسم کے ساتھ عذاب یا راحت بھوگتی ہے۔ واللہ اعلم

۲۷، جولائی ۳۲ء

سوال: عذاب قبر تا حشر جاری رہے گا یا کم و بیش۔

جواب: احادیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عذاب میں تا قیامت مبتلا رہے گی۔ قرآن مجید میں بھی ہے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

۲۷، جولائی ۳۲ء

سوال: صوفیائے کرام کی اصطلاح میں سنا گیا ہے کہ فنا فی اللہ ہونے کے لئے فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول ہونا ضروری ہے بغیر اس کے فنا فی اللہ ہونا ناممکن

ہے۔ کیا یہ دونوں درجے صحیح اور شرعاً جائز ہیں۔ اگر نہیں تو عدم جواز کے جو دلائل ہوں ان کو واضح فرما دیجئے اور اگر جائز ہیں تو ان کے دلائل۔

جواب:۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح میں فنا فی الشیخ کے معنی ہیں شیخ کی محبت کامل اور فنا فی الرسول کے معنی ہیں کامل محبت اور اتباع رسول۔ یہاں تک کہ اپنی کوئی امنگ خلاف سنت نہ ہو جیسا حدیث شریف میں ہے لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (یعنی کوئی شخص مومن نہ ہوگا جب تک اس کی دلی خواہش اور امنگ میری تعلیم کے ماتحت نہ ہو) یہی مضمون مولوی روم مرحوم کی مثنوی کے اس شعر میں ہے ؎

تا ہوی تازہ است ایماں تازہ نیست ۔۔۔ کایں ہوی جز قفل آں دروازہ نیست

یعنی جب تک انسان کی اپنی خواہش زندہ ہے ایمان مردہ ہے کیونکہ یہ خواہش ایمان کے لئے بمنزلہ قفل کے ہے۔

پس محبت شیخ اور محبت رسول درحقیقت اصل مقصود تعلق باللہ اور تبتل الی اللہ کے لئے تمہید ہے تعلق بالالوہیت ہی کا نام ہے فنا فی اللہ یعنی پہلے درجہ میں مرید اپنے شیخ کو صرف استاد جانتا ہے جیسے طفل مکتب اپنے معلم کو۔ دوسرے درجے میں رسول کو بطور ہادی کے دیکھتا ہے۔ آخری درجہ میں خدا کو بحیثیت معبود کے دیکھتا ہے اس لئے اس درجہ میں نہ کوئی دوسری چیز اس کے مساوی ہو سکتی ہے۔ نہ اس سے بلند۔ اسی لئے بعض صوفیا کے منہ سے بجوش توحید یہ کرد شعر نکل گیا ہے ؎

پنجہ در پنجۂ خدا دارم ۔۔۔ من چہ پروائے مصطفےٰ دارم

یعنی الوہیت کے درجے میں میری نظر کسی طرف نہیں جا سکتی۔ کیونکہ وہاں ذات بحت اور فرد واحد ہے (جل جلالہ!) اس تشریح پر تو کوئی اعتراض نہیں۔ دوسری تشریح جو آجکل کے گمراہ صوفی کرتے ہیں وہ سراسر محل اعتراض ہے۔ یعنی شیخ کا تصور سامنے رکھے، اس کی اتنی مشق کرے کہ جدھر نظر کرے شیخ کی شکل سامنے ہو۔ اس کے بعد رسول سے بھی یہی برتاؤ کرے۔ پھر ترقی کر کے اس درجہ پر پہنچ کر خدا کو ہر طرف دیکھے اور اس کی زبان سے صحیح طور پر یہ مصرع نکلے ع

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

یہ تشریح سراسر تعلیم اسلام کے خلاف ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(اہل حدیث امرتسر ص ۱۳ ۱۸ جنوری ۱۹۳۵ء)

سوال:۔ مولانا محمد اسمٰعیل شہید نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان فصل پہلی فی الاجتناب عن الشرک میں لکھا ہے کہ ہر مخلوق چھوٹا ہو یا بڑا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے" کیا اس "ہر مخلوق" کے لفظ میں انبیاء کرام و اصحاب عظام و اولیاء ذی شان داخل ہیں یا نہیں؟ اگر داخل ہیں تو اس سے اہانت انبیاء علیہم السلام وصالحین کرام کی ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اور انبیاء کرام کی اہانت کرنے والا کون ہوتا ہے؟

جواب:۔ ساری عبارت سامنے رکھی جائے تو معنے صحیح ہوتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں" خدا کے ساتھ شرک کرنا ایسا ہے جیسا کسی بادشاہ کا تاج اس کی رعیت میں سے چمار کے سر پر رکھ دینا" یہ نسبت فرماتے ہیں "سب مخلوق چھوٹی اور بڑی خدا کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے" یعنی چمار بادشاہ کی شان کے سامنے بہت کم حیثیت ہے تاہم انسان ہونے کی حیثیت سے بادشاہ کے برابر ہے لیکن انسان چھوٹے اور بڑے خدا کے ساتھ ہم کفوی کی حیثیت نہیں رکھتے کیونکہ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ اس کلام ہدایت التیام سے حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی توہین یا منقصت منظور نہیں بلکہ شان خدا ارفع بتانی مقصود ہے۔ وَاَنَّهٗ تَعَالٰى جَدُّ رَبِّنَا کے یہی معنے ہیں۔

(اہل حدیث امرتسر ص ۱۳ ۹ دسمبر ۱۹۳۲ء)

سوال:۔ توسل بالموتی والاحیاء جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص پر کوئی مصیبت ہو تو اللہ جل شانہ سے بحرمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اولیاء کے طفیل سے دعا مانگے کہ یا اللہ بحرمت فلاں میری مشکل کو آسان کر، یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس قسم کے الفاظ حدیثوں میں نہیں آئے۔ ایسا توسل نہیں سکھایا۔ ہاں

یہ توسل سکھایا ہے کہ دعا سے پہلے خدا کی تعریف کرو اور آنحضرت پر درود پڑھو پھر دعا کرو امید ہے قبول ہو جائے گی۔ (اہل حدیث امرتسر ص۱۳، ۹ر دسمبر ۱۹۳۲ء)

سوال:- قیامت کب ہونے والی ہے اور اس کے کیا کیا آثار ہیں؟ کوئی خدا کا بندہ قیامت دیکھنے کی آرزو کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- قیامت کی تاریخ اور دن معلوم نہیں۔ آثار یہ ہیں۔ شراب نوشی۔ زنا کاری۔ جھوٹ، دغابازی وغیرہ کی کثرت۔ قیامت دیکھنے کی آرزو موت سے پوری ہو سکتی ہے اور موت کی آرزو کرنی حدیث میں منع ہے

(اہل حدیث امرتسر ص۱۳ ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ)

سوال: وظیفہ شیئاً للہ کب سے ایجاد ہوا ہے اور کس نے ایجاد کیا ہے۔ کیا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے زمانہ مبارک کے بعد ایجاد ہوا ہے۔ اس کے پڑھنے والے کو کیا گناہ ہے؟

جواب: شیئاً للہ کے معنی ہیں کوئی چیز دیجئے اللہ کے لئے یہ آواز عرب کے گداگروں کی تھی جو گھروں سے باہر کھڑے ہو کر کہا کرتے تھے۔ اے گھر والو! اللہ کے لئے کچھ دو۔ اس میں مخاطب گھر والے ہوتے تھے جو اس سائل کو کچھ دے سکتے تھے۔ اس صورت میں بھی بعض علماء نے ایسے کہنے والے پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے وجہ یہ لکھی ہے کہ اس میں اللہ کے نام کی ہتک ہے اور مختلف اس کے بعد لوگوں نے فوت شدہ اولیاء اللہ کو مخاطب کر کے بطور سوال کے یہ کہنا شروع کیا۔

خُذْ بِیَدِیْ یَا شَاہ جیلانی	اے پیر جیلانی میرا ہاتھ پکڑیئے اللہ
خُذْ بِیَدِیْ شَیْئاً لِلّٰہِ اَنْتَ نُوْرُ اَحْمَد۔	کے لئے کچھ دیجئے۔ آپ نور احمد ہیں۔

یا یہ کہتے ہیں

شیئاً للہ چوں گدائے مستمند	المدد خواہم ز خواجہ نقش بند

(میں فقیر کی طرح خواجہ نقشبند کی خدمت میں عرض کرتا ہوں للہ مجھے کچھ دیجئے) ایسا کہنے میں تین طرح سے شرک آتا ہے۔ ایک تو وہی وجہ جو گداگروں کے

لئے بعض مختار نے بتائی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ فوت شدہ کو حاضر ناظر یا عالم الغیب سامع صوت (آواز سننے والا) جانتا ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ ان کو معطی (دینے والا) سمجھتا ہے اس لئے ایسے وظیفے سے بچنا چاہیئے۔ خدا فرماتا ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ یہ خدا کی صفت خاصہ ہے۔ اَلَا ھُوَ مَعَکُمْ

اہل حدیث امرتسر ص ۱۳، ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ

امرتسر میں ایک رسالہ اس نام کا شائع ہوا ہے جو ہم نے سرخی میں لکھا ہے۔ اسی کی طرف ہمارا روئے سخن ہے۔ اس رسالہ کے دیکھنے سے ہمیں خوشی ہوئی کیونکہ اس سے اختلاف کا بہت سا حصہ طے ہو گیا۔ اصل معنے اس فقرے کے یہ ہیں "اے شیخ عبد القادر اللہ کے واسطے کچھ دیجئے" مفہوم صاف ہے کہ پڑھنے والا شیخ ممدوح سے کچھ مانگتا ہے۔ اس لئے علمائے توحید اس کے پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے میں تین گناہ ہیں۔ ایک تو فوت شدہ کو پکارنا۔ دوم اس کو قاضی الحاجات سمجھنے کا اعتقاد۔ تیسرا اس سے مانگنا۔ یہ تینوں امور ایسے ہیں کہ نصوص قرآنیہ میں ممنوع ہیں۔ ہمارے اس دعوے کی بابت ایک ہی آیت کافی ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ ۝ (پ ۹ ع ۱۴) "یعنی جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری طرح کے بندے ہیں پس ان کو بلاؤ چاہیئے کہ وہ تمہاری دعا قبول کریں۔ اگر تم سچے ہو"

یہ آیت جملہ ان لوگوں کو چیلنج ہے جو اللہ کے سوا زندہ اور مردہ بزرگوں کو پکارتے ہیں جن میں حضرت مسیح وغیرہ بھی داخل ہیں اسی لئے ان کو عباد (بندے) فرما کر مشرکوں کو ڈانتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس مضمون کی متعدد آیات سے متاثر ہو کر وظیفہ شیئاً للہ پڑھنے

والوں نے اب نرم چال اختیار کی ہے جو اس رسالے میں درج ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"جو شخص حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کو حاضر و ناظر یا عالم الغیب یا حاجت روا مطلق سمجھ کر اس (وظیفہ شیئاً للہ) کو پڑھے تو یہ پڑھنا شرک اور کفر ہے" صث

الحمد للہ! اتنے حصے میں تو اتفاق ہو گیا۔ اب رہا دوسرا پہلو جو اس رسالے میں اختیار کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔

"اگر بلا عقیدہ مذکورہ بالا ان کلمات کی برکت سے باذن اللہ تعالیٰ طلب فیض و حل مشکلات چاہے تو جائز ہے"! صث

اس کی مزید تشریح یوں کی ہے۔

"اگر کوئی شخص حضرت غوث پاک کی طرف متوجہ ہو کر بلا عقاید شرکیہ اس کلام کو پڑھے اور حضرت غوث پاک باذن اللہ تعالیٰ اس کو سنیں اور اس غریب کے حال پر توجہ فرمائیں تو اللہ جل شانہ کی قدرت اور اولیاء اللہ کے خاصہ اور کرامت سے کچھ بعید نہیں" (ص۶)

اللہ اکبر! اتنا بڑا وظیفہ اور اتنا زور دار مسئلہ جس سے مسلمانوں میں اختلاف کی خلیج وسیع ہو کر کفر تک پہنچے ثبوت اس کا یہ کہ "بعید نہیں" اس کی مثال یہ ہے کہ مولوی صاحب وعظ میں فرمائیں جو شخص صبح سویرے خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار کی زیارت کو جائے خدا کی قدرت سے بعید نہیں کہ روزانہ راستے میں روپوں کی تھیلی پائے"

ناظرین کرام غور فرمائیں یہ بعید اور غیر بعید کا لفظ کتنا وسیع ہے اس لئے ہم اس فقرہ کے متعلق چند سوالات کرتے ہیں۔

(۱) "یا شیخ عبدالقادر" اس کی نحوی ترکیب کیا ہے۔ "شیخ" نکرہ اور عبدالقادر معرفہ۔ یہ بات علم نحو کے خلاف ہے کہ نکرہ اور معرفہ باہمی صفت موصوف ہوں۔

(۲) شیئاً منصوب کیوں ہے۔ اگر جواب ملے کہ اعط کا مفعول ہے

تو سوال ہے کہ فعل امر یہاں کس قاعدے سے حذف کیا گیا ہے۔ ان دو سوالوں کے لاینحل ہونے سے ثابت ہوگا کہ اس وظیفہ کی تعلیم دینے والا علوم عربیہ سے واقف نہ تھا۔

(۳) یہ سوال فیصلہ کن ہے۔ غور سے سنیں۔ یہ وظیفہ کس نے سکھایا۔ خدا تعالیٰ نے یا رسول اللہ نے یا خود شیخ عبد القادر نے جو صورت اختیار کریں مہربانی کر کے اس کا حوالہ دیں۔

(۴) اگر خدا یا رسولؐ یا خود شیخؒ نے نہیں سکھایا تو پھر کیونکر معلوم ہو سکے کہ اس پڑھنے میں برکت ہے

(۵) اگر کوئی مسلمان اس وظیفہ کو بے ثبوت جان کر نہ پڑھے بلکہ اس کے ظاہر معنے کے لحاظ سے اس کا پڑھنا گناہ سمجھے تو اس کا کیا قصور ہے۔

(۶) اس کے اصلی ترجمہ سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والا پیر صاحب کو داتا جانتا اور معطی خیر سمجھتا ہے محض برکت کے لئے پڑھتے وقت اس کے اصلی ترجمے کا خیال نہ رکھے؟ یا اس کو خیال نہ آئے گا۔

(۷) عربی زبان میں رَاعِنَا اور اُنْظُرْنَا کے ایک ہی معنے ہیں (کہ ہماری طرف نظر کرو) مگر رَاعِنَا کے ایک معنی ناپسند بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا (تم مسلمان رَاعِنَا" مت کہا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو) شیئًا للہ کے بھی دو معنے ہیں ایک شرکیہ دوسرے بقول آپ کے غیر شرکیہ۔ پھر ہم بما تحت لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا" کیوں نہ اس کو چھوڑنے کا حکم دیں۔

(۸) فقہ کی مستند کتاب رد المختار میں مرقوم ہے۔ اِذَا تَرَدَّدَ الْحُكْمُ بَيْنَ سُنَّةٍ وَّ بِدْعَةٍ كَانَ تَرْكُ السُّنَّةِ رَاجِحًا عَلٰى فِعْلِ الْبِدْعَةِ۔ (مصری جلد اول ص ۴۵۰)

ترجمہ: "جب کسی امر کے سنت اور بدعت ہونے میں تردد ہو تو سنت کو چھوڑ دینا بدعت پر عمل کرنے سے اولیٰ (بہتر) ہے" یعنی کسی غیر منصوص امر میں تردد ہو کہ سنت ہے یا بدعت تو اس کو بالکلیہ چھوڑ دینا اچھا ہے۔ مثلاً رسمی میلاد

کے متعلق کوئی شخص اگر فیصلہ نہ کر سکے، قائل فریق کے دلائل سن کر سنت سمجھے اور غیر قائل کے دلائل سن کر بدعت خیال کرے۔ تو اس صورت میں اس فعل کو نہ کرنا ہی اچھا ہے۔ یہ ہے اس عبارت کا مطلب۔ اس اصل الاصول کے ماتحت وظیفہ شیئاً للہ کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔

ناظرین کرام! جب تک یہ سوالات حل نہ ہوں، اس وظیفہ کا پڑھنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر قسم کے وظائف موجود ہیں، دفع امراض، قضائے حاجات، طلب امداد، مغفرت گناہ، مغفرت اموات، صلاحیت اولاد وغیرہ سب کے لئے دعائیں اور وظائف ملتے ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو چھوڑ کر غیر معلوم اشخاص کی تعلیم کے پیچھے جائیں۔ ایسا کرنا خدا اور رسولؐ کی بڑی ہتک ہے۔ خدا ہم کو ہر قسم کے فعل قبیح کے ارتکاب سے بچائے۔ بھائیو! شیخ سعدیؒ مرحوم کی نصیحت سنو! ؎

مپندار سعدیؒ کہ راہِ صفا توان رفت جز در پئے مصطفےٰ

۴ر رمضان ۱۳۵۲ھ

سوال: حاضر و ناظر کے کیا معنی ہیں۔ کیا حضرت رسول کریم صلعم اور اولیائے کرام حاضر و ناظر ہیں اور کیا استحضار خیالی سے ندا آ سکتی ہے؟

جواب: حاضر و ناظر کے معنی ہیں سامنے موجود۔ پس انبیاء، اولیاء کو حاضر و ناظر جاننا شرک ہے۔ کیونکہ خدا کی کسی صفت خاصہ سے کسی دوسرے کو موصوف جاننا شرک ہے۔[1]

اہل حدیث امرتسر ص ۱۳ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

حاضر ناظر کون ہے؟ (اللہ جل شانہ)

اخبار "الفقیہ" فقہ کے نام سے موسوم ہے۔ مگر اشاعت اس فقہ کی کرتا ہے جو اسلام سے پہلے بھی عرب میں مروج تھی اور لطف یہ ہے کہ بڑی ہوشیاری سے لکھتا ہے۔ مدرسہ دیوبند وغیرہ مدارس رہا ہے جو طالب علم فارغ ہو کر نکلتے ہیں۔ دو

[1] اس مسئلہ کی پوری بحث کیلئے مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈے نگری کی کتاب "حاضر و ناظر" ملاحظہ کیجئے

تھیلیاں ان کے گلے میں لٹکائی جاتی ہیں۔ ایک شرک کی۔ دوسری بدعت کی۔ فارغ شدہ طالب علم گلی کوچہ میں کہتا پھرتا ہے کہ لوگو! شرک لے لو! بدعت لے لو۔

(الفقیہ مورخہ ۲۱/۲۸ مئی ۱۹۴۵ء صفحہ ۱)

ہمارے خیال میں اس واقعہ کے بیان کرنے میں "الفقیہ" سے تھوڑی سی غلطی ہوئی ہے۔ وہ شرک لے لو اور بدعت لے لو نہیں کہتا بلکہ "شرک لو اور بدعت سے بچو" کہتا ہے۔ جس شخص کو ہماری بات ماننے میں تامل ہو وہ طلبا رڈھابیہ سے تحقیق اور تصدیق کر سکتا ہے۔ یہ تو اس مضمون نگار کی ایک تمہیدی غلطی ہے جسے وہ نہیں سمجھا۔ اصل مضمون اس سے بھی زیادہ غلط ہے۔

"الفقیہ" کا نامہ نگار آنحضرت علیہ السلام کو حاضر و ناظر ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ اس کی سر دفتر دلیل یہ آیت ہے:۔

لِيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

اس کے معنی کرتا ہے کہ رسول تم پر حاضر و ناظر ہو۔ پھر اس چند تفسیروں کے حوالے نقل کرتا ہے۔ جن کو اس مضمون سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ مگر ہم اس بے تعلقی کا ذکر پھر کریں گے۔ سردست جو بات ہم کو کھٹکتی ہے۔ اسے پیش کرتے ہیں۔

آیت کریمہ کے سارے الفاظ یوں ہیں:۔

كَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (پ ۲۔ ع ۱)

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ ہم نے تم کو اعتدال والی امت (موصوفہ باوصاف حمیدہ) بنایا تاکہ تم مسلمان لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائے)

"الفقیہ" کے مضمون مذکورہ پر ہم نے بہت ہی غور کیا۔ کہ اس کا فاضل نامہ نگار معطوف علیہ (لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ) کی تفسیر کیا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ مقدم ہے۔ افسوس ہے کہ اس نے اس لفظ کو چھوا تک نہیں۔ شاید اس کے قلمی قرآن مجید میں یہ لفظ مرقوم ہی نہ ہوگا۔ ورنہ ایسی بددیانتی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ پس جو معنی معطوف علیہ کے ہیں وہی معنی معطوف کے کرنے چاہئیں۔ اگر معطوف

(وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا) کی تفسیر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو معطوف علیہ (لِتَکُوْنُوْا شُهَدَاءَ) کا نتیجہ بھی یہی ہونا چاہیئے۔ کہ کل مسلمان ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ وَهٰذَا خَلْفٌ)

الفقیہ کے قابل نامہ نگارو! نقض اجمالی جانتے ہو کیا ہوتا ہے اور اس کا ضرر مدعی کو ہوتا ہے یا سائل کو؟

ناظرین کرام! آیت کے دونوں جملے آپ کے سامنے ہیں۔ لِتَکُوْنُوْا اور یکون۔ دونوں کا مصدر بھی ایک ہے۔ اور دونوں کی خبریں بھی ایک ہیں۔ اس لئے ہمارا سوال ہے۔ اگر شہیدا کے معنے حاضر و ناظر کے ہیں یعنی آنحضرت علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ تو حضرات ابو بکرؓ اور ابو ہریرہؓ اور انسؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی بلکہ اور بھی جتنے مسلمان باایمان گزرے ہیں۔ کیا وہ سب ہر جگہ حاضر ناظر ہیں؟ اگر ہیں تو کیا ثبوت؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں۔ پس آپ حضرات الفقیہ پارٹی سے اس نقض اجمالی کو اٹھوا لیجئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیجئے ؎

لگا رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی ‌‌‌‌ ‌ رُکے ہے ہاتھ ابھی ہے رگِ گلو باقی

۲۰ رجمادی الآخر ۱۳۶۳ھ

سوال:۔ اگر کوئی عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذوق و شوق سے درود شریف پڑھے۔ کیا درود بذریعہ ملائکہ سیاحین بھیجا جاتا ہے یا خود بخود بھی پہنچتا ہے؟

جواب:۔ درود اور سلام بذریعہ ملائکہ کے پہنچائے جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملائکہ مقرر ہیں۔ مجالس درود کو تلاش کرتے ہیں اور اسے آنحضرتؐ تک پہنچاتے ہیں۔

اہل حدیث ص ۱۳ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ

سوال:۔ بعض وظائف عربی کے علاوہ فارسی یا دیگر زبانوں میں ہوتے ہیں اور بعض میں ندائے غیر اللہ بھی ہوتی ہے۔ مثلاً

بدرگاہت پناہ آوردہ ام یا مصطفےٰ دستے ‌ ‌ بہ بحرِ غم گرفتارم علی مرتضےٰ دستے

زحالت زشب معراج ندانستم بدا الٰہی ‌ ‌ چرا دستم نہ گیری یا علی بہر خدا دستے

جواب:۔ شیعہ میں بھی بعض لوگ اہل شرک ہیں جو حضرت علیؓ کو اسی طرح حاجت روا مشکل کشا مانتے ہیں۔ جس طرح بعض سُنی حنفی حضرت پیر جیلانیؒ کو دستگیر اور حاجت روا

مانتے ہیں۔ درحقیقت یہ دونوں اسلامی تعلیم سے دور ہیں۔ خدا نے قرآن مجید میں ایسی ندا رغیر اللہ کو شرک قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ	اللہ کے سوا کسی شخص کو مت پکارو جو تم کو نفع دیوے نہ نقصان۔ اگر تو نے ایسا کیا تو تو ظالموں سے ہو جائے گا

(پ ۱۱ ع ۱۱)

یہ آیت صاف اور صریح لفظوں میں غیر اللہ کو بغرض قضاء حاجت پکارنا ظلم بتا رہی ہے۔ اور ظلم شرک ہے۔ شیخ عطار مرحوم نے کیا اچھا فرمایا ہے ؎

غیر حق را ہر کہ خواند اے پسر کیست در دنیا ازو گمراہ تر

(اہل حدیث امرتسر ص ۱۲ ۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء)

لطیف واقعہ میں ایک دفعہ کسی مذہبی مقدمہ کی پیروی کے لئے ضلع اجمیر میں گیا وہاں مولوی معین الدین مرحوم مدرس مدرسہ عثمانیہ اجمیر سے ملاقات ہوئی۔ مرحوم حنفی مذہب کے ذی علم بزرگ تھے۔ اثناء گفتگو میں فرمایا۔ میں ان لوگوں کو جو مزار خواجہ معین الدین پر آتے ہیں کہا کرتا ہوں کہ تم مشرک نہیں ہو جو تمہیں مشرک کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے۔ کیونکہ مشرک اس کو کہتے ہیں جو خدا سے مانگے اور غیر خدا سے بھی مانگے۔ تمہیں تو خدا سے واسطہ ہی نہیں۔ تم جو مانگتے ہو خواجہ غریب نواز سے مانگتے ہو اس لئے تم مشرک نہیں ہو۔ میں نے کہا خوب آپ کی تجویز بھی اس شعر کے مصداق ہے ؎

واعظ شہر کہ مردم ملکش می خوانند قول ما نیز ہمیں است کہ او مردم نیست

ملاحظہ فرمائیے ان لوگوں کی حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے۔ کہ وہ مشرک نہیں بلکہ دہری ہیں اس پر قادیانی نبی اور ان کے اتباع کہتے ہیں کہ ہم تبلیغ اسلام کرتے ہیں جس پر بیساختہ منہ سے نکلتا ہے ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ ایشاں دارند وائے گر از پس امروز بود فردائے

(اہل حدیث امرتسر ص ۵ ۲۷ جولائی ۱۹۲۵ء)

سوال: جو شخص تمام علمائے دین کو یہ کہے کہ سب علماؤں پر لعنت ہے تو ایسے شخص

پر خدا و رسول کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ حدیث شریف میں ہے جو کسی پر ناحق لعنت کرتا ہے وہ لعنت لوٹ کر اس پر پڑتی ہے۔

(اہل حدیث امرتسر ص ۱۳، ۱۱ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

سوال:۔ کیا اولیائے کرام سے وساطت جائز ہے؟ اور وساطت کے کیا معنے ہیں؟ اور کیا اولیاء کرام سے براہ راست خطاب کر کے حاجت براری کرانا جائز ہے یا ناجائز؟ اولیاء کرام جب وفات پا چکے ہیں تو حاجت براری کیسے کر سکتے ہیں؟

جواب:۔ وسیلہ کے معنے سفارش کے ہیں۔ زندہ بزرگ سے کہنا کہ آپ دعا کریں کہ خدا میرے حال پر رحم کرے۔ یہ جائز ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ط

دوسرا وسیلہ ہے کہ مردگان کو مخاطب کر کے کہے اے پیر میرے لئے دعا کیجیے یہ ناجائز ہے کیونکہ وہ اس کی آواز کو سنتے نہیں وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۔ براہ راست صلحاء امت سے حاجت براری کی دعا کرنا کسی طرح جائز نہیں نہ زندوں سے نہ مردوں سے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ (ان لوگوں کو ذرا بھی اختیار نہیں) اسی لئے فرمایا۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔

(اہل حدیث امرتسر ص ۱۲، ۲۸ اپریل ۱۹۳۲ء)

سوال:۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعلم الاولین والاخرین ہیں؟ اور کن کن غیب کی باتوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے واقف نہیں فرمایا؟

جواب: خدا کی ذات اور صفات کی معرفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ حاصل تھی یہی معنی ہیں اس حدیث کے اوتیت علم الاولین والآخرین۔

جو اخبار غیب قرآن و حدیث میں آئی ہیں وہی معلوم ہیں۔ ان کے سوا سب غیر معلوم لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ۔ اللہ اعلم۔

(اہل حدیث امرتسر ص ۱۳، ۲۸ اپریل ۱۹۳۳ء)

سوال:۔ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ۔ تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ میلہ جانے کے عذر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں میں نظر کر کے

اِنِّی سَقِیْمٌ کہا۔ میلہ تو دن کو ہوتا ہے اور ستارے غائب۔ اگر مراد علم نجوم سے ہو تو یہ ممنوع ہے۔ نہ اس وقت ایجاد ہوا ہوگا۔ مطلب اس آیت کا کیا ہے۔ (شیخ قاسم علی لدھیانوی)

جواب: بعض میلے رات کے اوقات میں بھی ہوتے ہیں۔ جیسے لاہور میں میلہ چراغاں اور آپ کے لدھیانہ میں میلہ روشنی اسی طرح کا میلہ ان مشرکوں کا ہوگا۔ آیت مرقومہ میں دو فعل آئے ہیں ایک نَظَرَ دوسرے قَالَ۔ ف محض تعقیب کے لئے ہے یعنی دوسرا فعل پہلے سے پیچھے واقع ہوا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے۔ قاء فتوضاء یعنی قے کی اور وضو کیا۔ پس مطلب آیت کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کی طرف نظر کی اس کے بعد کہا میں بیمار ہوں۔ ان دو فعلوں میں علت و معلول کا تعلق نہیں۔ بلکہ محض تعاقب ہے۔ (۲۱ر دسمبر ۱۹۳۲ء)

حدیث ابراہیمی پر اعتراض اور جواب

از حضرت العلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

حدیث شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت ایک حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اس پر بہت سے منکرین حدیث بلکہ بعض قائلین حدیث بھی اعتراض کرتے ہیں۔ جماعت مرزائیہ نے تو آج کل اس حدیث کو اپنا سہارا بنا رکھا ہے۔ اس لئے آج ہم اس مشکل کو اپنے ناقص علم کے مطابق حل کرتے ہیں۔ انشاء اللہ!

حدیث شریف مذکورہ کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یکذب ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام الا ثلاث کذبات۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر تین جھوٹ (بخاری شریف جلد ۱)

معترضین اس حدیث پر دو طرح اعتراض کرتے ہیں۔ ایک اس طرح کہ نبی کی شان نہیں کہ جھوٹ بولے۔ دوسرا اس طرح کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صدیق کہا گیا ہے اور حدیث شریف میں ان کی تین جھوٹ بیان ہوئے ہیں۔ اس لئے

یہ حدیث قرآن کے مخالف اور نا قابل قبول ہے۔ مرزائی اس حدیث سے یہ فائدہ بھی لینا چاہتے ہیں کہ ایک، دو، تین جھوٹوں کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی صدیق رہے۔ تو مرزا صاحب کے اگر چند جھوٹ ثابت ہو جائیں تو ان کی نبوت میں کیا خرابی لازم آتی ہے؟ پس ان سب اعتراضوں کے جوابات غور سے سنئے۔ اصل اصول ایسے امور سمجھنے کا وہ حدیث ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ انما الاعمال بالنیات۔ یعنی اعمال کا شرعی وجود نیتوں سے ہے۔ جیسی نیت ویسا پھل۔ مناسب ہے کہ اصل مقصد سے پہلے ایک حدیث بطور مثال پیش کردوں۔ اس مثالی حدیث میں غلط گوئی کی اجازت لے کر صحابہ کی ایک جماعت کار خاص کو جاتی ہے۔ اور کامیاب ہو کر دربار رسالت میں رپورٹ کرتی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الکعب ابن الاشرف فانہ قد اذی اللہ ورسولہ فقام محمد بن مسلمۃ فقال یا رسول اللہ اتحب ان اقتلہ قال نعم فاذن لی ان اقول شیئا قال قل فاتاہ محمد بن مسلمۃ فقال ان ھذا الرجل (محمدا) قد سالنا صدقۃ وانہ قد عنانا وانی اتیتک استسلفک قال وایضا لتملنہ قال انا قد اتبعناہ فلا نحب ان ندعہ حتی ننظر الی ای شیئ یصیر شانہ فقال اتاذن لی ان اشم راسک قال فلما استمکن منہ قال دونکم فقتلوہ ثم اتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبروہ (بخاری ص۵۶۷)

ترجمہ:۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہے کوئی جو کعب بن اشرف سے بدلہ لے۔ اس نے اللہ اور رسول کو ایذا دی ہے۔ یعنی بغاوت پھیلا رکھی ہے۔ یہ سن کر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس کو قتل کردوں۔ فرمایا ہاں۔ اس نے عرض کیا تو پھر مجھے اجازت دیجئے۔ کہ میں آپ کے حق میں کچھ نامناسب الفاظ اس کے سامنے کہہ دوں۔ فرمایا کہہ دینا۔ پس محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب کے پاس آکر کہا۔ کہ اس شخص

(محمدؐ) نے ہم سے بار بار صدقہ مانگ کر ہم کو تنگ کر رکھا ہے۔ میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں۔ کہ آپ مجھ کو کچھ قرض دیں۔ اس نے کہا آئندہ اتنا مانگے گا کہ تم اس سے تنگ ہو جاؤ گے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا اب تو ہم اس کے پیچھے ہوئے کر دیکھیں اس کا کیا انجام ہوتا ہے؟ اس گفتگو کے بعد محمد بن مسلمہ نے کعب کو کہا۔ کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ آپ کے سر کے بالوں سے خوشبو سونگھوں۔ اس نے کہا ہاں پس اس نے اس کے سر کو سونگھا اور اپنے ساتھ والوں کو سونگھایا۔ پھر کہا ایک دفعہ اور اجازت دیجئے جب اس نے اجازت دے دی تو اچھی طرح سے اس کے سر کو پکڑ لیا اور ساتھیوں کو آواز دی کہ پکڑ لو۔ پس انہوں نے اس کو قتل کر کے دربار رسالت میں اطلاع دی۔

ناظرین:۔ اس حدیث میں صحابہؓ نے کعب کے سامنے بحق رسالت جو کچھ کہا وہ قطعاً نادرست ہے۔ بلکہ ایمان کے سراسر خلاف ہے۔ مگر کیا کوئی کہے گا کہ واقعی انہوں نے ایمان کے خلاف کام کیا۔ نہیں تو کیوں نہیں؟ اس لئے کہ دینی مقصد کے لئے اجازت لے کر یہ کام کیا۔ اس واقعہ کو یاد رکھ کر سنئے۔

(۱) قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بُت توڑ دیئے تو ان کو ماخوذ کر کے پنچوں کے سامنے لایا گیا اور سوال ہوا کہ تو نے یہ کام کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ط

میں نے نہیں بلکہ ان کے اس بڑے بُت نے ایسا کیا ہے اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔

اس کلام میں فعل کا فاعل بڑے بُت کو بنایا ہے۔ مگر حقیقت یہ نہیں۔ نہ بڑے بُت نے دوسرے بتوں کو توڑا نہ مشورہ یا حکم دیا (۲) چونکہ کفار حضرت ابراہیمؑ کو بُت خانہ کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے بطور معذرت کہا" إِنِّي سَقِيمٌ " (میں بیمار ہوں) بقرینۂ مقام بیماری سے مراد وہ بیماری ہونی چاہیئے جو چلنے پھرنے سے مانع ہو۔ چونکہ آپ کی حالت ایسی نہ تھی۔ لہٰذا کلام غلط ہے۔

(۳) تیسری بات حدیث میں یہ آئی کہ ایک ظالم حاکم کے سامنے بغرض حفاظت اپنی منکوحہ (بیوی) کو اخت (بہن) کہہ کر بچالیا۔ یہ ہیں وہ تین جملے جن میں سے دو تو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ ایک حدیث میں ہے۔

ان سارے واقعات کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام حدیث میں یوں منقول ہے۔

انی کذبت ثلاث کذبات میں نے تین دفعہ جھوٹ کہا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حدیث میں بغرض بریت فرمایا۔

ما منها كذبة إلا ما حل بها عن دين الله. (متفق علیہ)

یعنی یہ تینوں جھوٹ ایسے تھے کہ ان کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام دینی مواخذہ سے نکل گئے ؟ لہ الحمد!

مطلب اس کا یہ ہے کہ دینی کام میں جو ان پر تکلیف آئی تھی۔ ایسا کرنے سے اس تکلیف سے آپ بچ گئے۔ اس لفظ میں پیغمبر علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح جھوٹ کے مواخذہ سے بری ظاہر فرمادیا۔ جس طرح کہ محمد بن مسلمہ رضؓ قاتل کعب بن اشرف کو باوجود آلودہ بالکذب ہونے کے کذب سے بچالیا۔ پس جس طرح محمد بن مسلمہ کا کذب باوجود وقوع پذیر ہونے کے اہل معرفت کے مقولہ سب صحابی ثقہ ہیں کے خلاف نہیں۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام باوجود ان تین واقعات کے "صدیقاً نبیاً" ہیں۔ لاشک فیه له الحمد

ہاں مرزا صاحب قادیانی کے کذبات ایسے نہیں وہ تو اپنے دعوے کے اثبات کے لئے بطور دلیل کے لاتے ہیں جو وقوع پذیر نہیں ہوتے تو منکرین کو دین اسلام پر اعتراض کرنے کا موقع ملتا ہے۔ پھر اس سے اس کو کیا نسبت سوائے اس کے کہ کہا جائے۔

شیر قالیں دگر است و شیر نیستاں دگر است

نتیجہ: اسی لئے مرزا صاحب قادیانی نے اس حدیث پر اعتراض کرنے والوں کو بہت مکروہ الفاظ سے یاد کیا ہے (آئینہ کمالات)

اہل حدیث ۲۵ رمضان ۱۳۵۳ھ

سوال: پلیگ، ہیضہ، جل کر، ڈوب کر مرنے، گر کر مرنے، سانپ کے کاٹنے سے مرنے تلوار یا بندوق لگ کر مرنے سے جو لوگ مرتے ہیں۔ یہ لوگ موت کے پیشتر مرتے ہیں یا ان کی عمر ہی ختم ہو جاتی ہے اور زندگی کے دن پورے ہو جاتے ہیں؟-

جواب: قرآن مجید کی آیت صاف ہے۔ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ۔ یعنی جب انسانوں کا وقت آتا ہے تو اس سے ایک منٹ ایک سیکنڈ بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتے۔ پس ہر کوئی اپنی موت سے مرتا ہے۔

۹ محرم ۱۳۳۶ھ

سوال: ایک شاعر نے ایک مخمس تصنیف کر کے شائع کرایا ہے جو یہ ہے۔

احمد ہیں اور احد میں بے میم ہی دوئی　　وہ جانتے ہیں عقل ہیں جن کے ہے کچھ کمی
کیونکر انہیں سے اصل ہے کا ئنات کی　　دانی اگر بمعنی لولاک وارسی
خود ہر چہ از حق است از آن محمد است

جواب: احد اور احمد میں اتنا فرق ہے جتنا ان دونوں (احد اور احمد) نے خود بتلایا ہے۔ کسی دوسرے کے تبلانے کی حاجت نہیں وہ کیا مالک اور عبد کا معراج کا موقعہ قرب کا تھا۔ اس موقع پر بھی اس فرق کو ملحوظ رکھ کر فرمایا۔ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهٖ۔ اس کے بعد نماز میں سب سے زیادہ قرب ہوتا ہے۔ اس میں بھی یہ ملحوظ ہے۔ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ۔ پھر کسی شاعر یا صوفی صافی کی بات کو کیا سنا جائے۔

۲۳ نومبر ۱۹۱۷ء

شرفیہ: سوال احمد اور احد میں فرق نہیں یہ عقیدہ سورہ اخلاص قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۝ الایۃ اور وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ۔ الایۃ وغیرہ آیات کی صریح تکذیب ہے۔ اور آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب سراسر کفر ہے پس ایسا عقیدہ صریح کفر ہے۔

سوال: ایک پروفیسر کالج لاہور لکھتے ہیں کہ تلاوت کرتے وقت کچھ طعام سامنے رکھنا اور صدقہ دینا گو اس عمل کی کوئی صریح صورت سلف میں مروج نہیں

مگر جب علیحدہ بجائے خود ہر دو عمل مشروع ہیں تو ان دونوں کے جمع کرنے سے کون عمل مانع ہے۔ اور اس ممانعت کی کوئی دلیل ہونی چاہیئے۔ مع ہذا اکابر امت کے ایک جم غفیر کا ہر ایک زمانہ میں اس پر کاربند رہنا اس کے مستحسن ہونے پر دال ہے پس کیا یہ مضمون قابل قبول ہے۔

جواب: ایسے ہی خیالات کی تردید کرنے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہوا ہے کہ دین اگر قیاس سے ہوتا تو موزے کے نیچے کی جانب مسح کیا جاتا۔ ایسے حضرات سے یہ سوال ہونا چاہیئے کہ جناب کا یہ قول آیت یا حدیث یا اجماع تو نہیں ہے۔ ادلہ اربعہ میں سے چوتھی دلیل قیاس ہے۔ سو وہ مجتہد کا فعل ہے۔ آپ تو مقلد ہیں مجتہد نہیں۔ پھر آپ یہ قیاس کیوں کرتے ہیں جو آپ کا حق نہیں ہے۔ علاوہ اس کے قیاس کے لئے بہت سی شروط ہیں۔ جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ قرآن مجید چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے لئے **اسوۂ حسنہ** (نیک نمونہ) قرار دیتا ہے۔ اس لئے مذہبی رنگ میں جو کام بھی ہو اس نمونہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ (۷ صفر ۱۳۵۳ھ)

شرفیہ: اسکول کے ایک پروفیسر کا قیاس کہ اگرچہ یہ بدعت سلف میں مروج نہیں۔ مگر جب الگ الگ دو چیزیں مشروع ہیں تو پھر دونوں کو جمع کرنے میں کیا حرج ہے ہاں جناب خوب قیاس کیا نماز مشروع بلکہ فرض ہے اور رفع حاجت بیت الخلا میں مشروع ہے۔ کیا آپ ان دونوں کو یکجا جمع کرلیں گے سکولوں میں اکثر غیر مسلم اساتذہ ہوتے ہیں اور کتے بلے گدھے وغیرہ کے قصے پڑھائے جاتے ہیں وہ ایسے ہی قیاس کے لائق ہیں اور اکابر صالح بھی گذرے ہیں طالح بھی۔ قَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا (پ ۲۲ ع ۵) پروفیسر صاحب دوسری قسم کے اکابر سے استدلال کرتے ہیں۔

سوال: ہمارے ہاں کھجور یا دیگر کوئی چیزیں سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھتے ہیں اور فجر کی نماز کے بعد یا جمعہ کی نماز کے بعد پیش امام مسجد: دعا کے بعد جماعت حاضر کی طرف منہ کرکے "الفاتحہ" کہتا ہے۔ یہ لفظ حاضرین سنتے ہی سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص اور درود شریف پڑھتے ہیں۔ اور ان کا ثواب جناب محمد مصطفےٰ کی روح پاک کو بخشتے ہیں کیا یہ جائز ہے۔؟

جواب: سب مسلمانوں میں یہ مسلمہ اصول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے اسوۂ حسنہ عمدہ نمونہ ہیں۔ اس قسم کے افعال اس نمونہ میں نہیں ملتے۔ اس لئے بدعت ہیں۔ مسلمانوں کو کسی اور دلیل کی حاجت نہیں۔ مسلمان کا فرض ہے کہ اس امر کا خیال رکھے کہ جو کام آنحضرتؐ نے کیا ہے وہ کرے اور جو نہ کیا وہ نہ کرے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

۷ صفر ۱۳۴۶ھ

سوال: دور دراز کے فاصلہ سے سفر کر کے اکابر اور اولیاء اللہ کے مزاروں کی زیارت کے لئے جانا اور اس کام کو موجب حصول سعادت اور عفو گناہان ماضی و حال جاننا کیسا ہے

عبد الرؤف بلدانہ برار

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے۔ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی... الحدیث سوائے تین مساجد کے کسی مکان کی طرف بحیثیت اس کی وقعت اور عزت کے سفر نہ کیا جائے۔ یعنی مسجد الحرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبویؐ

۲۷ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ

سوال: عشرۂ محرم میں اگر کوئی شخص سُنّی المذہب بلا تخصیص و تعیین تاریخ و یوم اہل محلہ احباب کی محفل منعقد کروا کر شہادت امام عالی مقام علیہ السلام کے صحیح صحیح حالات خود پڑھ کر سنائے۔ یا کسی دوسرے لائق آدمی سے سنوائے۔ تو یہ جائز ہوگا یا نہ؟

جواب: صحیح واقعات کا سننا کسی طرح ناجائز نہیں مگر چونکہ زمانہ ہذا میں اس فعل کی شکل بہت کچھ متغیر ہو کر بدنما ہو چکی ہے۔ اس لئے ان ایام میں کوئی مجلس اس غرض سے نہ کرنی چاہیئے۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا یعنی رَاعِنَا مت کہا کرو اور اُنْظُرْنَا کہا کرو۔ حالانکہ رَاعِنَا اور اُنْظُرْنَا کے معنی ایک ہی ہیں۔ مگر چونکہ رَاعِنَا یہودی بولتے اور بُرے معنی مراد لیتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال کرنے سے روک دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کام اپنی شکل سے نکل کر کسی ناجائز شکل میں آگیا ہو اس کو بالکل بند کر دینا چاہیئے۔ واقعات شہادت کا صرف علم حاصل کرنا ہو تو سوائے محرم کے بھی کر سکتے ہیں۔ پھر محرم میں ایسی مجلس کی کیا ضرورت ہے۔ عشرہ محرم میں اہل و عیال پر فراخی کرنے کے متعلق ایک ضعیف سی روایت آئی ہے سو اس کو واقعہ شہادت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ حضرت موسیٰ کی فرعون سے

خلاصی پانے کی وجہ سے بطور خوشی کے ہے۔ نہ بطور ماتم کے۔ مسلمانوں نے اس تہوار کو کچھ ایسا مرکب تیار کیا ہے کہ بظاہر تو غم دکھاتے ہیں۔ مگر کام خوشی کے کرتے ہیں۔ اس لئے متبع سنت آدمی کا فرض ہے کہ اس مہینے کی جملہ رسومات کو یک قلم رد کرنے کی کوشش کرے۔

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ

شیعہ اور محرم

محرم کے کربلائی واقعات نے جس قدر شہرت حاصل کی ہے۔ دوسرے واقعات تاریخیہ اس قدر شہرت نہیں پا سکے۔ ابتدا میں تو اس شہرت کی غرض و غایت سیاست عباسیہ تھی۔ جسے بنو امیہ کو مغلوب کرنا مقصود تھا اس کے بعد اس نے فرقہ شیعہ کے ذریعہ مذہبی رنگ اختیار کر لیا۔ جس میں زمین و آسمان کے وہ قلابے ملائے گئے۔ کہ بے ساختہ الامان والحفیظ منہ سے نکلتا ہے۔ اتنے مبالغے کئے گئے ہیں کہ محققین کو تحقیق کرنے میں بڑی دقت پیش آئی۔

چنانچہ علامہ ابن خلدون واقعہ کربلا پر پہنچے تو اپنی کتاب کے دو تین صفحے خالی چھوڑ دیئے...... گویا یہ کہہ کر چھوڑے کہ مجھے کوئی صحیح واقعہ نہیں ملا۔ جس کو یہاں وہ یہاں درج کرلے۔ ہندوستان میں یہ سب شور و غل ایران سے ہمایوں بادشاہ کی معرفت پہنچا۔ اس کے بعد واجد علی شاہ نے اس کو ترقی دی۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ بے شک اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ایک دردمند مسلمان کے منہ سے بے ساختہ نکلتا ہے۔

فَلْيَبْكِ عَلَى الْاِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِيًا: تعزیہ فی نفسہ جو کچھ ہے وہ مسلمان کے دل کو دکھانے کے لئے کافی ہے۔ پھر اس کو بازاروں میں لئے پھرنا اور یوں پنجتن کے نعرے لگانا۔

"پنج نعرے پنجتنی اک نعرہ حیدری یا علی یا علی"

اس کے علاوہ ایک رسم مہندی کی ہے۔ معلوم نہیں امرتسر کے سوا اور جگہ بھی نکلتی ہے یا نہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ میدان کربلا میں امام قاسم کا نکاح رچایا گیا سات محرم کو اسے مہندی لگائی گئی۔ یہ یادگار بھی بشکل جلوس منائی جاتی ہے۔ چنانچہ ۲ر دسمبر کو امرتسر میں مہندی کا جلوس نکلا۔ اور بڑے بڑے بازاروں کا گشت لگا کر گھر میں جا بیٹھے۔ اس کے بعد دسویں محرم عاشورہ کے دن بھی تعزیوں کے ساتھ بہت بڑا جلوس نکلا۔ دونوں دن خیریت سے گذر گئے خطرہ تو بہت تھا مگر پولیس کے

کافی انتظام سے خطرہ ٹل گیا۔

شیعہ سُنّی دوستو! کیا یہی تعلیم اسلام ہے۔؟ لطف یہ کہ ایسی رسوم قبیحہ کو بجائے بند کرنے کے مزید قوت دی جاتی ہے۔ اور اس کو مذہبی شکل میں یادگار بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ اخبار شیعہ میں ایک مضمون نکلا ہے۔ جس میں مضمون نگار نے علمی جوہر دکھا کر اپنے دین و دیانت کا پورا مظاہرہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ مضمون نمبروار درج ذیل ہے

"عقلائے زمانہ نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے کہ ہر چیز جو اپنی قابل قدر خصوصیتوں کے سبب سے دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا نام چھوڑ جائے یا ایسے کارنمایاں کر جائے جو آئندہ نسلِ انسانی کے لئے سبق دینے والے ہوں۔ تو وہ اس کی حقدار ہے کہ اس کی یاد ہمیشہ تازہ رکھی جائے۔ اس میں کسی مذہب و ملت کی تفریق بھی نہیں ہے۔ ایک دریا دل صاحب جود و سخا انسان اپنی خصوصی صفت کے باعث انسان کی محبت کا باعث ہوتا ہے۔ ایک سچائی پر جان دینے والا پُرجگر شخص ہر انسان کی عقیدت کا مرکز بن جاتا ہے۔ ایک نیک دل خوش اخلاق آدمی کی ہر ایک تعریف کرتا ہے یہ تمام انسانی اوصاف ہیں۔ جن کا قدر دان ہر انسان ہے۔

اسی طرح غیر انسان جاندار مخلوق میں امتیازی صفات ہر شخص کی توجہ کا باعث ہو سکتے ہیں۔ مہذب اور متمدن جماعتیں یادگار قائم کرتی ہیں۔ اور یاد تازہ رکھتی ہیں۔ ان جانوروں کی بھی جو کسی اہم واقعہ میں کوئی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ مذہبی روایات میں اصحاب کہف کے کتے کا قرآن مجید تک میں ذکر موجود ہے۔ اور وہ بھی انہیں امتیازی خصوصیتوں میں شریک کیا گیا۔ جو اصحاب کہف کے لئے حاصل ہیں۔"

(شیعہ لاہور محرم نمبر ۱۳۶۲ھ ص۷)

نقض اجمالی علم مناظرہ میں ایک اصطلاح ہے۔ جس کو نقض اجمالی کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ کسی مدعی کی دلیل کو یوں توڑا جائے کہ فلاں جگہ تخلف ہو جاتی ہے اس لئے اس میں تقریب تام نہیں ہے۔ یہاں اس کا اجرا اس طرح ہے۔ اگر ایسی یادگار کا بنانا ضروری ہے تو کیا ائمہ اہل بیت نے بھی ایسا کیا تھا مگر نہیں کیا تو ان کو عقلاء زمانہ (کا)

میں شمار کریں گے یا نہیں۔ انھوں نے اس عقلمندی اور دینداری کو کیوں چھوڑا اور اگر نہیں چھوڑا اور اس پر عمل کیا تو اس کا ثبوت دیجئے۔ اصحاب کہف کا ذکر قرآن مجید میں ان کی تعلیمی حیثیت سے ہے کہ انہوں نے ایسا کیا ویسا کیا۔ آپ کو اس سے کون منع کرتا ہے کہ جو واقعات صحیحہ کتابوں میں درج ہیں۔ ان کو اصحاب کہف کے قصہ کی طرح غور سے پڑھیں۔ چاہے محرم کا مہینہ ہو یا رمضان کا۔ یہ تو نہ کریں کہ امام حسین رضؓ کے روضہ کی نقلیں بازاروں میں پھرائیں۔ جس کی وجہ سے ملک میں فساد ہو۔

شیعہ مصنفو! قیاس کرتے ہوئے مقیس مقیس علیہ میں مشابہت بھی تو دیکھا کرو۔ کیا قرآن کے نزول کے وقت سے آج تک مسلمانوں کے کسی طبقہ نے اصحاب کہف یا ان کے کتے کے سوانگ بھرے۔ جیسا کہ آج تعزیوں کے بھرے جاتے ہیں۔ کہتے ہوئے کچھ تو سوچا کرو کہ کیا کہتے ہو۔ آخر خدا کے سامنے جانا ہے۔ وہاں جاکر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ اہل بیت کے سچے تابعداروں کو یہ کہنے کا موقع ملے ؎

عجب مزا ہو کہ محشر میں ہم کریں شکوہ وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لئے

دوسرا نمبر اس سے بھی عجیب تر ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"کربلا کا اہم واقعہ جو ۶۱ھ میں دسویں محرم کو رونما ہوا۔ وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے تمام دنیا کی تاریخ کا ایک اہم سبق آموز صحیفہ ہے۔ جہاں تمام انسانی صفات و خصائل عملی طور پر پیش کیے گئے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے دم توڑتی ہوئی انسانیت کو نئے سر سے زندہ کر دیا۔ اور انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحلِ مراد تک پہنچا دیا۔ اور اپنی جان دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ نمونہ قائم کر دیا۔ جس کی پیروی ہمیشہ کے لئے معیارِ انسانیت رہے گی۔ پس ایسے اہم واقعہ کی یادگار قائم کرنا ہر اس صورت سے جو اس واقعہ کی یاد باقی رکھنے میں مفید ثابت ہو سکے ایک اہم انسانی فرض ہے۔"

(حوالہ مذکور)

اہل حدیث اس موقعہ پر ہمیں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا ہی عرض کرتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ اور ان کے داماد عمر فاروق رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ ذوالنورین داماد رسول ثقلینؐ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے واقعات

شہادت کیا کم اندوہگیں اور نتیجہ خیز ہیں۔ کہ ان کی یادگار نہ منائی جائے۔ ہاں امام حسینؓ کے بڑے بھائی امام حسنؓ کو بھی بے یادگار کیوں چھوڑا جائے۔ حالانکہ وہ بھی شہید ہوئے وہ کونسی مزیت ہے کہ امام حسینؓ کی یادگار تازہ رکھی گئی اور باقی سب کو بھلا دیا گیا۔ کیا اس کی بابت کوئی حدیث یا اہل بیت سے کوئی روایت آئی ہے؟ :-

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ط

ہماری رائے

نہ صرف ہماری بلکہ تمام اہل حجاز (مکہ مدینہ والوں) کی ابتداء سے آج تک یہی رائے ہے کہ واقعہ کربلا کو بالکل بھلا دیا جائے۔ کیونکہ زمانہ خلافت میں بھی اس کی یادگار تازہ نہیں کی گئی یہ سب تیمور بادشاہ کی ایجاد ہے اس قسم کے واقعات کی یادگار کی شکل میں دکھانا امت مسلمہ کو بدنام کرنا ہے۔

پس ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ جتنے اصحاب اللہ کے راستے میں واصل بحق ہوئے ہیں ان کی نسبت یہی کہنا بجا ہے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اہل حدیث۔ ۱۸ محرم ۱۳۶ھ

سوال: کیا روح بعد دفن کے پھر جو جسم میں داخل کی جاتی ہے۔ بعد سوال قبر کے وہ روح جسم میں رہ جاتی ہے۔ یا علیین سجیین میں داخل کی جاتی ہے۔ اگر روح قالب سے پرواز کر جاتی ہے۔ بعد سوال قبر کے تو عذاب قبر کا ہونا غلط ہوتا ہے۔ چونکہ عذاب جان کو ہے نہ کہ جسم خاکی کو ہو اور اگر عذاب قبر کا ہونا ثابت ہے تو علیین سجیین کو روح کا جانا غلط ٹھیرتا ہے۔ بہر حال جونسی بات ہو تو قرآن و حدیث سے بدلائل مرقوم فرمائیں

ظہیر احمد

جواب:- عالم برزخ کے واقعات کی پوری کیفیت تو معلوم نہیں ہو سکتی ہاں جس قدر قرآن و حدیث پر غور کرنے سے عقل و فہم میں آسکتی ہے۔ یہ ہے کہ حساب کے وقت جسم سے روح کا کوئی خاص تعلق ہوتا ہے۔ جس کے سبب سے سوال و جواب کا احساس ان کو ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد روح جسم سے الگ ہو کر اپنے لائق مقام میں چلی جاتی ہے اور جسم خاک میں پڑا رہتا ہے۔

۵ راپریل ۱۹۱۸ء

قال الامام الاعظم رحمۃ اللہ فی الفقہ الاکبر۔ واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق وقال علی القاری فی شرحہ بعد اتمام القول اعلم ان اہل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیات فی القبر قدر ما یتالم ویتلذذ الخ انتہی

فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل صفحہ ۴۲۴

خلاصہ اس عبارت کا یہ کہ امام ابو حنیفہ رحمہ کہتے ہیں کہ قبر میں بندے کے مردہ جسم میں روح کا واپس آنا حق ہے۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اہل حق کا یہ متفق علیہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے جسم میں قبر میں ایک قسم کی ایسی زندگی ضرور پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ قبر کی لذت یا تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ فقط راز

اسلامی ذہن رکھنے والے عذاب قبر کو نہ صرف ممکن تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ اُسے بنیادی عقائد میں داخل سمجھتے ہیں کئی ایک محدثین نے اپنے مجموعہ ہائے حدیث میں عذاب قبر کے باب کو ایمانیات وعقائد میں شامل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ کہ میں نے عذاب قبر سے زیادہ سخت تر اور ہولناک منظر نہیں دیکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر اس سے سرخروی حاصل ہو تو اس کے بعد مراحل اس سے آسان ہیں اور اگر اس سے نجات میسر نہ آئی تو اس کے بعد کی ہر منزل دشوار تر ہے۔ الی آخرہ۔

از مولانا عبد الرحیم صاحب اشرف سندوی۔ اخبار جمہوریت بمبئی یکم شوال ۱۳۸۴ھ

حدیث سے ثابت ہے کہ مردے کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے یعاد روحہ بھی ہے بعد ازاں اگرچہ روح علیحدہ ہو جاتی ہے۔ مگر جب تک جسم باقی رہتا ہے۔ ایک خاص قسم کا جسم کو روح سے تعلق رہتا ہے۔ جس سے اس کو عذاب ہوتا ہے۔ گو پوری کیفیت مصرح نہیں مگر خلاصہ انداز یہی احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل حجۃ اللہ البالغہ میں ملاحظہ ہو۔

سوال: عورتوں کو کسی پیر یا ولی یا والدین یا خاوند کی قبر پر بغرض زیارت جانا کیسا ہے؟

جواب: حدیث میں آیا ہے کہ لعن اللہ زائرات القبور۔ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر خدا کی لعنت ہے۔ حضرت عائشہؓ والی روایت اس کے برخلاف

نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے گھر کے متعلق ہے۔ حجرہ جو مدفن تھا آنحضرتؐ کا وہ حضرت عائشہؓ کے گھر کی ایک کوٹھڑی تھی۔ عام قبرستان نہ تھا۔ اس کا حکم الگ ہے۔ دوسری حدیث میں صیغہ جمع مذکر کا ہے۔ نزوروھا۔ اس سے وہ ممانعت اُٹھ سکتی ہے۔ جو ممانعت میں مردوں کے متعلق تھی۔ نہ وہ ممانعت جو خاص عورتوں کے حق میں تھی۔

۲۲ ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ

شرفیہ عورتوں کو قبروں کی زیارت کے متعلق حضور صلعم کا فرمان نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا الحدیث (صحیح مسلم) اور نیز یہ بھی آپ کا فرمان صدیقہ رضؓ کو قولی السلام علیٰ اھل الدیار من المومنین والمسلمین الحدیث (صحیح مسلم، مشکوٰۃ ص ۱۵۴ ج ۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں اجازت میں داخل ہو گئیں تھیں۔ قال بعض اھل العلم۔ مشکوٰۃ ص ۱۵۴ ج ۱ ہاں سفر اور جزع فزع وغیرہ افعال ممنوع ہیں۔

سوال: لفظ رعد اور برق کے کیا معنی ہیں۔ اور اصلیت کیا ہے۔ چمک اور گرج پیدا ہونے کی کیا وجہیں ہیں۔ جواب اسلامی طریق سے ہو۔

جواب: رعد اور برق بادلوں میں خدا کی قدرت سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کے پیدا ہونے کی وجہ بتلانا شرعی فتویٰ کا کام نہیں۔ فلاسفر بتلاتے ہیں بادلوں میں حرارت سے یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں رعد ایک فرشتے کا نام ہے۔ ہو سکتا ہے دونوں معنی ہوں۔ واللہ اعلم

اہل حدیث ۱۱ صفر ۱۳۴۳ھ

شرفیہ حدیث مرفوع میں ہے۔ الرعد ملك من ملائكة الله موكل بالسحاب معه مخاريق من نار يسوق بها السحاب حيث شاء الله اخرجه الترمذی ورمز فی الجامع الصغير للسيوطی۔ اور قرآن مجید میں ہے يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِى اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ (پ ۱۳ ع ۸)

آیت اور حدیث سے رعد اور برق کا معنی واضح ہو گیا۔ کہ رعد فرشتہ ہے۔ اور برق اس کے کوڑے کی روشنی ہے جو آگ سے نکلتی ہے اور گرج اس کی یا اس کے

کوڑے کی آواز ہے۔ اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوڑے کی آگ نکل کر بجلی بن کر کسی جگہ پر گرتی ہے۔ وہ بھی گرج بن سکتی ہے۔

سوال: مدرسہ دار السلام عمر آباد۔ آمبور کے تعلیم یافتہ ایک مولوی صاحب مسجد گاؤ قصابان کے پیش امام ہیں۔ پیشتر آپ عقیدہ اہل حدیث پر تھے۔ اب مودودی مذہب رکھتے ہیں مذہب اہل حدیث پر آج کل سخت لے دے کرتے ہیں۔ نوکر پیشہ تاجر اور زراعت کرنے والوں کو حرام کھانے والے اور مسلمان نہیں ہو سکتے کہتے ہیں کیا مذکورہ مودودی مولوی صاحب کا ایسا کرنا انصاف پر مبنی ہے۔ (محمد غیاث خان مدراس)

جواب: جو شخص کوئی مذہب اختیاری کرتا ہے اس کی اشاعت بھی کرتا ہے۔ آپ بھی ہمارا رسالہ "خطاب بہ مودودی"[1] سنا دیا کریں۔ باقی سارے سوالوں کا جواب قرآن مجید نے یوں دیا ہے۔ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (بات عمدہ طریق سے کیا کرو) جس سے فتنہ و فساد نہ ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا کافر بادشاہ کے ماتحت ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے جہاں فرمایا۔ لِیَاْخُذَ اَخَاہُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِکِ۔ اس آیت سے کافر بادشاہ کے قانون کی ماتحتی ثابت ہوتی ہے اگر کوئی نہ مانے تو اس کی مرضی۔ اس آیت شریفہ سے حرام کہنے کا جواب بھی آجاتا ہے اللہ اعلم! (اہل حدیث جلد ۴۴ نمبر ۲۳، ۲۴، ۲۵)

شرفیہ مولانا۔ السلام علیکم۔ ہم سب بحمد اللہ تعالیٰ مسلمان ہیں خصوصاً اہل حدیث مگر آج کل ایک جماعت نے اپنا نام جماعت اسلامی رکھ لیا ہے اور فرقہ پرستوں کی طرح اسلام پر قبضہ غاصبانہ کر کے ہم کو اپنے مسلک کی تبلیغ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے امیر مولانا مودودی نے جو کام کیا ہے وہ آج تک علماء اسلام سے نہ ہو سکا۔ آؤ ہمارا لٹریچر دیکھو جو ہمارے امیر نے لکھا ہے۔ آپ بتائیں کہ ان کا لٹریچر کیا ہے اور ہم کیا کریں بینوا۔ (عبد الخالق پاکستان)

الجواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اما بعد۔ مودودی صاحب کی داستان تو بہت طویل ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کا لٹریچر میں نے دیکھا۔ ان کا پہلا

[1] اس رسالہ یعنی خطاب بہ مودودی کے ساتھ رسالہ "جماعت اسلامی کا پس منظر" بھی سنا دیا کیجئے ۱۲ منہ۔ راز

دور اور تھا۔ اب دوسرا دور ہے۔ پہلا پچھلا آپس میں متناقض بھی ہیں۔ جس کا خلاصہ میں نے اخبار اہل حدیث سوہدرہ ۱۹۵۱ء میں ۹ قسطوں میں شائع کرایا تھا۔ وہاں ملاحظہ ہو۔ اب بھی ان کے چند نمونے بیان کرتا ہوں۔ پھر ان کی تنقید و تردید۔ پہلے دور میں لکھتے ہیں۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے مگر ان چیزوں کے حصول کا ذریعہ نہ قرآن ہے نہ تواتر۔ صرف اخبار احادی ہیں۔ تفہیمات ص۳۱۷ کتب احادیث صحاح ستہ وغیرہ میں اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ کہ یہ کتابیں انہیں بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں نہ اس میں شبہ ہے کہ ہر حدیث کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہے یا نہ۔ لہٰذا ان کتابوں کے ذریعے سے حدیث کا وہ علم قریب قریب الیقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا ہے خلاصہ ص۲۸۳ و ص۲۸۷ تفہیمات۔ صفر ۱۳۵۳ھ جون ۱۹۳۴ء

دوسرے دور میں لکھتے ہیں کیا ضرور کہ جس کو محدثین نے ثقہ کہا ہے وہ ایسا ہی ہو اور وہ جس کو غیر ثقہ کہا ہے وہ ایسا ہو۔ تفہیمات ص۳۲۲) محدثین کا ذخیرہ قابل اعتماد نہیں۔ تفہیمات ص۲۹۵) اور یہ بھی لکھتے ہیں ممکن ہے جن کو انہوں نے متصل صحیح کیا ہے وہ ایسی نہ ہو اور جس کو منقطع معضل بتایا ہے وہ بالکل صحیح ہو۔ تفہیمات ص۳۲۳۔ یہ بھی لکھتے ہیں (حدیث رسول صلعم) سراسر ذوقی ہے اور کسی ضابطہ کے تحت نہیں تفہیمات ص۲۹۷ ذوقی یعنی وجدانی و خیالی باتیں تھیں۔ من جانب اللہ نہ تھیں۔ اسی لئے لکھتے ہیں۔

دجال کے آنے کی حدیثیں فسانے ہیں۔ ترجمان القرآن۔ ستمبر اکتوبر ۱۹۴۵ء۔ یہ بھی لکھتے ہیں۔ تاریخ سے ثابت ہوگیا۔ کہ آپ کی حدیثیں آپ کے قیاسات تھے اور صحیح نہ تھے۔ ترجمان القرآن فروری ۱۹۴۶ء

یہ بھی لکھتے ہیں۔ حدیث متواتر کی بنا بھی قیاس پر مبنی ہے۔ تفہیمات ص۲۰۲

جواب: ان اقوال کا پہلا جواب تو یہ ہے۔ ان کے پچھلے اقوال پہلے کے مناقض ہیں۔ لہٰذا اقوال متناقضہ باطل۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کے پچھلے اقوال باوجود آپس میں متناقض ہونے کے قرآن مجید کے خلاف اور قرآن کی تکذیب کرتے ہیں۔ لہٰذا باطل ہیں اور قرآن کی مخالفت تکذیب کفر بھی ہے۔ اور بیان خلاف یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جو

اہل اسلام کے لئے معیار صداقت مقرر کیا ہے۔ اور اس پر محدثین نے عمل کر کے اسلام کی حفاظت و تبلیغ میں قرآن مجید کی تفسیر جو صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کر کے خواہ آپ کے اقوال سے ہو۔ خواہ افعال و تقریر سے۔ اپنے شاگردوں کو بتائی۔ انھوں نے اپنے شاگردوں کو۔ علی ہذا القیاس سلسلہ بہ سلسلہ۔ اسی طرح ہم تک پہنچی۔ اور صحابہؓ نے اس تفسیر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و فیصل جات و احکامات شرعیہ مذکورہ فی القرآن کی تشریح کی۔ اس کی روایت میں رواۃ حدیث کی صداقت کو محدثین نے قرآن مجید کی آیت ذیل سے بعد تجزیہ و تحقیق معلوم کر کے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کتب تفسیر و حدیث میں قلمبند کیا۔ اور مودودی صاحب کے یہ اقوال اُن کی تکذیب کرتے ہیں۔ آیت یہ ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ٥ (پ ۲ ع ۶)

نیکی اس میں منحصر نہیں کہ تم نماز میں مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرو۔ لیکن نیکی اس کی معتبر ہے یا نیک وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور پچھلے دن۔ یعنی آخرت اور فرشتوں اور سب نبیوں پہ ایمان لائے اور سب کو سچ مانا۔ باوجود مال کی محبت کے اپنے قرابت والوں۔ اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور دیگر سائلوں کو دیں اور گردن آزاد کرانے میں دیں۔ اور ہمیشہ نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں۔ اور وہ لوگ نیک ہیں جو جب کسی قسم کا کسی سے وعدہ کریں تو اس کو پورا کریں۔ خصوصاً تنگ دستی اور ہر قسم کی سختی میں صبر کریں (پھر جن میں یہ صفتیں ہوں) تو وہ لوگ صادق ہیں سچے مومن مسلم ہیں پرہیزگار ہیں۔ اور سورہ حدید میں بھی ان لوگوں کی چند صفات بیان کر کے فرمایا ہے

أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ۔ (الآیۃ پ ۲۷ ع ۱۸)۔

ان آیتوں سے ثابت ہوا کہ ان صفات والے لوگ جب قرآن و حدیث رسول صلعم کی سیرت واحکام و عقائد شرعیہ بیان کریں۔ تو ان کی خبر اہن کی روایۃ کو تسلیم کرنا واجب ہے فرض ہے ورنہ باوجود معیار شرعی کے ثبوت کے صادق متقی کی شرعی خبر و روایت میں حیل و حجت چون وچرا و شکوک پیدا کرنا قرآن مجید کے مقرر کردہ معیار سے انحراف ہے جو قطعاً قرآن مجید کی تکذیب ہے۔ ورنہ ایمان والوں کی صفت تو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف بلایا جائے تو وہ یہ کہتے ہیں ہم نے سن لیا۔ اس پر عمل کریں گے۔ ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوْٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ ۱۸۔ ع ۱۳) پھر اس میں چون چرا شکوک ایمان کے خلاف ہے۔ اور بحکم آیت۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (پ ۱۴۔ ع ۱) مقرر ہمیں نے اس قرآن کو نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو حفاظت قرآن کی دونوں قسم سے ہے۔ الفاظ و عبارات کی بھی اور معانی کی بھی وہ معانی جو بحکم آیۃ۔ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ ۱۴۔ ع ۱۴) ہم نے قرآن آپ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ اس نازل شدہ کو جو ان کے لئے نازل کیا ہے۔ اس کے معانی ان کو سمجھا دیں بتا دیں اور تاکہ پھر وہ اس میں غور فکر کریں۔ تدبر کریں۔ كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (پ ۲۔ ع ۲) ہم نے تم کو قبلہ کعبہ کا حکم دے کر تم پر اپنی نعمت پوری کی۔ جیسے تمہیں میں سے اپنا رسول بھیج کر اپنی نعمت پوری کی۔ کہ وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تم کو قرآن کے الفاظ و عبارات پڑھاتا ہے اور اس کے معانی بتاتا ہے اور تم کو وہ باتیں بتاتا ہے۔ جو تم نہ جانتے تھے۔ ثابت ہوا کہ قرآن کی حفاظت کو یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے قرآن کے الفاظ و عبارات کی حفاظت حفاظ قرآن کے ذریعہ کرائی ہے۔ اسی طرح اس کے معانی

شرعیہ بیان کر دی۔ رسول صلعم کی بھی رواۃ حدیث سے محدثین کے ذریعہ کرائی ہے۔ ورنہ کتب سابقہ کی طرح قرآن کی تحریف ہو جاتی۔ اور یہ حجت بازیہی چاہتے ہیں کہ قرآن کو اپنی عقل سے تحریف کر کے اپنا الو سیدھا کریں۔ مگر یاد رکھیں۔ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (پ ۱۰ ع ۱۱) اور بحکم قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ .... فَاتَّبِعُونِي۔ الآية۔ پ۳۔ ع۱۱۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ پ۴۔ ع۵۔ اور فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ پ ۵۔ ع ۶۔ رسول اللہ صلعم کے حکم آپ کے فیصلجات آپ کی بیان کردہ قرآن کی تفسیر آپ کی اطاعت آپ کا اتباع ہر مسلم کے لئے بلا چون و چرا واجب ہے۔ اس میں شک و تردد یا انکار کفر ہے۔ اور بحکم آیۃ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ پ ۱۷۔ ع ۷۔ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔ پ۵۔ ع ۸۔ آپ کی بعثت بھی عامۃ تا قیام قیامت ہے۔ اور بلا وساطت آپ کی کردہ بیان۔ تفسیر قرآن بحکم آیۃ مذکورہ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ الخ بطریق مذکور ماقبل قطعاً باطل ہے مدعی کاذب ہے ورنہ رسول کو معلم و مبلغ و مبین قرآن کر کے بھیجنا۔ معاذ اللہ۔ فضول ہوگا اور یہ امر قطعاً باطل پس ثابت ہوا کہ قرآن کی تفسیر بلا بیان رسول بطریق مذکور.... باطل ہے۔ اور تفسیر بیان رسول ہی صحیح ہے۔ یہی اسوہ حسنہ ہے۔ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ پ۲۱۔ ع ۱۹۔ مقرر تمہارے لئے رسول اللہ صلعم کی پیروی بہت اچھی ہے۔ اس کے لئے جو یوم آخرت میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کا امیدوار ہے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ منکر حدیث رسول اسوہ حسنہ کے قائل بنتے ہیں۔ مگر یہ تو بتائیں کہ وہ اسوہ حسنہ کتب تفسیر و حدیث کے سوا کہاں ہے۔ بعد بعثت ۲۳ سالہ آپ کی زندگی کے حالات، سیرت، نماز، روزہ، حج، جہاد، نشست برخاست اہل و عیال سے آپ کا برتاؤ۔ تبلیغ شریعت لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ الآیۃ۔ اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ وغیرہ کا بیان کہاں ہے۔ پھر اگر کتب تفسیر و حدیث نہیں مانتے تو آپ کا دعویٰ اسلام۔ قرآن کا مطلب

جو آپ بتاتے ہیں۔ کیسے معلوم ہو کہ صحیح ہے۔ اور اوروں کا غلط معیار صحت کیا ہے۔ قرآن کا مطلب آپ بھی سمجھتے ہیں اور مسلم بھی، شیعہ، خارجی وغیرہ یہود و نصاریٰ۔ آریہ، مرزائی، بہائی وغیرہ بھی۔ لغت عرب قواعد آپ کی طرح اور بھی جانتے ہیں۔ معیار صحت بتا کر اپنے معنے کو دلیل سے ثابت کریں۔ واذا لیس فلیس۔

سچ کہتا ہوں۔ بیان رسول صلعم ہی معیار صحت ہے اور ہو ہی نہیں سکتا۔ دلائل مذکورہ بالا ملاحظہ ہوں۔ اس کے سوا آپ کچھ نہیں بتا سکتے۔ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (پ ۱ ع ۳)۔ اور تو بڑی بات ہے۔ یہ منکر نماز اور حج ہی کی ہیئت کذائیہ اور زکوٰۃ ہی کی تفصیل کر کس کس مال کی زکوٰۃ ہے۔ کیا کیا نصاب ہے۔ کتنی کتنی ہے۔ بتائیں۔

مودودی صاحب کا حدیث رسول صلعم کو سراسر ذوقی بتانا کہ یہ کسی ضابطہ کے تحت نہیں۔ ذوقی کے کئی ایک معنے ہیں جو صوفیہ نے کئے ہیں کہ نور عرفانی جو حق و باطل میں فارق ہو۔ وہ تو یہاں ہو نہیں سکتے کہ وہ قطعاً تحت ضابطہ اور حق ہوتے ہیں۔ اور مودودی صاحب نے آگے چل کر ان کو غلط بتایا ہے۔ لہٰذا دوسرے معنے یہاں مراد ہوں گے جو آگے آرہے ہیں۔ طبیعت کما فی المنجد و خیال وغیرہ..... اور یہ کتنی بڑی جرأت ہے یہ آیات مذکورہ بالا کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو قرآن کا معلم و مبین مقرر کیا۔ اور وہ بیان بھی اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو بتایا۔ اور اس بیان کو اللہ تعالیٰ نے حکمت بتایا اور مودودی صاحب نے اس کو ایک امر وجدانی طبعی، خیالی بتایا کہ جس وقت جی میں آیا کہہ دیا غلط ہو اس سے بحث نہیں اس کا ثبوت ان کے دوسرے قول سے ثابت ہے۔ جو کہا ہے کہ دجال کے آنے کی حدیثیں فسانے ہیں۔ تاریخ سے ثابت ہو گیا کہ آپ کے قیاسات تھے اور صحیح نہ تھے۔ انتہیٰ۔ دونوں کے حوالے گذر چکے ہیں۔ ان کے اس قول سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عقل سے گھڑ گھڑ کر لوگوں کو بہلایا کرتے تھے۔ یہ تھی رسول اللہ صلعم کی حکمت عملی فسانہ کے معنی داستان ڈھکوسلہ کے بھی ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ یہ ہے ان کے نزدیک محمد رسول اللہ صلعم کی شان اللہ تعالیٰ تو فرمائے۔ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ (پ ۲۷ – ع ۵) – کہ تمہارا رسول تبلیغ شریعت وحی جلی و خفی میں اپنی

نفسانی خواہش سے نہیں بولتا۔ جو کچھ کہتا ہے وہ منجانب اللہ کہتا ہے اور وہ حکمت ہے اور مودودی صاحب اس کو قیاسات اور فسانے اور من گھڑت بتائیں۔ پھر کیا یہ رسول اللہ صلعم کی توہین نہیں۔ کیا یہ قرآن کی تکذیب نہیں۔ کیا یہ کفر نہیں تو اور کیا ہے۔ دجال کے آنے کی حدیثیں صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ صحاح ستہ میں ہیں جن کو تمام اہل اسلام محدثین و مجتہدین وائمہ اسلام نے صحیح تسلیم کیا ہے۔ ان حدیثوں میں زمانہ ماضی کے انبیاء علیہم کا بھی ذکر ہے۔ اور آئندہ زمانہ میں دجال کے آنے کا بھی ہے۔ اور فسانہ کے کئی معنے ہیں۔ پچھلی داستان کو بھی کہتے ہیں۔ خصوصاً بے اصل جھوٹی داستان کو آئندہ کی خبر قیاس سے، حساب سے، نجوم سے، کہانت سے، جیسے نجومی رمال، جوگی پنڈت، کاہن ٹھگ وغیرہ بتایا کرتے ہیں۔ گاہے صحیح گاہے غلط۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک سچ میں سو جھوٹ ملا دیتے ہیں بلکہ زائد۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیختلطون فیھا اکثر من مائۃ کذبۃ۔ متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ص ۳۹۳ ج ۲

معاذ اللہ مودودی صاحب کے نزدیک یہ صحیحین وغیرہ کی حدیثیں مسلمہ اہل الاسلام اسی قسم کی تھیں کہ ایک میں سو سے زائد جھوٹ۔ پھر دعویٰ یہ کہ میں تو سنت کو مانتا ہوں۔ سرسید احمد کو ایک سرحدی نے لکھا تھا ؎

ترک احکام رسل حکم خدا رد کردی ۔۔ آنچہ کافر نکند تو سید کردی

یہی موصوف پر صادق آتا ہے۔

یاد آیا مودودی صاحب نے نئی بات نہیں کہی۔ ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تبلیغ شروع کی جس میں الفاظ و معانی دونوں ہی تھے تو لوگوں نے کہا تھا۔ ان ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (پ۔ ع ۹)۔ غیاث اللغات میں فسانہ کا معنے سرگزشت و ماجرا و بمعنی حکایت بے اصل مجاز است لکھا ہے۔ اور اساطیر کا معنی بھی المنجد میں اباطیل لکھا ہے۔ الاسطورۃ والاسیطرۃ الحدیث الذی لا اصل لہ انتہی۔ لوگوں نے کہا آپ جو کچھ کہتے ہیں یہ سب پہلوں کے جھوٹے قصے ہیں۔ اور کچھ بھی نہیں۔ اس کی تشریح دوسری آیت میں ہے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ۔ پ ۲۳۔ ع ۱۰۔ یہ کچھ نہیں مگر اپنے جی سے بنا لیتا ہے یہ ہے مودودی صاحب اور ان کے حواریوں پیروں

کا اسلام۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ مودودی صاحب نے جو رواۃ حدیث میں کلام کیا ہے۔ خبر واحد پر تو بتائیں کہ قرآن مجید بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی امت کو پڑھایا ہے۔ کیا اس میں بھی آپ کو کچھ کلام ہے کہ آپ بھی تو واحد ہی تھے۔ اور آپ خود بدولت اور ہر شخص کو اپنی نسل اور اپنے باپ کا کیا علم ہے۔ کہ میرا باپ فلاں شخص ہے کتنے آدمیوں کی شہادت سے ولدیت ثابت ہوگی۔ نکاح کے گواہ تو دو چار سینکڑوں ہو سکتے ہیں۔ مگر اس کا کیا ثبوت کہ یہ شخص اسی کے نطفہ سے پیدا ہوا۔ ماں باپ کے سوا کون جانے۔ بلکہ باپ کا علم بھی قطعی نہیں ہاں ماں کو ہو سکتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ہم ہر راوی پر اعتماد نہ کریں گے۔ جس طرح شاہدوں میں ہر شاہد کا اعتبار نہیں کرتے ہم قرآن کے بموجب ذوا عدل کی شرط لگاتے ہیں تفہیمات ص۲۷۔ یعنی کم سے کم دو راوی کی بات قبول ہے نہ ایک کی۔ مودودی صاحب آپ کو خبر نہیں۔ یہ تعدد کی شرط معاملات حقوق العباد جرائم و جنایات و حدود و شرعیہ میں ہے۔ بلکہ زنا میں چار کی شرط ہے نہ کہ روایۃ حدیث و قرآن و تبلیغ شرع میں۔ آپ نے خود بھی لکھا ہے کہ قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا صرف ذات پاک رسالت پناہی کی خبر ہے۔ (تفہیمات از ص۲۷ تا ص۲۸) پھر آپ کی کون سی بات کا اعتبار کیا جائے۔ قَالَ تَعَالٰی وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا۔ (پ ۱۴ ع ۱۹)۔ آپ کی یہی مثال ہے کہ جس امر کو بناتے ہیں پھر اسی کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اگر آپ کی بات کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ایک استاذ ایک عالم کی تبلیغ کا اعتبار نہ کیا جائے تاوقتیکہ کم سے کم دو مبلغ دو استاذ نہ ہوں۔ اور آیت یا ایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا (الآیۃ۔ پ۲۸ ع ۱۹) اے ایمان والو اپنے نفسوں اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اس میں تبلیغ شرع اول درجہ پر ہے اور آپ کے قول پر لازم ہے اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو وعظ و نصیحت تبلیغ شرع کرے تو جب تک وہ اپنی زوجہ کو مسجد یا مدرسہ میں لے جا کر اپنے وعظ کی تصدیق نہ کرائے یا کسی مولوی صاحب کو گھر میں لاکر ان سے اپنے وعظ کی لفظ بلفظ تصدیق نہ کرائے۔ اس کے وعظ و نصیحت کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگر مسجد میں سے زوجہ مذکورہ وعظ سن کر آئے تو تاوقتیکہ دوسرا عالم اس کے وعظ کی لفظ بلفظ تصدیق نہ کرے۔ اس کے لئے وہ وعظ وہ خطبہ بیکار ہوگا۔ اور ایسے ہی تمام مقتدیوں کے لئے وہ خطبہ و وعظ قابل عمل و حجت شرعی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ

موصوف کے اصل پر دوراوی کی شرط ہے واذا فات الشرط فات المشروط.
تو ان کے ہاں امیر جماعت اسلامی کے نزدیک علاوہ ادلہ مذکورہ کے کنتم خیر امۃ
اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (الآیۃ پ۴ ع۳)
اور والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات
وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ (پ۳۰۔ ع۲۸)۔ ہر شخص کو حسب حیثیت
امر بالمعروف، نہی عن المنکر دین حق کی ایک دوسرے کو وصیت و حکم لازم ہے اور ان کے اصول پر
اکثر حصہ تبلیغ کا بلکہ قریبًا سارے ہی کا خلاف ہوگا۔ اس لئے کہ ان کی شرط کا وجود النادر کالمعدوم ہے۔
اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ جب ان کا اصل اصول یہ ہے کہ روایت و تبلیغ شریعت قرآن اور اس کا مطلب و
معنی و تفسیر بلا دو عادلوں کے معتبر نہیں۔ تو پھر مودودی صاحب کی تبلیغ آپ کی روایت آپ کی تفسیر
اس کا کیا اعتبار۔ جب تک کہ دو عالم ماہر قرآن و تفسیر قرآن ان کے مصدق نہ ہوں اور وہ مصدق
بھی ان کا مرید، ان کا ہم خیال نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ تو ان کا شاگرد ان کی بات کہے گا۔ وہ سو ہوں
تو بھی ان کا اعتبار نہیں وہ ایک ہی کے حکم میں ہیں۔ ایسے ہی ان کی عدالت میں بھی ان کے
مریدوں کا اعتبار نہ ہوگا۔ آپ بتائیں۔ کہ آپ نے قرآن مجید اس کا مطلب کسی استاذ سے پڑھا
ہے۔ یا از خود ہی معلوم کر لیا۔ اگر صورت ثانیہ ہے۔ تو کیا وحی سے ہے یا کسی اور وجہ سے
وہ بتائیں۔ اور اگر صورت اولیٰ ہے تو کیا آپ کی شرط کے مطابق یا بلا شرط۔ مگر شرط لفظ بلفظ
ثابت کرنی ہوگی جو محال ہے۔ بات وہ منہ سے کہی ہے کہ بنائے نہ بنے ؛ بوجھ وہ سر پر لیا
ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے ؛ اور ہاں مودودی صاحب یہ آپ نے کیسے لکھ دیا کہ تاریخ
سے ثابت ہوگیا۔ کہ آپ کی یہ حدیثیں آپ کے قیاسات تھے صحیح نہ تھے۔ انتہیٰ

(ترجمان القرآن فروری ۱۹۴۶ء)

کیا حدیثوں میں دجال کے آنے کی تاریخ سنہ، سال، مہینہ، دن معین ہے۔ جو آپ نے
باوجود تاریخ مذکور کے گذرنے کے اور عدم آمد دجال کے غلطی کا حکم لگایا۔ یا قیامت قریب
آگئی۔ اور دجال نہ آیا۔ پھر جب یہ دونوں باتیں نہیں تو آپ نے غلط کیسے کہا۔ کیا یہ آپ کا
افترا نہیں، کذب نہیں تو اور کیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ احادیث رسولؐ فسانے نہیں۔ ہاں
آپ کا یہ قول خصوصًا اور مودودی صاحب نے لکھا ہے۔ علم کا معتبر ذریعہ قرآن ہے حدیث
نہیں تاہم اس لئے صحت کا اصل معیار یہی ہونا چاہیے تفہیمات ص۳۳۱

میں کہتا ہوں کہ آپ نے پیشتر لکھا ہے تواتر کی بنا بھی قیاس پر ہے الخ اور قیاس قطعی نہیں ہوتا۔ پھر جو ظن پر مبنی ہو وہ بھی ظنی۔ پس آپ کے اصول پر قرآن بھی قطعی نہ رہا۔ پس قرآن و حدیث دونوں کا اعتبار برابر ہوگیا۔ اور بالفرض اگر الفاظ کو قطعی تسلیم کیا جائے تو معانی پھر بھی قطعاً ظنی ہیں ان کا اعتبار نہ رہا اور بلا معنی مہمل سے ہدایت صراط مستقیم کیسے ہو سکتی ہے۔ اس سے بھی قطع نظر آپ جو معانی قرآن بیان کرتے ہیں۔ ان کا کیا ثبوت کہ صحیح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے۔ اگر بالفرض اس کو بھی مان لیں تو پھر آیۃ مذکور لتبین للناس ما نزل الیھم اور یعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ الآیۃ۔ اس کا مطلب اور آپ کا ایک ہی ہے یا دو۔ اگر ایک ہے تو کیا ثبوت۔ دو ہیں تو صحیح کون سا۔ اگر امت کی عقل فہم قرآن کے لئے کافی تھی تو پھر اللہ تعالیٰ نے رسول صلعم کو معلم و مبین کیوں بنایا کیا ضرورت تھی۔ آپ کی تحریریں۔ ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ۔ الآیۃ۔ پ ۲۵ ع ۴ کا مصداق ہیں۔ ترک احکام رسل حکم خدا رد کر دی۔ آپ نے لکھا ہے کہ قرآن کے لئے کسی تفسیر کی ضرورت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے۔ جس نے قرآن کا غائر مطالعہ کیا ہو۔ تنقیحات ص ۲۱۲۔ سچ ہے۔ الجنس الی الجنس یمیل آپ پروفیسر تھے۔ لہٰذا دنیاء اسلام کے علماء ربانی اساتذہ اہل کمال پابند صوم و صلوٰۃ وغیرہ سے چشم پوشی کر کے آپ کی نظر پڑی تو پروفیسروں پر پڑی جنہوں نے برطانیہ کے سکولوں میں عموماً غیر مسلم اساتذہ عیسائی سکھ سناتن دھرمی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ جن کی صحبت میں رام لچھمن دیوی داس نپولین وغیرہ کے قصے ان کی سیرت تھے۔ برائے نام بعض مسلم اساتذہ جو عموماً نہ صوم و صلوٰۃ کے پابند۔ نہ اخلاق حمیدہ نہ کتاب و سنت سے واقف صرف عربی کتب ادب یا قصص وغیرہ کے معلم کیا یہ پروفیسر قرآن کی تفسیر بیان کریں گے۔ یا رہا سہا اسلام بھی لڑکوں کا کھو دیں گے۔ یہ تمام ادلہ مذکورہ بالا لتبین للناس ما نزل الیھم۔ الآیۃ اور یعلمھم الکتاب والحکمۃ وغیرہ کی تکذیب ہے۔ اور ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ کا مصداق ہے۔ امیر صاحب یاد رکھئے۔ بروز قیامت یہ لڑکے کہیں گے ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا (پ ۲۵۔ ع ۵)

گر ہمیں مکتب است و ایں ملا کار طفلاں تمام خواہد شد

مودودی صاحب لکھتے ہیں۔ اسلامی معاشیات۔ اسلام کے اصول عمران اور حکمت

قرآنیہ پر جدید کتابیں لکھنا ضروری ہیں۔ اس لئے قدیم کتابیں اب درس تدریس کے لئے کار آمد نہیں تنقیحات ص۲۱۷۔

میں کہتا ہوں اس تحریر سے پہلی بات یہ ثابت ہوئی کہ اسلامی معاشیات اسلام کے اصول عمران قرآن میں نہیں لہٰذا اس پر جدید کتابیں لکھنا ضروری ہیں۔ دوسری بات یہ کہ قرآن کی حکمت خود قرآن نے یا رسول صلعم نے بیان نہیں کی اور بالفرض کی بھی ہو تو اب وہ موجود نہیں قدیم کتب سب غلط ہیں۔ اس پر یہ نقض ہے کہ ان کے پہلے قول میں ہے کہ قرآن کے لئے کسی تفسیر کی ضرورت نہیں اور اب لکھ رہے ہیں کہ اسلامی معاشیات و اصول عمران اور حکمت قرآنیہ پر کتابیں لکھنا ضروری ہیں کہ یہ امور قرآن میں ہیں۔ نہیں تو قرآن کی تعلیم ناقص ہوئی! اور آیت ذیل جو آپ کے انتقال سے دو ماہ اکیس روز پیشتر حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن جمعہ کو نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ (پ۶۔ ع۵) کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا (اب اس میں کسی قسم کی کمی نہیں رہی۔ اور نہ ہی اس میں زیادتی کی گنجائش ہے) اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ (اس لئے کہ دین اسلام بہت بڑی نعمت ہے) اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا (کہ سب سے افضل ہے) اور و انزل اللّٰہ علیک الکتاب والحکمۃ و علمک ما لم تکن تعلم۔ (پ۵۔ ع۱۴) اے نبی اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن اور اس کی حکمت (معانی قرآن) نازل کئے۔ اور آپ کو وہ باتیں بتائیں جو آپ نہ جانتے تھے۔ اور لقد من اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یتلو علیہم ایاتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ الاٰیۃ (پ۴۔ ع۸)۔ البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے جب ایمان والوں میں سے رسول بھیجا تو ان پر بڑا احسان کیا۔ جو وہ اس کی نازل کی ہوئی آیتیں ان کو پڑھ کر سناتا ہے۔ اور اُن کو (وعظ و نصیحت و اثر صحبت و عمل سے کفر و شرک و رذائل) سے پاک کرتا ہے اور اُن کو قرآن پڑھاتا ہے اور اس کی حکمت اس کے معانی بتاتا ہے۔ تفسیر کرتا ہے (قول و فعل و تقریر سے) مگر قرآن میں اُن کا بیان نہیں تو بھی پہلے قول کے مناقض ہے کہ قرآن کے لئے تفسیر کی ضرورت ہے۔ پہلے انکار تھا۔ نیز یہ کہ بحکم انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم۔ الایۃ مذکورہ بالا کے مخالف اور اس کی تکذیب ہے کہ رسول اللہ

صلعم نے قرآن کی تفسیر نہیں کی۔ لوگوں کو اس کے معنی و مطلب سے ان کو شناسا نہیں کیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے رسول محمد صلعم پر اعتراض ہے کہ انہوں نے قرآن پر عمل نہیں کیا اور باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے ان کے بے عمل اور نافرمان ہونے کے ان کی اتباع فرض کی تو یہ اللہ تعالیٰ پر بھی اعتراض ہے اور یہ کفر صریح ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ رسول اللہ صلعم نے قرآن کی تفسیر تو بیان کی۔ مگر وہ کافی نہ تھی۔ یہ مراد بھی قرآن کی تکذیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاذ اللہ جس کو مبین بنایا وہ قابلِ بیان نہ تھا۔ یہ بھی قرآن کی تکذیب و کفر ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ رسول صلعم نے بیان تو کیا۔ مگر وہ بیان اب دنیا میں کسی کتاب میں ثابت نہیں۔ تو یہ بھی آیتِ مذکورہ بالا۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ جس کی تفصیل پیشتر ہو چکی ہے کے مخالف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے الفاظ و بیان کردہ معانی رسول صلعم کو اپنے ذمہ لیا ہے۔ لہٰذا کلام الٰہی کی تکذیب ہے اور واقع کے بھی خلاف ہے کہ اہلِ اسلام ائمہ اسلام تمام مذاہب متبعہ اثبات حدیث اور آپ کی تفسیر جو کتب تفسیر و حدیث میں مذکور ہے قائل و عامل ہیں اور یہ قول تمام امتِ محمدیہ اور سبیل المومنین کے خلاف ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی و نصلہ جھنم وساءت مصیراً۔ (پ ۵۔ ع ۱۴)۔

خلاصہ یہ کہ بحکم ادلہ مذکورہ جب قرآن میں دین اسلام کو کامل بنا دیا گیا اور حکمت بھی بیان کی گئی۔ کمی بیشی کی جگہ نہ رہی۔ تو اب جدید کتب لکھنا اول تو فضول ہے دوم اس کے خلاف تشریع جدید ہے۔ جو کفر ہے۔ ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ۔ پ ۲۵۔ ع ۴ کا مصداق ہے۔ پھر ان پر عمل کرنا سراسر گمراہی ہے بیدینی ہے۔ لادینی ہے۔

مودودی صاحب لکھتے ہیں۔ قرآن و سنت سب پر مقدم ہے۔ مگر تفسیر اور حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں تنقیحات ص ۱۳۳ ہ

ہم بھی قائل ہیں تیری نیرنگی کے یاد رہے او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

اس لیے کہ کبھی آپ اخبار آحاد پر نظامِ حیات کا مدار مان کر ان کو صحیح مانتے ہیں۔ تفہیمات ص ۱۳۱۔ کبھی کتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ کو قریب قریب یقینی بتاتے

ہیں۔ خلاصہ تفہیمات از صـ ۲۸۳ تا صـ ۲۸۴ صفر ۱۳۵۳ھ جون ۱۹۳۴ء۔ کبھی ان میں شک پیدا کرتے ہیں کہ کما تقدم تفصیلہ اور کبھی خبر متواتر کو کہتے ہیں کہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ وہ یقینی ہے تفہیمات صـ ۳۱۴ اور طبع سالع میں ہے کہ عقل بھی یہی فیصلہ کرتی ہے کہ وہ یقینی ہے۔ تفہیمات صـ ۲۸۶ کبھی کہتے ہیں کہ مشاہدہ عینی اور تجربہ حسی کے سوا دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو مفید یقین ہو سکتی ہو۔ تواتر کو بھی بعض اس قیاس پر یقینی سمجھا جاتا ہے کہ بہت سے آدمیوں کا جھوٹ پر متفق ہونا مستبعد ہے۔ لیکن خبر متواتر کے لیے جو شرائط ہیں وہ بہت کم ایسی چیزوں میں پائی جاتی ہیں۔ جن پر تواتر کا گمان ہوتا ہے۔ تفہیمات صـ ۲۸۴ کبھی تمام کتب متداولہ مسلمہ امت محمدیہ کا انکار جو ابھی اوپر مذکور ہے۔ کبھی سنت کو سب پر مقدم بتا کر صحت کا اقرار بھی ہے۔ بتائیے آپ کی کون سی بات کا اعتبار کیا جائے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

بتائیے آپ کا یہ تقیہ ہے یا بدا۔ آپ تو تواتر خبری کو بھی کہہ چکے ہیں کہ اس قسم کی متواتر سنتیں تو ہندوؤں، بودھوں اور دوسری قوموں میں بھی ہیں۔ تفہیمات صـ ۲۹۶/۲۹۷۔ پھر اب آپ سنت کا ثبوت کہاں سے لائیں گے۔ جس کو آپ سب پر مقدم کریں گے۔ سنت رسول اللہ صلعم کا ثبوت تو انہیں مذکورہ طریق سے تھا۔ ان سب کا تو آپ انکار کر چکے کیا وحی سے لائیں گے یا اور کسی طریق سے۔ ہاں یاد آیا۔ غالباً اس سنت سے مراد آپ کی بات ہے۔ جو آپ اپنے قیاس و خیال سے بنائیں گے۔ خواہ وہ کسی روایت ہی سے اپنے مطلب کے موافق پاکر کہہ دیں کہ ہاں یہ صحیح ہے کہ اس کا معنی میرے نزدیک صحیح ہے اور اسی طرح جو آپ قرآن کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ کیا یہ آپ کا بیان آیت ذیل کا مصداق نہیں۔

فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ۔ الآیۃ پ۱۔ ع۹۔ اس لیے کہ تحریف لفظی و معنوی دونوں کا حکم ایک ہی ہے جب آپ بیان قرآن بیان کردہ رسول صلعم کو ترک کر کے از خود تراشیں گے تو لامحالہ وہ تحریف ہی ہوگی۔ اور آپ اپنے بیان و تفسیر کو رسول اللہ صلعم کے مطابق تو ثابت کر نہیں سکتے کہ طرق مثبتہ کو آپ رد کر چکے یا مشکوک بتا چکے اور معیار صحت آپ ثابت نہیں کر سکتے سچ ہے

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

آپ کا یہ بیان آیت ذیل کا مصداق ہوگا۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ

فاولٰئک ھم الکافرون ۔ الایۃ - وفی الاخری ھم الظالمون وفی الاخری ھم الفاسقون - پ۶ ع ۱۱

مودودی صاحب لکھتے ہیں - اسلامی نظام کا درہم برہم ہو جانا - ایک عام مصیبت ہے اور ہمارے علماء و مشائخ بھی اس میں اتنے ہی حصہ دار ہیں - جتنے مدرسوں کالجوں کے نکلے ہوئے لوگ - تنقیحات صلا۲۲۔

یہ تحریر آیات ذیل کی تکذیب ہے - انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء - الآیۃ پ۲۲ ع ۱۶ - اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں - انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون - پ۱۴ ع ۱- مقرر ہمیں نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں - پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ اس کی حفاظت لفظی معنوی دونوں کی یکساں ہے - اور اوحی الیّ ھذا القراٰن لانذرکم بہ ومن بلغ الاٰیۃ - پ۷ ع ۸- اے نبی کہہ دیجئے کہ میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی - اس لئے مجھ پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے کہ میں اس کے ساتھ تم موجودین کو اور تمام ان لوگوں کو جن کو تاقیام قیامت یہ قرآن پہنچے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی دوزخ سے ڈراؤں - اس لئے کہ بحکم ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین پ۲۲ ع ۲- آپ تمام انبیاء کے بعد تشریف لائے اب جدید نہ آئے گا اور بحکم وارسلناک للناس رسولا پ۵ ع ۸ اور ہم نے آپ کو تمام دنیا کے لوگوں کے لئے رسول مقرر کر کے بھیجا ہے - وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین - پ۱۷ ع ۷- ہم نے آپ کو اور کسی وجہ سے رسول مقرر کر کے نہیں بھیجا - مگر تاقیام قیامت تمام دنیا کے لوگوں پر مہربانی کر کے بھیجا ہے اور وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ولکن اکثر الناس لایعلمون پ۲۲ ع ۹ - انبیاء سابقین کی طرح ہم نے آپ کو کسی خاص قوم وملک و زمان کے لئے نہیں بھیجا - مگر تاقیام قیامت تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر کر کے بھیجا ہے - لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین ۰ وآخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز

الحکیم۔ پ ۲ ع ۱۱۔ آیۃ و آخرین منھم سے اور آیات سابقہ سے تا قیام قیامت محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت ثابت ہے اور راسی قرآن سے تبلیغ ہے اور آپ ہی قرآن کے مبین ہیں۔ کما تقدم اور آپ کا بیان آپ کے بعد آپ کی احادیث کے ذریعہ ہے اور اس کے مبلغ و حامل سوا علماء کے اور کوئی ہے ہی نہیں۔ بلکہ اُن کے سوا سب جاہل ہیں۔ پروفیسر ہوں یا اور کوئی وہ بسبب جہالت از قرآن تبلیغ کے قابل نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے علماء ربانی ہی کو خدا ترس بتایا اور انھیں کے ذریعہ قرآن کی تبلیغ کرنے کا ذمہ لیا کما تقدم تقریرہ تو اب مودودی صاحب کا ان علماء ربانی کو اسلام کے درہم برہم کرنے والے بتانا قرآن کی تکذیب ہے اور مودودی صاحب نے کسی کا استثناء نہیں کیا۔ ہمارے علماء میں اضافت استغراقی ہے۔ اور ہاں جب سوا قرآن کے الفاظ کے مودودی صاحب کے نزدیک دنیا میں کوئی کتاب اسلام کے اصول و فروع کے لئے کار آمد نہیں اور تمام علماء اسلام اسلام کے درہم برہم کرنے والے ٹھہرے تو پھر مودودی صاحب کو اسلام اور قرآن اور اس کے معانی کس کے ذریعہ پہنچے۔ کیا شکم مادر سے لے کر آئے تھے تو پھر سال ہا سال برطانیہ کے سکولوں میں کیوں پڑھتے رہے وہ بھی انگریزی خصوصاً غیر مسلموں سے پڑھنے کی کیا ضرورت تھی یا کیا نبوت کا دعویٰ یا خیال ہے۔ خدا خیر کرے باتیں تو آپ کی اسی قسم کی ہیں۔ دیکھیے اونٹ کس کل بیٹھتا ہے اور ہاں پھر مودودی صاحب زمرہ علماء میں ہیں یا جہلاء میں یعنے جاہل از علم قرآن اگر علماء میں تو پھر آپ بھی دین بگاڑو ہوئے۔ اور آپ کے پیرو آپ کے ساتھ اور اگر علماء سے خارج تو جہلاء کی باتیں بھی جہالت و گمراہی ہے۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں اسلامی اصطلاح میں جس کو فرشتہ کہتے ہیں وہ تقریباً وہی چیز ہے۔ جس کو یونان و ہندوستان میں دیوی دیوتا قرار دیا ہے۔ انتہیٰ۔ تجدید و احیاء دین صہ ۱ ہندوستان میں دیوتا سورج چاند ابر بادل ہوا پانی آگ آدمی مرد ہو تو دیوتا اور عورت ہو تو دیوی قرار دیا گیا ہے۔ مہاتما بدھ کو دیوتا اور راجہ چندر گپت کی رانی لکشمی کو دیوی قرار دیا گیا ہے۔ متھرا شہر کے مندروں عمارتوں کو دیوتاؤں نے بنایا تھا۔ سومنات کے مندر میں چاند دیوتا کا بت تھا۔ تاریخ ہند و پاکستان پہلا حصہ۔

اللہ اللہ یہ کتنی بڑی قرآن کی مخالفت یا تحریف ہے کہ ملک کا ترجمہ فرشتہ ہے۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں اول سے آخر تک بکثرت آیا ہے۔ واذ قال ربک للملائکۃ

انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ الآیۃ پ۱ ع۴۔ من کان عدوا للہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدو للکافرین۔ الآیۃ پ۱ ع۱۲۔ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتاب والنبیین ...... الی قولہ۔ اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون۔ پ۲۔ ع۶۔ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل اٰمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ پ۳ ع۸۔ وتری الملائکۃ حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم الآیۃ پ۲۴ ع۵۔ والنازعات غرقا والناشطات نشطا والسابحات سبحا۔ فالسابقات سبقا۔ فالمدبرات امرا۔ پ۳۰ ع۲۔ ملائکہ یا فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جو سورج چاند ہوا بادل آگ انسانوں جنوں وغیرہ سے جدا ہے (جن کی پیدائش نور سے ہے۔ حدیث صحیح مسلم) مودودی صاحب نے بدھ اور لکشمی رانی چندر گپت کی زوجہ کو بھی فرشتوں میں شمار کیا ہے حتیٰ کہ بعض ہندوؤں نے ہنومان بندر کو بھی دیوتا مانا ہے۔ پھر کیا یہ قرآن یا شریعت کی تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔ ملائکہ یا فرشتوں سے اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا فرشتوں پر ایمان لانا۔ اور اللہ تعالیٰ کے صالح بندے ہونا۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے بعض بعض کاموں پر مقرر کر رکھا ہے۔ اور اُن کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ جنت و دوزخ پر مقرر ہیں۔ ان کا حاملانِ عرش الرحمان ہونا ثابت ہے وہ آسمانوں پر بھی ہیں۔ زمین پر بھی وہ نہ جن ہیں نہ انسان۔ ان میں انسانی خواہشات اکل شرب جماع وغیرہ کی خواہش نہیں۔ ہاں کفار کا خیال تھا کہ وہ بنات اللہ ہیں۔ معاذ اللہ۔ اللہ کی بیٹیاں بتاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے مودودی صاحب نے انھیں کو دیوی قرار دیا ہے تو یہ ان کی تقلید ہے۔ ہاں آپ کے نزدیک متھرا کے پجاری بھی فرشتے ہیں۔ معاذ اللہ یہ قرآن کی مخالفت ہے۔ تحریف ہے۔ ہاں ہاں پروفیسر ایسے ہی قرآن کی تفسیر کر لی جانتے ہیں۔ جب ہی تو آپ نے فتویٰ دے دیا ہے کہ قرآن کے لئے کسی تفسیر کی ضرورت نہیں۔ ایک پروفیسر انگریزی دان کافی ہے۔

قضاۃ الدھر قد ضلوا فقد بانت خسارتھم۔ اباعوا الدین بالدنیا فما ربحت تجارتھم

جامع ترمذی میں حدیث ہے۔ من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ

من النار۔ مشکوٰۃ صـ۳۵۔ جو بلا وساطت رسول صلعم صرف اپنی عقل سے غلط سلط قرآن کی تفسیر کرتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بناتا ہے۔ ایک اور حدیث ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ جب عالم ربانی مرجائیں گے تو لوگ قرآن سے بے بہروں کو اپنا سردار بنالیں گے۔ پھر وہ لوگ ان سے فتوٰی پوچھیں گے وہ فتوی دیں گے پھر وہ خود بھی گمراہ ہوں گے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔ متفق علیہ۔ مشکوٰۃ صـ۳۳ جلد ا۔ دوسری حدیث میں حضورؐ نے فرمایا۔ اذا وسد عـہ الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ صحیح بخاری۔ مشکوٰۃ صـ۴۶۹ ج ۲۔ یہ آثار قیامت میں سے ہے۔ سائل صاحب آپ نے دریافت کیا ہے کہ ہم کو لٹریچر مذکور والے ہم کو بلاتے ہیں ہم کیا کریں۔ تو جواب یہ ہے کہ تحقیق مذکور سے حق واضح ہو گیا ہے کہ لٹریچر مذکور غلط ہے باطل ہے۔ ان میں داخل ہونا دوزخ میں دیدہ و دانستہ داخل ہونا ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ میرے بعد آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جو میری سنت کو چھوڑ کر اپنا الگ مسلک ایجاد کریں گے اور وہ دوزخ کی طرف لوگوں کو بلائیں گے۔ جو ان کی دعوت قبول کرے گا اُن کی بات مانے گا اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے۔ متفق علیہ۔ مشکوٰۃ صـ۴۶ ج ۲۔

مرادِ ما نصیحت بود کردیم — حوالت با خدا کردیم ورفتیم
اندکے با تو بگفتم و بدل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

راقم ابو سعید شرف الدین دہلوی

عـہ لفظ امر حکومت وغیرہ ہر قسم کے انتظامات اداروں اور درس تدریس، وعظ جمعیت انجمن کی صدارت افتا تصنیف وغیرہ ہر شے کو شامل ہے۔ ۱۲ منہ

شیخ ابن العربیؒ کی بابت سوال

(۱) اکثر علماء اور خصوص گروہ صوفیائے کرام شیخ محی الدین ابن عربیؒ شیخ اکبر (جن کی مشہور تصانیف فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ وغیرہ ہیں) کو مقدس بزرگ مانتے ہیں۔ اور بعض علماء شیخ مذکور کو مسئلہ وحدۃ الوجود کے قائل ہونے کی وجہ سے جو ان کی تصانیف سے ظاہر ہے۔ کفر و الحاد کی طرف منسوب کر کے دائرۂ اسلام سے خارج فرماتے ہیں۔ اور بڑے بڑے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ خصوص آپ پر اور اہل علم پر ان کی تصانیف سے شیخ موصوف کے خیالات اور ان کی تحقیقات پوشیدہ نہ ہوں گی اور فصوص شیخ مذکور کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے اور مسلمانوں کو کیا ظن رکھا جائے۔ امید ہے کہ اشد ضرورت کی وجہ سے بہت جلد جواب سے تشفی فرمائیں گے۔

محمد سلیمان سوداگر چرم چرلہ علاقہ نظام

جواب: مسئلہ تکفیر شیخ ابن العربیؒ بہت نازک ہے۔ مولانا نواب صاحب بھوپال مرحوم "تکثار" میں علامہ شوکانی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے چالیس سال تک شیخ کی تکفیر کی۔ آخر میری رائے غلط معلوم ہوئی۔ تو میں نے رجوع کیا۔ نواب صاحب مرحوم شیخ ممدوح کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور مولانا نذیر حسین المعروف حضرت میاں صاحب دہلوی شیخ ممدوح کو "شیخ اکبر" لکھتے ہیں۔ (معیار الحق ص۱۲۸)

حضرت مجدد سرہندی بھی شیخ موصوف کو مقربان الٰہی سے لکھتے ہیں۔ بڑی وجہ آپ کی مخالفت کی مسئلہ وحدۃ الوجود ہے۔ سو دراصل اس کی تفسیر پر مدار ہے۔ جیسی اس کی تفسیر کی جائے ویسا ہی اس کا اثر ہوگا۔ خاکسار کے نزدیک اس کی صحیح تفسیر بھی ہو سکتی ہے۔ جس کا ذکر کبھی کبھی اہل حدیث میں کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ خفگی کی ایمان فرعون ہے مگر شیخ کا قول مندرجہ "فتوحات" اس خفگی کا ازالہ کرتا ہے شیخ موصوف نے فتوحات میں فرعون کو مدعی الوہیت لکھ کر ابدی جہنمی لکھا ہے۔ اور کسی مقام پر اس کے خلاف ملتا ہے تو وہ متروک ہے یا مأول۔ اس لئے خاکسار کی ناقص رائے میں بھی شیخ ممدوح قابل عزت لوگوں میں ہیں۔ رحمہ اللہ۔

۲۶ محرم ۱۳۴۳ھ

سوال، کوئی برتن پیتل وغیرہ کا ہو اور اس میں دودھ یا پانی رکھا ہو اور غیر مذہب کا آدمی اوپر سے برتن کو چھو دے تو اور اس کا ہاتھ اس کے اندر نہ لگے تو اس کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اسلام میں چھوت چھات نہیں اس لیے کسی غیر مسلم کے ہاتھ لگنے سے ناپاک نہ ہوگا

۱۷ر محرم ۳۴۲ھ

سوال: ایک شخص امام مسجد ہے وہ مسجد الصلوٰۃ والسلام علیک[1] یارسول اللہ باواز بلند بعد جماعت کے پڑھتا ہے دوسرے آدمی بھی اس کے پڑھنے کے سبب سے اس کے شریک ہو جاتے ہیں ایسا آدمی گنہگار ہے یا نہیں۔

نور حسین گھر جاکھی

جواب: شخص مذکور بدعتی ہے۔ اس طرح کا وظیفہ شرع شریف میں ثابت نہیں جتنے آدمی اس کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ سب گنہگار ہیں وظیفہ خاص کر بعد نماز وہی وظیفہ پڑھنا چاہیئے جو شریعت میں آیا ہو۔

۸ر اکتوبر ۱۵ء

سوال: لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ یہ حدیث ہے یا قول اور کس کتاب میں ہے؟

جواب: لولاک[2] حدیث نہیں ہے۔ خدا جانے کس کا قول ہے جو بلحاظ معنی کے صحیح نہیں۔

۸ر اکتوبر ۱۵ء

شرفیہ: یہ روایت صحیح نہیں ہے محدثین نے اس کو موضوع بتایا ہے۔ دیکھو الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للامام الشوکانی وموضوعات کبیر للملا علی القاری وغیرہ اور بعض نے جو حاکم کی روایت فلولا محمد ما خلقت آدم ولا النار الحدایث کو اس کی تائید میں پیش کیا ہے کہ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور بلقینی نے اس کو برقرار رکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ذہبی نے اس کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ کسی کو حلال نہیں کہ مستدرک حاکم دیکھے یا اس پر اعتبار کرے جب تک وہ میری تلخیص کو نہ دیکھ لے اور حاکم کا تساہل محدثین میں مشہور ہے۔ امام ذہبیؒ نے کہا ہے کہ حدیث میں عمرو بن اوس ہے۔ نہیں معلوم وہ کون

---

[1] کہنا یارسول اللہ و یا ولی اللہ کا جو ہندیوں کی عادت ہے۔ اٹھتے بیٹھتے کہا کرتے ہیں۔ سارے فقہائے حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے۔ (جلد اوّل ص ۳۴۲ مجموعۃ الفتاویٰ مولانا لکھنوی مرحوم)

[2] اس حدیث کو محدثین نے موضوع یعنی جھوٹی اور جعلی قرار دیا ہے۔
(الجبعۃ یکم ستمبر ۵۲ء)

ہے۔ لا یدری من ہو یعنی عمرو بن اوس یجھل حالہ واتی بخبر منکر اخرجہ الحاکم مستدرکہ واظنہ موضوعا من طریق جندل بن واثق حدثنا عمرو ابن اوس حدثنا سعید عن ابی عروبۃ عن قتادۃ عن سعید بن المسیب عن ابن عباس قال اوحی اللہ الی عیسی آمن بمحمد فلولاہ ما خلقت آدم ولا الجنۃ والنار الحدیث میزان الاعتدال ا ایسے ہی ایک روایت حاکم اور ابن عساکر سے تائید میں بیان کی جاتی ہے۔ لیکن تمام واہی تباہی ہیں کوئی بھی صحیح نہیں۔

سوال: اگر ہندو کسی بیماری یا مصیبت میں اللہ کی نذر مانے کہ بیماری سے چھوٹنے پر مسجد میں شیرینی دیں گے تو یہ ہندو کی نذر مانی ہوئی چیز کھانی جائز ہے نہیں۔

عبد العزیز ضلع چھپرہ

جواب: نذر لغیر اللہ ہے تو کھانا منع ہے۔ ۷ ررمضان ۳۳ھ

سوال: معراج امتی کی حدیث صحیح ہے یا نہیں یہ کونسی حدیث میں ہے۔

جواب: یہ کوئی حدیث نہیں درمختار کے دیباچہ میں لکھی ہے جو محدثین کی روایت سے ثابت نہیں۔ صاحب سفر السعادت نے بھی اس کو بے ثبوت کہا ہے ۲۵ رشعبان ۳۳ھ

سوال: فرشتہ کوئی چیز نہیں بلکہ ایک قوت ہے؟

جواب: فرشتہ ایک مخلوق ہے جس کی بابت ارشاد ہے جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ۔ ۲۸ رمئی ۱۵ء

سوال: حدیثوں میں محققین اسلام نے سب سے زیادہ معتبر کس کتاب کو مانا ہے۔ عبد الرحمن رنگون

جواب: صحیح بخاری اور مسلم کو۔ ۱۶ رجمادی الاول ۳۳ھ

لہ کتب احادیث کو سامنے رکھ کر محدثین کے مقررہ عنوانات باب پر ایک نظر ڈالی جائے (تو) کتاب کے جملہ ابواب اور ان کے عنوانات کی مکمل فہرست دیکھنے کے بعد ایک صاحب بصیرت انسان کے سامنے ان احکام دین اور مسائل شرع کی کامل و مکمل صورت آجاتی ہے۔ جن پر ابواب کے ماتحت ذکر کی ہوئی احادیث دلالت کرتی ہیں۔ محدثین کرام نے احکام و مسائل کے استنباط و استخراج کے سلسلے میں جس دقیقہ سنجی اور باریک بینی اور خداداد فراست اور بصیرت اور الہامی قسم کی فقاہت کا ثبوت دیا ہے۔ یہ محض ان ہی کا حصہ ہے۔

(از مولانا عبد الجلیل صاحب رحمانی ناظم دار العلوم ششنیاں ضلع بستی مصباح جلد اول ص)

شرفیہ: صحیح بخاری مقدم ہے مگر حجۃ اللہ البالغہ میں طبقہ اولیٰ میں موطا امام مالک اور صحیح بخاری و صحیح مسلم لکھا ہے۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلے اللہ نے نور محمدی کو پیدا کیا یہ خیال صحیح ہے یا غلط؟

جواب: نور محمدی کی پیدائش کا ذکر جیسا کہ قصوں اور وعظوں میں بیان کیا جاتا ہے قرآن اور حدیث میں نہیں ملتا۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ روایات موجب اعتقاد نہیں۔

(۱۱ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ)

شرفیہ: صحیح بخاری کی مرفوع حدیث ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّاَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۵

اگر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نور محمدی کو پیدا کیا تھا۔ تو پھر حضور صلعم کو سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تحصیل حاصل تو باطل ہے پس ثابت ہوا کہ وہ روایتیں بالکل جھوٹی ہیں۔

سوال: گوشت خنزیر کیوں حرام ہوا؟

جواب: خنزیر کا گوشت اخلاق میں مضر ہے اس کی حرمت بائیبل اور منوسمرتی میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب احبار ب ۱۱۔ فقرہ ۷۔ منوسمرتی باب ۵۔ فقرہ ۱۹۔

(اہل حدیث ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ)

شرفیہ: اس قسم کے سوالات ہی باطل ہیں۔ اس لیے کہ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو

---

[1] واضح ہو کہ جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلق ارواح و اشیاء رجو عالم غیب کے اندر ہوا ہے۔ اس میں آپ کے خلق کا تقدم تمام مخلوقات سے معلوم ہوتا ہے اور اس مضمون پر حدیث اول ما خلق اللہ نوری سے استدلال کرتے ہیں تو ماہران اصول حدیث و فقہ پر مخفی نہیں کہ حدیث معلق بلا سند قابل استدلال و احتجاج کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ اقسام مردود سے ہے کذا فی النخبۃ وشرحھا اور اسی طرح سے حدیث مروی راویان مجہول سے لائق تسلیم نہیں۔ اس صورت میں حدیث اول ما خلق اللہ نوری کا متصل مرفوع اور صحیح ہونا حسب قواعد محدثین صاحبان تخریج کے تحریر فرماویں تو مقبول ہوگی بلاریب۔ اور مشکوٰۃ میں خلاف اس حدیث مشہور با فواہ عوام کے مذکور ہے۔

عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ القلم الخ

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲)

خنزیر ہی کیوں بنایا۔ انسان کیوں نہ بنایا و بالعکس ایسے ہی ایک کو مرد، ایک کو عورت وجہ ترجیح کیا اور مرے سے بنایا ہی کیوں پھر بعض عورتوں مثلاً ماں بہن سے نکاح حرام اور بعضوں سے جائز کیا وجہ پھر ان صورتوں کا کیا کوئی جواب دے سکتا ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ایسے سوال باطل ہیں۔

سوال: وسیلہ کے لفظی معنی اور اس کا اطلاق کس کس پر ہوتا ہے۔ وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کا کیا حکم ہے بعد اذان کے دعا آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ۔ عبد الرحمٰن جامی کا شعر ہے

؎ اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم ‏ ‏ ‏ نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

اس مضمون کو اخبار میں جگہ دی جاوے۔

جواب: وسیلہ کے معنی لغت عرب قاموس وغیرہ میں لکھے ہیں۔ قرب اور تقرب یعنی خدا کے نزدیک مرتبہ قرب۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اس آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ اے مسلمانان بترسید از خدا و بطلبید قرب بسوئے او یعنی حکم ہوتا ہے۔ مسلمانو! نیک اعمال کے ذریعہ خدا کا قرب تلاش کرو۔ اذان کے بعد دعا میں جو وسیلہ کا لفظ آتا ہے اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ اے خدا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قرب میں ترقی دے۔ مولانا جامی مرحوم کا شعر شاعرانہ محبت اور بعض غیر صحیح اقوال پر مبنی ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ حضرت آدم نے توبہ کرتے وقت کہا تھا کہ اے خدا بطفیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے میرا گناہ معاف فرما۔ لیکن یہ کسی صحیح سند کے ساتھ آنحضرتؐ سے روایت نہیں آئی۔ ۲۰ مارچ ۱۹۱۵ء

تشریح: جو شعر سوال میں لکھا ہے وہ باطل قول موضوع روایت پر مبنی ہے۔ اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے قَالَ اللهُ تَعَالىٰ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ الآیۃ (پ ۱۵ ع ۴)

سوال: حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ایک وقت قحط آیا تو اس وقت حضرت عباسؓ وفات پاچکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے چند لوگوں کو جمع کر کے عباسؓ کے روضہ پر جاکر توسل جاہ کر دعا مانگی فوراً بارش ہوئی۔

جواب: زندوں کا وسیلہ تو اس طرح جائز ہے کہ ان کو کہا جائے آپ ہمارے لئے دعا کریں۔ مردوں کا اس طرح جائز نہیں۔ کیونکہ وہ سنتے نہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو زندگی میں کہا تھا کہ آپ ہمارے ساتھ چلئے۔ بارش کے لئے آپ کے ساتھ دعا مانگیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضورؐ کے ساتھ مانگا کرتے تھے۔ اب آپ کے ساتھ

مانگتے ہیں یعنی حضرت عباس رضؓ نے دعا کی اور باقی لوگوں نے آمین کہی۔ (۲۱ شوال ۴۲ھ)

سوال: یا علی مدد جو لوگ کہتے ہیں اس میں شرک لازم آتا ہے یا نہیں۔

جواب: نماز کی ہر رکعت میں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پڑھتے ہیں۔ یا علی مدد کے برخلاف ہے۔ لہٰذا شرک ہے (۱۱ ذی الحجہ ۴۳ھ)

سوال: امت محمدیہ میں سب قوم جو اس دنیا میں ہیں داخل ہیں یا نہیں۔ مسلمان ہو یا ہندو سب ملا کر تہتر فرقے ہوں گے یا مسلمانوں ہی میں تہتر فرقے ہو کر ایک ناجی باقی سب ناری ہوں گے۔

جواب: تہتر فرقے جو حدیث میں آتے ہیں وہ صرف مسلمانوں کے مراد ہیں۔ عام کفار کے فرقے مراد نہیں۔ کفار امت دعوت میں ہیں امت اجابت میں نہیں (۲۸ ربیع الثانی ۴۵ھ)

سوال: آیات دعائے احادیث مرویہ کو شفا کے لئے لکھ کر تعویذ بنا کر عورت یا بچے کے گلے یا بازو میں لٹکانا حالت طہارت میں جائز ہے یا نہیں اور بے نماز اور اہل ہنود لٹکا سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب: مسئلہ تعویذ میں اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ آیات یا کلمات صحیحہ دعائیہ جو ثابت ہوں ان کا تعویذ بنانا جائز ہے۔ ہندو ہو یا مسلمان۔ صحابہ کرام رضؓ نے ایک کافر بیمار پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا۔ (۱۲ جمادی الاوّل ۴۵ھ)

شرفیہ:۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص صحابی اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ وعقابہ وشر عبادہ الخ ساری دعا ماثور لکھ کر اپنے بچوں کے گلے میں لٹکا دیا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ ص۲۱۷ ج ۱۔ بحوالہ سنن ابی داؤد و ترمذی اس وقت کتاب پاس نہیں ورنہ محدث ابن قیمؒ کی کتاب زاد المعاد سے بھی کچھ نقل کرتا اس میں بھی کچھ لکھا ہے [1]

سوال: قال اللہ تعالیٰ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی الخ۔ وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ الایۃ

احادیث نبویہ "عُلِّمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ عُلِّمْتُ مَا كَانَ وَمَا یَكُوْنُ۔

زید آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ مذکورۃ الصدر وغیر ذالک کے رو سے حضرت نبینا علیہم

[1] مزید تفصیل ص۶۱۲ پر ملاحظہ کیجیے۔

الصلوٰۃ والسلام کی نسبت عالم الغیب ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے اور دعویٰ سے کہتا ہے کہ آیات و حدیث مرقومہ سے ثابت ہو چکا۔ کہ حضرت کو علم غیب حاصل ہے اور حضرت جمیع مغیبات کے عالم ہیں اور جو آیات و احادیث نفی علم غیب کے متعلق وارد ہیں اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ یہ آیات و احادیث اس زمانہ کی ہیں۔ جس وقت آپ کو ان امور کے متعلق علم غیب نہیں عطا ہوا تھا۔ بہ تدریج آپ کو مغیبات کا علم عطا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ حضور کی زندگی کے آخری دور میں امور خمسہ یعنی بارش کب ہوگی، اور کل کیا ہوگا۔ حاملہ عورت کے بطن میں کیا ہے۔ وغیر ذالک۔ سب کا علم آپ کو عطا کیا گیا۔ آپ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ سے ہر چیز کو جانتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ علم باری تعالیٰ حقیقی و ذاتی ہے۔ و علم نبوی اضافی و عطائی۔ مگر مغیبات کا علم خدا اور رسول خدا دونوں کو حاصل ہے۔

آپ براہ کرم بحوالہ قرآن و حدیث و دیگر کتب معتبرہ فقہ اس مسئلے کا مدلل و مفصل جواب تحریر فرمایئے۔ اور اپنے پرچہ اہل حدیث میں شائع فرمایئے اور یہ بھی تحریر فرمایئے کہ محدثین و مفسرین و فقہائے علم غیب کی کیا تعریف کی ہے۔ اور تعریف کی رو سے حضرت نبی علیہ السلام کے علم پر غیب کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں۔ مدلل فرمایئے۔

جواب: علم غیب کی تعریف ہے۔ کل اشیاء موجودہ کو جاننا۔ وہ اشیاء گذشتہ زمانے میں موجود ہو چکی ہوں۔ یا اب ہوں۔ یا آئندہ کبھی ہونے والی ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں علم غیب کا اعتقاد رکھنا۔ اسلام کے مذاہب معتبرہ میں سے کوئی ایک مذہب بھی نہیں۔

فقہائے حنفیہ مثل محدثین اس عقیدے کو کفر لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو! شرح فقہ اکبر وغیرہ قرآن مجید میں اس کی صاف نفی ہے۔ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ۔ یعنی اے پیغمبر علیہ السلام تم ان کو کہہ دو کہ میرے پاس خدا کے خزانے نہیں نہ میں غیب جانتا ہوں۔ آیت اولیٰ کو بڑی شد و مد سے بیان کیا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ اس کو بیان کرنے والے اور تو اور اصول اور معقول سے بالکل بے خبر ہیں۔ اصول حنفیہ تو یہ ہے۔ کہ مستثنیٰ احکم نہیں ہوتا۔ پھر مستثنیٰ سے کے ساتھ استدلال کیوں کر ہو! اور اگر مان بھی لیں کہ مستثنیٰ میں حکم ہے تو حسب قواعد معقول مستثنیٰ منہ کی نقیض ہوگا۔ اور نقیض موجبہ کلیہ کی سالبہ جزئیہ اور سالبہ کلیہ کی موجبہ جزئیہ ہوگی۔ دائمہ کی مطلقہ عامہ! یہ نہیں

کہ سالبہ کلیہ کی موجبہ کلیہ ہو! اور دائمہ سالبہ دائمہ سالبہ ہو۔ پس حسب قواعد منطقیہ مستثنیٰ۔ الا من ارتضیٰ الخ کے معنی وہ ہوں گے جو مستثنیٰ منہ کی بمنزلہ نقیض ہوگی۔ چونکہ مستثنیٰ منہ بلحاظ موضوع اور بلحاظ اوقات دونوں طرح سالبہ کلیہ ہے۔ اس لئے مستثنیٰ دونوں حیثیتوں سے موجبہ جزئیہ ہوگا۔ یعنی یہ معنی ہوں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ بعض نبیوں کو بعض اوقات اپنے علم کی بعض باتوں پر اطلاع دیتا ہے جس سے نہ کسی کو انکار ہے۔ نہ یہ علم غیب ہے۔ دوسری آیت کے معنی بھی صاف ہیں۔ کہ نبی کو جو علم غیب بطریق مذکور جتنا ملتا ہے۔ وہ اس پر بخل نہیں کرتا۔ بلکہ سب کھول کر سنا دیتا ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔

تیسری آیت کی تفسیر کرنے سے پہلے یہ بتانا مناسب ہے کہ اس قسم کی آیت ہم عام مسلمانوں کے حق میں بھی ہے یعلمکم مالم تکونوا تعلمون۔ یعنی تم کو نبی وہ باتیں سکھاتا ہے۔ جو تم نہیں جانتے تھے) مطلب یہ ہے۔ کہ دین کی باتیں جو تم نہیں جانتے تھے وہ تم کو سکھائیں۔ اسی طرح آنحضرتؐ کو خطاب ہے کہ اے نبیؐ جو کچھ تو نہیں جانتا تھا۔ وہ تجھ کو سکھا دیا۔ اس سے نہ مسلمانوں کا علم غیب ثابت ہوا نہ آنحضرتؐ کا۔ اسی طرح علم الاولین" میں علم مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے یعنی جتنا کچھ پہلے اور پچھلے لوگوں کو خدا کی معرفت حاصل تھی۔ اور ہوگی وہ سب مجھ (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کو حاصل ہے۔ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس کا غیب سے کیا تعلق" مختصر یہ ہے۔ کہ ؎

علم غیبی کس نمی داند بجز پروردگار   ہر کہ گوید من بدانم تو از و باور مدار
مصطفےٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتی جبرئیل   جبرئیل ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

(۸ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ) ع ہ

علم غیب ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس پر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور کتب فقہ وغیرہ متفقہ طور پر گواہی دے رہی ہے کہ غیب سوائے اللہ وحدہ لاشریک کے کسی کو معلوم نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی ولی یا نبی کی نسبت یہ اعتقاد رکھے تو وہ مشرک اور کافر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

من یعتقد ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب فہو کافر لان علم الغیب صفۃ من صفات اللہ سبحانہ (مرأۃ الحقیقۃ مصری صفحہ

جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ غیب کا جاننا اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے۔

از مولانا محمد حسین صاحب گھر جاکھی اہلحدیث سوہدرہ ١٦/٢٤ اکتوبر سنہ ١٩٥٠ء

الجواب از حضرت العلامہ مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

ایسی بہت ساری حدیثیں ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم عالم الغیب نہ تھے (١) عن ام العلاء قالت قال النبی صلعم واللہ لا ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم رواہ البخاری (مشکوٰۃ باب البکاء والخوف ص٤٥٨) (٢) صحیح مسلم ج ١ ص١٤٦ میں ہے کہ ایک یہودی نے چند باتیں آنحضرت صلعم سے دریافت کیں تو آپ نے جواب دے کر صحابہ سے ارشاد فرمایا۔ لقد سالنی ھذا عن الذی سالنی عنہ ومالی علم بشیء منہ حتی اتانی اللہ بہ۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے بتلانے سے آپ کو علم ہوا (٣) ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک بار جوتا پہن کر نماز پڑھائی اس میں گندگی تھی آپ کو اس کا علم نہ تھا جب نماز میں جبرئیلؑ نے بتایا تو آپ نے اسے اُتارا۔ قال ان جبرئیل اتانی فاخبرنی ان فیھا قذرا الخ (ابوداؤد مطبوعہ مصر ص١٠٦ ج ١) (٤) ابن ماجہ میں ہے مسعود کی بیٹی عفراء نے کہا کہ آنحضرت صلعم میرے یہاں میری شادی کی صبح کو تشریف لائے لڑکیاں گا رہی تھیں انہوں نے اپنے شعروں میں کہہ دیا۔ وفینا نبی یعلم ما فی غدٍ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اما ھذا فلا تقولوہ ما یعلم ما فی غد الا اللہ (١٣٨) آنحضرت صلعم نے اپنے علم غیب کی خود نفی کر دی۔ (٥) عن جابر سمعت النبی صلعم یقول قبل ان یموت بشھر تسالونی عن الساعۃ وانما علمھا عند اللہ الخ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص٤٧٢ باب قرب الساعۃ) قیامت کا علم آپ کو تا وفات نہ ہوا۔ (٦) قیامت میں آپ سے کہا جائے گا۔ انک لا تدری ما احدثوا بعدک (بخاری ص٦٦٥ ج ٢)۔ (٧) حضرت عائشہ رضؓ کا ہار سفر میں گم ہو گیا۔ آنحضرت کو پتہ نہ تھا کہ کہاں گرا ہے (بخاری تیمم) (٨) حضرت عائشہ رضؓ کو تہمت لگی۔ ٣٧ دن تک وحی بند رہی۔ آنحضرتؐ کو پتہ نہ تھا کہ واقعہ کیا ہے؟ آپ حضرت عائشہ رضؓ سے فرماتے ہیں

ان کنت الممت بذنب فاستغفری اللہ وتوبی الیہ (بخاری ص۶۹۵ جلد ۲)

(۹) صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے انصار کو تابیر نخل سے منع فرمایا۔ اس سے پھل کم پیدا ہوا۔ اور اس بات کا آپ کو علم نہ تھا۔ آپ نے خود فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم (صفحہ ۲۶۴ ج ۲)

(۱۰) آپ نے فرمایا میرے پاس جھگڑنے والے آتے ہیں۔ ان کو سچا سمجھ کر ان کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہوں۔ (بخاری ص۱۰۶۵ جلد ۲) معلوم ہوا کہ اصل حقیقت کا آپ کو علم نہ ہوا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

(ارسال کردہ حضرت مولانا جھنڈے نگری)

سوال: قرآن مجید ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ یعنی مشرکین ناپاک ہیں مشرکین بعض ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو مشہور اہل کتاب کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز اور ان کا کھانا بھی جائز ہے۔ لیکن قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں۔ جس میں نبی اور کتاب ان ہی کی زبان میں نہ بھیجی گئی ہو! اب دل میں یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ جس حالت میں تمام دنیا اہل کتاب ہے۔ تو اجتناب کس سے۔ اور مشرکین سے مراد اگر ہر شخص ہو سکتا ہے جو شرک کرے۔ تو اس میں مسلمان بھی شامل ہوتے ہیں۔ اکثر علماء کا یہ بھی فتویٰ ہے کہ آدمی جب تک لا الٰہ الا اللہ کہے چاہے عمل کچھ بھی ہو! تو وہ مسلمان ہی ہے۔ اب جناب مفصل اس کا جواب دیں کہ تطبیق اس میں کیوں کر کی جاوے۔ اور ان کا کھانا۔ کس صورت میں جائز ہے۔ ایک حدیث شریف میں یہ بھی ذکر ہے کہ اہل کتاب کے برتنوں میں نہ کھاؤ۔ لا تاکلوا فی صحافھا الخ

جواب: قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ پر شرک ثابت کرنے پر بھی مشرکین سے مراد بت پرست قومیں ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ یعنی اہل کتاب اور مشرک لوگ تمہارے حق میں بھلائی نہیں چاہتے وغیرہ۔ نیز فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ۔ ہندوستان کے ہندو بھی چونکہ کھلے بت پرست ہیں اور ان کی کتاب کی تصدیق قرآن مجید میں مخصوص طور پر نہیں آئی۔ اس لئے ان کو بت پرستی کی وجہ سے مشرکین ہی میں داخل سمجھنا چاہیے۔ دوسری قسم کے مشرک وہ ہیں۔ جو کسی قسم کا کوئی کام از قسم شرک کریں۔ وہ اللہ کے نزدیک یقیناً مشرک ہیں۔ چاہے کلمہ توحید پڑھتے ہوں! ارشاد خداوندی عام ہے۔ اِنَّ اللہ

لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (ترجمہ خدا مشرک کو کبھی نہ بخشے گا۔ اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا)

اس قسم کے مشرکوں کے لئے دو مختلف احکام ہیں۔ دنیاوی اور آخروی۔ دنیاوی حکم تو یہ ہے کہ بوجہ کلمۂ اسلام، اسلام میں سمجھے جائیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن سے نکاح میراث وغیرہ جاری رہے۔ تاوقتیکہ کوئی عقیدہ کلمۂ اسلام کے صریح متضاد نہ رکھیں۔ اُخروی حکم ان کا بھی وہی ہے جو دوسرے مشرکوں کا ہے۔ اہل کتاب کے برتنوں کو دھو لینے کا حکم ہے۔ کیونکہ وہ خنزیر شراب وغیرہ کھاتے پیتے ہیں۔ اس لئے ان کے برتنوں کو دھو کر ان میں کھانا چاہیئے (۲۱ جمادی الثانی ۴۹ھ)

سوال: سورہ ق میں ہے۔ وَقَالَ قَرِیْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَیَّ۔ یعنی یہ میرے پاس موجود تھا۔ اس سے مُراد ہمزاد ہے۔ یعنی یہ جو مشہور ہے کہ انسان کے بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے ساتھ ایک ہمزاد پیدا ہوتا ہے۔ اور بڑا ہو کر یا جب کبھی مرتا ہے تو وہ ہمزاد بھی مرجاتا ہے۔ واقعی ہمزاد کا حدیث میں ثبوت ہے یا نہیں۔ اور اگر یہاں ہمزاد مُراد نہیں ہے تو قیامت میں یہ لفظ کون کہے گا۔

جواب: ہمزاد سے مُراد اگر شیطانی نسل ہے تو قَرِیْنُهٗ سے ہمزاد مراد لینا چاہیئے کیونکہ قرآن شریف میں شیطان کی جماعت اور ذریت کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔[1] اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗ اَوْلِیَآءَ۔ یعنی۔ پس وہی ذریۂ شیطانی ہمزادِ انسانی ہے۔

(۱۸ جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ)

سوال: محدثین کے اصول میں سنت و مستحب کی تعریف کیا ہے۔

جواب: محدثین[2] کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ تو ان اصطلاحی ناموں کا قائل ہی نہیں اس کا اصول ہے کہ جو کام جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ اسی طرح کر دیا جائے۔

---

[1] وہ شیطان اور اس کا خاندان تم (انسانوں کو) ایسی جگہوں سے دیکھ لیتا ہے جہاں سے تم نہیں دیکھ سکتے پس کیا تم ان کو اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے کھلے دشمن ہیں۔ ۱۲

[2] حافظ سیوطی تدریب الراوی میں محدث کی تعریف ان لفظوں میں کرتے ہیں۔ انما المحدث من عرف الاسانید والعلل واسماء الرجال والعالی والنازل وحفظ مع ذٰلک جملۃ مستکثرۃ من المتون الخ یعنی محدث وہ ہے جو اسانید اور علل کو پہچانے اور اسمائے رجال کو اور اعلیٰ و ادنیٰ کو اور متن حدیث کا ایک بہت کافی حصہ اس کو نوک زبان پر یاد ہو فقط (راز)

ان کے اس خیال کی سند حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے جب ان سے پوچھا گیا۔ وتر واجب ہیں۔ انہوں نے کہا۔ اَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے اور مسلمانوں نے بھی پڑھے ہیں۔ سائل نے تین دفعہ سوال دہرایا۔ جواب یہی ملا۔ اس لئے متقدمین محدثین کی یہی روش ہے کہ فعل کا اثبات کر دیتے ہیں اور اس کا نام نہیں رکھتے۔ متاخرین محدثین میں سے بعض بعض کی تحریروں میں ان اسماء کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن معنی ان کے نزدیک بھی وہی ہیں جو فقہاء کے نزدیک ہیں۔ چنانچہ مولانا شہید رح دہلوی تنویر العینین میں رفع یدین کو مستحب کہہ کر اس کی تعریف کی طرف اشارہ کرتے ہیں (یُثَابُ فَاعِلُہٗ وَلَا یُلَامُ تَارِکُہٗ)۔ سنت اس سے ذرا مؤکد ہے البتہ واجب اور فرض میں محدثین فرق نہیں کرتے۔ بلکہ شافعیہ بھی نہیں کرتے۔ (۱۸ شعبان ۱۳۴۶ھ)

شرفیہ: جواب سوال سنت و مستحب کی تعریف جو حضرت شہید رح نے رفع یدین فی الصلوٰۃ مستحب بتا کر یثاب فاعلہ ولا یلام تارکہ لکھا ہے۔ باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین وغیرہ افعال کر کے صحابہؓ کو فرمایا تھا صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ صحیح بخاری ص۸۸ ج۱۔ اور ابو حمید ساعدی وغیرہ کی حدیث جامع ترمذی وغیرہ سے آپ کا اس پر دوام بھی ثابت ہے۔ تو پھر سنن الہدیٰ اور مستحب میں کیا فرق ہے اور اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ الآیۃ۔ پ۳ ع۱۲۔ اور فمن رغب عن سنتی فلیس منی متفق علیہ مشکوٰۃ ص۲۷ جلد ۱ کا کیا جواب ہوگا تو ایسے تو صدہا سنتوں کو مستحب بنا کر ترک کر دیں گے کس کس آپ کے فعل کو مستثنیٰ کیا جائے گا۔ سچ ہے ؎

گاہ باشد کہ حکیم روشن رائے … بر نیاید درست تدبیرے

سوال: مستحب پر دوام کرنے سے مستحب مستحب رہے گا یا نہیں۔ مثلاً صحیح مسلم و جامع ترمذی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ باندھنا اور جبہ رومی صوف یا طیلسان وغیرہ منقول ہے۔ تو یہ ایک مرتبہ یا دو تین مرتبہ استعمال کرنے سے مستحب ہے۔ اب جو عمامہ یا جبہ وغیرہ پر دوام کرتے ہیں۔ یہ دوام عند المحدثین کیسا ہے۔

۱؎ - اس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا۔ اگر کوئی نہ کرے تو اس کو ملامت نہیں کی جا سکتی انتہیٰ (البتہ طیکہ اس سے کراہیت نہ کرے اور اس کو سنت سمجھے اور کرنے والوں کی تحسین کرے۔

(محمد داود راز)

جواب: مستحب امر کی تعریف میں جو عدم دوام داخل ہے۔ یہ دوام بہ نسبت آنحضرتؐ کے ہے۔ امت کی نسبت سے نہیں کیونکہ فعل کی تقسیم آنحضرتؐ کے فعل سے ہوتی ہے۔ امت اگر مستحب کے اوپر ہمیشگی کرے۔ تو وہ مستحب ہی رہے گا اور فاعل کو ثواب ملے گا۔

۱۸ / شعبان ۱۳۴۶ھ

شرفیہ:۔ جواب۔ سوال مستحب پر عمل کرنے سے مستحب ہی رہے گا یا نہیں؟

میں کہتا ہوں گذشتہ نمبر میں۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ الآیۃ پ۳ ع ۱۲۔ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل ہمارے لیے دستور العمل ہے۔ تاوقتیکہ اور دلیل سے اس کا نسخ یا تخصیص وغیرہ ثابت نہ ہو اسی پر عمل چاہیے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ تلاش کریں کہ یہ عمل کیسا ہے۔ واجب ہے یا مستحب وغیرہ۔

سوال: قرآن کی تفسیر احادیث میں تمام آیات کی ہے یا نہیں؟ اگر ہے۔ تو کونسی مفسر نے تفسیر القرآن بالحدیث لکھی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو جن بعض آیات کی تفسیر ترمذی کے ابواب تفسیر القرآن اور بخاری کی تفسیر القرآن میں نہ ملے تو اُن کی تفسیر کس طرح کی جاوے۔ اگر تفسیر بالرائے کی جاوے۔ تو وہ ابو داؤد کی حدیث کی رو سے کفر ہے۔ اور نہیں تو پھر کیا کیا جاوے۔

جواب: تفسیر القرآن احادیث میں بہت کم ہے۔ صحیح تفسیر کا اصول حسب قاعدہ تفسیریہ ہے کہ بقاعدہ عربیہ تشریح کی جاوے۔ عربیت کے خلاف تفسیر کرنے کا نام تفسیر بالمراد ہے۔ موافق قواعد عربیہ تفسیر بالرائے نہیں۔

۱۸ / شعبان ۱۳۴۶ھ

شرفیہ:۔ جواب سوال تمام قرآن مجید کی تفسیر احادیث میں ہے یا نہ۔ اس کا جواب مولانا نے مختصر دیا ہے۔ مناسب ہے کہ کچھ تفصیل بھی ہو جائے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۔ پ۱۴ ع ۱۲۔ وایضاً وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ پ۱۴ ع ۱۳۔

پس اصل مفسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جو آپ نے صحابہ کرام کو تفسیر قولاً۔ فعلاً۔ تقریراً کر کے بتادی پھر جو ان صحابہؓ نے آپ سے سنی یا بسبب اپنی لغت یا اس وقت کے محاورہ سے جب قرآن نازل ہو رہا تھا اس کے معانی سمجھے اور بیان کئے۔ خصوصاً قرآن مجید کے سباق و سیاق اور دوسری آیت سے اس لیے کہ بعض آیات میں اختصار یا اجمال ہے

اور دوسری جگہ تفصیل و تفسیر ہے اور جو بعض آثار میں اختلاف تفسیر ہے تو بعض مقام میں ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ قرآن مجید جامع الکلم ہے۔ ایک ایک جملے یا آیت کے دو دو تین۔ بلکہ زائد معانی صحیح ہو سکتے ہیں کہ جن میں اختلاف و تناقض نہیں ہوتا اگر کہیں معلوم ہوتا ہو تو یا ناظر کے فہم کی غلطی ہے۔ مستنبط کی بھی ممکن ہے اور ترجیح کثرت خصوصاً جمہور صحابہ کو ہو گئی اور تمام قرآن کی تفسیر احادیث مرفوعہ سے تو ملتی نہیں یعنی مصرح نہیں ہاں بقیہ وجوہ دلالت سے اکثر ملتی ہے۔ ایسے ہی قرآن کی تفسیر بھی علاوہ تصریح کے بقیہ وجوہ دلالت سے بھی ملتی ہے۔ اور قرآن مجید چونکہ عربی زبان میں ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ۔ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ۝ پ ۱۹۔ ع ۱۵۔ لہٰذا بقاعدہ محاورہ عرب و لغت عرب خصوصاً لغت زبان نزول وحی و استدلال بہ سیاق و سباق و تدبر کتاب اللہ ایسے ہی استدلال باحادیث مرفوعہ صحیحہ بوجوہ دلالات جیسے صحابہ کرامؓ نے تفسیر کی ہے۔ باوجودیکہ انہیں کو سنایا تھا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار وفی روایۃ من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۳۵ ج ۱۔ وصححہ فی الجامع الصغیر السیوطی وایضاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطأ رواہ الترمذی وابو داؤد مشکوٰۃ ص ۳۵ ج ۱۔ ورمز فی الجامع الصغیر للسنن الثلاثۃ وحسنہ۔ پس ثابت ہوا کہ باصول و وجوہ مذکورہ بالا تفسیر بالرائے نہیں جائز ہے۔ بشرطیکہ کتاب و سنت کو اساتذہ کاملین و ماہرین کتاب و سنت سے باقاعدہ پڑھ کر کامل مہارت حاصل کی ہو۔ پھر کسے باشد اور صحت کا معیار عدم ذکر متقدمین کا نہیں۔ ورنہ صحابہؓ کی تفسیر کا اعتبار بھی نہ ہوگا۔ وإذ ليس فليس ہاں جب اور ادلۃ صحیحہ کتاب و سنت یا جمہور صحابہؓ کے صریح خلاف ہو تو پھر غلط ثابت ہوگی اور اسرائیلی روایات کی نقل صحابہؓ سے حجت نہ ہوگی لقولہ علیہ السلام لا تصدقوا اہل الکتاب ولا تکذبوہم وقولوا آمنا باللہ وما انزل علینا۔ الآیۃ رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ ص ۲۸ ج ۱

ابو سعید شرف الدین دہلوی

سوال: ابو داؤد کی حدیث۔ اَلْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلٰثُونَ سَنَةً (الحدیث)[1] سے

---

[1] میرے بعد خلافت (راشدہ علی منہاج النبوۃ) صرف تیس سال رہے گی۔

پتہ چلتا ہے کہ لفظ خلافت کا اطلاق آجکل غلط ہے اور کذب ہے۔ بجائے لفظ خلافت کے سلطنت اسلامی کا لفظ بہتر ہے یا نہیں۔

جواب:۔ خلافت کے معنے ہیں۔ نیابت نبوت۔ یعنی جو بادشاہ قوانین شرعیہ کو نافذ کرے۔ انہی کو اصل ماخذ سمجھے۔ تو وہ خلیفہ ہے۔ خواہ وہ کسی زمانہ میں اور کسی ملک میں ہو! اور جو ایسا نہیں بلکہ اپنے قوانین الگ بناتا ہے۔ وہ بادشاہ ہے۔ خواہ کسی ملک کا ہو! تیس سال تک جو خلافت تھی وہ علی منہاج النبوۃ (کمال درجہ کی) تھی۔ اس سے بعد بھی ہو سکتی ہے۔ ہاں آجکل جو خلافت ہے۔ یہ اصطلاح جدید ہے اس کی سند پہلے نہیں پائی جاتی اصلی معنے کے لحاظ سے سلطنت اسلامی کہنا موزوں ہے ۔ ۱۸ شعبان ۱۳۴۱ھ

سوال: جس چیز کی پوجا کی گئی ہو! یا ہو رہی ہو! اس کو اپنا قومی نشان بنا کر ٹوپیوں یا وردیوں پر لگانا جائز ہے۔ مثل ہلال۔ یعنی چاند ستارے کے نشان۔ کیا اس قسم کا یا کسی اور قسم کا نشان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام یا تابعین یا محدثین کے زمانوں میں جھنڈے یا وردیوں پر لگایا جاتا تھا۔ جواب قرآن و حدیث سے واضح بیان کریں۔

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جاندار کو چھوڑ کر بے جان چیزوں کی تصویریں اتارنا جائز ہے۔ اس بنا پر درختوں کے نمونے مکانات بلکہ مساجد بھی بنائے جاتے ہیں اور کسی مسلمان کو انکار نہیں ہوتا۔ حالانکہ مشرک لوگ درختوں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح ہلال و ستارہ ہے۔ رہا یہ سوال کہ ایسا نشان کرنا کس آیت یا حدیث سے ثابت ہے۔ جواب ہے کہ نہیں ہے۔ ہاں یہ ثابت ہے کہ انتم اعلم بامور دنیاکم (تم دنیا کے کام خوب جانتے ہو!) بس یہ نشان اگر کوئی شخص سنت یا دینی حیثیت سے جانے تو بدعت ہے اور اگر دنیاوی رسم کی حیثیت سے اسلامی نشان کے لئے ہو تو جائز ہے۔ اس کی مثال دہلی میں شیروانی و اچکنوں کا پردہ ہے۔ کہ مسلمان بائیں طرف رکھتے ہیں۔ یہی ان کی پہچان ہے۔ حالانکہ یہ کسی حدیث میں نہیں آیا۔ ۱۷ رمضان ۱۳۴۲ھ

سوال:۔ کتابیہ میں مجوسیہ شامل ہیں یا نہیں۔ آجکل بہت سے عیسائی سائنس وغیرہ کے اثرات سے سوائے نام کے درحقیقت عیسائی نہیں بلکہ تمام مذہبی کتابوں کو اچھا اور نبیوں رشیوں اور منیوں کو مجدد یا ریفارمر خیال کرتے ہیں۔ لہٰذا اس قسم کے خیالات کی عیسائی عورت سے نکاح جائز ہوگا یا نہیں۔ دوم اسی خیالات کی اگر ایک مجوسی عورت ہے۔ (پارسی) اس سے شادی جائز ہوگی یا نہیں۔ درانحالیکہ خالق ارض و سماء کو ایک مانتی ہو اور آگ کی پرستش غیر مہذب فضول

سمجھ کر اس کے خاندان میں سے ہٹائی گئی ہو!

جواب: مجوسی کو کتابی کہنے کا ثبوت قوی نہیں ہے۔ عیسائی چاہے۔ مذہب کے احکام سے کتنے ہی بے خبر ہوں۔ مگر اُن کا دعویٰ ہوتا ہے کہ ہم عیسائی ہیں۔ اس لئے دینادی احکام سے ان کو اس قوم میں شمار کیا جاتا ہے۔ ورنہ یوں تو مسلمان بھی بہت سے بے خبر ہیں۔ بس عیسائی کتابی ہیں۔

۱۷ رمضان سنہ ۱۳۴۳ھ

سوال: قیامت کے دن جو باقی ماندہ خلائق رہ جائے گی۔ وہ حضرت اسرافیل کے صور سے مر جائے گی۔ تو کیا حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل اپنی روح کے آپ قابض ہوں گے۔ نیز ان دونوں میں متقدم موت کس کی ہوگی اگر ملک الموت کی ہوگی تو حضرت اسرافیل کا قابض روح کون ہوگا اگر حضرت اسرافیل کی ہوئی۔ تو حضرت عزرائیل صور کی آواز سے نہ مرے۔ پھر صور کی ہی آواز سے خدا ساری خلائق کو جلائے گا۔ تو حضرت اسرافیل کو کیسے جلائے گا اگر فرشتوں کی موت نہ ہوگی۔ تو آیت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے خلاف تو نہ ہوگا۔

جواب: اصل جانکنی تو خدا کے حکم سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ عزرائیل ایک ذریعہ ہے۔ جب ذریعہ کی باری آئے گی تو حکم الٰہی براہ راست اس کو مار دے گا۔

۱۵ شوال سنہ ۱۳۴۲ھ

سوال: جس گھر میں کتے رہتے ہوں۔ فرشتے نہیں آتے۔ تو کتے یا سور کی روح کیوں کر قبض ہوتی ہے۔

جواب: کتے والے گھر میں ہر ایک فرشتے کے داخل ہونے کا انکار نہیں۔ بلکہ ملائکہ رحمت کا انکار ہے۔

۱۵ شوال سنہ ۱۳۴۱ھ

سوال: تصویر دار کپڑا جس پر جاندار چیز کی تصویر بنی ہو! پہن کر نماز پڑھنی یا پہننا جائز ہے۔ اگر نہیں۔ تو جیب میں سکہ شاہی چہرہ دار لے کر نماز ہوگی۔

جواب: حتی المقدور تصویر سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ پیسہ روپیہ میں ہم مجبور ہیں۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

اہلحدیث ۱۵ شوال سنہ ۱۳۴۱ھ

سوال: دیوی اور پیر فقیر کی حالت ایک نہیں۔ اس لئے بزرگان دین کی نذر و نیاز کا رواج اسلام میں شرعی طور پر معمول ہے جو بکرا بزرگوں کی نذر کیا گیا ہو! وہ حلال اور طیب ہے اور دیوی کی نذر ماننے والا مشرک ہے۔ اس کا شان نزول اس اشیاء کی نسبت مفسرین سے

ثابت ہے۔

جواب:۔ یہ سوال جلدی میں کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں خود اس کا جواب موجود ہے۔ ساری آیت کو دیکھتے تو سوال نہ کرتے بس غور سے سنیں۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ الآية (سورہ مائدہ۔ رکوع اول)۔ یعنی حرام ہے۔ تم پر مردار۔ خون۔ خنزیر کا گوشت اور جو چیز غیر اللہ کے نام پر مقرر کی جاوے۔ گلا گھٹی ہو۔ اینٹ پتھر سے ماری ہوئی۔ اوپر سے گر کر یا سینگ کے زخم سے مری ہوئی یا جس کو درندہ کھا جاوے۔ بجز اس کے جس کو درندہ سے چھڑا کر تم ذبح کر لو۔ (وہ حلال ہے) جو کسی کھڑی چیز (قبر وغیرہ) پر ذبح کی جاوے وہ بھی حرام ہے۔ اس آیت میں صاف طور پر دو لفظ آئے ہیں۔ ایک اُهِلَّ دوم ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ۔ ایمانداری اور انصاف یہ ہے دونوں لفظ بحال رکھے جائیں۔ اور دونوں کی تفسیر ایسی کی جائے کہ کوئی بے کار نہ رہ جائے۔ اس لئے صحیح معنے یہ ہیں کہ کوئی دیوی یا قبر وغیرہ پر چڑھاوا ہو کر وہاں ذبح کئے جائیں۔ تو وہ ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ کے تحت ہیں۔ اور جو چیزیں غیر اللہ کے نام پر مقرر کی جاتی ہیں، چاہے وہ ناقابل ذبح ہوں۔ جیسے مٹھائی وغیرہ یا قابل ذبح ہوں۔ لیکن اللہ کے نام پر ذبح ہوں۔ وہ سب اشیاء وَمَا اُهِلَّ کے تحت میں ہیں۔ اور اگر سائل کے کہنے کے موافق مَا اُهِلَّ کے معنے کئے جائیں تو علاوہ اس کے کہ لفظ مَا اور اُهِلَّ ان معنے کے مخالف ہیں۔ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ بیکار ہو جاتا ہے۔ اس لئے سب الفاظ کو بحال رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے معنے الگ الگ کئے جائیں۔ جیسے ہم نے کئے ہیں۔

۵ / محرم سنہ ۴۲ھ

سوال: کیا مجدد کیلئے دعویٰ کرنا ضروری ہے اور مجدد کی حدیث صحیح ہے یا نہیں۔ اگر صحیح ہے تو موجودہ صدی میں کون مجدد ہے۔ اور مجدد کی پہچان کیا ہے۔ کیا باقی مجددوں نے بھی مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح دعویٰ کیا ہے یا نہیں۔ ہر ایک سوال کا جواب بذریعہ قرآن و حدیث عنایت فرماویں۔

جواب: مجدد کی خدمت احیاء سنت نبوی ہے۔ ایک زمانہ میں کئی ایک ہو سکتے ہیں۔ جو کوئی سنت نبویہ کی اشاعت و احیاء کرے۔ وہ اتنے حصہ میں مجدد ہے کہ ایک شخص ایک گاؤں کا مجدد ہو تو دوسرا ایک ضلع کا ہو سکتا ہے۔ تو تیسرا ملک کا بھی ہو سکتا ہے۔ مجدد کا کام

اس کی پہچان ہے۔ دعویٰ نہیں ورنہ آج سابقہ مجددین میں اختلاف نہ ہوتا۔ مجدد والی حدیث بھی اعلیٰ درجہ کی صحت کو نہیں پہنچی۔ مفصل "اہل حدیث" میں کئی دفعہ لکھا گیا ہے۔

۲۵ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

شرفیہ:۔ مجدد کی حدیث کو نواب صاحب مرحوم نے سلسلۃ العسجد ص۲ میں لکھا ہے۔ اخرجه احمد مسندا وصححه انتهى اور تنقيح الرواة تخريج مشكوة ص۵۲ میں ہے۔ اخرجه ايضا الحاكم وصححه والبيهقي في المعرفة قال العراقي وغيره سنده صحيح قال السيوطي في مرقات الصعود وكذا العلقمي في شرح الجامع الصغير اتفق الحفاظ على تصحيحه انتهى۔

سوال:۔ ایک شخص مستفسر ہے کہ آپ کے پیغمبر صلعم کا دعویٰ تھا۔ اُن کے کل کام وحی کے تابع تھے۔ اس بنا پر وہ کونسی وحی تھی۔ جس کے ماتحت آپ (مسلمانوں کے نبی صلعم) نے اپنے لئے چار سے زیادہ وچند۔ سہ چند ازواج کی اجازت نکالی تھی۔ مہربانی فرما کر قرآن مجید سے اس کا مدلل اور مسکت جواب اخبار اہل حدیث میں شائع فرما کر ہم مسلمانوں کو بھی تسلی و تشفی بخشیں۔

جواب: قرآن شریف کا اس بارے میں صاف ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (پ ۲۲ ع ۳)

مختصر ترجمہ یہ ہے۔ اے نبی تیرے لئے ہر قسم کی ان مذکورہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے یہ حکم خاص تیرے لئے ہے اور مومنوں کے لئے نہیں۔ ان کی بیویوں کے حق میں اور حکم ہے جو خدا کو معلوم ہے۔

یہ آیات سوال مرقوم کا جواب کافی دے رہی ہے۔ کیونکہ اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی بہ نسبت مومنوں کے زیادہ شادیاں کرنا اس حکم کے ماتحت تھا۔ نہ خلاف۔

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ

سوال: ایک مولوی کہتا ہے کہ عربی کا مطلب کوئی اردو میں بیان کرے تو وہ مطلق کافر ہے

جواب: عربی کا مطلب اردو میں بیان کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید کے ترجمے فارسی اردو میں کئے گئے ہیں۔ اس لئے ایسا شخص مولوی نہیں معلوم ہوتا ہے[1]

(۲۵ جمادی الاول ۳۹ھ)

تشریح: اس مولوی سے پوچھنا چاہیئے کہ تو نے قرآن و حدیث کا مطلب کسی سے پڑھ کر معلوم کیا ہے یا نہ۔ اگر بالکل معلوم ہی کیا اور تو نے خود ہی سمجھ لیا ہے تو کس طرح کیا تو نبی ہے اگر کہے کہ ہاں تو وہ جھوٹا ہے۔ اگر نہیں معلوم کیا تو وہ خود ہی جاہل مطلق۔ اس کی بات کا اعتبار نہیں۔ وہ قرآن حدیث مسائل شرعیہ کسی کو بتاتا ہے یا نہ۔ اگر بتاتا ہے تو کس زبان میں کن کو سمجھاتا ہے۔ نیز کفر بتانے کی کیا دلیل ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر۔ بس ایسا شخص جاہل مطلق ہے۔ ایسوں ہی کے حق میں ہے ؎

ایں کہ می بینی خلاف آدم اند نیست آدم ایں غلاف آدم اند

سوال: آجکل دنیا میں مسلمانی مذہب چار ہیں۔ اور اہل حدیث پانچواں مذہب کہاں سے نکلا۔ ایسا یہاں کے حنفی پیش امام کہتے ہیں۔ اس واسطے آپ قرآن و حدیث کے ساتھ جواب دیں۔

جواب: مسلمانی مذہب تیرہ سو ۵۲ برسوں سے چلا آیا ہے۔ جب سے آنحضرت ﷺ نے خدا کا پیغام سنایا تھا۔ مگر چار مذہب چوتھی صدی میں پیدا ہوئے ان سب سے پہلے اہلحدیث تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل حدیث مذہب پرانا ہے۔ اور یہ نئے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ نئی بات چھوڑ کر اہل حدیث بن جائیں۔

(۲۵ جمادی الاول ۳۹ھ)

سوال: مردے سے منکر نکیر کہاں پر سوال کرتے ہیں۔ گھر میں بستر پر یا غسل کرتے وقت، یا قبرستان لے جاتے وقت، راستہ میں۔ یا قبر کے اندر؟ اور جس وقت منکر نکیر

---

[1] تاشقند کے ایک متبحر عالم علامہ ابو سعید عبد الغفور طہوری نے اسی موضوع پر ایک نفیس کتاب بزبان عربی تصنیف کی ہے۔ کتاب کا نام تضمار اللادب فی وعظ الخطبۃ بغیر لغۃ العرب ہے۔ اس کتاب میں علامہ موصوف نے مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ پر مفصل روشنی ڈالتے ہوئے افراط تفریط سے بچ کر وعظ و خطبہ جمعہ و عیدین وغیرہ غیر عربی زبانوں میں جائز بلکہ وقت کے لحاظ سے ضروری ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب شہر رمضان ۱۳۶۲ھ میں لکھی گئی ہے۔ اور سنٹرل انڈیا پریس بھوپال میں طبع ہوئی ہے

مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیمات ہند نے بھی اس کے جواز و اثبات پر ایک بہترین علمی مقالہ لکھا ہے۔ جو شائع شدہ ہے۔ "محمد داؤد راز"

سوال کرتے ہیں۔ مردے کو ہوش و حواس موافق زندگی کے رہتے ہیں۔ یا اس وقت کچھ فرق رہتا ہے اور سوال کرتے وقت مردہ اچھی طرح اپنی موت و زندگی کو سمجھتا ہے یا نہیں

جواب:۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبر میں مردہ جب داخل کیا جاتا ہے تو اس کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں۔ اس وقت اس کو ہوش ہوتا ہے۔

۲۳ رجمادی الثانی ۳۹ھ

سوال، قرآن شریف میں ذکر ہے۔ کہ اولیاء اللہ و شہداء مردے نہیں ہیں۔ اور شاید ایک آیت بھی اس مضمون کی ہے کہ اولیاء اللہ اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ مرتے نہیں ہیں۔ اس سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہ مدد بھی کر سکتے ہیں اور سنتے بھی ہیں۔ اس کا جواب قرآن و حدیث سے دیں۔

جواب: مردے کے معنے ہیں۔ جس کی روح جسم سے الگ ہو جائے۔ شہید پر یہ تعریف صادق آتی ہے۔ اس لئے اس کے مردہ ہونے میں کیا شک ہے۔ اگر اس کی روح جدا نہ ہو تو شہادت کیسی ہو؟ مگر چونکہ زندگی کا اصل مقصد وہ پا گئے اس لئے منع کیا گیا۔ کہ ان کو مردے نہ کہو۔ یا مت سمجھو۔ یہ نہیں کہ وہ در اصل مردے نہیں۔ اگر در اصل مردے نہیں ہیں تو قبر میں کیوں رکھے گئے۔ اور ان کی بیویوں کی اُن کی عدت کیوں گذاری گئی۔ بعد عدت نکاح ثانی کیوں کئے۔

۲۳ رجمادی الثانی ۳۹ھ

سوال: اخبار یا کوئی اور کاغذ جس پر قرآن شریف کی آیات وغیرہ لکھی ہوں۔ ان کو اگر سنبھال کر نہ رکھنا ہو تو کیسے کرنا چاہیئے۔ جلانا چاہیئے۔ یا کنوئیں میں گرانا چاہیئے۔ یا کسی اور طرح۔

جواب:۔ جلا دینا بہتر ہے۔ جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف قراءت کے قرآن شریف جلوا دئے تھے[1]۔ اللہ اعلم

۱۴ ررجب المرجب ۳۹ھ

سوال:۔ مرشد لینا فرض ہے یا نہ اگر فرض نہیں تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے۔

جواب: کسی نیک بخت صالح متبع سنت کو اپنا مرشد بنانا۔ جس کی صحبت میں رہ کر خدا کی محبت دل میں پیدا ہو! جائز بلکہ مستحب ہے۔ صحابہ کرامؓ میں یہ دستور تھا۔ اپنے میں

---

[1]۔ قرآن شریف کا ادب و احترام ہر حال میں ضروری ہے اس لئے یا تو ایسے اوراق بحفاظت تمام زمین میں دفن کر دئے جاویں۔ ورنہ جلا کر ان کی راکھ کو دریا میں بہا دیا جاوے یا زمین میں دفن کر دیا جائے۔ اس بارے میں خاص احتیاط چاہیئے اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مساجد و مکاتب میں بوسیدہ اوراقِ قرآنی کی طرف توجہ کم کی جاتی ہے۔ محمد عمر کاتب

سے صالح تر کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔ **۲۱؍ رجب ۲۹ھ**

سوال: مرشد کس قسم کے آدمی کو لینا چاہیئے۔ اگر مرشد علانیہ شرعی پیروی نہیں کرتے۔ لیکن ہمہ شرعی احکام کے قائل ہیں۔ ایسے مرشد کے لئے شرعی حکم کیا ہے۔

جواب:۔ متبع سنت کو بنائے۔ خلاف شرع سے علیحدگی کرنی چاہیئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے (لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ) مسلمانوں کو چاہیئے کہ جو لوگ اللہ اور رسول ؐ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اُن سے محبت نہ رکھیں۔ **۲۱؍ رجب ۳۹ھ**

سوال:۔ زمانۂ حال کے مرشد عموماً مریدوں سے مانند جزیہ کے نذرانہ لیتے ہیں۔ اس طرح کا نذرانہ مرشد کو درست ہے یا نہ۔ بعض حالتوں میں مرید کے سقیم ہونے کی حالت میں زبردستی وصول کیا جاتا ہے۔ جو مرید کو بمجبوری دینا پڑتا ہے۔ مرید ایسے نذرانہ کے دینے سے جرم یا ثواب آخرت کا مستحق ہوتا ہے یا نہ۔ لینے والے مرشد کے لئے شرعی کیا حکم ہے۔

جواب: قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ سب نبیوں نے اپنی اپنی امت کو مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ ہم تم سے مزدوری نہیں مانگتے۔ زمانہ صحابہ کرامؓ سے لے کر زمانہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تک پیر مریدوں سے وصول نہیں کرتے تھے۔ حضرت شیخ غنیہ میں فرماتے ہیں مرید کو پیر کے گھر کھانا کھانا جائز ہے۔ پیر کو مُرید کے گھر کا نہ کھانا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی شان بلند ہے۔ جو مرید پیر سے کسی نقصان کا خوف کر کے نذرانہ دے وہ بجائے ثواب عذاب کا مستوجب ہے۔ ایسے مرشد دوکاندار دنیادار ہیں۔ (۲۱؍ رجب ۳۹ھ)

سوال: کوئی شریف آدمی پردہ نشین عورتوں کے پاس مُرشد کو اپنے گھر میں داخل کر سکتا ہے یا نہ۔ اس حالت میں شرعی حکم کیا ہے۔

جواب:۔ نہیں یہ سب بدعات آجکل کے بدعتی دوکاندار پیروں کی ہیں (۲۱ رجب ۳۹ھ)

سوال: اگر مرشد جاہل بے علم۔ شرعی احکام سے بالکل معرا اور اس کے اعمال ظاہری شرع کے برخلاف ہیں۔ ایسا مرشد کسی شریف آدمی کے گھر میں۔ وارث کی غیر حاضری میں عورتوں کی اجازت سے داخل ہو تو ایسی حالت میں شرعی حکم کیا ہے۔ مرد۔ عورت۔ مرشد۔ تینوں کیلئے (۲۱ رجب ۳۹ھ)

جواب: حدیث شریف میں ایسے مرد کو دیوث کہا یا فرمایا۔ عورت بدکار خائنہ ہے۔ مُرشد قابلِ سزا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص کسی کے گھر کا پردہ اٹھا کر نظر کرے۔ گھر والے

اس کی آنکھ نکال لیں۔ تو اُن پر سزا نہیں۔ (۲۱ رجب ۱۳۳۹ھ)

سوال: زمانہ کی رسم کے مطابق پردہ نشین عورتیں مرشد مذکور کی قدم بوسی کرتی ہیں بلبعض حالتوں میں بغل گیر بھی ہوتی ہیں شرع کے مطابق درست ہے یا نہ۔ اگر نہیں تو اُن کے لئے کیا حکم ہے۔

جواب: نعوذ باللہ سخت گناہ کبیرہ ہے۔ ایسے لوگ مرشد نہیں۔ بلکہ شیطان ہیں حضرت مولوی روم مرحوم ایسے ہی لوگوں کے حق میں فرما گئے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ۔۔۔ پس بہر دستے نہ باید داد دست

(۲۱ رجب ۱۳۳۹ھ)

سوال: اگر پردہ نشین عورتیں اپنے گھر سے بغیر اجازت وارث کسی فاصلہ پر فاحشہ عورتوں کے ساتھ شامل ہو کر مرشد کی زیارت کرنے کے لئے جاویں تو ایسی عورتوں کے لئے حکم کیا ہے۔ اگر ایسی عورتوں کے مرد خبر ملنے پر خاموش ہو جاویں تو اس حالت میں مرد خواہ عورت کے لئے شرعی حکم کیا عائد ہو سکتا ہے۔ اور کوئی ہمسایہ والا عزیز اس عورت کو مانع ہو سکتا ہے یا نہیں۔

جواب: بحکم حدیث شریف ایسی عورت بدکار۔ خاوند اس کا دیوث ہے۔ قرآن مجید میں عورتوں کو حکم ہے۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ اپنے گھروں میں رہو اور پہلی کفر کی رسم کی طرح باہر مت پھرو۔ ہمسایہ بلکہ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ عورتوں کو ایسے کام کرنے سے منع کرے۔ حدیث شریف میں ہے جو کوئی ناجائز کام دیکھے اس کو روکے۔ (۲۱ رجب ۱۳۳۹ھ)

سوال: آجکل کا جو پیری مریدی کا طریقہ یہاں سندھ میں مروج ہے۔ وہ ایک قدیمی رسم پشت بہ پشت چلی آتی ہے مرید باوجود اصل وارث ہونے کے بھی اپنی نفسانی غرض کے ذریعے ہو کر اپنی جائداد منقولہ غیر منقولہ مرشد کو وقف کر دیتے ہیں۔ اور وہ مرشد جائداد وقف والی کو اپنے ذاتی عیش و عشرت میں شرعی مصارف کے خلاف بے دریغ اڑاتے ہیں۔ ایسی صورت میں وقف جائز ہو سکتا ہے یا نہ۔ مرید خواہ مرشد دونوں کے لئے شرعی حکم کیا عائد ہوتا ہے۔

جواب: یہ سب نفس پرستی ہے۔ ایسے وقف کو وارث توڑ سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ جو کوئی ظلم یا گناہ کی وصیت کو بدل دے۔ اس پر گناہ نہیں۔ ایسے وقف کرنے والے، وارثوں کے حق تلف کرنے والے ہیں اور پیر ظالم ہیں۔ (۲۱ رجب ۱۳۳۹ھ)

مولٰینا رشید احمد صاحب گنگوہی دیوبندی

اور

مسئلہ پیری مریدی

حضرات ناظرین جریدہ اہل حدیث! آپ جانتے ہوں گے کہ احناف دیوبند کے سرکردہ مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہیں۔ آپ باوجود صوفی منش ہونے کے عالم محدث بھی تھے۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مرحوم کو ایک خط کے جواب میں نصائح فرماتے ہیں۔

"اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرمائے گا۔ تو اس کا تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا۔ کیونکہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے۔ اور شیوخ معصوم[1] نہیں ہوتے اور جب تک شیخ (یعنی پیر) کسی مسئلہ کو جو بظاہر خلاف شرع ہو۔ بدلائل شرعیہ قطعیہ ذہن نشین نہ کر دے۔ مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں۔ اس کی نظیریں احادیث سے بکثرت ملتی ہیں۔ ایک نظیر بیان کرتا ہوں اُس پر غور کیجئے۔ جب واقعہ مسیلمہ کذاب میں قراء بہت سے شہید ہوگئے اور حضرت عمرؓ کو اندیشہ ذہاب کثیر من القرآن کا ہوا۔ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بعد مباحثہ بسیار قول حضرت عمرؓ کو قبول فرمایا۔ اور اس کا استحسان ان کے ذہن نشین ہوگیا۔ اور دونوں کی رائے متفق ہوگئی اور سنیت بلکہ وجوب مقرر ہوگیا۔ اور پھر زید بن ثابتؓ کو اس امر کے واسطے فرمایا۔ تو باوجود اس بات کے کہ شیخین رضی اللہ عنہما زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے علم و فضل میں بہت زیادہ تھے۔ اور صحبت ان کی بہ نسبت زیدؓ کے طویل تھی اور ان

---

[1] یہاں پر ایک واقعہ بلاکم وکاست ناظرین کے سامنے رکھتا ہوں۔ حافظ عزیز الدین صاحب مراد آبادی (جو میرے گمان میں مرد صالح ہیں) مولوی اشرف علی تھانوی کے مرید تھے۔ بعد بیعت آپ مسئلہ تقلید کی تحقیق کر کے مقلد سے غیر مقلد ہو گئے مگر مولانا مرحوم کے حق میں انھوں نے کسی قسم کی بدگمانی نہیں کی۔ اس پر بھی مولانا کا ایک پوسٹ کارڈ (جو میں نے بچشم خود دیکھا ہے) موصوف کو پہنچا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔ کہ غیر مقلد ہو جانے کی وجہ سے میں تم کو اپنے حلقہ بیعت سے خارج کرتا ہوں۔ اب میرا تمہارا پیری مریدی کا تعلق نہیں رہا (اَوْ کَمَا قَالَ) ایسا کیوں ہوا؟ اس کا جواب ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ (اہل حدیث ۱۷ مارچ ۱۹۳۴ء)

کے باب میں حکم شارع علیہ السلام کا ہو چکا تھا۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر رواہ البخاری یعنی اقتدار کرنا ان کی جو میرے بعد ہوں گے۔ یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ کا۔ زیدؓ نے اس امر کو محدث سمجھا تو یہی فرمایا۔ کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی تم کیوں کر کروگے ایسے کام کو جس کو نہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے (یعنی حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہیں کیا۔ کیونکہ ایجاد بدعت ان کے نزدیک سخت معیوب تھا۔ وہ شیخین کو معصوم نہ جانتے تھے۔ لہٰذا مناظرہ شروع کر دیا۔ مگر جس وقت حضرات شیخین نے ان کو سمجھایا اور سنیت اس فعل کی زید کو ثابت ہو گئی تو اس وقت بدل جان قبول کر کے اس کی تعمیل میں مصروف ہو گئے۔ بخاری کو تم نے خود پڑھا پڑھایا اور دیکھا ہے زیادہ کیا لکھوں پس ایسا بدست شیخ ہو جانا کہ امور دینی کی کچھ تمیز نہ رہے یہ اہل اسلام کا کام نہیں لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ یہ امر بھی عام ہے اس سے کوئی مخصوص نہیں" مولانا موصوف کے خط سے چند باتیں سمجھی گئی جو ذیل میں عرض خدمت کرتا ہوں۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

اولاً تو یہ سمجھا گیا کہ کوئی امام یا شیخ معصوم نہیں۔ جس کا قول بلا چون و چرا تسلیم کر لیا جائے۔ جب تک اس پر کوئی دلیل شرعی نہ ہو۔

ثانیاً مرید و مقلد کا فرض ہے کہ اگر اس کا امام یا شیخ خلاف شرع کوئی کام یا امر کرے تو اس کو ضرور مرید ہدایت کرے۔ مقلد مرید کو اس کا قبول کرنا ہرگز روا نہیں۔

ثالثاً بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہو گیا۔ کہ کسی شخص کا اعلم و افضل ہونا اس کے متبوع و مقلد ہونے کی دلیل نہیں۔ جب تک کہ وہ اپنے قول پر دلیل شرعی فرمان نبوی سے نہ پیش کرے۔ اس لئے زید بن ثابت صحابیؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمر فاروقؓ کے قول محض کو تسلیم نہیں کیا اور نہ ان کو معصوم خیال کیا۔ بلکہ ان سے بطور معارضہ کے مناظرہ شروع کر دیا۔ پس کہاں ہیں وہ حضرات جو اپنے امام و پیر کی (بوجہ افضل و اعلم ہونے کے) تقلید شخصی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی پیروی کا کسی روایت میں ذکر بھی نہیں اور شیخین ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروقؓ کی پیروی کا عام ارشاد تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما بھی دیا تھا۔ پھر بھی صحابی زید بن ثابت بلا دلیل شرعی خلفاء راشدین کے قول کو حجت شرعی نہیں سمجھتا۔ آہ یہ ہی وہ آزادی اسلام کی تھی جس کو اب مسلمانوں نے تقلیدی شکل میں پھنس کر

مٹا دیا اور اقوال رجال کو حجت شرعی سمجھنے لگ گئے اور کہنے لگے ؎

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید

پس مسلمانو! عموماً دیوبندیو! خصوصاً اپنے مولانا موصوف کے خط کو پڑھ کر قرآن و حدیث کے سوا اقوال رجال کو حجت ماننے سے انکار کرو۔ اور احادیث نبویہ صریحہ صحیحہ کو حجت مان کر عمل کرو۔ دنیا میں صرف ایک ہستی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو واجب الاطاعت اور معصوم ہے۔ دعوا كل قول عند قول محمد وفيه كفاية لمن له دراية۔

کتبہ ابو محمد عبد الجبار سلفی مدرس مدرسہ مصباح العلوم کھنڈیلہ جے پور۔ ۱۷ مارچ ۱۹۲۷ء

سوال: الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنے والا مسلمان کافر ہے۔ اگر کافر ہے تو کس حالت میں نیز ایک مسلمان مولوی بغیر سوچے سمجھے کسی مندرجہ بالا الفاظ کہنے والے کو کافر کہہ دے تو اس کے واسطے کیا حکم ہے۔

جواب: الصلوٰۃ والسلام علیک کہنے والے کی نیت پر حکم ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر جانتا ہے تو شرک لازم آئے گا۔ اور اگر بغیر حاضر و ناظر جاننے کے کہے۔ تو شرک نہیں بدعت ہے۔ کیونکہ زمانہ رسالت میں یہ تعلیم نہ تھی نہ عہد خلافت میں رواج تھا۔ لہٰذا بدعت ہے بلا تحقیق کسی کو کافر کہنا مناسب نہیں۔ حدیث میں کفر کا فتویٰ دینے میں جلدی کرنے سے منع آیا ہے۔

۲۰ شعبان ۱۳۴۹ھ

سوال: جو کہ ختم گیارہویں شریف کا دلاتے ہیں۔ اس میں شریک ہونا چاہیے یا نہ۔ وہ روٹی کھانی چاہیے یا نہ۔ کیونکہ وہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہم یہ روٹی خدا واسطے کھلاتے ہیں۔ اور نیت بھی اپنی خدا واسطے ظاہر کرتے ہیں۔ مگر یہ ختم گیارہویں تاریخ کو دلاتے ہیں۔ از روئے قرآن و حدیث جواب عنایت ہو!

جواب: ختم گیارہویں کا رواج نہ زمانہ رسالت میں تھا۔ نہ عہدِ خلافت میں۔ اس لئے بدعت ہے۔ حدیث میں ہے۔ كُلُّ عَمَلٍ لَيْسَ عَلَيْهِ أمرنا او عملنا فهو رد۔ یعنی آنحضورؐ نے فرمایا ہے۔ جو کام ہم نے نہ بتایا ہو۔ نہ کیا ہو! وہ مردود ہے۔ اس لئے ایسی بدعت کی مجلس میں شریک ہونا یا اس چیز کا کھانا گناہ ہے۔ خدا کے واسطے دینا منع نہیں۔ لیکن گیارہویں کے نام سے کرنا شرک یا کم سے کم بدعت ہے۔ ایسے افعال سے خود حضرت پیر صاحبؒ نے منع فرمایا ہوا ہے۔ فتوح الغیب ملاحظہ ہو۔

۲۰ شعبان ۱۳۴۹ھ

سوال: مسجد میں جاکر آمین بالجہر کہی یا پڑھی جاتی ہے۔ تو بھائی احناف بہت گھبراتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کیا آمین آہستہ کہنے سے نماز نہیں ہوتی۔ اونچا پڑھنے سے نماز بہت اچھی ہو جاتی ہے۔ سو براہِ مہربانی جواب دیں کہ نماز صحیح بطریق رسول اللہ کس طرح ہے۔

جواب: آمین بالجہر کہنی سنت ہے۔ بہ نیت نیک۔ ہر جگہ کہہ سکتا ہے۔ حنفیوں کا چڑنا فضول ہے۔ جب کہ خود پیران پیرؒ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ آہستہ کہنے سے بھی نماز ہو جاتی ہے۔ ان کو کہنا چاہیئے۔ کہ مسواک کرنے کے بغیر بھی نماز درست ہو جاتی ہے۔ تو کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ مسواک کرنی چھوڑ دی جاوے۔ کیسی بات ہے۔

۲۰ شعبان ۳۹ھ

سوال: خاص اللہ کے نام پر منت کا ماننا از روئے قرآن و حدیث جائز ہے یا نہیں۔ مثلاً مریض اپنی بیماری سے صحت ہونے پر یا تجارت میں نفع ہونے پر۔ شیرینی یا رقم طیدہ یا دس فقیروں کو کھانا کھلانا وغیرہ اور کیا ایسی منت کی چیز شیرینی وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: حدیث میں آیا ہے۔ ضرورت کے وقت یوں مقابلہ میں نذر (منت) نہ مانا کرو۔ کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا۔ تو میں یہ دوں گا۔ اگر ایسا کہے گا۔ تو ادا کرنا ضرور فرض ہو گا۔ اس نذر میں اگر نیت یہ ہے کہ دوستوں کی دعوت کروں گا تو اس صورت میں اس کو کھانا جائز ہے۔ اللہ اعلم۔

۲۰ شعبان المعظم ۳۹ھ

سوال: کیا کوئی ایسا نبی بھی گذرا ہے۔ جس کی مادری زبان اور ہو! اور الہام کسی اور زبان میں ہو!

جواب: کوئی نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ۔ ہر نبی اور رسول کو اپنی قوم کی زبان پر الہام اور وحی ہوتی ہے۔

۲۴ شوال المکرم ۳۹ھ

سوال: کیا کوئی حدیث ہے۔ جس کا آدھا حصہ صحیح ہو اور آدھا ضعیف۔

جواب: حدیث کی صحت یا ضعف سند کے راویوں پر موقوف ہے۔ اگر وہ اچھے ہیں۔ تو حدیث اچھی ہے۔ اگر وہ ضعیف یا کاذب ہیں۔ تو حدیث بھی ایسی ہے۔ پس اس لحاظ سے نصف حصہ صحیح اور نصف حصہ ضعیف نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی حدیث میں ایک حصہ آنحضرت ﷺ کا فرمودہ ہو! اور دوسرا راوی صحابی یا بعد والے کا۔ آنحضرت کا فرمودہ حجت شرعی ہو گا۔ اور راوی کا نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے فرمودہ میں دو حصے الگ الگ نہیں ہوں گے۔

۲۴ شوال المکرم ۳۹ھ

سوال:۔ ہاروت و ماروت[1] دو فرشتے تھے۔ یا دو آدمی یا دو بادشاہ۔ زیادہ صحیح قول کون سا ہے؟

جواب:۔ میری تحقیق یہ ہے کہ آدمی تھے۔ تفسیر فتح البیان کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

(۱۲ر محرم سنہ ۳۹ھ)

سوال:۔ اگر کوئی مشرک بیدین اسلام قبول کرے تو کس طرح سے اسلام میں آسکتا ہے۔ اور کیا گواہوں کی ضرورت ہے۔ اور گواہ کس قسم کے ہوں۔

جواب:۔ مشرک بیدین۔ اپنے شرک اور کفر سے توبہ کر کے اسلام قبول کرنے کا اقرار کرے تو بس مسلمان ہے۔ خدا کے پاس چھوٹنے کے لئے گواہ کی حاجت نہیں۔ لوگوں میں مسلمان کہلانے کے لئے گواہ چاہئیں۔ سو دو ہوں یا چار کافی ہیں (اہلحدیث ۱۲ر محرم سنہ ۳۹ھ)

سوال:۔ اگر دعا کرتے وقت آنحضرت ؐ کے طفیل سے یا کسی بزرگ کے وسیلے سے۔ یا اپنے نیک اعمال کا واسطہ دے کر دعا کرے۔ تو جائز ہے یا نہیں۔ مع ثبوت اور حوالہ کے جواب دیجئے

جواب:۔ اعمال کا واسطہ تو آیا ہے۔ کسی بزرگ کو واسطہ میں ذکر کرنا ثابت نہیں۔ ایک حدیث

---

[1] ہاروت ماروت کا سارا قصہ یہودیوں کا بنایا ہوا ہے حضرت ابن عمرؓ نے اسے کعب احبار یہودی نومسلم سے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے تصریح کی ہے۔ عبد اللہ بن عمر یحدث عن کعب الاحبار فالحدیث ورجع الی نقل الاخبار عن کتب بنی اسرائیل صفحہ ۲۳۸ ج ۱ برحاشیہ فتح البیان۔ ایسی اسرائیلیات کا اعتبار کیا؟ حافظ ابن کثیر نے آگے چل کر کہا ہے۔ لیس فیہا حدیث مرفوع صحیح متصل الاسناد الی الصادق المصدوق المعصوم الذی لا ینطق عن الھویٰ۔ الخ صفحہ ۲۴۳۔ (از حضرت مولانا ابو القاسم صاحب سیف بنارسی رحمۃ اللہ علیہ۔ اخبار ندائے مدینہ کا نپور جلد اول ع ۵)

تفسیر القرآن میں قاضی سلیمان صاحب مصنف رحمۃ للعالمین مرحوم فرماتے ہیں: "ہم نے ہاروت ماروت کو "الناس" کا بدل ٹھہرایا ہے۔ یہ کوئی بات نہیں۔ امام ابن جریر بھی ہاروت ماروت کو الشیاطین یا الناس کا بدل قرار دینے میں ہمارے ساتھ ہیں۔ الشیاطین وہ ہیں جنہوں نے سلطنت سلیمان علیہ السلام میں یہود کو کفر و سحر کی تعلیم دی۔ ہاروت ماروت وہ یہودی ہیں جو الشیاطین کے پہلے شاگرد تھے اور جو نہایت چالبازی سے لوگوں کو پھنسایا کرتے تھے۔ فیتعلمون میں ہاروت ماروت کے شاگردوں کا ذکر ہے۔ اور واتبعوا میں وہ سب داخل ہیں جو ان میں سے ہیں یا ان کی شاگردی کے سلسلہ میں ہیں۔

(رسالہ مسلمان سوہدرہ جلد ۸ ع ۱۰)

میں آیا ہے کہ تین آدمی سفر کو نکلے۔ ان تینوں کو تکلیف پہنچی۔ تینوں نے اپنے اپنے خاص خاص اعمال یاد کر کے خدا کے حضور پیش کر کے دعا مانگی۔ کہ ہماری تکلیف کو دور کر دے وہ تکلیف دور ہو گئی۔ یہ روایت مشکوٰۃ باب الانفاق میں بھی ہے۔

(اہلحدیث ۱۱ صفر المظفر ۱۳۴۵ھ)

سوال:۔ ہیضہ، طاعون وغیرہ بیماریوں کے وقت میں اپنے اپنے محلوں یا گھروں میں اذان دینا جائز ہے۔ یا نہیں۔ اذان دینے والوں کا مطلب یہ ہے کہ بلائیں وغیرہ ٹل جائیں گی۔ اور اس کی آواز جہاں تک پہونچے گی۔ وہاں تک اللہ کی رحمت نازل ہوگی۔ شریعت میں اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

جواب:۔ یہ طریقہ زمانہ رسالت وخلافت میں ثابت نہیں۔ اس لئے بدعت ہے۔

(۱۷ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ)

سوال:۔ دوزخیوں کو یوم النشور میں دیدار خداوندی نصیب ہوگی یا نہیں۔ اگر نہیں تو ان کا محاسبہ کیوں کر ہوگا۔ کیا ہاتف غیبی سے آواز آئے گی یا نامہ اعمال سے تصفیہ ہوجائے گا

جواب:۔ دیدار نہیں ہوگا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ مجرم لوگ اپنے رب سے پردے میں ہوں گے۔ تصفیہ کئی طرح سے ہوگا۔ چہروں کی علامت بھی ہوگی۔ جیساکہ ارشاد ہے۔ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔ اس روز کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی سیاہ (۱۷ رجب ۱۳۴۷ھ)

سوال:۔ نبی، ولی وغیرہ (پیغمبر خدا کے فرستادہ) بعد مرنے کے جسم مبارک دفن کر دینے کے بعد۔ قبر کے اندر عام مسلمانوں کے مثل جسم گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے یا نہیں کتاب اللہ یعنی قرآن وحدیث سے کیا ثابت ہے۔

جواب:۔ حدیث شریف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کا جسم مٹی پر حرام کیا ہوا ہے۔

(۲۹ شعبان المعظم ۱۳۴۷ھ)

سوال:۔ کیا تعریف ہے۔ شرع میں عالم کی، یعنی کم از کم کہاں تک علم حدیث اور فقہ حاصل کیا ہو، جس سے کہ عالم ہونے کا مستحق ہو۔

جواب:۔ عالم کے دو درجے ہیں۔ ایک وہ جو اتنے احکام کو بدلائل جانتا ہو۔ جو اس پر وارد ہوئے ہیں یعنی ذاتی۔ چاہے از قسم عبادت ہوں۔ یا از قسم تمدن وغیرہ۔ دوم وہ

جو اپنے احکام کے علاوہ اُن احکام کو بھی بدلائل جانے جو جملہ مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں مثلاً احکام سیاست، جہاد وغیرہ۔ یہ سب تعریف اس حدیث سے مستنبط ہے جس میں آنحضرتؐ نے علماء امت کو زمین کے قطعات سے تمثیل دی ہے۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

سوال: سپارہ ۲۶ سورہ فتح شروع۔ فتح دی تجھ کو فتح ظاہر اور بخش دیئے تیرے اگلے پچھلے گناہ۔ اللہ تعالیٰ پیغمبر خدا علیہ السلام کی طرف اشارہ فرما کر یہ آیت نازل فرماتا ہے اس سے ظاہر ہوا۔ نبی پہلے گناہگار تھا اور آئندہ بھی گناہ کرنے والا ہے۔ معصوم کو نہ ہوا۔

جواب: پہلے پچھلے گناہ معاف کرنے کا ذکر وہاں ہوتا ہے۔ جہاں یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ گناہ صادر ہی نہیں ہوئے۔ جیسا اصحاب بدر کے حق میں فرمایا۔ اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم جو چاہو کرو۔ میں نے تم کو بخش دیا۔ اس سے مراد ہے کہ تم سے گناہ صادر نہ ہوں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ مغفرت اور غفران اکثر تو گناہ ہونے کے بعد ذنوب گناہوں پر سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر کبھی گناہ کو وجود میں آنے سے مانع ہو کر اپنا اثر دکھاتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم۔ پ۲۔ رکوع ۵۔ یعنی جو کوئی سخت بھوک کی وجہ سے مجبور ہو کر حرام کھالے اس پر گناہ نہیں۔ بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔ لا اثم علیہ سے ثابت ہوا کہ گناہ اس پر آیا ہی نہیں۔ پھر فرمایا۔ اللہ غفور رحیم ہے۔ جب گناہ صادر ہی نہیں تو غفور کا تعلق کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مغفرت اور غفران کے دو اثر ہیں۔ ایک یہ کہ گناہ وجود میں آکر بخشا جائے۔ دوم گناہ صادر ہی نہ ہو۔ پس معنی آیت زیر بحث کے یہ ہیں کہ خدا ظاہر کر دے گا۔ کہ تیری پہلی اور پچھلی زندگی میں گناہ صادر ہی نہیں ہوئے۔ اللہ اعلم۔

اہلحدیث ۷ رجب ۱۳۵۲ھ

سوال: کیا حق تعالیٰ جل شانہ نے اس آیت میں روح سے مراد قرآن شریف کو لیا ہے ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ ان انذروا انہ لا الہ الا انا فاتقون (سورہ نحل ع۱)۔ اگر اس آیت میں روح سے مراد قرآن نہیں ہے تو مہربانی فرما کر وہ آیت بتایئے۔ جس میں روح سے قرآن مراد ہے۔

جواب: اس آیت میں روح سے مراد پیغام الٰہی ہے۔ خواہ وہ تورات کی شکل میں ہو یا انجیل کی صورت میں یا قرآن کی صورت میں۔ اللہ اعلم۔ اہلحدیث ۷ اپریل ۱۹۳۳ء

سوال:۔ اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلاث ورباع کا ترجمہ تفسیر ثنائی میں لکھا ہے۔ دو دو تین تین چار چار پروں والے فرشتے۔ اس سے حقیقی مراد کیا ہے۔ کیا فرشتوں کی خلقت واقعی مثل طیر ہے۔

شیخ قاسم علی

جواب:۔ جب تک حقیقت محال نہ ہو۔ حقیقت ہی مراد ہوا کرتی ہے۔ ۴ ذی الحجہ ۵۱ھ

سوال:۔ زید اور بکر میں نزاع ہے۔ زید کہتا ہے سیاست مذہب کا جزو ہے بغیر اس کے مذہب نامکمل ہے۔ بکر مخالف ہے۔ دونوں میں سے صحت پر کون ہے۔ ۴ ذی الحجہ ۵۱ھ

جواب:۔ مکمل دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا ہے۔ رسول اللہؐ نے زندگی میں سیاست بھی کی ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کی اپنی زندگی میں سیاست جزو دین ہے۔ چاہے تخت پر ہو یا تختہ پر۔ یعنی عمل ہو یا نیت۔ عمل جیسا حدیث شریف میں ہے۔ جو آدمی نہ جہاد کرے نہ جہاد کی نیت رکھے۔ تو وہ نفاق پر مرے گا۔[1] اہلحدیث۔ ۳ رمضان ۱۳۵۱ھ

خاص مولوی ثناء اللہ صاحب سے سوال

کیا آپ مقلدین مذاہب اربعہ کو عموماً اور حنفیہ کو خصوصاً کافر کہتے ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج جانتے ہیں اور کیا ان کے کفر کے متعلق آپ نے اپنی کوئی تحریر بھی شائع کی ہے۔ اخبار اہلحدیث میں یا کسی کتاب میں۔ الخ

محمد سجاد حسین

الجواب:۔ مجھے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کہ یہ سوال مجھ جیسے شخص سے کیوں پوچھا گیا۔ جس نے کبھی کسی کے فتوی کفر پر دستخط نہیں کئے۔ کیونکہ میرا اس باب میں وہی مسلک ہے۔ جو امام المحتاطین امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا ہے۔ لا نکفر اهل القبلة

اہل حدیث ۷ ستمبر ۱۹۱۷ء

سوال: بدعت کس کو کہتے ہیں۔

جواب: جس کام پر شرع شریف سے ثواب کا وعدہ نہ ہو اس کو ثواب کی نیت سے کرنا بدعت ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔ ۱۲ اپریل ۱۸ء

سوال:۔ اور یہ جو حدیث ہے کہ جس نے دین میں اچھا طریقہ نکالا۔ الخ

---

[1] مزید تشریح ۱۷ مارچ ۲۳ء کے اہلحدیث میں بذیل فتاویٰ دیکھئے۔ راز

جواب:۔ اچھا طریقہ نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام شرع سے ثابت ہے۔ مگر لوگوں کی غفلت سے مٹ گیا ہے۔ اس کو جاری کرنے والا اس ثواب کا مستحق ہے۔

(۱۲ اپریل ۱۹۱۸ء)

سوال:۔ جو شخص نبی کریم صلعم کو حاضر و ناظر جانے۔ نذر لغیر اللہ کا قائل ہو۔ قُل: دسواں، چالیسواں ان بدعات کا قائل ہو۔! یا شیخ جیلانی شیئاً للہ کے وظیفہ کا قائل ہو! گیارہویں پیر جیلانی کا قائل ہو! استعانت وغیرہ کا قائل ہو! اور مذکورہ بالا فعلوں پر عمل بھی کرتا ہو۔ تو شریعت محمدیہ میں اس کی اقتدار جائز ہے یا نہیں۔ یعنی امامت جائز ہے۔ یا نہیں؟

جواب:۔ ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ اجعلوا ائمتکم خیارکم۔ (یعنی اپنے امام نیک متبع سنت لوگوں کو بنایا کرو)۔ اگر یہ شخص امام مقرر ہو۔ تو اس کو معزول کرنا چاہیے

(۲۰ محرم ۱۳۴۳ھ)

شرفیہ: جواب سوال امامت شخصے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم را حاضر ناظر داند و نذر لغیر اللہ را جائز داند و یا شیخ جیلانی شیئاً للہ را قائل است جواب ایں چنیں شخص بسبب صفات الٰہیہ در نبی صلعم و غیر آں جائز داند۔ لہٰذا مشرک ست۔ اقتدار او جائز نیست بحکم فرمان عالی شان۔ لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ الآیۃ (پ۱۲۔ ع ۱۰)

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تشریح:۔ اعتقاد داشتن بہ ہمچوں مضمون سوال بای وجہ درست نیست بلکہ بدعت و ضلالت است۔ پس ایں چنیں ہرگز نہ شاید شرعاً زیرا کہ ایں از جملہ اعتقادیات است۔ و در اعتقادیات است علم فریقین پر ضرور است و دریں اعتقاد ہیچ دلیل شرعی کہ قابل حجت باشد یا فتہ نہ شد پس ہیچگونہ اعتماد و اعتقاد بلا دلیل شرعی براں کردہ شود۔ (فتاویٰ نذیریہ۔ جلد اوّل ص۲۱)

جو شخص مجوز اور مفتی اور مروج ان امور کا ہے۔ العیاذ باللہ منہ وہ راس المشرکین ہے یعنی اپنے تابعین مشرکین کا رئیس ہے۔ اس کے پیچھے نماز درست نہیں اور جب کہ دائرہ توحید و سنت سے وہ خارج ہوا تو کسی مذہب میں مذاہب اربعہ سے کب داخل رہا۔ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو اور ایسے افعال شرکیہ بدعیہ ہیں۔ ان سے معاملہ ترک کرنا چاہیئے جب تک تائب نہ ہوں۔ قد جاء فی الحدیث من احب للہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان الی آخرہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص۲۵)

(حررہ الفقیر محمد حسین الدہلوی عفا اللہ عنہ)

سوال:۔ بزرگوں سے دعا کرانی اور ان کے واسطے شیرینی لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ اور سنا ہے کہ شیرینی کسی کے پاس بطور تحفہ لے جانا سنت ہے۔ کیا رسول کریم کا یہ فعل تھا۔

جواب:۔ بزرگوں سے دعا کرانا سنت ہے اور ان کی نذر کو کوئی پسندیدہ چیز لے جانا بھی جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ایسا کرتے تھے اور آنحضرت منع نہ فرماتے تھے۔

۹ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ

سوال:۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فتمثل لھا بشرا سویا۔ کہ جبرئیل بشر کی صورت پر حضرت مریمؑ پر آیا تھا۔ یہ بشر کی صورت پر کیوں آیا تھا۔ اور فرمایا۔ فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا۔ یہ نفخ کس نے کیا تھا۔ جبرئیل نے یا خدا نے؟

جواب:۔ جبرائیلؑ بشر کی صورت میں آیا تھا۔ تاکہ حضرت مریمؑ کو وحشت نہ ہو۔ نفخ خدا کا فعل ہے جس طرح وہ دوسرے کام اسباب کے ساتھ کرتا ہے۔ ممکن ہے یہ بھی اسباب سے ہو۔ مگر لفظوں میں فاعل خدا ہے۔

۲ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ

سوال:۔ یہ جو حضرت یوسفؑ کے قصے میں فرمایا۔ يَا أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ۔ یہ لفظ سارق کا کیوں فرمایا۔ کیا وہ بھائی سارق تھے۔ کیا وجہ تھی۔

جواب: حضرت یوسف علیہ السلام نے سامان تلاش کیا تھا۔ اردلی اور پولیس والوں نے ان کے بھائیوں کو چور کہدیا یہ ایک معمولی بات ہے کیونکہ ان کو اندرونی راز معلوم نہ تھا۔ یوسفؑ نے کوئی ایسا ناجائز لفظ کوئی نہیں کہا۔

اہلحدیث ۲ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ

سوال:۔ درود تاج۔ درود لکھی۔ حزب البحر۔ دلائل الخیرات۔ اور پنجم کلمہ رد کفر۔ اللّٰھم إني أعوذ بك من أن أشرك بك وأنا أعلم به اخیر تک یہ ماثور ہے یا نہیں

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم کردہ درود وہ ہے جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے اس کے سوا باقی سب لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ جن کی پابندی کرنے کا حکم نہیں۔

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ

تشریح: ایک اور درود صلوٰۃ النار کے نام سے مشہور ہے جس کے الفاظ اللّٰھم صل صلوٰۃ کاملۃ وسلم سلاما تاما علی سیدنا محمد تنحل به العقد وتنفرج به الکرب الخ ہیں اس کے بارے میں مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث

فرماتے ہیں۔ مذکورہ درود کا ذکر کسی حدیث میں نہیں آیا ہے۔ اور میرے نزدیک اس کا پڑھنا درست نہیں (۱) قرآن کریم میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صلاۃ وسلام کے الفاظ دریافت کئے آپ نے جواب میں جو طریقہ اور الفاظ بتائے وہ کتب حدیث میں مشہور و معروف ہیں۔ خود پیغمبر کے بتائے ہوئے طریقے سے بہتر اور کون الفاظ ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد اپنی طرف سے الفاظ گھڑنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ (۲) اس مذکورہ صلاۃ وسلام میں چار جگہ لفظ بہ مذکور ہے۔ اس لفظ میں ضمیر کا مرجع بھی یستسقی الغمام بوجہہ الکریم کی مناسبت اور رعایت کی وجہ سے لفظ محمدؐ ہوگا اور جس طرح یہ جملہ محمدؐ کی صفت ہے اسی طرح اس سے پہلے کے چاروں جملے بھی محمدؐ کی صفت ہوں گے اور اس صورت میں ان جملوں کا معنی یہ ہوگا۔ اے اللہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل اور تام صلاۃ و سلام نازل فرما۔ جن کی ذات کے ذریعہ مشکلات حل ہوتی ہیں۔ گرہیں کھلتی ہیں۔ مصائب دور ہوتے ہیں۔ حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ مقاصد اور تمنائیں بر آتی ہیں اور حسن خاتمہ حاصل ہوتا ہے اور جن کے روئے مکرم یا ذاتِ گرامی کے ذریعہ بارش مانگی جاتی ہے۔ لیکن یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مشکلات حل کرنے والا۔ مصائب وغم دور کرنے والا، قاضی الحاجات مرادوں اور تمناؤں کا برلانے والا اور حسن خاتمہ کی توفیق دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اور یہ امور اسی کی ذات سے وابستہ ہیں۔ نہ کسی پیغمبر یا ولی یا پیر سے پس چونکہ یہ الفاظ موہم شرک ہیں۔ اس لئے نہیں پڑھنے چاہئیں۔ الی آخرہ

(مصباح جلد اوّل ص۱۰)

سوال:- حضرت سیّد عبد القادر جیلانیؒ۔ حضرت فرید الدین عطارؒ۔ بایزید بسطامیؒ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ۔ جو مشہور اولیا گذرے ہیں۔ انہوں نے اپنی کسی تصنیف کی ہوئی کتاب میں کوئی مضمون شریعت کے باہر لکھا ہے۔ (اہلحدیث ۹ ر ذی الحجہ ۳۷ھ)

جواب:- یہ لوگ بڑے پابند شریعت اور متبع سنت تھے۔ یہ کیوں شریعت سے باہر لکھتے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ اجعل الکتاب والسنۃ امامک قرآن و حدیث کو اپنا امام بنا کر چلو۔ (۹ ر ذی الحجہ ۳۷ھ)

سوال:- ہم محرم میں ملیدا اور شبرات میں حلوا پکاتے ہیں۔ نیاز نہیں دیتے۔ کھانے

کے لیے لڑکے بالے مل کر جاتے ہیں از روے قرآن و حدیث جواب عنایت ہو۔

۶ صفر ۳۸ھ

جواب: ۔ محرم کا حلوا اور شبرات کی مٹھائی بند کرنی چاہیئے ۔ یہ سب بدعت ہے۔

۶ صفر ۳۸ھ

شرفیہ: ۔ حلوا یا کوئی اور رسم تو نہیں ۔ ہاں صرف یوم عاشورہ میں اپنے اہل و عیال پر توسیع طعام کے بارے میں ایک حدیث ہے ۔ عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وسع علی عیالہ فی النفقة یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنة قال سفیان انا قد جربناہ فوجدناہ کذلک رواہ رزین کذا فی المشکوٰة ۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابوہریرہؓ ابوسعیدؓ جابرؓ سے بھی اس کو روایت کیا ہے اور بیہقی نے ضعیف بھی بتایا ہے ۔ مگر اپنی سند اور اپنے راویوں کی روایت کو نہ تمام طرق کو جو اور سندوں سے وارد ہیں ۔ اسی لئے عراقی نے کہا ہے کہ طرق صحیح بعضہا وبعضہا علی شرط مسلم مرقاة شرح مشکوٰة بعض اکابر نے انکار کیا ہے ۔ مگر جب محدث عراقی نے تصحیح لکھ دی تو پھر انکار کی کوئی وجہ نہیں ۔ حق سب سے بڑا ہے ۔

ابوسعید شرف الدین دہلوی

سوال: کتنے برس کی عمر کے آدمی کو منکر نکیر سوال کرتے ہیں ۔ اور کتنی عمر والا آدمی منکر نکیر کے سوال سے محفوظ رہے گا ۔

جواب: نابالغ بچے جن پر احکام شرعیہ لازم نہیں ۔ ان سے سوال نہ ہوگا ۔ جن پر احکام لازم ہیں ۔ ان سے سوال ہوگا ۔

اہلحدیث ۱۴ محرم ۳۸ھ

سوال: فدوی اہلحدیث ہے ۔ حنفیوں کی بستی میں رہتا ہوں ۔ شبرات نہیں کرتا ہوں ۔ مگر بچوں کے واسطے حلوا پکواتا ہوں ۔ شبرات کے ایک دو روز قبل یا بعد ۔ میری بی بی کا خیال منافقانہ نہیں ہے ۔ پکی موحد ہے اور آتشبازی لڑکوں کو چھوڑنے نہیں دیتا ہوں ۔ بلکہ لڑکے رو کر رہ جاتے ہیں ۔ میرا ایمان اس حدیث پر ہے انما الاعمال بالنیات ایسا کرنے سے گنہگار رہوں گا یا نہیں ۔

۴ ربیع الاوّل ۳۸ھ

جواب: ۔ بصورت مرقومہ میں ان شاء اللہ گنہگار نہ ہوگا ۔ لیکن اگر اثبات رسم کا اندیشہ ہو! تو آہستہ آہستہ اتنا بھی بند کر دینا چاہیئے ۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت عمر رضی عنہ سے پوچھ لیا تھا کہ جہاں پر قربانی کرنے کی تم نے نذر مانی ہوئی ہے وہاں مشرکوں کا کوئی معبد تو نہیں۔ جواب نفی میں ملا۔ تو اجازت فرمائی۔ (۱۴ ربیع الاول ۳۸ھ)

سوال:۔ کیا حضرت امام حسین رضی علیہ السلام کی شہادت مذہب اسلام کے لئے ضروری تھی۔ اور یہ سچ ہے کہ آپ محمدیہ کے واسطے کفارہ ہوئے۔ (۱۴ ربیع الاول ۳۸ھ)

جواب:۔ اسلام نے کسی کو کفارہ نہیں بنایا۔ بجز توبہ اور اعمال صالحہ کے۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ امام حسین علیہ السلام کی شہادت ایک اندوہناک واقعہ ہے۔ مگر مذہب اسلام کی نہ کوئی ضرورت اس پر موقوف تھی۔ نہ اسلام کی ذات میں یہ داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ قبل از واقعہ شہادت فوت ہو گئے ان کے ایمان میں نہ کوئی خلل ہے نہ نقصان۔ (۱۴ ربیع الاول ۳۸ھ)

سوال: قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ مضمرات میں کعب احبار سے نقل ہے۔ کہ ہم پاتے ہیں توریت میں جسے حق نے نازل کیا۔ اور پر موسیٰ علیہ السلام کے کہ امت محمدیہ میں ایک شخص پیدا ہوگا۔ اس کی کنیت ہوگی ابو حنیفہ رح جس کا ذکر آیا ہے توریت میں اپنے رسول مقبول صلعم کی امت میں ابو حنیفہ کر کے ایک شخص ہوگا۔ اس کی کنیت سے مع جواب مطلع فرمادیں (۱۴ رجب ۳۸ھ)

جواب:۔ کسی روایت میں اس کا جواب نہیں۔ تورات ساری اس ذکر سے خالی ہے۔ یہ سب معتقدانہ بناوٹیں ہیں۔ جن کا نہ سر ہے نہ پیر۔ علامہ مجد الدین سفر السعادت میں لکھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رح اور امام شافعی رح وغیرہ کی مدح یا ذم میں کوئی روایت ثابت نہیں۔ یہ سب موضوعات گنی ہیں۔ جو شخص دعویٰ کرے دکھاوے۔ (۱۴ رجب ۳۸ھ)

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج شریف خواب میں ہوئی یا کہ بیداری میں۔ (۸ شوال ۳۸ھ)

جواب:۔ احادیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ معراج بیداری میں ہوئی۔ بعض صحابہ رض خوابی حالت کے قائل ہیں۔ (اہلحدیث ۸ شوال ۳۸ھ)

شرفیہ:۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بجسد عنصری ہوا۔ یہی صحیح ہے۔ باقی باطل غلط ہے۔ کسے باشد: ۔ "ابو سعید شرف الدین دہلوی"

آیۃ شریفہ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ کے ذیل میں تفسیر ثنائی کا مطالعہ کیجئے جہاں حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم نے معراج جسمانی کو مدلل طور پر ثابت کرتے

ہوئے۔ جملہ شکوک و شبہات کا بہترین طور پر ازالہ فرمایا ہے۔ "محمد داؤد راز"

سوال:۔ زید ماہ محرم کے عشرہ کے دنوں میں تعزیہ کی مجالس میں جاکر کھیلتا کودتا ہے۔ از روئے قرآن وحدیث ایسے کھیلوں میں زید کا جانا جائز ہے یا نہیں۔ اور زید اس کو ثواب یا جائز سمجھ کر نہیں جاتا۔ فقط اس نیت سے جاتا ہے کہ محرم کی مجلسوں میں ہندو اور مسلمان سب جاتے ہیں اس لیے مسلمانوں کا زور ہندوؤں پر غالب رہے۔ اور ہندو مغلوب رہیں۔ اور آئندہ اسلام میں ہندو قوم کوئی قسم کا خلل یا ضرر نہ پہنچائیں۔ (۲ شوال ۱۳۳۸ھ)

جواب:۔ تعزیہ وغیرہ کی مجلس میں کسی نیت سے جانا بھی جائز نہیں۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں منع ہے۔ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ (۲۲ شوال ۱۳۳۸ھ)

سوال:۔ عاشورہ کے دن بغیر کسی قسم کی بدعت کے کوئی عمدہ کھانا پکا کر چند مسکینوں کو کھلانا اور آپ بھی کھانا کیسا ہے۔ کیا شرع شریف (حدیث) میں ممانعت ہے۔ (۷ محرم ۱۳۳۹ھ)

جواب: بدعات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ضروری ہے۔ اس لیے ایام عشرہ میں کچھ نہ کرے۔ کچھ کرنا ہو تو اس سے آگے پیچھے کرے۔ کیونکہ ان دنوں میں کرے تو بدرسم کی تقویت ہے۔ (۷ محرم ۱۳۳۹ھ)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ خدا کے نور سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور آپ کے نور سے زمین و آسمان بن گئے۔ آیا عندالشرع ٹھیک ہے۔ (۸ صفر ۱۳۳۹ھ)

جواب: خدا کا نور خدا سے جدا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی مخلوق ہیں۔ اس طرح دوسرے لوگ خدا کی مخلوق ہونے میں کمی بیشی نہیں۔ قائل مذکور کی تائید میں کوئی آیت یا حدیث صحیح نہیں۔ (۸ صفر ۱۳۳۹ھ)

سوال: کیا بعد اذان مؤذن کو بلند آواز سے یہ کہنا۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ یا نبی اللہ۔ یا حبیب اللہ وغیرہ جائز ہے۔ (۸ صفر ۱۳۳۹ھ)

جواب: نہ قرآن میں نہ حدیث میں نہ فقہ کی کسی کتاب میں یہ مسئلہ ملتا ہے۔ آجکل کے بدعت پسندوں کی محض ایجاد ہے خدا ہدایت کرے۔ (۸ صفر ۱۳۳۹ھ)

سوال: جبریہ قدریہ کون ہیں۔ ان میں سے صحیح مذہب کیا ہے۔ (۱۵ صفر ۱۳۳۹ھ)

جواب: جبریہ اس فرقہ کو کہتے ہیں جو انسان کو افعال میں مجبور محض کہتے ہیں اور قدریہ اس کو کہتے ہیں جو تقدیر الٰہی کے منکر ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسانی افعال میں خدا کی تقدیر

کو دخل نہیں۔ اہل سنت کے تمام فرقے ان دونوں فرقوں کے درمیان ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ الٰہی تقدیر کے ماتحت انسان فاعل مختار ہے۔ خدا کا علم جو جمیع کائنات کو شامل ہے اس کا نام تقدیر ہے۔ جو کام جس طرح علم الٰہی میں آیا ہے۔ ویسا ہی ہوگا اور اس کو انسان مثل پتھر کے بے حس اور بے ارادہ نہیں ہے۔ بلکہ ذی حس اور ذی ارادہ ہے۔ اور یہ حس بھی درحقیقت خدا نے ہی اس کو دی ہے انا ھدینا والی آیت بھی بتاتی ہے۔ کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ خدا نے ہر انسان کو نیک و بد کی راہ سمجھا دی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے ارادہ سے یا تو شکر گذار ہے یا ناشکرہ۔ مَا تَشَاءُونَ کے معنے یہ ہیں کہ جب تک خدا کی طرف سے کسی کام میں تم کو مدد نہ ملے۔ تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اللہ اعلم

۱۵ صفر ۳۹ھ

سوال:۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سے علماء تابعی کہتے ہیں۔ مگر مولانا نذیر حسین مرحوم دہلوی نے لکھا ہے کہ تابعی ہونا ان کا ثابت نہیں۔ یہ کیا بات ہے۔ ۲۹ صفر ۳۹ھ

جواب:۔ تابعی کی تعریف یہ ہے کہ جس نے باایمان صحابی کو دیکھا۔ اس طرح کا دیکھنا ثابت نہیں۔ جن لوگوں نے کہا۔ وہ اس بنا پر کہا ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں چند صحابہؓ زندہ تھے تو ملاقات ہوئی ہوگی۔ یہ حسن ظن ہے اس لیے حضرت میاں صاحبؒ دہلوی نے جو لکھا ہے وہ صحیح ہے۔

۲۹ صفر ۳۹ھ

سوال:۔ مردے سنتے ہیں یا نہیں۔ سنتے ہیں تو کیا دلیل۔ نہیں سنتے تو کیا۔ اگر سنتے ہیں تو ہم کو ان سے فائدہ ہے۔ یا نہیں۔ (۲۹ صفر ۳۹ھ)

جواب:۔ مردے اجسام بے جان ہوتے ہیں وہ نہیں سنتے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ یعنی تیری آواز مردے نہیں سن سکتے۔ امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔[1] سنتے ہوں تو ہمیں کچھ کام میں مدد نہیں کر سکتے جب کہ حالت زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ارشاد ہے:

اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۔ میں تمہارے نفع یا ضرر کا اختیار نہیں رکھتا۔ تو کسی اور زندہ یا مردہ کو کیا قدرت ہو سکتی ہے۔ کہ ہم کو فائدہ یا ضرر پہنچائے۔

۲۹ صفر ۳۹ھ

---

[1] اما سماع موتی پس ائمہ حنفیہ متفق اند بر نفی آں۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص۲۴۳)

سوال :- اولیاء اللہ کے گنبد کے پاس جاکر اُن سے دُعا کروانا جائز ہے یا نہ ۔ ۲۹ر صفر ۱۳۳۹ھ

جواب :- جائز نہیں ۔ کیونکہ وہ سنتے نہیں ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے ۔ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَ ، جن بزرگوں کو یہ لوگ پکارتے ہیں ۔ وہ اُن کی پکار سے بے خبر ہیں ۔ پھر ان سے دعا کیسی اور کیا فائدہ ۔ ۲۹ر صفر ۱۳۳۹ھ

سوال :- بڑے پیر صاحب کی کتاب غنیہ میں مُرجیہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ۔ یہ کون بزرگ ہیں ۔ آجکل جو ہندوستان میں حنفی ہیں یا کوئی اور ۔

جواب : حضرت پیر صاحب نے غنیہ میں بعض فرقوں کا ذکر کیا ہے اس بیان میں یوں لکھا ہے ۔ " اصحاب نعمان بن ثابت مرجیۃ " یہ ان لوگوں کے حق میں ہے ۔ جن کا یہ خیال ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی بُرا کام ضرر نہیں کرتا ۔ اور نیک کام ترقی نہیں دیتا ۔ ایسے لوگ جہاں کے ہوں ۔ ہندوستان میں ہوں یا عرب میں ہوں وہ پیر صاحب کے نزدیک مُرجی ہیں ۔ اہلحدیث ۲۱ر مارچ ۱۹۱۶ء

سوال : اللہ کی اور رسول کی بات چھوڑ کر غیر خدا کی غیر رسول کی بات ماننا کفر اور شرک ہے یا نہیں ۔ غیر نبی کی تقلید کرنے والے کو کیا آنحضرت صلعم کی شفاعت ہونے کی کسی دلیل سے ثبوت ہے ۔ جب بدعتی کو حوض کوثر سے آنحضرت صلعم ہانک دیں گے تو پھر ان کی شفاعت کیسی ؟ مقلد دین کے اندر بدعتی ہے یا مشرک ؟ رسول اللہ کا کلمہ پڑھتے ہوئے غیر نبی ؐ کی تقلید کرنے والا کیا مسلمان ہو سکتا ہے ؟ خریدار نمبر ۱۰۶۹

جواب :- قرآن شریف میں مومن کی علامت یہ بتائی گئی ہے ماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (پ ۲۲ ع ۲) کسی ایماندار مرد یا عورت کو جائز نہیں کہ اللہ اور رسول ؐ کے حکم کے بعد ان کو کوئی اختیار ہو اس آیت نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اللہ یا رسول ؐ کی بات چھوڑ کر غیر خدا کی بات ماننی ایمان کے خلاف ہے ۔ اسی میں سب کچھ آگیا ۔ ۶ر مئی ۱۹۳۲ء

تشریح حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تنویر العینین میں فرماتے ہیں لیت شعری کیف یجوز التزام تقلید شخص معین مع تمکن الرجوع الی الروایات المنقولۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصریحۃ الدالۃ علی خلاف قول الامام المقلد فان لم یترک قول امامہ

ففیه مشابهة من الشرك كما يدل عليه حديث الترمذي عن عدي ابن حاتم انه سأل رسول الله صلی الله علیه وسلم عن قوله اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ - یعنی کاش میری سمجھ میں یہ بات آجاتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف صریح روایات کے مقابلہ میں کسی شخص معین کی تقلید کیسے جائز ہوسکتی ہے۔ جبکہ وہ روایات صراحت کے ساتھ مقلد امام کے قول کے خلاف آرہی ہیں۔ ایسی حالت میں امام کے قول کو نہ چھوڑنا اور احادیث صحیحہ صریحہ کو رد کردینا اس میں ضرور شرک کی بو آتی ہے۔ جیسا کہ عدی بن حاتم نے کہا تھا۔ یا رسول اللہ درویشوں اور علماء کو رب بنانے کا مطلب کیا ہے (ہم نے کبھی ان کو رب نہیں بنایا) تو آپ نے فرمایا تھا کہ رب بنانا یہی ہے کہ جس حلال کو ان لوگوں نے حرام کردیا اس کو تم نے حرام ہی جان لیا اور جس حرام کو حلال کردیا اس کو تم بھی حلال ہی جاننے لگے۔ درویشوں اور علماء کا یہی رب ٹھہرانا ہے۔ اعاذنا الله منه - " ملخصاً "

دیگر عمل تقلیدی کسی ایک حجت شرعیہ میں سے نہیں ہے۔ یعنی عمل بقول اس شخص کے کرنا کہ جس کا قول بلا دلیل شرعی کے حجت نہ ہو اس کو عمل تقلیدی کہتے ہیں۔ اور تقلید کی تعریف یہ ہے۔ التقليد العمل بقول الغير من غير حجة متعلق بالعمل والمراد بالحجة حجة من الحجج الاربع كذا في كتب الاصول الحنفية وغيرها كما لا يخفى على الماهر بالاصول :۔ پس تقلید کی تعریف سے حسب اصطلاح مقلدین کے واضح ہوا۔ کہ عمل تقلیدی دلائل اربعہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اجماع صحابہؓ و مجتہدین اور قیاس صحیح مجتہد مسلم الاجتہاد سے خارج ہے اور یہ عمل تکلیفی شرعی اصلاً نہیں اور جو عمل بلا ادلہ اربعہ کے پایا جاوے وہ عمل تکلیفی شرعی نہیں وہ شرعاً مردود اور باطل ہے۔ پس عمل تقلیدی بھی مردود اور باطل ہوا۔ الحمد للہ کہ بے اصل شرعی ہونا تقلید کا بموجب اصطلاح مقلدین کے ثابت ہوا اور یہ مقلدین پر سخت حجت ہے۔ الیٰ آخرہ

العاجز محمد نذیر حسین عافاہ اللہ فی الدارین
فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۱۰۰

سوال:۔ مسلمانوں کا عام عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے اور واپس تشریف لائیں گے۔ برائے رفع شبہ سوالات ذیل کا جواب

مطلوب ہے۔

(۱) مخالفین نے سب نبیوں کو تکلیف دی۔ درپئے قتل ہوئے۔ لیکن آسمان پر کوئی نہ اٹھایا گیا۔ مسیحؑ کے لئے ضرورت رفع کیا تھی۔ (۲) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ حدیث لا نبی بعدی۔ اس حدیث اور آیت نے کسی نئے اور پرانے نبی کے آنے کی نفی کر دی۔ اس لئے عہد رسالت محمدیہ میں حضرت مسیحؑ کا نزول جسمانی ممتنع اور محال ہے۔ رہا یہ خیال کہ ابن مریمؑ بحیثیت امامت نازل ہوں گے۔ سو یہ گمان بھی دو وجہ سے ناجائز ہے (۱) یہ کوئی نبی اپنے منصب نبوت سے معزول کو معطل نہیں ہو سکتا۔ (۲) یہ کہ اس خاص زمانہ میں امامت مہدیؑ کے لئے مقرر ہے۔ لہٰذا ابن مریمؑ جو اسرائیلی نبی ہیں امت محمدیہ کی ظاہری امامت کے لئے مستحق نہیں ہو سکتے۔

شیخ قاسم علی اور سیر پنشنر

جواب: پہلے نبیوں کو دوبارہ بھیجنا منظور خدا نہ تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو دوبارہ بھیجنا ہے تاکہ ان کے ہاتھ سے اشاعت اسلام ہو۔ پچھلی مسلسل زندگی ختم نبوت کے منافی نہیں۔ حضرت مسیح دوبارہ اگر نبوت سے معزول نہ ہوں گے بلکہ بحال رہیں گے۔ ان کا کام قرآن کی تبلیغ بتفہیم الٰہی جیسے حضرت ہارون کی تھی۔ اس پر کیا سوال نبوت سے معزول کیسے ہوئے انبیاء کی جماعت اللہ کے نزدیک سب ایک ہے۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ

۱۶ اکتوبر ۱۹۳۱ء

سوال: وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ کوئی غیر آدمی مسیحؑ کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ جس کو دار پر کھینچا گیا اور اس اثناء میں مسیحؑ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اس کے متعلق سوالات ذیل کا جواب مطلوب ہے۔ (۱) رفع آسمانی کی عینی شہادت کیا ہے؟ (۲) اس بات کا نقلی ثبوت کیا ہے۔ کہ مسیحؑ کی جگہ کوئی مصلوب ہوا۔ ایک کافر مردود روح اللہ کی شبیہ کیسے بن سکتا ہے۔ اگر ہو تو اس نے ہیرودیس اور پیلاطوس حضور کیوں عذر نہ کیا۔ کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں۔ کیا اس کا دل، زبان، حواس سب تبدیل ہو گئے تھے (۳) کیا فرضی مصلوب آسمان سے بحکم نازل ہوا تھا۔ یا اسی مجمع میں کوئی تھا۔ تو اس کا نام کیا تھا۔

سائل مذکور

جواب: قائلین وفات اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔ میرے نزدیک وہ بھی قابل ترک نہیں

لیکن شُبِّہَ لَھُمُ الْمَسِیْحُ بِالْمَوْتِ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَمُتْ۔ رفع کا عینی گواہ خود قائل قرآن اور فاعل مختار ہے۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء

تشریح۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص دعوی کرتا ہے کہ عیسیٰ موعود میں ہوں اور وہ عیسیٰ مر گئے۔ سو ایسا دعوی کرنے والا کافر ہے یا مومن اور جو ایسے شخص کا معتقد ہو وہ کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جو شخص اپنے کو عیسیٰ موعود کہتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا قائل ہے وہ بڑا دجال کذاب منکر قرآن و احادیث متواترہ کا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ ای قبل موت عیسیٰؑ۔ کما قال ابن عباسؓ والوہریرہؓ وغیرہما من السلف وھو الظاہر۔ کما فی تفسیر ابن کثیر و فتح القدیر للشوکانی ھکذا فی الفتح۔ یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ عیسیٰؑ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں۔ احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں شام میں ان کا ظہور ہوگا۔ دجال کو قتل کریں گے لوگوں کو اس کے شر و فساد سے بچاویں گے ان کی دعا سے یاجوج ماجوج کی قوم ہلاک ہوگی ان کے ہاتھ سے شر و فساد کا دروازہ بند ہو جاوے گا۔ جمیع اقوام یہود و نصاریٰ وغیرہ اسلام قبول کریں گے۔ عدل و انصاف سے سارا زمانہ معمور ہو جاوے گا۔ سات برس تک یہی حالت رہے گی۔ پھر آپ دنیا سے رحلت فرماویں گے۔ یہ قصہ تمام کتب احادیث و عقائد میں مرقوم ہے اور اس پر تمام اہل سنت والجماعت کا اعتقاد ہے۔ ہاں بعض فرقہ ضالہ نے احادیث نزول عیسیٰؑ کو آیۃ خاتم النبیین سے منسوخ سمجھا اور تناقض خیال کر کے جملہ احادیث صحاح کو رد کیا۔ ان کی سُوء فہمی نے انہیں چاہِ ضلالت میں ڈالا۔ فی الحقیقت کوئی تناقض نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور جو حضرت عیسیٰؑ کا نزول آخر زمانہ میں ہوگا۔ وہ مستقل و جدید شریعت کے ساتھ نہیں ہوگا۔ بالجملہ جمیع اہل السنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں اور جو شخص ان کی حیات کا منکر اور مثل یہود مردود کے قتل ہونے کا یا خود بخود فوت ہونے کا قائل ہو اور اپنے آپ کو عیسیٰ کہتا ہو ایسے شخص کے کفر میں کوئی شبہ نہیں اور جو شخص ایسے اعتقاد والے کا پیرو ہو وہ بھی احاطۂ اسلام سے باہر ہے۔ واللہ اعلم

حررہ عبدالحفیظ عفی عنہ ۳۰ رجب ۱۳۱۷ھ

فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص ۴ تا ۵

سید محمد نذیر حسین

سوال: مرزائیوں کو السلام علیکم کہنا یا سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں۔ مرزائیوں کے گھر ماتم پرسی کو جانا جائز ہے یا نہیں۔ جبکہ وہ ہمارے گھروں میں ماتم پرسی کو آتے ہیں۔ مرزائی اگر دعوت ولیمہ کے واسطے کہے تو قبول کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر مرزائی ہماری مسجد کی تعمیر میں جہاں وہ خود بھی نماز پڑھتا ہے کچھ رقم بطور چندہ دیوے تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس میں شک نہیں کہ مرزائی گروہ عربی اسلام سے بالکل الگ ہے۔ ان کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرزا صاحب کے اقوال و افعال کو سند مانتے ہیں۔ بلکہ احادیث سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ وہ حکم عدل تھے ان کا فیصلہ ہر بات میں فیصل ہے۔ اس لئے ایسے گروہ کے ساتھ کوئی معاملہ بحیثیت مسلمان کے نہیں کرنا چاہیئے۔ تعزیت کرنا، دعوت شادی قبول کرنا، رسمی سلام کرنا، مسجد میں چندہ لینا۔ یہ مخصوص قوم مسلم سے نہیں ہیں۔ کیونکہ غیر مسلموں سے بھی یہ برتاؤ کرنا جائز ہیں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ سے برتاؤ کرتے تھے۔ اللہ اعلم

۱۳ ستمبر ۱۹۴۵ء

بیان امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

عرصہ ہوا۔ میں نے مرزا صاحب کا نوشتہ "براہین احمدیہ" میں پڑھا تھا کہ آیت ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ سیاسی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے۔ جب حضرت عیسیٰ دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے تو سب ادیان پر اسلام کو غلبہ ہوگا۔ میں بلکہ بہت سے مسلمان مرزا صاحب کی اس تحریر کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے منتظر رہے۔ جب ہماری آنکھیں پتھرا گئیں تو خدا خدا کر کے قادیان سے آواز آئی۔ کہ جس عیسیٰ موعود کے تم منتظر تھے وہ میں ہوں۔ تو بے ساختہ ہمارے منہ سے نکلا ؎

خواستیم آنچہ ما فراز آمد　　آب از جوئے رفتہ باز آمد

اس لئے ہم اس سیاسی غلبہ کے منتظر رہے۔ جو جناب مرزا صاحب نے "براہین احمدیہ" کے صفحہ ۴۹۹ پر مسیح موعود پر لکھا تھا۔ اور ہم بہت خوش تھے۔ کہ اب مسلمانوں کو ایک ایسا روحانی لیڈر مل گیا۔ جو اُن کو اسلام کے پہلے عروج پر بلکہ اس سے بھی اوپر پہنچائے گا۔ مگر واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ ؎

جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال اب آرزو یہ ہے کہ کوئی آرزو نہ ہو

آہ۔ ہماری بدنصیبی اور سیہ بختی کی کوئی حد نہیں رہی۔ جب کہ ہم نے اس مسیح موعود کو یہ کہتے سنا۔ جو ہم کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرانے اور دین اسلام کو بام عروج پر پہنچانے کو آیا تھا۔ اس کی قلم کے لکھے ہوئے الفاظ جب ہم نے پڑھے کہ "انگریزوں کی حکومت کو اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی حکومت سمجھو" (رسالہ ضرورت امام)

ساتھ ہی اس کے یہ امر ہماری حیرت میں اضافہ کرنے کو کافی سے زیادہ ثابت ہوا۔ جب ہم نے ان کی تحریروں میں یہ بھی پڑھا کہ انگریزی قوم یاجوج ماجوج ہے۔ (حمامۃ البشریٰ)

ہم حیران ہوئے۔ کہ الٰہی یہ دو مقدمات کیسے صحیح ہیں۔

(۱) انگریز یاجوج ماجوج ہیں (۲) انگریز ہمارے اولی الامر منکم ہیں۔

ان دونوں مقدموں کا نتیجہ منطقی اصول سے تو یہی برآمد ہوتا ہے۔ کہ "ہم (مرزا صاحب کو ماننے والے) یاجوج ماجوج ہیں۔ واللہ یہ نتیجہ سمجھ کر ہمارے دل کانپ اٹھے کہ الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ وہ عیسیٰ مسیح موعود جو مسلمانوں کے سیاسی غلبہ اور دینی ترقی کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے آج اپنے اتباع کو یاجوج ماجوج کے ماتحت رہنے کا۔ بلکہ ان کو اپنے میں سے جاننے کا حکم دیتے ہیں۔ یا للعجب

اس کے علاوہ ہم نے دنیا کے واقعات پر غور کیا تو ناقابل تردید صداقت یہ پائی کہ حضرت مرزا صاحب کے پیدا ہونے اور دعویٰ مسیحیت کرنے سے پہلے مسلمانوں کی سیاسی حالت جو تھی وہ آج سے بہت اچھی تھی۔ دُنیا کے بہت سے ملکوں میں اُن کی آزاد حکومتیں تھیں۔ ان کو سیاسی اعزاز حاصل تھا۔ مگر جوں ہی اس مسیح موعود نے ظہور فرمایا۔ وہ سیاسی کیفیت تبدیل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ یہ منحوس آواز بھی ہم نے سُنی کہ قسطنطنیہ پر غیر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ جو بہادر جوانمرد (غیر مسیح موعود) کی ہمت سے اُٹھ گیا۔ ﷲ الحمد۔

یہ تو ہوئی مسلمانوں کی سیاسی کیفیت۔ اس کے علاوہ مذہبی کیفیت میں بھی اسلام کچھ ترقی نہ

کرسکا۔ نہ مسلمانوں کی مردم شماری میں نمایاں ترقی ہوئی۔ نہ اقتصادی امور میں کچھ کامیاب ہوئے۔ بلکہ جس مذہب عیسویت کو مٹانے کے لئے (فرضی) حضرت مسیح موعود تشریف لائے تھے۔ اس کی دن دونی، رات چوگنی ترقی ہوئی۔ دور نہ جائیں اور کبوتر کی طرح ہم آنکھیں بند نہ کریں۔ تو ہم کو مسیح موعود حضرت مرزا صاحب کے اپنے ملک میں نظر آتا ہے۔ کہ ان کے دعوے سے پہلے عیسائی چند نفوس تھے۔ مگر آج صرف پنجاب میں نصف کروڑ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔

یہ ہیں واقعات جو ہم کو حضرت مرزا صاحب کے مذہبی اور ملکی رہنما بنانے میں مانع ہیں اور بیساختہ ہمارے قلم سے یہ شعر نکل رہے ہیں ؎

یہ مان لیا ہم نے کہ عیسٰی سے سوا ہو — جب جانیں کہ درد دل عاشق کی دوا ہو

(اہلحدیث امرتسر ص ۲ صفر ۱۳۴۳ھ)

سوال: بکر کہتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کو زندہ یا فوت شدہ ماننا۔ بغیر باپ کے یا باپ والا ماننا۔ ہمارے لئے جزو ایمان نہیں ہے۔ بلکہ جزو ایمان یہ ہے کہ حضرت عیسٰی کو بشر اور رسول مانے۔ اور الوہیت میں شریک نہ کرے۔ کیونکہ حضرت مریمؑ کی شادی یوسف نامی بڑھئی سے ہوگئی تھی۔ اور حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش مثل عام انسانوں کے ہوئی۔ اس لئے وہ ابن اللہ نہیں ہوسکتے۔

جواب: قرآن مجید سے جو کچھ ثابت ہے اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ چاہے حضرت موسیٰؑ کا دعویٰ رسالت ہو یا فرعون کا دعویٰ خدائی۔ یعنی یہ ماننا بھی داخل ایمان ہے۔ کہ فرعون نے کہا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔ پس ان معنوں سے حضرت عیسٰیؑ کی پیدائش بلا باپ ماننا داخل ایمان ہے کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے۔ **ماکان ابوک امرء سوء وما کانت امک بغیا**۔ یوسف سے نکاح ہونا انجیل میں مذکور ہے۔ مگر اسی انجیل میں یہ بھی مرقوم ہے کہ مریمؑ یوسف کے ملاپ سے پہلے روح القدس سے حاملہ ہوچکی تھی۔ اس لئے یہ نکاح مسیحؑ کی ولادت بے باپ ہونے کے مخالف نہیں۔

(۲۰ اپریل ۱۹۳۴ء)

سوال: عیسٰی علیہ السلام کی مائی صاحبہ کا نکاح کب ہوا؟

جواب: اسلامی روایات میں اس کا ثبوت نہیں۔ (یکم جون ۱۹۳۴ء)

دیگر: حضرت عیسٰی علیہ السلام معمولی طور پر بے باپ مولود تھے (۱۸ مئی ۱۹۳۴ء)

سوال: غیر مسلمان یعنی ہندوؤں سے میل جول رکھنا۔ دینی اور دنیاوی کاموں میں مشورہ

لینا، ہندوؤں کو آداب اور سلام کہنا سنتِ محمدیہ کے موافق ہے یا مخالف؟ ہم نافہموں کے لئے صاف صاف بیان کرنا۔

جواب: جس ہندو سے تعلق ہو اور اس تعلق میں قابل بھروسہ ہو اس سے مشورہ کرنا جائز ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب سے مشورہ وغیرہ کیا کرتے تھے۔ ایسا ہی کسی معزز ہندو کے لائق اس کو آداب سلام کہنا منع نہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ اذا جاء کم کریم قوم فاکرموہ۔

۱۴ رجب ۱۳۴۴ھ

بیان مہاتما گاندھی ریفارمر ہند

مسلمانوں کے ساتھ گہرے تعلقات ہونے کی وجہ سے میں نے پیغمبر اسلام (علیہ السلام) کی زندگی کا مطالعہ کرنا اپنا فرض سمجھا۔ میں نے پہلے پہل افریقہ میں ان کی زندگی کو پڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس وقت میں اُردو کی کافی قابلیت نہیں رکھتا تھا۔ ہندوستان میں اپنے ایام اسیری کے دوران میں مجھے خوش قسمتی سے موقع مل گیا۔ اور میں نے مولانا شبلیؒ کی تصنیف کردہ "حضرت محمد علیہ السلام" کی سوانح حیات کو پڑھا۔ یہ کتاب مجھے مرحوم حکیم اجمل خان" نے میری درخواست پر جیل بھیجی تھی۔ حضرت کی زندگی کے علاوہ میں نے اُن کے دوسرے ساتھیوں کی زندگیوں کو بھی پڑھا ہے۔ علاوہ ازیں میں نے "اسلام اور حضرت محمد صاحب" (علیہ السلام) کے متعلق انگریزی زبان میں بھی بہت سی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے۔ اس مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ ویدوں اور گیتا کے علاوہ قرآن اور بائیبل بھی میرے لئے مقدس کتب ہیں۔ حضرت محمدؐ اور حضرت مسیحؑ دو زبردست پیغمبر تھے۔ اسلام کے مطالعہ سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پیغمبر اسلام سچائی کے متلاشی اور خدا ترس بزرگ تھے۔ میں جانتا ہوں کہ میں یہ باتیں کہہ کر آپ کے سامنے کوئی نئی بات پیش نہیں کر رہا ہوں۔ میں آپ کو صرف یہ بتا رہا ہوں۔ کہ پیغمبر اسلام کی زندگی نے مجھ پر کس طرح اثر کیا۔ ان پر انتہائی مظالم کئے گئے۔ لیکن وہ سچائی کے راستہ پر چلتے گئے۔ انہوں نے نتائج کا خیال کئے بغیر وہی کیا جو اُن کے خیال میں درست تھا۔ اگر اُن کے خیال میں کوئی تبدیلی ہوتی تھی تو وہ بلاخوف دوسرے ہی دن اس کا اظہار کر دیتے تھے۔ پیغمبر اسلام ایک فقیر تھے اور انہوں نے دنیا کی تمام چیزوں کو ترک کر دیا تھا۔ اگر ان کی خواہش ہوتی تو وہ بہت سی دولت جمع کر سکتے تھے۔ جب میں اُن کی، اُن کے خاندان کی اور اُن کے ساتھیوں کی غریبی کے حالات پڑھتا ہوں۔ تو میری آنکھوں میں مسرت کے آنسو آ جاتے ہیں۔ میرے جیسا سچائی کی متلاشی

کس طرح اس شخص کی عزت کیے بغیر رہ سکتا ہے۔ جس کا دماغ ہمیشہ خدا کی طرف لگا رہا۔ جو ہمیشہ خدا سے ڈرتا رہا۔ اور جس کے دل میں بنی نوع انسان کے لیے بے انداز رحم تھا۔ آپ تمام قرآن پڑھتے ہیں۔ لیکن آپ میں سے بہت کم اس کی تعلیم پر عمل کرتے ہیں۔ آپ کہیں گے کہ اگر ہم قرآن کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے تو ہندو بھی تو گیتا کی تعلیم پر نہیں چلتے۔ آپ کا یہ کہنا درست ہے۔ میرا یقین ہے کہ اگر دونوں فرقے اپنے اپنے مذہب کی تعلیم پر چلیں تو فرقہ وارانہ جھگڑے ماضی کی داستان بن کر رہ جائیں گے۔ اس وقت دونوں فرقوں کے اشخاص نے اپنی عقل کو خیرباد کہہ کر ایک دوسرے پر کیچڑ پھینکنا اپنا جزو ایمان بنا رکھا ہے۔ اگر ایک بھی مسلمان صورت حالات کا احساس کرے تو میں سمجھوں گا کہ آپ کے سامنے میری تقریر فضول نہیں گئی۔

(اہلحدیث ۲ جولائی ۱۹۳۳ء)

سوال: میرے والدین نے پیدائش کے وقت میرا نام غلام نبی رکھا ہے۔ لیکن یہاں کے اہلحدیث عالم کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے۔ کیا اس میں شرک ہے؟

جواب: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم نے زیر آیت فَلَمَّا تَغَشّٰهَا ایسے ناموں کو شرک لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ازینجا دانستہ شد شرک در تسمیہ نوعیست از شرک چنانکہ اہل زمان ما غلام فلاں، عبد فلاں نام می نہند۔

(۲۳ شوال ۱۳۵۶ھ)

سوال: علوم خمسہ مندرجہ آخیر سورۂ لقمان کا علم آنحضور علیہ السلام کو بذریعہ وحی معلوم تھا یا نہیں۔ کیا ان پانچ باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نبیوں کو بذریعہ وحی بتا دیتا تھا۔ یا نہیں۔ کتاب اطیب البیان مصنف نعیم الدین صاحب مرادآبادی میں لکھا دیکھا ہے کہ بتا دیا تھا۔ علم غیب کی تعریف کیا ہے؟

(عبدالحق از لائلپور)

جواب: علم غیب کی تعریف قرآن مجید میں مذکور ہے۔ ارشاد ہے۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ۔ (پ۷۔ ع۱۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے فرمایا۔ جو کوئی کہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا وہ جھوٹا ہے۔ ان کا استدلال بھی سورۂ لقمان کی آخری آیت ہی سے تھا۔ علم غیب کو دو حصوں ذاتی اور وہبی پر تقسیم کرنا نافہمی کا ثبوت ہے۔ مخلوق کو جتنا بھی علم حاصل ہوتا ہے وہ سب وہبی ہے ذاتی کسی کو بھی نہیں بحکم آیت وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ۔ (آیۃ الکرسی)۔ مخلوق خدا

کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ مگر جس قدر چاہے۔ ۱۲ ربیع رمضان ۱۳۶۳ھ جج

سوال: کیا بخاری و مسلم کی ہر ہر حدیث پر عمل کرنا۔ بخاری و مسلم کی تقلید نہیں ہے۔؟

جواب: بخاری مسلم ہو یا کوئی اور جس کتاب میں احادیث مرفوعہ ہوں۔ اس پر عمل کرنا ان احادیث مرفوعہ پر عمل کرنا ہے۔ یہ ان محدثین کی تقلید نہیں۔ کیونکہ تقلید کسی غیر نبیؐ کے ذاتی قول کو ماننے کا نام ہے۔ ۲ رمضان ۵۴ھ

تشریح امام صاحب کی (بخاریؒ) کل تصنیفات میں الجامع الصحیح۔ جو آج **بخاری** کے نام سے مشہور ہے۔ اور دنیا کے تمام ان حصوں میں جہاں جہاں اسلامی اثر پہنچا ہے۔ شائع ہے۔ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ جن وجوہات سے مسلمانوں نے امام بخاریؒ کو امام المحدثین امیر المومنین فی الحدیث کا لقب دیا ان میں ایک یہ مبارک کتاب بھی ہے۔ یہ رتبہ الفضیلت، یہ شرف باعتبار متقدمین سے لے کر متاخرین تک اسلام میں نہ کسی محدث کی تصنیف کو حاصل ہوا۔ نہ کسی فقیہ اور امام کی تالیف کو۔ آج اسلام میں کتاب اللہ کے بعد کس کی تالیف اور کون سی کتاب ہے۔ جس کے آگے کل اسلامی دنیا سر تسلیم خم کرتی ہے ؎

لہ الکتاب الذی یتلوا الکتاب ھدی ۔۔۔ ھذی السیادۃ طودٌ لیس ینصدع

(طبقات کبریٰ)

صحیح بخاری ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر صرف اسی کی تعریف لکھی جائے اور ہر پہلو سے اس پر مستقل بحث کی جائے تو کئی ضخیم جلدیں لکھنی پڑیں۔ علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں (جس میں انہوں نے علم تاریخ کے حکیمانہ اصول اور فلسفیانہ نکتے و تمدنی قواعد ضبط کئے ہیں فرماتے ہیں۔ ولقد سمعت کثیرا من شیوخنا رحمھم اللہ یقولون شرح کتاب البخاری دین علی الأمۃ۔ یعنی میں نے اپنے اکثر اساتذہ اور شیوخ کو فرماتے سنا کہ صحیح بخاری کی شرح لکھنے کا قرض امت پر اب تک باقی ہے۔

علامہ ابن خلدون آٹھویں صدی کے مورخ ہیں۔ نویں صدی کے ابتداء میں وفات پائی ہے۔ مقدمہ تاریخ کو انھوں نے ۷۷۹ھ میں ختم کیا ہے۔ اس وقت تک صحیح بخاری کی شروح کثرت سے لکھی جا چکی تھیں۔ تیسری صدی کے بعد ہی سے اس کی شرح کی طرف اہل علم متوجہ ہو گئے۔ لیکن اس فاضل مؤرخ کے تتبع و استقراء اور تحقیق میں کوئی شرح

اس قسم کی نہیں لکھی گئی۔ جو صحیح بخاری کے نکات فقہیہ اور تدقیقات حدیثیہ و تاریخیہ کی طرف پوری طرح رہبر ہو سکے۔ جہاں تک خیال کیا جاتا ہے۔ زمانہ موجودہ تک صحیح بخاری کے شروح کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ اور اہل علم نے کوئی پہلو یا کوئی موضوع ایسا نہیں چھوڑا۔ جس پر بحث نہ کی ہو۔ کسی نے نحوی تحقیقات سے بحث کی۔ کسی نے صرف تراجم ابواب کو موضوع ٹھہرا کر کتاب لکھی۔ کسی نے لغات سے بحث کی۔ کسی نے رجال سے، کسی نے تعلیقات کو موصول کیا کسی نے متابعات سے بحث کی۔ کسی نے استخراج کیا، کسی نے استدراک کیا، کسی نے تنقید پر کتاب لکھی۔

تاہم امام بخاریؒ کے دقیق خیال اور لطیف استدلال تک بہت کم لوگوں کی رسائی ہوئی۔ علامہ ابو الخیر سخاوی التبر المسبوک فی ذیل المسلوک میں علامہ ابن حجرؒ کے ترجمہ میں فتح الباری[1] کی نسبت رقمطراز ہے۔ کہ اگر فاضل ابن خلدون کو فتح الباری سے واقفیت ہوئی ہوتی جنہوں نے یہ لکھا تھا کہ صحیح بخاری کی شرح کا دین امت پر باقی ہے۔ تو اس شرح کو دیکھ کر ان کی آنکھیں اس دین کے بھر پانے سے ٹھنڈی ہوتیں۔ لیکن بقول ہمارے بعض شیوخ کے کیا معلوم کہ فاضل مؤلف کے بلند خیال میں بھی دین ادا ہوا یا ابھی باقی ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ یزیدک وجهه حسنا اذا ما زدته نظرا - یہ مصرعہ شاید اسی مبارک کتاب کے لئے موزوں ہوا ہے۔ جس قدر جس کو زیادہ غور کا موقعہ ملتا ہے۔ اسی قدر نکات فقہیہ اور تدقیقات حدیثیہ سے اس کے دل و دماغ کو بہرہ یابی ہوتی ہے۔ اس کی رفعت شان کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ تیئیس کروڑ افراد انسانی (باستثنائے معدودے چند) اس کو مایۂ ناز سمجھتے ہیں۔ اور یقین کرتے ہیں کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریرات اس تنقید اور تحقیق کے ساتھ اس کتاب میں جمع کئے گئے ہیں۔ کہ اس سے بڑھ کر ہونا غیر ممکن ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اپنی

---

[1] حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی مشہور عالم کتاب ہے۔ جس کو لکھ کر آپ نے حضرت امام بخاریؒ کی صحیح بخاری کا امت کے سر سے قرض ادا کر دیا۔ یہ کتاب تحقیقات اور تدقیقات کے اعتبار سے نہایت بے نظیر ہے۔ جس میں بخاری شریف کی ہر پہلو سے بہترین تشریح کی گئی ہے۔ ۸۱۷ھ میں علامہ ابن حجرؒ نے اس کی تالیف کا کام شروع کیا اور ۸۴۲ھ میں مکمل ہوئی۔ (راز)

جانفشانی اپنی محنت، اپنی سعی، اپنی جاں نثاری، اپنے خداداد حافظہ کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا قرآن مجید کے بعد اس کتاب کی صحت کا اقرار کرنے اور ماننے میں عرب و عجم - اہل حجاز، اہل شام اہل عراق، اہل ہند، ترکی، کابلی، بربری، افریقی، رومی، روسی، بدوی - شہری، محدث فقیہہ، متکلم، صوفی سب متساویۃ الاقدام ہیں -

ڈمس ولیم بیل اور نٹیل - بیوگریفیکل ڈکشنری مطبوعہ لندن ۱۸۹۰ء میں لکھتے ہیں -

امام بخاریؒ کی تصنیف صحیح بخاری کی سب سے زیادہ قدر کی جاتی ہے - اور روحانی و دنیاوی معاملات، غرض دونوں حیثیت سے قرآن کے بعد معتبر سمجھی جاتی ہے - آگے لکھتے ہیں اس کتاب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وحیاں والہامات اور افعال و اقوال ہی نہیں مندرج ہیں - بلکہ قرآن کے اکثر مشکل مقامات کی تفصیل بھی درج ہے -

(ملخص از کتاب سیرۃ البخاریؒ صفحہ ۱۷۶ تا ۱۸۱ - مصنفہ حضرت مولانا محمد عبدالسلام مبارکپوری)

سوال: کیا بخاریؒ و مسلمؒ معصوم عن الخطا تھے - کیا ان سے حدیثوں کے جمع کرنے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی -

جواب: انسانی طاقت کے لحاظ سے بخاری و مسلم کو بے غلط کہنا صحیح ہے - گو امام بخاری اور امام مسلم معصوم عن الخطاء نہیں تھے -

۲۹ / نومبر ۱۹۳۵ء

سوال: کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ سے کیا مراد ہے - کل چیز میں فرشتے بھی شامل ہیں یا نہیں -

جواب: فرشتے اہل ہستی میں قابل فنا ہیں - مگر سب چیزوں کے ساتھ فنا نہ ہوں گے - کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ - آسمان پھٹ کر بوسیدہ ہو جائے گا - اور فرشتے آسمان کے کنارے پر کھڑے ہو جائیں گے - اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کے برباد ہونے کے وقت بھی فرشتے موجود ہوں گے - اللہ اعلم -

۳۰ / شعبان ۱۳۵۴ھ

سوال: عرصہ ہوا ہمیں ایک اشتہار حنفی کامل گیا تھا - دیکھا تو اس میں تحریر تھا کہ غیر مقلدین اپنے عقائد میں دیکھو - ان میں ایک مولوی محمد اسمٰعیلؒ اپنی کتاب تقویۃ الایمان مطبوعہ دہلی ص۱۵ سطر نویں سے دسویں تک لکھتا ہے - کہ یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا

وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ اس عبارت میں فقرہ ظاہر مخلوق "عام ہے۔ جس میں انبیاء کرام وصحابہ و دیگر اولیاء و شہداء و غوث و قطب۔ غرض کہ جتنے ہیں وہ سب داخل ہیں تو کیا یہ اصحاب متذکرہ بالا بھی خدا کی شان کے آگے نعوذ باللہ چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔

جواب: مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ لوگ سمجھتے نہیں۔ بلکہ سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ شہید مرحوم نے اس سے پہلے لکھا ہے کہ شرک کرنے کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ کا تاج اتار کر چمار کے سر پر رکھ دینا۔ اس پر سوال پیدا ہوتا تھا۔ کہ چمار بھی بادشاہ کی طرح انسان ہے خدا چاہے تو چمار کو بادشاہ بنا دے۔ ہو گیا۔ اس کا جواب شہید نے دیا کہ ہاں چمار تو بادشاہ کی جنس کا ہے۔ مگر مخلوق ساری خدا کی شان کے ساتھ وہ نسبت نہیں رکھتی۔ جو چمار کو بادشاہ کے ساتھ ہے۔ بلکہ چمار سے بھی گھٹیا ہے۔ کیونکہ چمار اور بادشاہ دونوں ایک جنس ہیں مگر خدا کی جنس کا کوئی نہیں "وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ"۔ مولانا شہید اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے ہوتے تو تقویۃ الایمان کے شروع میں یہ نہ کہتے:
"الٰہی ہزار ہزار شکر تیری ذات پاک کا کہ تو نے ہزاروں نعمتیں دیں اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا"۔ اس عبارت میں امت محمدیہ میں ہونا اپنے پر خدائی احسان مانتے ہیں۔ پھر توہین کیسے کر سکتے تھے۔ (اہلحدیث ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ)

سوال: بدعتی اور مشرک کی اولاد اور بیدین کی اولاد جو نابالغ عمر میں مر جاتے ہیں وہ جنتی ہیں یا دوزخی اور ان کے جنازے کی نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نابالغ بچے سب کے سب جنتی ہیں۔ خدائے پاک کسی کو بے گناہ دوزخ میں نہیں بھیجتا۔ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (سورہ آل عمران۔ رکوع ۲)

(اہلحدیث ۷ رمضان ۱۳۴۲ھ)

سوال: ایک عالم خود تو عمل نہیں کرتا اور ممنوعات و منہیات سے نہیں بچتا۔ لیکن وہ دوسروں کو گناہوں سے پرہیز اور نیک عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے پس وہ عالم کیسا ہے۔ گنہگار ہے یا نہیں؟ اس کی پند و نصائح پر دوسروں کو عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں اور اس عالم کی ہجو کرنی شرعاً کیسی ہے۔

(عبد الرؤف از بلدانہ۔ برار غربی)

جواب: ایسا عالم بیشک گنہگار ہے اور اس کی ہجو کرنی بھی جائز ہے۔ قرآن مجید میں دونوں

باتوں کا ذکر ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ مگر ایسا شخص وعظ کہے تو سننا چاہیئے۔ (اہلحدیث ۱۰ر شوال ۳۳ھ)

سوال: تلاوتِ قرآن کو چھوڑ کر دیگر وظائف کرنا اور پھر اُن وظائف کو قرآن مجید کی تلاوت پر ترجیح دینا کیسا ہے؟

جواب: قرآن مجید بہترین وظیفہ ہے۔ اسے کم درجہ سمجھ کر اور وظیفے کرنے والا سخت غلطی کرتا ہے۔ بہت جلد اسے توبہ کرنی چاہیئے۔ قرآن مجید میں قرآن کا نام احسن الحدیث آیا ہے۔ (۲ر ذی الحجہ ۴۳ھ)

سوال: شریعت، طریقت، معرفت کی جامع مانع تعریف اور ان کی تفریق مجمل طور پر (محمد قاسم الینمو)

جواب: شریعت ان احکام کا نام ہے جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں۔ ان احکام کو بحضورِ قلب دل لگا کر ادا کرنا طریقت اور حقیقت ہے۔ حقیقت شریعت کے مخالف نہیں ہو سکتی بلکہ حقیقت شریعت کے لئے طریق کار کا نام ہے۔ اس لئے حضرت مجدد صاحبؒ سرہندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کل حقیقۃ ردتہ الشریعۃ فھی زندقۃ (مکتوبات) یعنی حقیقت کے جس مسئلہ کو شریعت رد کرے وہ واقعی الحاد اور بددینی ہے یہ تینوں طریقت، حقیقت اور معرفت دراصل شرعی احکام کے طریق کار کا نام ہیں۔ اور یہ تینوں دراصل ایک ہیں۔ (۹ر ذی الحجہ ۳۲ھ)

سوال: اکثر حنفی لوگ کہتے ہیں کہ مولانا نذیر حسینؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، نواب صدیق حسن خانؒ حنفی تھے۔ کیا یہ حق ہے؟

جواب: یہ تینوں صاحب پکے اہلحدیث تھے۔ مولانا نذیر حسین صاحبؒ کی کتاب "معیار الحق" اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تقویۃ الایمان وغیرہ اور نواب صاحب مرحوم کی بیشمار کتابیں ردِ تقلید میں موجود ہیں۔ (۲۱ر اپریل ۱۶ء)

سوال: کتب حنفیاں میں لکھا ہے۔ کہ امام بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ۔ دارمیؒ، ابن ماجہؒ وغیرہ امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔

جواب: امام بخاریؒ وغیرہ سب اہلحدیث تھے۔ جو اُن کو شافعیؒ کا مقلد کہتا ہے۔ اس نے کتابیں نہیں پڑھی ہوں گی یہ تو کئی جگہ امام شافعیؒ کی تردید بھی کرتے ہیں (۲۱ر اپریل ۱۶ء)

تشریح: امام بخاریؒ کا مجتہد ہونا اور امام شافعیؒ کا مقلد نہ ہونا اس طور پر ثابت ہے کہ صحیح بخاری میں امام شافعیؒ سے آپ نے کچھ اخذ نہیں کیا۔ صرف ایک جگہ بلفظ ابن ادریس اُن کا نام تو لیا ہے۔ مگر اُن سے نہ کوئی حدیث لی ہے۔ اور نہ کوئی کسی اجتہادی مسئلہ میں ان کی پیروی ہے اور نہ کسی جگہ میں ان کا نام لے کر کسی مسئلہ میں ان کی تائید کی ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ وہ امام شافعیؒ کو لائق اتباع و باخذ روایت نہیں سمجھتے تھے۔ اگر ایسا سمجھتے تو ان کی روایت کو ترک نہ کرتے۔ پس باوجود ثقہ ہونے امام شافعیؒ کے ان سے امام بخاریؒ نے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ تو پھر وہ امام شافعیؒ کو اپنا امام کب سمجھ سکتے تھے اور ان کی تقلید کیسے اختیار کر سکتے تھے۔ اگر امام بخاریؒ امام شافعیؒ کے مقلد ہوتے تو امام شافعیؒ سے کسی مسئلہ میں اختلاف نہ کرتے۔ جیسا کہ بہت سے مسائل میں آپ نے امام شافعیؒ سے اختلاف کیا ہے۔ مثلاً امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے بال بدن سے جدا ہونے پر نجس وناپاک ہو جاتے ہیں۔ اور جس پانی میں وہ بال پڑ جائیں وہ پانی ناپاک اور پلید ہو جاتا ہے۔ سو امام بخاریؒ نے اس قول کو اپنی کتاب میں رد کیا ہے۔ اور اس پانی کا پاک ہونا اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ عینیؒ نے شرح بخاری میں فرمایا ہے۔ قال ابن بطال اراد البخاری رد قول شافعیؒ ان شعر الانسان اذا فارق الجسد نجس واذا وقع فی الماء نجس۔ یعنی ابن بطال نے کہا ہے۔ مراد امام بخاریؒ کی شافعیؒ کے قول کو رد کرنا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وضو میں تمام سر کا مسح کرنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ ایک دو بال کا مسح بھی کافی ہے۔ سو امام بخاریؒ نے اس قول کا خلاف کیا ہے اور اس کے مقابلہ میں امام مالکؒ کا وہ قول وارد کیا ہے جس سے بعض حصہ سر کے مسح کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ سونے چاندی کی زکوٰۃ میں صرف دینار درہم لیے جائیں۔ نہ ان کی قیمت کے کپڑے۔ سو امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اس کا خلاف کیا۔ اور یہ ثابت کیا ہے۔ کہ کپڑے وغیرہ بھی زکوٰۃ میں لینا درست ہیں۔ چنانچہ بخاری میں باب العرض فی الزکوٰۃ کا باب باندھا ہے۔ علامہ عینیؒ اپنی شرح بخاری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے ساتھ ہمارے لوگوں (یعنی حنفیہ) نے دلیل پکڑی ہے اس پر کہ زکوٰۃ میں قیمت دینی جائز ہے۔ اور اسی واسطے ابن رشید نے کہا کہ بخاریؒ اس مسئلہ میں باوجودیکہ حنفیوں کے ساتھ بہت مخالف ہیں۔ موافق ہو گئے ہیں۔ اور کرمانی شارح بخاری نے کہا ہے

کہ امام شافعیؒ کے نزدیک زکوٰۃ میں قیمت دینی جائز نہیں ہے۔
امام شافعیؒ کا قول ہے۔ جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے۔ کہ ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر کے مسکینوں کے واسطے منتقل نہ ہو۔ سو امام بخاریؒ نے اس کا خلاف کیا۔ اور اپنی صحیح میں فرمایا کہ جہاں کہیں فقیر ہوں ان کو زکوٰۃ دی جائے چنانچہ لکھا ہے۔ باب اخذ الصدقة عن الاغنیاء وردہ علی الفقراء حیث کانوا۔
علیٰ ہذا القیاس صحیح بخاری میں اس قسم کی بہت مثالیں ہیں پس ان مسائل کو دیکھ کر کوئی منصف مزاج یہ نہیں کہہ سکتا کہ امام بخاریؒ امام شافعیؒ کے مقلد تھے۔ ہاں یہ بات مسلم ہے کہ امام بخاریؒ کو بہت مسائل میں امام شافعیؒ کی رائے سے اتفاق ہے۔ مگر چونکہ کئی ایک مسائل میں ان کو امام شافعیؒ سے اختلاف بھی ہے۔ لہٰذا اس امر کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان مسائل اتفاقیہ کے لحاظ سے امام بخاریؒ کو امام شافعیؒ کا مقلد ٹھہرایا جاوے۔ اور ان مسائل اختلافیہ کے لحاظ سے ان کو تارک تقلید امام شافعیؒ نہ خیال کیا جاوے۔ یہ ترجیح بلا مرجح ہے جس کا کوئی عقل و انصاف والا قائل نہیں ہو سکتا۔ (حررہ محمد داؤد راز عفی عنہ)

سوال:۔ یہ جو پختہ عمارت قبر مقدس (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بنائی ہوئی ہے۔ اس فعل کا کون موجد ہے۔ اور کس زمانہ میں بنائی گئی۔ براہ کرم اس کی تاریخ لکھئے۔

جواب:۔ ۶۷۸ھ تک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر کوئی قبہ نہ تھا۔ اس کے بعد ملک منصور صالحی کے زمانہ میں قبہ بنا۔ (کتاب وفاء الوفاء تاریخ مدینہ)

(اہل حدیث ۱۱ رجمادی الثانی ۱۳۵۵ھ)

سوال:۔ حضور پرنورؐ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰؑ اور موسیٰؑ میرے زمانہ میں ہوتے تو ان کو میری پیروی کے بغیر چارہ نہ تھا۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے یا بے اصل و بے بنیاد۔

(محمد بن ولی جونا گڑھی از رنگون)

جواب:۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں یوں آتی ہے۔ لو کان موسیٰ حیا لما وسعه الا اتباعی اگر موسیٰؑ زندہ ہوتے تو میری پیروی کرتے۔ عیسیٰؑ کا لفظ کسی صحیح حدیث یا معلوم الاسناد حدیث میں نہیں آیا۔ صرف تفسیر ابن کثیر میں زیر آیت وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ یوں مرقوم ہے۔ وفی بعض الاحادیث لو کان موسیٰ وعیسیٰ حیین لیکن نہ اس کی سند بتائی ہے نہ اس کا مخرج اس لئے صحیح معلوم الاسناد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (۱۲ محرم ۱۳۳۹ھ)

سوال:۔ بعض لوگ جماعت کے مانع ہوتے ہیں کہ غیر قوم ہنود کا چھوا ہوا پانی پینا جائز نہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جائز ہوگا لہٰذا مطابق شریعت جواب تحریر فرمائیں۔ (ابو المنظور نور احمد از ڈھاکا)

جواب:۔ اسلام میں چھوت نہیں۔ غیر مسلم کے ہاتھوں پر اگر ناپاکی نہیں لگی ہے تو اس کے ہاتھ کا پانی لینا جائز ہے۔ منع کی کوئی وجہ نہیں۔ (۱۷ر جون ۱۹۲۷ء)

سوال:۔ ایسی کونسی تفسیر ہے جو بالرائے نہ ہو۔ جس کی بنا تفسیر نبوی پر ہو۔ نیز متفق علیہ ہو۔ جس تفسیر میں یہ صفت نہ ہو وہ تفسیر بالرائے ہوگی۔ خواہ کسی سے منقول ہو۔ تفسیروں کا اختلاف اس بات کا کافی ثبوت ہے۔

جواب:۔ تفسیر بالرائے وہ ہے جو محاورہ عرب کے لحاظ سے خلاف ہو۔ اس تعریف کے مطابق جو بھی ایسی ہو۔ وہ بالرائے ہے۔ صحیح تفسیر وہ ہے جو محاورہ عرب کے موافق ہو۔ حدیث مرفوع کا بھی لحاظ رہے مگر الفاظ حدیث ممکن التاویل کو صحیح تاویل سے موافق قرآن کیا جائے گا۔

(۵ ہر اپریل ۱۹۳۰ء)

سوال:۔ صحیح حدیث کے ساتھ جو کوئی اپنے امام کے قول کا مقابلہ کرے اگر موافق ہو تو ماننے ورنہ حدیث کو چھوڑ کر اپنے امام کے قول پر اڑا رہے۔ ایسے لوگ مشرک ہیں یا کافر؟

(عبداللہ لالباغ دیناجپور)

جواب:۔ ایک شرک باللہ ہے ایک شرک بالرسول ہے۔ یعنی جو عبادت میں کسی غیر کو ملاوے اس کا فعل شرک باللہ ہے اور جو اطاعت میں رسول کے ساتھ کسی کو ملاوے۔ اس کا فعل شرک فی الرسالۃ ہے۔ پس شخص مذکور کا فعل۔ قسم دوسرے ہے۔ (اہلحدیث ۱۶ر جون ۱۹۳۶ء)

سوال:۔ کیا کوئی بادشاہ ہارون رشید (عرف سلیمان) ایسا بھی ہوا ہے۔ جس نے تعمیر بیت المقدس کی تھی۔ اگر ہوا تو کس سن میں؟

جواب:۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر ثانی بیت کی کی ہے۔ اس تعمیر کا ذکر بائیبل کی کتاب اول سلاطین میں مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ کے بعد ان کا زمانہ تھا۔ سنہ موسوی یہاں مرقوم نہیں۔

(اہلحدیث ۲۴ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ)

سوال:۔ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی قبروں کی زیارت کی غرض سے دور دراز کا سفر کر کے جانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کس نیت سے زیارت قبور کرنی چاہیئے۔

جواب:۔ قبروں کی زیارت کی وجہ سے تو خود الفاظ نبویہ میں موجود ہے۔ تزھد فی الدنیا

یعنی وہ دنیا سے بے رغبتی کرتی ہیں۔ پس اس نیت سے نہ تو دور دراز سفر کی حاجت ہے۔ جہاں کوئی گری گرائی قبر ہو وہ اس مطلب کے لئے زیادہ مفید ہے۔ اولیاء اللہ کے مزارات پر سفر کر کے جانا میرے ناقص علم میں ثابت نہیں۔ بلکہ بظاہر حدیث کے خلاف ہے۔ جس میں لا تشد الرحال الا الیٰ ثلاثۃ مساجد۔ وارد ہے۔ یعنی تین مساجد کے سوا کسی مقام کو بہ نیتِ ثواب سفر کر کے جانا جائز نہیں۔ کعبہ شریف اور مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ

۱۷ رمضان سنہ ۱۳۳۱ھ

سوال:۔ یارز الدین بین المسجدین کما تارز الحیۃ فی حجرھا (مسلم ص۸۷) (۲) لا یزال اھل الغرب ظاھرین علی الحق حتی تقوم الساعۃ (مسلم جلد ۲ ص ۱۴۳) (۳) لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ و ھو بالشام (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۶۶)۔ (۴) سمعت رسول اللہ صلعم یقول الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث وینصر بھم علی الاعداء یصرف عن اھل الشام بھم العذاب۔

علماءِ حنفیہ مذاہب اربعہ کی صحت پر یہ احادیث اربعہ مذکورہ پیش کرتے ہیں۔ وجہ استدلال یہ ہے۔ کہ مسجدِ نبویؐ و مسجد بیت اللہ میں اور یمن و شام و کل عرب میں چار مذہب جاری ہیں لہذا بفرمانِ آنحضرت صلعم ہمارے چار مذاہب حق ہیں۔ عرض خدمت یہ ہے کہ اگر ان کی وجہ استدلال ثواب و حق ہے تو توجہ آئندہ پرچہ میں اظہار کریں۔ ورنہ احادیث مذکورہ کا مطلب واضح کر کے پرچہ میں شائع کردیں۔

جواب:۔ ابدال والی روایات میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ شیخ الاسلام نے الفرقان میں مفصل لکھا ہے۔ واضح دلیل ان روایات کے ضعیف بلکہ غلط ہونے کی اس میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی لڑائی میں اہلِ شام یقیناً غلطی پر تھے۔ اگر ابدالِ شام مامور من اللہ ان میں ہوتے۔ تو اُن کا غلطی پر رہنا یا ان کو غلطی پر سمجھنا صحیح نہیں ہوتا۔ پہلی روایت کا مطلب یہ ہے کہ قریب قیامت کے جب دُنیا میں کفر و ضلالت پھیل جائے گا۔ اس وقت دین سکڑ کر صرف حجاز میں آجائے گا۔ لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ دوسری حدیث میں اہل الحرب (بالمہملہ) نہیں۔ بلکہ اہل الغرب (بالمعجمہ) ہے۔ جس کے کئی ایک معنی ہیں (شرح نووی ملاحظہ ہو)

علاوہ اس کے "ظاہرین علی الحق" کے معنی ہیں مسلطین علی الحکومت جو بالکل صحیح ہے۔ اس سے مذاہب اربعہ کی صحت ثابت نہیں۔ اس قسم کے سب روایات کا صحیح مفہوم وہی ہے۔ جو ایک حدیث میں یوں آیا ہے۔ (لا تزال طائفة من امتی منصورین علی الحق لا یضرھم من خذلھم) یعنی ایک جماعت امت محمدیہ میں سے ہمیشہ حق پر غالب رہے گی۔ جن کو کوئی بھی ضرر نہ دے گا۔ یہ طائفہ بیشک اس قابل ہے کہ اس کو برحق کہا جائے۔ یہ کون لوگ ہیں۔ اس سوال کا جواب دینے کے لئے قرآن و حدیث کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "سب کچھ اتباع سنت میں ہے"۔ ؎

مپندار سعدیؒ کہ راہ صفا ۔ تواں رفت جز در پے مصطفےٰؐ

۳ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ

سوال: مندرجہ ذیل حدیث کسی مستند کتاب میں مذکور ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو صحیح ہے یا موضوع؟ اگر صحیح ہے تو کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ ہر شخص جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ لیا ہے۔ وہ بلحاظ اعمال داخل جنت ہو جائے گا۔ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ خَالِصًا مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

جواب: حدیث کے جو الفاظ عربی میں آپ نے لکھے ہیں۔ یہ تو آئے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ مگر اردو میں جو الفاظ لکھے ہیں کہ بلا لحاظ اعمال کے داخل جنت ہو جائیں گے۔ یہ ترجمہ ٹھیک نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص خالص دل سے یہ کلمہ پڑھ کر عمل بھی کرے۔ وہ جنتی ہے۔ ہاں اگر ایسے وقت پڑھے کہ اس کو عمل کا موقع ہی نہ ملے۔ مثلاً مرنے کے وقت یہ کلمہ اسے نصیب ہوا جس وقت اسے نماز روزہ کی فرصت نہیں۔ تو ایسے وقت میں اعمال کے بغیر بھی داخل جنت ہو جاتا ہے۔ انشاء اللہ۔

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

شرفیہ: لوگ کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی سمجھ کر کجروی کرتے ہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ قائل اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہ مانوں گا۔ معبود کے معنی حاکم حقیقی، عبادت کے معنی حکم برداری، فرمانبرداری۔ پھر اگر فرمانبرداری نہ کرے گا تو اس کا ایمان ایسا ہے۔ جیسا کہ شیطان کا یعنی جھوٹا دعوی۔ خدا کو تو شیطان بھی مانتا ہے خلقتنی

مِنْ تَابَ اور اُنْظُرْنِیْ اور اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ - قرآن مجید میں اس کے اقوال ثابت ہیں - ایمان کے معنی - اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک جان کر اس کا حکم ماننا - اس پر عمل کرنا - حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مرتے وقت جس کا خاتمہ کلمۂ توحید پر ہو وہ جنتی ہے - دخول اولی ہو - یا بعد سزائے اعمال عام ہے - "ابو سعید شرف الدین الدہلوی"

لطیفہ ثنائی[1] خواجہ صاحب (خواجہ حسن نظامی صاحب مراد ہیں) بارہا اپنا عقیدہ ظاہر کر چکے ہیں کہ میں غیر مقلد ہوں - ۲۰ اگست ۳۷ء کے اخبار منادی میں صاف لکھا ہے کہ :

"مجھے زور سے آمین کہنا اچھا معلوم ہوتا ہے - کیونکہ آہستہ کہنے والے سورہ فاتحہ کو غور سے نہیں سنتے - اور زور سے آمین کہنے والے سورہ فاتحہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں - اگرچہ میں نماز میں آہستہ آمین کہتا ہوں لیکن مجھے بلند آواز سے آمین کہنا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ آئندہ بلند آواز سے آمین کہا کروں - کیونکہ اس سے نہ کوئی آدمی غیر مقلد بنتا ہے نہ شافعی"؟ ص ۱۲

اہلحدیث مقامی خوشی ہے کہ دہلی کی جامع مسجد میں آمین بالجہر کہنا ممنوع نہیں - امید ہے - خواجہ صاحب سب سے پہلے مسجد جامعہ ہی میں اس سنت پر عمل کریں گے - (۱۷ ستمبر ۱۹۳۷ء)

ایک بہائی کا سوال مع جواب

"یہاں شہری نگر میں ایک بہائی آیا تھا - اس نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ اس کے سوال کا جواب دیں - آپ از راہ مہربانی سوال مندرجہ ذیل کا جواب "اہلحدیث" میں درج کر کے ہمیں مشکور فرمائیں - (عبد الاحد ڈار)

سوال : دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی شخص مدعی وحی شریعت آیا ہو اور اس نے کوئی دین باطل پیش کیا ہو - اور اس کے ماتحت کوئی امت برپا ہوئی ہو - اور باوجود شدید ممانعت کے اس کا مشن استقرار پذیر ہو - اور منجملہ ان آیت کے جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں - سورۂ شوریٰ -

---

[1] ایک اہم تاریخی یادداشت کی حیثیت سے اس کو یہاں درج کیا گیا - "محمد عمر کاتب"

اَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ۔ مدعی الہام کا لایا ہُوا دین قرار پذیر ہو۔ تو وہ صادق ہوتا ہے۔ اس معیار پر ہر پہلو سے حضرت بہاء اللہ کا دعویٰ ثابت ہے۔ اگر کوئی شخص از روئے قرآن غلط ثابت کرے تو میں اپنا موجودہ خیال ترک کروں گا۔

الجواب: جھوٹے ملہموں اور مفتریوں کے لئے قرآن مجید میں دنیا میں ناکام رہنے کا کوئی ذکر نہیں۔ جو کچھ ہے۔ وہ مندرجہ ذیل آیت میں ہے۔ بس یہی آیت قابل غور ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ۔ (پ ۱۱ - ع ۷)

یعنی جو لوگ خدا پر افترا کرتے ہیں وہ اُخروی نجات نہیں پائیں گے۔ ان کو دنیا میں سامانِ زندگی ملے گا۔ پھر ہماری طرف اُن کی واپسی ہو گی۔ پھر ہم اُن کو اُن کے کفر کی وجہ سے سخت عذاب چکھائیں گے۔ یہ آیت اپنا مضمون صاف بتا رہی ہے کہ مفتریان علی اللہ کے لئے روزِ جزا نجات نہیں ہو گی۔ مگر دنیا میں ان کو سامان زندگی بیشک ملے گا۔ پس معلوم ہوا کہ جھوٹے مدعی نبوت اپنی دنیاوی زندگی پوری کر کے خدا کے سامنے مجرمانہ حالت میں پہنچیں گے۔ اس سے زیادہ واضح آیت کیا ہو سکتی ہے۔ جو بہاء اللہ کے دعوی کے لئے مبطل ہو۔ واللہ الموفق۔

۲۴ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

تشریح: ہمیشہ سے اہل علم اور اہل دیانت کا طریق کار یہ رہا ہے کہ اپنے دعوے کا ثبوت پیش کیا کرتے ہیں مگر آج کل کے بعض مدعیان نے احسن طریق یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ دعوے پر دعوی کئے جاؤ۔ دلیل دینے کی حاجت نہیں۔ بہائی اور قادیانی دونوں گروہوں کا یہی طریق عمل ہے۔ ہم حیران ہیں کہ دونوں گروہوں کے علم کلام کو کس اصول پر جانچیں۔ اہل علم کے نزدیک دعوے کے ثبوت میں دعوی کئے جانا مصادرہ علی المطلوب کہلاتا ہے جو سخت معیوب ہے۔ افسوس ہے کہ دونوں کا علم کلام اسی معیوب چیز سے بھرا پڑا ہے۔ جس کا ذکر موقعہ بہ موقعہ ہم کیا کرتے ہیں۔ اہل بہاء کا یہ دعوی کہ شریعت مستقلہ کے جھوٹے مدعی کامیاب نہیں ہوئے۔ اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ قادیانی نبوت کے پیروکار جو بقول خود کامیاب ہیں۔ شریعت مستقلہ کے مدعی نہیں۔ بلکہ شریعت محمدیہ کے پیروکار ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی کامیابی ہماری کامیابی کی طرح نہیں ہے۔ ہم مستقل شریعت بہائیہ کے پیروکار

ہو کر کامیاب ہیں۔ اور وہ دین محمدیؐ کے پیرو ہو کر کامیاب بنتے ہیں۔ یہ ہمارے خلاف نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دونوں ناکامیاب ہیں۔ کامیابی اس کا نام ہے کہ مدعی اپنے دعوے میں پورا اترے۔ اگر پورا نہیں اترا اور ادھورا رہے۔ تو وہ فیل ہے۔ جیسا کہ امتحانوں کی بابت یونیورسٹیوں کا قانون ہے کہ ان کی حد مقررہ تک نمبر پانے والا کامیاب اور نیچے رہنے والا فیل ہوتا ہے۔ ہم بڑی حیرت سے دونوں جماعتوں کا دعویٰ سنتے سنتے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

ہزار دعووں میں گر ایک ہی وفا کرتے قسم خدا کی نہ ہم تم کو بے وفا کہتے

(از قلم حضرت مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ) اخبار اہلحدیث مؤرخہ ۲۷ اپریل ۱۹۴۵ء

سوال: آدمی نیک کار یا بدکار بعد موت کے دنیا کی طرف کچھ خیال کرتا ہے یا نہیں۔ مثلاً اولاد، بیوی، دولت اور اپنی مادری زبان بولنا آوے گا یا نہیں؟

جواب: قرآن مجید سے ثابت ہے کہ نیک لوگ پچھلوں کے حق میں خوشخبری سننا چاہتے ہیں ارشاد ہے۔

يَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ۔ جنتی لوگ اپنے پچھلوں کی نسبت خوشی طلب کرتے ہیں زبان اپنی بولیں گے جو ان کو یاد ہوگی۔ البتہ جنت میں جب سب مومنوں کا داخلہ ہو جائے گا۔ تو سب اہل جنت کی زبان عربی ہوگی بحکم حدیث۔ احبوا العرب لثلاث انا عربي والقرآن عربي ولسان اهل الجنة عربي۔

۵ رجمادی الآخر ۱۳۶۴ھ

سوال: یہاں دو حضرات آپس میں اس بات پر جھگڑتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ انسان کی عمر بڑھتی بھی ہے اور گھٹتی بھی ہے۔ ایک کا دعویٰ ہے کہ خداوند جل شانہ نے ہر ایک انسان کی عمر روز ازل سے جو مقرر کی ہے۔ وہ گھٹتی بھی نہیں اور بڑھتی بھی نہیں۔ اس کے سوا قسمت کے بارے میں بھی جھگڑتے ہیں۔ یعنی نفع ونقصان کا مطلب یہ نکالتے ہیں کہ تقدیر کے سامنے تدبیر چلتی ہے۔ کیا وہ شخص جو عمر کے گھٹنے و بڑھنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے دعوے میں سچا ہے یا انکار کرنے والا سچا ہے؟

جواب: قرآن مجید میں ہے لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ۔ یعنی ہر ایک چیز کے لئے وقت مقرر ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے

مٹا دیتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اس آیت کو اس مطلب کے لئے علماء نے پیش کیا ہے۔ خدا کی معلق تقدیر ان اسباب کے ساتھ جو اس کے لئے مقرر ہیں۔ خدا ہی کے حکم سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ صلہ رحمی کرنے سے عمر بڑھتی ہے۔ وغیرہ۔ اس لئے اس میں کچھ اختلاف نہیں۔ اللہ کی معلق کی ہوئی تقدیر اللہ ہی کے مقرر کردہ اسباب سے اسی کی حسب منشاء متغیر ہو سکتی ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔

۱۸ مئی ۱۹۲۳ء

سوال: عیسیٰؑ کے بارے میں جھگڑتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے۔ لہٰذا آپ سے التماس ہے کہ اس بارے میں اللہ پاک کا کیا حکم ہے؟

جواب: قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا ذکر یوں ہے کہ جب حضرت مریم حاملہ ہوئیں تو ان کے خاندان والوں نے کہا۔ مَا کَانَ اَبُوْكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَّمَا کَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا۔ (سورہ مریم) یعنی اے مریم نہ تیرا باپ برا تھا اور نہ تیری ماں حرام کار عورت تھی۔

اس بیان سے صاف پایا جاتا ہے کہ مریم صدیقہ کا حاملہ ہونا ان کے خاندان والوں نے اپنے لئے موجب ننگ و عار جانا۔ خاوند سے حمل ہو۔ تو بہو بیٹی کو کوئی ایسا نہیں کہا کرتا۔ بلکہ خوشی کیا کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے خاندانی یہودیوں نے صدیقہ مریمؑ پر بدکاری کی نسبت کی۔ جس کا رد دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔ وَقَوْلِهِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا۔ یعنی یہودیوں نے جو مریمؑ پر بہتان عظیم لگایا تھا۔ اس کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی۔ معلوم ہوا کہ یہودیوں کا گمان حمل ناجائز کا تھا۔ اور وہ اس لئے تھا کہ حضرت صدیقہؓ کا خاوند نہیں تھا۔ ناجائز حمل کے خیال سے جو یہودیوں نے صدیقہؓ کی نسبت کہا تھا وہ افترا تھا۔ اور اس کی تردید خدا تعالیٰ نے صاف لفظوں میں فرما دی۔ پس نتیجہ صاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معمولی طور پر بے باپ مولود تھے۔

۱۸ مئی ۱۹۲۳ء

ایک اعتراض: مسیحؑ کی پیدائش بے باپ معجزانہ تھی۔ لہٰذا وہ آنحضرت صلعم سے افضل تھے۔

جواب: بے باپ پیدا ہونے سے فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ اگر بے باپ ہونا فضیلت ہے تو بے باپ اور بے ماں ہونا اور بھی فضیلت ہوئی۔ حالانکہ عیسائی حضرت آدمؑ کو حضرت

مسیحؑ سے افضل نہیں جانتے ہاں بے باپ ہونے سے کچھ ثابت ہوتا ہے تو خدا کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید خود اس کی وجہ بتاتا ہے۔ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ہم مسیحؑ کو بے باپ پیدا کر کے اپنی قدرت کی ایک نشانی بنا دیں گے۔ اس سے مسیحؑ کی فضیلت کا کیا ثبوت۔

۱۵ر نومبر ۱۹۱۸ء

عیسائیوں پر احسان قرآن کریم

اسلام اور قرآن بذریعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں آیا۔ تو جناب مسیحؑ کے حق میں دو گروہ تھے

(۱) ایک معتقدین عیسائی۔ جو اُن کو اُن کے اصل رتبہ سے بہت اونچا دکھاتے تھے کہ بندہ سے خدا بناتے

(۲) دوسرا گروہ یہودی۔ جو جناب کی شان میں بہت بدگو تھے۔ سخت ہتک آمیز الفاظ سے یاد کرتے۔ خدا اور رسول تو کیا بھلا آدمی یا معمولی آدمی جاننا بھی ان کے نزدیک جرم تھا۔ اور بے ایسی حالت میں قرآن پاک اور پیغمبر اسلام علیہ السلام نے دونوں گروہوں کی اصلاح یوں کی۔ کہ الوہیت کے قائلین کو یوں سمجھایا کہ وہ خدا نہ تھے اور یہودیوں کو یوں سمجھایا کہ وہ نبی نہیں بلکہ اولوالعزم رسول تھے۔ اس سے مسلمانوں پر بھی جناب مسیحؑ کی عزت کرنا ضروری ہو گیا۔

سوال یہ ہے

کہ اگر پیغمبر اسلام (معاذ اللہ) یہودیوں کی خاطر سے ان کے ہم زبان اور ہم خیال ہو جاتے۔ تو آج جناب مسیحؑ کے بدگوؤں کی تعداد میں کتنے کروڑ کا اضافہ ہوا ہوتا۔ کیا پھر اس احسان یا محبت یا اظہارِ صداقت کا نتیجہ عیسائیوں کی طرف سے یہ ہونا چاہیئے۔ جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ والاشان سے کر رہے ہیں۔؟

عیسائیو! ؎

آپ ہی اپنے ذرا جور و ستم کو دیکھو ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

اہلحدیث ۱۵ر نومبر ۱۹۱۸ء

سوال: آپ سے اور مرزا غلام احمد قادیانی سے جو مباہلہ ہوا تھا وہ کس بارے میں ہوا تھا مکرر عرض یہ ہے کہ جو شخص اس قسم کا عقیدہ رکھتا ہو کہ امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کا آنا غیر ممکن ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور شہادت امام حسین علیہ السلام کا بھی قائل نہیں ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا یا ایسے شخص کو مولوی خیال کرنا اور بزرگ سمجھنا کیسا ہے؟

جواب: میرے ساتھ مرزا قادیانی سے جو مباہلہ نہیں ہوا تھا۔ صرف انہوں نے میرے

حق میں یہ کہا تھا کہ ہم دونوں۔ مرزا اور ثناء اللہ میں سے جو جھوٹا ہے وہ پہلے مرے۔ یہ بھی کہا تھا کہ اگر ثناء اللہ مجھ سے پہلے نہ مرا۔ تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔ بس یہی اس کا مطلب تھا۔ دیگر یہ کہ جو شخص امام مہدیؑ حضرت عیسٰیؑ یا امام حسینؓ کی شہادت نہیں مانتا۔ وہ بدعتی ہے۔ اس کو امام نہیں بنانا چاہیے۔ اگر پڑھا رہا ہو تو بحکم وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔ پیچھے پڑھ لینا چاہیے۔ (اہلحدیث ۹ رجون ۱۹۱۶ء)

سوال: کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ کوئی جاندار آج سے سو برس تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر واقعی اس کا یہی مطلب ہے تو عیسٰی علیہ السلام ارشاد نبوی کے بعد بھی اب تک کیوں کر زندہ رہ سکتے ہیں۔

جواب: یہ حدیث صحیح ہے۔ مگر اس کو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس میں حضورؐ نے فرمایا ہے۔ جو جاندار آج کے دن زمین پر زندہ ہے۔ وہ آج سے سو سال تک زندہ نہ رہے گا۔ اس حدیث میں (زمین پر کا) لفظ موجود ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام تو زمین پر نہیں۔ اس لئے وہ اس میں نہ آئیں گے۔ اور نہ آئندہ کے لئے عام قانون ہے کہ کوئی شخص سو سال سے زیادہ زندگی نہ پائے گا۔ بلکہ جس روز حضورؐ نے فرمایا۔ اس روز سے سو سال تک یہ حکم ہے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ الحمد للہ (۲۹ر نومبر ۱۹۱۸ء)

سوال: ایک شخص اپنے کو احمدی کہلاتا ہے۔ اہل سنت کے عالموں کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہے اور مرزا کو مسلمان اور مجدد مانتا ہے۔ یہ بھی کہتا ہے کہ مرزا نے اگر دعوی نبوت کیا ہے۔ تو میں مرزا کو کافر سمجھونگا مگر مرزا نے نبوت کا دعوی نہیں کیا۔ کیا ہم ایسے احمدی کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب: مرزا قادیان کو ان کے دعوی الہام اور مہدویت مسیحیت میں سچا صادق القول جاننے والا انہیں کے حکم میں ہے۔ نبوت غیر نبوت کا جھگڑا نہیں۔ یہ تو ان دونوں فریقوں کا آپس میں جھگڑا ہے۔ ہمارے سامنے صرف یہ بات پیش ہے کہ مرزا صاحب اپنے دعوی الہام میں سچے تھے یا نہیں۔ جو ان کو دعوئی الہام میں سچا سمجھے وہ ان ہی جیسا ہے۔ لہٰذا وہ امام بنائے جانے کے لائق نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اجعلوا ائمتکم خیارکم۔

(۲۳ر جنوری ۱۹۴۲ء)

سوال [1]: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ کہ شریعت اسلام ایسی مکمل ہے۔ کہ اب اس کے بعد دوسری شریعت کی آمد غیر ضروری اور محال ہے۔ اس پر چند سوالات خدمتِ عالی میں پیش کرنا چاہتا ہوں (اَلْیَوْمَ) یعنی آج سے کیا مراد ہے کیا جس دن یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ نزولِ آیت کے لحاظ سے آخری دن تھا جس کے بعد پھر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اگر یہ دن وحی کا آخری دن نہ تھا۔ تو بعد میں جو وحی نازل ہوئی۔ دین میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ تو اس کے کیا معنی ہوئے کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ جب کہ آج کے بعد بھی اور وحی نازل ہوئی۔ جو دین میں اس طرح شامل ہے جس طرح ہر ایک آیت داخل ہے۔ کہ اگر بعد والی آیت کو دین کے دفتر سے خارج قرار دیا جائے۔ تو کفر لازم آئے گا۔

جواب: دین کے معنی خاص احکامِ فریضہ ہیں یا قرآن و حدیث کے جملہ احکام اصول و فروع ہیں۔ ان دو اصطلاحوں میں سے ہم کسی خاص اصطلاح کو یہاں ترجیح نہیں دیتے بلکہ دونوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ دین محض اصولی احکام کا نام ہے یا مجموعے کا نام۔ اس کی تفصیل کے اندر جانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ قرآن اور سیرتِ محمدیہ سے جو مذہبی حکم ثابت ہو وہ دِین ہے۔ ہاں الیوم کے معنی پر سارا مدار ہے۔ اَلْیَوْمَ کے معنی یہاں دن کے نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے مراد زمانہ نبوت محمدیہ ہے۔ تعلیم اسلام چاہے وہ نازل ہو چکی تھی۔ یا کچھ حصہ باقی تھا۔ اور وہ بہت ہی غیر معتد بہ تھا۔ سب کو متصور فی الذہن رکھ کر ارشاد ہوتا ہے۔ کہ بس اب ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ یہ لفظ اَلْیَوْمَ وہی ہے جو اہل کتاب کے حق میں وارد ہے۔ کہ اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ (پس اب اہلِ کتاب تمہارے دین کے فنا ہونے سے مایوس ہو گئے ہیں۔ اردو زبان میں آج اور اب میں فرق ہے۔ عربی میں دونوں کے لئے ایک ہی لفظ آتا ہے۔ پس معنی آیت کریمہ کے یہ ہیں۔

اب جب کہ قرآن مجید اور سیرتِ محمدیہ دنیا میں شائع ہو چکی ہیں۔ ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ ان معنی سے کوئی آیت اس آیت کے نزول کے بعد میں اتری ہو تو کوئی حرج

---

[1] بہائیوں کی دماغی پرواز؟

نہیں۔ کیونکہ آپ کے لفظ سے کوئی خاص دن مراد نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے۔ کہ زمانہ نبوت محمدیہ میں دین مکمل ہوگیا۔ اس کے بعد کوئی جدید نبی یا رسول شارع یا غیر شارع نہیں آسکتا۔ فاندفع ما اورد۔

اہلحدیث ۴؍ جولائی ۱۹۴۱ء

بہائیوں کا ایک اور سوال

نوٹ:۔ علماء اسلام خصوصاً علماء حدیث اس سوال کو بنظر غور پڑھیں۔ اور اندازہ کریں کہ آج اسلام اور قرآن مجید پر کیسے کیسے اعتراضات ہوتے ہیں۔ پرانے زمانہ کا علم کلام آج اسی طرح تقویم پارینہ ہوگیا ہے۔ جس طرح پرانے زمانہ کا فلسفہ۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا ارشاد مجھے ہر وقت یاد رہتا ہے کہ جو عالم اپنے زمانہ کے اہل بدعت اور اہل الحاد کا جواب نہ دے سکے۔ اس کو علم سے حصہ نہیں ہے۔ موصوف اپنے زمانہ کے جدید متکلم تھے۔ جنھوں نے اپنے ہمعصر معترضین کو کافی شافی جوابات دیئے ہیں۔ اگر آپ اس زمانہ میں زندہ ہوتے تو مقتضائے حال کے ماتحت اپنے طرز تحریر میں ضرور کچھ تبدیلی فرماتے۔ خیر مجھے اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ جس طرح کوئی حملہ آور اسلحہ جنگ میں تبدیلی کرتا ہے۔ اسی طرح مدافعت کرنے والا بھی تبدیلی پر مجبور ہوجاتا ہے آجکل کی جنگ یورپ اس تبدیلی کا واضح نمونہ ہے۔ اور ہمارے دعوے کا ثبوت۔ بہرحال (یہ) سوال معترضین کے صرف مافی الضمیر ہی کو ظاہر نہیں کرتا۔ بلکہ مخالفت کی نوعیت بھی بتاتا ہے اس لئے ہم اس کو بہ تمام ہی نقل کرتے ہیں جو یہ ہے۔

(۱) اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ میں اکمال دین سے کیا مقصود ہے۔ اصول دین کے اعتبار سے اکمال ہوا یا فروع کے لحاظ سے۔ یا دونوں پہلوؤں سے۔ اگر فرمایئے کہ اصول دین کے لحاظ سے اکمال ہوا ہے۔ تو ایسا اکمال بہت عرصہ پہلے ہوچکا ہے۔ اَلْیَوْمَ یعنی آج کی تخصیص کیا ہے۔ وہ آیات قرآن جو اصول دین کے متعلق ہیں۔ آج یعنی اس آیت کے نزول سے کافی عرصہ پہلے نازل ہوچکی ہیں۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے۔ اصول دین کے لحاظ سے تو اکمال دین ظہور محمدی سے بھی پہلے دیگر پیغمبروں کے ذریعہ ہوچکا ہے۔ دینی اصول میں سے وہ کونسی بات ہے جو پہلے نازل ہوچکی ہو اور اب قرآن مجید میں نازل ہوئی ہو۔ قرآن مجید میں صاف صاف ارشاد ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئی بات نہیں لائے۔ اصول دین میں وہی

باتیں آپ سکھاتے ہیں جو پیغمبروں نے بتائی ہیں۔ اور اگر کسی عالم کے خیال میں اصول دین کی کوئی تعلیم ایسی ہے۔ جو قرآن مجید میں ہی نازل ہوئی ہے۔ اور پہلی کتب آسمانی میں وہ بالکل موجود نہیں۔ تو عنایت فرما کر ایسی تعلیم بحوالہ کلام الٰہی پیش کرنی چاہیئے۔ لیکن ایسی تعلیم پیش کرتے وقت اُن آیاتِ قرآن کو بھی یاد رکھا جائے۔ جس میں صراحت سے یہ بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نئی تعلیم نہیں لائے۔ وہی تعلیم لائے ہیں جو پہلے پیغمبروں کے ذریعہ دُنیا کو دی گئی ہے اور جو کچھ قرآن مجید میں ہے۔ وہی صحفِ اولیٰ میں درج ہے۔ اور رسول کریم کو خدا نے حکم دیا کہ ملتِ ابراہیمؑ کی پیروی کیجیے (۲) یہ سوال تو اس پہلو سے ہے کہ اکمال دین اصول کے اعتبار سے تسلیم کیا جائے۔ اب اصول چھوڑ کر صرف فروعی لحاظ سے اکمال دین مانا جائے۔ تو اس میں دونوں خرابیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ صرف فروعی لحاظ سے اکمال تسلیم کرنا اور اصولی لحاظ سے عدم اکمال ماننا۔ یہ تو عدم اکمال کا اقرار کرنا ہے۔ جب ایک کتاب میں اصول ہی نامکمل ہوں تو وہ کتاب ہرگز مکمل نہیں کہلا سکتی۔ بلکہ فروع کا مکمل ہونا تو اصول کی تکمیل پر موقوف ہے۔ بغیر تکمیل اصول تکمیل فروع کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اور کوئی عاقل ایسا تسلیم ہی نہیں کر سکتا۔ کہ اصول نامکمل ہوں اور فروع مکمل ہوں۔ لہٰذا اصول کو چھوڑ کر صرف فروع کی تکمیل تو آیت اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ میں مراد ہرگز نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا فروعی پہلو سے بھی اکمال دین قابل غور ہے۔ علماء کرام مہربانی فرما کر شریعتِ اسلام کا وہ مسئلہ معین فرما دیں جو صرف قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اور اس سے قبل کسی شریعت میں قطعاً موجود نہیں۔ کتب سابقہ کی شریعتوں کو بھی مدنظر رکھیں۔ اور جب یہ یقین ہو جائے کہ فلاں مسئلہ شریعت صرف قرآن مجید میں ہے۔ دوسری کسی شریعت میں موجود نہیں۔ تو دیکھنا چاہیے کہ اسی ایک یا چند فروعی مسائل کی بنا پر آج تکمیل کا اعلان کیا جارہا ہے کیا وہ چند مسائل واقعی مدارِ تکمیل قرار دئے گئے ہیں؟ اور کیا انھیں پر تکمیلِ دین کا انحصار تھا۔ یہ سب باتیں نہایت دقیق نظری سے دیکھنے کے قابل ہیں۔ علماء کرام سے پوری توجہ کی درخواست کرتا ہوں۔

(۳) اب رہی یہ صورت کہ اصول و فروع دونوں کے اعتبار سے تکمیل مراد ہے اس پر بھی غور کرنا چاہیئے۔

اصول کے اعتبار سے تو مسلّم ہے کہ دینِ ظہورِ محمدیؐ سے پہلے ہی مکمل تھا۔ ورنہ بتایا جائے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا امر اصول دین میں بالکل نیا ظاہر فرمایا ہے۔ جو پہلے پیغمبروں اور کتابوں نے قطعاً ظاہر نہ فرمایا تھا۔ اگر کوئی نئی بات اصول دین میں بالکل نہیں ہے تو پھر اس لحاظ سے آج تکمیل دین ہوئی اس کے کیا معنی ہوئے۔

فروع کے لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو بھی نہایت تدبر کی ضرورت ہے۔ تاریخ ادیان اور کتب آسمانی کا مطالعہ اس بات کو روشن کرتا ہے کہ اسلامی شریعت میں جو احکام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، میراث نکاح طلاق حلال، حرام ہیں وہ بحیثیت مجموعی ادیان سابقہ اور شرائع قبل میں موجود ہیں۔

(پیامبر دہلی۔ بابت مئی ۱۹۴۱ء)

جواب: لفظ الیوم کی تشریح ہم پہلے سوال کے جواب میں کر چکے ہیں۔ کہ اس سے مراد آج کا دن نہیں بلکہ اب ہے۔ آج کے مضمون میں اکمال دین پر بحث ہوگی۔ اصل بات یہ ہے کہ معترض صاحب اپنے منصب سے غافل ہو رہے ہیں۔ ہم ان کے منصب پر ان کو اطلاع دے کر جواب پر توجہ کرتے ہیں۔ بہائی دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ قرآن مجید الہامی کتاب اور وحی الٰہی ہے۔ اور شیخ بہاء اللہ کے ظہور سے پہلے کل دنیا کے لئے یہی واجب العمل تھا بہاء اللہ ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اور بعد بلوغت تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے دعویٰ کیا۔ تو بقول بہائیاں ان کی کتاب اقدس سے قرآن مجید منسوخ ہوگیا۔ اب ہم بہائی معترضین کو کتاب اقدس کے ظہور سے پہلے زمانہ میں لے جاکر کسی وقت مخاطب کر کے پوچھ سکتے ہیں۔ کہ اس آیت قرآنی کا کیا مطلب ہے۔ کیونکہ اس وقت بہائیت کا اثر آپ کے دماغوں پر نہیں تھا۔ پس اس وقت اس سوال کے مخاطب جیسے ہم تھے ویسے ہی بہائی بھی تھے پس ہم کہیں گے ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں　　　تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

بہائی دوستو! ہماری پیش کردہ تصویر محض فرضی نہیں ہے بلکہ واقعی ہے۔

یہ تصویر ہم نے اس لئے دکھائی ہے تاکہ اگر جواب الجواب میں ہمارے جواب کی تغلیط کریں۔ تو اس زمانہ سابق میں اپنے اعتقاد کی بھی تفصیل بتا دیں۔ کہ آپ لوگ اس وقت قرآن مجید کی اس آیت کے کیا معنی سمجھتے تھے کیونکہ ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق

ہم اپنے سوال کو پھر دہراتے ہیں تاکہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ بہاء اللہ کی

پیدائش سے پہلے قرآن مجید ہم جملہ کلمہ گویان دین میں بہائی بھی شامل ہیں، کے نزدیک بطور الہامی کتاب واجب العمل تھا۔ اور اس کا ہر لفظ اس کے معنی بتانے میں صحیح تھا اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا تھا۔ اس زمانہ میں ہم دونوں گروہ محمدی اور بہائی۔ یا یوں کہیے کہ سائل اور مجیب اس آیت پر غور کر کے اس کے معنی سمجھتے تھے تو صحیح پاتے تھے۔ وہ صحیح معنی کیا ہیں؟ سائل اگر جواب الجواب پر قلم اٹھائے تو ہمارے سوال کا جواب بھی دے۔ کیونکہ بہائیوں کا اعتراض اگر قرآن شریف پر ہو تو وہ آریوں کی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آریوں نے کسی زمانے میں بھی قرآن مجید کو الہامی تسلیم نہیں کیا۔ اور بہائی شیخ بہاء اللہ کے دعوے سے پہلے تسلیم کرتے آئے ہیں۔ فافہم

بہائی دوستو! ؎

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

اب سنیے ہمارا جواب۔ اس بحث میں تین لفظ قابل غور ہیں (۱) اَلْیَوْمَ (۲) اکمال (۳) دین پہلے لفظ اَلْیَوْمَ کے معنی ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ اس سے مراد آج کا دن نہیں۔ بلکہ عہد رسالت مراد ہے۔ اسی طرح دین کے معنی بتا آئے ہیں۔ کہ اس سے مراد کل احکام متعلقہ عقائد و اعمال ہیں۔ آج کے جواب میں ہم لفظ اکمال پر بحث کریں گے۔ معترض نے اکمال کے جو معنی سمجھے ہیں وہ غلط ہیں۔ کیونکہ اکمال کے معنی میں نسبت داخل نہیں ہے۔ یعنی یہ بات ضروری نہیں کہ آج ہم جس چیز کی تکمیل کا دعویٰ کریں اس سے پہلے اسی نوعیت کی کوئی چیز تکمیل یافتہ نہ ہو۔ مثلاً لاہور کے ٹاؤن ہال میں سو کوٹھیاں ۱۹۰۰ء تک مکمل ہو چکی ہیں۔ ۱۹۱۰ء میں ہم نے بھی ایک کوٹھی بنائی۔ جس میں سب سامان مہیا کیا گیا۔ مثلاً غسل خانہ، باورچی خانہ، مہمان خانہ اور پانی بجلی وغیرہ سب چیزوں کا انتظام کر کے مستری ہم کو اطلاع دیتا ہے کہ لیجیے حضور اب کوٹھی مکمل ہو گئی۔ مستری کی اس اطلاع کو سن کر کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے گا۔ کیوں صاحب پہلی سو کوٹھیوں میں کچھ نقص تھا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اکمال یا تکمیل کے مفہوم میں نسبت الی الغیر داخل نہیں ہوتی۔ بلکہ فی نفسہٖ اس کا مکمل ہونا مراد ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح قرآن مجید کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کا دین خدا نے مکمل کر دیا۔ یعنی جن چیزوں کی ان کو بحیثیت مذہب ضرورت تھی ان کے متعلق ان کو احکام بتا دیے گئے۔ از قسم عقائد ہوں یا از قسم اعمال۔ اب ہمارے بیان

کے متعلق ان کی شہادت سُنیئے ۔ عرب جاہلیت کا مشہور شاعر طرفہ بکری معلقہ ثانیہ میں اپنی ناقہ کی تعریف میں کہتا ہے ؎

لها فخذان اکمل النحض فیهما کانهما بابا منیف ممرد

میری اونٹنی کی ہر دو رانیں ایسی ہیں کہ ان میں گوشت مکمل بھرا ہوا ہے ۔ گویا وہ کسی بڑی حویلی کے دروازہ کے دو بازو ہیں ۔ اس شعر میں میری نظر لفظ اُکمِلَ پر ہے ۔ جس کے ساتھ شاعر اپنی ناقہ کی تعریف کرتا ہے ۔ یعنی بتاتا ہے کہ میری ناقہ کی رانوں میں گوشت مکمل طور پر بھرا ہوا ہے ۔ کوئی شخص اس سے یہ نہیں سمجھے گا ۔ کہ کسی اور اونٹنی میں یہ وصف نہیں ہے ۔ چاہے واقعہ میں نہ ہو ۔ ٹھیک اسی طرح آیت کریمہ کے معنی میں یہ مفہوم داخل نہیں ہے کہ غیر اسلام ادیان میں نقص ہے ۔ چاہے واقعہ میں ہو ۔ مگر آیت اس مفہوم کی مستلزم نہیں ۔ بلکہ اس کا مطلب وہی ہے جو ہم بتا آئے ہیں ۔ کہ مسلمانوں کو جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ ہم (خدا) نے پوری کر دی ہے ۔ اس دعوے کا ثبوت ہم قرآن مجید سے پیش کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی تعلیم نئی نہیں ہے ۔ مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں ۔

(۱) قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (پ ۲۶ ع ۱) (۲) مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (پ ۲۴ - ع ۱۹) (۳) وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ (پ ۵ - ع ۱۶) (۴) وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (پ ۳۰ - ع ۲۲)

ترجمہ: (۱) آپ اے رسولِ خدا لوگوں کو کہہ دیجئے کہ میں نیا رسول نہیں ہوں ۔ رسول مجھ سے پہلے بھی آتے رہے ۔

(۲) اے رسول آپ کو خدا کی طرف سے وہی بات کہی جاتی ہے ۔ جو پہلے نبیوں کو کہی گئی ۔

(۳) ہم نے تم (مسلمانوں) کو اور تم سے پہلے لوگوں کو بھی یہی حکم دیا تھا کہ اللہ سے ڈرتے رہو ۔

(۴) ان اہل کتاب کو بزبانِ رسالتِ محمدیہ یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں ۔ اخلاص نیت سے اسی کی طرف جھک کر اور نماز قائم کریں ۔ اور زکوٰۃ دیتے رہیں ۔ یہی پختہ دین ہے ۔

یہ آیت بصراحت بتاتی ہے ۔ کہ بیشک قرآن مجید نئے احکام لے کر نہیں آیا ۔ بلکہ وہی احکام ہیں جو سابقین انبیاء کرام کو وقتاً فوقتاً ملتے رہے ۔ اب سوال یہ ہوسکتا ہے کہ قرآن

مجید کی نئی شکل میں آنے کی ضرورت کیا ہے۔ اس اعتراض میں عیسائی بھی بہائیہ کے ساتھ مل جائیں گے۔ بلکہ یہود بھی۔ اس کا جواب ہم دینے کو حاضر ہیں۔ مگر بہائیہ خود سوچ لیں۔ کہ شیخ بہاء اللہ کے دعوے سے پہلے وہ بھی ہمارے ساتھ بوریہ نشین تھے۔ اس لئے اس اعتراض کے پیدا کرنے والے نہیں ہوں گے بلکہ ہمارے ساتھ مورد اعتراض ہوں گے پس ان کو اپنی پوزیشن سمجھ کر عیسائیوں کی تائید حاصل کرنی چاہیے۔

اس کا جواب قرآن مجید نے خود دیا ہے۔ پس وہی کافی ہے۔ وہ جواب سننے سے پہلے مدعیانِ کتاب کے حالات سننے چاہئیں۔ جو خود قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ توحید کی بجائے تثلیث اختیار کی گئی۔ بزرگانِ دین حضرت عزیرؑ وغیرہ کو خدا کا شریک بنایا گیا۔ مریمؑ کو ملکہ آسمانی اور مسیحؑ کو ابن اللہ کہا گیا۔ ہر قسم کے بدعات مذہب میں داخل کئے گئے۔ صحف مقدسہ میں تحریف و تبدیلی کی گئی۔ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ اس کا اظہار کر رہا ہے۔ بناوٹی مسئلے لکھ کر آسمانی حکم بتائے جاتے تھے يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ملاحظہ ہو۔ بعض باتیں ظاہر کی جاتیں اور بہت سی چھپائی جاتیں۔ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا۔

رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کے عقائد مخصوصہ سے نظر اٹھا بھی لی جائے تو اس سے نظر نہیں اٹھ سکتی۔ کہ ان دونوں گروہوں کی مسلمہ الہامیہ کتب میں بھی فرق ہے۔ جو صاحب اس فرق سے واقف نہ ہوں وہ دفتر اہلحدیث میں تشریف لاکر ملاحظہ کر جائیں۔

(حیف در چشم زدن۔ صحبت یار آخر شد۔ آہ تم آہ راز)

مختصر یہ ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اپنے کتب مطہرہ سے بہت دُور جا پڑے تھے اور کبھی راہ راست پر نہیں آسکتے تھے۔ جب تک کہ قوت قدسیہ والی کوئی ذات آکر نہ سمجھائے۔ وہ قوت قدسیہ والی ذات ستودہ صفات صحفِ مطہرہ کے مضامین کو الہامی شکل میں بیان کرے تب کہیں جاکر یہ قومیں ہدایت یاب ہوں گی۔ ہمارے اس بیان کا ثبوت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے ملتا ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

(پ ۳۰۔ ع ۲۳) یہ آیت بہت سی مشکلات کا حل اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ

"سابقہ کتاب والے اور مشرک اپنے خیالی مذہب سے نہ ہٹتے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس بَیِّنَہ یعنی اللہ کا رسول آجائے جو الہامی نوشتے ان کو پڑھ کر سنائے۔ جن میں مضبوط مسائل جو انسانی دست برد سے محفوظ ہوں"۔ اس آیت میں رسول اللہ کو اَلْبَیِّنَۃ کا خطاب دیا گیا ہے۔ اَلْبَیِّنَۃ مُثبت دعویٰ کو کہتے ہیں۔ یعنی شہادت حقہ سے بتایا گیا ہے۔ کہ اہل کتاب مشرک اور یہود اپنی ضد سے کبھی نہ ہٹ سکتے۔ کسی پادری یا عالم کا کہنا ان پر اثر نہیں کر سکتا تھا۔ جب تک قوت قدسیہ والا رسول آکر ان کو نہ سمجھائے۔

مثال کسی کالج کی بی اے۔ اور ایم اے کی جماعت اس قدر کمزور ہو کہ امتحان میں جانے کے لائق نہ سمجھی جائے۔ منتظمین کالج کی درخواست پر یونیورسٹی کی طرف سے کوئی ایسا تجربہ کار پرنسپل بھیجا جائے۔ جو اس جماعت کو اچھی طرح تربیت دے کر امتحان میں کامیاب کرا دے۔ تو کون کہے گا کہ اس پرنسپل کا آنا بیکار ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ طلباء کی خستہ حالی اور نالائقی مقتضی ہے۔ کہ کوئی لائق پروفیسر یا پرنسپل آئے اور ان کی اصلاح کرے۔

ٹھیک اسی طرح یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب وغیرہم بحکم آیت موصوفہ کبھی ٹھیک نہ ہوتے جب تک کہ رَسُوْلُ الْبَیِّنَۃ ان کے پاس نہ آئے۔ یہ آیت جہاں اہل کتاب کی خستہ حالی بتاتی ہے۔ قرآن اور رسولؐ قرآن کی تشریف آوری کی ضرورت بھی ثابت کرتی ہے۔

پس:۔ قرآن مجید اور رسول کریمؐ نے آکر جو کام کیا۔ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ کل انبیاء کی تعلیم کو ستھرا اور صاف کر کے الہامی شکل میں دنیا میں پیش کیا۔ جب وہ الہامی شکل میں آگیا تو ارشاد ہوا۔ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ط تم اس کلام کی پیروی کرو۔ جو خدا کی طرف سے تمہاری طرف اترا ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے یار دوست کی مت سنو۔

ہماری گذشتہ تقریر سے کئی ایک باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اوّل دین محمدی مکمل ہے۔ دوم دین محمدی انبیائے کرام کی اصلی تعلیم کا مجموعہ ہے۔ سوم۔ جو کچھ خرابیاں اہل کتاب نے دین میں پیدا کی تھیں۔ اسلام نے دین الٰہی سے ان کو پاک صاف کر دیا۔ اور ان خرابیوں کو ان کے بانیوں کی طرف منسوب کر کے اپنے مخاطبوں کو فرمایا۔ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ تم ان لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے مت چلو۔ جو تم سے پہلے گمراہ ہوئے اور انہوں نے بہتوں کو گمراہ کیا

اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے۔

نوٹ: یہاں تک تو ہم نے ادیانِ سابقہ کو مکمل تسلیم کیا اب ہم اس بات کا بھی ثبوت رکھتے ہیں۔ کہ ادیانِ سابقہ اسلام جیسے مکمل نہیں ہیں۔ **اسلام سے**

کیا جانے بجھ میں کیا ہے کروٹے ہے تجھ پرچی   یوں اور کیا جہان میں کوئی حسیں نہیں

قرآن مجید کتب سابقہ کی نسبت واقعی ایک مکمل کتاب ہے پہلے ہم اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں:-

"ہم نے ایک مکان بنایا جس کی حالت یہ ہے۔ کہ اس کی چار دیواری پر صرف چھت ڈالدی اور کواڑ لگا دیئے نہ دیواروں پر پلستر کرایا اور نہ سفیدی کرائی۔ نہ پانی اور روشنی کا انتظام کیا۔ بلکہ محض سکونت کے قابل بنا دیا۔ جس میں گرمی سردی سے حفاظت تو کافی ہو سکتی ہے۔ مگر ضروریات زندگی کا انتظام مکمل نہیں کیا گیا۔ اس کے مقابلہ میں ہم نے ایک اور مکان بنایا۔ جس میں ان ضروریات کو ملحوظ رکھ کر انتظام مکمل کر دیا۔ یہ دوسرا مکان پہلے مکان کی نسبت بیشک اکمل ہے۔ اس مثال کی روشنی میں بیشک ہم بتانا چاہتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کتب سابقہ کی نسبت بلا شبہ اکمل ہے۔ یعنی اس میں کچھ مزیت ہے۔ جو کتب سابقہ میں نہیں ہے۔ پس ناظرین کرام خصوصاً بہائی معترضین توجہ سے سنیں۔

نوٹ: عیسائیوں نے قرآن مجید کے مقابلہ میں کتب سابقہ سے مضامین پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ جو کچھ قرآن میں ہے۔ وہ سارے کا سارا ہماری کتب مقدسہ میں موجود ہے محنت اور جانفشانی میں انھوں نے یہاں تک ترقی کی کہ انبیاء کرام کے صحف کے علاوہ مسیح کے حواریوں کے معمولی تبلیغی خطوط کو بھی صحف انبیاء میں شامل کر لیا۔ جن کو اہل اسلام صحف انبیاء میں داخل نہیں سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں غیر نبی کی کوئی تبلیغی تحریر نبی کی الہامی تحریر کے برابر نہیں ہوتی۔ مثلاً مکتوبات مجدد صاحب الف ثانی کو وہ قرآن کی طرح ان کو الہامی نہیں مانتے۔ اور نہ مان سکتے ہیں۔ عیسائی لوگ اگر پولوس اور پطرس وغیرہ کے خطوط کو صحف مقدسہ میں شامل سمجھیں تو ان کو اختیار ہے۔ مگر وہ مسلمانوں کو از روئے قرآن اس کا قائل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ قرآن مجید انہیں صحف کو ماننے کا حکم دیتا ہے۔ جن پر یہ آیت صادق آتی ہے۔ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ (پ ۱۔ رکوع ۱۶)

ارشاد عنان:- باوجود اس کے ہم یہ کہنے میں باک نہیں سمجھتے۔ کہ عیسائی اپنی کوشش

ہیں کامیاب نہیں ہوئے۔ قرآن مجید بزبان حال اُن کو للکار کر کہتا ہے کہ میرے مقابلہ پر اپنی جنگجو فوج کے علاوہ ریزرو فوج بلکہ زنگروٹ بھی لے آؤ۔ تو بھی مقابلہ میں میں ہی غالب رہوں گا۔ کیوں سے

نام میرا سُن کے مجنوں کو جمائی آگئی　　　　بیدِ مجنوں دیکھ کر انگڑائیاں لینے لگا

تفصیلی جواب دین یا مذہب کی تعلیم کے چار حصے ہو سکتے ہیں۔ (۱) خدا کی ذات کے متعلق عقیدۂ صحیحہ کی تعلیم جو اس کی شانِ الوہیت کے لائق ہو۔ اور نبوت و رسالت کے متعلق۔ اس حُسن اعتقاد کی تعلیم۔ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر حیثیت سے عام انسانی افراد سے برتر و ممتاز ہوتے ہیں۔ (۲) عبادتِ الٰہی کے متعلق تعلیم (۳) اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم۔ (۴) قیامت یا جزا سزا کی ضرورت اور اثبات۔

ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ قرآن مجید نے ان چاروں حصوں کی تکمیل نہایت عمدہ پیرایہ میں بڑی وضاحت سے کی ہے جو کتب سابقہ میں نہیں ملتی۔ اس کی تفصیل بہت طوالت چاہتی ہے ہم بطور نمونہ ایک ایک مثال بیان کرتے ہیں۔

خدا کی ذات و صفات کے متعلق بائبل نے بہت کچھ بتایا ہے۔ اس وقت ہم بائبل سے دو مثالیں پیش کرتے ہیں (۱) چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اور تازہ دم ہوا۔ (خروج باب ۳۱۔ فقرہ ۱۷)

یہ فقرہ صاف بتا رہا ہے کہ خداوند تعالیٰ آسمان و زمین بنا کر تھک گیا۔ اسی لئے اُس نے ساتویں دن آرام کیا۔ اور تازہ دم ہوا۔ قرآن مجید نے اس اصلاح یا تکمیل ان آیات میں فرمائی۔

(۱) اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ يُّحْیِیَ الْمَوْتٰی۔ (پ ۲۶۔ ع ۱۴) کیا ان لوگوں نے یہ نہیں سمجھا۔ کہ وہی اللہ جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور اُن کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں۔ اس پر بھی قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔

(۲) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (پ ۱۴۔ ع ۱۷)

یقیناً ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ اس کو چھ دن میں پیدا کیا۔ اور ہم کو کوئی تکان محسوس نہیں ہوئی۔ یہ دونوں آیتیں دراصل بائبل کی اس کمی تکمیل کے واسطے نازل ہوئیں۔ جو عبارت منقولہ بالا پائی جاتی ہے۔ ناظرین ذرا غور کریں۔ خدا کے

حق میں تازہ دم ہونے کا ذکر تھک جانے کی فرع ہے۔ اور تھک جانا ضعف قوی پر دلالت کرتا ہے۔ جو خدا کی شان کے شایاں نہیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے اس نقص کو رفع کر کے پایۂ تکمیل کا فرض ادا کر دیا۔

دوسری مثال خدا کی شان کے متعلق بائیبل میں لکھا ہے۔ میں (خدا) باپوں کے گناہوں کا ان کے فرزندوں سے تیسری چوتھی پشت تک بدلہ لیتا ہوں۔

(خروج باب ۳۴۔ فقرہ ۶، ۷)

یہ حوالہ خدا کے عدل و انصاف پر سخت دھبہ ہے۔ کہ باپ کے گناہوں کی سزا اس کی تیسری چوتھی پشتوں کو جو بے گناہ ہیں دی جاتی ہے۔ اس کی اصلاح کے لئے قرآن مجید میں کئی آیات آئی ہیں۔ ان سب کا مفہوم اس آیت میں آجاتا۔ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (پ ۲۷۔ ع ۷) کسی کا گناہ دوسرے پر نہیں پڑے گا۔ یہ دو مثالیں بڑی وضاحت کے ساتھ بتا رہی ہیں کہ خداوند قدوس کا جو تصور قرآن مجید نے کرایا ہے۔ وہ اس تصور کی نسبت جو بائیبل نے کرایا ہے اعلیٰ و اکمل ہے۔

حضرات انبیاء کرام کی طرف جو واقعات بائیبل نے منسوب کئے ہیں۔ اس کا نمونہ حضرت لوطؑ کے قصے میں ملتا ہے۔ کہ آپ نے شراب پی کر اپنی بیٹیوں کو بار آور کیا۔ (معاذ اللہ) (کتاب پیدائش ۱۹، ۳۰)

دنیا میں اس فعل قبیح کی ایسی کوئی مثال نہ ملے گی۔ قرآن مجید نے حضرات انبیاء کرام کی شان میں فرمایا۔

(۱) اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ (پ۔ ع ۱۶) یہ انبیاء کرام وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے راستہ دکھایا۔ پس اے رسولؐ تم بھی انہی کے راستہ پر چلو۔ (۲) اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَةٍ ذِکْرَی الدَّارِ۔ (پ ۲۳۔ ع ۱۳) وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ط۔ ہم نے ان کو عاقبت کی یاد کے واسطے خالص کر لیا تھا۔ اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک بندے تھے۔

عبادت کے متعلق بائیبل میں بیشک احکام ملتے ہیں۔ مگر عبادت کس طرح کی جائے اور کن اوقات میں کی جائے۔ اور اس کے داخلی اور خارجی شرائط کیا ہیں۔ ان باتوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اتنا ملتا ہے کہ خداوند کے نام کی مدح کرو۔ اے خداوند کے بندو اس کی ستائش کرو

(زبور ۱۱۳)

ہاں یہ بھی ذکر ہے کہ خداوند کی ستائش کرنا اور اس کے نام کی ستائش کے گیت گانا۔ اے حق تعالیٰ بھلا ہے۔ صبح کو تیری شفقت کا اور رات کو تیری امانتداری کا تذکرہ کرنا۔ (زبور ۹۱) قرآن مجید نے عام طور پر امیر غریب سب کو نماز روزے کا حکم دیا ہے۔ اور روزہ رکھنے کے لیے رمضان کا مہینہ مقرر کیا ہے۔ اور صبح کی سفید دھاری سے لے کر رات کی سیاہی نمودار ہونے تک اس کا ظرف زماں (وقت) ٹھہرا دیا۔ ارشاد ہے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ (پ ۲۔ ع ۷) نماز کے لیے بھی دن رات میں پانچ اوقات مقرر فرمادئے۔ صبح و شام اور عشاء کی نمازوں کے اوقات کے متعلق فرمایا۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ۔ (پ ع) نماز ظہر کے لیے سورج ڈھلنے کا وقت مقرر کر دیا۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (پ ۱۵ ع ۹)۔ نماز عصر کا وقت اس آیت میں معین فرمایا۔ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ یعنی پانچ نمازوں کی خصوصاً درمیانی نماز کی حفاظت کیا کرو۔ اسی طرح حج کے لیے بھی وقت مقرر کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ:۔ حج کے مہینے معلوم ہیں۔ علی ہذا القیاس زکوٰۃ کی تفصیل بھی بتادی۔ ارشاد ہے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ۔ (الآیۃ)۔ یہ سب کچھ اصلاح و تکمیل کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے۔ (۴) اخلاقی حیثیت سے دو فعل ایسے بُرے ہیں جو تمدن کو خراب کر دیتے ہیں (۱) زنا۔ (۲) چوری یا ڈکیتی۔ زنا کی بابت حضرت مسیحؑ کا قول ہے۔ "تم سن چکے ہو کہ پہلے لوگوں سے کہا گیا تھا۔ کہ زنا نہ کرو۔ مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی۔ وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے۔ کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ (متی ۵۔ ۲۷)۔ بہت اچھی تعلیم ہے۔ مگر قرآن نے اس کی تکمیل کرنے کو زنا کی سزا بھی مقرر فرمائی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (پ ۱۸۔ ع ۷) زانی مرد ہو یا عورت ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ یہ حکم مسیحی ارشاد کی تکمیل ہے۔ یعنی مسیحی ارشاد محض واعظانہ رنگ میں ہے۔ مگر قرآن مجید نے اس کو بغرض تکمیل تعزیر کی شکل میں پیش کیا۔ جناب مسیحؑ کے کلام میں بھی سزا کا ذکر ہے۔ مگر یہ سزا فاعل (زانی) کے اپنے اختیار میں ہے۔ چاہے وہ اس کو

اپنے اوپر جاری کرے یا نہ کرے۔ مگر قرآنی سزا حکومت کا فعل ہے۔ جس کا نفاذ یقینی ہے۔ بس یہی تکمیل ہے تمدن کے لیے۔ دوسرا بُرا فعل چوری اور ڈکیتی ہے۔ ان کی سزائیں بھی قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہیں۔ آیات ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (پ ۶۔ ع ۱۰) (چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو)

(۲) اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط (پ ۶ ع ۹)

اس کے سوا کیا جزا ہے ان لوگوں کی جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں ایک دوسرے کے مخالف کاٹ دیے جائیں یا وہ اپنے ملک سے جلا وطن کر دیئے جائیں۔

(قرآن مجید پ ۶۔ ع ۹)

چوتھی مثال قیامت یا روزِ جزا کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ بائبل میں قیامت کے متعلق صرف اتنا ذکر ملتا ہے۔ کہ نرسنگے کی آواز کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا جو اس کے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کے اس سرے سے اس سرے تک جمع کریں گے۔ (متی ۲۴ - ۳۱) قرآن مجید نے جس تفصیل کے ساتھ قیامت کا ذکر کیا ہے۔ بائبل میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ قرآن مجید نے ہر ایک واقعہ کی تفصیل بتائی اور جنت اور دوزخ کا مفصل ذکر کیا۔ جو قرآن دانوں سے مخفی نہیں ہے۔ پس مختصر یہ ہے کہ قرآن مجید کتب سابقہ کی نسبت ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ دین اسلام کی مزید تکمیل و تفصیل اس کے مبلغ اوّل علیہ السلام نے اپنی سیرت پاک سے پاک کر دی۔ اس لئے ہمارا یہ دعویٰ ناقابل تردید ہے ؎

گر مصور صورتِ آں دلربا خواہد کشید　　حیرتے دارم کہ نازش را چناں خواہد کشید

توقع ہے۔ بہائیہ کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید باوجود وحی الٰہی ہونے کے کتاب اقدس کے ذریعہ منسوخ ہے۔ اس لئے ہم منتظر ہیں کہ وہ قرآن مجید کے مقابلہ میں اقدس کی تعلیم کی برتری ثابت کریں۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو دعویٰ نسخ کو واپس لیں۔ ؎

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں　　تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

(۲۵ جولائی ۱۹۲۱ء)

مجدد بریلوی کا ایک فتویٰ اور اُس کی تردید

ہمارے ناظرین آگاہ ہوں گے کہ ہندوستان میں دو شخص مجدد ہونے کے مدعی تھے۔ جن میں سے ایک تو فوت ہو گئے۔ دوسرے زندہ ہیں۔ فوت شدہ مرزا صاحب قادیانی تھے۔ زندہ مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ مجددیت خانصاحب کے دعوے سے کم تھا۔ کیونکہ وہ تو چودھویں صدی کے مجدد بنتے تھے اور آپ کا لقب ہے "مجدد مائۃ حاضرہ" یعنی موجودہ صدی کے مجدد۔ یہ لقب آپ کا آپ کی علمی خدمات کے زمانہ سے چلا ہے۔ جس کی ابتدا تیرھویں صدی سے ہے۔ پس اس تشریح کے مطابق آپ تیرھویں اور چودھویں دونوں صدیوں کے مجدد ہوئے۔ اور اگر عمر شریف دراز ہوئی تو شاید پندرھویں بلکہ سولہویں اور سترہویں وغیرہ کے بھی آپ ہی انچارج ہوں۔ (مگر افسوس کہ جناب والا تمنائے مجددیت کو ساتھ لے کر چودہویں صدی ہی میں عالم آخرت کو سدھار گئے۔ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ ......)

خیر ہمیں اس سے بحث نہیں۔ اپنا نام جو چاہے کوئی رکھے ماننے والے تیار ہیں کہ بے کرامت بھی ولی اور بے معجزہ بھی نبی مان لیں۔ جن کی نظیریں قادیان، علی پور اور بریلی وغیرہ میں ملتی ہیں۔ مجدد قادیان کی عنایات تو ساری اسلامی دنیا پر برابر تھی۔ مگر بریلوی مجدد کی عنایت خاص کر غریب جماعت اہل حدیث پر۔ اور بوقت فرصت اپنی حقیقی برادران جماعت دیوبندیہ پر ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ایک طویل اشتہار بمبئی سے آیا ہے۔ جو ہاتھی کے دو کانوں کے برابر ہوگا۔ اس میں خاکسار ایڈیٹر کو اور جناب مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی کو بالخصوص اور دیگر اہلحدیثوں اور دیوبندیوں کو بالعموم اپنی قدیم عنایت کا مستحق بنایا گیا ہے۔ اس اشتہار کی طوالت سے قطع نظر دیکھا جائے تو مطلب دو حرف ہے کہ جناب مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی بظاہر حنفی ہیں مگر دراصل غیر مقلد ہیں۔ اس لئے نہ ان کا وعظ سنا جائے۔ نہ ان کی اقتدا کی جائے۔ جس پر میں مولوی صاحب موصوف کو مستحق مبارک سمجھتا ہوں۔ کیوں؟ بقول حالی مرحوم ؎

کہنا تمہارا مومنو کو بے دین　　سنتے سنتے یہ ہو گیا ہے یقین
مومن کو ضرور ہوگا مرقد میں سوال　　تکفیر بھی کی تھی تمہارے کہ نہیں

اس اشتہار کی تمہید یوں شروع ہوتی ہے۔ **مسلمانو!** اس زمانہ میں اکثر بدعتی بدمذہبوں کے مولویوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ کہ کسی نے بظاہر آریوں کے رد میں، کسی نے قادیانیوں

کے مقابلہ میں کھڑے ہو کر شہرت پیدا کر کے اس ذریعہ سے اکثر بھولے بھالے بے علم مسلمانوں کو اپنا معتقد بنا کر اُن کو غیر مقلد، وہابی بنانے کی فکر کرتے ہیں۔ من جملہ اُن کے ایک "ثناء اللہ امرتسری" ہے۔ کوئی شخص شیعوں کے رد میں کھڑا ہو کر ایسی تدلیس شہرت پیدا کر لیتا ہے۔ کہ اکثر ہمارے مسلمان بھائی اس کو مقلد، سُنی، حنفی، متقی جان کر اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اس طرح ان کو رفتہ رفتہ، خارجی اور غیر مقلد وہابی بنانے کی تدبیر کرتے رہتے ہیں۔ جیسے مولوی عبد الشکور صاحب لکھنوی"

اس تمہید میں مجدد صاحب نے بزبان محرر اشتہار ہم دونوں کو دھوکہ باز، مکار وغیرہ بتایا ہے۔ جس کے جواب میں ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے بدعتی دشمنان ائمہ کرام ائمہ کی طرف اپنی نسبتیں بتا کر حنفی یا شافعی بن کر بے چارے غریب ناواقف لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم اہل سنت ہیں۔ مگر دراصل وہ کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ جن خیالات پر فقہا نے کفر کے فتوے لگائے ہیں وہی خیالات وہ لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔ اور ان سے منع کرنے والوں کو گمراہ اور بدمذہب مشہور کرتے ہیں۔ اعاذنا اللہ عنہم۔ آہ ؎

انھوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم ان کو بتا دیں گے

اچھا یہ تو تھی خانصاحب موصوف کی تمہید۔ اب اصل مدعا سنئے!

خاکسار ثناء اللہ کو تو خان صاحب نے یوں ہی ساتھ چپکا لیا۔ اصل مجرم تو مولوی صاحب لکھنوی ہیں۔ جنھوں نے بڑا غضب کیا ہے۔ یہ فتویٰ دے دیا کہ غیر مقلدوں کے پیچھے نماز درست ہے۔ ہائے افسوس اس ظلم کی بھی کوئی حد ہے۔ اس پر آسمان ٹوٹے۔ زمین پھٹے، سب بجا ہے۔ اصل نزاع اشتہار مذکور میں یوں دکھائی گئی ہے:۔

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین۔ اس تحریر زید پر جس کو وہ اپنے رسالہ میں لکھ کر شائع کرتا ہے اور ادعائے علمیت کرتا ہوا لکھتا ہے جو بعینہٖ نقل ہے۔ (ف) اگر امام اور مقتدی کا مذہب ایک نہ ہو۔ مثلاً امام شافعیؒ یا مالکیؒ مذہب ہو۔ اور مقتدی حنفی مذہب ہو تو اس صورت میں امام کی نماز کا صرف امام کے مذہب کے موافق صحیح ہو جانا کافی ہے خواہ مقتدی کے موافق بھی صحیح ہو یا نہیں۔ ہر حال میں بلا کراہیت اقتدا درست ہے۔ الی آخرہ یہی حکم غیر مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنے کا ہے۔ یعنی مقلد کی نماز ان کے پیچھے بلا کراہیت درست ہے خواہ وہ مقتدی کے مذہب کی رعایت کریں یا نہ کریں۔ حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے سنئے

ہمارے زمانہ کے بعض متعصب مقلدین غیر مقلدین کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ یہاں تک کہ اگر کسی امام کو بلند آواز سے آمین کہتے سُنا۔ یا سینہ پر ہاتھ باندھتے ہوئے دیکھا تو اپنی نماز کا اعادہ کر لیتے ہیں۔ میری فہم ناقص میں یہ تعصب نہایت بُرا ہے۔ اور غالباً کوئی عقلمند جو شریعت کے مقاصد سے واقف ہو اس فعل قبیح کو جس سے امت میں افتراق پیدا ہو جائز نہ رکھے گا۔ ہاں اگر کوئی غیر مقلد ہمارے امام صاحب کو بُرا کہتا ہو تو وہ ایک مسلمان کی غیبت کرنے سے فاسق ہو جائے گا[1]۔ اس صورت میں اس کے پیچھے نماز مکروہ ہو گی۔ مگر جائز پھر بھی رہے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایسے کم علموں پر تقلید واجب ہے۔ غرض اس کی عبارتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہر مذہب والے کی ہر مذہب والے کے پیچھے نماز جائز ہے۔ عام ہے اس سے کہ وہ مقتدی کے مذہب کی پابندی کرے یا نہ کرے۔ شافعیؒ امام کے پیچھے حنفی مقتدی کی نماز جب بھی ہو جائے گی۔ جب وہ مسح سر صرف دو چار سر کے بال چھو کر کرے۔ جو اُن کے یہاں فرض ہے۔ اب سوال طلب یہ امر ہے۔ کہ اس شخص کو ہم حنفی جانیں یا وہابی۔ غیر مقلد جانیں یا اہلحدیث۔ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز جانیں یا کیا۔ اور ایسے شخص کے پیرو ان کو جو اس کے وعظ میں جاتے اور اعتقادانہ برتاؤ کرتے ہیں کیا کہیں اور ایسے شخص کی محفل وعظ میں جانا جائز ہے یا حرام۔ یہ شخص بظاہر اپنے کو حنفی سُنی بتاتا ہے۔ لیکن اپنی تحریرات مندرجہ بالا سے خفیہ خفیہ غیر مقلدین کی اعانت کرتا ہے۔ بینوا بالکتاب۔

المستفتی عبدالحکیم خان میرٹھ

جواب:۔ از جانب اعلیحضرت عظیم البرکت حامی سنت ماحی بدعت حضرت مولانا مولوی الحاج محمد احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی بریلوی۔ ایسا شخص نہ سُنی ہے نہ حنفی۔ نہ اسے اپنا امام بنانا حلال ہے۔ نہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز۔ نہ اس کا وعظ سننا روا۔ اولاً مسئلہ اقتدار بالمخالف میں جمہور ائمہ اعتبار رائے مقتدی پر ہیں۔ یعنی جب مقتدی کے نزدیک امام کی طہارت یا نماز صحیح نہیں تو یہ اس کی اقتدا نہیں کر سکتا اگرچہ اس کے نزدیک اس کی نماز صحیح ہو (الیٰ ان قال) ثانیاً اس نے امی مدد پر بس نہ کی بلکہ غیر مقلدین کو بھی اس حکم میں داخل کر لیا۔ ان کے عقائد

---

[1] حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب مرحوم دہلوی کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ ائمہ کرام کو برا کہنے والا فاسق ہے۔ جس پر ہمارا بھی صاد ہے۔ (ابوالوفاء)

وہ ہیں جن میں نہ خالی ضلالت بلکہ بکثرت کفریات ہیں۔ جن کی رو سے اُن پر بحکم فقہاء کرام لزوم کفر ہے۔ (ملخص)

فقیر احمد رضا خان قادری بریلوی عفی عنہ

اہل حدیث مجدد بریلوی کے علاوہ اور حضرات بھی اس فتوی کے مصحح ہیں جن میں خیریت سے ایک ہمارے دوست مولوی اسرار الحق واعظ بھی ہیں۔ جن کی کمالات علمیہ اور خیالات دینیہ ان کے واقفوں کو معلوم ہیں۔ ہمیں اس سے مطلب نہیں کہ کون کون اس فتوے کے مصحح ہیں۔ اور ان کی لیاقتیں اور مذہبی علوم میں دسترس کہاں تک ہے۔

انصاف کی بات یہ ہے! کہ خان صاحب بریلوی اور دیگر مفتیان فتوی کو لازم تھا کہ جس الزام کو غیر مقلدیت) کا ملزم مولوی عبدالشکور کو بنایا تھا۔ فتوی نویسی میں خود اسی الزام کے ملزوم نہ ہوتے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ لوگ خاص کر مجدد صاحب بریلوی اس فتوے سے پکے غیر مقلد ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ مقلد کی شان یہ ہے کہ اپنے امام کے قول پر فتوی دیوے (دُرِّ مختار)۔ مجدد بریلوی نے اپنے سارے فتوی میں ایک جگہ بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل نہیں کیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا دعوی تقلید حنفی کا سراسر بے ثبوت بلکہ غلط ہے۔

اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ خان صاحب نے اصل مسئلہ پر بھی غلطی کی ہے۔ آپ نے بہت سی کتب فقہ کا نام لے کر بے خبر ناظرین کو باور کرایا ہے۔ کہ یہ فتوی کتب فقہ پر مبنی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ جن جن کتابوں کا نام آپ نے لکھا ہے۔ ان میں ایک مشہور اور مستند اول کتاب ردالمختار شرح درمختار ہے۔ ہم اس میں سے ایک حوالہ دکھلا کر بتلاتے ہیں۔ کہ خان صاحب بریلوی نے محض اپنے پاس سے لکھ کر ان مصنفوں کے نام جڑ دیا ہے۔

علامہ شامی مصنف (ردالمختار) نے یہ مسئلہ کئی ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ مخالف مذہب کے پیچھے نماز درست ہے۔ ہم صرف ایک جگہ کی عبارت نقل کرنے پر کفایت کرتے ہیں۔ فرقہ معتزلہ اور جہمیہ اسلامی فرقوں میں کیسے کچھ مورد عتاب و محل غضب ہیں۔ ان کی بابت صاحب دُرِّ مختار نے کچھ سخت الفاظ ان کی تکفیر وغیرہ کے لکھے تھے۔ جن کی شرح میں علامہ شامی لکھتے ہیں۔ فالراجح عند اکثر الفقہاء والمتکلمین خلافہ وانہم فساق عصاۃ ضلال ولیصلی خلفہم وعلیہم ویحکم بتوارثہم مع المسلمین (جلد ۱ ص ۱۹۶)

اکثر فقہاء اور متکلمین کے نزدیک زیادہ تر صحیح یہ بات ہے۔ کہ معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ مسلمان فاسق بے فرمان اور گمراہ ہیں۔ ان کے پیچھے بھی نماز پڑھی جائے اور ان کا جنازہ بھی پڑھا جائے

اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی وراثت بھی جاری کی جائے۔

اس اقتباس میں علامہ شامی نے فرقہ معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کو باوجود فساق وغیرہ کہنے کے اُن کی اقتدا درست لکھی ہے۔ اور اس کو ائمہ مجتہدین کا مذہب قرار دیا ہے۔ پھر نہیں معلوم شافعی اور اہلحدیث کیا ان فرقوں سے بھی بدتر ہیں کہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔ بلکہ درست کہنے والے کے پیچھے بھی درست نہیں۔ فیا للعجب وضیعة الادب۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے۔ صَلّوا خلف کلّ برّ و فاجر۔ ہر ایک نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو (فقہ اکبر)۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حالتِ محاصرہ میں پوچھا گیا کہ باغیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے۔ فرمایا اَلصَّلٰوۃُ اَحْسَنُ مَا یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساؤا فلجتنب اِساءتھم (بخاری شریف) یعنی نماز سب کاموں سے اچھا کام ہے۔ جب کوئی اچھا کام کرے اس کے ساتھ مل جاؤ اور جب برا کریں تو ہٹ جاؤ یعنی وارکعوا مع الراکعین۔

سبحان اللہ: یہ ہے پاکیزہ تعلیم اور یہ ہے صحبت کا اثر صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم۔ کیا آج کل کے مجددین اس تعلیم کی ترویج کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ جو زمانہ سلف صالحین میں مروج تھی۔ یا وہ اپنی طرف سے بھی ایجاد کرنے کے مجاز ہیں۔ ع

قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دُور نہ تھا پر ترے عہد سے پہلے تو یہ دستور نہ تھا

(اہلحدیث ۱۷ صفر ۱۳۲۷ھ)

ایک شیعی اعتراض

حضرت ابوبکرؓ وغیرہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نہیں پڑھا۔ الخ

جواب: معترض کے جواب میں ہم شیعہ کی معتبر کتاب "حیات القلوب" سے اصل عبارت پیش کرتے ہیں جو یہ ہے۔ بسند حسن از حضرت صادق روایت کردہ اند کہ عباسؓ بخدمت حضرت علیؓ آمد و گفت کہ مردم اتفاق کردہ اند کہ حضرت رسولؐ را در بقیع دفن کنند و ابوبکرؓ بایستد و بر آنحضرت نماز کند۔ (حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۸۶۹) یعنی امام جعفر صادق سے روایت کی گئی ہے کہ آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کے پاس آکر کہنے لگے۔ کہ لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرتؐ کو جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ اور حضرت ابوبکرؓ پیش امام ہو کر آنحضرتؐ پر نماز جنازہ پڑھائیں۔

اس عبارت سے صاف ثابت ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے جنازہ میں شریک تھے اور سب صحابہ کرام انہی کو امامت کا اہل سمجھتے تھے۔ الخ

اہلحدیث ۱۰ اپریل ۱۹۳۱ء

وہابیوں کے متعلق سوال

وہابی کسے کہتے ہیں۔ ان کی کتنی قسمیں ہیں۔ اُن کے عقائد کیا ہیں۔ وہ کافر ہیں یا مومن ؟

جواب: ایک عالم محمد بن عبدالوہاب نجد میں پیدا ہوا تھا جو حنبلیؒ مذہب کا پیرو تھا۔ اس نے عرب میں قبر پرستی وغیرہ رسوم شرکیہ اور کفریہ کے برخلاف آواز اٹھائی تھی۔ گروہ حنبلی مذہب کا مقلد تھا۔ مگر مذہب اور رسوم میں فرق کرتا تھا۔ اس زمانہ کی رسوم شرکیہ اور کفریہ کی سخت تردید کرتا تھا۔ اور زمانہ کی رسوم مٹانے میں رفتہ رفتہ اس کی جماعت بہت ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ اس نے حکومت کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے اتباع اور فوجیوں کو لوگ وہابی کہتے تھے۔ ان کے عقائد کو خراب نہ تھے۔ مگر رسوماتِ ملکی کی وجہ سے لوگ ان کی مخالفت کرتے تھے۔ اہلحدیث کو اس سے مسئلہ تقلید میں اختلاف تھا اور اب بھی ہے۔ محمد بن عبدالوہابؒ مقلد تھا اور اہلحدیث کے نزدیک تقلید جائز نہیں۔ (موجودہ علمائے نجد تقلید جامد کے خلاف ہیں۔ راز)

ہندوستان میں جن دنوں دہلی کے خاندان شاہ ولی اللہ مرحومؒ اور آپ کے شاگردوں نے بھی مذہب کو رسوم ملکی سے پاک کرنا چاہا۔ تو حامیان رسوم کی طرف سے ان کو بھی وہابی کا لقب دیا گیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ اصول تھا کہ جو کوئی بھی مذہب کو رسوم سے الگ کر کے رسوم کی تردید کرے۔ وہ محمد بن عبدالوہابؒ کا پیرو ہے۔ حالانکہ یہ اصول غلط ہے۔ کیونکہ اتباع مذہب میں ہو تو پیرو کہا جائے۔ رسوم کی تردید کرنا تو ہر ایک دیندار، اہل علم کا کام ہے۔ بہر حال اس بانگ بے ہنگام نے بہت شہرت حاصل کی۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کے شاگردوں کا نام بوجہ تردید رسوم شرکیہ وہابی رکھا گیا۔ آگے چل کر شاہ ولی اللہؒ کا سلسلہ دو شاخوں میں منقسم ہوا۔ ایک شاخ حضرت میاں صاحبؒ مولانا سید نذیر حسینؒ مرحوم کی بنی۔ اور دوسری مولانا احمد علیؒ صاحب سہارنپوری کی۔ مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ کے شاگردوں کی شاخ تو اہلحدیث کہلائے اور مولانا احمد علی صاحبؒ کی شاخ میں مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی۔ و مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی بانیان مدرسہ دیوبند ہوئے۔ چونکہ ان دونوں شاخوں کا مخرج ایک

ہی تھا۔ یعنی چشمہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ۔ اس لئے سوائے مسئلہ تقلید کے تردید رسوم شرکیہ میں دونوں شاخیں ایک دوسرے کے موافق اور مؤید ہیں۔ لہٰذا حامیانِ رسوم جب کبھی زیادہ غصہ اور رنج میں آتے ہیں تو دونوں شاخوں اہلحدیث اور دیوبندیوں کو وہابی کہہ دیتے ہیں جسکی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ ورنہ درحقیقت نہ اہل حدیث وہابی ہیں نہ دیوبندی۔ بلکہ وہابی وہی گروہ ہے۔ جو علامہ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کا پیرو۔ آجکل بھی نجد میں ہے (اور جو بعونہ تعالیٰ حضرت عظمت السلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن ایدہ اللہ بنصرہ کی قیادت میں آج کل حرمین شریفین کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ ادام اللہ اقبالہم ۔ ۱۲۔ ح ر ا ف)

بہرحال وہابی گو ہندوستان میں نہیں۔ تاہم اپنے مذہبی عقیدہ کی رو سے مسلمان۔ ان کو یا ہندوستانی نام نہاد وہابیوں کو کافر کہنے والا اپنے ایمان کی خیر منائے۔ ان کو مسجدوں سے روکنا بحکم۔ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ ۔ سخت ظلم ہے جو لوگ ضد اور تعصب بلکہ جہالت میں سرشار ہیں۔ وہی ایسے لوگوں سے عداوت رکھتے ہیں۔ رحمنا اللہ و ایاھم ۔

(اہلحدیث ۱۰ شوال ۱۳۳۶ھ)

ہمارے عقائد اور اعمال | اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اسلام میں جتنے فرقے ہیں وہ سب اپنے آپ کو حق پر کہتے ہیں۔ دوسرے فریق کو اس غلط عقائد کی وجہ سے گمراہ جانتے ہیں جماعت اہلحدیث کے حق میں بھی غیر اہلحدیث لوگوں کا یہی خیال ہے کہ ان کے عقائد غلط ہیں اور ان کے اعمال بھی غلط ہیں۔ اس لئے میرے دل میں آیا کہ میں اس جلسہ[1] کی تقریر میں اپنے عقائد اور اعمال پیش کر کے فیصلہ ناظرین اور سامعین پر چھوڑ دوں پس حاضرین توجہ سے سنیں اور غائبین تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں۔ کہ ہمارا یہ پہلا عقیدہ ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ اس کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ توحید خداوندی کے متعلق ہے۔ دوسرا حصہ رسالت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے متعلق۔ پہلے حصہ کی تشریح ہمارے عقیدہ میں یہ ہے کہ جتنے افعال خدائے تعالیٰ نے

---

[1] اجلاس جمعیۃ تبلیغ اہلحدیث پنجاب منعقدہ بمقام امرتسر۔

قرآن مجید میں اپنی ذات سے مخصوص رکھے ہیں۔ ان میں کسی کو ذرہ بھر اختیار نہیں ہے۔ مثلاً پیدا کرنا۔ یعنی نیست سے ہست کرنا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ (کیا کوئی خالق اللہ کے سوا بھی ہے۔؟ یعنی نہیں ہے) بعد پیدائش فنا کرنا۔ جیسے فرمایا يُحْيِي وَيُمِيتُ (وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے)

نتیجہ:۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کوئی نبی یا ولی زندہ کرنے یا مارنے میں کسی قدر بھی دخل رکھتا ہے۔ تو ہمارے نزدیک وہ مشرک ہے۔ یہاں پہنچ کر میں ایک بڑے بھاری نتیجے پر اطلاع دوں تو بے موقعہ نہ ہوگا۔ کہ مرزا صاحب قادیانی کا قول ہے۔ اُوتیت صفة الافناء والاحیاء (خطبہ الہامیہ ص۲۳) مجھ (مرزا) کو زندہ کرنے اور فنا کرنے کی قدرت دی گئی۔

ہم ایسے عقیدہ کو شرک سمجھتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ایسے عقیدہ کے متعلق صاف ارشاد ہے۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔ (اے ہمارے رسول تجھے بھی دنیا کے انتظام میں کوئی اختیار نہیں۔ نیز فرمایا۔ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ط کیا دنیا کا انتظام کسی اور ہاتھ میں ہے؟ نہیں ہم ہی منتظم ہیں)

خدا کی ان دو صفتوں کا ظہور اتنا واضح ہے۔ کہ کسی سنگر سے منکر کو بھی جرأت انکار نہیں ہوسکتی۔ مولانا حالی مرحوم نے ایک بند میں خدا کی ان دونوں صفتوں کا اظہار یوں کیا ہے ؎

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں — مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں

جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں — نبی اور صدیقؓ مجبور ہیں واں

نہ پرسش ہے رہبان و احبار کی واں

نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

علم غیب خدا کی تیسری صفت علم غیب ہے۔ جس کی تفسیر خود قرآن مجید نے بتا دی ہے۔ ارشاد ہے۔ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ط یعنی خدائے تعالیٰ خشکی اور سمندر سب جگہ کی پوشیدہ چیزیں جانتا ہے۔ مثلاً ایک بالشت بھر زمین سامنے رکھ لو۔ اس کے اندر جب سے وہ بنی ہے کیا کیا چیز اس میں پیدا ہوئی اور زندہ کیا کیا ہوگی۔ خدا سب جانتا ہے) ایسے علم میں کسی کو پورا یا ادھورا

شریک سمجھنا قرآنی نصوص کے بالکل خلاف ہے۔

مسلمانوں کا بالاتفاق یہ عقیدہ ہے۔ کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کل دنیا سے افضل بلکہ افضل الرسل ہیں۔ اس لیے افضل الرسل کو مخاطب کر کے حکم دیا۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ۔ کہہ دیجیے کہ نہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔

کیسی صفائی سے انکار ہے اور کیسی حق گوئی سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ارشاد ہے۔ مَآ اَدْرِیْ مَا يُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ۔ (میں نہیں جانتا کہ آج سے اگلے دن میں اور اس گھڑی سے اگلی گھڑی میں مجھے کیا پیش آئے گا اور تمہیں کیا اچھا رہوں گا یا بیمار۔ زندہ رہوں گا یا فوت ہو جاؤں گا۔)

اسی طرح خدا تعالیٰ کی ایک صفت قاضی الحاجات بھی ہے۔ جس کی بابت ارشاد ہے اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ ۔ کون ہے میرے سوا جو عاجزوں کی دعائیں قبول کرے۔ اور تکلیفیں دور کرے۔ پس خدا کے سوا کسی کو قاضی الحاجات یا دافع البلیات سمجھنا ہمارے عقیدہ میں شرک ہے۔ شیخ عطار مرحوم نے کیا ہی سچ کہا ہے

در بلا یاری مخواہ از ہیچ کس　　زانکہ نبود جز خدا فریاد رس

بلکہ اس سے بھی واضح کہا ہوا ہے

غیر حق را ہر کہ خواند اے پسر　　کیست در دنیا از و گمراہ تر

اسی لیے ہم اپنے عقیدہ کی رو سے یہ رباعی غلط سمجھتے ہیں

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن　　در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبد القادرا

ساری خرابی اس رباعی کے چوتھے مصرعہ میں ہے۔ کیونکہ اس میں خالق کی بجائے مخلوق کو پکارا گیا ہے۔ اگر اس مصرعہ کو یوں تبدیل کیا جائے۔ تو ساری رباعی صحیح ہو جائے یعنی یوں کہا جائے ؎ حقا مرا امداد کن ۔ یہ تو ہمارا عقیدہ کلمہ شریف کے پہلے حصہ کے متعلق۔ کلمہ شریف کا دوسرا حصہ یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ اس کا مختصر مطلب یہ ہے۔ کہ کل انبیاء کل اولیاء اور کل صلحاء ایک طرف ہوں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری طرف۔ ہمارا عقیدہ اور عمل یہ ہے کہ ہم اسی تعلیم کو صحیح مانیں گے جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہو گی۔ کوئی شخص ہمارے عقیدہ میں آنحضرت

علیہ السلام کی تعلیم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہم اس کی پیروی کر سکتے ہیں۔ سچ ہے ؎

بیچارہ خسروِ خستہ را، خوں ریختن فرمودہ اند، عالم بہ سنت یکطرف، آں شوخ تنہا یک طرف

اسی لئے ہمارا عقیدہ اور قول ہے ؎

ہوتے ہوئے مصطفےٰ کی گفتار مت دیکھ کسی کا قول و کردار

حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ بھی یہی تعلیم دیتے ہیں۔ اجعل الکتاب والسنۃ اماما لک وانظر فیھما ولا تنظر الی ما قیل او قال (غنیہ)

یعنی کتاب و سنت کو اپنا امام بنالو۔ اور ادہر اُدہر کی باتوں کو مت دیکھو۔ کیونکہ مقولہ مشہور ہے۔ الصباح یغنی عن المصباح (صبح کے نمودار ہوتے ہوئے چراغ کی ضرورت نہیں رہتی۔

برادرانِ اسلام! یہ ہیں ہمارے عقائد۔ ان پر بھی کوئی مہربان ہم پر حملہ یا طعنہ کرے تو ہمارا جواب یہی ہوگا ؎

کمش بر تیغ ستم والہانِ سنت را نہ کردہ اند بجز پاس حق گناہ دگر

یہ ہے مختصر بیان ہمارے عقائد کا۔ اب میں اپنے اعمال کا ذکر بھی تھوڑا سا کرتا ہوں۔ اعمالِ شرعیہ میں سب سے پہلا عمل نماز ہے۔ جس کی بابت کہا گیا ہے ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود اولیں پرسشِ نماز بود

یعنی قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔ ہماری نماز جس طرح ہم پڑھتے ہیں اس کی صحت کا معیار بالکل آسان مل سکتا ہے۔ ہماری نماز کے امتیازی مسائل رفع یدین اور آمین بالجہر ہیں۔ تیسرا مسئلہ فاتحہ خلف الامام ہے ادہر ہم نماز پڑھتے ہیں۔ اُدہر کوئی صاحب مشکوٰۃ کھول کر باب صفۃ الصلوٰۃ پڑھنا شروع کر دے۔ اسے صاف معلوم ہو جائے گا کہ ہماری نماز صفت الصلوٰۃ کا گویا فوٹو ہے۔ ہمارا جو فعل اس باب میں نہ ملے ہم اس کو چھوڑنے کو ہر وقت تیار ہیں۔ میں بطور تائید مزید کے دو بزرگوں کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ ہمارے پہلے گواہ حضرت الشیخ سید عبد القادر جیلانی ؒ ہیں۔ حضرت ممدوح نے جو طریقہ نماز غنیہ میں لکھا ہے۔ ہماری نماز بالکل اس کا نمونہ ہے۔ غنیۃ الطالبین طالب علم مطالعہ کریں اور پھر بلا رو رعایت بتائیں۔ کہ حضرت ممدوح کی تعلیم کے مطابق نماز کس گروہ کی ہے۔

دوسرے بزرگ وہ ہیں۔ جن کے ذریعہ کشمیر میں اسلام پھیلا۔ اس لئے حضرات کشامرہ خاص کر امرتسری کشمیری بھائی بگوماہ کی تعظیم اور عظمت کو ملحوظ رکھ کر میرے معروضہ کو غور سے سنیں۔ اس بزرگ کا نام علی همدانی ہے۔ جن کے خدام اور خدام کی بھی اولاد در اولاد کو بھی ہمدانی کہتے ہیں۔ چنانچہ امرتسر میں بھی ایک خاندان ہمدانی کے نام سے مشہور ہے۔ میں ان صاحبوں کو حضرت علی ہمدانی کی تعلیم پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ توجہ دلانے سے پہلے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت ممدوح رح کی عزت و توقیر اہل کشمیر کے دلوں میں کہاں تک ہے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

مرحوم کی وفات کشمیر میں نہیں ہوئی۔ بلکہ اپنے وطن میں ہوئی۔ مگر کشمیر کے شہر سری نگر میں لب دریا ایک مسجد ہے۔ جس میں ایک حجرہ ہے۔ مغفور اس میں بیٹھا کرتے تھے۔ وہ حجرہ سال بھر بند رہتا ہے۔ ایک مقرر دن کھلتا ہے۔ اس دن مسجد میں اور اس کے اردگرد اتنا ہجوم ہوتا ہے۔ کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ منتیں مانی جاتی ہیں اور مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ ان حضرات کے چند رسائل کا مجموعہ مجھے ملا۔ میں نے اس سے شرف مطالعہ حاصل کیا۔ یہ مجموعہ کشمیر کے مشہور خاندان میر واعظ کے کتب خانہ میں ہے۔ اس میں ایک رسالہ صفت الصلوۃ بھی ہے ممدوح نے صفت الصلوۃ میں رکوع جاتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کا مسئلہ بھی لکھا ہے۔ ناظرین اسے مطالعہ فرمائیں۔

افراد اہل حدیث ان دو بزرگوں اور ان کے علاوہ اور بے شمار بزرگوں کی موافقت کی وجہ سے یہ شعر پڑھیں تو بالکل بجا ہو گا ؎

گدایاں را ازیں معنی خبر نیست　　　که سلطان جہاں با ماست امروز

(۱۷ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ)

سوال:۔ احناف کہتے ہیں۔ کہ غیر مقلد کی نجات نہیں۔ اہلحدیث (غیر مقلد) کے خیال میں تقلید بدعت ہے۔ قوی دلیل کس کی ہے۔

جواب:۔ قوی دلیل اس کی ہے۔ جس کی تائید قرآن و حدیث اور تصریحات ائمہ کریں۔ قرآن شریف کی آیت صاف ہے۔ اِتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ۔ یعنی خدا اور رسول کی بتائی ہوئی تعلیم پر عمل کرو۔ اور اس کے سوا اور اولیاء (علماء) کی پیروی (فرض واجب جان کر) مت کرو (علماء اگر قرآن وحدیث

ہی بتائیں تو بے شک اس پر عمل کرو)۔ امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے۔ لا تقلدنی ولا تقلدن مالکاً الخ نہ میری پیروی کرو۔ نہ مالکؒ کی پیروی کرو قرآن و حدیث سے حکم اخذ کرو۔

(اہلحدیث ۲۷، فروری ۱۹۴۲ء)

عرس اجمیر کی دعوت اور اس کا جواب!

اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی کا عرس ہر سال ہوتا ہے۔ اس میں ہر قسم کی غیر مشروع رسومات ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم کے نام مطبوعہ دعوت انگریزی میں سجادہ نشین کی طرف سے موصول ہوئی۔ آپ نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا۔

جناب ایس منیر الدین صاحب سجادہ نشین خانقاہ خواجہ صاحبؒ وعلیکم السلام۔

دعوت نامہ عرس پہنچا۔ شکریہ ہے۔ جناب من حقیقت یہ ہے۔ کہ رسم اعراس کا ثبوت زمانہ رسالت، خلافت یا امامت میں نہیں ملتا۔ پھر ان مواقع پر جو رسومات قبیحہ اور افعال شنیعہ ہوتے ہیں۔ عیاں راچہ بیاں۔ اس لئے میں جناب سے ملتجی ہوں کہ آپ اللہ فی اللہ اس رسم عرس کو بالکل بند کیجئے۔ یا کم سے کم اہل علم کے مشورہ سے اس میں اصلاح کیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔ آپ کی دعوت کا مکرر شکریہ ہے۔ مگر میں اپنے ناقص علم میں اس رسم کو ناجائز جاننے کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا ؎

ہمہ عمر میگوئی بیا عرفی تو ہم لطف افزودی ولیکن پائے رفتار نیست

آپ کا بادفا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری ۱۸ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ (۱۰ جولائی ۱۹۴۲ء)

الحمد للہ آج بتاریخ ۲۵ شوال ۱۳۷۲ھ کو فتاوی ثنائیہ کا حصہ اول اختتام کو پہنچا

(۸ جولائی ۱۹۵۳ء) (محمد داؤد راز)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

باب دوم

نماز اور اس کے متعلقات

عبادتِ خدا

(ایشور بھگتی)

امرتسر میں سناتن دھرمی ہندوؤں نے مذہبی کانفرنس کی تھی۔ جس میں ہر مذہب والوں کو دعوت دی تھی کہ عنوان "عبادتِ خدا" پر تقریریں کریں۔ مرحوم کا یہ مقالہ اس کانفرنس میں پڑھا گیا۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

مسلم نے حرم میں راگ گایا تیرا　ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے　انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

صاحب صدر جلسہ اور حاضرین! دنیا میں سب چیزوں میں انسان بخل کرتا ہے مگر مذاہب میں ایسا سخی ہے کہ اس کی خواہش یہی رہتی ہے کہ ساری دنیا میرے مذہب کو قبول کرے۔ اس لئے کہ مذہب سے مقصود خدا کا وصال ہے اور خدا کی ذات اور فیض میں بخل نہیں، مذہب میں بہت سے احکام ہوتے ہیں۔ اصل مقصود ان سے عبادت ہے۔ عبادت چونکہ اصل مقصود ہے اس لئے اس کے متعلق مذہب کو خاص توجہ ہونی چاہیے۔

بندے کا اپنے خدا کے سامنے عجز و نیاز کرنا اور اس کے حکموں کی تعمیل کرنا عبادت ہے۔ جس قسم کی عبادت خدا کے لائق ہے وہ کسی دوسرے کے سامنے کرنے کا نام اسلامی محاورے میں شرک ہے اس لئے شرک اسلام میں سب سے بڑا ناقابل معافی جرم ہے۔

اسلام میں عبادت کئی طرح کی ہے۔ بعض افعال بذاتہا عبادتِ خدا ہیں۔ بعض نیت کے لحاظ سے عبادت ہیں۔ جو افعال بذاتہا عبادت ہیں ان میں سے اول نماز ہے

اسلام نے نماز کی بابت بڑی سختی سے تاکید کی ہے ۔۔۔ اور اپنے ماننے والوں پر پانچ وقت نماز کا ادا کرنا فرض قرار دیا ہے ۔ اس کی سختی کا اندازہ کرنے کے لئے اتنا ہی تصور کرنا کافی ہے کہ آجکل سردیوں میں صبح ۵۔۱۵ بجے کا وقت کیسا آرام اور گرمی حاصل کرنے کا ہوتا ہے ۔ بچے ، جوان اور بوڑھے سب لحافوں میں سر منہ چھپائے لیٹے ہیں ۔ عین اس وقت اس راحت کے وقت اسلام کا منادی آواز دیتا ہے " اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ " (نماز اس وقت کی نیند سے بہتر ہے) ۔ خدا کے فرماں بردار بندے یہ آواز سنتے ہی مسجد میں پہنچ کر سربسجود ہوتے ہیں ۔ آہ صبح کی نماز باجماعت کیا ہی عجیب نظارہ ہے کہ بندگانِ خدا اسلام کی تعلیم کے ماتحت اپنے مالک کے سامنے سر نیچے سجدہ کئے ہوئے کہہ رہے ہیں " سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی " میں پستی میں پڑا ہوا خدا کی بلندی اور برتری کا اعتراف کرتا ہوں ۔ دُنیا کے لوگ سب سے پہلے اپنے کاروبار کی فکر کرتے ہیں ۔ مگر اسلام کے ماننے والے بندگانِ خدا سب سے پہلے اپنا فریضہ عبادت ادا کرنے کو مسجد میں حاضر ہو کر سرِ نیاز خم کرتے ہیں ۔ کیا ہی سچ ہے ؎

علی الصباح چو مردم بکار و بار روند بلا کشانِ محبت بکوئے یار روند

اسلام نے عبادت کا حکم ہر ایک مذہب سے زیادہ دیا ہے ۔ اور یہ اس کی سچائی کی دلیل ہے ۔ کیونکہ مذہب سے اصل مقصود عبادت ہی ہے ۔ اَللہُ اَللہُ ! جاڑے کا موسم ہے اور ہر دو گھنٹوں کے بعد نماز کا وقت آتا ہے ۔ اور مؤذن بلند آواز سے پکارتا ہے " حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ " (اے بندگانِ خدا حاضری کو آؤ) میں سمجھتا ہوں اتنی سخت حاضری فوجی محکمہ میں بھی نہ ہوگی ۔ کیوں ! اس لئے کہ یہ اصل مقصود ہے ۔ اس پر یہ تاکید مزید ہے کہ جو نماز نہ پڑھے وہ بحکم پیغمبر اسلام علیہ السلام ہماری جماعت سے نہیں ۔ کسی دردمند مسلمان نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کیا سچ کہا ہے ؎

بے نمازو کیا غضب کرتے ہو تم ۔۔۔ حق تعالیٰ سے نہیں ڈرتے ہو تم

کچھ نہ اپنے رب کی تم نے یاد کی ۔۔۔ عمر اپنی مفت میں برباد کی

سر جھکا کاہل نہ ہو اٹھ تو سہی ۔۔۔ بندہ ہونے کی علامت ہے یہی

دوسری عبادت اسلام میں روزہ ہے ۔ روزہ علاوہ جسمانی حالت میں مفید

ہونے کے صبر اور تکلیف کی حالت میں برداشت کی عادت پیدا کرنے والا۔ روحانی طور پر اللہ کی طرف متوجہ کرنے والا ہے۔ اس کا لطف وہی جانتے یا پاسکتے ہیں جو روزہ رکھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ؎

قدر ایں بادہ نہ دانی بخدا تانچشی

تیسری قسم عبادت اسلام نے زکوٰۃ مقرر کی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے کسی کو دیا ہے اس میں سے غریبوں کے ساتھ سلوک کرو۔ اَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ ؎

چو حق بر تو باشد تو بر خلق پاش

چوتھا فرض حج ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں سے تمہارا دینی چشمہ نکلا ہے اس مقام کو دیکھ کر اپنے تاریخی واقعات یاد کرو اور آنکھوں سے دیکھو کہ جس نبی اور ہادی کی تعلیم سے تم مسلمان ہوئے ہو۔ اُس نے اس شہر میں کیا کیا تکلیفیں اُٹھائی تھیں۔ یہاں تک کہ شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں جا بسا۔ اس کے دوسرے شہر کو بھی دیکھو تاکہ ان دونوں مرکزوں سے تمہارا تعلق رہے اور تم سمجھو کہ ؎

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی ؛ کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

دوسری طرح کی عبادت اسلام نے بعض افعال محض نیت کے لحاظ سے خدا کی عبادت میں داخل کئے ہیں۔ مثلاً ماں باپ اور بڑوں کی عزت کرنا۔ چھوٹوں پر شفقت اور رحم کرنا۔ بظاہر ان کا خدا سے کوئی تعلق نہیں مگر بندوں سے برتاؤ ہے مگر اس نیت سے کہ خدا کا حکم ہے بڑوں کی عزت کرو۔ اس حکم کے ماتحت جو کرتا ہے وہ خدا کی عبادت کرتا ہے، اس لئے یہ بھی عبادت ہیں پیغمبر اسلام علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ایک فاحشہ عورت پیاسے کتے کو پانی پلانے سے بخشی گئی۔ شاگردوں نے عرض کیا کہ حیوانوں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی ثواب ہے؟ حضورؐ نے فرمایا " فی کل کبد رطب اجر" (ہر زندہ جاندار کو راحت پہنچانے میں ثواب ہے) مولانا حالی مرحوم نے ایک حدیث کا ترجمہ کیا اچھا کیا ہے ؎

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا ؛ کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

وہی دوست ہے خالق دوسرا کا ؛ خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا

یہی ہے مروّت یہی دین وایماں | کہ کام آئے دُنیا میں انساں کے انساں

اسلام نے اس بیرونی عبادت کو یہاں تک ترقی دی ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ اماطة الاذی عن الطریق صدقة " یعنی اینٹ پتھر کانٹے وغیرہ کو راستے سے ہٹا دینا کار ثواب ہے" تاکہ مخلوقِ خدا کو تکلیف نہ ہو۔ اسی تعلیم کے ماتحت ایک مسلمان شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ | سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ان دونوں قسموں کی عبادت کا ذکر قرآن شریف کے ایک مقام پر آیا ہے جسے نقل کرتا ہوں۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔ (پارہ ۵ ع ۳)

"اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، قرابتداروں، یتیموں مسکینوں، قریبی پڑوسیوں اور دور کے ہمسایوں، پہلو بہ پہلو بیٹھنے والوں، بے کس مسافروں اور اپنے ماتحتوں سے نیک سلوک کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ متکبروں، مغروروں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔"

ان دو طرح عبادتوں کے تیسری قسم کی بھی ایک عبادت اسلام میں ہے۔ یعنی پر میشور کے نام کی مالا جپنا، قرآن شریف میں حکم ہے کہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے پڑے اللہ کو یاد کیا کرو۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ یعنی ہر حال میں۔ مختصر یہ کہ مذہب میں اصل مقصود خدا کا وصال ہے، اور اس کے وصال کا ذریعہ اسی کی عبادت ہے۔ اس لئے ہر مذہب میں کم و بیش عبادت کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر اسلام میں عبادت کا مضمون بہت زیادہ ہے جس کی طرف میں نے مختصر اشارہ کیا رہی ہم مسلمانوں کی اس سے غفلت۔ سو اس کے جواب میں وہ ہم ہیں اسلام نہیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو اپنی عبادت سے کافی حصہ دے ؎

اے خدا صدقہ کبریائی کا | صدقہ اس نور لاتناہی کا
سیدھا رستہ دکھائیو ہم کو | پیچ و خم سے بچائیو ہم کو

(ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری ۲۹ ۲/۱ ۲ (۱۸ فروری ۱۹۲۷ء)

سوال: حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ مبارک میں کسی مسلمان کو نماز سکھائی اور بتائی، تو کیسی بتلائی اس امر کی بخوبی تشریح کی جاوے۔

جواب: سب کو بتلائی۔ کتب حدیث میں صفت صلوٰۃ کے ابواب بکثرت ملتے ہیں۔ خود ایک دفعہ جبرائیلؑ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر روزانہ مسلمانوں کو پڑھاتے رہے ایک دفعہ باہر کا آدمی پوچھنے آیا۔ تو آپ نے دو دن ایسے طریق پر نماز پڑھی۔ کہ پہلے روز ساری نمازیں اوّل وقت پڑھیں دوسرے روز ساری نمازیں اخیر وقت پڑھ کر فرمایا۔ سائل دیکھ لے کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔

۷ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ

تشریح: جبرئیل کے ساتھ آپ کا نماز پڑھنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یوں آیا ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّنِیْ جِبْرِیْلُ عِنْدَ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ فَصَلّٰی بِیَ الظُّهْرَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَکَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاکِ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِّثْلَهٗ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ حِیْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَی الصَّائِمِ فَلَمَّا کَانَ الْغَدُ صَلّٰی بِیَ الظُّهْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَهٗ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَیْهِ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ حِیْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ هٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِکَ وَالْوَقْتُ مَا بَیْنَ هٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ رواہ ابوداود والترمذی۔

عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ شریف میں حضرت جبرئیلؑ نے امامت کی دو دفعہ مجھے نماز پڑھائی۔ پس پہلی مرتبہ سورج ڈھلتے ہی مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ سایہ شریف صرف جوتی کے تسمے کی مقدار پر ہوتا تھا اور عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ صرف اس کے برابر یعنی ایک مثل پر پہنچتا تھا اور مغرب کی نماز پڑھائی جب کہ روزہ کھولنے کا وقت ہوتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھائی جب کہ شفق یعنی شام کی سرخی غائب ہو چکی تھی اور فجر کی نماز اس وقت پڑھائی جب کھانا پینا

روزہ دار کے لیے حرام ہو جاتا ہے یعنی صبح صادق ہوتے ہی۔ دوسرے روز ظہر کی نماز ایسے وقت پڑھائی جب کہ آپ کا سایہ آپ کے برابر یعنی ایک مثل ہو چکا تھا اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھائی جب آپ کا سایہ دو مثل کو پہنچ چکا تھا اور مغرب کی اسی وقت جبکہ روزہ دار روزہ کھولتے ہیں اور عشاء کی نماز تہائی رات گزر جانے پر پڑھائی اور فجر کی جب پڑھائی کہ خوب روشنی پھیل چکی تھی پھر حضرت جبرائیل میری طرف متوجہ ہو کر بولے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تم سے پہلے جس قدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان سب کی نمازوں کا وقت (جو بھی وہ نمازیں پڑھتے ہوں گے) یہی ہے جو تم کو بتلایا گیا۔ دونوں دن اول و آخر وقتوں میں آپ کو نماز پڑھائی گئی ہے ان کے درمیان کا سارا وقت نمازوں کا وقت ہے اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جو آپ نے خود پڑھی اور صحابہؓ کو تعلیم فرمائی اس کی تفصیل اس حدیث سے معلوم ہو سکتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ عَشَرَۃٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا فَاعْرِضْ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ ثُمَّ یُکَبِّرُ ثُمَّ یَقْرَأُ ثُمَّ یُکَبِّرُ وَیَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ ثُمَّ یَرْکَعُ وَیَضَعُ رَاحَتَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ ثُمَّ یَعْتَدِلُ فَلَا یُصَبِّیْ رَاْسَہٗ وَلَا یُقْنِعُ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ فَیَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ثُمَّ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ اَکْبَرُ ثُمَّ یَھْوِیْ اِلَی الْاَرْضِ سَاجِدًا فَیُجَافِیْ یَدَیْہِ عَنْ جَنْبَیْہِ وَیَفْتَخُ اَصَابِعَ رِجْلَیْہِ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ وَیَثْنِیْ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْھَا حَتّٰی یَرْجِعَ کُلُّ عَظْمٍ فِیْ مَوْضِعِہٖ مُعْتَدِلًا ثُمَّ یَسْجُدُ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَیَرْفَعُ وَیَثْنِیْ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْھَا ثُمَّ یَعْتَدِلُ حَتّٰی یَرْجِعَ کُلُّ عَظْمٍ اِلٰی مَوْضِعِہٖ ثُمَّ یَنْھَضُ ثُمَّ یَصْنَعُ فِی الثَّانِیَۃِ مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّکْعَتَیْنِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِھِمَا مَنْکِبَیْہِ کَمَا کَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ یَصْنَعُ ذٰلِکَ فِیْ بَقِیَّۃِ صَلٰوتِہٖ حَتّٰی اِذَا کَانَتِ السَّجْدَۃُ الَّتِیْ فِیْھَا التَّسْلِیْمُ

أَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلَى شِقِّهِ الْأَيْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوا صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّي رواه ابو داود والدارمي وروى الترمذي وابن ماجة معناه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ من حديث ابي حميد ثُمَّ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ كَأَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَوَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ وَقَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَأَمْكَنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ الْأَرْضَ وَنَحَّى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَفَرَّجَ بَيْنَ فَخِذَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ بَطْنَهُ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَخِذَيْهِ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنَى عَلَى قِبْلَتِهِ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى فَأَشَارَ بِأُصْبُعِهِ يعني السبابة وَفِي أُخْرَى لَهُ وَإِذَا قَعَدَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلَى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى وَإِذَا كَانَ فِي الرَّابِعَةِ أَفْضَى بِوَرِكِهِ الْيُسْرَى إِلَى الْأَرْضِ وَأَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةٍ وَاحِدَةٍ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے ایک روز دس اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کہا کہ میں تم سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تفصیل جانتا ہوں۔ وہ صحابہ بولے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز آپ جانتے ہیں وہ ہمارے سامنے پیش کیجئے۔ چنانچہ حضرت ابو حمید ساعدی نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کاندھوں تک اٹھا کر نیت باندھ لیتے پھر آپ (دعاء استفتاح اللہم باعد وغیرہ وسورہ فاتحہ ودیگر سورہ) پڑھتے پھر تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھا کر رفع الیدین کرتے ہوئے آپ رکوع میں جاتے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دونوں گھٹنوں پر مضبوطی کے ساتھ رکھتے اور نہایت اعتدال کے ساتھ جھک کر رکوع کرتے سر اور کمر کو برابر رکھتے اونچا نیچا نہیں کرتے پھر رکوع سے فارغ ہو کر پھر دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کے ساتھ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور سیدھے کھڑے ہو جاتے اور سجدے میں دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے دور رکھتے اور سجدے کی حالت میں پیروں کی انگلیوں کو زمین پر ٹیک کر قبلہ رخ کشادہ رکھتے پھر سجدہ سے سر اٹھاتے اور بایاں پیر موڑ کر

خوب اعتدال اور تسلی واطمینان کے ساتھ اس پر آپ بیٹھ جاتے پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدۂ ثانی کرتے پھر سجدے سے سر اٹھاکر بایاں پیر موڑ کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاتے یہاں تک کہ آپ کے جسم مبارک کا ہر جوڑ ٹھکانے پر بیٹھ جاتا پھر آپ دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے تو جس طرح نیت باندھتے وقت رفع الیدین کی تھی بالکل اسی طرح دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاکر... رفع الیدین کے ساتھ تیسری رکعت کے لئے ہاتھ باندھ لیتے پھر اسی طرح ساری نماز کو پورا فرماتے اور جب آخری رکعت ہوتی تو بائیں پیر کو باہر نکال کر بائیں کولھے کو زمین پر ٹیک کر بیٹھ جاتے پھر سلام پھیرتے حضرت ابو حمیدؓ ساعدی کا یہ بیان سن کر وہ تمام صحابہؓ بولے بیشک آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا جو نقشہ بیان کیا ہے بالکل صحیح و درست ہے آپ کی نماز اسی طرح ہوتی تھی اس حدیث کو ابو داؤد اور دارمی نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی اس کے معنی پر روایت موجود ہے اور ترمذی نے اس کو حسن صحیح بتلایا ہے اور ابو داؤد کی ایک روایت میں ابو حمیدؓ ساعدی سے یہ لفظ اور بھی مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رکوع کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر اس طرح رکھا گویا آپ ان کو خوب مضبوط تھامے ہوئے تھے سجدے میں آپ نے دونوں...... ہاتھوں کو خوب پھیلا کر ان کو دونوں پسلیوں سے دور رکھا اور اپنی ناک اور پیشانی مبارک کو زمین پر ٹیک دیا اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو کندھوں کے برابر رکھ کر زمین پر ٹیکا اور اپنی رانوں کو کشادہ رکھا اور ہاتھوں کی کہنیوں کو پیٹ سے کافی دور رکھا پھر سجدے سے فارغ ہو کر آپ جلسۂ استراحت میں بایاں پیر پھیلا کر سینے کو قبلہ رخ کر کے بیٹھ گئے اس طور پر کہ دائیں ہتھیلی دائیں پیر کے گھٹنے پر اور بائیں ہتھیلی بائیں پیر کے گھٹنے پر آپ نے رکھی ہوئی تھی آپ نے اس حال میں تشہد پڑھا اور اپنی انگلی سبابہ کو لفظ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ پر آپ نے حرکت دی اور اسی کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ درمیانی تشہد میں آپ بایاں پیر پھیلا دیتے اور اس پر بیٹھ جاتے اور دایاں پیر انگلیاں قبلہ رخ زمین پر ٹیک کر کھڑا رکھتے اور چوتھی رکعت میں آپ اپنے بائیں کولھے کو زمین کی طرف نکال کر دونوں قدموں کو ایک طرف نکال دیتے اور اس طرح تشہد کے لئے بیٹھتے۔ حررہ محمد داؤد راز عفا اللہ عنہ۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے آپ کے ارشاد صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو تم سب بھی اسی طرح نماز پڑھا کرو) کے مطابق لوگوں نے نماز سیکھی بعض دفعہ قولاً بھی آپ نے نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا جیسا کہ "مسیئ الصلوٰۃ" والی حدیث میں مذکور ہے آپ نے اس کو زبانی نماز تعلیم فرمائی تھی تفصیلات صحاح ستہ ومشکوٰۃ وبلوغ المرام وغیرہ میں موجود ہیں۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: نماز کے متعلق یہ چار فعل مشہورہ یعنی سینہ پر ہاتھ باندھنا اور سینے کے نیچے ہاتھ باندھنا اور زیرناف ہاتھ باندھنا۔ اور دونوں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا۔ چاروں فعل حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے ہیں۔ یا ایک ہی فعل حضور انور سے ثابت ہے۔ اور اگر چاروں فعل آپ نے کئے ہیں تو کن کن وقتوں میں کئے۔ آپ ایک ہی طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے۔ یا مختلف اقسام سے اور یہ چاروں فعل آپ نے کیوں کئے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: چاروں میں سے ہاتھ چھوڑنے کی روایت تو میں نے نہیں دیکھی باقی روایات مختلف طرق سے آئی ہیں۔ بعض صحیح ہیں بعض ضعیف۔ بقاعدہ علم حدیث ضعیف کو بمقابلہ صحیح کے منفی سمجھا جاتا ہے۔ اگر اس کو موجود بھی سمجھا جائے۔ تو بلحاظ اوقات مختلفہ ممکن ہے ایسا ہوا ہو۔ مگر ترجیح بلحاظ عمل اور بلحاظ ثواب صحیح روایت کے فعل کو ہوگی۔ اور غیر صحیح روایت بمنزلہ جواز کے سمجھا جائے گا۔ (۷ رجمادی الاوّل ۱۳۳۵ھ)

تشریح: سینے پر ہاتھ باندھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے (بلوغ المرام) زیرناف کی روایت ثابت نہیں اور ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا باطل ہے اس کا احادیث میں ثبوت نہیں ایسے ہی سینے کے نیچے کا بھی ثبوت نہیں آپ کا اسی پر عمل تھا اختلاف نہ تھا اور رہو جو کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا اس میں چون وچرا کرنا بے وقوفی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لِمَ کا سوال باطل ہے ورنہ یہ بھی سوال ہوگا کہ نماز ہی کا حکم کیوں دیا یا آنحضرت صلعم نے کیوں پڑھی۔ پھر اس سائل سے بڑھ کر کون بے وقوف ہوگا۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ایک شخص پنجوقتہ نماز..... اپنے گھر میں پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیوی کاموں کی وجہ سے میرا مسجد کو جانا نہیں ہو سکتا۔ پس اس صورت میں اس کی نماز ہوگی

یا نہیں۔ یہ شخص ادائے نماز کے لئے ہمیشہ برابر مسجد میں آیا کرتا ہے۔ اور نماز جمعہ باجماعت مسجد میں ادا کرتا ہے۔ پنج وقتی نماز اپنے گھر میں پڑھتا ہے۔

جواب: فرض ادا ہو جائیں تو تعجب نہیں۔ لیکن مسجد او رجماعت کی غیر حاضری کا گناہ ہوگا حدیث شریف میں آیا ہے۔ جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ میرا جی چاہتا ہے ان کے مکانوں کو آگ لگا دوں۔ مگر عورتوں بچوں کا خیال ہے۔ (۷ رجمادی الاول ۱۳۳۵ھ)

شرفیہ - بلا عذر شرعی مثلاً خوف مرض وغیرہ کے ترک جماعت جائز نہیں۔ اور عبداللہ بن مسعود صحابی ؓ نے تو کہا۔ لو صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ ترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم۔ الحدیث رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۹۶۔

سوال:- ہم لوگوں کی مسجد توڑ کر سخت آفت میں جان پھنسی ہے۔ بخت لوگ ونڈیٹ میں پڑے ہوئے ہیں کہ گورستان پر مسجد بنانا اور نماز پڑھنا جائز نہیں۔ مگر جو ہڈیاں نکلی ہیں وہ ڈیڑھ سو برس پہلے کی گو رشدہ ہیں۔ اب اس پر بھی گورستان کا حکم عائد کر کے مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس زمانہ میں یہ مسجد بنی تھی۔ اس وقت ان اطراف میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ اور پہلے لوگ بھی غالباً مشرک تھے۔ لہٰذا ایسی حالت میں بھی وہاں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: مسجد نبوی کی جگہ پہلے مشرکین عرب کا قبرستان تھا۔ اس لئے صورت مرقومہ میں مسجد بنانا جائز ہے۔ منع نہیں۔ (۱۰ رجمادی الثانی ۱۳۳۵ھ)

شرفیہ: یہ قیاس یا استنباط صحیح نہیں اس لئے کہ مشرکین کے مردوں کا احترام نہیں جیسے کہ مشرکین کی لاشوں کو کوئیں میں ڈلوا دیا تھا۔ کنواں بھی گندے پانی کا تھا متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۳۴۵۔ اور اہل اسلام کی لاشوں اور مردوں کا احترام ہے ان کے مرنے کی ہڈی توڑنے کا اتنا ہی گناہ ہے جیسے زندہ کی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیا رواہ ابوداؤد واسنادہ علی شرط مسلم وزاد ابن ماجۃ من حدیث ام سلمۃ فی الاثم انتھی کذا فی بلوغ المرام ص ۱۱۰ وعن عمرو بن حزم قال رانی النبی صلعم متکیا علی قبرہ فقال لا توذ صاحب ھذا القبر الحدیث رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۴۹

قال الحافظ فی الفتح اسنادہ صحیح کذا فی تنقیح الرواۃ ص۳۳۳
پس اہل اسلام کو قبروں کو کھود کر ہڈیاں نکال کر مسجد بنانا قطعاً ممنوع ہے۔

ابو سعید شرف الدین دہلوی

سوال: جذامی آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ یا نہیں۔ جذامی نماز میں شامل ہو سکتا ہے۔ اور اس کو مسجد میں آنے سے روکا جا سکتا ہے یا نہیں۔

جواب: جذام جسمانی بیماری ہے۔ شرعی عیب نہیں۔ اس لئے اس کی امامت بھی صحیح ہے۔ جماعت میں شرکت کر سکتا ہے۔ جبراً مسجد سے نہیں نکالا جائے۔ ہاں کسی شخص کو اس سے طبعی نفرت ہو تو بحکم فر من المجذوم فرارک من الاسد (مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو) ساتھ ملنے ملانے سے پرہیز کرے تو گناہ نہیں۔

۵/۵ رمضان ۱۳۴۵ھ

سوال: ریشمی کپڑا پہن کر نماز پڑھنے سے مرد کی نماز ہوتی ہے یا نہیں۔

جواب: ریشمی کپڑا مرد کے حق میں حرام ہے اس لئے اس کے ساتھ نماز جائز نہیں۔

۵/۵ رمضان ۱۳۴۵ھ

سوال: کوئی شخص جماعت سے نماز پڑھ رہا ہے یا واحد خود پڑھ رہا ہے پہلی رکعت میں مثلاً آل عمران کا ایک یا آدھ رکوع پڑھ کر اسی قیام میں کوئی دوسرا رکوع بنی اسرائیل یا اور کوئی سورہ الشمس وغیرہ شروع کر دیا اور دوسری رکعت میں بھی علیٰ ہذا القیاس رکوع سورہ بقرا اور اسی قیام میں پھر کوئی سورہ والضحیٰ یا کوئی دوسرا رکوع سورہ نساء وغیرہ پڑھا تو اس طرح پڑھنے سے نماز جائز ہے یا ناجائز مع دلیل بیان فرمائیے گا

جواب: جائز ہے خود قرآن مجید میں حکم ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن پڑھنے کے متعلق کوئی قید یا شرط نہیں۔ جہاں سے جی چاہے پڑھ لے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ صبح کی نماز میں پہلے سورہ کہف پڑھی۔ دوسری رکعت میں سورہ یوسف پڑھی۔ بعض لوگ اس کو مکروہ کہتے ہیں۔ اس کہنے کی دلیل قرآن و حدیث سے کوئی نہیں۔ نماز کی صحت کو وہ بھی مانتے ہیں۔

۲۲/۲۹ رمضان ۱۳۴۵ھ

سوال: زید امام ہر نماز میں اس قدر جلدی کرتا ہے۔ کہ بکر اس کے پیچھے نہ الحمد پڑھ سکتا

ہے۔ اور نہ ہی کوئی تسبیحات رکوع اور سجود میں پوری کرتا ہے نہ قومہ نہ جلسہ بلکہ نماز کے بکرنے ادب سے عرض کی کہ مولوی صاحب اتنی جلدی نماز میں نہ کریں کیونکہ مجھ سے الحمد پڑھا گیا ہے نہ التحیات نہ پیچھے درود شریف پڑھا گیا ہے اور میری تسلی نہیں ہوئی۔ زید نے جواب دیا۔ کہ اول تو آپ کو الحمد پڑھنا امام کے پیچھے ناجائز ہے۔ وہ نہ پڑھیں اور پھر جب دوسرے لوگوں کی شکایت نہیں ہے تو تم ایک کی نہیں سنی جائے گی۔ اور باقی لوگوں نے بھی کہا۔ کہ ہماری نماز ٹھیک ہو گئی ہے۔ اسی طرح ہونی چاہیئے۔ امام صاحب نے بھی کہا کہ اسی طرح ٹھیک ہے۔ ہم اسی طرح پڑھیں گے تم ہمارے ساتھ ملو یا نہ ملو۔ اب بکر کو کیا کرنا چاہیئے۔ ان کے ساتھ نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔

جواب:۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک وقت آئے گا، امام نماز کو خراب کریں گے۔ فرمایا مسلمانوں میں ملتے رہنا۔ ان کی خرابی ان کی گردن پر ہوگی۔ تم علیحدہ نہ ہونا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حتی المقدور جماعت کے ساتھ مل کر ہی نماز پڑھنی چاہیئے تصور بذمہ امام۔

۲۲/رمضان ۱۳۴۹ھ

شرفیہ: نہیں نہیں ہرگز ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیئے اس لئے کہ اس میں سورۂ فاتحہ ہوتی ہے نہ رکوع نہ سجود نہ قومہ جلسہ وغیرہ یہ صلوٰۃ بالکل مسی الصلوٰۃ کی سی ہے۔ لہٰذا یہ نماز باطل ہے جس امر کا مولانا مرحوم نے حوالہ دیا ہے۔ وہ اول تو صرف تاخیر وقت کرتے تھے مگر قراءۃ رکوع و سجود وغیرہ صحیح کرتے تھے دوم وہ حکام تھے ان کی طرف سے ترک نماز کے الزام کا بھی خوف تھا پھر بھی حضور صلعم نے ان سے پیشتر اپنی نماز وقت پر پڑھنے کا حکم فرمایا اور فرمایا دوبارہ ان کے ساتھ نفل کی نیت سے مل جایا کرو لہٰذا اس پر قیاس مع الفارق ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوسعید شرف الدین دہلوی

سوال: گھر میں نماز کس قسم کے عذر کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔

جواب: جس عذر سے مسجد میں نہ آسکتا ہو۔ جس کی بابت یہ لفظ آئے۔ (حبسہم العذر) عذر نے ان کو روک رکھا ہے۔ مثلاً سخت بخار۔ یا کوئی اور کسی قسم کی تکلیف ہے جو مسجد تک پہنچنے میں مانع ہو۔ اس صورت میں گھر میں پڑھنے سے مسجد اور جماعت کا ثواب پاوے گا۔ انشاء اللہ۔

۱۷/شوال ۱۳۵۱ھ

سوال: جمال نامی شخص نے مسجد بنائی اور اس کو اپنے نام سے منسوب کیا مثلاً مسجد جمالیہ اب زید کہتا ہے ایسی مسجد میں نماز نہیں ہوتی۔ مسجد خالص ثوابی نیت سے بنائی جائے نہ کہ لوگوں کے دکھانے کے لئے کیا زید کا کہنا ٹھیک ہے؟ (سید عزیز اللہ بن حاجی سید نعمت اللہ مدراس)

جواب: بخاری شریف میں ایک باب ہے۔ **باب ما یقال مسجد بنی فلان** یعنی فلاں کی مسجد کہنا جائز ہے۔ باقی رہا سوال ریار کا تو وہ الگ چیز ہے۔ ریار تو ہر حال میں برا ہے۔ نام رکھے یا بے نام بنائے ہر حال میں۔ ریا ہو سکتا ہے (۸ راگست ۱۹۳۰ء)

سوال: ایک شخص نے اکیلے نماز فرض پڑھ لی ہے بعد سلام کے فرض نماز باجماعت تیار ہو گئی ہے تو کیا اب اس شخص کو دوبارہ فرض نماز اس جماعت کے ساتھ پڑھ لینی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: دوبارہ نفلوں کی نیت سے پڑھ لی جائے تو جائز ہے۔ صبح اور عصر کے بعد نہ ملے۔ مغرب میں ملے تو چار رکعت کی نیت کرے (۱۵ راگست ۱۹۳۰ء)

شرفیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی بعد میں دیکھا کہ دو شخص نماز جماعت میں شامل نہیں ان سے کہا تم جماعت میں کیوں نہ ملے عرض کیا حضور ہم اپنے ڈیرے پر نماز پڑھ کر ہم آئے ہیں فرمایا ایسا کیا کرو جب بھی تم گھر میں نماز پڑھ کر آؤ اور جماعت ہو رہی ہو تو پھر اس نماز کی جماعت میں مل جایا کرو۔ یہ دوبارہ کی نماز باجماعت تمہارے نفل ہو جائیں گے رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی مشکوٰۃ ص ۱۰۲۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صبح کی نماز کے بعد بھی صورت مذکورہ یعنی ملنا ثابت بلکہ لازم یا افضل ہے یہ خاص صبح کا واقعہ ہے اور اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعۃ فصلیا معھم فانہا لکما نافلۃ انتھی لفظ اذا محاورہ شرع میں عموم کے لئے ہے موجبہ کلیہ ہے ہر نماز کو شامل ہے لہٰذا اس میں مغرب بھی داخل ہے چوتھی رکعت ملانا بھی لازم نہیں بلا دلیل علی اللزوم من ادعی فعلیہ البیان بالبرہان نفل تین بھی جائز ہیں منع کی دلیل نہیں اور قول ابن عمرؓ خلاف حدیث مرفوع ہے۔ لہٰذا حجت نہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد بعض امراء نماز کو بے وقت پڑھائیں گے تم اپنی نمازیں وقت پر پڑھ لینا پھر ان کے ساتھ جماعت میں دوبارہ پڑھ لینا وہ تمہارے نفل بن جائیں گے مسلم مشکوٰۃ ص ۶۱ ابوسعید شرف الدین دہلوی

سوال: جمعہ کے دن اگر اذان عثمانی نہ دی جائے تو کیا اس کی کوئی پکڑ ہے یا ناجائز؟

(سائل مذکورہ)

جواب: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کے خلاف ہے۔ اللہ اعلم

سوال: فتوائے اگر صبح وعصر کی نماز اکیلے پڑھی ہو تو دوسری دفعہ جماعت میں شریک نہ ہو''۔

مولوی عبدالرزاق صاحب صادق پوری از رنگون فرماتے ہیں "جواب صحیح نہیں ہے" فرمان نبی صلعم " اذا جئت فصل مع الناس وان کنت قد صلیت" (اگر تم تنہا) نماز پڑھ چکے ہو تو جماعت کے ساتھ مل کر دوبارہ پڑھ لو، اس عام حکم کی تخصیص، نیت کی ہیرا پھیری، یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادتی ہے جو کسی امتی کے لیے جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سابق نفل قرار پائے یا ثانی ہم کو اس سے بحث نہیں، ہم نے حکم کی تابعداری کی اور بس۔

جواب: آپ کی پیش کردہ حدیث کے ساتھ وہ حدیث بھی قابل لحاظ ہے جس میں بعد نماز صبح اور بعد نماز عصر نماز سے منع فرمایا ہے، ان دو حدیثوں کی تطبیق میں دو قول ہیں ایک تخصیص حدیث آپ کی پیش کردہ کا میں نے اختیار کیا تھا۔ دوسرا حدیث تخصیص میری پیش کردہ کا وہ آپ نے اختیار کیا (۱۲ر ستمبر سنہ ۱۹۳۰ء)

جواب: فتوے "جمعہ کے روز اذان اول نہ دینا خلاف سنت خلفاء ہے۔"

موصوف اس پر تعاقب کرتے ہیں۔ جمعہ کی تیسری اذان کا ترک "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کے خلاف ہے۔ ہرگز ہرگز صحیح نہیں بقول عبداللہ بن مسعودؓ لو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم یہ اذان رائجہ بدعت ضلالت ہے نہ تو سنت عثمانی ہے نہ سنت نبوی نہ سنت خلفاء اول و دوم۔ سنت نبی صلعم ہی جب موجود ہے پھر دوسری تکنا کیوں۔ سنۃ النبی صلعم اولیٰ ان تتبع۔ پھر خلیفہ جو نماز کا حکم رکھتے ہیں ان کا بھی وہی فعل ہے۔ یعنی جس نے ایک اذان واقامت پر اکتفا کیا اس نے نبی صلعم اور خلفاء کا اتباع کیا۔ جس نے اس پر زیادتی کی اس نے ہی آپ کے فرمان علیکم بسنتی کے خلاف کیا مرتکب بدعت ہوا۔

جواب؛ تو آپ کے نزدیک خلفائے راشدین خلافت ثانیہ میں آکے ختم ہوئی۔ اہلحدیث کا یہی مذہب ہے؟ کہ صرف دو صاحب ہی خلفائے راشدین ہیں۔ پس اسی پر جواب اور تعاقب کا فیصلہ ہے۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۰ء

تعاقب بر تعاقب: "آپ کا نوٹ ہمارے نزدیک خلافت راشدہ دو ہی تک ہے" فرمانا صحیح نہیں باوجودیکہ ہم نے لکھا ہے کہ اذان ثالث جمعہ رائجہ نہ تو سنت عثمانی ہے نہ سنت نبوی نہ سنت خلفاء اول و دوم (تین زمانہ سابق میں آپ کو بھی اقرار ہے کہ یہ اذان نہ تھی عثمان رض کے زمانہ میں ہوئی مگر یہ اذان مسجد میں دلوانا عثمان رض سے ثابت ہرگز نہیں کر سکتے مدینہ سے باہر بازار میں یہ اذان دلوانا ثابت ہے لہٰذا اگر شہر کے باہر بازار میں اذان دلوائی جائے تو سنت عثمانی ہوگی ورنہ یقینی طریقہ رائجہ بدعی ہوگا خلفاء کے زمانہ کی چیز ہرگز ہرگز نہیں۔ (حکیم عبدالرزاق از رنگون)

مفتی: روایتوں میں صاف آتا ہے زاد عثمان النداء الثالث (عثمان رضی اللہ عنہ نے اس تیسری اذان کو جاری کیا) مقام کو اصل فعل میں دخل نہیں۔ (۳۰ جنوری ۱۹۳۱ء)

تائید۔ متعاقب نے غلو کیا ہے عمل عثمانی کو گمراہی و ضلالت کہنا بالکل غلو ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عہد نبوی کا طریق اولیٰ ہے عہد عثمانی کا جائز اس لئے کہ جب حضرت عثمان رض نے یہ اذان کہلوائی تو اس وقت ہزارہا صحابہ موجود تھے کسی نے اس کو نہیں بدلوایا نہ عام طور پر مخالفت کی پھر جمہور صحابہ پر حملے کرنا کس قدر جرأت ہے۔ فثبت الامر علی ذالک انتہی (بخاری شریف جلد اول ص ۱۲۵) یعنی یہ امر (اذان ثالث) اسی دستور پر رائج ہو گیا۔ (ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی)

سوال: جمعہ کے روز اذان ثالث جائز ہے یا نہیں (جواب) جائز ہے منتقی میں ہے عن السائب بن یزید قال کان النداء علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ اولہ اذا جلس الامام المنبر علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلما کان عثمان وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء ولم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن غیر واحد رواہ البخاری والنسائی وابوداؤد وفی روایۃ لھم فلما کانت خلافۃ عثمان وکثروا امر عثمان یوم الجمعۃ بالاذان الثالث فاذن بہ علی الزوراء

فثبت الامر علی ذالک انتھی واللہ اعلم بالصواب حررہ عبدالرحیم عفی عنہ سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ ص۲۵۲ ۔ کتاب دستور المتقی[1] طبع شدہ بعد نظر ثانی حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلی حال صدر مدرس مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کراچی کے ص۸۹ پر ہے ۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہوا اور آپ نے لوگوں کی کثرت دیکھی تو آپ نے خطبہ کی اذان سے پہلے ایک اور اذان صحابہ کرام کی موجودگی میں جاری کی اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا اور جب یہ ہے تو اذان مذکور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خلفاء راشدین کی سنت میں داخل ہے جو لوگ اس اذان کو بدعت بتاتے ہیں یہ ان کی غلط فہمی ہے ۔ حضرت مولانا محمد صاحب دہلوی مرحوم اخبار محمدی یکم جنوری ۱۹۳۶ء پر اس اذان کو مسجد کے اندر کہلوانا بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں ۔ قال الحافظ وبلغنی ان اھل الغرب الادنی الآن لا تاذین عندھم سوی مرۃ ۔ نیل الاوطار جزء ثالث ص۲۲۳ انما الاعمال بالنیات ولکل امرء ما نوی حررہ ابوالخیر حبیب اللہ سعیدی عفی عنہ

سوال: مجھے نوکری کے باعث ظہر کے وقت ہمیشہ کی فرصت رہتی ہے اور عصر میں فرصت نہیں ملتی، کیا ظہر کے ساتھ عصر ملا کر پڑھنے کی اجازت ہے ؟ محمد عبدالحفیظ

جواب: واقعی اگر وقت عصر نہیں ملتا تب ظہر کے ساتھ عصر جمع کر لیا کریں، صحیح بخاری میں ملتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر اور مغرب عشاء جمع کی تھیں ۔ اللہ اعلم

۵ دسمبر ۱۹۳۰ء

تشریح: ۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَہٗ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَقَالَ لَہٗ قُمْ فَصَلِّ الظُّھْرَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ الحدیث رواہ احمد والترمذی ۔ ہر نماز کو اپنے اپنے وقت پر پڑھنا جیسا کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے فرض ہے اور جمع تقدیم یا تاخیر حنفیہ کے نزدیک سوائے حج کے مطلقاً جائز نہیں

---

[1] ۔ اس کتاب کو حضرت استاد الکل مولانا نذیر حسین محدث دہلوی نے جماعت اہل حدیث کے لیے اپنی موجودگی میں طبع کرایا تھا (اخبار محمدی ص۱۸ ۔ ۲۰ شوال ۱۳۵۶ھ)

جیسا کہ شرح وقایہ و دیگر معتبرات فقہ میں ہے ولا یجمع فرضان فی وقت بلا حج اور شافعیہ اور محدثین کے نزدیک سفر میں جائز ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور بارش میں جمع کرنے کی کوئی صحیح وجریح دلیل کتب فقہ وحدیث سے پائی نہیں جاتی جیسا کہ ماہرین فقہ و حدیث پر مخفی نہیں اور حدیث ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الظہر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر قیل لابن عباس ما اراده بذالك قال اراد ان لا یحرج امته یعنی جمع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر کو اور مغرب وعشار کو مدینہ میں بغیر خوف و بارش کے یہ جمع صوری پر محمول ہے جیسا کہ صحیح نسائی میں موجود ہے ۔ حررہ محمد جمال الدین حافظ غلام رسول بن حافظ حافظ محمود ساکن امرتسر مسجد باغ والی عفی اللہ لہ ۔ سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ ج اصفحہ ۲

سوال : آپ سے ہماری جماعت اہلحدیث کی یہ التماس ہے کہ ہمارے ہاں مسجد اہلحدیث میں پنجوقتہ اذان جو دی جاتی ہے وہ اس حدیث کے مطابق جو ذیل میں درج ہونے والی ہے اس پر عملدرآمد ہے) حدیث شریف یہ ہے ۔ ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ (اذان دوہری اور اقامت اکہری) اس پر ہم لوگ عمل کرکے اذان میں لفظ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ دو مرتبہ کہتے ہیں ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دو مرتبہ ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ دو مرتبہ ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ دو مرتبہ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ دو مرتبہ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ایک مرتبہ کہہ کر اپنی اذان پوری کرلیتے ہیں ۔ اقامت میں اس کا نصف حصہ اس طرح کی اذان کو بعض علماء اہلحدیث جو ہمارے بیرون شہر سے آیا کرتے ہیں وہ معترض ہوتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ یہ اذان سنت کے خلاف پائی جاتی ہے ۔ اس کا ثبوت حدیث میں کہیں نہیں پایا جاتا الخ ۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بارش کے دنوں میں مغرب کے اول وقت میں ہی مغرب کی فرض نماز کے بعد ہی اقامت عشار کی کہہ کر باجماعت عشار کی نماز بھی ادا کرلیتے ہیں ۔ بارش کے موسم میں دو وقت کی نماز ملاکر ادا کرلینا جائز ہے یا نہیں ؟ حدیث سے ثابت ہو تو تحریر کریں ؛

جواب : اذان کی تفصیل صحیح مسلم میں آئی ہے جس میں کسی طرح کا اشتباہ نہیں ۔ حدیث یہ ہے ۔ عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَۃَ قَالَ اَلْقٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّاذِیْنَ ھُوَ بِنَفْسِہٖ فَقَالَ قُلْ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

اَللّٰهُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَکْبَرُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (ترجیع کہنا ہو تو کلمہ شہادت کو پھر اسی طرح بلند آواز سے کہے) حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یہ ہے اذان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سکھائی۔ تکبیر اس کی نصف ہوگی۔ صورتِ نزاع میں اللہ اور رسول کے حکم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے فردوہ الی اللہ والرسول اور بلا چون وچرا تسلیم کرنا ضروری ہے ویسلموا تسلیما۔ (۲) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت نے ایک دفعہ مغرب اور عشاء کی نماز جمع کی تھیں بغیر بارش اور بغیر خوف کے۔ اللہ اعلم۔

۲۶ دسمبر ۱۹۳۲ء

اذان کے بعض اسرار ہمارے ارحم الراحمین رب عزوجل نے ہمارے سمجھانے کے لئے قرآنی آیتوں کو نازل کر کے فرمایا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

اسی طرح اس نے ہماری نصیحت اور بینائی کے واسطے مخلوقی آیات کو بھی پیدا کر کے فرمایا۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ اور پھر ان ہی کو اولوا الالباب (عقلمند) فرمایا جو آسمان اور زمین کے خلق میں تفکر کر کے کہتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اور نابینا کفار کی مذمت میں فرمایا۔ وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۔ اور فرمایا۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ۔

اسی بنا پر ہمارے ارحم الراحمین رب عزوجل نے (پنجوقتہ نمازوں کے وقت) حکماً فرمایا کہ اسلام اور مسلمانوں کے مؤذنین جب رات دن کے اختلافات اور طلوع وغروب کے تغیرات۔ اور آفتاب کے انقلابات میں اپنے رب العالمین عزوجل کے کبریا اور اس کی کمال قدرت اور اس کی وسیع رحمت کو ایک اور رنگ اور صورت میں دیکھ

پس تو بلند منارہ۔ بلند مقام پر بلند آواز سے۔ تمام بستیوں۔ تمام آبادیوں۔ بلکہ بر و بحر۔ جبل وسہل میں پکار کر یہ اعلان کر دیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ مثلاً مؤذن نے اندھیری رات کی ظلمت میں صبح کی سفیدی کو دیکھ کر بلند مقام پر کھڑے ہو کر باواز بلند چار مرتبہ پکارا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ کہ ہمارا اللہ عزوجل تمام مخلوقات اور تمام موجودات سے (بہر اعتبار) علی الاطلاق بہت بڑا ہے۔ دیکھو دیکھو اس وقت اس کی کبریائی۔ اس کی قدرت اور اس کی رحمت اور تربیت ایک اور رنگ میں ہے جس سے قطعاً یہ ثابت ہو گیا کہ تمام عالم علوی اور تمام عالم سفلی کا وہی رب۔ وہی حاکم اعلیٰ ہے اور تمام موجودات کے لئے وہی الٰہ اور لائق عبادت ہے اور اس کے ساتھ لائق عبادت تمام موجودات میں اور کوئی نہیں۔ سو میں ان عظیم الشان انقلاباتِ سماویہ کو اور ان جلیل القدر تغیرات ارضیہ کو (جو اس کی عظمت اور اس کی وحدانیت کے واسطے از قسم براہین قاطعہ ہیں) دیکھ کر باواز بلند دو دفعہ اعلان کرتا ہوں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

کہ اس اللہ عزوجل کے سوائے (جس کی کبریائی اور یہ بادشاہی اور یہ قدرت ظاہر ہو رہی ہے) تمام موجودات اور تمام مخلوقات میں نہ اور کوئی لائق عبادت ہے اور نہ لائق دل بستگی۔ اور مبارک رسول جن کی یہ بصیرت بخش ہدایات اور ہمارے پاک کرنے اور اپنے پاک رب تعالیٰ تقدس سے ملانے کے واسطے یہ بصیرت بخش تعلیمات ہیں۔ میں باواز بلند دو مرتبہ یہ گواہی دیتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہ بیشک اور بے شبہ یہ محمد ہمارے اللہ تعالیٰ اور ہمارے حاکم اعلیٰ عزوجل کا (سچا) رسول ہے (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ ملا الدنیا وملا آخرۃ)۔

اور میں ان ہی الٰہی آیات سماویہ اور ان ہی نشانات ارضیہ کی طرف تم کو توجہ دلاتے ہوئے دو مرتبہ تاکید سے کہتا ہوں۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کہ تم بھی ان ہی آیات قدرت اور ان ہی علامات رحمت کو بچشم بینا ودل دانا دیکھ کر نصیحت پکڑ لو۔ اور نماز کی طرف (جو ہمارے لئے بمنزلہ معراج المومنین اور رحمانی دین کے لئے بمنزلہ ستون ہے) جلد آؤ کہ میں تم کو دوبارہ انہی الٰہی قدرتوں اور انہی رحمانی تربیتوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے باآواز بلند بلاتا ہوں۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کہ تم جلد آؤ۔ تاکہ ہم۔۔۔۔سب

کے سب مل کر اس کے گھر (مسجد) میں حاضر ہو جاویں۔ اور اسی کے آگے ذکر کریں کہ جب تو ایسی قدرتوں اور ایسی تربیتوں اور ایسی رحمتوں والا ہے۔ تو ہم تیرے ان ہی اعلےٰ صفات کی برکات سے اپنے مقاصد دینیہ اور اپنے حوائج دنیویہ کے واسطے بکمال تضرع و عاجزی اور بکمال خشوع و خضوع عرض کرتے ہیں۔

باوجود اس کے ہمارے رحمان اور رحیم رب عزوجل نے اپنی وسیع رحمت اور اپنی کامل قدرت کے یہ عظیم الشان نشانات ظاہر کر دیئے ہیں تاکہ ہم دیکھ کر اس کے در رحمت کی طرف دوڑ جائیں۔ اور اس کے آگے گڑگڑا کر روئیں۔ تم خواب غفلت میں پڑے ہو۔ میں تم سبھوں کی خیر خواہی کرتے ہوئے دومرتبہ اعلان کرتا ہوں۔ اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہ اس خواب غفلت سے تو یہ بہتر ہے کہ ہم اسی کی کبریائی اور عظمت اور اسی کی قدرت اور رحمت کو دیکھ کر اس کے در رحمت پر بصورت نماز حاضر ہوں کہ اے پروردگار عالم جس طرح تو نے رات کی جہانگیر ظلمات کو دور کر دیا۔ اور ان کے بدلے صبح کی سفیدی اور یہ روشنی ظاہر کر دی۔ اسی طرح تو اپنی اسی قدرت کاملہ اور اپنی اسی رحمت واسعہ کے ساتھ ہماری دینی ظلمات کو دور کر دے جو (غیر اللہ کی طرف قلبی التفات۔ اور غیر اللہ کے ساتھ دل لگانے سے) ہمارے دلوں پر ظلمات بعضہا فوق بعض۔ کی طرح تہ بہ تہ پڑے ہیں۔ اور اسی طرح تو ہمارے دنیوی مصائب کو بھی اپنے ان ہی کامل قدرتوں اور وسیع رحمتوں کے ساتھ دور کر دے۔ جن کے سبب سے ہمارے مصائب زدہ دل ہموم اور غموم اور احزان کے بحار اور فکروں اور اندیشوں کے گردابوں میں غوطے کھا رہے ہیں۔ اور ان کے بدلے تو اپنی ہی صفات کے ساتھ ہم کو وہ جمعیت اور وہ انس والفت باللہ اور اطمینان بذکر اللہ مرحمت کر جس کے ساتھ ہمارے دلوں سے تمام دنیوی حاجات بالکل منقطع ہو کر دفع ہو جائیں۔ اور صرف تیرا عشق اور تیرے ملنے کا شوق ہمارے قلوب میں قائم دائم رہ جاوے۔ آمین۔

سو میں تم کو تسلیاں دیتے ہوئے یہ عظیم الشان خوشخبری اور بشارت سناتا ہوں

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ

کہ ایسے ارحم الراحمین کے آگے (جس کی یہ کبریائی اور یہ عزت اور یہ عظمت اور

یہ رحمت ہے) ہمارے دنیا اور آخرت کا درست کر دینا کیا مشکل ہے اور اس کے رحم سے کیا بعید ہے۔

علاوہ بریں یہ کہ اس وقت تو دعا بھی اچھی قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وقت تو ہمارے ارحم الراحمین رب عزوجل کی رحمانیت اور رحیمیت بایں طور ظہور میں آئی کہ ہم ارضی مخلوقات کی تربیت اور خدمت اور راحت کے واسطے اس نے اپنی سماوی مخلوقات اور اپنے فلکی مسخرات کو تحریک دے کر ہمارے ارضی ظلمات جہانگیر کو دور کر دیا۔ اور دن کی روشنی کو لے آیا (**فسبحانہ ما اعظم شانہ**) جس سے آفتاب نیمروز کی طرح (**بالعلم الضروری**) یہ ثابت ہو گیا کہ تمام جہان تمام موجودات تمام مخلوقات میں ہمارے اس مولٰے ہمارے اس حاکم اعلیٰ عزوجل کے سوائے نہ اور کوئی لائق عبادت ہے اور نہ لائق دل بستگی ؎

دلآرامے کہ داری دل درو بند   دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

الراقم عبد الواحد غزنوی عفی عنہ مرسلہ عبد الرحیم امرتسری از ملنگمری۔

۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ

سوال: اگر کسی شخص نے پائتابوں کے پہننے کے آگے وضو کر لیا اور بعد وضو پائتابہ پہنا اس کے بعد اس کو پھر وضو کی ضرورت ہو تو کیا پائتابوں پر وضو کر لینا ضروری ہے؟ اگر پائتابوں پر سوراخ ہوں تو ایسے پائتابوں پر مسح کافی ہوگا؟

جواب: پائتابہ (جراب) پر مسح کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (ترمذی) شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فتاویٰ میں مفصل لکھا ہے۔ | ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۰ء |

شرفیہ:- جرابوں پر مسح کرنے کا مسئلہ معرکۃ الآراء ہے مولانا نے جو لکھا ہے یہ بعض ائمہ امام شافعیؒ وغیرہ کا مسلک ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا بھی یہی مسلک ہے مگر یہ مسلک صحیح نہیں اس لئے کہ دلیل صحیح نہیں ہے۔ استدلال حدیث جامع ترمذی سے کیا جاتا ہے جو یہ ہے عن المغیرۃ بن شعبۃ قال توضا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسح علی الجوربین والنعلین قال ابو عیسٰی ہٰذا حدیث حسن صحیح انتہی واخرجہ ایضا ابو داؤد وابن ماجۃ واحمد وغیرہ وابن حسن وصححہ الترمذی لکنہ ضعفہ المحدث الکبیر

عبدالرحمٰن بن مہدی و ابوداؤد وشیخ البخاری علی بن المدینی وغیرہم وقالوا الروایۃ عن المغیرۃ المسح علی الخفین لا الجوربین وفی الباب عن ابی موسیٰ وغیرہ ولا یثبت شیئ منہا کما فی المطولات اور نیز یہ کہ حدیث مذکورہ بلفظ مسح علی الجوربین والنعلین ہے اور واؤ بمعنی مع ہے یعنی جوربین کے ساتھ نعلین پر دونوں پر مسح کیا نہ کہ صرف جوربین پر لہٰذا صرف جوربین پر مسح کا استدلال اس حدیث سے ثابت نہ ہوا اور نہ صرف نعلین پر بھی مسح کرنا لازم ہوگا واللازم باطل فالملزوم مثلہ نیز نیل الاوطار میں بحوالہ قاموس وغیرہ جورب کا معنی خف کبیر لکھا ہے اور خف چرمی ہوتا ہے اور اگر جورب سوتی اونی بھی تسلیم کیا جائے کہ ہوتی تھی یا ہوتی ہے تو پھر اس چیز کا ثبوت ہونا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جورب پر مسح کیا تھا وہ کس قسم کی تھی ولم یثبت تعیینہ واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ہاں چند صحابہ رضوان اللہ علیہم سے مسح علی الجوربین ثابت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسا نہیں کہ اس میں اجتہاد کو دخل نہ ہوتا کہ حکم حدیث مرفوع ثابت ہو، اس میں اجتہاد کو بھی دخل ہے اور علت منصوصہ نہیں جس سے استدلال صحیح ثابت ہو پھر صحابہ سے علت بھی منقول نہیں کہ کیا ہے نہ ہی روایت صاحب وحی سے نیز پھر یہ بھی ثابت نہیں کہ صحابہؓ نے صرف جوربین پر مسح کیا یا مع النعلین پر بلکہ بعض صحابہ سے جوربین کے ساتھ ہی نعلین پر ثابت ہے جیسے حضرت علیؓ اور براء بن عازب اور ابومسعود انصاری کے جورب کی تعیین بھی ثابت نہیں کہ کس قسم کی تھیں چرمی یا غیر چرمی پھر یہ مسئلہ نہ قرآن سے ثابت ہوا نہ حدیث مرفوع صحیح سے نہ اجماع نہ قیاس صحیح سے نہ چند صحابہ کے فعل اور اس کے دلائل سے اور غسل رجلین نص قرآنی سے ثابت ہے لہٰذا خف چرمی (جس پر مسح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے) کے سوا جورب پر مسح ثابت نہیں ہوا۔ ہذا واللہ اعلم۔ ملاحظہ ہو نیل الاوطار ونصب الرایہ وغیرہ۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ما قولکم ادام اللہ تعالیٰ فیوضکم فی المسح علی الجوربۃ الشائعۃ فی الامصار المنسوجۃ من الغزل او الصوف غیر منعلۃ ولا ثخینۃ الی آخرہ۔

الجواب: المسح علی الجوربة لیس بجائز لانه لم یقم علی جوازہ دلیل صحیح وکل ما تمسك به المجوزون ففیه خدشة ظاهرة الی آخرہ

کتبه محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنه۔ | سید محمد نذیر حسین |

من شاء ان یطالع المسئلة مع التفصیلات مع ماله وما علیه فلینظر الفتاوی النذیریه کتاب الطهارة ص۱۹۳۔ ترکناہ مع التاسف لعدم السعة فی کتابنا هذا فنرجو من الناظرین الصفح والعفو (جامع)

(نوٹ) مزید تفصیلات کے لئے نیل الاوطار جلد اوّل ص۱۵۷ ملاحظہ ہو۔

سوال: جو ہمسایوں کی چوری کر کے کھائے اور نماز بھی پڑھے اس کی نماز جائز ہے یا نہیں۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ حرام کا کپڑا جب تک بدن پر ہے نماز قبول نہیں کھانا تو بہت زیادہ اثر رکھتا ہے فرمایا جو جسم حرام سے پلا ہو آگ ہی اس کو کھائے گی۔ | ۲۱ صفر المظفر ۱۳۴۶ھ |

شرفیہ: مولانا نے جن دو حدیثوں کا ترجمہ پیش فرمایا ہے۔ وہ یہ ہیں من اشتری ثوبا بعشرة دراهم وفیه درهم حرام لم یقبل اللہ له صلاة ما دام علیه انتهی رواہ احمد والبیهقی وقال اسنادہ ضعیف مشکوٰۃ ص۲۴۳ ویؤیدہ ما اخرجه ایضا احمد والدارمی والبیهقی مرفوعا لا یدخل الجنة لحم نبت من السحت وکل لحم نبت من السحت کانت النار اولی به انتهی مشکوٰۃ ص۲۴۲ ج۲ ہر دو احادیث کا مفہوم وہی ہے جو مولانا نے فرمایا ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی سے تا وفات شریف نماز میں ہاتھ سینے پر باندھتے اور پھر رفع یدین کرتے اور آمین بالجہر فرماتے رہے یا نہیں الخ۔

جواب: سینے پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری اور مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں ان دونوں فعلوں کو ناجائز کہنا صحیح نہیں۔ علمائے حنفیہ مثلاً مولانا عبد الحی لکھنوی مرحوم اور مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم بھی ان کے قائل تھے۔

| ۲۸ صفر ۱۳۴۶ھ |

شرفیہ:۔ دوام کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس نماز پڑھنے پر دوام کیا ہے اور یقیناً کیا ہے تو پھر ان امور مذکورہ بالا پر جو احادیث متفقہ سے ثابت ہیں دوام ان کا بھی ثابت ہے ورنہ تفریق بلا مہر مدعی ہے فعلیہ البیان بالبرہان و دونہ خرط القتاد اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث بحوالہ صحیح ابن خزیمہ بلوغ المرام میں بھی ہے۔ (۱۲۔ ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تشریح:۔ از قلم حضرت مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکپوری

علمائے اہل حدیث نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کے ثبوت میں تین حدیثیں پیش کرتے ہیں پہلی حدیث ان کے نزدیک صحیح مرفوع متصل غیر معلل اور غیر شاذ ہے جو صحیح ابن خزیمہ میں بلفظ فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ مروی ہے حافظ ابن حجرؒ درایہ، بلوغ المرام وغیرہ میں اور حافظ زیلعیؒ نصب الرایہ جلد اول ص۱۶۴ میں اور دوسرے مصنفین اپنی کتابوں میں اس حدیث کو ابن خزیمہ کی روایت بتاتے ہیں لیکن اس کی سند نہیں نقل کرتے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ (حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بظاہر صحیح ابن خزیمہ کی یہ حدیث حسب ذیل سند سے مروی ہے عن محمد بن یحیی عن عفان عن ھمام عن محمد بن جحادۃ عن عبد الجبار بن وائل عن علقمۃ بن وائل ومولی لھم عن ابیہ انتھی اور اسی سند سے مسلم شریف میں یہ متن بغیر زیادت علی الصدر کے بایں الفاظ مروی ہے ثمّ وضع یدہ الیمنی علی الیسریٰ جلد اول ص۱۷۳ مولوی انور شاہ نے فیض الباری جلد دوم ص۲۶۶ میں نیموی نے آثار السنن ص۶۷ میں مولوی خلیل احمد نے بذل المجہود جلد ۲ ص۲۵ میں مولوی زکریا نے الاوجز میں علی الصدر کی زیادۃ کو معلل شاذ وغیر محفوظ اور حدیث کو مضطرب المتن بتایا ہے وجہ معلل ہونے کی مولوی انور شاہ مرحوم کے لفظوں میں یہ ہے لانہ لم یعمل بہ احد من السلف ولا ذھب الیہ احد من الائمۃ انتھی اور زیادۃ مذکورہ کے غیر محفوظ اور شاذ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابن خزیمہ کے علاوہ اس حدیث کو امام احمد نسائی ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ نے مختلف طرق سے روایت کیا ہے لیکن کسی طریق میں یہ زیادۃ نہیں ہے مولوی انور شاہ لکھتے ہیں۔ والحاصل ان روایۃ وائل رواھا غیر واحد

ولم یروها احد علی لفظ ابن خزیمة وانما رواها او بعد مرور الزمان فهو ساقط قطعاً فلا یحمل علیها مع فقدان العمل به انتهی اور مضطرب المتن ہونے کی وجہ نیموی کے لفظوں میں یہ ہے اخرج ابن خزیمة فی هذا الحدیث علی صدره والبزار عند صدره واخرج ابن ابی شیبة تحت السرة انتهی۔ زیادت مذکور کے شذوذ و حدیث مذکور کے اضطراب کا جواب تحفۃ الاحوذی جلد اوّل صفحہ ۲۱۶ اور ابکار المنن صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ و ۱۰۳ میں بسط و تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اور معلل ہونے کی وجہ کا جواب دینے کی ضرورت نہیں جب کہ امام شافعیؒ سے ایک روایت علی الصدر کی آتی ہے جیسا کہ حاوی میں مصرح ہے اور اگر بالفرض کوئی اس کا قائل نہ بھی ہو تو یہ اس کے معلل اور غیر محفوظ اور ساقط الاعتبار ہونے پر دلالت نہیں کرتا لانه یحمل علی انه لم یبلغ الحدیث المذکور احدا من الائمة الاربعة وغیرهم المشهورین واما ان کون الحدیث متروک العمل به فی قرن الصحابة والتابعین علامة نسخه او ضعفه کما یدل علیه کلام المنار کما صرح به فی التلویح فهو مما لا یلتفت الیه وقد رد علیه الشوکانی فی ارشاد الفحول والعلامة جمال الدین القاسمی فی قواعد التحدیث۔

دوسری حدیث حدیث مسند احمد میں بسند ذیل مروی ہے جو عند الحنفیہ بھی حسن ہے قال الامام احمد فی مسنده حدثنا یحیی بن سعید عن سفیان ثنا سماک بن قبیصة بن هلب عن ابیه قال رایت رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ نیموی نے اس حدیث میں بھی علی صدره کو غیر محفوظ بتایا ہے جس کا جواب حضرت شیخ نے تحفۃ الاحوذی اور ابکار المنن میں بالتفصیل مرقوم فرمایا ہے۔

تیسری حدیث مراسیل ابی داؤد میں مروی ہے۔ (مرسلہ مولانا محمد بن عبد اللہ بن بلی مدظلہ)

سوال: صدر یعنی سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں صحیح احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت ہے حدثنا یحیی بن هلب عن ابیه قال رایت النبی صلی الله علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن شماله ویضع یده علی صدره

ووصف يحيى اليمنى على اليسرى فوق المفصل رواه الامام احمد فى مسنده اخبرنا ابو سعيد احمد بن محمد الصرنى قال انبانا ابو احمد بن عدى الحافظ انبانا ابن ساعد حدثنا ابراهيم بن سعيد حدثنا محمد بن حجر الحضر حدثنى سعيد بن عبد الجبار بن وائل عن ابيه عن امه عن وائل بن حجر قال حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم نهض الى المسجد ثم رفع يديه بالتكبير ثم وضع يمينه على اليسرى على صدره رواه البيهقى فى السنن الكبرى ان روایات سے سینہ پر ہاتھ باندھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں ثابت ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

المجیب ابوالبرکات محمد عبدالحی تقی عرف صدر الدین احمد حیدرآبادی:

الجواب صحیح والرای نجیح | سید محمد نذیر حسین | فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۳۰۲

سوال: مسبوق سلام پھیرنے سے پہلے التحیات۔ درود۔ دعا پڑھے ورنہ نماز باطل ہے کیا ایسی کوئی حدیث صحیح صریح مرفوع ہے؟ اگر ہے تو عربی مع ترجمہ اردو بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

جواب: اخبار اہل حدیث ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء کے سوال نمبر ۱۲۳ کا جواب یوں ہے کہ دو سلام دینے کا جو طریق حدیثوں میں آیا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سلام سے پہلے تشہد ہونا ضروری ہے۔" وہ حدیثیں کتنی ہیں بحوالہ کتب تحریر کریں۔

جواب۔ مسبوق (جو امام کے ساتھ ایک دو رکعتیں پڑھ چکنے کے بعد ملا ہو) اس کے متعلق علمائے سلف کا اختلاف چلا آیا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس نے جتنی نماز امام کے ساتھ پائی ہے بالترتیب اس کی ایسی ہی ہے اور جو رہ گئی ہے وہ اس کی پچھلی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ جو رکعت اس کی گئی ہے وہ پہلی تھی اس لئے جب یہ کھڑا ہو کر پڑھے گا تو پہلی پڑھے گا۔ سائل کے جواب میں اول گروہ کے مذہب کے مطابق اخیر میں التحیات اور درود ضرور پڑھنے ہوں گے۔ کیونکہ اس کی پچھلی ہے اور پچھلی میں التحیات اور درود آیا ہے كان يقول فى كل ركعتين التحية (مسلم) یعنی آنحضرت ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات پڑھا کرتے تھے اس کے بعد درود پھر سلام۔

دوسرے گروہ کے نزدیک مسبوق کی یہ پہلی رکعت ہے اس لئے اس میں التحیات

اور درود نہیں مگر سلام وہ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ کان یختم الصلوٰۃ بالتسلیم (مسلم) نماز کو سلام کے ساتھ ختم کرتے تھے۔

جمادی الاوّل سنہ ۱۳۴۶ھ

سوال: بعد نماز صبح اور بعد نماز جمعہ کے مصافحہ کرنا کیسا ہے اور اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب: مصافحہ ہر سلام کے بعد سنت ہے مگر ان اوقات کی خصوصیت کرنا بدعت ہے۔

۲۷ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۶ھ

سوال: اس اطراف میں لوگ عموماً ایک رکعت وتر نماز پڑھتے ہیں اور بعد رکوع کے ہاتھ اٹھا کر دعا قنوت پڑھتے ہیں۔ اور اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کھلے ہاتھ قبل رکوع دعا قنوت پڑھتے ہیں۔ تو جواب طلب یہ ہے کہ ایک رکعت وتر نماز اور اس میں مندرجہ بالا طریق پر دعا کرنا حضور انورؐ سے ثابت ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں ہے تو ایسا کرنا بدعت ہے یا ممنوع؟

جواب: ایک رکعت وتر ثابت ہے بلکہ امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ تو کہتے ہیں "رکعۃ واحدۃ اثبت"۔ ایک رکعت زیادہ ثابت ہے (سفر السعادت) اس میں دعا قنوت کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت صحیحہ ثابت نہیں۔ بعض صحابہ پڑھتے تھے۔ ہاتھ باندھ کر پڑھے یا کھلے۔ اس میں کوئی فرق نہیں۔

۲ رمضان سنہ ۱۳۴۶ھ

سوال: رواج ہے کہ لوگ نفل نماز ہمیشہ بیٹھ کر پڑھا کرتے ہیں تو کیا رسول صلعم ہمیشہ نماز نفل بیٹھ کر ہی پڑھتے تھے؟ اگر نہیں تو دستور کر لینا اور ہمیشہ بیٹھ کر ہی پڑھنا بدعت ہے یا نہیں؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں مگر قانون یہ فرمایا کہ بیٹھ کر نفل پڑھنے کا ثواب کھڑا ہونے کی نسبت نصف ہے۔ ۲ رمضان سنہ ۱۳۴۶ھ

سوال: اللہ تعالیٰ نے بندوں پر دن اور رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہیں۔ اس میں کوئی نماز دو رکعت اور کوئی تین رکعت اور کوئی چار رکعت۔ ایسی کم و بیش کیوں ہوئیں؟ اور فجر کی نماز صبح صادق میں اس کے بعد آدھا دن گزرنے پر ظہر کی نماز۔ اس کے بعد تین گھنٹے کے عصر کی نماز پھر مغرب پھر عشاء۔ اب عقل چاہتی ہے کہ دن اور رات کے پانچ حصے کر کے ہر ہر حصے پر ایک ایک نماز پڑھی جائے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ پانچ نمازیں اگلے زمانہ کے کئی پیغمبروں پر ایک وقت

کر کے فرض کی گئی تھی۔ اگر یہ صحیح ہو تو مع ان پیغمبروں کے نام کے کون نماز کس پر فرض تھی تحریر فرمائیں۔

جواب: صبح کی دو رکعت فرض ہیں تو وقت کے لحاظ سے۔ کیفیت ہیں دو بھی چار سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ مغرب کے وقت بوجہ مشغولی ایک رکعت کم کر دی ہے۔ لوگ صبح اٹھکر کچھ وقت ضروریات میں لگے رہتے ہیں اس لئے آجکل کے حساب سے تقریباً دس بجے تک کا وقت کاٹ کر باقی اوقات نمازوں کے پورے پورے ہیں حساب لگا کر دیکھ لیں پہلے پیغمبروں پر بھی مختلف اوقات میں نماز فرض تھی ایک ہی وقت میں نہ تھی جس کا ثبوت آجکل یہودیوں کے عمل سے ملتا ہے۔ (۱۷ رمضان سنہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: دن اور رات میں تین وقت یعنی وقت طلوع آفتاب اور وقت غروب آفتاب اور ٹھیک دوپہر میں سجدہ و صلوٰۃ کرنی کیوں منع اور حرام ہوا اور حدیث شریف لانھا تطلع بین قرنی الشیطان اس کی تشریح کیا ہے؟

جواب: صحیح بات یہ ہے کہ ان اوقات میں سجدہ کرنے کی قباحت پیغمبر علیہ السلام کو روحانی طور پر معلوم ہوتی ہے جو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی نہ بیان کی جاتی ہے نہ سمجھ میں آتی ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ۔ (۱۶ رمضان سنہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: جمعہ کا خطبہ بہت لمبا یا بہت کم کرنا یا مختصر کرنا کچھ وقت مقرر ہے یا نہیں ہمارے پیش امام خطبہ ہمیشہ اپنی مرضی کے موافق پڑھتے ہیں کسی جمعہ کو پندرہ منٹ میں ختم کرتے ہیں اور کسی جمعہ کو دو بجے سے بھی زیادہ۔ کیا حدیث شریف کے موافق ہے یا نہیں؟

جواب: وقت تو مقرر نہیں ہاں حدیث شریف میں آتا آیا ہے کہ خطبہ کا چھوٹا کرنا اور نماز لمبی کرنا عقلمندی کی علامت ہے۔ (۲۳ رمضان سنہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: میں وتروں کی تین رکعتیں اس طرح پڑھتا ہوں کہ درمیانی التحیات نہیں پڑھتا اخیر کا پڑھتا ہوں۔ لوگ کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ ہم نے کتابوں میں نہیں دیکھا۔ مجھے حافظ عبدالمنان صاحب نے بتایا تھا۔ کس کتاب میں یہ مسئلہ ہے؟

جواب: تین وتر پڑھنے میں حدیثیں آئی ہیں ایک میں تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین وتر پڑھے۔ ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ آنحضرت سے روایت کرتے ہیں کہ لا توتروا بثلاث (تین وتر مت پڑھا کرو) ان دو مختلف

حدیثوں کو علماء حدیث نے یوں جمع کیا ہے کہ منع ان تین وتروں سے ہے جن میں درمیانی قعدہ مثل نماز مغرب کے ہو۔ اور اجازت اُن وتروں کی ہے جن میں قعدہ درمیانی نہ ہو۔ چنانچہ نیل الاوطار میں ہے۔ جمع الحافظ بین الاحادیث بحمل احادیث النھی علی الایتار بثلاث بتشھدین لمشابھۃ ذلک لصلوٰۃ المغرب و احادیث الایتار ... بثلاث علی انھا متصلۃ بتشھد فی آخرھا وروی ذالک عن جماعۃ من السلف (جلد ۲ صـ۲۸۱) (طبع جدید ج ۳ صـ۳۱ محمد داود راز)

(یعنی حافظ ابن حجر شارح بخاری نے ان دو مختلف حدیثوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ جن حدیثوں میں تین وتر پڑھنے سے منع آیا ہے اُن سے دو قعدوں والے تین مراد ہیں کیونکہ اس طرح شام کی نماز سے وتروں کی مشابہت ہو جاتی ہے۔ اور جن احادیث میں اجازت پائی جاتی ہے اُن سے مراد ایک قعدہ والے تین وتر ہیں سلف کی ایک جماعت سے بھی یہ طریقہ منقول ہوا ہے۔ اللہ اعلم! ۱۴ر شوال ۱۳۴۴ھ

وتروں میں دعاءِ قنوت: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں اگر کوئی غیر مقلد اہلحدیث یا مقلد شافعی مذہب تراویح کے بعد وتر کی نماز جماعت سے پڑھاوے جس میں وہ تیسری رکعت میں خلاف طریقہ حنفیہ رکوع کے بعد کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعاء قنوت پڑھے پھر سجدے میں جاوے تو ایسے امام کی اقتداء میں حنفی المذہب مقلد کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: نماز درست ہوگی۔ اور حنفی المذہب مقلد کو امام کی متابعت قرأت قنوت میں کرنی چاہیے۔ فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ (مولانا) عبدالصمد رحمانی مفتی خانقاہ رحمانیہ۔ مونگیر۔ (اہلحدیث امرتسر ص۱۰، ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: مقتدی جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى سُنے تو امام کے ساتھ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھے یا نہ۔ اسی طرح اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ سُن کر بَلٰى وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ پڑھے یا نہ؟

جواب: حدیث شریف میں اتنا آیا ہے کہ جو کوئی اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ پڑھے وہ بَلٰى کہے۔ سننے والے کی بابت میرے ناقص علم میں کوئی حکم نہیں۔ الا واقعہ الرحمٰن پر قیاس کیا جاتا ہے جس میں ذکر ہے کہ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے جواب دینے

کی حضور علیہ السلام نے ترغیب فرمائی تھی کہ جواب میں کہا کرو لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ ۔ یہ تعلیم الرحمٰن کے متعلق ہے مگر قیاس کیا جاتا ہے کہ اس قسم کے اور سوالات کے جوابات دینے بھی جائز ہیں ۔ (۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: عید کی نماز بدون بارش یا بدون کسی عذر شرعی کے مسجد میں پڑھنے کا ثبوت اور عید کی نماز کے بعد چندہ کر کے یا وقف کردہ زمین کے اخراجات سے کھانا تیار کر کے کھانا اور کھلانا اور اس کو لازم ضروری جاننا شرع میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بغیر عذر کے نماز عید بستی میں پڑھنی خلاف سنت ہے۔ چندہ اگر کھانے کے لئے ہے تو اس کا کھانا کھلانا جائز ہے۔ اور اگر اور غرض کے لئے ہے تو اسی غرض میں لگانا ضروری ہے۔ ایسا ہی وقف زمین بھی اگر دعوت مسلمین کے لئے موقوفہ ہے تو اس کا کھانا کھلانا جائز ہے۔ اور اگر وہ کسی خاص غرض کے لئے وقف ہے تو اسی غرض میں اس کو استعمال کرنا چاہیئے۔

(۴ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ)

سوال: عید کے روز بعد نماز سب لوگ معانقہ مصافحہ کرتے ہیں جس سے اظہار خوشی ہوتی ہے اور بعض لوگوں میں جو خفیف رنجش رہتی ہے اس ذریعہ اکثر دور ہو جاتی ہے اس کو سنت سمجھ کر نہیں کرتے ہیں بلکہ صرف اظہار خوشی کے لئے۔ بعض لوگ اس کو منع کرتے ہیں۔ عید کا معانقہ مصافحہ بعد نماز کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: مصافحہ بعد سلام آیا ہے عید کے روز بھی بنیت تکمیل سلام مصافحہ کریں تو جائز ہے بنیت خصوص عید بدعت ہے کیونکہ زمانہ رسالت اور خلافت میں مروج نہ تھا۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

تعاقب نمبر (۱): کسی گزشتہ اشاعت اخبار میں کسی سوال کے جواب میں بابت حدیث "اثنان فما فوقهما جماعة" آپ نے جواب دیا ہے کہ مختار مذہب یہی ہے کہ ایک امام اور دو مقتدیوں سے جماعت ہو سکتی ہے۔ اس واسطے آپ کی اطلاع کے لئے خط لکھا جاتا ہے کہ امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے "باب اثنان فما فوقهما جماعة" اور بطور استدلال یہ ٹکڑا حدیث کا لائے ہیں۔

عن مالك ابن الحويرث عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا حضرت الصلوٰة فاذّنا واقيما وليؤمّكما اكبركما۔

حافظ ابن حجر بعد تخریج حدیث باب یعنی اثنان فما فوقہما اور بعد جوابات اعتراضات بر استدلال کردن امام بخاری حدیث مالک بن الحویرث را بر مدعائے خود تحریر فرماتے ہیں۔

واستدل بہ علی ان اقل الجماعۃ امام وماموم لجمعہ من ان یکون الماموم رجلا او صبیا او امرأۃ الخ (فتح الباری شرح البخاری صـ ۹۷ الجلد الثانی مصری)

اور نیز یہ خود آپ کے عمل کے مخالف ہے۔ آپ جب مولوی فاضل کا امتحان دینے گئے ہیں تو یونیورسٹی کے احاطہ میں آپ نے اور میں نے جمعہ پڑھا تھا۔"

عبدالحی از ٹنڈہ آدم ضلع نواب شاہ سندھ

جواب آپ کا تعاقب صحیح ہے میں رجوع کرتا ہوں۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۲-۳۰ صفر ۱۳۵۳ھ)

سوال: سویا ہوا آدمی اس وقت جاگے جس وقت آفتاب طلوع یا غروب ہو رہا ہو تو ایسے شخص کو اُسی وقت نماز پڑھنی ہوگی یا تھوڑی دیر رُکے تاکہ آفتاب پورا طلوع یا غروب ہو جائے؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے نیند میں قصور نہیں مسلمان اگر نیند میں بے اختیار پڑا رہے تو جس وقت جاگے وہی اس کا وقت ہے۔ اس کے بعد علماء دو گروہ ہوگئے ہیں۔ ایک گروہ تو یہی کہتا ہے کہ جب جاگے پڑھ لے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے اوقات مکروہہ میں نہ پڑھے بلکہ ذرا دیر کے بعد جائز اوقات میں پڑھے۔ ان دونوں خیالوں میں سے جو خیال کسی کو پسند ہو اختیار کرے۔ اللہ اعلم۔ (۸ ربیع الاوّل ۱۳۵۳ھ)

سوال: ایک شخص اپنے شوق سے مسجد میں اذان اور تکبیر کہتا ہے۔ اس مسجد میں امام و مؤذن دونوں موجود ہیں لیکن وہ شخص اُن سے اجازت لے لیتا ہے اور مؤذن اس کو اجازت بھی دے دیتا ہے۔ اگر شخص مذکور اذان سے رہ جاتا ہے تو اجازت لے کر تکبیر پڑھ لیتا ہے۔ لیکن مسجد کا متولی جو ہے وہ اس بات کو جبراً منع کرتا ہے کہ سوائے مؤذن کے نہ کوئی اذان کہے نہ تکبیر کہے از روئے شرع متولی ٹھیک کرتا ہے یا غلط؟

جواب: متولی مسجد کا منتظم ہے اس کا حکم ماننا چاہیئے۔ ہاں اگر مؤذن اوّل کی اجازت کے ساتھ مؤذن ثانی کے اذان دینے میں کوئی نقصان یا بدانتظامی پیدا نہ ہو تو متولی کو بھی سختی نہ کرنی چاہیئے آواز کا کمزور یا کم ہونا بھی ایک باعث ہے کہ ثانی کو روکا جائے۔

(اہلحدیث امرتسر ۶ صفر) ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

تصحیح [1] جریدہ فریدہ اہلحدیث مجریہ ۳۰ صفر ۱۳۴۷ھ کے سوال کے جواب میں حضور نے تحریر فرمایا کہ "ان لوگوں کا خیال ہے کہ جس زمین پر نماز پڑھی جائے وہ زمین (قیامت کے دن) گواہی دے گی اس لیے (بعد فرض کے) وہ جگہ بدل کر سنتیں پڑھتے ہیں۔ آیت یا حدیث میں ایسا کرنے کا حکم مجھے یاد نہیں۔" تو واقعی تبدیل مکان کی علت دیگر محدثین نے بھی یہی لکھی ہے۔ ممکن ہے علت یہی ہو یا کچھ اور واللہ اعلم۔ لیکن قطع نظر اس سے احادیث میں بھی حکم موجود ہے کہ ایک نماز کو دوسری نماز سے نہ ملایا جائے بلکہ جگہ تبدیل کرے یا دونوں کے درمیان کچھ بات کرے۔ مگر تحریر جواب کے وقت حضور کے ذہن میں وہ حدیثیں مستحضر نہ تھیں لہٰذا بطور یاددہانی ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(۱) عن السائب بن یزید قال صلیت معہ (ای معاویۃ) الجمعۃ فی المقصورۃ فلما سلم الامام قمت فی مقامی فصلیت فلما دخل ارسل الیّ فقال لا تعد لما فعلت اذا صلیت الجمعۃ فلا تصلہا بصلوۃ حتی تکلم او تخرج فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا بذالک ان لا توصل صلوۃ بصلوۃ حتی نتکلم او نخرج (مسلم جلد ا ص ۲۸۸)

(۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی الامام فی الموضع الذی صلی فیہ حتی یتحول (ابوداؤد مع عون المعبود ج ا ص ۲۳۶ و ابن ماجہ مجتبائی ص ۱۰۴) (۳) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایعجز احدکم اذا صلی ان یتقدم او یتاخر او عن یمینہ او عن شمالہ یعنی السبحۃ (ابن ماجہ ص ۱۰۴)

---

[1] یہ سلسلہ تعاقب اکثر مقامات پر سلسلہ متعاقبہ وہیں آگیا ہے۔ فافہم۔

پچھلی دونوں حدیثوں کی سند میں اگرچہ کچھ کلام ہے لیکن حدیث اول سے ان کی تائید ہوتی ہے۔ والسلام۔ نیاز آگیں نجم الدین غفر لہٗ پٹنوی از مدرسہ اہلحدیث مقام گاگنڈہ ضلع ۲۴ پرگنہ۔

مفتی آپ کی پیش کردہ حدیثوں کا مضمون وصل فصل ہے۔ تبدیل مقام لازم نہیں۔ اس لئے میں نے اس حدیث سے استدلال نہیں کیا۔ اللہ اعلم! (۲۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ)

سوال: ایک ایسی جگہ محفوظ ہے کہ اس کے چاروں طرف دیوار ہے جیسے گھر کا آنگن۔ اس میں برہنہ ہو کر مرد ہو یا عورت غسل کرے تو غسل سے پہلے وضو رہ سکتا ہے اور اس سے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس شخص کا برہنہ ہو کر آنگن میں غسل کرنا از روئے شریعت درست ہے یا منع؟ حالانکہ نہانے والے کو یہ بخوبی معلوم ہے کہ دروازہ بند ہے اب مجھ اکیلے کے سوائے یہاں نہ کوئی ہے نہ کوئی آسکتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ مذکر ہو یا مؤنث برہنہ نہانے کے متعلق دونوں کا ایک ہی حکم ہے یا جدا جدا؟

جواب: اگر کوئی شرارت مدنظر نہیں تو ایسی جگہ غسل کرنا ایسا ہی جائز ہے جیسے غسل خانہ میں جائز ہے۔ غسل سے پہلے جو وضو کیا ہے بحال رہے گا۔ عورت مرد دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ ۴ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ

سوال: جس شخص کا ایک ہاتھ کہنی تک زخمی ہو گیا ہو وہ ایک ہاتھ سے مسح کر سکتا ہے قعدہ میں بیٹھتے وقت دایاں گھٹنا کھڑا کر کے اس پر کہنی رکھ لے اور رکوع و سجود اشارہ سے کرے تو کیا نماز درست ہو جائے گی۔

جواب: نماز جس طرح ہو سکے پڑھ لے۔ قال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ اللہ اعلم! (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳۔ ۱۴ فروری ۱۹۴۱ء)

سوال: کیا امام مقتدیوں سے ایک ہاتھ اونچا کھڑا ہو سکتا ہے؟

جواب: امام کو مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہونا بجز کسی خاص اہم ضرورت کے جائز نہیں۔ دارقطنی میں روایت ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام فوق شیء والناس خلفہ یعنی اسفل منہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ امام مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہو ۱۸ اپریل ۱۹۴۱ء

سوال: آمین بالجہر کہنے والے کو کسی صورت میں مسجد سے نکالنا جائز ہے یا نہیں۔

بعض لوگ تفسیر احمدی کی عبارت ذیل سے دلیل پکڑتے ہیں کہ ان کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے۔
وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔
یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع۔
(تفسیر احمدی ص ۲۵۵- از ملا جیون قدس سرہ) یعنی قوم ظالمین جن کے پاس اللہ تعالیٰ نے بیٹھنا حرام فرمایا مبتدع فاسق اور کافر سب کو شامل ہے۔ لہٰذا ان سب کے پاس بیٹھنا حرام ہے اسی طرح ایسے لوگوں کے متعلق یہ روایت بھی بیان کرتے ہیں۔ ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم یعنی اپنے کو ان سے دُور رکھو اور ان کو اپنے سے دور کرو۔

کیا اس آیت اور روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آمین بالجہر کہنے والے کو مسجد سے نکال دینا چاہیئے یا ان کا مطلب اور کچھ ہے۔

جواب: آمین بالجہر ایک ایسا فعل ہے جو صحابہ کرام سے لے کر آج تک امت مسلمہ کے بہت سے فرقوں میں سنت مانا گیا ہے۔ جن چار اماموں کی تقلید کرتے ہیں ان میں بھی اکثر آمین بالجہر سنت مانتے ہیں۔ اس لئے ایسا فعل کرنے والے کو مسجد سے نکالنا کسی طرح جائز نہیں۔ ایسے شخص کو بدعتی سمجھ کر مسجد سے نکال دینا یا اس کو عبارت مذکورہ کے ماتحت لانے کی کوشش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو فعل سب ائمہ دین یا اکثر یا بعض کے نزدیک سنت کے درجے تک پہنچ چکا ہو اس کے کرنے والے کو بدعتی کہنے والا سخت غلطی کرتا ہے۔ جسٹس سید محمود جج ہائی کورٹ الہ آباد نے مفصل بحث کر کے ثابت کیا تھا کہ آمین بالجہر ان فعلوں میں سے ایک ہے جن کے لئے مسجد بنائی جاتی ہے۔ چاہے اس میں کسی امام کا اختلاف بھی ہو۔ پس ایسے فعل کو بدعت کہنے والا معاذ اللہ سخت مجرم ہے۔ کیونکہ اس کا یہ فتویٰ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سے لے کر بغداد کے بڑے پیر صاحب تک پہنچتا ہے۔ یہ سب حضرات آمین بالجہر کے قائل ہیں لہٰذا ایسے فعل کو بدعت کسی طرح نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ بدعت اس فعل کو کہا جاتا ہے جو شریعت سے ثابت نہ ہو جیسے قبروں پر گنبد بنانا یا چراغ جلانا یا تعزیہ بنانا وغیرہ ایسے کام کرنے والے بدعتی ہیں اور عبارات مذکورہ انہی کے حق میں وارد ہیں کہ ان کے ساتھ دوستانہ رنگ میں نشست و برخاست نہ کی جائے۔ لیکن اگر یہ لوگ بھی مسجد میں نماز پڑھنے آئیں تو

ان کو بھی نہ روکا جائے۔ کیونکہ قرآن شریف میں ایسا کرنے سے منع آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا۔ پریوی کونسل لندن کا فیصلہ اس سے بڑھ کر ہے۔ یعنی آمین بالجہر کہنے والے کو مسجد سے نکالنا تو کیا امامت سے علیحدہ بھی نہ کیا جائے۔ ایسے لوگوں کے جواب میں صرف ایک ہی واقعہ کافی ہے کہ دہلی کی جامع مسجد جو گویا سارے ہندوستان کی جامع مسجد ہے۔ اس میں آمین بالجہر کہنے والے کو کوئی نہیں روکتا۔ چاہے آمین کہنے والا تمام نمازیوں میں اکیلا ہو۔ اسی طرح مکہ شریف اور مدینہ شریف بلکہ کل اسلامی ممالک میں آمین بالجہر کہنے سے نہیں روکا جاتا۔ پس مسلمانوں کو ایسے کام سے بچنا چاہیئے جس کو قرآن شریف نے بہت بڑا ظلم قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

۲۷ رجون ۱۹۴۱ء

سوال: اعضاء وضو میں سے کسی عضو کو بوجہ تکلیف اور خوف زیادتی مرض کے پانی نہ لگا سکیں تو زید کہتا ہے کہ ایسی حالت میں صرف تیمّم کافی ہے۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ اگر تم بیمار ہو تو تیمّم کر لو۔ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ اگر انسان کا ایک عضو بیمار ہو تو تمام بدن بیمار ہوتا ہے۔ وان اشتکی عینه اشتکی کله الخ لہٰذا امر مذکور ان کنتم مرضا میں داخل ہے اور اس کے لئے تیمّم کافی ہے۔ بکر کہتا ہے کہ ایسے نہیں بلکہ اس کو عضو بیمار کے لئے پہلے تیمّم کر لینا چاہیئے۔ باقی اعضاء کا وضو اور بیمار عضو کے لئے پھر مسح کی کوئی ضرورت نہیں اور دلیل حضرت جابرؓ کی حدیث بیان کرتا ہے جس کے آخر الفاظ نبوی یہ ہیں۔ ان کان یکفیه ان یتیمم ویعصب علی جرحه خرقة ثم یمسح علیها ویغسل سائر جسده (مشکوٰۃ ص۴۷) زید کہتا ہے ویعصب والی واؤ بمعنے أو ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یا صرف تیمّم کرے یا مسح کر کے غسل کرے۔ ہر دو میں سے کون صحت پہ ہے۔

جواب: اعضاء وضو سے اگر ایک عضو بیمار ہو تو باقی اعضاء دھو کر بیمار عضو پر مسح کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ (بخاری و مسلم) جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو جتنا تم حسب طاقت کر سکو وہ کر لو۔ اور واؤ کو بمعنی أو کہنا ترک حقیقت ہے جو

بلا استحالہ حقیقت کے جائز نہیں ہے۔ یکم مارچ ۱۹۴۰ء

سوال: حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اکثر خصوص نوازل و واقعات ہائلہ کے موقع پر نماز مغرب اور نماز فجر میں دعاء قنوت پڑھی ہے۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ حضور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم وتروں میں دعاء قنوت اللھم اھدنی فیمن ھدیت الخ پڑھا کرو لیکن وتروں میں پڑھنے کا تو احادیث صحیحہ میں ثبوت نہیں۔ البتہ نماز فجر میں ضرور ہے اور مغرب میں لیکن نماز فجر میں دعا قنوت کا ثبوت ہونے کی بابت مولانا ثناء اللہ صاحب کا فتویٰ ہے۔ لیکن حال میں ایک مولوی صاحب نے اہلحدیث میں چھپوایا ہے کہ دعائے قنوت کا ثبوت نماز فجر میں صحیح حدیث سے نہیں بلکہ صرف مغرب میں ہے۔ لہٰذا مولانا ثناء اللہ صاحب سے خصوصاً اور مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی و مولوی احمد اللہ صاحب دہلوی و مولوی محمد صاحب دہلوی سے التجا ہے کہ وہ بذریعہ اہلحدیث اعلان کر دیں کہ آیا نماز فجر و مغرب میں دعاء قنوت کا ثبوت صحیح حدیث سے ہے یا نہیں۔ سید عبد الغفار رضوی

جواب: صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت صلعم سے صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا ثابت ہے۔ جس کے نسخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور مصیبت عامہ کے وقت بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانچوں نمازوں میں قنوت پڑھی ہے۔ حنفیہ کرام بھی مصیبت عامہ کے وقت قنوت پڑھنے کی اجازت۔۔۔ دیتے ہیں۔ جس صحابی نے اپنے بیٹے کو کہا تھا کہ یہ بدعت ہے ایسا کہنا یا تو اس کے عدم علم پر مبنی ہے یا انہی معنے میں ہے جن معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت تراویح کو نعم البدعۃ ھذہ کہا تھا یعنی ایسا مسنون فعل جو متروک ہونے کے بعد جاری ہو جائے۔ بہر حال اس عدم علم سے روایات مثبتہ غلط نہیں ہو سکتیں۔ ۲۹ مارچ ۱۹۴۰ء

تعاقب: "اہلحدیث" مجریہ یکم مارچ جواب سوال ع۱۸ میں مفتی صاحب اہلحدیث نے فرمایا ہے کہ دو اعضاء وضو سے اگر ایک عضو بیمار ہو تو باقی اعضاء دھو کر بیمار عضو پر مسح کرے۔ سوال یہ ہے کہ اس کا ثبوت کیا ہے۔ دوم حدیث اذا امرتکم جو مفتی صاحب نے پیش کی ہے۔ فتویٰ اس کے خلاف ہے جب کہ مفتی صاحب خود تسلیم فرما رہے ہیں کہ "واو" کو معنی "او" کہنا ترک حقیقت ہے۔ جو بلا استحالہ حقیقت

جائز نہیں"۔ اب یا تو واؤ کو بمعنی اَوْ تسلیم فرماکر اس فتوی کو برقرار رکھیں۔ یا واؤ کو اس کے معنی میں جس طرح آپ نے خود تسلیم کیا ہے۔ تیمم کو شرط اول قرار دیں۔ جس طرح بکر کا خیال ہے یا اپنے فتوے کو دلیل خارجی سے تقویت پہنچا کر مسئلہ صاف فرماویں۔ والسلام۔ (۱۹ اپریل ۱۹۴۰ء)

جواب: متعاقب کا سند یہ ان کی سطور عبارت سے کما حقہ سمجھ میں نہیں آیا۔ البتہ ہم اپنے فتوے کی تشریح لکھتے ہیں۔ اس سے تعاقب (اگر کوئی ہے) تو خود اٹھ جائے گا۔ اس حدیث سے مراد جمیع اعضاء کا دھونا ہے۔ او ما استطعتم کا اشارہ ماؤف جوڑ کے استثناء کی طرف ہے۔ جو غسل سے استثناء ہے۔ اور مسح کا ثبوت خود سائل کی عبارت میں ملتا ہے۔ جس میں پٹی باندھ کر مسح کرنے کا ذکر ہے۔

فاندفع ما اورد بحث ختم! (۱۹ اپریل ۱۹۴۰ء)

سوال: ہاتھ چھاتی پر باندھنے کی دلیل قوی ہے یا ناف تلے۔ (مولابخش)

جواب: نماز میں ہاتھ زیر ناف باندھنے کی حدیثیں امام احمد اور ابوداؤد نے بیان کی ہیں لیکن اس کے ساتھ دونوں حضرات نے ان کو ضعیف بھی بتلایا ہے اس بارے میں کوئی ایک حدیث مرفوع اور صحیح ثابت نہیں لیکن سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کو صحیح بھی بتلایا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قبیصہ بن ہلب سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے یہ حدیث حسن ہے صحیح بخاری میں بھی ایک ایسی حدیث آئی ہے اللہ اعلم (۲ صفر ۱۳۶۱ھ) مزید تحقیق آگے ملاحظہ ہو۔)

سوال: بعض اصحاب بعد نماز فرض یا نفل وغیرہ ہاتھ اٹھا کر اور ہاتھ کشادہ ذرا کھلے رکھ کر دعا مانگتے ہیں اس پر ایک مولوی صاحب معترض ہیں کہ اس طرح کھلے ہاتھ دعا نیچے گر پڑتی ہے۔ کیا یہ فرمانا ٹھیک ہے؟

جواب: مسنون طریق یہ ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلیوں کو جوڑ کر کھلا رکھے۔ اور دعا کرے اللہ اعلم! (اہلحدیث امرتسر ص ۱۲، ۳ مئی ۱۹۴۰ء)

سوال: جمعہ وعیدین کا خطبہ ہوتے وقت جب عوام داخل ہو کر السلام علیکم کہتے

ہیں تو کیا اس وقت مقتدی جواب دیں یا نہ دیں ؟

جواب : خطبہ کی حالت میں سلام کہنے والے کو روک دینا چاہیئے ۔ اگر کوئی کہہ دے تو اس کو آہستہ سے جواب دے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے تو قاری قرآن پڑھ رہا تھا ۔ آپ چپکے آکر کھڑے ہو گئے ۔ جب اس نے پڑھنا ختم کیا تو آپ نے سلام کہا ۔ (مشکوٰۃ) اللہ اعلم ! ۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۶ء)

سوال : جو لوگ تین رکعت نماز وتر بعد عشاء کے ۔ دو رکعت پڑھ کر قعدہ نہیں کرتے صرف تیسری رکعت میں قعدہ کر کے سلام پھیرتے ہیں ۔ آیا ان کو دعاء قنوت پڑھنی چاہیئے یا نہیں ؟

جواب : تین رکعات وتر میں درمیانی قعدہ نہ کرنا حدیث سے ثابت ہے ۔ اس طرح وتر پڑھنے اور درمیانی قعدہ کرنے میں کوئی فرق نہیں ۔ دعاء قنوت دونوں میں جائز ہے ۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۶ء)

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی مزید تحقیق

(۱) عن قبیصۃ بن ھلب عن ابیہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہ و عن یسارہ و رأیتہ یضع یدہ علی صدرہ الخ قبیصہ بن ہلب سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) دائیں بائیں طرف پھرتے اور (نماز میں) سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے دیکھا (مسند امام احمد بن حنبل رح)

(۲) عن وائل بن حجر قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ ۔ یعنی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ . . . میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے بائیں ہاتھ پر سیدھا ہاتھ سینہ پر رکھا ۔ (صحیح ابن خزیمہ)

فائدہ : یہ حدیث بمقابل حدیث زیر ناف زیادہ صحیح اور موثق ہے ۔ چنانچہ علامہ عینی حنفی جو اپنے مذہب کی تائید میں بڑے مستعد ہیں ۔ اپنی شرح بخاری عمدۃ القاری میں اعتراف فرماتے ہیں ۔

احتج الشافعی بحدیث وائل بن حجر اخرجه ابن خزیمة فی صحیحه قال صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فوضع یده الیمنیٰ علی یده الیسریٰ علی صدره ویستدل لعلمائنا الحنفیة بدلائل غیر وثیقة۔

یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وائل والی حدیث سے حجت پکڑی ہے جس کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (اور وہ روایت یہ ہے کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور سینہ پر باندھا اور ہمارے علماء حنفیہ ایسے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں جو موثق نہیں ہیں (عمدۃ القاری) اور ابن امیر الحاج حنفی شرح منیہ میں بایں الفاظ معترف ہیں۔ ان الثابت من السنة وضع الیمین علی الشمال ولم یثبت حدیث تعین المحل الذی یکون فیه الوضع من البدن الاحدیث وائل ملخصاً۔

یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے مگر ایسی کوئی حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی جس کے رو سے بدن کے کسی خاص مقام پر ہاتھوں کا رکھنا واجب ہو سوائے وائل کی حدیث کے۔ (وضع الایدی علی الصدر)

علاوہ ازیں وائل ابن حجرؓ کی حدیث ابن خزیمہ کی ہے اور ابن خزیمہ کو احادیث میں جو وقعت اور جو درجہ حاصل ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ جلال الدین سیوطی رحؒ کے بیان سے ظاہر ہے چنانچہ مولانا موصوف رسالہ فیما یجب للناظر میں اور علامہ جلال الدین سیوطی ''جمع الجوامع'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان کے پانچ مراتب ہیں ایک تو اس مرتبہ کی ہیں جن میں فقط صحیح صحیح حدیثیں ہیں ان میں ایسی حدیثیں نہیں ہیں جن کو ضعیف کہہ سکیں۔ موضوع کا تو کیا ذکر ہے۔ مثلاً موطا صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ صحیح حاکم۔ مختار ضیا مقدسی کی صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح ابن عوانہ۔ صحیح ابن سکن۔ منتقی ابن جارود کی۔ ملخصاً۔

لہٰذا اس حیثیت سے بھی ہماری پیش کردہ حدیث صحیح ابن خزیمہ لائق استدلال اور قابل عمل ہے۔ پس جبکہ از روئے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ یہ بات مسلم ہو چکی کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا موثق اور صحیح ہے۔ اور بمقابل اس کے حدیث زیر ناف موثق

نہیں ہے تو حضرات اہل سنت والجماعت کو چاہیئے کہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی طبیعت کو منعطف کریں۔ کیونکہ حق واضح ہو جانے کے بعد ضد اور تعصب کی وجہ سے اپنی خواہش کی پیروی کرنا ایمان کے منافی ہے۔

کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی خواہشات کو میری شریعت کا تابع نہ کر دے۔ (شرح السنۃ)

اللھم اھدنا لما اختلف فیہ من الحق فانک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم۔ (از قلم مولوی محمد جانباز خان محمدی حیدر آباد دکن) ۷ صفر ۱۳۵۵ھ

سوال: زید کو اپنے گاؤں سے دوسرے گاؤں کو جو دس میل کے فاصلہ پر ہے ہفتے میں دو چار مرتبہ اپنی ضروریات کے لئے صبح جا کر شام کو آنا پڑتا ہے۔ یا بعض اوقات اسی گاؤں میں ٹھہر جانا پڑتا ہے تو کیا زید اس گاؤں میں پہنچ کر نماز کو قصر کر سکتا ہے یا جمع پڑھ سکتا ہے اس خیال سے کہ وہ مسافر ہے کتنے میل سفر کا ارادہ ہو تو نماز قصر اور کن صورتوں میں نماز جمع پڑھ سکتے ہیں۔

جواب: بہ نیت نیک کر سکتا ہے محض کھیل تماشے کے لئے نہیں۔ قصر فرض واجب نہیں حسب ضرورت ہے۔ سفر کی تعیین نہیں آئی۔ عرف عام میں جتنی مسافت کو سفر کہتے ہیں وہی سفر ہے۔ (اہلحدیث ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ)

شرفیہ: صحیح بخاری میں ہے باب فی کم یقصر الصلوٰۃ وسمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم السفر یوما ولیلۃ وکان ابن عمر وابن عباس یقصران فی اربعۃ برد وھو ستۃ عشر فرسخا انتہی ج ۱ ص ۱۴۷ اور ایک دن رات کا سفر سولہ فرسخ ہو سکتا ہے اور عبداللہ بن عباس کے عمل کے علاوہ قول بھی ان کا ہے انہ سئل اتقصر الصلوٰۃ (من مکۃ) الی عرفۃ قال لا ولکن الی عسفان والی جدۃ والی الطائف واسنادہ صحیح اخرجہ الشافعی وذکرہ مالک فی الموطا عن ابن عباس بلاغا وفیہ حدیث مرفوع بلفظ یا اھل مکۃ لا تقصروا فی اقل من اربعۃ برد

من مكة الى عسفان والى الطائف رواه الدارقطني والبيهقي ولعين في روايتهما ذكر الطائف وكذالك الطبراني واسناده ضعيف كذا في التلخيص الجبير صفحہ ۱۲۹ جلد ۱
هذه الرواية المرفوعة وان كانت ضعيفة لكنها يويدها الرواية الصحيحة الموقوفة المذكورة وعوالى المدينة كانت من ميل وميلين الى ثمانية اميال كما فى حاشية البخارى واراضى زراعاتهم كانت على ميل وميلين فصاعدا وكانوا كذا يأتون الى المدينة للجمعة وغيرها الحاجات ولم يثبت انهم يقصرون فى مكة اذاهم يأتون فيها او يقصر النبى صلى الله عليه وسلم او اهل مكة اذاهم يذهبون اليهم وكذا اهل مكة اذا يذهبون لحاجاتهم الى منى والمزدلفة وعرفات وسوى الرواية المذكورة لم يثبت التصريح فى تعيين مسافة القصر عن النبى صلى الله عليه وسلم قولا وما يقال فى الاستدلال بحديث انس كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا خرج مسيرة ثلاثة اميال او ثلاثة فراسخ صلى ركعتين (مسلم) قال النووى هذا ليس على سبيل الاشتراط وانما وقع بحسب الحاجة لان الظاهر من اسفاره صلى الله عليه وسلم انه ما كان يسافر سفرا طويلا فيخرج عند حضور فريضة مقصورة ويترك قصرها بقرب المدينة ويتمها وانما كان يسافر بعيدا من وقت المقصورة فتدركه على ثلاثة اميال او اكثر ونحو ذالك فيصليها حينئذ انتهى واما اثر شرحبيل بن السمط فى قصره على سبعة عشر او ثمانية عشر ميلا ففيه اولا انه فعل تابعى فلا حجة فيه وثانيا انه استدل به على انه راى عمرؓ انه صلى بذى الحليفة ركعتين قال فقلت له اى عمر فقال انما افعل كما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعل (مسلم) فثبت بهذا ان صلاته صلى الله عليه وسلم على ثلاثة اميال او فراسخ لم يكن ثلاثة اميال او فراسخ منتهى سفره كما قال الامام النووى فسقط الاستدلال بقصر الصلوة فى السفر الذى منتهاه ثلاثة فراسخ فثبت ستة عشر فرسخا كما فى صحيح البخارى وغيره -

خلاصہ یہ ہے کہ مسافت قصر ۴۸ میل ہی صحیح ہے نو میل غلط ہے هذا والله اعلم۔۔۔

قال النووی قال الجمهور لا یجوز القصر الا فی سفر یبلغ مرحلتین انتهی ص۲۴۲ یعنی جمہور سلف و محدثین کا۔۔۔۔ مسلک اڑتالیس میل کے سفر پر قصر ہے اس سے کم پر نہیں۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: اگر مسافر گھر سے نکلتے وقت چار دن کا سفر کا ارادہ کر کے نکلا اتفاقی حالت میں اس کو ایک ماہ سفر میں لگ جاتا ہے لہٰذا وہ کتنے دن تک قصر نماز پڑھے گا۔

جواب: گھر سے چار روز کی نیت سے نکلے یا ایک روز کی یا چالیس روز کی اس میں فرق نہیں سفر کو نکلے تو نماز کو قصر کرنا جائز ہے فرض واجب نہیں قصر کو فرض واجب کہنے کی کوئی دلیل صحیح نہیں (۶ شعبان ۳۹ ہجری) بسطه فی نیل الاوطار و ذکر ادلة الطرفین و رجح الوجوب فارجع الیه چالیس روز تک قصر نہیں کرے گا ۱۹ دن تک قصر ہے اس سے زائد کا ارادہ قیام کا ہو تو پھر پوری نماز پڑھنی ہوگی ہاں تردد میں زائد میں بھی جائز ہے (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

مسئلہ نماز قصر

آپ کا یہ فرمانا کہ قصر فرض واجب نہیں احادیث صحیح صریحہ کے خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حبر الامۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم جلد ا ص۲۴۱ میں مروی ہے۔ فرض الله الصلوة علی لسان نبیکم فی الحضر اربعا و السفر رکعتین الحدیث

حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے نسائی شریف ص۲۱۱ ج ا میں مروی ہے صلوة الجمعة رکعتان تمام غیر قصر علی لسان النبی صلی الله علیه وسلم۔

اور آپ کا آیہ کریمہ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ الایة سے عدم فرضیت قصر پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ آیت کریمہ میں رفع جناح کا کیا گیا ہے۔ اور رفع جناح عن الفاعل کو عدم وجوب میں لازم نہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ فلا جناح علیه ان یطوف بهما الایة کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا تھا۔ بخاری مع فتح الباری ص۱۲۶ ج۶ میں ہے۔ قال عروة سالت فقلت لها ارأیت قول الله تعالیٰ ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیه ان یطوف بهما

فواللہ ما علی احد جناح ان لا یطوف بالصفا والمروۃ قالت بئسما قلت یا ابن اختی ان ھذہ لو کانت کما اولتھا علیہ کانت لا جناح علیہ ان لا یطوف بھما الحدیث۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ص۲۶۱ ج۶ میں فرمایا ہے۔ فتحصل جواب عائشۃ ان الآیۃ ساکتۃ عن الوجوب وعدمہ مصرحۃ برفع الاثم عن الفاعل واما المباح فیحتاج الی رفع الاثم عن التارک (الی ان قال) واما الوجوب فیستفاد من دلیل اخر ولا مانع ان یکون الفصل واجبا ویعتقد الانسان امتناع ایقاعہ علی صیغۃ مخصوصۃ فیقال لہ لا جناح علیک فی ذلک ولا یستلزم ذالک نفی الوجوب ولا یلزم من نفی الاثم عن الفاعل نفی الاثم عن التارک فلو کان المراد مطلق الاباحۃ لنفی الاثم عن التارک انتھی بلفظہ ام المومنین حضرت عائشۃ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ رفع جناح عن الفاعل کو عدم وجوب لازم نہیں۔ اس لئے آیت فلیس علیکم جناح سے قصر کا واجب نہ ہونا ثابت نہ ہوگا آپ نے اسی سوال نمبر ۲۵ کے جواب میں لکھا ہے کہ محدثین کے نزدیک ۱۲ میل سفر پر قصر کر سکتا ہے آپ نے محدثین میں سے کسی ایک محدث کا نام بھی نہیں لکھا۔ اگر بالفرض کسی محدث کا ہو تو صحیح حدیث کے خلاف ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا خرج مسیرۃ ثلاثۃ امیال او فراسخ صلی رکعتین رواہ مسلم۔ (بلوغ المرام مع سبل السلام ص۶۲ ج ۲) اس حدیث کے ہوتے ہوئے کسی محدث کا فرمان قابل قبول نہیں۔

از مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب ریاستی جلالپور پیر والا ضلع ملتان

اہلحدیث

یہ حدیثیں جو آپ نے لکھی ہیں وہ اس وجوب قصر کے لئے ملثبت نہیں بلکہ اس کے معارض حدیث ہے کہ جنگ ذات الرقاع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چار کا پڑھنا ثابت ہے۔ مقتدیوں نے دو حصول میں دو، دو پڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کی حالت میں چار پڑھیں اور اہل علم پر یہ مخفی نہیں کہ فرض اور وجوب کا مفہوم قضیہ دائمہ مطلقہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

فعل قضیہ مطلقہ عامہ ہے۔ مطلقہ عامہ نقیض دائمہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ نماز پہلے دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں۔ حضر کی چار کر دی گئیں اور سفر کی بحال رکھی گئیں۔ جیسا کہ آپ نے ابن عباس اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے۔ یہ بھی معارضے سے خالی نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اتمام کرتی تھیں۔ راوی حدیث کہتا ہے مالعائشة تتمو (عائشہ رضی اللہ عنہا اتمام کیوں کرتی ہیں) مخاطب جواب دیتا ہے تاولت کما تاول عثمان (جیسے عثمانؓ نے کیا) یعنی وہ اتمام کرتے تھے۔ اگر ان اقوال صحابہ کے وہی معنی ہوتے جو آپ نے سمجھے ہیں، تو ان کا فعل ان کے اقوال کے خلاف نہ ہوتا۔ آپ نے اس آیت کا جواب جو دیا ہے اس میں میری تائید کی ہے۔ منطقی اصطلاح میں آیت قضیہ ممکنہ عامہ ہے۔ ممکنہ عامہ کا تحقق ضروریہ کے مادہ میں ہو سکتا ہے مگر ثبوت کا محتاج ہے چنانچہ آپ کے قلم سے بھی تصرف قدرت سے یہ فقرہ نکل گیا ہے اما الوجوب فیستفاد من دلیل آخر۔ پس ہمارا اور آپ کا اتفاق ہے۔ قرآن کی آیت موصوفہ ممکنہ عامہ کی شکل میں ہونے کی وجہ سے عام سلب گناہ کے لئے ہے۔ رہا وجوب قصر وہ دلیل قطعی پر موقوف ہے جو قائلین وجوب سے کسی نے پیش نہیں کی۔

اطلاع حدیث صدقة فاقبلوها آپ نے پیش نہیں کی۔ جب کوئی صاحب پیش کریں گے تو اس کا جواب بھی دیا جائے گا انشاء اللہ۔

آپ نے جو مقدار مسافت سفر کے لئے تین میل کی روایت نقل کی ہے میرے نزدیک بھی صحیح ہے اس کی تائید دوسری روایت سے پا کر اس کو قبول کرتا ہوں۔ مگر چونکہ قائلین بالوجوب اس کی تاویل کیا کرتے ہیں کہ تین میل انتہائی سفر نہ ہوتا تھا اس لئے میں نے اس کو ذکر نہیں کیا اور احتیاطاً بارہ میل رکھا۔ اس کی مفصل بحث مسلم کی شرح نووی میں ملتی ہے۔ اللہ اعلم۔ (یکم ربیع الاول ۱۳۶۱ھ)

سوال: مقلد کی نماز غیر مقلد کے پیچھے جائز ہے؟ جواب میں علمائے دیوبند کا فتوی پیش ہو؟

جواب: جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے صلوا خلف کل بر وفاجر (شرح فقہ اکبر) دیوبند سے ایک زمانہ میں دو اخبار نکلتے تھے "انصار" اور "مہاجر"

انصار مدرسہ کا آرگن تھا۔ اس میں مرقوم تھا "فرقہ اہل سنت والجماعت ہندوستان میں اعتقاد اور اعمال کے لحاظ سے کتاب وسنت پر عمل کرنے والے دو گروہ ہیں مقلد اور غیر مقلد"۔ (انصار ۱۵ر نومبر ۱۹۲۷ء صہ ۲) اس میں اتنا ہی اقرار ہے کہ غیر مقلد اہل سنت ہیں۔ دوسرے اخبار مہاجر میں یوں مرقوم ہے "نماز مقلدین کی غیر مقلدین کے پیچھے اور غیر مقلدین کی مقلدین کے پیچھے صحیح ہے۔ (کتبہ عزیز الرحمن مفتی دیو بند) مہاجر ۲۹ر جون ۱۹۲۸ء صہ ۵)۔ اس سب سے پہلے مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم کا فتویٰ بھی جواز کا ہے (فتاوےٰ رشیدیہ) ۶ر فروری ۱۹۳۱ء)

سوال: بے نمازی مسلمان ہے یا کافر اور جنازہ پڑھنا اور اس کی لاش مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے یا نہیں۔

جواب: تارک الصلوٰۃ کے حق میں علماء کا اختلاف ہے۔ بہت سے علماء جن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اور حافظ ابن قیم وغیرہ بھی ہیں، تارک الصلوٰۃ کو کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دیتے ہیں یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز نہیں۔ ان کے سوا اور بہت سے علماء ہیں جن میں امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم خیال علماء ہیں، تارک الصلوٰۃ کو فاسق، فاجر سخت مجرم قرار دیتے ہیں لیکن کافر مرتد نہیں کہتے ہیں۔ حدیث شریف جو تارک الصلوٰۃ کے حق میں آئی ہے **فقد کفر** (یعنی وہ کافر ہے) پہلے گروہ کی دلیل ہے۔ دوسرے گروہ کی دلیلیں اور ہیں، خاکسار کی تحقیق پچھلے گروہ سے متفق ہے۔

تعاقب: دریافت طلب امر یہ ہے کہ "دوسرے گروہ کی دلیلیں اور ہیں" کی تشریح کیجیے۔ کوئی حدیث ہے یا کچھ اور؟ ان کو لکھیے اور اہلحدیث کا یہ اصول کہ حدیث کے مقابلے میں کسی امام یا عالم کے قول کو کسی صورت میں ترجیح نہیں دی جاسکتی تو یہ آپ کا فتویٰ مذکور اس اصول کے خلاف ہے یا نہیں بشرطیکہ دوسرے گروہ کی دلیل کوئی حدیث نہ ہو۔ سائل نامعلوم۔

جواب: اس دعوے کے ثبوت میں بہت سی آیات پیش ہو سکتی ہیں مگر ہم ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

قل لعبادی الذین امنوا یقیموا الصلوٰۃ الآیۃ (پ ۱۳ ع ۱۷) اس آیت میں

ایماندار قرار دے کر ان کو نماز کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہوا نماز ایمان میں داخل نہیں فرع ہے۔۔

۲۷ مئی ۱۹۳۲ء

تشریح تارک الصلوٰۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں علمائے کرام مختلف ہیں علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں ولا خلاف بین المسلمین فی کفر من ترك الصلوٰۃ منکرا لوجوبها الخ یعنی جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو کر نماز کو ترک کرے وہ بالاتفاق کافر ہے اس کے کفر میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہیں مگر ہاں جو شخص نو مسلم ہو یا مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو اس کو جب تک نماز کے وجوب کی خبر نہ پہنچے تب تک وہ کافر نہیں ہو سکتا اور جو شخص نماز کے وجوب کا عقیدہ رکھ کر بسبب کاہلی اور غفلت کے نماز کو ترک کرے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا حال ہے تو ایسے تارک الصلوٰۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں لوگوں کو اختلاف ہے پس عترت اور امام مالک اور امام شافعی اور جماہیر سلف وخلف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے۔ وہ اگر توبہ کرے فبہا ورنہ اس کو قتل کرنا چاہیے اور اس کی یہی حد ہے جیسا کہ زانی محصن کی حد قتل ہے مگر ایسے تارک الصلوٰۃ کو تلوار سے قتل کرنا چاہیے اور سلف میں سے ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ وہ کافر ہے اور یہی مذہب مروی ہے حضرت علی سے اور امام احمد سے ایک روایت میں یہی منقول ہے اور عبداللہ بن مبارک اور اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے اور بعض اصحاب شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ اور ایک جماعت اہل کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ نہ کافر ہے اور نہ وہ قتل کیا جاوے گا بلکہ اس کی تعزیر کی جائے گی اور جب تک وہ نماز نہیں پڑھے گا تب تک وہ قید میں رکھا جاوے گا اس کے بعد علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایسا تارک الصلوٰۃ کافر ہے اور وہ قتل کیا جاوے گا اس کا کافر ہونا تو اس وجہ سے حق ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ شارع نے ایسے تارک الصلوٰۃ کو کافر لکھا ہے۔ اور جو لوگ اس کے کافر ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ جس قدر معارضات وارد کرتے ہیں ان میں سے ایک بھی ہم کو لازم نہیں آتا کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ کفر کی بعض قسمیں ایسی ہوں جو مغفرت واستحقاق شفاعت سے مانع نہ ہوں جیسا کہ اہل قبلہ کا کفر بوجہ بعض ایسے گناہوں کے جن کو شارع نے کفر

کہا ہے پس اس بنا پر ان تاویلات کی کچھ حاجت نہیں ہے جن میں لوگ پڑتے ہیں۔ انتہی (کلام شوکانی) میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ علامہ ممدوح کی یہ تحقیق احق بالقبول ہے مثلاً حدیث میں من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر اور حدیث العھد الذی بیننا و بینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر اور حدیث بین الرجل و بین الکفر ترک الصلوٰۃ رواہ الجماعۃ والبخاری والنسائی اور حدیث کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ رواہ الترمذی سے صاف اور صریح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تارک الصلوٰۃ کافر ہے اور آیت ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء اور حدیث ومن لم یات بھن فلیس لہ عند اللہ عھد ان شاء عذبہ وان شاء غفر لہ رواہ احمد وابوداؤد ومالک فی الموطا اور حدیث من شھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان عیسی عبد اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ والجنۃ حق والنار حق ادخلہ اللہ الجنۃ علی ما کان من العمل متفق علیہ اور حدیث ما من عبد یشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ وان محمدا عبدہ ورسولہ الا حرمہ اللہ علی النار الحدیث متفق علیہ اور حدیث شفاعت فھی نائلۃ ان شاء اللہ من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئاً رواہ مسلم وغیر ذلک من الاحادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تارک الصلوٰۃ کافر نہیں ہے بلکہ وہ مغفرت الٰہی و شفاعت نبوی و دخول جنت کا مستحق ہے پس علامہ ممدوح کی تحقیق پر ان احادیث مختلف میں کسی کی تاویل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ تمام احادیث اپنے ظاہر معنی پر محمول ہیں کیونکہ جن احادیث سے تارک الصلوٰۃ کا کفر ثابت ہوتا ہے ان احادیث سے وہ بلاشبہ کافر ہیں اور ان کو کافر کہنا روا ہے مگر ہاں تارک الصلوٰۃ کا کفر ایسا کفر نہیں ہے جس کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج ہو جائے اور مغفرت و شفاعت و دخول جنت کا مستحق نہ رہے بلکہ تارک الصلوٰۃ کا کفر ایسا کفر نہیں ہے جس کی وجہ سے نہ وہ ملتِ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ استحقاق مغفرت و شفاعت و دخول جنت سے محروم ہوتا ہے اور ہاں واضح رہے کہ ایسا کفر جو نہ مخرج از ملت اسلام ہو اور نہ مانع از استحقاق مغفرت و شفاعت احادیث سے ثابت

ہے دیکھو حدیث متفق علیہ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر اور حدیث متفق علیہ لیس من رجل ادعی بغیر ابیہ وھو یعلمہ الا کفر اور حدیث مسلم اثنتین فی الناس ھما بھم کفر الطعن فی النسب والنیاحۃ علی المیت اور حدیث ایما عبد ابق من موالیہ فقد کفر اور حدیث صحیح من قال لاخیہ یا کافر فقد باء بھا وغیر ذالک من الاحادیث ان تمام احادیث میں کفر سے بالاتفاق اسی قسم کا کفر مراد ہے قال الشوکانی الکفر انواع منہا مالاینا فی المغفرۃ ککفر اھل القبلۃ ببعض الذنوب التی سماھا الشارع کفرا وھو یدل علی عدم استحقاق کل تارک الصلوۃ للتخلید فی النار الی آخرہ وقال من سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافرا سمیناہ کافرا ولا نزید علی ھذا المقدار ولا نتاول بشئی منہا لعدم الملجیٔ الی ذلک واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

(فتاویٰ نذیریہ کتاب الصلوٰۃ ص ۲۶۹) سید محمد نذیر حسین

سوال: فجر کی نماز میں یا وتر کی نماز میں جو دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے اس کو ہاتھ اٹھا کر پڑھے تو دعا کے اختتام پر منہ پر ہاتھ پھیرے یا سجدے میں جاوے۔ دونوں میں سے کون صحیح ہے۔

جواب: ہاتھ اٹھا کر بھی جائز ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ بندہ جب ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتا ہے تو خدا قبول کرتا ہے۔ منہ پر ہاتھ پھیرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس کو مذہبی حکم نہ جانے تو پھیرے۔ (۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ)

اگرچہ خصوصاً نہیں مگر عموم میں آجاتا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۱۹۵ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ کلوخ کرتے وقت مسجد کے احاطے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتے پھرتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ دل لگی اور مذاق کی باتیں بھی کرتے جاتے ہیں۔ بعض تو کلوخ خشک کرتے ہوئے رستوں اور بازاروں میں اور کنوؤں اور باولیوں کے پاس جہاں پر مرد اور عورتیں پانی بھرنے کے لئے آتے جاتے ہیں۔ پھرتے

اور ٹہلتے دیکھے جاتے ہیں۔ مانعین اور معترضین کو جواب ملتا ہے۔ کہ مذہب حنفی میں یہ فعل جائز ہے۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ پس کیا مذہب حنفیہ میں یہ فعل جائز ہے۔ اور یہ فعل خلاف تہذیب اور موجب ہتک اسلام سمجھا جائے گا۔ یا نہیں۔

جواب: ڈلے سے خشک کرنا تو آیا ہے۔ مگر صورت مرقومہ کی طرح لے کر چلنا پھرنا نہیں ملتا۔ یہ سب رسومات قبیحہ ہیں۔ جو قابل اصلاح ہیں بیٹھے بیٹھے یا الگ ہو کر خشک کر لیں تو جائز ہے۔

۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

سوال: قیام نماز میں مقتدیوں کو پیر کے انگوٹھے سے انگوٹھا ملانا اور ایک شانے سے دوسرا شانہ ملانا تو چاہیئے۔ لیکن رکوع سجود کے وقت پر جب اپنی جگہ سے فرق ہو جاتا ہے تو دوسری رکعت میں قیام کے وقت پیر کو سرکا کر ملا لینا کیا ہے۔ یہ فعل کبیرہ میں داخل ہے کہ نہیں۔ اور اس فعل سے نماز میں ہرج ہونا واقع ہوتا ہے کہ نہیں۔ یا خواہ مخواہ ملانا کوئی ضروری امر ہے۔ لوگوں کو بار بار پیر کا سرکانا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اس کے متعلق حدیث کے الفاظ یہ ہیں (کان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ (صحیح بخاری ص۱۰۰) یعنی صحابی کہتا ہے۔ ہم اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا پیر اپنے ساتھی کے پیر سے ملایا کرتے تھے یہ طریق سنت ہے۔

۷ رجمادی الثانی ۱۳۳۷ھ

تشریح ہاں ضروری امر ہے اس لئے کہ فصل میں درمیان میں شیطان آ جاتا ہے یہ خواہ مخواہ کے ڈھکوسلے وہمی وسوسے لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے یہ امر ضروری نہیں کیا کرو گے اس سے اس کا کام بنتا ہے اس لئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بحالت جماعت بیچ میں فصل نہ چھوڑو فرمایا اقیموا صفوفکم وتراصوا الحدیث رواہ البخاری مشکوٰۃ ص۹۸۔ اس پر صحابہ نے عمل کیا جو مولانا نے نقل کیا ہے اور ہرج کچھ بھی نہیں سمجھ کا پھیر ہے اور حجت بازی ورنہ اکیلا نمازی بھی تو بعد سجدہ پاؤں کو باقاعدہ کرتا ہے ویسے ہی جماعت میں کر سکتا ہے اور اگر پہلے ہی سے برقرار رکھے تو بہ رکھ سکتا ہے۔ یہ اور بھی اچھا ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

نماز میں پیروں کا ملانا

پرچہ اہلحدیث نمبر ۳۴ مجریہ ۱۲ رجون ۱۹۳۵ء سے الزاق القدمین کا مضمون مولوی محمد سرائیر کی جانب سے تخمیناً تین پرچوں میں شائع ہوا۔ متبع سنت کے لئے تو اس پر کسی کے اقوال کی ضرورت نہیں مگر ہمارے محترم فریق مقابل بقول امام رازی و ابن تیمیہ و ابن القیم اگر آیات قرآنیہ و احادیث اصح الکتب بھی پیش کی جاویں التفات نہ کریں گے حتی کہ ان کے معتقد و مستند کو نہ پہنچے۔ اور یہ امر بدیہی ہے آدمیوں کا صفوں میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ میرے علم میں کسی ایک آدھ حنفی متقدم سے بھی اس کا خلاف ثابت نہیں سب کے سب اس امر میں متفق ہیں یہ کتب متداولہ فقہ و شروحات فقہ شب و روز مزاولت کی جاتی ہیں کسی ایک میں اس کے برعکس دکھانے کی کسی کو جرأت ہے۔ یہ مرض ایسا مرگ عام کی طرح پھیلا ہوا ہے کہ جس میں جاہل تو ایک طرف رہے علماء بھی مبتلا ہیں جیسے انسان اچھوتوں سے اپنے جسم کو محفوظ رکھتا ہے اور علیحدہ سرک جاتا ہے جہاں کسی انسان نے پیر لگایا جھٹ اچھل ہاتھ بھر دور جا پہنچے۔ حضرت انس بن مالکؓ خادم نبوی فرماتے ہیں ہم صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے شانہ اور قدم سے اپنے شانہ اور قدم ملا ملا کر کھڑے ہوتے تھے آپ کے زمانہ میں جیسا کہ بخاری باب الزاق المنکب میں ہے مستخرج اسمٰعیلی میں اس حدیث میں اتنے الفاظ اور وارد ہیں تتمہ کے طور سے چنانچہ فتح الباری ص ۱۷۶، ج ۲ میں ہے لو فعلت ذالک باحدھم الیوم لنفر کانہ بغل شموس۔ اگر میں آج یہ فعل ان کے ہمراہ کرتا ہوں تو اس طرح بھاگتے ہیں جیسے سرکش خچر۔ للہ اپنے گریبان میں ہر کس مونہہ ڈال کر غور کر کے بتا سکتا ہے کہ یہ فعل کس درجہ مذموم ہو گا۔ حالانکہ امام محمد کتاب الآثار ص ۲۲ باب اقامۃ الصفوف میں لکھتے ہیں۔ عن ابراھیم انہ کان یقول سووا صفوفکم وسووا مناکبکم و تراصوا ولیتخللنکم الشیطٰن الخ قال محمد وبہ ناخذ لا ینبغی ان یترک الصف وفیہ الخلل حتی یسووا وھو قول ابی حنیفۃ۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں صفیں اور شانہ برابر کرو اور گچ کرو ایسا نہ ہو کہ شیطان بکری کے بچہ کی طرح تمہارے درمیان داخل ہو جائے امام محمد کہتے ہیں ہم بھی اس کو لیتے ہیں صف میں خلل چھوڑ دینا لائق نہیں حتی کہ ان کو درست نہ کر لیا جائے اور یہی ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔

فتاویٰ غرائب باب ۳ فی فضل الصفوف عن الفتاویٰ سمرقندی

ینبغی ان یتراصوا فی الصفوف لقولہ علیہ السلام تراصوا فی الصفوف لئلا یتخلل الشیطان۔

شمنی کراس نے شرح نقایہ میں نیز بحر الرائق ورق ۲۶۲ عالمگیریہ مطبوعہ کلکتہ ص۱۲۲ درمختار مع الشامی ص۵۹۳ ہے ینبغی للماموین ان یتراصوا وان یسدوا الخلل فی الصفوف وان یسووا مناکبھم وینبغی للامام ان یامرھم بذالک وان یقف وسطھم و فی الفتاوی التاتارخانیۃ واذا قاموا فی الصفوف تراصوا وسووا بین مناکبھم۔ یعنی مقتدیوں کو چاہیے کہ چونہ گچ کریں درزوں کو صفوف میں بند کردیں اور شانوں کو ہموار رکھیں بلکہ امام کو لائق ہے کہ انہیں اس امر کا حکم کرے پھر بیچ میں کھڑا ہو۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ جب صفوں میں کھڑے ہوں تو گچ کریں اور کندھے ہموار کرلیں شامی ص۵۹۵ ج ا میں ہے کہ اگر آدمی دوسری صف میں ہے اور پہلی میں ایک آدمی کی جگہ ہے تو چل کر پہلی میں اس خالی جگہ کو پُر کردے نماز میں کچھ خرابی نہیں آئے گی۔ لانہ ماموربالمراصۃ قال علیہ السلام تراصوا الصفوف ذکرہ عن الذخیرۃ شامی خلل کا ترجمہ فرماتے ہیں ھو الفراج بین الشیئین یعنی دو چیزوں میں جو فاصلہ اور شگاف ہوا ہے کہتے ہیں منتہی الارب ص۵۰۲ ج ا میں ہے خلل محرکہ کشادگی میان دو چیز اور ص۴۶۰ ج ا میں ہے۔ رص الشئی بالشئی برھم چفشا یند یکے را با دیگرے واستوار کردن اور تراصص میں لکھتے ہیں۔ بریکدیگر چسپیدن مردم در صف یقال تراصوا فی الصف اذا تلاصقوا والفحوا فتح القدیر شرح ہدایہ مطبوعہ نولکشور ص۱۵۰ ج ا میں ہے والنسق نبذۃ من سنن الصف تکمیلا من سنۃ التراص فیہ والمغاربۃ بین الصف والاستھزاء فیہ۔ (اہل حدیث امرتسر ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ)

(۲) اس جگہ ہم قدرے رشحات صف کے آداب میں احادیث نبویہ سے تحریر میں لاتے ہیں جس سے مسنونیت گچ[۱] اور صفوں[۲] کے نزدیک اور برابر[۳] کرنے کی بھی تکمیل ہو جاوے فاضل شارح تین امر میں قلم فرسائی کا ارادہ کرتے ہوئے ہر سہ ادعاؤں کو مدلل باحادیث نبویہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ففی صحیح ابن خزیمۃ عن البراء کان علیہ الصلوٰۃ والسلام یاتی ناحیۃ الصف فسوی بین صدور القوم ومناکبھم ویقول لا تختلفوا فتختلف قلوبکم ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی الصف الاول۔

براء بن عازب سے صحیح ابن خزیمہ میں ہے آپ صف کے کناروں سے آتے اور لوگوں کے سینہ اور کندھوں کو ہموار کرتے اور فرماتے کہ آگے پیچھے نہ ہو ایسا نہ ہو کہ اللہ میاں تمہارے دلوں میں اختلاف ڈال دیوے یہ شق ثالث کی دلیل بیان کی۔

وروی الطبرانی من حدیث علی علیہ الصلوٰۃ والسلام قال الا تصفون کما تصف الملائکۃ عند ربہا قال اتموا الصفوف الاول وتراصون فی الصف وفی روایۃ للبخاری فکان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ طبرانی میں علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔

مرفوعاً آپ نے فرمایا تم ملائکہ جیسی صف کیوں نہیں بناتے جس طرح وہ اپنے پروردگار کے حضور میں بناتے ہیں صحابہؓ نے دریافت کیا وہ کس طرح تو فرمایا وہ اول صف کو پورا کرتے ہیں اور صف میں گچ کرتے ہیں۔ اس گچ کی توضیح کے لئے فاضل شرح بخاری کی روایت بیان کرتے ہیں کو بخاری میں ہے کہ ایک ہمارا کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے سے اور پیر کو اس کے پیر کے ساتھ ملاتا تھا۔ یہ نمبر اول وثانی کی دلیل ہے

اور فرمایا۔ وروی ابوداؤد والامام احمد عن ابن عمر انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال اقیموا صفوفکم وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم لا تذروا فرجات للشیطان من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ وروی البزار باسناد حسن عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من سد فرجۃ فی الصف غفر اللہ لہ وفی ابی داؤد عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال خیارکم الینکم مناکب فی الصلوٰۃ۔

ابوداؤد وامام احمد میں ابن عمر سے مرفوعاً ہے آپ نے فرمایا صفیں قائم کرو اور کندھوں کو برابر کرو اور جو سوراخ دو کے درمیان ہو اسے بند کرو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی اختیار کرو اور شیطان کے لئے سوراخ کی جگہ نہ چھوڑو۔ جس نے صف

کو ملایا خدا اس کو بھی ملاوے گا اور جو صف کو قطع کرے گا خدا اس کو بھی قطع کرے گا۔ بزار میں حسن مسند سے ہے کہ جس نے صف کے دراڑ کو بند کیا خدا اس کو بخشے۔ ابوداؤد میں ہے تم میں بہتر وہی ہے کہ نماز میں کندھوں کو ملائے آپس میں رکھے۔ منتہی الارب صا۱۱۲ ج ا میں ہے۔

فرجۃ بالضم رخنہ وشگاف من فرجۃ الحائط۔ یہ تینوں کی تائید میں بیان کی۔ اللہ درہ مولانا اشرف علی تھانوی بہشتی گوہر تتمہ حصہ دوم کے صا۵۹ مسئلہ ۶ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"صف میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا چاہیئے درمیان میں خالی جگہ نہ رہنا چاہیئے"!

مولانا شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ شرح مشکوٰۃ فارسی باب تسویۃ الصف میں فرماتے ہیں۔" مراد بتسویہ صف آنست کہ متصل بایستند و درمیان فرجہ نگذارند و پس و پیش نہ ایستند و ہموار بایستند"۔ (۲۴ راکتوبر ۱۹۳۷ء) میرے علم میں تو کسی ایک آدھ حنفی المذہب کے متقدمین سے اس کے خلاف ثابت نہیں بڑے بڑے محقق فقیہہ وارباب الترجیح نے اس امر کو بالکل واضح کر دیا نہ معلوم کہ عمل میں کیوں قاصر اہل مذہب پائے جاتے ہیں کیا مولانا اشرف علی کا فرمان واضح نہیں کہ مل کر کھڑا ہونا چاہیئے درمیان میں جگہ نہ رہنا چاہیئے۔ اس سے بھی کوئی واضح لفظوں کی ضرورت ہو سکتی ہے اگر ہمارے علماء احناف ان نصوص فقیہہ پر بذات خود عمل کر کے ان عوام کو دکھا دیں تو امید ہے کہ یہ نفرت ان کے دلوں سے بالکلیہ طور سے زائل ہو جائے اس وقت تو کیا علماء کیا جہلاء مسجدوں میں نماز کے وقت جا کر دیکھئے کہ صف کی کیسی مٹی پلید کی جاتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

مسلمانی در گور یا در کتاب!!!

کیا کوئی فرد یہ کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں ان بے چارے فقہاء کا کچھ قصور ہے حاشا و کلا بلکہ یہ خلف نااہل کے کرشمہ کا منظر ہے جو نمازوں کو برباد کراتے ہیں اور اپنی بھی کرتے ہیں۔ اقامۃ الصفوف کو تمام صلوٰۃ فرمایا ہے رُصُّوْا بصیغہ امر ارشاد ہے اس کی بڑی شدومد سے وعید شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وارد ہے ہر فرد

مدعی علم متبع امام ابی حنیفہ رحمہ اللہ سے ملتمس ہوں کہ آپ حضرت بیک زبان یہ فرمائیں کہ یہ ہماری کتابوں میں غلط لکھ دیا گیا ہے اور صحیح وہی ہے کہ جس پر ہمارا عمل درآمد ہے اور اس کی صحت پر فلاں فلاں کتاب کی فلاں فلاں عبارت فلاں فلاں فقیہہ و امام کی نص موجود ہے۔ عدم ترصیص میں والا خود بھی عامل ہوں اور لوگوں کو بھی عمل کی تعلیم دیں بے چارے جاہل تو اچھوت سے زیادہ علیحدہ کھڑے ہونے کو پسند کرتے اور مل کر کھڑے ہونے سے نفرت بلکہ لڑنے مرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں۔

خاص بمبئی میں ایک مولوی صاحب کو صرف اسی جرم پر کہ انہوں نے مل کر کھڑے ہونے کو فرمایا تھا ضرب شدید سے بعد نماز مرمت کی کہ انہیں چار و ناچار ارادہ حج فسخ کر کے وطن سدھارنا پڑا اور وہیں اس صدمہ سے دار البقا کا سفر کرنا پڑا۔ مولانا بھی حنفی ہی مذہب کے آدمی تھے دوست تک دشمن ہو گئے۔ یہ فرمائیے خون کا ذمہ دار کون یہی حضرات علماء۔ واللہ علی ما نقول وکیل ھو حسبی و نعم الوکیل۔ و انا الراجی رحمۃ ربہ۔

(ابو عبد الکبیر محمد عبد الجلیل السامرودی (۱۱ اکتوبر ۱۹۲۵ء)

سوال: زید کہتا ہے کہ مسجد میں محراب بنانا درست ہے اور ثبوت یہ دیتا ہے کہ مسجد نبوی میں بھی محراب ہے بکر کہتا ہے کہ مسجدوں میں محرابیں بنانا بدعت ہے کیونکہ یہ دوسری صدی ہجری میں رائج ہوئیں اور یہ حدیث شریف پیش کرتا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت ہمیشہ بھلائی میں رہے گی جب تک کہ وہ اپنی مسجدوں میں نصاریٰ کی طرح محراب نہ بنائیں گے (ابن ابی شیبہ فی المصنف)

جواب: نصاری کا محراب درمیان میں اس طرح کا ہوتا ہے  اس میں واعظ کھڑا ہو کر وعظ کہتا ہے مساجد میں محراب ایسے نہیں ہوتے لہٰذا احادیث مذکور ان محرابوں پر چسپاں نہیں ہے ہاں اس میں شک نہیں کہ زمانہ رسالت میں محراب نہ تھے جیسے مینار بھی نہ تھے پس محراب مثل مینار کے مساجد کی محض علامت ہیں۔ (۲۳ ذی الحجہ ۴۶ھ)

محراب مسجد: محراب مسجد میں بنانا درست ہے بدعت نہیں جس امر کا ثبوت قرآن و حدیث سے پایا جاتا ہے اس کو بدعت کہنا ناجائز ہے۔ برابر خیر القرون سے اس پر مسلمانوں کا تعامل چلا آتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ فنادتہ الملائکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب (پارہ ۳)

قال السدی المحراب المصلی۔ شریعت انبیاء سابقین کی شریعت ہماری ہے مگران امور میں جس کو قرآن وحدیث نے منسوخ کردیا بیشک اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ محراب کا ممانعت قرآنی آیت و احادیث الرسول سے ثابت نہیں۔ آیت مذکورہ میں زکریا علیہ السلام کا فعل اللہ پاک نے ذکر کیا۔ پس اس کا جواز بایں طور پر ثابت ہوا دوسری اس امر پہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دلیل ہے۔

اخرج البیہقی فی السنن الکبری من طریق سعید بن عبد الجبار بن وائل عن امه عن وائل بن حجر قال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نهض الی المسجد فدخل المحراب ثم رفع یدیه بالتکبیر الحدیث وقول الشیخ ابن الهمام من سادات الحنفیة ولا یخفی ان امتیاز الامام مقرر مطلوب فی الشرع فی حق المکان حتی کان التقدم واجبا علیه وبنی فی المساجد المحاریب من زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انتہی

مولانا شمس الحق صاحب مرحوم "عون المعبود" میں لکھتے ہیں۔ قلت ما قاله القاری المحاریب من المحدثات فیه نظر لان وجود المحراب زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یثبت من بعض الروایات اور اس پر حدیث مذکور بیہقی کی پیش کی ہے۔ وفی عون المعبود شرح ابی داؤد۔ ومن ذهب الی الکراهة فعلیه البینة ولا یسمع کلامه من غیر دلیل وبرهان۔ (انتہی)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے مجوز ہیں۔ "کشاف القناع" فقہ حنبلیہ میں بھی اس کی اباحت موجود ہے۔ وہ یہ ہے۔ ویباح اتخاذ المحراب نصا وقیل لا یستحب اومأ الیه احمد واختاره الاجری وابن عقیل یستدل به الجاهل۔ انتہی

مؤلف کشاف القناع بھی اباحت بلکہ استحباب ثابت کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ نص سے ثابت ہے۔ اصطلاح علمائے میں نص قرآنی آیات واحادیث کو کہتے ہیں یعنی قرآن وحدیث سے محراب بنانا ثابت ہے۔ جن احادیث سے کراہت بعض لوگ ثابت کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

وقال اخرج الطبرانی والبیہقی عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اتقوا هذه المذابح یعنی المحاریب واخرج ابن ابی شیبة فی المصنف عن موسی الجهنی قال۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال امتی

بخیر مالم یتخذ وا فی مساجدھم مذابح کمذابح النصاریٰ ۔ اس پر نظر ہے بچند وجوہ ۔ اوّلاً ان کے راوی ذکر کرکے ہر ایک کی توثیق ضروری ہے جرح وعلت خفیہ وغیرہ جو نقائص کہ سندوں وغیرہ میں واقع ہوتے ہیں یا متن میں اس سے برات لابد ہے اور بیان راویوں کا ذکر ان کی توثیق جو بذمہ مدعی ہے مفقود ہے ۔ ثانیاً ممانعت مذابح کی ثابت ہوئی جو حجرے علیحدہ مسجد سے بنایا کرتے تھے ۔ نہ محراب ۔ ثالثاً کسی احادیث سے محراب کی ممانعت نہیں ثابت ہوئی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذابح سے منع فرمایا کمذابح النصاریٰ اگر مشابہت نہ ہو تو جائز ہے ۔ رابعاً حدیث میں مذابح ہے یعنی المحاریب یہ راوی کی تقریر ہے اپنے فہم کے مطابق نہ حدیث کے لفظ ۔

جناب ! محراب کے دو معنی ہیں ایک حجرہ وغرفہ دوسرا محراب المسجد حرام نہیں ہے محاریب پیشگاہ ہائے مجالس وبنہ محراب المسجد وھوایضا دقولہ تعالیٰ نخرج علی قومہ من المحراب ۔ قالوا من المسجد ۔ وفی فتح البیان کلما دخل علیھا زکریا المحراب یعنی غرفۃ والمحراب فی اللغۃ اکرم موضع فی المجلس قالہ القرطبی وسمیت محرابا لانھا محل محاربۃ الشیطان لان المتعبد فیھا یحاربہ لکذالک ھو فی المسجد وکذالک یقال لکل محل من محال العبادۃ محراب ۔

الحاصل محراب المسجد بنانا درست ہے ۔ اس کی ممانعت کرنا شریعت میں تنگی کرنا ہے ۔ بغیر برہان وبینہ ۔ اور جس کی ممانعت آئی ہے وہ اور چیز ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم ۔

حررہ احمد اللہ مدرس رحمانیہ دہلی ۔ ۴ رجمادی الاوّل ۱۳۴۲ھ

الجواب صحیح بیشک محراب بنانا مسجدوں میں جائز ہے اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں البتہ یہود ونصاریٰ کے طریق پر امام کے واسطے بصورت خاص محراب بنانا ناجائز ہے ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم ۔

کتبہ ابو طاہر البہاری عفا اللہ عنہ الباری المدرس الاوّل فی المدرسۃ دار الحدیث الرحمانیۃ الکائنۃ فی بلدۃ دہلی

نفس محراب بنانا تو جائز ہے مگر جیسا کہ آجکل اس میں نقش ونگار کا رواج ہے یہ نہیں چاہیئے سادہ ہونا چاہیئے ۔ واللہ اعلم ۔

کتبہ عبدالوہاب الآروی مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی

الجواب صحیح والرای نجیح واللہ اعلم وعلمہ اتم ۔

سید ابوالحسن عفی عنہ

محراب بنانی مسجدوں میں زمانہ رسالت سے اس وقت تک ثابت ہے۔ لہٰذا اس کو بدعت کہنا غلط ہے۔ سنن بیہقی کی روایت اس پر دال ہے۔ ہاں نصرانیوں کے گرجے کے مشابہ محراب بنانی منع ہے۔ مذابح کمذابح النصاریٰ سے ممانعت وارد ہوئی اور مذابح کے معنی مقاصیر کے ہیں۔ واللہ اعلم۔ کتبہ عبدالسلام المبارکفوری

الجواب صحیح: محمد عبدالقدیر مدرس مدرسہ ریاض العلوم دہلی

نفس محراب بنانا جائز ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

(کتبہ عبدالرزاق مدرس اول مدرسہ ریاض العلوم دہلی)

مسجدوں میں محراب بنانا جائز ہے مگر مشرکین و اہل کتاب کے محرابوں کی مشابہت جائز نہیں یہاں تک کہ اگر غیر اہل اسلام کی عبادت گاہوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو اور وہ ان کو مسجد بنانا چاہیں تو بنا سکتے ہیں مگر ان کے محرابوں میں تغیر وضعی یا ذاتی کرنا ضرور ہے" نیل الاوطار ص ۱۳۱ ج ۲

والحديث يدل على جواز جعل الكنائس والبيع وامكنة الاصنام مساجد وكذالك فعل كثير من الصحابة حين فتحوا البلاد وجعلوا متعبداتهم كمتعبدات المسلمين وغيروا محاريبها۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(کتبہ محمد اسحاق الآروی مدرس دار الحدیث رحمانیہ دہلی)

مسجدوں میں جو محراب آج کل بنے ہوئے ہیں وہ درست ہیں۔ جیسا کہ حدیث بیہقی سے ثابت ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق عون المعبود میں موجود ہے جو اس کو بدعت کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (محمد یونس عفی عنہ مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب مرحوم پھاٹک حبش خان دہلی)۔

جواب صحیح ہے۔ نفس محراب جو آجکل مساجد میں ہے جائز ہے جن روایتوں میں ممانعت ہے وہ اہل کتاب کی مشابہت سے منع فرمایا ہے جو اس محراب میں نہیں پائی جاتی۔ نصاریٰ کے معبد جاکر دیکھو ہرگز اس کے مشابہ نہیں۔ پھر ممانعت اس محراب سے کیسی۔ الغرض یہ محراب جائز ہے۔ (ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ مدرس اول)

محراب مسجد میں بنانا جائز ہے لیکن یہود و نصاریٰ کی طرح بڑا اور خوبصورت منقش مزین نہ ہو جیسا کہ آجکل گرجوں میں دیکھا جاتا ہے۔ اس کا ثبوت زمان قدیم سے چلا آتا ہے احادیث میں مذکور ہے اور اصحاب لغت بھی ذکر کرتے آتے ہیں مدت مدیدہ سے بغیر انکار کرنے

کے۔ (عبدالرحمٰن مدرس مدرسہ مسجد حاجی علی جان دہلی)۔

مسلمانوں میں جو آجکل محراب مروج ہیں وہ یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں ہے۔ لہٰذا بدعت نہیں ہے۔ ہاں اگر مشابہت ہو تو البتہ بدعت ہے۔ ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

(محمد یوسف علی پیر بھومی) ۱۸ر جنوری ۱۹۲۸ء)

سوال: نماز کی نیت زبان سے پڑھنا حدیث شریف سے ثبوت ہے۔

جواب: زبان سے نیت کرنے کا ثبوت نہیں نیت دل کا فعل ہے زبانی الفاظ بولنے سے فقہاء نے بھی منع کیا ہے۔ نیت صرف یہ ہے کہ دل میں قصد کرے کہ میں نماز پڑھنے لگا ہوں فرض۔ سنت۔ نفل ۲۸ر جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ

حضرات! جمیع اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو امر کتاب و سنت سے ثابت ہو قابل تسلیم ہے۔ اس کے ماسوائے پر بعض کا اتفاق ہے اور بعض کا نہیں۔ پس میں شق اول پر رہ کر کچھ کلام کرنا چاہتا ہوں۔

پس معلوم کرنا چاہیے کہ اسلام میں جمیع اعمال کی مقبولیت نیت پر منحصر ہے پس ہر عامل اپنے عمل کا ثمرہ باعتبار نیت کے پائے گا۔

کما فی الصحیح عن عمر ابن الخطابؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لامرء ما نوی الحدیث

پس جب اعمال کی قبولیت نیت پر منحصر ہے تو اب معلوم کرنا چاہیے کہ "بالنیات" جو حدیث میں وارد ہے اس کا کیا معنیٰ ہے۔ پس اوّلاً اس کی تحقیق کتب لغات سے کی جاتی ہے تاکہ معنے لغوی کے سمجھنے سے معنی شرعی کا سمجھنا آسان ہو جاوے۔ پھر اس کے بعد علمائے حقانی کی تحقیق درج کی جاتی ہے اور اس بات کا کافی ثبوت دیا جاتا ہے کہ جو نیت عوام میں مشہور اور مروج ہے سو یہ نو ایجاد ہے شریعت حقہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس کا مبنی قیاس ہے پس معلوم کرنا چاہیے کہ نیات جمع ہے نیت کی اور نیت کے جو معنے کتب لغت میں لکھے گئے ہیں یہاں پر درج کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو صراح جو لغت کی ایک مشہور اور معتبر کتاب ہے اس میں لکھتے ہیں۔ "نوی نیت آہنگ کردن وانتوار کذالک" صفحہ ۵۹۳ (یعنی نوے اور نیت اور انتوار کے معنی نیت کرنا) انتہی

قاموس میں ہے۔ "نوی الشیئ ینویہ نیۃ یخفف قصدہ کانتواہ"

(صـ۲۹۹ جلد ثانی) . اسی طور پر لغات فیروزی عربی میں ہے " نیت ۲ دل کا ارادہ قصد . (صـ۳) لغات فیروزی فارسی میں ہے . نیت دل کا ارادہ قصد دلی خواہش (صـ۱۷) . صراح اور قاموس میں نوسے اور نیت کے اور بھی چند معنے لکھے ہیں لیکن سب مجاز ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ اذا امکن الحقیقۃ لا یصار الی المجاز . پس نیت باعتبار لغت کے متعین ہوگیا ارادہ قلبی کو . دیگر یہ کہ ان معانی کا بھی تعلق جیسا کہ ارادہ قلبی کو ہے بولنے کو نہیں اور ارادہ قلبی منافی ہے قول کے پس بعض علماء کا یہ قول کہ نیت دل اور زبان سے کرنا افضل ہے تاکہ زبان دل کے موافق ہوجائے اور ظاہر باطن کے مطابق بے دلیل ہے . ایسا قیاس نص کے مقابلہ حجت نہیں بلکہ نیت باعتبار لغت کے ارادہ قلبی ہے اور بس . پس معنی لغوی اور شرعی میں ضرور کوئی مناسبت ہونا چاہیئے . لہٰذا جو معنی شرعی علماء حقانی نے نیت کے بیان کئے ہیں ان کو ذکر کیا جاتا ہے .

ملاحظہ ہو . وقال النواوی النیۃ القصد وعزیمۃ القلب وایضا . قال البیضاوی النیۃ عبارۃ عن انبعاث القلب نحو ما یراہ موافقا لغرض من جلب نفع او دفع ضر حالا ومآلا والشرع خصصہ بالارادۃ التوجہ نحو الفعل لابتغاء رضاء اللہ وامتثال حکمہ والنیۃ فی الحدیث محمول علی المعنی اللغوی . الخ (فتح الباری پارہ اول صـ) .

اور کہا امام نووی (شارح صحیح مسلم) نے نیت قصد کرنا اور دل کی پختہ بات اور کہا بیضاوی نے نیت عبارت ہے ابھارنا دل کا اس امر کی طرف جو اپنی غرض کے موافق دیکھتا ہے تحصیل نفع کے لئے یا دفع ضرر کے لئے حالاً و مآلاً اور شرع نے خاص کردیا فعل کے بجالانے کے ارادہ کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور اس کے امر کی بجاآوری کے لئے اور نیت مذکورہ حدیث میں محمول ہے معنی لغوی پر . انتہیٰ

یہ عبارت کسی تفصیل کی محتاج نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ حدیث میں جو نیات وارد ہے اس سے معنی لغوی یعنی کسی فعل کے بجالانے کا ارادہ کرنا ہی مراد ہے . دیگر ہیچ .

بایں وجہ اس حدیث کو بعض محدثین نے جملہ شریعت اور بعض نے نصف اور بعض نے ثلث قرار دیا ہے . جیسا کہ عون الباری شرح صحیح البخاری میں ہے .

قال ابن مهدی ایضا ینبغی ان یجعل هذا الحدیث راس کل باب
ووجه البیهقی کونه ثلث العلم بان کسب العبد یقع بقلبه ولسانه و
جوارحه فالنیة احد اقسامه الثلاثة وارجحها لانها قد تکون عبادة
مستقلة وغیر ما یحتاج الیها ومن ثم ورد نیة المومن خیر من
عمله وکلام الامام احمد یدل علی انه اراد بکون ثلث العلم انه
احد قواعده الثلاث التی ترد الیها جمیع الاحکام. (ص۲۳ برحاشیہ نیل الاوطار)

اور کہا ابن مہدی نے لائق ہے کہ اس حدیث کو ہر باب کا سر قرار دیا جاوے اور بیہقی نے اس حدیث کے ثلث علم ہونے کی توجیہ بیان کی ہے کہ بندہ کا فعل یا تو دل سے ہوتا ہے یا زبان یا جوارح سے پس نیت ان تین سے ایک ہے اور ان کی ارجح ہے۔ کیونکہ یہ عبادت مستقلہ ہے اور اس کے علاوہ افعال جوارح ولسان اس کے محتاج ہیں اس واسطے وارد ہوا "مومن کی نیت بہتر ہے اس کے عمل سے" اور امام احمد کا کلام بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نیت ایک ہے دین کے قواعد ثلاثہ کی جن کی طرف احکام راجع ہوتے ہیں۔ انتہیٰ۔

اس عبارت سے بھی بخوبی روشن ہوگیا کہ نیت فعل قلب ہے نہ فعل لسان۔ کیونکہ فعل عبد تو منقسم ہے اور یہ سہ افعال اس کی اقسام ہیں اور یہ بالبداہت ثابت ہے کہ قسم شے کی اس کی قسم کے مغائر ہے پس اگر نیت کو بولا بھی جائے گا تو فعل لسان ہو جائے گا نہ فعل قلب یا حقیقت مستعملہ کا بدلنا لازم آئے گا وهما محذوران۔ پھر آگے اس کی لغوی تحقیق لکھتے ہیں۔

النیات جمع نیة من نوی ینوی من ضرب ولغة القصد وقیل
هی من النوی بمعنی البعد والاول اولی وجمعیة النیة فی هذه الروایة
باعتبار تنوعها لان المصدر لا یجمع الا باعتبار تنوعه او باعتبار مقاصد
الناوی کقصده تعالیٰ او تحصیل موعوده او اتقاء وعیده وفی معظم
الروایة النیة بالافراد علی الاصل لاتحاد محلها وهو القلب کما ان
مرجعها واحد وهو الاخلاص للواحد الذی لاشریک له فناسب افرادها
بخلاف الاعمال فانها متعلقة بالظواهر وهی متعددة فناسب جمعها وهو

ھنا محمولۃ علی معناھا اللغوی الخ۔

یعنی نیات جمع ہے نیت کی باب ضرب سے بمعنی قصد کرنا۔ اور کہا جاتا ہے نوی سے بمعنی دوری کے اور اوّل معنی اولیٰ ہے اور نیت کی جو جمع آئی ہے باعتبار انواع کے ہے کیونکہ مصدر کی جمع اس کی انواع کے اعتبار سے آسکتی ہے باعتبار مقاصد نیت کرنے والوں کے مثل قصد کرنے اللہ کی رضا کے یا اس کے وعدہ حاصل کرنے کے یا اس کی وعید سے ڈرنے کا اور معظم الروایۃ میں نیت باعتبار اصل کے مفرد آیا ہے واسطے اتحاد محل کے اور وہ قلب ہے جیسا کہ اس کا مرجع واحد ہے یعنی اخلاص واحد لاشریک کا پس اس کا مفرد آنا مناسب ہے بخلاف اعمال کے پس وہ متعلق ہے ظواہر کے اور وہ متعدد ہے بایں وجہ اس کی جمع آنا مناسب ہے اور نیت یہاں محمول ہے معنی لغوی پر انتہے۔

پس قطعی فیصلہ ہو چکا کہ حدیث میں جو نیت وارد ہے اور جس پر عمل کی قبولیت کا مدار ہے بمعنی ارادۂ قلبی ہے اور بس۔ کیونکہ اگر زبان سے بولنے کی قید زائد کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا جاوے گا تو ضرور معنی لغوی میں تغیر پیدا ہو جاوے گا پس جیسا کہ نماز کے اور انواعات[1] میں نیت تلفظ باللسان کو غیر مشروع کہا جاتا ہے اس میں بالاولیٰ کہنا چاہیئے اسی واسطے شیخ عبدالحق صاحب مرحوم محدث دہلوی نے اس کے بارہ میں بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ وھو ھذا:- باید دانست کہ نیت کار دل است بزبان گفتن حاجت نبود و اگر بزبان گوید دل غافل باشد اعتبار ندارد اگر فرضا نیت در دل حاصل گردد بزبان نیاید یا بزبان خلاف آں رود زیان نکند و اختلاف کردند علماء در نیت نماز بعد از اتفاق ہمہ آں کہ بجہر گفتن آں نامشروع ست تلفظ بہ نیت شرط صحت نماز ست یا نہ صحیح آنکہ ...... شرط نیست و شرط دانستن آں خطا است و لیکن فقہاء گفتہ اند کہ اگر بزبان نیز گوید بہتر ست و مستحب تا زبان با دل موافق و ظاہر با باطن مطابق و نیز تعقل معنی نیت و استحضار آں در دل بذکر الفاظ آسان باشد و محدثاں نیز گویند کہ در ہیچ جا روایت از حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آمدہ کہ نیت بزبان گفتی ہمیں قدر آمدہ است

---

[1] روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ ۱۲ منہ

کہ چوں برنماز برخاستی "اللہ اکبر" گفتی اگرچیزے دیگر خواندہ بودی ہرآئینہ روایت نمودندے پس طریقہ اتباع آنست ہم برنیت بدل اختصار کند واتباع ہمچناں کہ درفعل واجب ست درترک نیز مے باید پس آنکہ مواظبت نماید برفعل آں چہ شارع نکردہ باشد مبتدع بود۔ کذا قال المحدثون (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۳۶)

(از محمد ابو المنصور صاحب کھنڈیلہ ضلع جلیپور شیخاواٹی) ۱۴ر رجب ۱۳۶۳ھ

سوال: امام سر پر ٹوپی اوڑھ کر فرض یا جماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: ٹوپی پہن کر نماز جائز ہے۔ (۱۰ر مئی ۱۹۴۴ء)

سوال: امام نصف آستین والی قمیص سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: ایسی قمیص میں نماز پڑھ سکتا ہے جس سے کندھے ڈھکے ہوئے ہوں۔ حدیث شریف میں ہے۔ لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلٰى عَاتِقِهٖ مِنْهُ شَيْئٌ (بخاری) کوئی شخص ایسے کپڑے میں نماز نہ پڑھے جس کا کوئی حصہ کندھوں پر نہ ہو۔ (۱۰ر مئی ۱۹۴۴ء)

سوال: کسی شخص کو بیماری کی حالت میں احتلام ہوا۔ وہ شخص پنجوقتی نماز کا پابند ہے۔ کسی حال میں نماز اس کی ترک نہ ہوئی ہے۔ اب حالت بیماری کی وجہ اگر وہ پانی سے غسل کرے تو اس کو تکلیف اور خطرہ ہے۔ ایسی حالت میں کیا وہ غسل کرے کیا تیمم سے پاک ہو کر نماز ادا کرے۔ دونوں میں کونسی صورت اختیار کر کے عمل کرے۔

جواب: قرآن مجید وحدیث شریف میں بیمار جنب کو تیمم کی اجازت ہے۔ جب تک پانی استعمال نہ کر سکے صرف تیمم سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اللہ اعلم۔ ۱۹ر اگست ۱۹۴۴ء

سوال: ایک امام پانچ وقت کی نماز پڑھاتا ہے۔ عادت اس کی یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ۲۸ پارہ کی سورت قرات میں پڑھتا ہے اور دوسری رکعت میں سورہ بقرہ یعنی پارہ ۲ سے پڑھتا ہے۔ ہر روز جان بوجھ کر یہ اسی ترتیب سے پڑھتا ہے۔ آنجناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے طور پر قرات پڑھنے کی اجازت دی ہے یا نہیں۔ اگر ایسا آگے پیچھے پڑھنا تھا تو ترتیب کی کیا ضرورت تھی۔ قرآن مجید و فرقان حمید کی ترتیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی ہے یا صحابہ کرام نے۔ جناب کی ترتیب قائم ہو کر پڑھتے ہیں یا الٹ کرتے رہے ہیں۔ سب حالات آنحضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم سے مفصل تحریر کریں۔ بڑے سے بڑا معتبر پتہ ابو ہریرہؓ دیتے ہیں۔ ایک روز حضرت خلیفہ عمرؓ نے سورہ کہف پہلی رکعت میں اور دوسری میں سورہ یوسف پڑھی۔ انہوں نے ایسا کرنا بتایا یا وتروں میں کسی صحابہ کرام نے پہلی رکعت میں فلق، دوسری میں والناس تیسری میں اخلاص۔

جواب: ترتیب قرآنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز میں آگے پیچھے سورت پڑھنا شرعاً جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص فاتحہ کے بعد سورہ قل ھو اللہ پہلے پڑھتا۔ پھر اور سورہ پڑھتا خواہ وہ قل ھو اللہ سے پہلے کی ہو یا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر پا کر اس کو منع نہیں کیا۔ احنف بن قیس نے پہلی رکعت میں سورہ کہف پڑھی۔ دوسری میں سورہ یوسف یا سورہ یونس پڑھی اور کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی صبح کی نماز میں اسی طرح پڑھی تھیں (صحیح بخاری) اس لئے کوئی شخص اب بھی ایسا کرتا ہے تو حرج نہیں۔ درمختار میں آیا ہے لا باس بہ کوئی حرج نہیں۔ اللہ اعلم

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ - ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۰ء)

سوال: زید مسجد میں سو گیا اور احتلام ہو گیا۔ اب زید مسجد میں بغیر غسل سورہے یا اول غسل کرے پھر سو جائے۔

جواب: جنب ہو جانے کے بعد فوراً مسجد سے باہر نکل جائے۔ غسل کر کے پھر آئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلَا جُنُبٍ (ابوداؤد) بعض علماء جنبی کو وضو کر لینے کے بعد مسجد میں ٹھہرنا جائز کہتے ہیں۔ منہم امام احمد رحمہ اللہ (نیل) حنفیہ کے نزدیک احتلام کے بعد تیمم کر کے مسجد سے باہر نکلے۔ اللہ اعلم!

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ - ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۰ء)

سوال: زید حنفی ہے وہ کہتا ہے۔ کہ رفع یدین کرنا ناجائز ہے بلکہ امام صاحب بھی رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے تو پھر ہم کیوں کریں۔ اور کہتا ہے کہ عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب مسلمانان عرب نماز پڑھتے تو منافقان عرب اپنی آستینوں میں بت بنا کر بحالت قیام رکھ دیتے تھے جو باعث تکلیف ہوتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ لوگ رفع یدین کرتے تھے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین عرب میں تھے۔ اب کرنے کی کیا ضرورت۔ اور امام صاحب کو رفع یدین کرنے

سے نفی میں لاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے یا نہیں۔ اور رفع الیدین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: زید کا یہ کہنا کہ حنفی مذہب میں رفع الیدین سنت نہیں صحیح ہے مگر یہ کہنا کہ عرب آستینوں میں بت رکھا کرتے تھے محض بے ثبوت بات ہے۔ جو کسی معتبر کتاب میں نہیں ملا[1]۔ (۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء)

سوال: آمین کہنا کس حدیث سے ثابت ہے۔ عمر کہتا ہے کہ آمین کہنا جائز ہے اور بکر کہتا ہے کہ آمین بلند آواز سے کہنا جائز نہیں اور آہستہ آہستہ کہنا جائز ہے یعنی چپکے سے دل میں کہنا چاہیئے تاکہ آواز معلوم نہ ہو۔ اور کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ آمین کہتے تو اس کی باعث یہ ہوئی کہ مشرکان عرب منہ میں نمازی کے مٹی ڈال دیا کرتے تھے۔ اب یہ کہنا جائز نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں کیا فرماتے ہیں۔ از حدیث و قرآن فتاویٰ عنایت فرماویں۔

جواب: یہ سب بناوٹی بات ہے نہ کوئی عرب ایسا کرتا تھا نہ اس وجہ سے آمین کا اجراء ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کیوں آمین بالجہر ہوتی۔

(۱۶ مارچ ۱۹۳۴ء)

سوال: فجر کی نماز فرض کا جماعت کا وقت ہوگیا ہو تو امام سنتیں پڑھ کر نماز کے لئے کھڑا ہو جاوے یا بغیر سنت پڑھے فرض پڑھ لے اور بعد میں سنت پڑھے۔

جواب: پہلے دو رکعت سنت پڑھے پھر جماعت کرائے۔ اگر سائل کا یہ مطلب ہے کہ نماز کا وقت بہت تنگ ہوگیا۔ اتنا کہ فرض ہی پڑھے جائیں تو بیشک پہلے فرض پڑھے بعد سنتیں پڑھے۔ (۱۱ نومبر ۱۹۳۶ء)

سوال: مغرب کی فرض نماز میں جماعت کے ساتھ فقط ایک رکعت ملے اور پھر دو رکعت باقی رہے تو پھر دوسری رکعت میں التحیات پڑھنا ہوگا یا نہیں؟

جواب: امام کے ساتھ مل کر مقتدی نے جو رکعت ادا کی ہے یہ اس کی پہلی رکعت ہے اس لئے دوسری رکعت پڑھ کر تشہد (التحیات) پڑھے۔ اگر پہلی میں نہ پڑھے دوسری رکعت پڑھ کر تشہد پڑھے تو یہ بھی جائز ہے۔ دونوں مذہب سلف سے

---

[1]: اور اسی طرح رفع یدین کے سنت ہونے سے انکار کرنا بھی دلائل صحیحہ کی رو سے غلط ہے (محمد داؤد راز)

چلے آتے ہیں۔ (۱۱ر نومبر ۱۹۳۶ء)

سوال: نماز ظہر اور عصر۔ مغرب اور عشاء ساتھ جمع کر کے پڑھے تو سنت نفل پڑھے یا چھوڑ دے۔

جواب: جمع صلوٰتین کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرض پڑھا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لم یسبح بینھما یعنی نمازوں کے جمع کرنے میں نوافل، سنتیں نہیں پڑھیں۔ (۱۱ر نومبر ۱۹۳۶ء)

سوال: فجر کی نماز کے لئے کوئی شخص گھر سے سنت پڑھ کر مسجد میں آیا۔ اور اذان کا وقت ہو گیا تھا مگر اذان دیر سے ہوئی۔ اب وہ شخص پھر سنت پڑھے یا وہی کافی ہے۔ کوئی شخص گھر سے سنت پڑھ کر آیا مگر تکبیر کو دیر ہے تو وہ شخص خالی بیٹھے رہے یا وہ رکعت پھر پڑھے۔

جواب: جو سنتیں وہ پڑھ چکا ہے وہ کافی ہیں اور پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اور فجر کی سنتیں پڑھ کر بجز فرضوں کے اور کوئی نفل نہ پڑھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ صبح ہو جانے کے بعد سوا دو رکعت سنتوں کے کوئی نماز نہیں ہے۔[1]

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۳۶ء)

سوال: اگر دس یا پندرہ یا بیس سیر دودھ یا شربت یا گھی گرم شدہ میں ناپاکی پڑ جائے تو کیا سب خراب تصور ہو گا یا کیسے کیا جائے۔ قرآن و حدیث سے جواب دیا جائے۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے اگر گھی گرم میں چوہا پڑ جائے تو اس کے نزدیک نہ جاؤ۔ چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔ وان کان مائعا فلا تقربوہ (ابو داؤد)۔ اگر پگھلا ہوا (گھی ہو) تو اس کے نزدیک نہ جاؤ۔ یہی حکم شربت اور دودھ کا ہے۔ (۱۱ر نومبر ۱۹۳۶ء)

سوال: اذان اور اقامت کے درمیان ان الفاظ میں تثویب (اعلام بعد الاعلام) ہر نماز کے لئے پکارنا "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ جائز ہے یا ناجائز؟ لعنت

---

[1] اس فتویٰ پر تعاقب مع جواب ص ۳۲۶ پر ملاحظہ فرمالیجئے فقط راز

اور اصطلاح شرعیہ میں تثویب کے کیا معنی ہیں ؟ (از نمازیان مسجد جانی بریلی)

جواب : ناجائز بدعت ہے کیونکہ زمانہ رسالت اور عہد خلافت میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ تثویب لغت میں اعلان کرنا ہے اور اصطلاح شرع میں اذان نماز مکرر پکارنا ہے۔ یہ رسوم زمانہ صحابہ میں خال خال ہوگئی تھی اس لئے صحابہ کبار نے اس کو بدعت قرار دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بعد اذان تثویب کی آواز سنی تو کہا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو، ایسا ہی ابن عمر رضی اللہ عنہم نے تثویب کی آواز سنی تو کہا کہ چلو اٹھو ہم اس بدعتی کے پاس سے نکل چلیں (حاشیہ سنبھلی بر ہدایہ ص۵۰ نمبر ۱۳)

ایک تثویب صبح کے وقت ہے۔ یعنی "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" یہ جزو اذان ہے الگ نہیں اور اس کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ بلال مؤذن باجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ایسا ہی کہتے تھے (ہدایہ حاشیہ سنبھلی نمبر ۱۷) اس کے سوا باقی ہر قسم کی تثویب بدعت ہے۔ اس میں اہل تسنن کے کسی فرقہ کا اختلاف نہیں (۱۶ / دسمبر سنہ ۳۲ء)

سوال : امام اور مقتدی شروع تکبیر سے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو جائیں یا جب مکبر "حی علی الصلوٰۃ" پر پہنچے۔

جواب : کسی حدیث میں میں نے یہ ترتیب نہیں دیکھی علماء کی ذہنیت ہے جس پر عمل کرنا نہ واجب ہے نہ حرام۔ (۱۶ / دسمبر سنہ ۳۲ء)

تشریح : یہ بریلوی علماء کی ایجاد ہے جو صحیح نہیں ہے حدیث صحیح سے امام کا بعد تکبیر مؤذن یعنی تکبیر پوری کہنے کے بعد اپنی جگہ مصلی پر کھڑا ہونا اور تکبیر تحریمہ کہنا ثابت ہے اور مقتدیوں کا امام سے بھی پہلے اپنی اپنی جگہ پر کھڑا ہونا ثابت ہے۔ "حی علی الصلوٰۃ" سے نماز کا بلاوا ہے اور "قد قامت الصلوٰۃ" کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے لئے جلد آؤ نماز قائم ہونے کو ہے ماضی بمعنی مضارع ہے اول کلام میں بھی آتی ہے اور مجاز بالمشارف بھی مسلہ ہے حدیث یہ ہے عن ابی ھریرۃ ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاخذ الناس مصافھم قبل ان یاخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ (رواہ مسلم وابوداؤد) وعن ابی ھریرۃ قال اقیمت الصلوٰۃ وعدلت الصفوف قیاما قبل ان یخرج الینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج الینا فلما قام فی مصلاہ

الحدیث متفق علیہ ولا خلاف بینہ وبین الحدیث الثانی اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی قد خرجت اخرجہ مسلم واصحاب السنن والبخاری مختصرا نیل الاوطار ص ۱۶۲ ج ۳ لان المنع قبل الخروج عن النہیت والجواز بعد الخروج والخروج در ویتھم لہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ الغرض یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے کہ مقتدیوں کے لئے لفظ "قد قامت الصلاۃ" کا لفظ سننے سے پہلے جماعت میں صفیں سیدھی کرنے کے لئے کھڑا ہونا حرام ہو جو ایسا کہتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

علمائے کرام سے سوال

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وآنجناب کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ودیگر ائمہ وبزرگان دین حین کے اسم ہائے مبارک ذیل میں درج ہیں ان کی نسبت جواب کو سوال کے محاذ ارقام فرمائیں اور ثواب دارین حاصل کریں (۱) بحالت نماز جماعت خلف امام سورہ فاتحہ پڑھتے تھے یا نہیں (۲) آیا آپ بحالت نماز جماعت ختم قرأت فاتحہ آمین بالجہر کہتے تھے یا نہیں (۳) آیا بحالت نماز رفع یدین کے عامل تھے یا نہیں آیا بحالت نماز زیر ناف باندھتے تھے یا سینہ پر (۴) ماہ رمضان المبارک میں تراویح معہ وتر کتنی رکعت پڑھتے حوالہ کتب معتبرہ شرعیہ سے تحریر فرمایا جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ، حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ، حضرت احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ (۱۴ دسمبر ۱۹۳۳ء)

از مولوی نور الٰہی صاحب نور گھر جاکھی خطیب شیخوپورہ

جواب: قرآن مجید بتارہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم اپنی مرضی سے نہیں دیا کرتے تھے بلکہ وہی فرماتے تھے جس کا حکم اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوتا تھا۔ (۲) رسول خدا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خدا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

کو ارشاد فرمایا۔
لا تقرؤا بشیئٍ من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن (ابوداؤد)
جب میں جہری نمازوں میں قرارت پکار کر پڑھوں تو تم اس وقت سوائے سورہ فاتحہ کے اور کوئی سورت قرآن کی میرے پیچھے نہ پڑھا کرو۔
(۳) فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کیونکہ جو شخص سورہ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ (مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ)
(۴) آثارِ صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پیارے رسولؐ کے احکام عالیہ کی تعمیل بڑے تپاک سے کرتے تھے۔ آپ کا فرمان سن کر حاضرین میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو فاتحہ خلف الامام کا قائل نہ ہو۔
(۵) چنانچہ امام ترمذی حدیث عبادہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔ والعمل علی ھذا الحدیث فی القراءۃ خلف الامام عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول مالک ابن انس وابن المبارک والشافعی واحمد واسحٰق یرون القراءۃ خلف الامام۔
اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا عمل فاتحہ خلف الامام پر تھا۔ اور امام مالک اور شافعی اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ (ترمذی ص ۴۳)
(۶) حارث اور یزید ابن شریک فرماتے ہیں۔ امرنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نقرأ خلف الامام۔ کہ ہم کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ امام کے پیچھے پڑھا کریں۔ (جزء القراءۃ للبیہقی ص ۹۶، مستدرک حاکم ص ۲۳۹، کنز العمال جلد ۴ ص ۱۰۷)
(۷) وعن علی انہ کان یامر ان یقرأ خلف الامام اور حضرت علی المرتضٰی شیر خدا رضی اللہ عنہ بھی فاتحہ خلف الامام کا حکم کیا کرتے تھے۔ (جزء القراءۃ ص ۶۲)
(۸) وعن الحسن انہ یقول اقرءوا خلف الامام فی کل صلوٰۃ بفاتحۃ الکتاب فی نفسک اور امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے ہر ایک نماز (خواہ سری ہو یا جہری) سورہ فاتحہ پڑھا کرو۔ (جزء القراءۃ للبیہقی ص ۳۴)
(۹) امام غزالی بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں جو شخص امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (دیکھو احیاء العلوم مصنفہ امام غزالیؒ)۔

(۱۰) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ بھی سری نمازوں میں فاتحہ کے جواز کے قائل تھے اور جہری نماز میں بھی اگر سکتات میں پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ (عمدۃ الرعایہ ص۱۷۳)

(۱۱) ملاجیون حنفی مصنف نور الانوار اپنی تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں۔ فان الطائفۃ الصوفیۃ والمشائخین الحنفیۃ تراھم یستحسنون قراءۃ الفاتحۃ للمؤتم کما استحسنہ محمد احتیاطا فیما روی عنہ۔ صوفیہ کرام اور مشائخ حنفیہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فاتحہ خلف الامام کو مستحسن اور اچھا سمجھتے تھے احتیاطاً جس طرح ہدایہ وغیرہ میں بھی ہے۔

(۱۲) امام نووی فرماتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام واجب ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی یہی مذہب ہے امام مالک اور امام شافعی اور جمہور علماء صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا (نووی شرح مسلم ص۱۷۰)

(۱۳) پیر عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ ارکان نماز میں سے ہے (غنیہ ص۱۰) اور اگر کوئی رکن جان بوجھ کر چھوڑ دے یا بھول جاوے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (لہٰذا فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے) (غنیۃ الطالبین ص۱۲)

(۱۴) عبداللہ بن مبارک شاگرد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ انا اقرء خلف الامام والناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین۔ کہ میں امام کے پیچھے پڑھتا ہوں اور تمام لوگ پڑھتے ہیں مگر کوفیوں کی قوم نہیں پڑھتی (ترمذی)

(۱۵) خلاصہ تمام مضمون کا یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بامر اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو فرمایا میرے پیچھے سورہ فاتحہ ضرور پڑھا کرو ورنہ تمہاری نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ حکم سن کر تمام جاں نثار فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل تھے خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ و علی مرتضیٰ وغیرہ تو حکماً پڑھوایا کرتے تھے۔ اسی طرح تابعین بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور ائمہ کرام میں سے امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد اور امام غزالی اور امام حسن اور دیگر ائمہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ (۱۷ مئی ۱۹۲۵ء)

(۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آمین بالجہر بعد قرات فاتحہ کہا کرتے تھے۔ وائل بن حجر کہتے ہیں۔ صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال امین ومد بھا صوتہ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پیچھے جب کبھی نماز پڑھی آپ نے ولا الضالین کے بعد آمین دراز آواز سے کہی ۔
(ترمذی ص۳۴، ابو داؤد ص۱۳۶، ابن ماجہ ص۶۲) تلخیص الحبیر ص۹۰، منتقیٰ ص۵۹،
دارمی ص۱۰۶، دارقطنی ص۱۲۷، مشکوٰۃ ص۸۰)

(۲) ایک روایت ہے :- اذا قرأ ولا الضالین قال آمین رفع بها صوته۔
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ ختم کی تو آپ نے بلند آواز سے آمین کہی ۔(ابو داؤد ص۱۳۶ وعون المعبود ص۲۵۱) ۔

(۳) ایک روایت میں ہے ۔ انه صلی خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجهر بآمین ۔ کہ وائل رضی اللہ عنہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے آمین بالجہر کہی ۔ (ابو داؤد ص۱۳۶)

(۴) علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے ۔
وسنده صحيح اور سند اس کی صحیح ہے ۔ وصححه الدارقطنی ۔ اور صحیح کہا اس کو دارقطنی نے (تلخیص الحبیر ص۸۹)

(۵) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ۔ حدیث وائل ابن حجر حدیث حسن ۔ کہ حدیث وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آمین پکار کر کہنے کا ذکر ہے حسن ہے ۔ (ترمذی ص۳۴)

(۶) اس حدیث کے آگے امام ترمذی فرماتے ہیں ۔ وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعين ومن بعدهم يرون ان يرفع الرجل صوته بالتامين ولا يخفيها وبه يقول الشافعی واحمد واسحق ۔
اور بہت سے اہل علم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین فرماتے ہیں کہ آمین پکار کر کہی جائے اور آہستہ نہ کہی جائے اور اس طرح امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اسحٰق فرماتے ہیں کہ آمین بالجہر کہنی چاہیے ۔ (ترمذی ص۳۴)

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرء ولا الضالین رفع صوته بآمین ۔
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین بلند آواز سے پکار کر کہتے ۔

(اعلام الموقعین جلد ۲ ص۷، کنز العمال جلد ۲ ص۱۸۷)

(۸) اور تحفۃ الاحوذی میں مولانا عبد الرحمٰن فرماتے ہیں۔ ولم یثبت من احد من الصحابۃ الاسرار بالتامین بالسند الصحیح۔
کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے بھی صحیح سند سے آمین آہستہ کہنا ثابت نہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ص۲۰۹)

(۹) حضرت عطا فرماتے ہیں۔ ادرکت مأتین من الصحابۃ اذا قال الامام ولا الضالین رفعوا اصواتھم بآمین۔
کہ میں نے مدینہ منورہ کی مسجد میں دو سو صحابہ کو دیکھا جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا تو سب کے سب بلند آواز سے آمین کہتے اور مسجد میں گونج پیدا ہو جاتی۔
(بیہقی جلد ۲ ص۵۹، اعلام جلد ۲ ص۵، قسطلانی جلد ۲ ص۸۵)

(۱۰) پیر عبد القادرؒ فرماتے ہیں:۔ والجھر بالقراءۃ والآمین۔
کہ جہری نمازوں میں جب قراءۃ بلند آواز سے پڑھی جائے اس میں آمین بھی پکار کر کہی جائے (غنیۃ الطالبین ص۱۰)

(۱۱) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ آمین بالجہر کو سنت قرار دیتے ہیں (احیاء العلوم)

(۱۲) خلاصہ مضمون یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نمازوں میں سورہ فاتحہ ختم کرنے کے بعد آمین پکار کر کہا کرتے تھے۔ اور آپ کے صحابہ کرام کا یہی دستور تھا۔
ائمہ اسلام بتبع سنت اسی طرف گئے ہیں امام حسن وحسین وزین العابدین رضی اللہ عنہم اپنے نانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل نہیں کرتے تھے۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ کا حال مجھے معلوم نہیں۔ کسی صاحب کو معلوم ہو تو لکھ دیں۔
آمین بالجہر کے متعلق زیادہ تفصیل منظور ہو تو میرا رسالہ اثبات آمین بالجہر جس میں تین سو حوالے دئے گئے ہیں مطالعہ فرمائیں۔

(نور حسین گھرجاکھی از شیخوپورہ)　　(۲۸ رجون ۱۹۳۵ء)
(اہلحدیث امرتسر)

نقل فتویٰ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہٗ

در بارہ قرأۃ فاتحہ خلف الامام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد نالائق و ناکارہ خلائق محمد غلام اکبر خان عفا عنہ الرحمٰن سُنی محمدی بھائیوں کی خدمت بابرکت میں عرض کرتا ہے کہ یہ ایک فتویٰ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ کا ہے۔ کہ جسے علماء کلکتہ نے سنہ ۱۲۵۶ھ میں جناب مرزا کریم بیگ صاحب مرحوم کے اس مجموعہ سے جس میں انہوں نے تمام خاندان حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتووں کو جمع کیا ہے چھاپ کر عالم میں شائع کیا تھا۔ اس عاجز نے اس فتوے کو واسطے فائدہ عام مومنین کے بخواہش چند احباب دین باعانت محبی سراج دین و مشفقی میاں انعام اللہ صاحب کے سنہ ۱۱۹۰ھ میں طبع کرا دیا۔ خدا تعالیٰ عام مومنین کو اس سے فائدہ بخشے اور رسالہ مذکورہ مطبوعہ کلکتہ عاجز کے پاس موجود ہے جن حضرات کو اس میں کچھ شک واقع ہو۔ وہ اس رسالہ کو ذرا تکلیف فرما کر بچشم خود دیکھ جاویں۔

سوال: از قرارت سورہ فاتحہ) مقتدی را باقتدائے امام در نماز بلاحظہ حدیث لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وآیہ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا چہ حکم خواہد شد واز قول ابی حنیفہ رح چناں معلوم شد کہ خواندن فاتحہ باقتدائے امام مقتدی را ممنوع ست ونزد شافعی رح بغیر خواندن فاتحہ عدم جواز الصلوٰۃ قرار یافتہ چہ باید کرد۔ وعمل بر فتوائے کدام بزرگ دریں امر مستحسن است۔ بینوا توجروا فقط۔

جواب: از مولانا شاہ عبد العزیز صاحب۔ خواندن سورہ فاتحہ باقتدائے امام مقتدی را نزد ابو حنیفہ رح ممنوع است ونزد شافعی رح بدوں خواندن سورہ فاتحہ عدم جواز الصلوٰۃ ونزد فقیر ہم قول شافعی رح ارجح است واولیٰ چراکہ بلاحظہ حدیث صحیح لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب بطلان نماز ثابت می شود۔ و قول ابو حنیفہ رح جائے وارد است کہ جائیکہ حدیث وارد شود و قول من خلافش افتد، قول مارا ترک باید نمود و بر حدیث عمل باید کرد۔ وحال آیہ کریمہ و اذا قرئ القرآن الخ ایں است

کہ ہرگاہ امام سورۂ دیگر ضم کند۔ مقتدی خاموش گردیدہ سماعت کند۔ نہ کہ برائے سورہ فاتحہ کہ ام الکتاب است مستثنیٰ است۔ از مفہوم بعض احادیث صحیحہ علمار محققین و محدثین و مفسرین دریں باب بسیار گفتگو می کردہ اند۔ منقح بریں معنی گردید کہ سورہ فاتحہ در پس امام باید خواند بایں طور کہ ہرگاہ امام لفظ الحمد بخواند مقتدی بشنود و بگوید الحمد للہ تا آخر سورہ بہمیں طور باخفار ضم کردہ باشد۔ و ہرگاہ امام بآمین برسد ہمہ مقتدیان بگویند بالمد والجہر آمین و ایں باب ہم در صحیح بخاری حدیثے وارد شدہ است الحال شان نزول موافق بیان و تحقیقات الشیخ الاکمل شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی دریافت باید کرد کہ پیغمبر خدا صلعم در مسجد مدینہ نماز ادا مے فرمودند و صحابہ نیز باقتدائے آنحضرت صلعم نماز مے خواندند تا ہر سورہ را کہ پیغمبر خدا صلعم بجہر ضم مے فرمودند و مقتدیان آن را بخفی مے خواندند ہرگاہ الحمد تمام نمودہ شروع سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِي الخ فرمودند صحابہ نیز بمتابعت شروع سورۂ مذکورہ نمودند۔ پس در ہمیں اثنا ایں آیت نازل گردید وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ پیغمبر خدا صلعم فرمودند قراءۃ لہ ازیں جا صاف ثابت شد کہ آیت مذکورہ برائے ممانعت سورۂ دیگر وارد گردید۔ نہ کہ برائے باز ہمہ صحابہ بہ تبعیت رسول اللہ صلعم سورۂ فاتحہ ہمیشہ ادا مے نمودند گاہے رسول اللہ صلعم ممانعت نہ فرمودند۔ لہذا لازم است کہ ضم فاتحہ مقتدی بہ تبعیت امام نیز کردہ باشد۔ داخل تابعان مفسرین و محدثین خواہد شد و ازیں معنی از ترک فاتحہ خلاف حدیث صحیح عملش واقع خواہد شد و چہ عجب کہ صحت ایں حدیث با امام ابو حنیفہؒ نرسیدہ باشد۔ ہرگاہ کہ الحال از صدہا و ہزارہا مردم علمار محققین مثل امام بخاریؒ و صاحب مسلمؒ و غیرہم صحت ایں حدیث ثابت شد از ترکش ملام و مطعون خواہد شد فقط۔

مختصر ترجمہ یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ مقتدی کا امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا اولیٰ اور بہت بہتر ہے۔

(مرسلہ مولوی عبدالعزیز قلعہ میاں سنگھ گوجرانوالہ ۔ اہلحدیث امرتسر ۱۱ رجمادی الثانی ۱۹۵۲ء)

فتویٰ خاندان دہلوی بابت فاتحہ خلف الامام

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتویٰ کا اردو ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ آپ کا اصل فتویٰ فارسی میں ہے جو اوپر لکھا گیا فقط۔ راز

سوال: سورہ فاتحہ پڑھنی مقتدی کو امام کے پیچھے بہ لحاظ حدیث لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب اور بلحاظ آیت شریف وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا کیا حکم ہوگا اور امام ابو حنیفہ رح کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ الحمد پڑھنا امام کے پیچھے منع ہے اور امام شافعی رح کے نزدیک بدوں پڑھے نماز جائز نہیں۔ کیا کرنا چاہیے اور کس کے فتوے پر عمل بہتر ہے؟

جواب: پڑھنا سورہ فاتحہ کا مقتدی کو امام کے پیچھے امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک منع ہے اور امام محمد رح کے نزدیک امام کے آہستہ پڑھنے میں (نماز سریہ میں) جائز بلکہ اولیٰ ہے اور نزدیک امام شافعی رح کے بغیر سورہ فاتحہ پڑھے نماز جائز نہیں اور نزدیک فقیر کے بھی قول امام شافعی کا ترجیح رکھتا ہے اور بہتر ہے کیونکہ بلحاظ حدیث صحیح لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے نماز باطل ہونا ثابت ہوتا ہے اور قول امام ابو حنیفہ کا جابجا وارد ہے کہ جس جگہ حدیث صحیح وارد ہو اور میری بات اس کے خلاف پڑے۔ تو میرے قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرنا چاہیے اور مطلب آیہ کریمہ کا یہ ہے کہ جس وقت امام دوسری سورت ملاوے تو مقتدی چپ رہے اور سنے تاکہ سورہ فاتحہ کے سوائے کہ ام الکتاب ہے اور مستثنیٰ ہے بعض احادیث صحیحہ کے مفہوم سے اور علماء محققین و محدثین و مفسرین نے اس باب میں بہت گفتگو کی ہے بالآخر تجویز یہ ہوئی کہ سورہ فاتحہ پیچھے امام کے مقتدی پڑھے اس طور کہ جس وقت امام لفظ الحمد پڑھے مقتدی سُنے اور کہے الحمد للہ آخر سورہ تک اسی طور سے باہستگی ملاوے اور جب امام آمین پر پہنچے تو سب مقتدی پکار کر آمین کہیں اور اس باب میں صحیح بخاری میں بھی ایک حدیث وارد ہے۔ اب شان نزول موافق بیان اور تحقیقات شیخ کامل شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے معلوم کرنا چاہیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے اور صحابہ بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور جس سورت کو آپ جہر سے پڑھتے مقتدی بھی آہستہ اس کو پڑھتے جب سورہ فاتحہ کو پڑھ کر سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی الَّذِیْ الخ شروع کیا تو صحابہ بھی بنظر اتباع پڑھنے لگے اسی اثناء میں یہ آیت نازل ہوئی تب رسول اللہ صلعم نے فرمایا قراءۃ امام قراءۃ مقتدی کی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت دوسری سورہ کے منع میں نازل ہوئی نہ کہ

سورہ فاتحہ کے لیے۔ اور پھر سب صحابہ پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سورہ فاتحہ ہمیشہ ادا کرتے رہے کبھی آپ نے منع نہ فرمایا پس لازم ہے کہ سورہ فاتحہ کو مقتدی امام کے پیچھے پڑھا کریں تابعداروں میں مفسرین اور محدثین کے داخل رہیں۔ اور سورۂ فاتحہ کے چھوڑنے میں خلاف حدیث صحیح کے ہوگا۔ اور کیا تعجب ہے کہ صحت اس حدیث کی امام ابوحنیفہ رح کو نہ پہنچی ہو اور جب کہ صدہا اور ہزارہا علماء محققین مثل امام بخاریؒ و صاحب مسلم وغیرہ رحمہم اللہ پر صحت اس کی ثابت ہوگئی تو اس کے چھوڑنے میں مطعون ہوگا۔ انتہی۔

قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ شاہ عبدالعزیزؒ و شاہ ولی اللہ صاحب کہاں تک حق بجانب ہیں کیا ان کا یہ قول قابل عمل نہیں؟ سلیم الطبع حضرات فوراً اس پر عمل پیرا ہوکر ثواب دارین کے مستحق ہوں گے۔ لیکن جو لوگ تقلید کے پیچھے اپنی قوت مدرکہ سلب کر چکے ہیں اور ہٹ دھرمی کا مادہ جن کے رگ رگ میں پیوست ہے وہ کسی حالت سے اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے اور ایسے لوگ میری تحریر سے مستثنیٰ ہیں یہ تو ان لوگوں کے لیے لکھا گیا جنہیں حق کی تلاش منظور ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ میں فرماتے ہیں: "و روی عن محمد انه استحسن قراءة الفاتحة خلف الامام فی السرية وروی مثله عن ابی حنيفة صرح به فی الهداية والمجتبیٰ شرح مختصر القدوری وغیرهما وهذا هو مختار كثير من مشائخنا"۔

یعنی امام محمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کو سری میں مستحسن بتایا ہے اور اسی طرح امام ابوحنیفہ رح سے روایت کیا گیا ہے اور اسی کو ہمارے بہت سے مشائخ نے اختیار کیا ہے۔

عبداللہ ابن مبارک (شاگرد امام اعظم) فرماتے ہیں انا اقرء خلف الامام و الناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین۔ میں اور لوگ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں مگر کوفے والوں میں سے ایک قوم (یہ اشارہ ہے امام اعظم صاحب کی طرف) علامہ شعرانی لکھتے ہیں "لابی حنیفة ومحمد قولان احدهما عدم وجوبها علی الماموم بل ولا تسن وهذا قولهما القديم وادخله محمد

فی تصانیفه القدیمة انتشرت النسخ الی الاطراف وثانیهما استحسانها علی سبیل الاحتیاط وعدم کراهتها عند المخافة للحدیث المرفوع لاتفعلوا الا بام القرآن وفی روایة لا تقرؤا بشیٔ اذا جهرت الا بام القرآن وقال عطاء کانوا یرون علی الماموم القراءة فی ما یجهر فیه الامام فی مالبیس فرجعا من قولهما الاول الی الثانی احتیاطا انتهی۔ کذا فی غیث الغمام حاشیة امام الکلام۔ خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مقتدی کو الحمد للہ پڑھنا نہ واجب ہے اور نہ سنت اور ان دونوں امام کا یہ قول پرانا ہے اور امام محمد رح نے اپنی قدیم تصنیفات میں اس قول کو درج کیا ہے اور ان کے نسخ اطراف وجوانب میں پھیل گئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مقتدی کو نماز میں الحمد پڑھنا مستحسن ہے احتیاطاً اس واسطے کہ حدیث مرفوع میں با آواز بلند قراءت کرو تو تم لوگ کچھ نہ پڑھو مگر سورہ فاتحہ اور عطاء نے کہا (عطاء کے متعلق امام اعظم رح فرماتے ہیں ما رأیت فیمن لقیت افضل من عطاء یعنی عطاء سے افضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (تخریج زیلعی ص۲۴۸ ج۱) کہ لوگ (صحابہؓ وتابعینؒ) کہتے تھے کہ نماز سری وجہری دونوں میں مقتدی کو پڑھنا چاہیئے پس امام ابوحنیفہ رح اور امام محمد رح نے احتیاطاً اپنے قول سے دوسرے قول کی طرف رجوع کیا۔ علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

"بعض اصحابنا یستحسنون ذلک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوٰة وبعضهم فی السریة فقط وعلیها فقهاء الحجاز والشام کذا فی غیث الغمام" ص۱۰۶۔

یعنی ہمارے بعض فقہاء حنفیہ نے ہر نماز میں خواہ سری ہو یا جہری امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو احتیاطاً مستحسن بتاتے ہیں اور بعض فقہاء فقط سری میں مکہ اور مدینہ اور ملک شام کے فقہاء کا اسی پر عمل ہے اور شیخ الاسلام مولانا عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں۔ لوکان فی فمی یوم القیمة جمرة احب الی من ان یقال لا صلوٰة لک۔ اگر قیامت کے روز میرے منہ میں آگ ہو تو یہ بہتر ہے

اس بات سے کہ کہا جائے کہ تیری تو نماز ہی نہیں ہوئی۔ مولانا موصوف کے اس کلام سے اشارہ ہے اس گھڑی اور ضعیف حدیث کی طرف کہ جو شخص امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے گا تو اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ بھرا جائے گا۔ ملا جیون صاحب نور الانوار تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں۔ فان رایت الطائفة الصوفية والمشائخ من الحنفية تراهم يستحسنون قراءة الفاتحة للمؤتم كما استحسنه محمد رح ايضا احتياطا فيما روى عنه انتهى۔ اگر جماعت صوفیہ اور مشائخین کو دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ لوگ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو مستحسن بتاتے ہیں جیسا کہ امام محمد رح استحسان کے قائل تھے۔ اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح نے امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو افضل بتایا ہے۔ دیکھو۔۔۔ حجۃ اللہ البالغہ اور اپنے والد ماجد شاہ عبد الرحیم صاحب کے متعلق فرماتے ہیں۔

"مخفی نماند کہ حضرت ایشاں در اکثر امور موافق مذہب حنفی عمل مے کردند الا بعض چیزہا کہ بحسب حدیث یا با وجدان بمذہب دیگر ترجیح مے یافتند از اں جملہ آنست کہ در اقتدا امام سورہ فاتحہ می خواندند و در جنازہ نیز" اور مولینا محمد اسمٰعیل شہید رح برادر زادہ شاہ عبد العزیز رح تنویر العینین میں فرماتے ہیں۔

يظهر بعد التامل في الدلائل ان القراءة اولى من تركها فقد قولنا فيه على قول محمد۔ تامل کے بعد دلائل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا بہتر ہے نہ پڑھنے سے پس اس مسئلہ میں ہمارا قول امام محمد رح کے قول کے موافق ہے۔ لباب الالباب حنفی شرح ھدایہ میں لکھتے ہیں انه لم يعتبر محمد رح خلاف من قال تفسد صلوة المقتدى بقراءة خلف الامام لانه بعيد عن قواعد الشرع انتهى "زبدة الالباب" یعنی امام محمد رح نے نہیں اعتبار کیا اس شخص کے خلاف کرنے کا جو کہتا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ یہ بات قواعد شرع سے بعید ہے۔ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نقل فرماتے ہیں وافقنا ابو حنيفة رح في ان القراءة خلف الامام لا تبطل الصلوة انتهى۔ ہماری موافقت ابو حنیفہ رح نے کی اس بات میں کہ الحمد امام کے پیچھے پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی

فتویٰ مذکور کی سند کے متعلق مولوی محمد سعید صاحب بنارسی مرحوم تعلیم المبتدی میں لکھتے ہیں کہ یہ فتوےٰ میں نے مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم دیوبندی کے مجموعہ قلمی میں جو انہوں نے اپنے والد ماجد مولانا مملوک علی صاحب مرحوم سے اور انہوں نے مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نواسہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے حاصل کیا تھا بچشم خود دیکھا تھا اور نیز علماء کلکتہ نے ۱۲۵۲ھ میں بزمانہ شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ مجموعہ مرزا کریم اللہ بیگ صاحب و مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب مرحوم سے جو انہوں نے مولانا عبدالحی صاحب مرحوم سے حاصل کیا تھا نقل لے کر طبع کرایا تھا۔ اور نیز مولانا جلال الدین احمد صاحب مرحوم اپنے رسالہ زبدۃ الالباب میں جو بزمانہ مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب مرحوم دہلوی ۱۲۵۱ھ میں طبع ہوا تھا۔ فتویٰ مذکور کی سند نقل فرماتے ہیں انتھیٰ۔ نسیم الانصاری موٗ آئمی الہ آبادی (رسالہ علوم حاضرہ) موٗ آئمہ اعظم گڑھ۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۹۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

سوال: چونہ کی دیوار یا چونہ سے پتی ہوئی دیوار پر تیمم جائز ہے یا نہیں؟ مسجدوں میں مسائل کے تختے کتنے لگے رہتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ مٹی کی جنس مثلاً پتھر کنکر چونہ گچ وغیرہ سے تیمم جائز ہے۔

جواب: تیمم کی بابت ارشاد ہے فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا۔ یعنی پاک مٹی پر تیمم کیا کرو۔ چونہ وغیرہ کو علماء حنفیہ نے مٹی پر قیاس کر کے جائز لکھا ہے۔ خاکسار کے نزدیک اس میں شبہ ہے۔ (۲۵ جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ)

سوال: مغرب کا وقت کتنے وقت تک رہتا ہے اور عشاء کا وقت مغرب سے کتنی دیر بعد شروع ہوتا ہے؟

جواب: نماز مغرب کا وقت مشرق میں سیاہی اٹھنے سے مغرب کی سرخی گم ہونے تک ہے۔ بعد سرخی گم ہو جانے کے نماز عشاء کا وقت ہے۔ بس یہی ہر موسم کا قانون ہے۔ (۱۶ رجب ۱۳۴۵ھ)

سوال: ظہر کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور عصر کی نماز آخر وقت ظہر سے کتنی دیر بعد پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب: سورج ڈھلنے کے وقت سے شروع ہو کر مسجد کی شرقی دیوار کا سایہ دیوار جتنا ہو جائے تو نماز عصر کا وقت ہو جاتا ہے۔ (۱۶ رجب ۱۳۴۵ھ)

اطلاع: اخبار اہلحدیث مؤرخہ یکم اپریل مطابق ۲۰ رمضان المبارک کے پرچے میں بجواب سوال ۱۰۱ جناب نے تحریر فرمایا ہے۔ مجھے کسی حدیث میں نہیں ملا دعا مانگنے کے لیے تمام طریق دست برداری آیا ہے وہ یہاں بھی لگایا جاوے تو جائز ہے۔ سو جواباً عرض ہے کہ جزء رفع یدین مؤلفہ امام بخاری صفحہ ۲۸ میں ہے۔ حدثنا مسدد ثنا یحییٰ بن سعید عن جعفر قال حدثنی ابو عثمان قال کنا نحن و عمر یؤم الناس ثم یقنت بنا عند الرکوع یرفع یدیہ حتی یبدو کفاہ الی آخرہ۔ ابو عثمان روایت کرتے ہیں کہ عمرؓ ہم لوگوں کو امامت کراتے تھے پھر رکوع کے وقت ہاتھ اٹھا کر قنوت کرتے تھے اس میں مطلق قنوت میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ عام اس سے کہ قنوت وتر ہو۔ یا قنوت فجر اور سوال میں قنوت وتر کا ذکر ہے سو اس کے متعلق صفحہ ہذا کی اگلی حدیث میں تصریح ہے۔

حدثنا عبد الرحیم المحاذی ثنا زائدۃ عن لیس عبد الرحمٰن بن الاسود عن ابیہ عن عبد اللہ انہ کان یقرء فی آخر رکعۃ من الوتر قل ھو اللہ احد ثم یرفع یدیہ ... فیقنت قبل الرکعۃ۔ حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ وہ آخر رکعت وتر میں قل ھو اللہ پڑھتے تھے۔ اور رکوع سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علاوہ دعا میں عام طریق دست برداری کے خاص قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ ھذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ (۱۹ شوال ۱۳۲۲ھ)

سوال: سرور کائنات فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہر نماز کی نیت کس طرح باندھتے تھے اور آج اہل حدیث کس طرح باندھتے ہیں۔ اگر نیت باندھنے میں فرض سنت وغیرہ کا نام نہ لیا جاتا تھا۔ تو سب نمازوں میں فرق کیا ہے اور یہ مشہور ہے کہ ہر وقت کی نماز میں اتنے سنت و فرض ہیں۔ وہ کون سی حدیث ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر وقت کی نماز میں اتنے فرض و سنت ہیں جس میں بتایا گیا ہے۔

جواب: محدثین کے نزدیک نماز کے دو حصے ہیں۔ مکتوبہ اور تنفل سنت موکدہ غیر موکدہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔ نیت دل کا فعل ہے۔ ہم روز نیت کرتے ہیں اور لفظ کبھی ہمارے منہ سے نہیں نکلتا۔ محض دل میں ہوتا ہے کہ ہم وہ نماز پڑھنے لگے ہیں

جس کو فرض کہا جاتا ہے اور اب وہ پڑھتے ہیں جن کو سنّت یا نفل کہا جاتا ہے۔ مُنہ سے لفظ کوئی نہیں نکلتا۔ نہ ضرورت ہے۔ اللہ اعلم۔ (۲۹ اپریل ۱۹۲۷ء)

سوال: بعد نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا بدعت ہے؟ اگر نہیں تو جو شخص بدعت خیال کرے وہ کس درجہ کا مسلمان ہے۔

جواب: بعد نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے نہ بدعت۔ کیونکہ ایک دو ضعیف روایتوں میں ثبوت ملتا ہے جن سے نہ سنّت ثابت ہوتی ہے نہ بدعت۔ کہہ سکتے ہیں جو اس کو بدعت کہتا ہے اُسے حضرت میاں صاحب دہلوی کا فتوٰی اس مسئلہ کے متعلق دیکھنا چاہیئے تاکہ بدعت کہنے میں جلدی نہ کرے۔ (۱۰ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ)

شرفیہ: بات یہ ہے کہ اس معاملہ میں افراط وتفریط ہو رہی ہے بعض مجوز ترک کو کبھی بھی جائز نہیں جانتے یہ بھی زیادتی ہے اور فریق مانع کا یہ غلو ہے کہ وہ اس دعاء سے جو بحکم حدیث نبوی بعد فرائض ہاتھ اٹھا کر پھیلا کر اللہ تعالیٰ سے اپنے مطلب کی درخواست کی جاتی ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعد فرائض برفع یدین دعاء کی ہے اور امت کو بھی ترغیب دی ہے فرمایا ہے کہ یہ وقت قبولیت دعاء کا ہے پھر یہ بھی فرمایا کہ دعاء کا یہ بھی طریقہ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دُعاء کی جائے اس لئے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے دربار سے اپنے بندے کو خالی ہاتھ پھیرنے سے شرم آتی ہے یعنی پھر قبول فرماتا ہے تو ان مانعین کو اس سے سخت نفرت ہوتی ہے اور اٹھ کر ایسے بھاگتے ہیں جیسے کوئی ہائے سے ... بھاگتا ہے گویا یہی سنت کے عامل ہیں دوسرے نہیں کہتے کیا ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہی نہیں نہ قولاً نہ فعلاً بعض کہتے ہیں اگر ہے تو اس پر دوام ثابت نہیں یا لزوم ثابت نہیں کوئی ان سے پوچھے کہ جناب جو کام آپ کرتے ہیں کیا یہ فعل یا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے جیسے آپ سلام پھیرتے ہی جوتی سنبھال اُٹھ بھاگتے ہیں پھر کیا یہ اگر ہے تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوام ثابت ہے یا آپ نے اس کو لازم قرار دیا ہے اور اگر یہ آپ ثابت نہیں کرتے اور آپ نے اس کو لازم کر لیا ہے تو پھر

"این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند" سچ ہے

ہر یکے ناصح برائے دیگراں ؎ ناصح خود یافتم کم در جہاں

میں کہتا ہوں اصل بات یہ ہے کہ بحکم قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ پ ۳ ع ۱۲۔ جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے اس میں یہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سنت پر بلکہ اپنے فعل پر دوام کیا ہے یا قولاً اس پر دوام کا حکم دیا ہے پھر جب تک کہ اس کا نسخ یا اور کوئی خلاف وجہ ثابت نہ ہو اس پر بلا چون و چرا عمل جائز باعث ثواب ہے ورنہ طرفین کا بہت سی سنتوں پر عمل کرنا مشکل ہو گا جن پر ان کا عمل ہے اور دوام کی نص صریح نہیں باقی رہا استدلال دوام پر کان یفعل کذا سے تو یہ صحیح نہیں یہ حکم اکثری ہے کلی نہیں بلکہ بعض مقام میں اکثری بھی نہیں۔ آپ مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ یا نیل الاوطار وغیرہ بلکہ احادیث منقولہ در ہی تحریر ہی کو ملاحظہ کر کے تمام حدیثوں کے کان یفعل کذا کو آپس میں تطبیق دیجئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ دوام نہیں ورنہ تناقص معلوم ہو گا ولیس کذالک فی نفس الامر بل فی فہم الفاہم خلاصہ یہ کہ اگر مانعین کے دلائل ثابت بھی ہوں تو ان سے اُن کے عمل کا جواز ثابت صرف ہو گا نہ کہ دوام اور یہ نہیں کہ اس کے سوا جو اور حدیثوں سے ثابت ہے وہ جائز نہ ہو بلکہ وہ راجح ہو گا۔ اس لئے کہ مجوز مثبت فعل یا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور مانع عدم کا مدعی اور عدم سے وجود اولیٰ و افضل ہے جیسے بفرض تسلیم قول احناف رفع یدین فی الصلوٰۃ و عدم رفع کہ مدعی رفع یدین مثبت وجود ہے اور اس کا خلاف عدم محض لہٰذا مثبت مقدم ہے منافی پر کما تقرر فی اصول الحدیث اور میں نے مانعین کے دلائل کو لفظ اگر سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ ان کے دلائل ترک دعا یا ترک دعا برفع الیدین پر نص نہیں اس لئے کہ مسند عبد الرزاق کی روایت عن انسؓ قال صلیت وراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان ساعۃ یسلم یقوم ثم صلیت وراء ابی بکر فکان اذا سلم وثب فکانما یقوم عن رضفہ انتہی ولم یذکر سندہ بکمال ولا صحتہ او سقمہ۔

پس بفرض صحت اس میں عدم دعا یا دعا برفع یدین کی نفی کی نص نہیں صرف مانعین کا استنباط ہے اس لئے کہ سلام پھیرنے کی ساعت میں اٹھنے سے دعا یا رفع یدین کی نفی لازم نہیں دعا یا رفع یدین بدین قلیل مدت میں بھی ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا تھا کما سیاتی یہ قلت کثرت ذکر مقابلہ میں ہے کہ آپ نے کم ذکر کیا کبھی زائد امام شوکانی

نے قعدہ اولیٰ میں صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث میں یہی وجہ لکھی ہے جو میں نے لکھی ہے صلاہ۲ ج۲۔ پس بعد فرض نماز جلدی اُٹھنے سے دعا ء برفع یدین کی نفی ثابت نہیں بوجہ مذکور پس ثابت ہوا کہ مانعین کا استدلال صریح سنت سے نہیں ہاں سنت سے انکار استنباط واجتہاد غلط ہے جس پر اتنا ناز ہے کہ الٹا چور کو توال کو ڈانٹے۔ سچ ہے۔ دعویٰ اتنا بڑا اور دلیل ایک بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر کوئی صاحب صریح سنت سے ثابت کردیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بعد نماز فرض بعد سلام فوراً بلادعاء بلارفع یدین اٹھنا لازم ہے یا کوئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ تصریح کردیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد سلام پھیر کر فوراً بلادعاء وبلا رفع یدین اٹھ جایا کرتے تھے کبھی بھی آپ بعد سلام ذرا دیر بھی نہیں بیٹھتے تھے اور نہ ہی آپ نے بعد سلام دعاء یا ذکر وہیں بیٹھ کر کیا یا ہاتھ نہیں اٹھائے تو بیشک مانعین کا استدلال صحیح ہوگا مگر صحیح حدیث سے ثابت کرنا ہوگا ایسی ویسی بے ثبوت روایت سے نہیں واذ لیس فلیس اور یہ نہ ہوا اور نہ ہی انشاء اللہ ہوگا تو پھر مجوزین کا عمل بالسنت ثابت ہوا اس پر عمل صحیح دگر رہا اعتقاد لزوم ووجوب تو یہ سوا فرائض کسی سنت کا بھی صحیح نہیں عمل صحیح ہے اب مجوزین کے دلائل ملاحظہ ہوں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد نماز فرض اذکار و ادعیہ قلبیہ وکثیرہ ثابت ہیں اور رفع یدین بالدعا بھی اور آپ نے ترغیب بھی اس امر پر فرمائی ہے اور آپ کبھی کبھی بعد نماز فرض جلدی نہیں بھی اُٹھتے تھے خاصی دیر وہیں جلوس افروز ہوتے عن جابر بن سمرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقوم من مصلاہ الذی یصلی فیہ الصبح حتی تطلع الشمس فاذا طلعت الشمس قام الحدیث بطولہ صحیح مسلم مشکوٰۃ ص۸۹ ج۲

عن ام سلمۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم قام النساء حین یقضی تسلیمہ وھو یمکث فی مکانہ یسیرا قبل ان یقوم الحدیث رواہ احمد والبخاری نیل الاوطار ص۲۶۵ ج۲ وعن یزید بن الاسود قال حججت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع قال فصلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح ثم انحرف جالسا فاستقبل بوجہ وذکر قصۃ رجلین اللذین لم یصلیا ونھض رواہ احمد وابوداؤد والنسائی و

الترمذی وقال حسن صحیح نیل الاوطار ص۲۶۳ ج۲ ۔ وعن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم لم یقعد الا مقدار ما یقول اللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ رواہ احمد ومسلم والترمذی وابن ماجہ نیل ص۲۶۲ ج۲ ۔ عن ام سلمۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اذا صلی الصبح حین یسلم اللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَیِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا رواہ احمد وابن ماجہ وابن ابی شیبۃ نیل الاوطار ص۲۶ ج۲ ۔ وعن المغیرۃ بن شعبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ الی آخر الکلمات متفق علیہ " نیل " ص۲۵۸ وعن سعد انہ کان یعلم بنیہ ھولاء الکلمات ویقول ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتعوذ بھن دبر الصلوۃ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ رواہ البخاری مشکوۃ ص۸۸ ج۱ وعن ابی امامۃ قال قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات رواہ الترمذی وحسنہ قال الامام الشوکانی فیہ تصریح بان اللیل ودبر الصلوات المکتوبات من اوقات الاجابۃ وعند الترمذی وقال حسن صحیح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال فی دبر صلوۃ الفجر وھو ثان رجلیہ قبل ان یتکلم لا الہ الا اللہ وحدہ الی آخر الکلمات عشر مرات کتب اللہ لہ عشر حسنات الحدیث وورد مثل ھذہ الکلمات عنہ صلی اللہ علیہ وسلم عقب المغرب والفجر بخصوصھما عند احمد والنسائی نیل الاوطار ص۲۶ تا ص۲۶۱ ج۲ وعن محمد بن یحیی الاسلمی قال رایت عبد اللہ بن الزبیر ورای رجلا رافعا یدیہ قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منھا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ

رواہ الطبرانی وقال فی مجمع الزوائد رجالہ ثقات نسخہ قلمی صـ۲۲۴ ج۲ وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلیتم الصبح فافرغوا الی الدعاء وبکروا فی طلب الحوائج الحدیث کذا فی کنز العمال صـ۱۷۱ ج۱ بحو الصحیح مسلم وابوداؤد والنسائی صـ۲۶ وغیرھم وعن مالک ابن یسار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم رواہ ابوداؤد والترمذی وفیہ ضعف لکنہ اخرجہ ابن ماجۃ والطبرانی والحاکم فی المستدرک عن ابن عباس وحسنہ فی الجامع الصغیر وایضاً عند ابن ماجۃ عن ابن عباس مرفوعاً اذا دعوت اللہ فادع اللہ ببطن کفیک وحسنہ ایضا فی الجامع الصغیر للامام السیوطی وعن ابی بکرۃ مرفوعاً سلوا اللہ ببطون اکفکم رواہ الطبرانی فی الکبیر رجالہ رجال الصحیح غیر عمار بن خالد الواسطی وھو ثقۃ مجمع الزوائد فتاوی نذیریہ صـ۲۴۶ لفظ اذا دعوتم یا اذا دعوت میں کلمہ اذا عام ہے۔ اس سے اصطلاح شرعیہ میں موجبہ کلیہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسعید بن معلیٰ کو بلایا وہ نماز میں تھے نہ آئے بعد نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ میں نے تم کو بلایا تھا تم کیوں نہیں آئے انہوں نے نماز کا عذر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیۃ شریفہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ سے آپ کے بلانے پر فوراً آپ کے پاس آنے یا جواب دینے پر اس آیت سے استدلال کیا۔ فرمایا اَلَمْ یَقُلِ اللّٰهُ الخ صحیح بخاری صـ۶۴۳ ج۲ پس اذا سالتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم سے بوقت دعا ہاتھ اٹھانا سنت سے ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگو دعا کرو ہاتھ اٹھا کر مانگو اور خصوصاً بعد نماز فرض وقت اجابت دعا کا ہے ہاتھ اٹھا کر مانگو اور یہ بھی ثابت ہے کہ جب بندہ ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو خالی ہاتھ پھیرنے سے اس کو شرم آتی ہے لہٰذا وہ ضرور دیتا ہے۔ عن سلمان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربکم حی کریم یستحی من عبدہٖ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفرا رواہ الترمذی

وابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر واحمد وابن ماجۃ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط الشیخین (الترغیب والترھیب) وکنز العمال فتاویٰ نذیریہ ص۳۴۶ ج۱ وعن ابی صالح عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یسئل اللہ یغضب علیہ التی ضعفہ ابن معین وقواہ ابوزرعۃ والحدیث اخرجہ ایضا احمد والبخاری فی الادب المفرد وابن ماجۃ وابن ابی شیبۃ والبزار والحاکم تنقیح الرواۃ ص۶۷ ج۲ وعن النعمان ابن بشیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الدعاء ھو العبادۃ وقال ھذا حدیث حسن صحیح واخرجہ ایضا البخاری فی الادب المفرد وابن حبان والحاکم وابن ابی شیبۃ والبیہقی تنقیح الرواۃ ص۶۶ ترمذی ص۱۷۳ ج۲۔

خلاصہ یہ کہ بعد نماز فرائض ہاتھ اٹھا کر دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور قول دونوں سے ثابت ہے اور دوام کی تلاش لغو ہے ورنہ مانع کو بھی اپنے طریق یعنی سلام پھیرتے ہی اٹھ بھاگنے کا پہلے ثبوت پھر دوام کا ثبوت دینا ہوگا نیز یہ کہ بعد فرائض آخر کیا صورت اختیار کی جائے اس کا ثبوت بذمہ مانع ہے جب ساری باتیں ثابت ہوچکیں تو اب "ہیئت کذائیہ" کی رٹ فضول اور صرف بہانہ بازی ہے جو لغو ہے سنت سے بعد فرائض ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اوپر ثابت ہوچکا امام کے ساتھ دعا کرنا بھی سورہ فاتحہ کے بعد آمین بلند آواز سے کہنے پر اشارہ ہے نیز جماعت میں قبولیت کی بھی امید زائد ہے اور اس میں اتحاد و محبت و اتفاق کا زیادہ ہونا بھی ہے صحیح بخاری کی طویل حدیث میں ہے کہ جب بہت لوگ مل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کا حال فرشتوں سے دریافت کرتا ہے کہ وہ کیا مانگتے ہیں فرشتے کہتے ہیں کہ وہ جنت مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم گواہ رہو میں نے ان کو بخش دیا مشکوٰۃ ص۱۹۷ ج۱ یہ فائدہ جماعت میں مل کر دعا مانگنے کا ہے۔ خصوصاً بعد فرائض خصوصاً برفع یدین خصوصاً جماعت کے ساتھ مل کر دعا کرنے میں اور اگر ایسے ہی بے فائدہ حجت بازی سے یا مطالبۂ دوام" یا ہیئت کذائیہ کے عذر تراشیں گے تو پھر جن سنتوں پر وہ عمل کرتے ہیں ان پر بھی یہی اعتراض ہوگا مثلاً بعد

تکبیر تحریمہ دعائے ثنا تسبیحات رکوع و سجود الغرض ہر ایک ذکر دعا مع ہیئت کذائیہ بالدوام ایسے ہیں اور بھی بہت سی سنتیں ہیں جن پر عمل عموماً اہل حدیث کا ہے مگر یہ "ہیئت کذائیہ" دوام و لزوم کا ثبوت صریح نہیں ولعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ واللّٰہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

تشریح از حضرت مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری۔ احادیث سے صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے لیکن اس کا التزام یہاں تک کہ اس کے تارک پر انکار و ملامت کیا جائے بلاشبہ بدعت ہے۔ مطلق جواز و سنت کے ثبوت کے لیے "تحفۃ الاحوذی" دیکھئے اور التزام کے بدعت ہونے کے لئے الاعتصام للشاطبی پڑھئے میں بغیر التزام کیے ہوئے کبھی کبھی ہاتھ اٹھا کر دعا کر لیا کرتا ہوں فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو مطلقاً بدعت کہہ دینا غلو اور زیادتی ہے حفظنا اللّٰہ۔

(رسالہ مولانا عبدالرؤف جھنڈے نگری) نقل فتویٰ حضرت مولانا سید نذیر حسین رحمۃ اللّٰہ علیہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب: ہاتھ اٹھا کر بعد نماز فرض کے دعا مانگنا درست ہے کتاب عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی میں ہے۔ حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحٰق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوۃ ثم یقول اللّٰھم الٰھی واِلٰہ ابراہیم واسحٰق ویعقوب واِلٰہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنا الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللّٰہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین۔

یعنی انس رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ ہر نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر کہے اللّٰھم الٰھی واِلٰہ ابراہیم الخ تو اللّٰہ تعالیٰ

اس کے دونوں ہاتھوں کو نامراد نہیں پھیرتا ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے۔ اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی عبدالعزیز بن عبدالرحمن اگرچہ متکلم فیہ ہے جیسا کہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مذکور ہے لیکن اس کا متکلم فیہ ہونا ثبوت جواز و استحباب کے منافی نہیں کیونکہ حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔ قال فی فتح القدیر فی الجنائز والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع قال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا ابو معمر المقری حدثنی عبد الوارث حدثنا علی بن زید عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدہ بعد ما سلم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولید بن الولید وعیاش بن ابی ربیعۃ وسلمۃ بن ھشام وضعفۃ المسلمین الذین لا یستطیعون حیلۃ ولا یھتدون سبیلا من ایدی الکفار ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیر آیۃ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً وَّلَا یَھْتَدُوْنَ سَبِیْلًا۔

یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد سلام پھیرنے کے اپنے ہاتھ کو اٹھایا اور آپ قبلہ رو تھے پس کہا اللھم خلص ولید بن الولید الخ۔ اس حدیث کے راویوں میں علی بن زید ہے جس کو حافظ ابن حجر نے تقریب میں ضعیف کہا ہے لیکن اس کا ضعیف ہونا ثبوت جواز و استحباب کے منافی نہیں ہے کما مر۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ عن الاسود بن عامر عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث یعنی عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ پس جب آپ نے سلام پھیرا تو قبلہ کی طرف سے منحرف ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور دعا کی۔ ان احادیث سے بعد نماز فرض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قولاً و فعلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا۔ واللہ اعلم حررہ العاجز عین الدین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۲۹۶

سوال: نماز با جماعت ہو رہی ہے۔ مقتدی کا دو رکعت پڑھنے کے بعد وضو ٹوٹ گیا

اس کے بعد وضو کرتے کرتے امام نے ایک رکعت پڑھ لی۔ وہ چوتھی رکعت میں آکر شامل ہوا۔ اب وہ پہلی رکعتیں شمار کرے گا یا ساری نماز دہرائے گا۔ جواب باسند ہو۔ اسی طرح اگر چوتھی رکعت کے رکوع سے پہلے وضو ٹوٹ جائے اور وضو کرتے امام سلام پھیر لے تو اب مقتدی کیا کرے؟

جواب: وضو ٹوٹ جانے کے بعد کیا کرے۔ اس کے متعلق دو مذہب ہیں۔ ایک یہ کہ جدید وضو کر کے نماز نئے سرے سے شروع کرے۔ امام کے ساتھ جو رکعت پائی اسے اپنی پہلی سمجھے۔ اور اگر امام فارغ ہو چکا ہے تو اپنی نماز سرے سے شروع کرے جس طرح ممکن ہو۔ غرض بالکل نئی نماز ہے۔ یہ مذہب محدثین کا ہے اس کے متعلق ایک حدیث آئی ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ وضو کر کے آئے تو جتنی پہلے پڑھ چکا ہے اسے محسوب کرے اور باقی پڑھے۔ اگر امام فارغ ہو چکا ہے تو بقیہ نماز مسبوق کی طرح اکیلا پڑھے یہ مذہب حنفیہ کا ہے۔ اس کے متعلق جو حدیث آئی ہے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں میرا ناقص علم اس میں یہ ہے کہ میں نئے سرے سے نماز پڑھنا اولیٰ اور بنا کو جائز جانتا ہوں۔ اللہ اعلم (۱۴ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ)

بزرگان دیوبند اور اہل حدیث

حضرات ناظرین! آجکل دیوبندی حضرات کی تحریرات و تقریرات سن کر اور دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جس وقت وہ جماعت اہل حدیث کے مخصوصہ مسائل پر مذہبی زلزلہ گراتے ہیں اور ان کو لامذہب وغیر مقلد و ظاہر پرست وغیرہ القاب سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ مسائل مقبولہ و مسلمہ ہیں جن کو بزرگان دیوبند جیسے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تسلیم کر چکے ہیں۔

آہ کیا وہ متبعین علماء دیوبند جو نسبت حنفیت کے ساتھ اپنا رشیدی و محمودی ہونا بھی فخر سمجھتے ہیں آج کیا ان اقوال بزرگان دیوبند سے انحراف و اعتساف کو عمل فرما کر اپنے بزرگوں سے منہ پھیر لیں گے؟ ہمارا فرض ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے بزرگان دیوبند کے وہ اقوال جو حق پر مبنی ہیں اور مسائل بخصوصہ اہلحدیث کی اپنے اقوال حق میں تصدیق حق فرما چکے تھے آپ کے گوش جان کر دئے جائیں ۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

سنئے! سرگروہ دیوبند حضرت مولینا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ کو ایک مرید خاص بھوپال سے استفتاء بھیجتے ہیں کہ اہل بھوپال تکبیرات عیدین خلاف مذہب حنفیہ کہتے ہیں ان کی اقتداء کروں یا نہیں۔

مولانا رشید احمد صاحب رح جواب میں لکھتے ہیں کہ عیدین میں جس قدر تکبیرات امام وہاں کا کہا کرے تم بھی باتباع اُس کے اُسی قدر کہا کرو یہ مسئلہ صحابہؓ میں مختلف ہوا ہے۔ امام ابوحنیفہ رح نے تین تکبیروں کو پسند کیا اور دیگر ائمہ نے زیادہ کو قبول کیا۔ اہل بھوپال تیرہ تکبیر کہتے ہیں۔ چونکہ یہ بھی احادیث سے ثابت ہے تم خلاف مت کرو امام کی طاعت کرو۔ ایسی صورت میں اطاعت امام کی ضروری ہے۔" (دیکھو مکاتیب رشیدیہ صفحہ 96)

ایسے ہی مسئلے آٹھ رکعت تراویح کی بابت مولانا رشید احمد صاحب رح گنگوہی اپنے رسالہ الحق الصریح صفحہ 22 میں فرماتے ہیں۔ گیارہ رکعت تراویح (مع وتر) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت و مؤکدہ ہے۔ اور رسالہ رای النجیح کے صفحہ 11 میں لکھتے ہیں کہ جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب میں گیارہ رکعت تراویح (مع وتر) بجماعت پڑھی۔ رواہ ابن خزیمہ و ابن حبان فی صحیحہما

(کتبہ ابو محمد عبدالجبار کھنڈیلوی حال نزیل دہلی) (20 مئی 1927ء)

سوال: ایک مسجد کا امام صبح کی نماز میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھا کرتا ہے۔ ایک مصلی امام مذکور کو بدعتی کہتا ہے کیونکہ دعاء قنوت کا پڑھنا بدعت ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں کہتا ہے۔ آیا صبح کی نماز میں ہمیشہ دعاء قنوت کا پڑھنا سنت ہے یا بدعت یا جائز ہے۔ بیان کریں۔

جواب: دعاء قنوت صبح کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے علماء کہتے ہیں کہ مصیبت کے وقت پڑھنی جائز ہے۔ لیکن کوئی اگر ہمیشہ بھی پڑھتا ہے تو بدعتی نہیں۔ کسی ایسے فعل کے کرنے پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ بھی ثابت ہو بدعتی کہنا جائز نہیں۔ جس راوی نے قنوت کو بدعت کہا اس کو پڑھنے کا علم نہیں تھا بے خبری میں کہا۔ مگر جو شخص مانتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے وہ بدعت کہے تو جائز نہیں۔ (23 ذی الحجہ 1345ھ)

سوال: ایک مسجد کا امام بعد نماز فرض کے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا کرتا ہے بعض لوگ آمین کہتے ہیں بعض دعا ہی نہیں مانگتے جو دعا نہیں مانگا کرتے وہ کہتے ہیں بعد فرض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے۔ ایسے کے پیچھے نماز جائز نہیں کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہے یا بدعت ہے

جواب: بعد نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ذکر دو روایتوں میں آیا ہے جن کو حضرت میاں صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتوے میں نقل کیا ہے۔ گو وہ ضعیف ہیں مگر ضعیف حدیث کے ساتھ بھی جو فعل ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہوتا ایسا تشدد کرنا اچھا نہیں۔ (۲۳ رذی الحجہ ۱۳۴۵ھ)

سوال: ایک شخص مسلمان ہونے کے باوجود دیدہ دانستہ نماز پڑھتا۔ جس وقت اس کو پڑھنے کے لئے کہا جاتا ہے تو لیت ولعل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نماز ادا کرنے کے لئے پوشش۔ خورد و نوش حلال وطیب ہونا چاہیئے۔ لہٰذا نماز ادا نہیں کرتا ایسے شخص کے عذرات کہاں تک درست ہیں؟ اور ایسے شخص کے لئے قرآن وحدیث کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ عذر اس کا باطل غلط ہے وہ شخص شریعت میں تارک الصلوۃ ہے اور حدیث کا مصداق ہے۔ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ۔

(۶ صفر ۱۳۴۶ھ)

سوال: اہل حدیث کے نزدیک گاؤں میں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ مگر کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود کسی گاؤں میں جمعہ پڑھایا ہو۔ یا کسی بستی یا گاؤں والوں کو جمعہ پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ اور نہ آپ کے زمانہ میں مدینہ شریف کے گرد و نواح میں نزدیک یا دور کسی گاؤں میں جمعہ پڑھنا پایا گیا ہے بلکہ جو لوگ دیہات میں جمعہ پڑھنا چاہتے تھے وہ بھی مدینہ آکر جمعہ پڑھ جاتے تھے اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو قبا میں کئی دن رہے اور ایک مسجد بھی وہاں بنوائی مگر جمعہ کے دن قبا میں جمعہ نہیں پڑھایا اور وہاں سے روانہ ہو کر مدینہ میں آکر جمعہ پڑھایا۔ بلکہ قبا والوں کو حکم دیا کہ مدینہ میں آکر جمعہ پڑھا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔

جواب : دیہات میں جمعہ کے جواز پر امام بخاریؒ نے دو روایتیں لکھی ہیں۔ ایک ابن عباس کی روایت ہے کہ مسجد نبوی میں جمعہ قائم ہونے کے بعد جواثی (گاؤں) میں جمعہ قائم ہوا تھا۔ گو اس روایت میں اس بات کا ذکر نہیں کہ باجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تھا مگر صحابہ کرام کی عام عادت یہ تھی کہ اس قسم کے کام اجازت ہی سے کیا کرتے تھے۔ دوسری حدیث امام ممدوح لائے ہیں جس کا مضمون ہے کہ تم مسلمانوں میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک کو محکوم سے سوال ہوگا۔ میں کہتا ہوں جمعہ کی فرضیت بالاتفاق ہے ہاں اس کو بعض شرائط میں اختلاف ہے۔ منجملہ شہر کا ہونا بھی شرط لگائی جاتی ہے۔ اس کا ثبوت کسی صحیح حدیث مرفوع سے نہیں ہے۔ لہٰذا جمعہ ہر مسلمان بالغ مرد پر فرض ہے رہا یہ کہ گاؤں والے مدینہ میں آکر پڑھتے تھے۔ بہ نیت فرض نہ آتے تھے بلکہ بہ نیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جماعت نبویہ در مسجد نبوی۔ لاغیر ایام قیام قبا میں جمعہ فرض نہ ہوا تھا۔ اللہ اعلم۔ (۵ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ)

جمعہ فی القریٰ : (از قلم مولوی محمد عبدالسلام صاحب مبارکپوری)۔ آیت جمعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ شہر کا رہنے والا ہو یا دیہات کا یا کسی اور مقام کا۔ اور اقامت جمعہ ہر مقام میں جائز ہے۔ خواہ شہر ہو یا قریہ یا صحرا۔ کیونکہ آیت جمعہ ہر مکلف کو عام ہے اور بالتخصیص ہر مقام کو شامل مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے۔ دلیل الافتراض من کلام اللہ تعالیٰ علی العموم فی الامکنۃ۔ انتہی۔ اور حدیث لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ اِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ سے قریہ میں اقامت جمعہ کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث موقوف (یعنی حضرت علی کا قول) ہے ساتھ اس کے محتمل بھی ہے۔ اور ایسی حدیث جو مشہور ہو اور ساتھ اس کے محتمل بھی ہو تو اس سے عندالاحناف زیادت علی الکتاب جائز نہیں ہے۔ علامہ عینی حنفی نے بنایہ میں حدیث لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا یہ جواب دیا ہے۔ ولئن سلمنا انہ مشہور فالزیادۃ بالمشہور انما یجوز اذا کان محکما اما اذا کان محتملا فلا وھذا الحدیث محتمل لنفی الجواز ویستعمل لنفی الفضیلۃ لقولہ علیہ السلام لَا صَلٰوةَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِي الْمَسْجِدِ۔ یعنی اگر ہم تسلیم کرلیں کہ یہ حدیث مشہور ہے تو حدیث مشہور سے زیادۃ علی الکتاب اسی صورت میں

جائز ہے کہ حدیث محکم ہو لیکن جب محتمل ہو تو جائز نہیں ہے اور یہ حدیث محتمل ہے. کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ نفی جواز مراد ہو۔ اور احتمال ہے کہ نفی فضیلت مراد ہو جیسے حدیث لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ پس جب عندالاحناف حدیث مشہور سے زیادت علی الکتاب اسی صورت میں جائز ہے کہ حدیث محکم ہو تو اولاً حدیث لَا جُمُعَۃَ وَلَا تَشْرِیْقَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ حضرت علیؓ کا قول ہے حدیث مشہور تو در کنار خبر واحد بھی نہیں ہے۔ ثانیاً محکم بھی نہیں ہے کیونکہ احتمال ہے کہ نفی فضیلت مراد ہو یعنی اس کا مطلب یہ ہو کہ شہر میں نماز جمعہ اولیٰ و افضل ہے اور قریہ میں جائز و درست بلکہ و درست یہی متعین ہے۔ کما قال شیخنا العلامۃ عبد الرحمٰن المبارکفوری رحمۃ اللہ تعالیٰ لا تشریق ولا جمعۃ علی وجہ الکمال الا فی مصر جامع جمعا بینہ وبین الاحادیث والآثار (نور الابصار ص۳۲)

غرض حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع احناف کے نزدیک بھی پایۂ استدلال سے ساقط ہے تعجب ہے کہ احناف حضرت علیؓ کے قول سے جو خبر واحد کے درجہ میں بھی نہیں ہے آیۂ جمعہ[1] کی تخصیص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اقامت جمعہ فقط شہر ہی میں جائز ہے اور دیہات میں ناجائز۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار

ونیز واضح ہو کہ حضرت علیؓ کا قول مذکور ان احادیث صحیحہ کے معارض و مخالف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جمعہ ہر مسلمان پر بجز پانچ اشخاص کے (غلام۔ عورت۔ مریض۔ لڑکے۔ مسافر) کے فرض ہے اور ہر مقام میں اس کا ادا کرنا جائز و صحیح ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے۔ عن طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اَلْجُمُعَۃُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ جَمَاعَۃٍ اِلَّا اَرْبَعَۃٍ عَبْدٍ مَمْلُوْکٍ اَوِ امْرَأَۃٍ اَوْ صَبِیٍّ اَوْ مَرِیْضٍ۔

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ حق ہے واجب ہے مگر چار شخص پر غلام، عورت، لڑکے، بیمار پر نہیں۔ بعض روایات صحیح سے مسافر کا مستثنیٰ

---

[1] قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع ۱۲ ـ [2] یعنی حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ۔ ۱۲

ہونا بھی ثابت ہے مگر اہل قریہ کا استثنا کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں۔ اور نسائی وغیرہ میں ہے:۔ عن نافع عن ابن عمر عن حفصة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اَلْجُمُعَةُ وَاجِبَةٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مرد بالغ پر نماز جمعہ واجب ہے بلکہ دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ امام ابن حزم محلی ص۵۲ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ ومن اعظم البرهان علیهم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم اتی المدینة وانما هی قری صغار متفرقة (الی قوله) فبنی مسجده فی بنی مالك بن النجار و جمع فیه قریة لیست بالکبیرة و لا مصر هنالك فبطل قول من ادعی ان لا جمعة الا فی مصر وهذا لا یجهله احد لا مومن ولا کافر اھ

یعنی دیہات میں اقامت جمعہ کے جائز ہونے کی بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ شہر نہ تھا۔ چند متفرق بستیاں تھیں۔ وہاں آپ نے بنو مالک بنو نجار میں مسجد کی بنیاد ڈالی اور اسی میں قریہ کے اندر جمعہ کی نماز پڑھی۔ وہ کوئی بڑا قریہ نہ تھا اور نہ وہاں شہر تھا پس ثابت ہوا کہ اس شخص کا قول باطل ہے جو دعویٰ کرے کہ "شہر کے سوا اور کہیں جمعہ پڑھنا جائز نہیں" اور یہ ایسا امر ہے جو کسی مومن اور کافر سے مخفی نہیں"

الحاصل آیۃ جمعہ اور احادیث مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ بجز پانچ اشخاص مذکورین کے ہر مکلف پر جماعت کے ساتھ نماز جمعہ فرض ہے اور ہر مقام میں اس کا ادا کرنا جائز و صحیح ہے شہر ہو یا قریہ۔ اور کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں کہ دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں بلکہ دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کما مر اور بالتفصیل معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علیؓ کا قول لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع ناقابل احتجاج و استدلال ہے۔ هذا آخر الکلام وخلاصة المرام والله اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب

(۲۸ صفر ۱۳۵۷ھ)

ہو الموفق فی الواقع قرآن و حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر جگہ اور ہر مقام میں اقامت

جمعہ درست ہے اور چھوٹے اور بڑے گاؤں کی تفریق نہیں آئی ہے کہ بڑے گاؤں میں تو جمعہ درست ہو اور چھوٹے گاؤں میں نادرست بلکہ ہر جگہ اور ہر گاؤں میں خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اقامت جمعہ درست ہے۔ اور علمائے حنفیہ جمعہ کے درست ہونے کے لیے جو مصر کا ہونا شرط لکھتے ہیں سو ان کی یہ بات بالکل بے دلیل ہے اور ساتھ اس کے مصر کی تعریف میں انہوں نے بڑا اختلاف کیا ہے کوئی مصر کی تعریف کچھ لکھتا ہے اور کوئی کچھ اور ان کی تعریفات متخالفہ و متناقضہ میں سے کوئی تعریف بھی نہ لغت سے ثابت ہے اور نہ قرآن و حدیث سے۔ بلکہ فقہائے حنفیہ نے محض اپنی اپنی رائے لکھی ہیں اور جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ہرگز جائز نہیں نہ چھوٹے گاؤں میں اور نہ بڑے گاؤں میں اور نہ کسی اور مقام میں رسالہ تحقیقات العُلیٰ میں مرقوم ہے کہ نماز جمعہ فرض عین ہے اور فرضیت ظہر اس سے ساقط ہو جاتی ہے اس لیے کہ صلوٰۃ جمعہ قائم مقام صلوٰۃ ظہر ہے پس جس شخص نے ظہر احتیاطی ادا کی اس نے ایک صلوٰۃ مفروضہ کو دو بار ایک دن ایک وقت میں بلا اذن شارع ادا کیا، اور یہ ممنوع ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین رواہ احمد وابوداؤد والنسائی پس جب جمعہ بالکل قائم مقام ظہر کے ہو تو اب جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا جائز نہیں ہوا اور کسی سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و ائمہ مجتہدین و محدثین رحمہم اللہ سے یہ ظہر احتیاطی منقول نہیں نہ ان میں سے کسی نے پڑھا او نہ پڑھنے کا حکم دیا۔ بلکہ یہ ظہر احتیاطی بدعت و محدث فی الدین ہے۔ پڑھنے والا اس کا عاصی و آثم ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک بدعت نکالی گئی ہے۔ دین میں بعض متاخرین حنفیہ نے اس ظہر احتیاطی کو نکالا ہے جیسا کہ بحرالرائق میں ہے۔ وقد افتیت مرارا بعدم صلوٰۃ الاربع بعدها بنیة ظهر خوف اعتقادهم عدم فرضیة الجمعة وهو الاحتیاط فی زماننا۔ اور بھی بحرالرائق میں ہے وقد اطال فی فتح القدیر فی بیان ذلك كلها ثم قال انما اكثرنا فیه نوعا من الاكثار لما نسمع من بعض الجهلة انهم ینسبون الی مذهب الحنفیة عدم افتراضها (الی قوله) اقول قد اكثر ذلك من جهلة زماننا ایضا ومنشأ جهلهم صلوٰۃ الاربع بعد الجمعة بنیة

الظهر وانما وضعها لبعض المتاخرين لمعنى الشك في صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها في مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختارة وليس هذا القول اعنى اختيار صلوة الاربع بعدها مرويا عن ابى حنيفة وصاحبيه انتهى كلامه۔ پس مرد متبع سنت وہ ہے جو کہ اس بدعت ومحدث فی الدین کی بیخ کنی کرے اور لوگوں کو اس ظہر احتیاطی کے پڑھنے سے روکے۔ انتہی ما فی تحقیقات العلیٰ مختصراً۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ صفحہ ۳۵۴ ج ۱)۔

سوال: قبرستان میں برائے ضرورت مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: قبرستان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اس لئے وہاں مسجد کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ قبرستان میں مسجد بنانے والے کو لعنت کی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الیهود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءهم مساجد (الحدیث) (اہلحدیث امرتسر ص ۱۲، ۳۰ جون ۱۹۳۹ء)

سوال: اگر چار رکعات والی نماز ہو تو اس کے درمیانی تشہد کے درود شریف پڑھ سکتے ہیں یا پڑھنے سے گناہ لازم آتا ہے یا برا کام ہے۔

جواب: درمیانی تشہد میں درود شریف مسنون نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التشهد فی وسط الصلوة وآخرها فاذا كان وسط الصلوة نهض حين يفرغ من تشهده وان كان فی آخرها دعا بعد تشهده بما شاء الله ان يدعو به ثم يسلم۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے درمیان اور آخر میں تشہد سکھایا تو آنحضرتؐ جب درمیانی تشہد میں ہوتے تو صرف تشہد سے ہی فارغ ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ پھر آخری تشہد سے فارغ ہو کر جو دعا چاہتے مانگتے۔ خلاصہ یہ کہ ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ صرف تشہد پڑھے۔ اللہ اعلم! (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۱۴ جولائی ۱۹۳۹ء)

تعاقب اخبار "اہلحدیث" ۱۴ جولائی میں سوال کے جواب میں تحریر ہے کہ "درمیانی تشہد میں درود شریف مسنون نہیں۔" امام شافعیؒ اپنی کتاب الام میں

تحریر فرماتے ہیں۔ یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التشہد الاول
شوافع نے اس کے دلائل میں حسب ذیل احادیث پیش کی ہیں۔

ترمذی وابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو فرمایا تھا۔ اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ وصل علی الخ عموماً الفاظ قعدہ اولی وقعدہ ثانیہ ہر دو شامل ہے۔ دار قطنی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ صحابی کو فرمایا تھا اذا صلیت فی صلوٰتک فلا تترکن التشہد والصلوٰۃ علی فانھا زکوٰۃ الصلوٰۃ الخ اس روایت سے ہر تشہد کے ساتھ درود کا پڑھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ نیز دار قطنی میں ہے۔ عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلمنا التشہد التحیات (الی قولہ) وان محمدا عبدہ ورسولہ ثم یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ درود تشہد کا جزء ہے۔ بغیر درود کے تشہد پورا ہوتا ہی نہیں۔ خواہ وہ پہلا تشہد ہو یا دوسرا۔ نماز کا تشہد ہو یا خطبہ کا۔ سنن نسائی میں مرفوعاً وارد ہے۔

مومن یذکرنی فیصلی علی الا کتب اللہ لہ عشر حسنات الخ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے تو درود پڑھے اور تشہد میں حضور کا اسم گرامی زبان پر آتا ہی ہے کہ اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ تو اسی کے ساتھ درود کا پڑھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی دلائل بہت سی کتابوں میں موجود ہیں۔ آپ ان کی بابت کیا فرماتے ہیں؟

(حافظ عبدالوہاب مدن پورہ بنارس)

منتقی ہم نے جو حدیث نقل کی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ نھض حین یفرغ من تشھدہ نیز دوسری روایت میں کہ قعدہ اولی میں آپ اتنی جلدی اٹھ کھڑے ہوتے۔ گویا کہ گرم پتھر پر بیٹھے تھے۔ یہ بھی اس کی مؤید ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی نقل کردہ احادیث قعدہ اخری کے متعلق ہیں اس کے علاوہ جس کی تحقیق میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے۔ وہ پڑھے۔ ایسے مسائل میں تشدد کرنا ہمارا مسلک نہیں اور نہ سلف کا تھا۔ اللہ اعلم بالصواب (اہلحدیث امرتسر۔
۲۸/ جولائی ۱۹۳۹ء)

درمیانی تشہد میں درود نہ پڑھے

(از حضرت مولانا محمد صاحب دہلوی)

عن عائشة رضی اللہ عنها ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان لا یزید فی الرکعتین علی التشهد۔ (رواه) ابو یعلی ورجاله رجال الصحیح یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دو رکعات کے بعد التحیات میں بیٹھتے (اور اس سے کھڑا ہونا ہوتا یعنی وہ درمیانی التحیات ہوتا) تو آپ تشہد (یعنی التحیات) پر کچھ بھی زیادہ نہ کرتے۔ (یعنی درود و دعا نہیں پڑھتے) اس حدیث کے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔ واللہ اعلم!

دوسری حدیث، عن عبد اللہ بن مسعود قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم التشهد فی وسط الصلوٰة و فی آخرها علی ورکه الیسری۔ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ قال ثم ان کان فی وسط الصلوٰة نهض حین یفرغ من تشهده وان کان فی آخرها دعا بعد تشهده بما شاء اللہ ان یدعو ثم یسلم۔ (رواه احمد ورجاله موثقون) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیانی اور آخری تشہد سکھایا۔ جب آپ درمیانی اور آخری تشہد میں اپنی بائیں ران پر بیٹھتے تو تشہد پڑھتے یعنی التحیات سے عبدہ ورسولہ تک پڑھتے۔ اب درمیانہ تشہد ہوتا تو آپ اس تشہد سے فارغ ہوتے ہی اٹھ کھڑے ہوتے۔ ہاں اگر آخری تشہد ہوتا تو دعائیں مانگتے۔ جو منشاء خداوندی میں ہوتیں۔ پھر سلام پھیر دیتے۔

پس صحیح مسئلہ یہی ہے کہ بیچ کے التحیات میں صرف التحیات پڑھ کر کھڑا ہو جائے۔ واللہ اعلم۔　محمد (اخبار محمدی دہلی جلد ۱۶ ص ۱۲ یکم جون ۱۹۳۹ء)

التحیات میں انگلی اٹھانے کے متعلق حنفیوں کا مسلک

(منقول از اخبار الفقیہ) التحیات میں رفع

بلفظ کلمہ شہادت کلمہ کی انگلی کو اٹھانا اور اشارہ کرنا یقیناً مسنون و معمول اور مشہور اور ہمارے ائمہ کرام خصوصاً سیدنا امام اعظم اور ان کے صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے الیٰ آخرہ۔ (اخبار محمدی جلد ۱۷۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۴۰ء)

سوال: اذان ہوئی اور کوئی شخص آئے اور سلام کرے تو کیا سلام کر سکتا ہے؟

جواب: اذان ہوتے ہوئے سلام کہنا کسی حدیث میں منع نہیں ہے۔

(اہلحدیث امرتسر اگست ۱۹۲۹ء)

سوال: فرض نماز ہوتی ہو۔ اور کوئی شخص مسجد میں آئے اور سلام کرے تو کر سکتا ہے۔ مثلاً چار پانچ آدمی وضو کرتے ہوں۔ اور ایک طرف جماعت ہو رہی ہو۔ اس حالت میں کیا سلام کر سکتا ہے؟

جواب: حالت نماز میں سلام کرنا جائز ہے۔ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ سے اشارہ کرتے۔ جواب نہ دینے کی وجہ پوچھنے پر فرمایا۔ ان فی الصلوٰۃ لشغلا۔ مگر سلام نہ کرنے کو منع نہیں فرمایا۔ اللہ اعلم! ۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۳ ۲۵ر اگست ۱۹۲۹ء)

سوال: فرض نماز کے بعد سلام کے فوراً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہیئے۔ یا کچھ دیر کے بعد۔ یا نہ مانگے تو کیا حرج ہے۔

جواب: فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جلدی ہو یا دیر سے جائز ہے۔ سنت مؤکدہ نہیں نہ مانگے تو حرج نہیں۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۳۔ ۲۵ر اگست ۱۹۲۹ء)

سوال: فرض نماز کی دو رکعت میں ایک رکوع قرآن پڑھے تو پڑھ سکتا ہے؟

جواب: پڑھ سکتا ہے۔ لقولہ تعالیٰ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۳۔ ۲۵ر اگست ۱۹۳۱ء)

تعاقب: اخبار گوہر بار "اہلحدیث" ۱۸ر اگست سنہ رواں جلد ۳۶ نمبر ۴۲ کی اشاعت بر صفحہ فتاویٰ سوال نمبر ۲۸ میں مندرجہ ذیل سوال درج ہے۔ "حافظ قرآن جنبی ہو گیا ہے وہ شخص قرآن پڑھے یا نہ۔ اور دوسروں کو پڑھا سکتا ہے یا نہیں"؟

جواب ملا: "جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتا۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ولا تقرء الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن (ترمذی) یعنی حائضہ اور جنبی

قرآن نہ پڑھے۔ اللہ اعلم۔

سوال مذکور کے جواب میں جو حدیث پیش کی گئی ہے وہ ضعیف ہے اور حدیث ضعیف صحیح حدیث کے مقابلہ میں مرجوح ہے۔ اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۲ میں ہے وحدیث لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن لم يصح انه حديث معلول باتفاق اهل العلم بالحديث فانه من رواية اسمعيل بن عياش عن موسى بن عقبة عن نافع عن ابن عمر قال الترمذی لا نعرفه الا من حديث اسمعيل بن عياش عن موسى بن عقبه وسمعت محمد بن اسمعيل يقول ان اسمعيل بن عياش يروى عن اهل الحجاز واهل العراق احاديث مناكير كانه يضعف روايته عنهم فيما تفرد به وقال انه حديث اسمعيل ابن عياش عن اهل الشام انتهى وقال عبد الله ابن احمد عرضت على ابی حدیثا - حدثناه الفضل بن زياد الضبی حدثنا ابن عياش بن عقبة عن نافع ابن عمر مرفوعا لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن فقال ابی هذا باطل يعنی ان اسمعيل وهم اذ لم يصح الحديث لم تبق مع المانعين حجة الا القياس۔ اس تمام عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف باتفاق اہل علم کے نزدیک صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے کی توجیہ بھی بیان کر دی گئی۔ عیاں را چہ بیاں۔ اور بھی فتح الباری ص ۳۰۳ پ ۲ باب آداب قرأۃ القرآن للجنب ملاحظہ ہو۔ اول ابن عباسؓ کا اثر ولم یر ابن عباس بالقرأة للجنب باسا اور حدیث مرفوع۔ كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی احیانہ اس حدیث اور اثر سے صاف طور سے جواز قرارۃ القرآن للجنب ثابت ہوا۔ اسی لئے صاحب اعلام الموقعین نے صاف کہہ دیا واذ لم يصح الحديث لم يبق مع انہا نعین حجة الا القياس۔ یعنی جب کہ حدیث مابہ الاستدلال صحیح نہیں ہوا تو نہیں باقی رہا۔ مانعین کے لئے کوئی دلیل مگر قیاس اور قیاس نص کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے۔ مزید تحقیق فتح الباری مطبع انصاری صفحہ مذکورہ اور اعلام الموقعین صفحہ مذکورہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ العاجز گلزار احمد از شاہزاد پور

مفتی: ارجع الی الحق۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم (۸ ر ستمبر ۱۹۳۹ء)

تعاقب پر تعاقب: حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب دامت برکاتہم نے اخبار المحدیث بابت ۱۸ اگست ۱۹۳۶ء کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ "جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتا" اور دلیل میں ترمذی شریف کی یہ حدیث نقل کی تھی " ولا تقرء الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن۔ یعنی حائضہ اور جنبی قرآن نہ پڑھے"۔

اس فتوٰی پر ایک صاحب نے تعاقب کیا ہے جو اخبار المحدیث مجریہ ۸ ستمبر میں شائع ہوا ہے۔ تعاقب کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) ترمذی شریف کی حدیث مذکور ضعیف ہے۔ (۲) اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ ولم یر ابن عباس بالقراءۃ للجنب بأسا اور حدیث مرفوع کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ کے معارض ہے کیونکہ ان سے صاف طور سے جواز قراءۃ القرآن للجنب ثابت ہے۔ میں کہتا ہوں بے شک ترمذی شریف کی حدیث مذکور ضعیف ہے۔ علاوہ اس حدیث کے جنبی کے قرآن پڑھنے کی حرمت میں اور بھی ضعیف حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ لیکن بعض کو بعض کے ساتھ ملانے سے قوت حاصل ہوتی ہے اور ان کے مجموعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جنبی اور حائضہ کو قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے۔ تحفۃ الاحوذی ص ۱۲۳ ج ۱ میں ہے والحدیث یدل علی انہ لا یجوز للجنب ولا للحائض قراءۃ شئ من القرآن وقد وردت احادیث فی تحریم قراءۃ القرآن للجنب وفی کلہا مقال لکن تحصل القوۃ بانضمام بعضہا الی بعض ومجموعہا یصلح لان یتمسک بہا انتہی اور یہی مذہب ہے اکثر اہل علم یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ کا۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے۔ وھو قول اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدھم مثل سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی واحمد واسحٰق قالوا لا تقرء الحائض والجنب من القرآن شیئا۔ الخ

اور تحفۃ الاحوذی میں ہے۔ واکثر العلماء علی تحریمہ۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری شارح ترمذی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے۔ قلت قول الاکثر ھو الراجح یدل علیہ حدیث الباب یعنی اکثر علماء کا قول راجح ہے کیونکہ ترمذی شریف کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ اب رہا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر

سو وہ حدیث مرفوع کے مقابلہ میں بے اثر ہے۔ اور حدیث مرفوع کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ۔ پس واضح ہو کہ وہاں ذکر اللہ سے غیر تلاوت قرآن مراد ہے۔ چنانچہ قرأۃ قرآن کے مستثنیٰ ہونے پر یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے۔

عن علی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرئنا القرآن علی کل حال ما لم یکن جنبا۔ رواہ الترمذی۔ وقال ھذا حدیث حسن صحیح یعنی حضرت علیؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ہر حال میں قرآن پڑھاتے تھے مگر حالت جنابت میں نہیں۔

تحفۃ الاحوذی ص۱۳۶ میں اس اشکال کا یہی جواب دیا گیا ہے۔ فان قیل حدیث عائشۃ الذی رواہ مسلم عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ وعلقہ البخاری یخالف حدیث علی ھذا فانہ یدل بظاھرہ علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ حال الجنابۃ ایضا فان قولہا علی کل احیانہ یشمل حالۃ الجنابۃ ایضا وقولہا یذکر اللہ یشمل تلاوۃ القرآن ایضا یقال ان حدیث عائشۃ رض یخصص بحدیث علی ھذا فیراد بذکر اللہ غیر تلاوۃ القرآن قال العینی حدیثہا ھذا لا یعارض حدیث علی لانہا ارادت الذکر الذی غیر القرآن انتھی وقال صاحب سبل السلام حدیث عائشۃ قد خصصہ حدیث علی علیہ السلام وروات اخری وکذالک ھو مخصص بحالۃ الغائط والبول والجماع والمراد بکل احیانہ معظمہا کما قال اللہ تعالیٰ یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبہم وقال فی شرح حدیث الباب اخرج ابو یعلی من حدیث علی علیہ السلام قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ ثم قرأ شیئا من القرآن ثم قال ھکذا لمن لیس بجنب فاما الجنب فلا ولا آیۃ قال الھیثمی رجالہ موثوقون وھو یدل علی التحریم لانہ نہی واصلہ ذالک ویعاضد ما سلف انتھی۔ الحاصل مولانا ثناء اللہ صاحب کا فتویٰ میرے نزدیک صحیح ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ ابو الصمصام عبد السلام المبارکفوری۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء

سوال: بعد نماز عشاء سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ تین بار پڑھ کر سُبُّوْحٌ

قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ الفاظ ادا کر لیتا ہوں۔ ایک شخص اس کے کہنے سے منع کرتا ہے کہ اس وقت یہ الفاظ مت کہا کرو۔ کیا اس کو پڑھنا چاہیئے یا نہیں؟

(محمد عباس از میرٹھ چھاؤنی)

جواب: سبحان الملک القدوس وتروں کے بعد پڑھنا جائز ہے حدیث شریف میں آیا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم فی الوتر قال سبحان الملک القدوس ثلاث مرات یعنی وتروں کے سلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ صرف سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ پڑھتے۔ اور آخری لفظ کو لمبا کھینچتے۔ آپ بھی اسی کو پڑھیں باقی کو چھوڑ دیں۔ (اہلحدیث ج ۲۴ ص ۱۶)

تعاقب: اس میں میرے نزدیک تسامح ہے۔ بالکلیہ تمام الفاظ کا انکار کر دینا روایات سے غفلت ہے۔ بعد سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ کے یہ الفاظ رب الملائکۃ و الروح کہنا نبی اکرم صلعم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ سنن الکبریٰ بیہقی جلد ۳ ص ۴۰ اور دارقطنی جلد اول ص ۱۰۵ میں ہے۔ (عبدالرحمٰن آزاد نومسلم دہلی) (اہلحدیث ج ۲۴ ص ۱۹)

ثمرفیہ۔ دارقطنی کی روایت میں رب الملٰئکۃ والروح بھی وارد ہے لہٰذا منع نہیں۔ حصن حصین کلاں ص ۵۰۔

سوال: جس جائے نماز پر امام نماز پڑھاتا ہے اگر اس جائے نماز کو علیحدہ فرش پر بچھا کر ہم نماز پڑھ لیں تو ہماری نماز جائز ہے یا نہیں۔

جواب: جائز ہے۔ منع کی کوئی دلیل نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ جب تک میں منع نہ کروں منع مت سمجھو (ج ۲۴ ص ۱۶)

ثمرفیہ۔ مولانا کا اشارہ اس حدیث شریف کی طرف ہے ذرونی ما ترکتکم فانما ہلک من کان قبلکم بکثرۃ سوالہم (الحدیث) اخرجہ احمد ومسلم والنسائی وابن ماجۃ (ابوسعید شرف الدین)

ہو الموفق: تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے ایک مصلی پر ہو۔ خواہ ایک مصلی پہ نہ ہو۔ الی آخرہ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۶۵)

بلاشک وشبہ فضیلت وثواب جماعت اولیٰ کا زیادہ ہے بہ نسبت جماعت اُخریٰ کے۔ مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ تکرار جماعت بعد جماعت اولیٰ ناجائز ہو جاوے

اور کراہت بھی اس کی کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔ بلکہ جواز تکرار جماعت فی مسجد واحد حدیث صحیح سے ثابت ہے اور صحابہؓ اور تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین کا اس پر عمل رہا۔ الی آخرہ حررہ ابوالطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی عفی عنہ۔ ما احسن ھٰذا الجواب المقرون بالصدق و الصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۸۹

ابوالطیب محمد شمس الحق	سید محمد نذیر حسین

سوال: اگر ٹوپی یا پگڑی ہمارے پاس ہے اور ہم ننگے سر نماز پڑھیں اس کو اتار کر تو کیا ہماری نماز جائز ہوگی یا نہیں۔

جواب: نماز ادا ہو جائے گی۔ مگر سر ڈھانپنا اچھا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام نماز میں اکثر عمامہ یا ٹوپی رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اعلم۔ (اہلحدیث ج ۴ ص ۱۶)

تشریح: مگر یہ بعض کا جو شیوہ ہے کہ گھر سے ٹوپی یا پگڑی سر پر رکھ کر آئے ہیں اور ٹوپی یا پگڑی قصداً اتار کر ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اس کو سنت کہتے ہیں بالکل غلط ہے۔ یہ فعل سنت سے ثابت نہیں ہاں اس فعل کو مطلقاً ناجائز کہنا بھی بے وقوفی ہے۔ ایسے ہی برہنہ سر کو بلاوجہ شعار بنانا بھی خلاف سنت ہے۔ اور خلاف سنت بے وقوفی ہی تو ہوتی ہے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

اہلحدیث: ۱۷ رمضان میں ہم نے لکھا کہ فجر کی سنتوں کے بعد مسجد میں آکر بجز فرضوں کے سنتوں کے بعد مسجد میں آکر بجز فرضوں کے کچھ نہ پڑھے۔ اس پر ابو خرباق عبدالرزاق صاحب اور عبداللطیف صاحب از علیکا ضلع حصار ہر دو صاحبان نے تعاقب کئے ہیں۔ دونوں کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

تعاقب: تحیۃ المسجد کی سخت تاکید ہے پڑھنے کا حکم ہے۔ اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین۔ متفق علیہ۔ جب کوئی مسجد میں آئے بس چاہیئے کہ دو رکعتیں (قبل بیٹھنے کے) پڑھ لے۔ اعطوا المساجد حقھا قیل ما حقھا قال رکعتین قبل ان تجلس۔ آپ نے فرمایا۔ مسجد کا حق ادا کرو۔ لوگوں نے پوچھا کیا حق ہے آپ نے فرمایا قبل بیٹھنے کے دو رکعت پڑھنا (ابن ابی شیبہ) بغیر تحیہ مسجد میں بیٹھنا منع ہے۔ اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یرکع رکعتین۔ متفق علیہ۔ جب کوئی مسجد میں آئے تو نہ بیٹھے یہاں تک کہ دو رکعت پڑھ لے۔ حکی النووی

عن المحققین ان المختار ان لو یفعل ان یقف حتی تقام الصلوٰۃ لان لا یکون جالسا بغیر التحیۃ فتح الباری جلد اوّل ص ۲۲ جمع بین الحدیثین یہ ہے کہ تحیۃ المسجد ذات اسباب سے ہے اور مستثنیٰ ۔ (ابو خرباق عبدالرزاق عفی عنہ)

دوسرا تعاقب : امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان سے باب مقرر کیا ہے ۔ باب استحباب تحیۃ المسجد برکعتین وانہا مشروعۃ فی جمیع الاوقات ۔ گو ایک ٹکڑا باب کا درمیان سے بطور اختصار حذف کر دیا ہے ۔ جس سے مجھے کوئی سروکار نہیں ۔ اس باب میں ایک حدیث ہے جو بایں طور مروی ہے ۔ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ قَبْلَ اَنْ یَجْلِسَ ۔ امام مسلم کا باب باندھنا ۔ فانھا الخ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ۔ اذا دخل الخ ۔ یہ ہر دو قضیہ شرطیہ مطلقہ کے حکم میں ہیں اور وہ کسی وقت منہی عنہ اور غیر منہی عنہ کے ساتھ مخصوص نہیں ۔ جو قضیہ شرطیہ مطلقہ کا مفاد الدوام ہے ۔ اسی واسطے نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ فیہ استحباب تحیۃ المسجد فی ای وقت دخل وھو مذھبنا گو امام ابو حنیفہ صاحب وامام اوزاعی وغیرہ کا مذہب یہ بھی ہے کہ اوقات منہی عنہ میں ان کا پڑھنا جائز نہیں ۔ لیکن محدثین کرام تحیۃ المسجد کے جواز کے ہر وقت قائل ہیں ۔ (خادم اسلام عبد اللطیف از علیکا ۔ حصار)

جواب : ہماری تحقیق میں یہ قضیہ عام نہیں ہے ۔ عام مخصوص البعض ہے ۔ اگر آپ کی تحقیق میں عام ہے تو آپ اسی پر عمل کریں ۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس مسلک میں ہم منفرد نہیں روضہ الندیہ نواب صاحب مرحوم اور سبل السلام شرح بلوغ المرام ملاحظہ فرمادیں ۔

نوٹ : ۔ اذا قضیہ کلیہ کا سور نہیں مہملہ کا ہے ۔ فافھم (۳۰ دسمبر ۱۹۳۳ء)

سوال : مسکرا اگر نماز میں بے اختیار مگر ہنسی آجائے تو نماز میں نقصان ہوگا یا نہیں ۔ اور اگر کوئی مصلی بااختیار نماز میں ہنسے یا قہقہہ کر کے ہنسے تو نماز میں خلل ہوگا یا نہیں ؟

جواب : نماز ہنسی کا مقام نہیں ۔ اس لئے ہنسنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے ۔ عند الحنفیہ وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے ۔ اللہ اعلم ! (۳۰ دسمبر ۱۹۳۳ء)

سوال : ایک آدمی صاحب توفیق بغیر کپڑے پہنے نماز پڑھتا ہے ۔ حالانکہ اس کے پاس اس کی قمیص یا کرتہ موجود ہو اس کے متعلق کیا حکم ہے اس کی نماز ہو جائے گی یا نہیں ؟

جواب : صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالدوام

ثابت ہوا ہے۔ یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا۔ پگڑی سے ہو یا ٹوپی سے۔ اوّل درجہ یہ ہے کہ ستر عورت کا حصہ سینہ، پیٹھ اور کندھوں کا ڈھکا ہو۔ یہ جواز کا درجہ ہے۔ مسنون طریقہ وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا ہے۔ اللہ اعلم! ۔ (۱۰ / ۲۱ جنوری ۱۹۲۹ء)

سوال: عیدین کی نماز میں ہر تکبیر پر رفع الیدین کرنا چاہیے یا نہ کرنا چاہیے۔ اور محدثین کا عمل کیا رہا ہے؟ حافظ عبدالرزاق از رائیدرگ۔

جواب: کرنا چاہیے۔ حدیث لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن گو ضعیف ہے۔ مگر عمل اس پر ہے۔ حنفی مذہب میں بھی رفع یدین سنت ہے۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۲۴ ۵/۱۲ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ)

فتویٰ: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز میں زوائد تکبیرات کے اندر اکثر اہلحدیث رفع یدین کرتے ہیں۔ بالخصوص شہر دہلی میں جو علمائے ہر فریق اہل حدیث کا مرکز ہے۔ وہاں بھی یہ عمل دیکھا گیا ہے۔ احادیث وآثار سے اس پر کیا دلیل ہے؟ (بینوا توجروا ۔ عبدالخالق)

الجواب: اہل حدیث اس بارے میں دو روایتیں پیش کرتے ہیں التلخیص الجبیر میں صلوٰۃ العیدین میں تکبیرات کے وقت ونقد کے متعلق ہے۔ . . . . . الی قولہ۔ عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرات۔ رواہ البیہقی الخ دونوں روایتوں میں ایک ایک راوی متکلم فیہ ہے۔ پہلی میں عبداللہ بن لہیعہ وہ صدوق ہے۔ خلط بعد احتراق کتبہ سُنن کا راوی ہے۔ مسلم نے بھی اس سے مقرونا روایت کی ہے۔ (تقریب التہذیب) دوسری میں بقیہ ابن ولید ہے۔ وہ بھی مسلم وسنن اربعہ کا راوی ہے۔ امام بخاری نے بھی تعلیقاً روایت کی ہے۔ صدوق کثیر انہ لیس عن الضعفاء ہے۔ (التقریب التہذیب) یہاں اس کا شیخ محمد بن ولید زبیدی ثقہ اور صحیحین کا راوی ہے۔ اگرچہ ان دو میں کچھ کلام ہے۔ مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہوگئی ہے۔ گویا ہر واحد حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے۔ لہٰذا قابل عمل ہے۔ خصوصاً امام بیہقی وامام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا۔ اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے۔ اور مطلق نمازمیں رفع یدین کو اللہ کی تعظیم اور سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قالہ الامام

الشافعی (فتح الباری)

ونقل ابن عبد البر عن ابن عمرؓ انه قال رفع الیدین زینة الصلوٰة وعن عقبة بن عامر قال لکل رفع عشر حسنات بکل اصبع حسنة (فتح الباری انصاری ص۲۳ ج۱) - بہر حال یہ فعل تعظیم الٰہی اور اس کی توحید فعلی باعث ثواب ہے اور یہ فعل حضرت عمرؓ سے مروی ہے - (وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ (رواہ الترمذی مشکوٰة ص۵۶) واللہ اعلم بالصواب (ملخص)

(ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی) ۱۰ رمئی ۵۳ء "نور توحید" لکھنؤ

سوال: لوگوں سے سننے میں آیا ہے کہ نماز تہجد بارہ رکعت اس طرح پڑھنی چاہیئے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص بارہ مرتبہ - دوسری میں گیارہ - تیسری میں ۱۰ مرتبہ علی ہذا القیاس ہر رکعت میں ایک دفعہ کم کرتے جانا چاہیئے - کیا نماز تہجد کا یہ طریقہ مسنون ہے - ؟ اور جو اس کے خلاف آٹھ رکعت پڑھے اور جو سورت چاہے پڑھے اس کی نماز ادا ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

جواب: نماز تہجد کی آٹھ رکعت ہے - وتر سمیت گیارہ - کسی سورت کی تخصیص نہیں ہے - فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ - (اہلحدیث امرتسر ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ)

سوال: کسی بستی میں مدتوں سے دو جامع مسجدیں آباد تھیں - فی الحال کسی خاص وجہ سے دونوں مسجدوں کو اکٹھی کرنے کی ضرورت ہوئی اور ایک مسجد کو چھوڑ کر سب مصلیان دوسری مسجد میں جمعہ و جماعت کرنا شروع کر دیتے ہیں - اب سوال یہ ہے کہ متروکہ مسجد کی زمین کو کیا کیا جائے ؟ آیا وہ مسجد ہی کے حکم میں رکھی جائے یا دوسرے زمین کے حکم میں شامل کی جائے ؟

جواب: مسجد مسجد ہی رہے گی - ایک کو جامع مسجد بنالیں - دوسری مسجد میں نماز پنجگانہ صرف پڑھی جائے - مسجد کو دیگر ضروریات کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا - اگر متروکہ مسجد بستی سے دور ہے تو وہ بھی عبادت کے لئے کھلی رہنی چاہیئے - واللہ اعلم -

(اہلحدیث امرتسر ص۱۳ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ)

سوال: بعد نماز مکتوبہ جب کہ امام دعا مانگتا ہے - مقتدی بھی امام کی دعا میں شریک ہو کر آمین کہہ سکتا ہے یا نہیں - بصورت اثبات کیا دلیل ہے ؟

جواب:- بعد نماز کے ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا بعض روایات میں ثابت ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں روایت ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدہ بعد ما سلم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولید الخ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر قبلہ رو ہو کر دعا مانگی اور دعا کے ساتھ مل کر آمین کہنا چونکہ شرعاً ثابت ہے اس لیے دعا میں مقتدی شریک ہو کر آمین کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اصولاً ثابت شدہ امر عام رکھنا چاہیے۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳۔ ۳ مارچ ۱۹۲۹ء)

سوال: کیا عورت اذان پڑھ سکتی ہے یا نہیں اور کیا عورت مرد کی طرح سجدہ کرے یا اس کی اور صورت ہے۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ المرأۃ کلھا عورۃ۔ عورت تمام کی تمام پردہ میں رہنی چاہیے۔ اس لئے اس کی آواز بھی باہر نہ جانی چاہیے۔ اللہ اعلم!

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳۔ ۳ مارچ ۱۹۲۹ء)

سوال؛ زید مسجد اہل حدیث کا امام نماز ہے۔ ہمیشہ بیڑی سگریٹ پیا کرتا ہے۔ خارج مسجد بھی اور گلی کوچوں میں بھی پیتا پھرتا ہے۔ لوگ فتوی پوچھتے ہیں کہ بیڑی سگریٹ پینے والے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟ خصوصاً نماز سے پندرہ یا دس منٹ پہلے بیڑی یا سگرٹ پی کر وضو کر کے نماز پڑھاتا ہے۔ آیا ایسا شخص امامت کے لئے سزاوار ہے یا نہیں؟ تمباکو حلال ہے یا حرام؟

جواب: تمباکو پینا منع ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المفتر۔ یعنی مفتر[1] چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ امام جماعت کو ترک کرنا چاہیئے۔ اگر وہ نماز پڑھائے تو نماز ہو جاتی ہے اللہ اعلم!۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۱۹ مئی ۱۹۲۹ء)

سوال: جمعہ کے بعد دو رکعت سنت ادا کرنی چاہیئے یا چار رکعت۔ نیز اگر جمعہ کی پہلی چار سنتیں رہ جائیں تو بعد نماز جمعہ پڑھی جائیں یا نہ؟

جواب: قبل جمعہ سنن کی تعداد کسی صحیح روایت میں نہیں آئی۔ تحیۃ المسجد کی نیت سے

[1] دماغ میں فتور اور نشہ پیدا کرنے والی چیز جس سے دماغ میں چکر پیدا ہو جائے۔ ۱۲ منہ

دو رکعتیں ضرور پڑھنی چاہئیں۔ فرضوں کے بعد دو اور چار رکعت (ہر دو طرح) مروی ہیں الخ

(۲۶ مئی ۱۹۳۹ء)

سوال : نماز پنجگانہ میں سلام کے بعد تکبیر (اللہ اکبر) با آواز بلند مقتدی و امام کہے۔ جس سے معلوم ہو جائے کہ جماعت ختم ہو گئی ہے۔ سنت ہے۔ یعنی حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں۔ اور نیز تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کا عہد نبوی میں اس پر تھا کہ نہیں ؟

جواب : حدیث کی رو سے بعد نماز تکبیر کہنا ثابت ہے۔ باقی تاویلات ہیں اور بلا وجہ صرف عن الظاھر محدثین کا مذہب نہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۵ نومبر ۱۹۳۷ء)

سوال : نماز کی تکبیر کیسے کہنی چاہیئے۔ اکہرے لفظوں کا زیادہ ثواب ہے یا دوہرے لفظوں کا۔ جس تکبیر کی نبی علیہ السلام نے تاکید فرمائی ہے وہ تحریر فرمائیں۔ مسئلہ تحریر فرما کر مشکور فرما دیں۔ کیونکہ نظام آباد میں تکبیر کے متعلق بہت جھگڑا رہتا ہے۔ بعض اہلحدیث بھی دوہرے لفظوں کی تکبیر کا زیادہ ثواب سمجھتے ہیں۔

جواب : تکبیر کے ہر ایک کلمہ کو ایک ایک مرتبہ کہنا سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے افضل ہے۔ زید بن عبد البر کے تلقین شدہ کلمات ایسے ہی منقول ہیں۔ بروایت احمد منتقی میں یہ روایت موجود ہے۔

ایک روایت میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے۔ امر بلال ان یشفع الاذان و یوتر الاقامۃ یہ روایت صحاح میں مروی ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عمرؓ سے آیا ہے۔ انما کان الاذان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتین مرتین والاقامۃ مرۃ غیر انہ یقول قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ۔ (ابو داؤد۔ نسائی) ۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۱۲ نومبر ۱۹۳۷ء)

سوال : تین وتروں میں بیچ میں التحیات پڑھنا جائز ہے کہ نہیں ؟

جواب : تین وتروں میں التحیات پڑھنا حدیث سے ثابت نہیں بلکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز مغرب کے مشابہ وتروں کو نہ پڑھو۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ - ۱۲ نومبر ۱۹۳۶ء)

سوال : حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمانوں کو غیر رمضان میں ایک رکعت نماز پڑھنے کا ثواب رمضان المبارک میں ستر رکعت نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے تو زید تارک صلوٰۃ ہے۔ اور دنوں میں کبھی بھول کر بھی ایک وقت کی نماز نہیں پڑھتا۔ البتہ ماہ رمضان المبارک

میں ایک ماہ نماز پنجگانہ باجماعت مع وتر اوتر کے پڑھتا ہے۔ جواب طلب یہ ہے کہ زید بھی مذکورہ بالا احادیث کی روایت کے مطابق ستر گنا ثواب کا حقدار ہوگا یا نہیں؟

جواب: تارک نماز جب تک توبہ کر کے پابند نماز نہ ہو جائے۔ رمضان شریف کے ثواب موعودہ کا حقدار نہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۱۷ دسمبر ۱۹۳۷ء)

سوال: نماز جمعہ میں لوگ اکثر علمی کا خطبہ پڑھا کرتے ہیں۔ جس کے اندر اشعار بھی ہوتے ہیں جو مانند گانے کے پڑھا جاتا ہے کیا اس طرح کے اشعار راگ کے ساتھ خطبہ کے وقت پڑھنا یا سننا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: آنحضرت صلعم کے خطبہ مسنونہ کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے: کانت لرسول اللہ خطبتان یقرأ القرآن ویذکر الناس۔ خطبہ مسنون یہ ہے کہ قرآن شریف کے ساتھ نصیحت کرے۔ اس کے سوا خطبہ محض نظم میں ہو یا محض نثر میں غیر مسنون ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ص ۱۳، ۱۷ دسمبر ۱۹۳۷ء)

سوال: عصر کی جماعت ہو رہی ہے۔ ایک آدمی جسے ابھی ظہر پڑھنی باقی ہے۔ جماعت کے ساتھ مل کر کون سی نماز ادا کرے۔

جواب: حدیث میں آیا ہے لا صلوۃ الا التی اقیمت۔ یعنی اس وقت وہی نماز جائز ہے جس کے لیے تکبیر کہی گئی ہو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عصر کی نماز امام ظہر کے پیچھے پڑھیں تو جائز ہے۔ (اہلحدیث جلد ۴۴ ص ۱۴۱)

تشریح: پوری حدیث یہ ہے۔ اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا التی اقیمت رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط (التلخیص الحبیر) کنوز الحقائق علی حاشیہ جامع الصغیر وقال فی نیل الاوطار بعد ذکر حدیث ابی ہریرۃ وفی الباب عن ابن عمرؓ عند الدارقطنی فی الافراد ومثل حدیث ابی ہریرۃ قال العراقی اسنادہ حسن انتہی۔ ج۔ الغرض مولانا نے جو فرمایا ہے۔ ٹھیک ہے۔ اس وقت عصر ہی کی نماز پڑھنی ہوگی۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: رکعت رکوع میں مل جانے سے مل جائے گی یا نہیں۔ کیونکہ رکوع میں حضرت ابوبکرہؓ صف کے باہر رکوع کی صورت بنا کر نماز کے باہر صف سے

مل گئے۔ تو اس حرص پر اللہ کے رسول ﷺ نے دعا فرمائی۔ کہ اللہ تمہاری حرص کو زیادہ کرے۔

جواب: اس روایت سے مدرک رکوع کا مدرک رکعت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ نہ عبارۃ النص سے نہ اشارۃ النص سے اور نہ دلالۃ النص سے اور نہ اقتضاء النص سے صرف صحابی کی نیک نیتی کے لئے دعا ہے۔ ج ۳ ص ۴۴

شرفیہ:۔ ابوبکرہ رض کی حدیث سے استدلال غلط ہے۔ اس لئے کہ اول تو اس کو اس فعل سے منع کر دیا کہ تم آئندہ ایسا نہ کرنا پھر جو ایسا کرے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔ دوم اسی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ جو فرض یا رکن تم سے رہ گیا ہے اس کو پورا کرو۔ فرمایا۔ زادک اللہ حرصا ولا تعد صلِّ ما ادرکت واقض ما سبق اخرجہ البخاری فی جزء القراءۃ خلف الامام۔ ص ۴۴

نوٹ:۔ اس مسئلہ کی پوری پوری تحقیق کے لیے حضرت مولانا ظفر عالم میرٹھی کا قابل قدر رسالہ "رکوع کی رکعت" ملاحظہ فرمایئے۔ "محمد داؤد راز"

دیگر:۔ راجح یہ ہے کہ مدرک رکوع کی رکعت نہیں۔ کیونکہ جن اصحاب کے نزدیک فاتحہ خلف الامام فرض ہے ان کے نزدیک دو رکن فوت ہوتے ہیں (۱) فاتحہ (۲) قیام۔ اور جن علماء کے نزدیک قراءت فاتحہ فرض نہیں ان کے نزدیک ایک رکن قیام فوت ہوا ایک رکن کا فوت ہونا بھی موجب عدم تمام ہے۔ اس کے علاوہ مدرک رکعت سمجھنے کی کوئی دلیل نہیں۔ جن میں سے ان دو یا ایک رکن سے بے اعتنائی کی جاسکے۔ اللہ اعلم۔ ۲۶ رمئی ۱۹۳۳ء

تعاقب آپ سے مسئلہ رکوع کا دریافت کیا گیا تھا کہ جب کوئی آدمی رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اس کی رکعت ہو جاتی ہے یا نہیں؟ مسئلہ قرآن مجید یا حدیث سے ثابت کر کے جواب تحریر فرمائیں بلکہ اپنے اہلحدیث میں شائع کر دیں۔

آپ نے اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۶ ۵/۲ ۶ کے ص ۱۳ پر سوال درج کر کے جواب تحریر فرمایا جو تسلی بخش نہیں ہے۔ آپ نے اس مسئلہ کے متعلق قرآن مجید یا حدیث کا

تو ذکر تک نہیں کیا صرف قیاس سے ہی کام لیا ہے جو قرآن مجید یا حدیث کے سامنے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اب گذارش ہے کہ آپ اس مسئلہ کو قرآن مجید یا حدیث سے ثابت کر کے اخبار میں دوبارہ شائع کر دیں۔ اور ایک پرچہ میرے نام بھی روانہ کرا دیں تاکہ تسلی ہو جائے۔ مولوی صاحب نہایت ادب سے گذارش کرتا ہوں جب تک میں شک میں رہوں گا۔ اور جو گناہ مجھ پر عائد ہوگا۔ اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ (تاج الدین راجپوت سکنہ حافظ آباد)

جواب: اسی جواب کو بصورت دیگر لکھا جاتا ہے۔ چونکہ بحکم قُومُوا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ (القرآن) قیام فرض ہے اور بحکم لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (الحدیث) قراءت فاتحہ ضروری ہے۔ اور رکوع کی حالت میں دونوں چیزیں میسر نہیں ہوتیں۔ قائل کے پاس کوئی آیت یا حدیث ایسی ہو۔ جس سے استثناء جائز ہو سکے۔ تو ہم بخوشی اسے سننے کو تیار ہیں۔ ۲۶ رمئی ۱۹۳۳ء

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدرک رکوع کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں۔ استدلال مستدل ابوہریرہؓ کی ان دو روایتوں سے ہے۔ مَنْ فاتتہ قراءۃ القرآن فقد فات خیرا کثیرا فاذا جئتم الی الصلوٰۃ ونحن سجود فاسجدوہ ولا تعدوھا شیئا ومن ادرک رکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرک الصلوٰۃ۔ سو مستدل کا استدلال ان دونوں روایتوں سے صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب۔ متفق علیہ۔ اور جزء القراءۃ للامام البخاری میں ابوہریرہ رضی سے مروی ہے۔ ان ادرکت القوم رکوعا لم تعتد بتلک الرکعۃ۔ یعنی اگر تم قوم کو رکوع میں پاؤ تو اس رکعت کو شمار نہ کرو۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ ھٰذا ھو المعروف عن ابی ھریرۃ موقوفا واما المرفوع فلا اصل لہ۔ یعنی یہ روایت ابوہریرۃ سے موقوفاً معروف ہے لیکن یہ روایت مرفوعاً بے اصل ہے اور ابوہریرہؓ کی دونوں روایت مذکورہ سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ اس لئے

ان دونوں روایتوں میں رکعت ہونے نہ ہونے کا ذکر نہیں ہے بلکہ مسکوت عنہ ہے۔ پس ان دونوں روایتوں کو ان روایات کی طرف پھیرنا چاہیئے۔ جن میں صراحتاً مذکور ہے کہ وہ رکعت نہیں ہوتی ہے۔ علاوہ بریں حدیث میں من ادرک رکعۃ الخ میں رکعت سے رکوع مراد لینا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ معنی مجازی ہے اور لفظ کا معنی مجازی مراد لینا بلا قرینہ کے جائز نہیں اور اس حدیث میں کوئی قرینہ نہیں ہے اور ساتھ اس کے یہ حدیث ضعیف بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ عبدالرحمٰن گور گھپوری عفا اللہ عنہ

سیّد محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص ۲۸۶)

سوال: جمعہ کے بعد دو رکعت سنت ادا کرنی چاہیئے یا چار رکعت۔ نیز اگر جمعہ کی پہلی چار سنتیں رہ جائیں تو بعد نماز جمعہ پڑھی جاویں یا نہ؟

جواب: قبل جمعہ سنن کی تعداد کسی صحیح روایت میں نہیں آئی۔ تحیۃ المسجد کی نیت سے دو رکعتیں ضرور پڑھنی چاہئیں۔ فرضوں کے بعد دو اور چار رکعت (ہر دو طرح) مروی ہیں۔ ابوداؤد میں ہے۔ کان ابن عمر رضی اللہ عنہ یطیل الصلوٰۃ قبل الجمعۃ ویصلی بعدھا رکعتین فی بیتہ ویحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یفعل ذالک۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جمعہ سے قبل لمبی نماز پڑھتے اور بعد کی دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھتے اور بیان فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔" صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہیں۔ اذا صلیتم بعد الجمعۃ فصلوا اربعا فان عجل بک شئی فصل رکعتین فی المسجد ورکعتین اذا رجعت۔ یعنی فرمایا کہ تم جمعہ کے بعد نماز پڑھو تو چار رکعتیں پڑھا کرو۔ اگر کسی وجہ سے جلدی ہو تو دو مسجد میں پڑھ لیا کرو۔ اور دو رکعتیں واپسی کے بعد پڑھ لو۔ اوسط طبرانی میں روایت ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی قبل الجمعۃ وبعدھا رکعتین (تلخیص) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے اور بعد دو دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ھذا واللہ اعلم۔

(۲۶ مئی ۱۹۳۹ء)

سوال: ایک آدمی نماز باجماعت شروع ہونے کے بعد مسجد میں آیا ہے۔ ابھی پہلی ہی رکعت شروع ہوئی ہے اس پہلی رکعت میں کس وقت تک شامل ہو جائے کہ اس کی نماز پوری باجماعت تصور کی جاسکے۔ اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہو سکا ہے تو جماعت کے بعد بقیہ ایک رکعت نماز کس طرح ادا کرے یعنی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ سے لے کر سورہ فاتحہ اور کچھ حصہ قرآن مجید پڑھے یا کچھ کم و بیش۔

نیز جو چوتھی رکعت میں شامل ہونے والا آدمی جب باقی تین رکعت نماز اکیلا شروع کرتا ہے۔ ان رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں جو حقیقت میں اس کی دوسری رکعت ہے التحیات میں بیٹھے یا نہ بیٹھے؟

جواب: شخص مذکور فاتحہ پڑھ لے تو پہلی رکعت مکمل شمار ہو گی۔ دوسری تیسری چوتھی میں شامل ہونے والا بقیہ کو پہلا حصہ مان کر نماز پوری کرے۔ یعنی سبحانک بھی پڑھے اور پچھلی دو یا ایک رکعت میں (جو باقی ہے صرف سورہ فاتحہ پڑھے اور جو رکعتیں امام کے ساتھ پڑھی ہیں ان کو پہلی سمجھے یعنی ترتیب ملحوظ رکھے۔ اگر چوتھی رکعت میں ملا ہے تو اٹھ کر پہلے جو رکعت پڑھے اس کو دوسری رکعت سمجھ کر اس کے بعد التحیات پڑھے۔ (۱۶ رجون ۳۹ء)

سوال: اثناء نماز میں اگر کوئی کسی جگہ کھجلا وے تو نماز کے اندر کوئی نقص لازم آئے گا یا نہیں؟

جواب: نماز میں خارش پر کھجلانے سے نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں رفع حرارت کے سجدہ کی جگہ پر نماز پڑھتے پڑھتے کنکریاں ماتھے کے نیچے رکھ لیا کرتے تھے۔ (۳۰ رجون ۳۹ء)

سوال: ڈاڑھی منڈوانے والے امام کے پیچھے نماز پنجگانہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: ڈاڑھی منڈوانے والے خلاف سنت شخص کو امام مقرر نہیں کرنا چاہیے لقولہ علیہ السلام اجعلوا ائمتکم خیارکم۔ اگر پڑھ رہا ہو تو اقتدار جائز ہے بحکم وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ۔ (۴ دسمبر ۱۹۳۶ء)

سوال: قرآن سے ہاتھ سینہ پر یا زیر ناف باندھنا کہیں ثابت ہے یا نہیں۔ شیعہ لوگ ہم سے قرآن سے دلیل مانگتے ہیں۔

جواب: حضرت علی رضہ سے مروی ہے کہ وہ آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورہ کوثر) کا معنی کرتے ہیں کہ نماز پڑھو۔ اور سینہ پر ہاتھ باندھو۔ اللہ اعلم! (۳۱ دسمبر ۱۹۳۶ء)

سوال: میرے پاس قمیص، پائجامہ، کوٹ وغیرہ ہے۔ گرمی کی وجہ سے ایک رومال اوڑھ کر اور پائجامہ پہن کر نماز پڑھتا ہوں۔ نصف حصہ پیٹ کا اور ناف کے نیچے چار انگل اور کبھی دو انگل کھلا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: ستر کی جگہ کو ڈھانپ کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی۔ مگر افضل یہ ہے کہ کپڑے پہن کر نماز پڑھے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ عمل اسی پر رہا ہے۔ اللہ اعلم۔ (۲۰ دسمبر ۱۹۳۶ء)

سوال: وضو کرنے کے بعد فوراً ہی ہاتھ منہ کپڑے سے پونچھنا منع ہے یا نہیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے۔ تو گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

جواب: وضو کے بعد اعضاء کو کپڑے سے پونچھنا جائز ہے لحدیث معاذ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ مسح وجهه بطرف ثوبه (ترمذی) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے بعد کپڑے سے اپنے چہرہ مبارک کو پونچھا کرتے تھے۔ اللہ اعلم! (۷ جنوری ۱۹۳۶ء)

سوال: اگر امام کے پیچھے صف لگی ہوئی ہو اور مزید کسی آدمی کی گنجائش نہ ہو تو اکیلا صف کے پیچھے نماز میں شامل ہو سکتا ہے کہ نہیں۔ چونکہ بلوغ المرام حصہ اول ص ۱۱۳) ابو داؤد اور ترمذی کی روایت سے حدیث شریف میں موجود ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اکیلے کی صف کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی۔ اسی وقت اگلی صف سے دوسرا آدمی کھینچ کر نکالنا چاہیے۔ اور یہی مذہب امام احمد بن حنبل رح کا ہے۔ علاوہ اس کے بلاغ المبین میں لکھا ہے۔ باقی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ کہ اکیلے کی بھی صف کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے۔ اور ان کی دلیل بخاری شریف میں حدیث شریف بروایت ابو بکرہ رضہ موجود ہے آپ فرمائیں۔ کون سی دلیل صحیح ہے۔

جواب: حدیث کے مطابق صحیح یہی ہے کہ صف کے پیچھے اکیلا نماز نہ پڑھے۔ اگر اکیلا ہو تو پہلی صف سے کسی کو کھینچ کر ملا لے۔ اللہ اعلم۔ (۱۷ جنوری ۱۹۳۸ء)

سوال: عیدگاہ میں امام بوقت خطبہ عیدین، خطبہ کے درمیان بیٹھے یا نہ بیٹھے۔ سنت

کس طرح ہے۔ اور جو خطبہ کے مابین نہ بیٹھے اس کا فعل سنت کے موافق ہے؟ کیا حکم ہے؟

جواب: عیدین کے خطبہ کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے السنۃ ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین یفصل بینھما بجلوس رواہ الشافعی) کذا فی المنتقی۔ جو شخص اس کے خلاف کرے وہ خلاف سنت کرتا ہے۔ اللہ اعلم! (۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء)

سوال: حائضہ عورت قرآن شریف کے سوا دوسری کوئی اور کتاب. مثلاً اردو کی پہلی۔ دوسری کتاب پڑھ سکتی ہے یا نہیں اور کتب بینی اور اخبار بینی بھی کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: حائضہ قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگا سکتی۔ زبان سے پڑھ سکتی ہے۔ اور قرآن مجید کے سوا اور کتب ہاتھ میں لے کر پڑھ سکتی ہے۔ (۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء)

سوال: اگر کوئی شخص عیدگاہ میں پختہ منبر بنا دے اور اس پر چڑھ کر خطبہ دینا اور چاروں طرف دیوار یا صرف آگے دیوار بنانا کیسا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عیدین میں منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا ہے یا نہیں؟

جواب: عیدین کا خطبہ منبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ طارق بن شہابؓ روایت کرتے ہیں. اخرج مروان المنبر فی یوم العید فقام رجل یا مروان خالفت السنۃ اخرجت المنبر فی یوم العید ولم یکن یخرج فیہ (مسلم)۔ (۴ فروری ۱۹۳۶ء)

تعاقب پرچہ اہلحدیث مؤرخہ ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء کے فتاویٰ کا جواب لائق اعتراض ہے مجھے امید ہے کہ ممدوح اس پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ عیدین کے خطبہ کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ السنۃ ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین یفصل بینھما بجلوس. رواہ الشافعی کذا فی المنتقی۔) جو شخص اس کے خلاف کرے۔ وہ خلاف سنت کرتا ہے واللہ اعلم۔ گذارش یہ ہے کہ عیدین کا دو خطبوں سے ادا کرنا کسی حدیث سے ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ بلکہ فقہار نے عیدین کو جمعہ پر قیاس کیا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں فرمایا کہ قولہ یجلس بینھما کما فی الجمعۃ مقتضاہ انہ

احتج بالقیاس وقد ورد فیہ حدیث مرفوع. رواہ ابن ماجہ عن جابر وفیہ اسمٰعیل بن مسلم وھو ضعیف انتھٰی۔ اور نیز حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں ترجمہ اسمٰعیل بن مسلم میں ذکر کیا ہے۔ اسمٰعیل بن مسلم المکی ابو اسحاق کان من البصرۃ ثم سکن مکۃ وکان فقیہا ضعیف الحدیث من الخامسۃ ضعفہ ابن المبارک وقال احمد منکر الحدیث انتھٰی۔ علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں فرمایا ہے۔ عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبۃ۔ قال السنۃ ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین یفصل بینھما بجلوس رواہ الشافعی والحدیث الثانی یرجحہ القیاس علی الجمعۃ وعبید اللہ بن عبد اللہ تابعی کما عرفت فلا یکون قولہ دلیل علی انھا سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما تقرر فی الاصول وقد ورد فی الجلوس بین خطبتی العید حدیث مرفوع. رواہ ابن ماجہ عن جابر وفی اسنادہ اسمٰعیل بن مسلم انتھٰی۔
یہ دلائل ہیں جلوس بین الخطبتین کے، لگمان میں کوئی بھی دلیل ایسی نہیں کہ قابل استناد کے ہو۔ ابن ماجہ کی روایت مرفوع خود ضعیف ہے، باقی رہی عبارت شافعیؒ کی۔ اس کے ساتھ بھی حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عبید اللہ تابعی ہے اور تابعی کا یہ کہنا کہ فلاں کام سنت ہے مرفوع نہیں ہوتا۔ جیسا کہ علم الاصول میں مقرر ہے۔

پس کوئی دلیل دو خطبہ کے قائلین کے پاس نہیں ہے۔ اور جب دو خطبوں کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ہوتا۔ اور صرف قیاس ہی قیاس سے کام لیا جاتا ہے تو یہ دو خطبے عیدین کے اور ان کے مابین جلوس خلاف سنت ہے۔ ھذا ما ظھر لی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (حافظ محمد اسمٰعیل سگری۔ شولاپور)

جواب: حافظ صاحب خود ہی حدیث مرفوع نقل کرتے ہیں۔ مگر پھر انکار کہ کوئی حدیث نہیں آئی۔ حدیث کا ضعف اسے درجہ استدلال سے اس وقت گراتا ہے جب اس کے مقابل میں حدیث صحیح موجود ہو۔ صورت مذکورہ میں حدیث کا ضعف مضر نہیں اور قیاس بھی اس کا مؤید ہے۔۔۔ جیسا کہ حافظ صاحب نے خود ہی امام شوکانیؒ کی عبارت نقل کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ حدیث کے ضعف کی وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ جلوس بین الخطبتین کو سنت نہیں کہا جا سکتا۔ مگر اس کو خلاف سنت کہنا بھی ایک جرأت ہے۔ (اہلحدیث ۱۴ مارچ ۱۹۳۶ء)

سوال: ایک فریق تو صبح کی اذان ہوتے ہی دو رکعت سنت ادا کر کے جماعت کرا دیتا ہے۔ اور دوسرا گروہ تھوڑی دیر انتظار کر کے درمیانے وقت میں نماز پڑھتے ہیں۔ اس واسطے دریافت طلب بات یہ ہے کہ آیا کونسا فریق راستی پر ہے۔ اور آجکل اذان کتنے بجے کہی جاوے۔ اور انتظار کتنے عرصہ ہونا چاہیئے تاکہ اتفاق رہے۔

جواب: اذان صبح صادق طلوع ہوتے ہی کہی جاوے۔ پھر کچھ دیر انتظار کرنا چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لئے اس قدر انتظار کرتے تھے کہ سویا ہوا شخص نیند سے اٹھ کر وضو کر کے جماعت کے ساتھ شامل ہو سکے۔ (۴ر مارچ ۱۹۳۸ء)

سوال: اگر امام قراءت میں کسی جگہ پر بھول جائے یا درمیان میں کوئی آیت چھوڑ جائے اور مقتدیوں میں سے لقمہ دینے والا کوئی نہ ہو تو سجدہ سہو کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: حدیث شریف میں ہر بھول پر سجدہ کا حکم ہے۔ اس لئے قراءت بھول جائے تو بھی سجدہ سہو کرے[1]۔ (۱۰ر مارچ ۳۶ء)

تعاقب: اخبار "اہلحدیث" مجریہ ۲ر ذی الحجہ سنہ رواں میں سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ "عیدین کا خطبہ منبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں"۔

جامع ترمذی شریف میں ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال شهدت مع النبي صلى الله عليه وسلم الاضحى بالمصلى فلما قضى خطبته نزل عن منبره الحديث۔ یعنی جابر بن عبد اللہ رض سے روایت ہے کہ میں بقرعید کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدگاہ میں گیا۔ پس جب آپ نے خطبہ پورا کیا تو اپنے منبر سے اتر پڑے۔

تحفۃ الاحوذی ص۴۱۲ ج ۲ میں اسی حدیث کے تحت مذکور ہے۔

"فيه ثبوت وجود المنبر في المصلى وان النبي صلى الله عليه وسلم كان يخطب عليه"۔ یعنی "اس حدیث میں ثبوت ہے اس کا کہ عیدگاہ میں منبر کا وجود تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ دیا کرتے تھے"۔

نوٹ: سائل نے یہ بھی دریافت کیا ہے کہ عیدگاہ میں" چاروں طرف دیوار یا صرف

---

[1] اس پر تعاقب مع جواب اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

آگے دیوار بنانا کیسا ہے۔ امید کہ مفتی اعظم صاحب، مدظلہ اس کا بھی جواب باصواب تحریر فرمائیں گے (راقم عبد السلام مبارکپوری اعظمی)

جواب : تعاقب صحیح ہے۔ جزاک اللہ! عیدگاہ کی چار دیواری یا ایک دیوار بہ نیت حفاظت زمین بنائی جائے تو جائز ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔ (۱۸ مارچ ۱۹۳۶ء)

سوال : جماعت بندی بذریعہ اوقات گھڑی مسجد میں مقرر ہے۔ نماز کے لئے بدعت تو نہیں؟

جواب : گھڑی وقت نماز معلوم کرنے کے لیے مسجد میں رکھنا منع نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (۲۵ مارچ ۱۹۳۶ء)

تعاقب الف اخبار اہلحدیث مجریہ ۱۵ محرم سنہ حال میں سوال کا جو یہ جواب تحریر فرمایا گیا ہے۔ کہ "حدیث شریف میں ہر بھول پر سجدہ کا حکم ہے۔ اس لئے قرارت بھول جائے تو بھی سجدہ سہو کرے۔ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اولاً ہر بھول پر سجدہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے۔ **بلوغ المرام** میں ہے۔ عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لکل سہو سجدتان بعد ما یسلم۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ بسند ضعیف۔

ثانیاً۔ قرارت بھول جانے کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سہو کرنا ثابت نہیں ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن ابی المسعود بن یزید المالکی۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوٰۃ فترک شیئا لم یقرأہ فقال لہ رجل یا رسول اللہ ترکت آیۃ کذا وکذا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھلا ذکرتنیھا قال کنت اراھا نسخت وفی روایۃ ابن حبان فقال ظننت انھا نسخت قال فانھا لم تنسخ۔ یعنی مسعود بن یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرارت پڑھ رہے تھے۔ پس کچھ چھوڑ دیا اور اس کو پڑھا نہیں تو ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی۔ تب آپ نے فرمایا۔ مجھے کیوں نہیں یاد دلایا۔ اس مرد نے کہا میں نے گمان کیا کہ وہ آیت (جس کو آپ نے چھوڑ دیا اور پڑھا نہیں) منسوخ ہوگئی ہے۔ آپ نے فرمایا منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ و نیز سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

صلی صلوٰۃ فقرأ فلبس علیہ فلما انصرف قال لأبی اصلیت معنا قال نعم قال فما منعک الخ یعنی عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھی۔ پس آپ نے قرارت کی تو آپ پر قرارت ملتبس ہوئی۔ پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو ابی بن کعب سے کہا۔ کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ کس چیز نے لقمہ دینے سے تم کو روکا؟ یہ دونوں حدیثیں فتاویٰ نذیریہ ج۱) سے منقول ہیں۔

الحاصل احادیث سے نماز کی کمی و زیادتی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سہو کرنا ثابت ہے مگر قرارت بھول جانے پر سجدہ سہو کرنا حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ دونوں مذکورہ بالا حدیثوں سے ظاہر ہے۔ پس اگر امام نماز میں کوئی آیت بھول کر چھوڑ جائے تو اس کو سجدہ سہو نہیں کرنا چاہیئے۔ ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

جواب تعاقب الف) آپ نے جو تعاقب کیا ہے۔ صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ لکل سہو سجدتان حدیث قولی ہے۔ اور جو واقعات پیش کئے ہیں وہ حدیث فعلی ہیں۔ ان میں سجدے کی نفی نہیں عدم ذکر ہے۔ عدم ذکر سے نفی لازم نہیں آتی۔ علاوہ اس کے مسئلہ زیر بحث میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ آپ نے جو اختیار کیا ہے وہ بھی ایک مذہب ہے۔ اور ایک مذہب یہ بھی ہے کہ جن چند مقامات میں آپ نے سجدہ سہو کیا ہے۔ صرف وہی قابل سجدہ ہیں۔ دوسرے نہیں۔ سفر السعادت میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ زیادہ قابل بحث نہیں ہے۔ (یکم اپریل ۱۹۳۸ء)

تعاقب: ۱۵ محرم الحرام سنہ رواں کے پرچہ "اہلحدیث" میں تعاقب دیکھا کہ عیدین میں منبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ دینا ثابت ہے وہ تعاقب صحیح نہیں۔ کیونکہ امام ترمذی خود اس حدیث کو بیان کر کے اخیر میں لکھتے ہیں۔ والمطلب بن عبداللہ بن حنطب یقال انہ لم یسمع من جابر۔ اسی سند سے ابوداؤد میں ہے۔ لہٰذا اس ضعیف حدیث سے استدلال پکڑنا صحیح نہیں۔ اس کے خلاف احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ میں ہے عن طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ قال اخرج مروان المنبر فی یوم عید فبدأ بالخطبۃ قبل الصلوٰۃ فقام رجل فقال یا مروان خالفت السنۃ اخرجت المنبر فی یوم عید ولم یکن یخرج فیہ فقال ابوسعید

اما هذا فقد ادلی ما علیه (منتقیٰ)

اسی حدیث کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے۔ بخاری شریف میں باب الخروج الی المصلی بغیر منبر۔ نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۳۰۲، فتح الباری ج ۲ ص ۳۰۷

فی روایة ابن حبان فینصرف الی الناس قائما فی مصلاه ولابن خزیمة فی روایة خطب یوم عید علی رجلیه۔ اس کے بعد فتح الباری میں لکھا ہے، وهذا مشعر بانه لم یکن بالمصلی فی زمانه صلی الله علیه وسلم منبر ویدل علی ذلك قول ابی سعید فلم یزل الناس علی ذالك حتی خرجت مع مروان ومقتضی ذالك ان اول من اتخذه مروان اور سبل السلام صفحہ ۱۰۳ میں تحت حدیث ابی سعید لکھا ہے۔ فیه دلیل علی انه لم یکن فی مصلاه منبر وقد اخرج ابن حبان فی روایة خطب یوم عید علی راحلته وقد ذکر البخاری فی تمام روایة عن ابی سعید ان اول من اتخذ المنبر فی مصلی العید مروان۔ سفر السعادت مصری صفحہ ۴۷ میں ہے۔ وکان اذا فرغ من الصلوة قام وخطب قائما ولم یك ثم منبر کما ورد فی الحدیث الصحیح نزل نبی الله وهذا یدل علی انه کان یخطب علی تل او صنعة ما ومکان عال یقوم مقام المنبر وروی فی بعض الاحادیث علی راحلته وفی الصحیحین عن جابر ثم قام متوکئا علی بلال۔ (۱۵ اپریل ۱۹۳۳ء)

تعاقب پر تعاقب ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ کے اخبار "اہلحدیث" سوال ۲۰ کے جواب باصواب میں فاضل مفتی صاحب مدظلہ العالی نے تحریر کیا کہ عیدین کا خطبہ منبر پر آنحضرت صلعم سے ثابت نہیں اور اس کی دلیل میں صحیح مسلم شریف کی حدیث پیش کی۔ جواب مذکور صواب وصحیح تھا۔ لیکن اس پر جلدی سے جناب مولوی ابو الصمصام عبد السلام مبارکپوری نے تعاقب کر دیا۔ مولوی صاحب کا یہ تعاقب دور از تحقیق ہے۔ اس لئے کہ جس روایت کو فاضل متعاقب نے نقل کیا ہے۔ منقطع اور ضعیف ہے۔ اس حدیث کا راوی مطلب بن عبد اللہ کثیر التدلیس والارسال ہے۔ (تقریب) اس کی روایت حجت نہیں مانی جاتی جیسا کہ

ذہبیؒ نے میزان میں نقل کیا ہے (لیس یحتج بحدیثہ) اس کو جابر صحابی سے سماع بھی حاصل نہیں۔ امام ترمذیؒ نے خود ہی حدیث نزل من منبرہ والی نقل کر کے لکھ دیا ہے۔ المطلب بن عبد اللہ بن حنطب یقال انہ لم یسمع من جابر امام بخاریؒ بھی فرماتے ہیں۔ ولا اعرف للمطلب بن عبد اللہ بن حنطب سماعا من احد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی جلد ثانی ص۲۴۲)

(کسی صحابی سے مطلب بن عبد اللہ کی سماع مجھ کو نہیں معلوم) پس مولوی صاحب کی منقول روایت قابل حجت نہیں۔ صحیح مسلم شریف والوداؤد و دیگر کتب احادیث سے پتہ ملتا ہے کہ عیدگاہ میں منبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا۔ بلکہ مروان کے زمانہ میں کثیر بن صلت نے عیدگاہ میں اس کا آغاز کیا۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں باب منعقد کیا ہے۔ (باب الخروج الی المصلی بغیر منبر) ومن ادعی خلافہ فعلیہ البیان بالبرھان)۔ (راقم سیف الدین مرشد آبادی) (۲۲ راپریل ۱۹۲۸ء)

عیدین میں دو خطبہ

تعاقب اخبار اہل حدیث بابت ۲۸ جنوری سنہ رواں کے جواب میں تحریر فرمایا گیا ہے۔

"عیدین کے خطبہ کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ السنۃ ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین یفصل بینہما بجلوس (رواہ الشافعیؒ کذا فی المنتقی۔ جو شخص اس کے خلاف کرے

لہ اس مسئلہ کی مکمل بحث کیلئے مولانا ابو الحسن صاحب بنگلوری (مخالف) اور حضرت مولانا سیف بنارسی مرحوم (موافق) کے مقالہ جات "المحدیث" جلد ۴۲ ص۲۷ اور اگلے پرچوں میں ملاحظہ فرمائیے۔ افسوس کہ فتاوی کی ضخامت محدود ہونے کی وجہ سے ہم اُن کو درج نہیں کر سکے۔ ۱۲ محمد داؤد راز

وہ خلاف سنت کرتا ہے"۔ پس واضح ہو کہ یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ السنۃ ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ تابعی کا قول ہے۔ لہٰذا ان کے اس قول سے کہ" عیدین میں دو خطبے سنت ہیں" سنت نبوی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ قاضی شوکانی رح نیل صـ۱۹۲ میں لکھتے ہیں۔ عبید اللہ بن عبد اللہ تابعی فلا یکون قولہ من السنۃ دلیلا علی انھا سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا ان تقرر فی الاصول۔ علاوہ اس کے عیدین میں دو خطبے مسنون ہونا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں اور جو حدیثیں عیدین میں دو خطبوں کے مسنون ہونے کے ثبوت میں ذکر کی جاتی ہیں وہ سب ضعیف و ناقابل احتجاج ہیں۔ ازاں جملہ ابن ماجہ کی ایک حدیث یہ ہے۔ عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فطر او اضحی قائما ثم قعد ثم قام یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر یا عید الاضحی کے دن نکلے۔ پس کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا پھر بیٹھے پھر کھڑے ہوئے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی سند میں اسمٰعیل بن مسلم واقع ہیں اور وہ ضعیف ہیں و نیز اس کی سند میں ابو الزبیر واقع ہیں اور یہ مدلس ہیں۔ اور انہوں نے اس حدیث کو جابر رض سے بلفظ عَنْ روایت کیا ہے۔ اور عنعنہ مدلس کا مقبول نہیں اور ازاں جملہ ایک حدیث یہ بھی ہے۔ عن عبد اللہ بن مسعود قال السنۃ ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین یفصل بینھما بجلوس یعنی سنت یہ ہے کہ امام عیدین میں دو خطبے پڑھے اور دونوں خطبوں کے درمیان فصل کرے۔ لیکن یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

حافظ زیلعی تخریج ہدایہ صـ۳۲۴ میں لکھتے ہیں۔ قال النووی فی الخلاصۃ وروی عن ابن مسعود قال السنۃ ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین فیفصل بینھما بجلوس ضعیف غیر متصل ولم یثبت فی تکریر الخطبۃ شیٔ ولکن المعتمد فیہ ایضا القیاس علی الجمعۃ انتھی کلامہ۔

اور ازاں جملہ ایک روایت یہ ہے۔ عن سعد بن ابی وقاص ان النبی

صلی اللہ علیہ وسلم صلی العید بغیر اذان ولا اقامة وکان یخطب خطبتین یفصل بینهما بجلسة۔ یعنی سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اذان اور اقامت کے عید کی نماز پڑھی۔ اور آپ دو خطبے پڑھتے تھے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کرتے تھے۔ مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے۔ رواہ البزار ورجاله فی اسناده من لم اعرفه۔ اور علامہ امیر یمانی ؒ سبل السلام ص۱۴۷ میں تحت حدیث ابی سعود خدریؓ (ویقوم مقابل الناس والناس علی صفوفهم فیعظهم ویامرهم متفق علیه) لکھتے ہیں۔ وفیه دلیل علی مشروعیة خطبة العید وانها کخطب الجمع امر ووعظ ولیس فیه انها خطبتان کالجمعة وانه یقعد بینهما ولعله لم یثبت ذالك من فعله صلی اللہ علیه وسلم وانما صنعه الناس قیاسا علی الجمعة انتهی۔ الحاصل عیدین میں دو خطبے مسنون ہونا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں ہے۔ پس جو شخص عیدین میں ایک ہی خطبہ پڑھتا ہے وہ خلاف سنت نہیں کرتا ہے۔ هذا ما عندی واللہ تعالی اعلم۔ (کتبہ ابو صمصام محمد عبد السلام مبارکپوری اعظمی)

مفتی: آپ نے چند حدیثیں ضعیف لکھی ہیں۔ جن کے طرق ان کو قوی کرتے ہیں بہرحال آپ نے قیاس علی الجمعہ پر تعامل کو صحیح مانا ہے اور ہم نے احادیث کو دلیل بنایا ہے۔ جن کو آپ مؤید تو مان ہی لیں گے۔ بہرصورت ہم دونوں متفق ہیں کہ تعامل امت درست ہے یہ کوئی قابل بحث چیز نہیں اس لئے آئندہ ختم۔ (۲۸ صفر ۱۳۵۶ھ)

سوال: جمعہ کے دن بھی زوال ہے بموجب فتویٰ اہلحدیث بحوالہ کتب احادیث بخاری و مسلم۔ اور اس کے خلاف بروایت مشکوٰۃ کہ جمعہ کے دن زوال نہیں ہے اور اس پر مولانا حمید اللہ صاحب کا فتویٰ ہے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ قابل عمل ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو اس کی وجہ؟

اب سوال یہ ہے کہ اگر زوال جمعہ کے دن بھی ہے تو زوال کا وقت کب تک رہتا ہے اور جمعہ کے دن کیا بوقت زوال سوائے فرضوں کے نوافل بھی ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو اس کی کیا دلیل ہے؟ (سائل نامعلوم)

جواب: زوال روز ہوتا ہے۔ مگر زوال کے وقت جمعہ کے روز نفل وغیرہ پڑھنی جائز ہے۔ زوال اس کو کہتے ہیں۔ جب مسجد کی دیوار میں سایہ ہو۔ ایک انگل بھر باہر نکل آوے تو نماز جائز ہے۔ (اہلحدیث ۱۳۱ اگست ۱۹۳۱ء)

شرفیہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز نفل پڑھنے کا مسئلہ جواز کی بعض روایات ہیں مگر صحیح نہیں۔ ایک روایت ابوہریرہؓ سے مسند شافعی میں رفعاً مروی ہے بلفظ نهی عن الصلوٰة نصف النهار حتی تزول الشمس الا يوم الجمعة انتہی۔ اس میں اسحق اور ابراہیم دو راوی ضعیف ہیں۔ ثقہ نہیں۔ بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں واقدی متروک ہے۔ دوسرے طریق میں عطاء بن عجلان متروک ہے۔ طبرانی نے بسند واہی واثلہؓ سے روایت کیا ہے یہ سب غلط ہیں۔ امام شافعی رح نے ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت کر کے تائید کی ہے کہ صحابہؓ نصف النہار یوم جمعہ نفل پڑھتے تھے مگر ثعلبہ مذکور تبع تابعی صحابہ سے لقاء نہیں۔ لہذا یہ بھی ثابت نہیں۔ اور سنن ابی داؤد میں اور اثرم نے بھی ابوقتادہؓ سے روایت کیا ہے۔ وقال مرسل ابو خليل لم يسمع عن ابی قتادة وفيه ليث بن ابی سليم وضعيف وقال الاثرم الخ (التلخیص الحبیر) اور صحیح مسلم میں ہے عن عقبة ابن عامر قال ثلث ساعات كان رسول الله صلعم ينهانا ان نصلی فيهن او نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف للغروب حتى تغرب - انتهى . مشکوٰة ص ۹۲ - وفی موطا مالکؒ عن الصنابحی - ص ۲ مطبوعہ دہلی -

پس ثابت ہوا کہ زوال کے وقت نماز پڑھنی منع ہے۔ خواہ یوم جمعہ ہو یا کوئی اور یوم۔ اس لئے کہ منع کی حدیثیں صحیح ہیں اور جواز کی صحیح نہیں۔ صحیح کے مقابل غیر صحیح پر عمل باطل ہے۔ ہذا۔ واللہ اعلم۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ایک حنفی مولانا صاحب کہتے ہیں کہ شافعی امام کے پیچھے حنفی کی نماز عیدین نہیں ہوتی۔ کیونکہ حنفی کے نزدیک واجب ہے اور شافعی کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ اس لئے قرآن و حدیث سے جواب دیجئے۔

جواب: عیدین میں بھی حنفی کو شافعی کی اقتدا جائز ہے۔ جیسا کہ رمضان میں اقتدا شافعی کے پیچھے جائز ہے کیونکہ شافعیوں کے نزدیک وتر سنت ہیں۔ یہ کوئی وجہ نہیں کہ کوئی فریق ایک نماز کو واجب کہتا ہے۔ یا سنت اوّل تو اس لئے کہ یہ اصطلاحات زمانہ رسالت سے بعد کی ہیں۔ اس حد تک قابل اعتماد نہیں ہیں کہ ان پر بناء شرعی رکھی جائے۔ دوسرے اس لئے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ امام نفل پڑھتا تھا اور مقتدی فرض پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ معاذ والی حدیث میں صاف تصریح ہے۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرض ادا کر کے اپنے مقتدیوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ جو یقینا معاذ کے نفل تھے اور اقتدا کنندگان کے فرض۔ آنحضرت صلعم نے یہ سن کر منع نہیں فرمایا۔ اللہ اعلم! (۱ر مئی ۱۹۳۸ء)

سوال: ایک دیوبندی مولوی جو مذہب اہلحدیث پر زور شور سے حملہ کر رہے ہیں۔ اپنے وعظ میں بعد نماز جمعہ کہتے ہیں۔ کہ لوگو جو یہ نام نہاد اہلحدیث زمانہ حال کے ہیں یہ جماعت سنت کو بدعت قرار دیتے ہیں اور بدعت کو سنت قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت سنت نبوی ہے، سنت خلفاء راشدین ہے اس کو بدعت تسلیم کرتے ہیں باوجودیکہ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین ہے۔ اب جو حدیث عائشہؓ آٹھ رکعت کی وارد ہوئی ہے۔ اس کا جواب ہمارے ہاں یہ ہے کہ حدیث میں ام المومنین ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور علیہ السلام رمضان شریف میں اس سے زیادہ عبادت کرتے تھے" کیا جواب ہے!

جواب: بیس رکعت تراویح کا ثبوت "اہلحدیث" کی گذشتہ اشاعت میں "الجمعیۃ" دہلی سے بھی طلب کیا گیا ہے[ل]۔ آج ان مولوی صاحب کو بھی وہی جواب دیا جاتا ہے۔ (ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین) ہمیں تو کتب حدیث میں بیس رکعت تراویح مسنونہ کا ثبوت نہیں ملتا۔ ہم ان مولوی صاحب کے مشکور ہوں گے اگر بیس رکعت کا ثبوت دکھا دیں۔

اہل حدیث کو بدعتی کہنا تو اپنی خفگی کا اظہار ہے۔ اہل حدیث اگر اہل بدعت ہوتے تو آج مزارات اور قبروں کی آمدنی سے مزے اُڑا تے۔ (۳۱ر مئی ۱۹۳۹ء)

ل اسے ص۵۴۲ پر ملاحظہ فرمائیے:۔

فتویٰ متعلقہ تعداد رکعات تراویح

مولانا سلکم اللہ و عافا !

رمضان شریف میں ہم لوگ آٹھ تراویح معہ وتروں کے گیارہ رکعات پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارا یہ فعل خلاف سنت ہے۔ آپ مہربانی کرکے اس کا ثبوت تحریر فرمائیں۔ تاکہ میں حسب ضرورت اس کو شائع کر دوں۔

(شیخ فضل الدین خزانچی انجمن اہلحدیث امرتسر)

جواب: اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں نماز تراویح باجماعت کا انتظام نہ تھا بلکہ خلافت اولیٰ کے عہد میں بھی نہ تھا لوگ متفرق طور پر پڑھتے تھے تعداد رکعت مع وتروں کے گیارہ تھی جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے مگر اس پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ جماعتی انتظام خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اس کے متعلق کتاب موطا امام مالکؒ اور قیام اللیل مروزی میں جو الفاظ مروی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

عن مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید......

انه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشر رکعة (موطا وقیام اللیل للمروزی) "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم الداری کو (نماز تراویح کا امام بنا کر) حکم فرمایا تھا کہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھایا کریں"

ان دونوں کتابوں کے الفاظ متفق ہیں کہ باجماعت نماز تراویح کی رکعات کی تعداد آٹھ تھی باقی وتر تھے اس سوا حدیث کی کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا کہ کسی خلیفہ کے زمانہ میں مذکورہ تعداد جماعتی صورت میں آٹھ سے بڑھ کر بیس یا چالیس تک پہنچ گئی ہو اسی لئے گروہ حنفیہ کے بہت بڑے عالم شیخ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے۔

فتحصل من هذا كله ان قيام رمضان سنة احدى عشر ركعة بالوتر فی جماعة فعله عليه الصلوٰة والسلام (فتح القدیر جلد اول ص ۱۹۸ مطبوعہ نولکشور لکھنو)

پس یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ نماز تراویح کی رکعات بفعل نبوی اور بحکم خلیفہ راشد آٹھ رکعت مع وتر گیارہ ہیں اگر کوئی اس سے زیادہ پڑھے تو وہ نفل ہوں گے جیسا کہ شیخ موصوف کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے پس یہ ہے ہمارے عمل کی دلیل امید ہے کہ سائل کی تسلی کرنے کو اتنا کافی ہوگا۔

اطلاع: اگر کسی صحیح روایت سے ثابت ہو جائے کہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں نماز تراویح باجماعت آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھی جاتی تھی تو ہمیں اس پر عمل کرنے سے انکار نہیں ہے پس اختلاف کرنے والے اصحاب ہمارے پیش کردہ حوالہ جات کو سامنے رکھ کر مزید دریافت کریں گے تو مزید عرض .... کیا جائے گا۔ واللہ اعلم وعلمہٗ اتم۔

(راقم خادم دین اللہ۔ ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری۔ یکم رمضان ۱۳۶۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۴۳ء)

(۹ رمضان اہلحدیث ۱۳۶۲ھ)

قیام اللیل: مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب نے اخبار اہلحدیث ۳۰ مئی ص۹ میں گیارہ رکعت تراویح کا حوالہ موطا امام مالک وقیام اللیل للمروزی سے پیش فرمایا تھا۔ اخگر صاحب امرتسری جو ایک مدت سے خواب خرگوش میں تھے یکا یک جھنجھلا کر اٹھے اور "الفقیہ" ۲۸ جون میں سرسامی ہذیان میں بولنے لگے کہ قیام اللیل مروزی کی تصنیف ہی نہیں ہے بلکہ مشہور مؤرخ مقریزی المتوفی ۸۴۵ھ نے یہ کتاب ۸۰۶ھ میں لکھی ہے اور ملتان کے مطبع میں چھپی ہے۔ حالانکہ یہ تینوں باتیں غلط ہیں (۱) نہ تو قیام اللیل مقریزی کی تصنیف ہے (۲) نہ ۸۰۶ھ میں لکھی گئی (۳) نہ ملتان کے مطبع میں طبع ہوئی۔ بلکہ قیام اللیل حقیقت میں امام محمد بن نصر مروزی کی ہی تالیف ہے۔ مروزی نے اپنی وفات سے آٹھ سال پہلے اس کو ۲۸۷ھ میں تصنیف کیا۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں۔ وذالك فی شهر ربیع الاخر لنصف منه من سنة سبع وثمانین ومائتین وفیها بلغت وابومنصور وسعید بن رجب من اوله الی اخره ..... الخ ص۱۴۲ یعنی یہ کتاب ماہ ربیع الاخر کے نصف میں ۲۸۷ھ میں اختتام کو پہنچی اور ابومنصور وسعید بن رجب نے مجھے اپنے شیخ (امام مروزی) پر ۲۲ ربیع الآخر یوم پنجشنبہ ۲۸۷ھ کو یہ کتاب پڑھی" (۲) مقریزی نے ۸۰۰ھ میں اس کتاب کو مختصر کیا نہ کہ ۸۰۶ھ میں تالیف کیا۔ مقریزی خود لکھتے ہیں۔ تم هذا المختصر فی نصف یوم الخمیس ثمان

بقین من جمادی الآخرہ سنة سبع وثمانی مائة (۸۰۷ھ) یعنی یہ مختصر نصف یوم پنجشنبہ ۸ رجمادی الاخر ۸۰۷ھ میں تمام ہوا"۔ اس مختصر میں احادیث مرفوعہ جو بکرر تھیں ان کو حذف کر دیا اور آثار صحابہ و تابعین وغیرہ جو اصل کتاب میں بالاسناد مروی تھے ان کی صرف سندوں کو نہیں نقل کیا یہی مختصر شدہ نسخہ آج ہندوستان و مصر وغیرہ میں شائع و ذائع ہے۔ پس یہ مقریزی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ مقریزی کا مختصر کیا ہوا ہے نہ بھی ۱۳۰۶ھ میں نہ ۱۳۰۶ھ میں (۲) نسخہ مروجہ ملتان کے کسی مطبع میں نہیں طبع ہوا ہے بلکہ رفاہ عام پریس لاہور میں چھپا ہے۔ آگے اس کی تشبیہ جو مسند ابی حنیفہؒ سے دی گئی ہے وہ بالکل غلط ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ نے مسند میں کوئی کتاب لکھی ہی نہ تھی جس کا ساتویں صدی میں اختصار کیا گیا ہو۔ ومن یدعی فعلیه البیان۔ پھر اخگر کی یہ چراغ پائی کہ "چودھویں صدی سے پہلے نہ تھی" کیسی عجیب ہے؛ جبکہ خود لکھتا ہے کہ مقریزی نے اس کو لکھا۔ اور مقریزی کا سنِ وفات بھی ۸۴۵ھ خود ہی لکھا ہے۔ نویں صدی میں اس کا وجود مان کر چودھویں صدی سے پیشتر اس کے وجود کا انکار کرنا میں نہیں سمجھتا کہ اسے پیری کے حافظہ پر محمول کروں یا حافظہ نباشد کہدوں یا تناقض فی البیان۔ طرہ یہ کہ اوپر یوں کہا ہے کہ "نہ صدیوں سے اس کا وجود کہیں پایا گیا" وھل ھٰذا الا تہافت۔ اب مجھ سے سنیے اور اپنے قصورِ علم کا اعتراف کیجیے۔ تلاش سے اس کتاب کا پتہ ہر صدی میں مل سکتا ہے۔ مقریزی کے زمانہ میں (نویں صدی) میں اس کا وجود تو آپ کو بھی تسلیم ہے۔ اور اگر اب انکار کی ٹھہرے تو میں مقریزی کے ہمعصر حافظ ابن حجرؒ و علامہ عینی حنفی کو میں اپنی شہادت میں پیش کروں گا کہ ان دونوں ہم زلف بھائیوں نے اپنی اپنی شرح بخاری میں مروزی کے اصل نسخہ قیام اللیل سے صدہا حوالجات بالاسناد نقل کئے ہیں حافظ ابن حجرؒ کی شہادت تم بھلا کب مانوگے اپنے ہم مذہب عینی کی شرح بخاری جلد پنجم کا صفحہ ۳۵۷ پڑھو پھر تم کو اس کتاب کے وجود میں مطلق شک نہ رہے گا۔ یہ تو نویں صدی ہجری کی شہادتیں ہیں اس سے اوپر آٹھویں صدی کی شہادت سنو۔ حافظ ابن قیم حنبلی المتوفی ۷۵۱ھ اپنی کتاب الصلوٰۃ میں مروزی کی صلوٰۃ اللیل سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں حیث قال۔ قال محمد بن نصر المروزی فی کتابہ فی الصلوٰۃ الخ (مطبوعہ مصر ص ۱۰) اس سے اوپر چلو اور ساتویں

صدی کی شہادت سنو۔ حافظ نواوی المتوفی ۶۷۶ھ نے اپنی کتاب تہذیب الاسماء والصفات مطبوعہ لندن ص ۱۲۲ میں بحوالہ شیخ ابی اسحٰق مصنف طبقات الفقہاء محمد بن نصر مروزی کا کتاب مذکور تالیف کرنا نقل کیا ہے۔ اسی طرح تلاش کرنے سے اوپر کی صدیوں میں کتاب مذکور کا ثبوت مل سکتا ہے۔ لیکن امام مروزی کے ہمعصر امام محمد بن جریر طبری کی شہادت بھی موجود ہے پس انگرکا یہ لکھنا "صدیوں سے اس کتاب کا وجود نہیں پایا گیا" کتنا غلط اور سفید جھوٹ ہے۔ میرا ارادہ اس مضمون میں اس سے زیادہ لکھنے کا نہ تھا۔ لیکن ہاتھوں ہاتھ ان دونوں حدیثوں پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنا مناسب معلوم ہوا جن پر دہلی کے "علامہ" انگرامرتسری نے جرح کی ہے۔ حدیث جابرؓ آٹھ رکعت والی پر حاشیہ کتاب سے جرح نقل کر دی ہے کہ اس کا پہلا راوی محمد بن حمید ضعیف ہے (مولوی عبدالتواب ملتانی کے حاشیہ نے جو اس کتاب پر ہے درحقیقت المحدیث کو بہت نقصان پہنچایا کہ بلا تحقیق ثقہ راویوں کو مجروح لکھدیا۔ عفا اللہ عنہ) علامہ ذہبی نے اس روایت کو جعفر بن حمید سے روایت کیا ہے نہ محمد بن حمید سے۔ دیکھو میزان الاعتدال جلد دوم ص ۲۸۔ پس محمد کے ضعف سے کچھ حرج نہیں جبکہ اس کا بھائی جعفر بھی اس کو یعقوب سے روایت کرتا ہے۔ دوسری جرح عیسیٰ بن جاریہ پر "فیہ لین" کی ایسی کوئی قادح جرح نہیں ہے جبکہ ذہبی جیسے متشدد اس حدیث کو عیسیٰ بن جاریہ ہی کے ترجمہ میں نقل کر کے اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔ دیکھو میزان الاعتدال ص ۲۸ ج ۲۔ علاوہ بریں جابرؓ کی حدیث مذکور کو علامہ عینی حنفی نے بھی بحوالہ صحیح ابن خزیمہ و صحیح ابن حبان اپنی شرح بخاری میں نقل کیا ہے اور کوئی جرح نہیں کی ہے۔ دیکھو ص ۵۹۰ ج ۳ بلکہ مولوی عبدالحی حنفی لکھنوی نے اس کو تعلیق الممجد میں اصح تسلیم کیا ہے۔ دیکھو حاشیہ موطا امام محمد ص ۱۳۸ لہٰذا روایت جابرؓ اصح ہے اور اس میں اور صحاح کی حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔ صحابہؓ کی اصطلاح میں رات کی پوری نماز کو وتر بھی کہا گیا ہے اور قیام اللیل و صلوٰۃ رمضان وغیرہ بھی۔ جیسا کہ عنقریب میں اپنے دوسرے مضمون میں بتفصیل لکھوں گا ان شاء اللہ۔ دوسری حدیث جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر سائب بن یزید سے مروی ہے اس پر آپ کی خود ساختہ جرح یہ ہے کہ مروزی کو سائب بن یزید سے لقا نہیں ہے۔ یہ ویسی ہی جرح ہے

جیسے ایک دفعہ آپ نے لکھا تھا کہ امام مسلم کو محمد بن سیرین سے لقا نہیں ہے لہٰذا احادیث مسلم (پیش کردہ مولانا ثناء اللہ صاحب) منقطع ہوگئی۔ ایسی ہی باتیں حضرت اخگر کی علمیت کا پردہ فاش کرتی ہیں۔

جناب والا! امام مروزی نے کب کہا کہ میں نے سائب سے سنا ہے؟ مروزی نے تو اس اثر کو بالاسناد سائب تک پہنچایا ہے۔ جس کو مقریزی نے اسی طرح حذف کردیا ہے جیسے سائب کے دوسرے اثر بیس والے سے پوری سند محذوف ہے جس کو عینی نے شرح بخاری میں مروزی سے سائب تک بالاسناد نقل کیا ہے۔ سنئے! مروزی نے اثر مذکور کو ابن اسحاق سے انہوں نے محمد بن یوسف سے انہوں نے سائب سے روایت کیا ہے۔ فاندفع الایراد وحصل المراد۔ (عاجز محمد ابوالقاسم بنارسی)

(اہلحدیث امرتسر ۱۲ صفر ۱۳۴۳ھ)

سوال: نماز تراویح کے متعلق رمضان شریف میں کوئی حدیث قولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ جس سے بیس رکعت تراویح ثابت ہو۔ نیز ہمارے پاس ایک کتاب جس کا نام فقہ المتین فی نور المبین ہے جس میں کہ دو احادیث جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی ہیں۔

۱؎ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی التراویح عشرین رکعۃ یغفر اللہ لہ عشرین الف ذنوبہ واعطی لہ اجر عشرین شہیدًا فکانما زاد عشرین واعتق عشرین رقبۃ دوسری حدیث عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال قال علیہ الصلوٰۃ والسلام من صلی عشرین رکعۃ من التراویح قبل الوتر اعطی اللہ لہ عشرین مدینۃ فی الجنۃ فکل مدینۃ میسرۃ شہر وکل شہر من ثلثین ایام وکل یوم مقدار سنۃ ان ہر دو احادیث سے بیس رکعت تراویح ثابت ہوئی ہیں اور ان احادیث کا راوی کوئی نہیں۔

براہ مہربانی ہر دو احادیث کا حوالہ تحریر کیا جاوے اور ان احادیث کی صحت وغیرہ بھی تحریر کریں۔ اور جس کتاب میں یہ احادیث درج ہیں۔ اس کا مصنف مولوی حکیم نور محمد سکنہ چاندپور ڈاکخانہ مانگٹانوالہ ضلع شیخوپورہ ہے۔ اور مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی حدیث

جو کہ ما صلی فی رمضان ولا غیرہ پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث تہجد کے بارے میں ہے کیونکہ اس میں غیرہ کا لفظ آیا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ محدثین اس حدیث کو تہجد کے باب میں لائے ہیں۔ قیام رمضان میں نہیں لکھا۔ اور غنیۃ الطالبین میں بھی بیس رکعت پڑھنے کی روایت ہے۔ یہ حدیث کس درجہ کی ہے۔ سب علمائے اہلحدیث توجہ فرما کر جواب باصواب سے سرفراز فرمائیں۔ اور اگر اخبار "اہلحدیث" کسی حنفی عالم کے پہنچے تو وہ بھی مدلل جواب تحریر کریں اور جواب نرم الفاظ میں دیں۔

جواب: یہ حدیثیں صحیح نہیں ہیں۔ آج تک کسی مستند کتاب میں نہیں دیکھیں۔ اور حنفی مذاہب کے ذمہ دار علماء نے بھی نقل نہیں کی ہیں۔ غنیۃ الطالبین میں ترمذی سے بیس کا قول نقل کیا ہے مگر ترمذی میں مختلف اقوال ملتے ہیں حتیٰ کہ اکتالیس رکعت کا قول بھی ملتا ہے۔ ایک حق پسند کے لئے یہ بات قابل غور ہے کہ جماعت تراویح جو آج اسلامی ممالک میں مروج ہے یہ خلیفہ ثانی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں جاری ہوئی تھی۔ خلافت اولیٰ کے زمانے میں اس کا نام نشان تک نہیں پایا جاتا۔ جس خلیفہ راشد کے حکم سے جاری ہوئی تعداد کے متعلق بھی اسی کا ارشاد دیکھنا چاہیئے ورنہ کہا جائے گا کہ خلیفہ ثانی کا فعل تو قابل شکریہ ہے مگر حکم قابل رد۔ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ۔ خلیفہ ثانی کا حکم مؤطا امام مالک میں موجود ہے کہ آپ نے ابی بن کعب کو حکم دیا تھا کہ نماز تراویح باجماعت وتر سمیت گیارہ رکعت پڑھائیں۔ چنانچہ جماعتی حیثیت سے اسی پر عمل ہوتا رہا۔ مگر انفرادی حیثیت سے کوئی زیادہ بھی پڑھ لیتا تھا۔ جس کی مختلف تعداد صحیح ترمذی میں اکتالیس تک ملتی ہے۔ مگر جماعتی انتظام کے ماتحت صرف گیارہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ چنانچہ حنفیہ کی معتبر کتاب فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ مسنون تعداد تو آٹھ[1] رکعت ہی ہے مگر نوافل کی حیثیت سے بیس[2] رکعت بھی جائز ہیں۔ وللتفصیل مقام اخر۔

(اہلحدیث امرتسر ص ۱۳ ۲۵ نومبر ۱۹۳۶ء)

سوال: یہ جو زمانہ حال کے نام نہاد اہل حدیث ہیں یہ لوگ یقیناً بدعتی ہیں۔ نماز میں اپنے امام کے پیچھے جواب آیات دیتے ہیں حالانکہ حدیث میں قاری بدون نماز قاری ہی کو جواب

---

[1] صفحہ ۳ ملاحظہ ہو۔

دیتا ہے (من قرأ منکم) جو یہ جواب امام کے پیچھے دیتے ہیں یہ کہیں ثابت ہی نہیں ہے۔ یہ لوگ ایسی بدعات کے خود مرتکب ہیں۔

جواب: حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے نماز میں سورہ الرحمٰن پڑھی تو فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ پر صحابہؓ کو خاموش پاکر فرمایا کہ تم سے اچھا جواب تو جنوں نے دیا ہے۔ صحابہؓ کے عرض کرنے پر فرمایا کہ انہوں نے کہا تھا لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِعْمَتِكَ نُكَذِّبُ رَبَّنَا فَلَكَ الْحَمْدُ گویا یہ تعلیم تھی صحابہ کرامؓ کو کہ تم بھی اسی طرح سوال قرآنی کا جواب دیا کرو۔ اسی واسطے شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ قرآنی سوال سورہ والتین وغیرہ) کا جواب دینا جائز ہے۔ (۱۳ ر مئی ۱۹۳۶ء)

سوال: حدیث میں اتنا ہی وارد ہوا ہے کہ ایک مہینہ تک آنحضور علیہ السلام بعد از رکوع قنوت پڑھا کرتے تھے اس کے بعد یہ کہنا ثابت نہیں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت بعد از رکوع پڑھا ہو یہ اہل حدیث نہیں ہیں۔ بلکہ آج سے ان کا نام اہل ہوا یاد رکھ لیں۔

جواب: مخالف بھی مانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت بعد از رکوع پڑھی اور جس کام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ سنت ہے تاوقتیکہ ممانعت کا حکم ثابت نہ ہو۔ (۱۳ ر مئی ۱۹۳۶ء)

سوال: اور جو خطبہ جمعہ کا ترجمہ کرتے ہیں بالکل بے بنیاد ہے۔ حدیث میں یا قرون صحابہؓ میں کہیں یہ ثابت نہیں ہے جو لوگ جمعہ میں ان کے ساتھ نماز جمعہ میں شامل ہو جاتے ہیں اپنی نماز کو ضائع کر دیتے ہیں ان لوگوں سے الگ رہو یہ لوگ اہل ہوا ہیں، اہل حدیث نہیں۔ اور دعویٰ سے کہتا ہے کہ میں ان سب مسائل میں ان کا جھوٹا ہونا ثابت کروں گا۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کیا کرتے تھے (یذکر الناس) اور نصیحت تب ہی ہوتی ہے جب سامعین سمجھیں۔ اگر غیر زبان مثلاً عربی میں خطبہ ہو تو پنجابی یا کشمیری یہی کہیں گے۔

زبان شوخ من ترکی است من ترکی نمی دانم

باقی جماعت کو برا کہنا یہ کوئی بات نہیں۔ فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ الآیہ

(۱۳ ر مئی ۱۹۳۶ء)

سوال :۔ زید کہتا ہے کہ اذان میں جو اللہ اکبر چار بار کہنا ہے ان کو ایک آواز میں دو بار ملا کر نہ کہے بلکہ ہر ایک اللہ اکبر کو اپنی پوری آواز سے علیحدہ علیحدہ کہے اور بکر کہتا ہے کہ اللہ اکبر جو چار بار وارد ہے۔ پہلی آواز میں دو کو ملا کر کہے اور دوسری آواز میں دو کو ملا کر کہے پس گذارش ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا۔ مدلل جواب دیں۔

جواب : حدیث شریف میں آیا ہے اذا قال المؤذن اللہ اکبر فقال احدکم اللہ اکبر اللہ اکبر۔ یعنی جب اذان دینے والا اللہ اکبر اللہ اکبر کہے پھر کوئی تم میں سے جواب میں ایسا ہی کہے تو جنت میں جاوے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن ہر دو کلمات کو ملا کر کہے۔ اللہ اعلم! (۲۷ مئی ۱۹۳۸ء)

سوال : صبح کی نماز ہر روز اوّل وقت پڑھنے میں چند اشخاص تہجد خواں سنتیں پڑھ کر شریک ہوتے ہیں اور لمبی قرات کرنے میں پہلے تنگ ہوتے ہیں اور مسبوق ہر روز سنتیں بعد نماز پڑھتے ہیں۔ ان کی ہر روز سنتیں فوت ہوجانے کو مدنظر رکھ کر باقی نمازیوں کا انتظار کرکے میانہ وقت میں نماز بہتر ہے کہ صبح صادق کے ہوتے ہی موجودہ اشخاص کے ساتھ جماعت کرالینا بہتر ہے۔

جواب : نماز ہر حالت میں اول وقت پڑھنی افضل ہے۔ دیر سے آنے والوں کو جماعت میں شامل ہونے کی ترغیب دیں۔ ہاں اوّل وقت پڑھنے والے اس حدیث کا خیال رکھیں۔ جس میں اتنی انتظار کا حکم ہے کہ کھانا کھانے والا اور صاحب حاجت قضائے حاجت سے فارغ ہو کر نماز میں شامل ہو سکے۔ اس کی مقدار آج کل کے لحاظ سے پندرہ بیس منٹ ہے۔ سست نمازیوں کی انتظار میں نماز کو دیر سے پڑھنا گناہ ہے۔ اللہ اعلم۔ (۱۰ جون ۱۹۳۸ء)

سوال : قرآن پاک کے اندر خداوند تعالیٰ کو مخاطب کرنے کے لیے آدم علیہ السلام سے لے کر امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نے لفظ یا کے ساتھ مخاطب کیا ہو تو دلیل قرآن پاک سے دیجئے اور تمام قرآن پاک میں پیغمبروں کو ان کی امت نے لفظ یا کے ساتھ ندا کیا جس کا ثبوت قرآن پاک سے ملتا ہے۔ اس لئے لفظ یا کے ساتھ اس وقت بھی امتِ رسول اپنے پیغمبر کو پکار سکتی ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ نماز کے اندر پانچ وقت لفظ یا کے ساتھ مخاطب کرتی ہے۔ السلام علیک

ایہا النبی جب تک نہ کہے اس وقت تک نماز نہ ہوگی بلکہ فاسد ہو جائے گی۔ جب رسول اللہ کو خدا کی خاص عبادت میں شامل کیا تو ہر وقت اور ہر آن یا کے ساتھ رسول اللہ کو ندا کر سکتے ہیں۔ جواب تحریر فرمائیں۔

جواب: کافر لوگ بھی پیغمبروں کو ان کی زندگی میں "یا" سے خطاب کرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے:- يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ (سورۂ حجر) يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا۔ (سورہ ہود) سائل کی بے خبری ملاحظہ ہو ایہا النبی میں تو خطاب یا کے ساتھ مانتا ہے حالانکہ اس جگہ "یا" نہیں بلکہ محذوف کو ملفوظ کا حکم دیتا ہے مگر قرآن مجید کی دوسری آیات بھول جاتا ہے۔ جن میں اسی طرح "یا" محذوف بحکم ملفوظ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے (۱) قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ (۲) رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ (وغیر ذلک من الآیات) ان تینوں میں لفظ "یا" محذوف بحکم ملفوظ ہے۔ سائل کا یہ کہنا کہ جو ایہا النبی نہ پڑھے اس کی نماز فاسد ہے بے خبری پر دلالت کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں استاد الحنفیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم (صحابہؓ) بعد انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے السلام علیک ایہا النبی کے السلام علی النبی پڑھا کرتے تھے (بخاری باب الاخذ بالیدین)۔ التحیات میں بنیت حکایت پڑھ سکتے ہیں۔ بنیت حاضر ناظر نہیں صرف اہل حدیث ہی کا یہ قول نہیں بلکہ حنفیہ کے اوّل امام مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص التحیات کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جان کر ایہا النبی کہے وہ مشرک ہے، ہم رسول اللہ کو خدا کی عبادت میں شریک نہیں کرتے (لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا)

(۱۷ رجون ۱۹۳۸ء)

سوال: ایک شخص حنفی المذہب کہتا ہے کہ ایک وتر پڑھنا گمراہی ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست نہیں؟

جواب: ایک وتر پڑھنا حدیث شریف میں آیا ہے (بخاری شریف) جو شخص جان بوجھ کر حدیث کو گمراہی کہے وہ خود گمراہ ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ ایک رکعت وتر اثبت (زیادہ ثابت) ہے۔ نماز بحکم قرآن و حدیث ہر مسلمان کے پیچھے جائز ہے۔

(۲۲ رجون ۱۹۳۸ء)

سوال: امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے متعلق آپ کی تحقیق از روئے قرآن وحدیث کیا ہے کیا فاتحہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔

جواب: میں سورۂ فاتحہ کو امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری جانتا ہوں۔ از روئے قرآن وحدیث میری تحقیق ہے کہ فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ (تفسیر ثنائی)۔ (۱۵ر جولائی ۱۹۳۶ء)

الجواب: قراءت فاتحہ خلف امام فرض ہے۔ اور حدیث قراءت کی اعلیٰ درجہ کی صحیح وثابت ہے۔ اور حدیث عدم قراءت کی ضعیف وغیر صحیح ہے۔ بلوغ المرام میں ہے

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا صلوٰة لمن لم يقرأ بأم القرآن. متفق عليه وفی رواية لابن حبان والدار قطنی لا تجزئ صلوٰة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب يعنی صحيح بخاری اور صحیح مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔ اور ابن حبان اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ نماز کافی نہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر فرمایا کہ جو شخص مقتدی ہو یا امام یا منفرد نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی پس ثابت ہوا کہ ہر نمازی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ اور یہ حدیث متفق علیہ ہے اس وجہ سے اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ اور مقتدیوں کو خاص طور پر بھی سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے کو فرمایا ہے۔ چنانچہ ابو داؤد اور ترمذی وغیرہما میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ مت پڑھو مگر سورہ فاتحہ پڑھو اس واسطے کہ جس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے بہت سے محدثین نے اس کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور جتنی حدیثیں قراءت فاتحہ ..... خلف امام کی ممانعت میں پیش کی جاتی ہیں ان میں جو حدیثیں صحیح ہیں ان سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی ہے اور جن سے ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ یا تو بالکل بے اصل ہیں یا ضعیف وناقابل احتجاج علمائے حنفیہ میں سے صاحب تعلیق الممجد نے اس کی تصریح کر دی ہے چنانچہ وہ لکھتے

لم یرد فی حدیث مرفوع صحیح النھی عن قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام وکل ما ذکروہ مرفوعا فیہ اما لا اصل لہ واما لا یصح۔ (تعلیق الممجد ص۱۰۱) یعنی کسی حدیث مرفوع صحیح میں قراءت فاتحہ خلف امام کی ممانعت نہیں وارد ہوئی ہے اور ممانعت کے بارے میں علمائے حنفیہ جتنی مرفوع حدیثیں بیان کرتے ہیں یا تو وہ بے اصل ہیں یا صحیح نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوفہ والوں سے ایک قوم کے سوا باقی تمام لوگ قراءت فاتحہ خلف امام کے قائل و فاعل ہیں عبد اللہ بن مبارک جو بہت بڑے محدث اور فقیہ ہیں فرماتے ہیں۔ انا اقرأ خلف الامام والناس یقرءون الا قوم من الکوفیین (جامع ترمذی ص۵) یعنی میں امام کے پیچھے قراءت کرتا ہوں اور تمام لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے ہیں۔ مگر کوفہ والوں میں سے ایک قوم اور خود علمائے حنفیہ میں سے بعض لوگوں نے ہر نماز میں (سری ہو خواہ جہری) قراءت فاتحہ خلف امام کو مستحسن بتایا اور بعض لوگوں نے صرف نماز سری میں علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں۔ بعض اصحابنا یستحسنون ذالک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوات و بعضھم فی السریۃ فقط وفقھاء الحجاز والشام انتہیٰ۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ ص۲۷۹)

الجمعیۃ کے مفتی صاحب کو جواب

اخبار الجمعیۃ دہلی میں مسئلہ تراویح کے متعلق ایک سوال کا جواب یوں دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلعم نے مختلف مقدار کی تراویح پڑھی ہیں لیکن حضرت عمر فاروق رضی کی خلافت میں بیس رکعت کے پڑھنے پر صحابہ کرام کا اتفاق ہو گیا ہے اور آنحضرت صلعم کا فرمان ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ لہذا بیس رکعت تراویح کی پڑھنی سنت ہے۔ نائب مفتی حبیب المرسلین عفی عنہ۔
(الجمعیۃ ۲۴ر اپریل ۱۹۳۵ء)

۱؎ تفصیلی مباحث کے لیے حضرت مولانا عبد الرحمن محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تحقیق الکلام کا مطالعہ فرمایئے ۱۲ منہ راز۔

اس بیان میں مفتی صاحب نے حضرت عمرؓ کی بابت جو دعویٰ کیا ہے واقعی قابل قدر ہے اس کو قضیہ شرطیہ کی صورت میں واجب العمل سمجھتے ہیں کیا مفتی اور نائب مفتی صاحبان اس روایت کو بشکل صحت پیش کرنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے جس سے ان کا یہ دعویٰ ثابت ہو کہ حضرت عمرؓ (خلیفہ ثانی) نے بیس رکعت تراویح کا انتظام فرمایا تھا۔ اس ضمن میں ہم ان کو ایک اور تکلیف دیتے ہیں کہ اپنے دعوے کی مثبت روایت پیش کرنے سے پہلے مؤطا امام مالکؒ اور قیام اللیل للمروزی میں وہ روایتیں بھی ملاحظہ فرمالیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نماز تراویح کی آٹھ رکعتیں اور مع وتر گیارہ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اس کے بعد آپ اپنی روایت کو مذکورہ روایات کے ساتھ تطبیق دے کر مسلم پبلک کو مشکور فرمائیں۔ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو یہ کام ہمارے سپرد کر دیں۔ ۵ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ (مفتی الجمعیۃ کا جواب ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

(محمد داؤد راز)

سوال: نماز فجر کی جماعت کھڑی ہو تو آنے والا فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہو یا بعد ادا کرے۔ از روئے حدیث شریف بیان فرمائیں۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ. جب نماز (جماعت) کھڑی ہو جاوے تو سوائے نماز فریضہ کے کوئی نماز نہیں ہوتی۔ دار قطنی کی ایک روایت میں ہے۔ فَلَا صَلٰوةَ إِلَّا الَّتِي أُقِيمَتْ جماعت کھڑی ہونے پر اس نماز کے سوا جس کی اقامت کہی گئی ہے کوئی نماز نہیں ہوتی

(۱۵ جولائی ۱۹۳۸ء)

سوال: زید ایک مسجد کا متولی ہے۔ اس نے عمرو کو جو کہ بالکل نو عمر ہے اس کی قرأت بھی اچھی نہیں امام مقرر کیا۔ امام موصوف سے کل جماعت کے لوگ ناراض ہیں۔ مگر چونکہ متولی موصوف ایک رئیس آدمی ہیں اور امام صاحب کی تنخواہ وغیرہ کا سب انتظام کرتے ہیں۔ اس لئے لوگ صرف اوپر دل سے ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں اور لحاظ سے نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں متولی صاحب کا امام مذکور کو رکھنا اور لوگوں کا اس طرح نماز پڑھنا شرعاً جائز یا نہیں؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے إِنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلٰوتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ

خیارکم۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو اپنے امام اپنے سے بہتر بناؤ (طبرانی)
دوسری حدیث میں آیا ہے۔ ثلاثۃ لا یجاوز صلوتھم اذانھم۔ تین آدمی ہیں جن کی نماز ان کے کانوں کے اوپر نہیں جاتی۔ فرمایا ان میں سے ایک امام قوم وھو لہ کارھون (ترمذی) قوم کا وہ امام جس سے مقتدی ناراض ہوں۔

صورت مسئولہ میں متولی کو چاہیئے کہ کوئی ذی علم جس کی قرارت بھی اچھی ہو امام مقرر کرے جسے مقتدی بھی پسند کریں۔ اور مقتدیوں کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنا ما فی الضمیر کھلے لفظوں میں ظاہر کریں متولی کو کیا خبر ہے وہ تو ظاہر پر عمل کرے گا۔ اللہ اعلم (۵ر اگست ۱۹۳۸ء)

سوال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمع میں خاموشی اختیار کرنے کے متعلق نہایت تاکید فرمائی ہے۔ از راہ نوازش آپ بیان فرمادیں کہ انسان پنکھا کا استعمال دوران خطبہ میں کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ایک صاحب اس پر مصر ہیں کہ خطبہ جمعہ میں پنکھے کا استعمال قطعی ناجائز ہے۔ کیونکہ نبی صلعم نے فرمایا ہے۔ إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ أَنْصِتْ فَقَدْ لَغَوْتَ۔

دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ یہ گفتگو کے متعلق ہے۔ پنکھا وغیرہ اس سے خارج ہے۔ جواب مدلل تحریر فرمادیں۔

جواب: اپنی جسمانی راحت کے لئے خطبہ میں ایسی حرکت منع نہیں جس سے سماع میں خلل واقع نہ ہو۔ جیسے نماز میں صحابہ کرام شدت گرمی کے باعث کنکریاں لے کر ماتھے کے نیچے رکھ لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم! (۱۲ر اگست ۱۹۳۸ء)

سوال: کسی ضرورت سے یا لہو لعب میں عصر کی نماز فوت ہوگئی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس عصر کی نماز کو قضا کیا جائے یا نہ اور مغرب کے قبل اس کا ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: نماز عصر کسی جائز وجہ کے باعث رہ گئی ہے تو اس کی قضا کرے مغرب کے قبل تو اس کا وقت ہے ہی۔ رہ گئی تو بعد نماز مغرب قضا کرے۔ اگر لہو ولعب کے باعث رہ جائے تو قضا کے علاوہ توبہ بھی کرے۔ نماز عصر کو یوں ضائع کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ من فاتتہ صلوۃ العصر فکانما وتر اھلہ ومالہ۔ جس کی نماز عصر فوت (قضا) ہوگئی گویا اس کا گھربار برباد ہوگیا۔ اللہ اعلم! (۳۰ ستمبر ۱۹۳۸ء)

سوال: کوئی شخص نماز جمعہ میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد شامل ہو تو آیا وہ نیت جمعہ کی کرے یا ظہر کی؟ ہمارے ہاں علماء کا فتویٰ ہے جمعہ کے دوسرے رکوع کے بعد ملنے والا نماز ظہر کی پڑھے اور بہ نیت جمعہ کرنے کو حکم دیتے ہیں۔ کیا بہ نیت جمعہ واسطے نماز ظہر کے بس کر سکتی ہے؟　　خریدار نمبر ۹۶۹۴

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ جمعہ کی ایک رکعت پاؤ تو جمعہ پڑھو ورنہ نماز ظہر کی نیت کر کے نماز ظہر پڑھو۔　(۱۹ مئی ۳۳ء)

سوال: بوقت جمعہ عمرو مسجد میں گیا۔ خطیب کو منبر پر خطبہ پڑھتے دیکھا۔ عمرو کی صبح کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ وہ ایسے وقت میں تحیۃ المسجد پڑھے یا صبح کی قضا؟ جس وقت میں دو رکعت ہلکی نماز پڑھنے کی رخصت ہو صبح کی نماز کیوں نہ پڑھے؟ مہربانی فرما کر جواب سے سرفراز فرمائیں۔

جواب: اس وقت جس نماز کا وقت موجود ہو وہ پڑھے۔ قضا نماز پھر پڑھے۔

(۱۹ مئی ۳۳ء)

سوال: اگر وتر میں دعائے قنوت بھول جائے اور تشہد پڑھنے کے وقت یاد آئے تو اس حال میں کیا کرے؟

جواب: دعائے قنوت محدثین کے نزدیک فرض۔ واجب یا سنت مؤکدہ نہیں، اس لئے اس کے ترک پر کوئی مواخذہ نہیں۔ واللہ اعلم۔　(۱۹ مئی ۳۳ء)

تشریح: دعائے قنوت پڑھنی وتر میں ضروری نہیں ہے نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں اس کے وجوب پر کوئی شرعی دلیل قائم نہیں ہے اور ایجاب کا حق اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ کسی کو نہیں ہے۔ البتہ قصداً اس کا ترک کر دینا ٹھیک نہیں ہے وتر ادا ہو جائے گا لیکن وہ بات نہیں حاصل ہو گی جو دعا کے ساتھ ادا کرنے میں ہو گی۔ حنفیہ وجوب دعاء قنوت فی الوتر کے قائل ہیں صاحب ہدایہ نے ایک بے سند وبے ثبوت وبے اصل روایت پیش کر دی عفا اللہ عنہ (از حضرت مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکپوری مرسلہ مولانا عبد الرؤف صاحب جھنڈے نگری)

سوال: ایک مولوی صاحب کبھی کبھی صبح میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں اس میں اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْ مَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْ مَنْ عَافَیْتَ الخ پڑھتے ہیں اور

کہتے ہیں لفظ مفرد سے پڑھنا اولیٰ و افضل و سنّت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں الفاظ سے پڑھنا ثابت ہے اور اسی پر صحابہ نے عمل کیا۔ لہٰذا گذارش ہے کہ یہ قنوت جمع کے صیغے سے پڑھنا افضل ہے یا مفرد؟ صحابہؓ، خلفاءؓ و محدثینؒ کا اس میں عمل درآمد کیا رہا؟ (سائل مذکور)

جواب: ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو امام بصیغہ مفرد دُعا کرے اس نے مقتدیوں کی حق تلفی کی حدیث مرفوع کے مقابلہ میں کسی امام یا کسی صحابی کا قول یا فعل پیش نہ کرنا چاہیے حدیث کی سخت بے ادبی ہے۔ (۲۲ر جون ۳۳ء)

تشریح دعاء قنوت بصیغہ جمع بھی حدیث میں وارد ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِكَ وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ اَوْلِيَاءَكَ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَاْسَكَ الَّذِيْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَخْرَجَهُ الْاِمَامُ الْبَيْهَقِيُّ فِى السُّنَنِ الْكَبِيْرِ كذا فی الحصن الحصین ص۵۶، ۷۵ ایسے اور بھی دعاء بصیغہ جمع حصن حصین میں ثابت ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ایک مقتدی اس وقت امام کے ساتھ شامل ہُوا، جس وقت امام نصف سورہ فاتحہ پڑھ چکا تھا۔ اب تبلائیے کہ وہ مقتدی کس جگہ سے سورہ فاتحہ شروع کرے، نیز کیا وہ مقتدی امام کی ولا الضالین ختم کرے تو "آمین" کہے گا یا نہیں؟

جواب: مقتدی سورہ فاتحہ شروع سے پڑھے اور امام کے ساتھ آمین کہے کیونکہ اس وقت مقتدی پر دو حدیثوں پر ..... عمل کرنا ضروری ہے، ایک حدیث فاتحہ دوسری حدیث اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا آمِيْن۔ یعنی امام جب ولا الضالین پڑھے تو تم آمین کہا کرو۔ آمین کہہ کر پھر اپنی فاتحہ پوری کرے۔ واللہ اعلم۔ (۷ر جولائی ۳۳ء)

سوال: منبر پر عصا لے کر خطبہ پڑھتے ہیں خطیب لوگ۔ اس کی سند قرآن اور حدیث سے ثبوت درکار ہے۔ اور اگر ثبوت ہے تو کونسی حدیث میں ہے۔ بخاری،

مسلم، مشکوٰۃ، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ یعنی کونسی حدیث سے ثابت ہے۔ یہ مسئلہ اخبار اہلحدیث میں شائع کردیں۔ (محمد عبدالرزاق از برما)

جواب: آنحضرت صلعم بوقت خطبہ عصا یا کمان ہاتھ میں رکھا کرتے تھے کبھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیتے۔ مشکوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین) (۸ رجولائی ۱۹۳۲ء)

سوال: ہم نے گذشتہ جمعہ میں مولوی عبدالتواب صاحب غزنوی سے ایک حدیث سنی کہ حافظ قرآن جنت میں بغیر حساب جائیں گے اب وہ حفاظ جو تارک الصلوٰۃ ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟۔ کیا ان سے نماز کے متعلق سوال ہوگا یا نہیں۔ (عبدالقدوس بنگلوری)

جواب: تارک الصلوٰۃ کے لئے وہی حکم ہے لقد کفر۔ یہ حکم تو کسی طرح ٹل نہیں سکتا (۲۳ رجنوری ۱۹۳۱ء)

سوال: اگر عیدین کے روز جمعہ پڑ جائے تو جمعہ کی نماز درجہ معافی میں ہے یا جمعہ کی نماز عیدین کی نماز کے بعد پڑھنا ہوگا۔

جواب: یہ حدیث واقعی ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم دیہاتیوں کے لئے ہے۔ شہریوں کے لئے جمعہ فرض ہے۔ محدثین کہتے ہیں جمعہ کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے پڑھنا جائز ہے میرا بھی یہی مسلک ہے۔ (۱۱ رجولائی ۱۹۳۶ء)

شرفیہ: یہ بعض محدثین کا مسلک ہے مگر دلائل میں کلام ہے بعض دلائل یہ ہیں۔

اجتمع عيدان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في يوم واحد فصلى العيد اول النهار فقال يا ايها الناس ان هذا اليوم قد اجتمع لكم فيه عيدان فمن احب ان يشهد معنا الجمعة فليفعل ومن احب ان ينصرف فليفعل رواه ابوداود والنسائي وابن ماجة واحمد والحاكم من حديث زيد بن ارقم انه صلى الله عليه وسلم صلى العيد ثم رخص في الجمعة فقال من شاء ان يصلي فليصل صححه علي بن المديني ورواه ابوداود والنسائي والحاكم من حديث عطاء ان الزبير فعل ذلك وانه سال ابن عباس فقال اصاب السنة وقال المنذر هذا الحديث لا يثبت و اياس بن ابي رملة راويه عن زيد مجهول ورواه ابوداود وابن ماجة والحاكم من حديث ابي صالح عن ابي هريرة انه قال قد اجتمع في يومكم

ھذا عیدان نحن شاء اجزاہ عن الجمعة وانا مجمعون وفی اسنادہ بقیة رواہ عن شعبة عن المغیرة الضبی عن عبد العزیز بن رفیع عن ابی صالح بہ وتابعہ زیاد بن عبد الله البکائی عن عبد العزیز بن رفیع عن ابی صالح و صحح الدارقطنی ارسالہ لروایة حماد عن عبد العزیز عن ابی صالح وکذا صحح ابن حنبل ارسالہ ورواہ البیہقی من حدیث سفیان بن عیینة عن عبد العزیز موصولا مقید باھل العوالی واسنادہ ضعیف ووقع عند ابن ماجة عن ابی صالح عن ابن عباس بدل ابی ھریرة وھو وھم نبہ ھو علیہ ورواہ ایضا من حدیث ابن عمر واسنادہ ضعیف ورواہ الطبرانی من وجہ آخر عن ابن عمر ورواہ البخاری من قول عثمان ورواہ الحاکم من قول عمر بن الخطاب انتھی ما فی التلخیص الحبیر صـ۱۲۹ حاشیہ پر قول عثمان پر لکھا ہے مقید باھل العوالی یعنی اذن اہل عوالی کو دیا تھا نہ سب کو۔ اور قول عمر پر بدر کی تصحیح لکھی ہے مگر حاکم کی روایت کو ابن منذر نے تو کہا ہے لا یثبت فیہ راو مجہول زید بن ارقم کی روایت میں ایاس بن ابی رملہ ہے جو مجہول ہے اسی لئے ابن منذر نے اس کے بارے میں لا یثبت کہا ہے اور عطا والی روایت میں اسباط بن نصر کو کثیر الخطا یغرب لکھا ہے (تقریب التہذیب) نیز اسی میں سلیمان بن مہران اعمش مدلس ہے اور روایت عن سے ہے اور عنعنہ مدلس کا مقبول نہیں کما فی اصول الحدیث اور عطا کی روایت ابن جریج سے بھی آئی ہے اور ابن جریج بھی مدلس ہے اور روایت عن سے ہے لہٰذا غیر مقبول ہے "کان یدلس ویرسل"۔ (تقریب التہذیب) اور ابوہریرہ والی روایت میں بقیہ بن ولید کثیر التدلیس من الضعفاء ہے اور مغیرة الضبی بھی مدلس ہے اور روایت بھی عن سے ہے تحدیث نہیں نیل الاوطار میں عطا والی روایت کے بارے میں رجالہ رجال الصحیح لکھا ہے مگر اعمش اور جریج کی تدلیس اور معنعنہ کا جواب کچھ نہیں دیا لہٰذا اعتراض بحال رہا اور فعل ابن زبیر اور قول ابن عباس والی روایت کو نیل میں رجالہ رجال الصحیح لکھا ہے مگر تقریب میں اس کو بخاری کی معلق روایات میں لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے صدوق رمی بالقدر و ربما وھم من السادسة انتہی لفظ ربما وھم سے کثیر الوہم ثابت ہوتا ہے رب للتکثیر والتقلیل قلیل اور یہ مقام بھی اسی قسم کا ہے اس لئے کہ عبد اللہ بن زبیر کے

وقت صدہا صحابہ موجود تھے پھر جب ابن زبیر نے جمعہ نہ پڑھا باہر نکلے اور لوگوں نے تنہا تنہا اپنی اپنی نماز پڑھی کما فی روایۃ ابی داؤد اور کسی نے بھی ان کو مکان پر جاکر مطلع نہ کیا۔ ورنہ آنے کی وجہ دریافت کی اور انہوں نے بھی عید کی نماز پڑھ کر لوگوں کو اس امر پر مطلع نہ کیا اور پھر عصر کے وقت بھی ان سے دریافت نہ کیا حتیٰ کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ طائف سے واپس آئے تب دریافت کرنے سے انہوں نے "اصاب السنۃ" کہا گویا سب کے سب صحابہ اور تابعین صدہا بلکہ ہزاروں کی تعداد سب ہی بے خبر تھے صرف ابن الزبیر اور ابن عباس ہی اتنے بڑے واقعہ سے خبردار تھے۔ وھذا من العجائب اس لئے اس مسئلہ میں محدثین کا اختلاف ہے امام شافعی وجماعۃ من المحدثین اس کے خلاف ہیں قال فی سبل السلام ذھب الشافعی و جماعۃ الی انھا (ای صلاۃ الجمعۃ) لا تصیر رخصۃ مستدلین بالدلیل وجوبھا عام لجمیع الایام وما ذکر من الاحادیث والآثار لا یقوی علی تخصیصھا لما فی اسانیدھا من المقال ثم قال صاحب السبل قلت حدیث زید بن ارقم قد صححہ ابن خزیمۃ ولم یطعن غیرہ فیہ فھو یصلح للتخصیص انتھی اقول قد تقدم انہ ضعفہ ابن المنذر وقال لا یثبت وفی سندہ ایاس ابن ابی رملۃ مجھول کیف وقد نقل صاحب السبل ایضا قبلہ آنفا قد ضعف الامام الشافعی وجماعۃ من المحدثین ھذہ الاحادیث والآثار کما فی اسانیدھا من المقال انتھی فکیف یقول صاحب السبل لم یطعن غیرہ فیہ وکیف یصلح للتخصیص کلا وحاشا وقد قال اللہ تعالیٰ لا تقف ما لیس لک بہ علم (پ۱۵ ع۴) ولا علم فیہ قطعا فلا یصلح للتخصیص اور وہ جو فتاویٰ میں ہے کہ حنفیہ کہتے ہیں یہ حکم دیہاتیوں کے لئے ہے الخ۔ میں کہتا ہوں یہ حنفیہ ہی نہیں کہتے امام.... شافعی اور ایک جماعت محدثین بھی یہی کہتے ہیں اور خود صحیح بخاری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ امر مصرح ہے صحیح بخاری کتاب الاضاحی باب ما یوکل من لحوم الاضاحی وما یتزود منھا میں ہے فی ھذا حدیث قال ابو عبید ثم شھدت مع عثمان ابن عفان وکان یوم الجمعۃ فصلی قبل الخطبۃ ثم خطب فقال یا ایھا الناس ان ھذا یوم قد اجتمع لکم فیہ عیدان فمن احب ان ینتظر

الجمعة من اهل العوالی فلینتظر ومن احب ان یرجع فقد اذنت له قال ابو عبید ثم شهدت مع علی بن ابی طالب فصلی قبل الخطبة ثم خطب الناس فقال ان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهاکم ان تاکلوا لحوم نسککم فوق ثلاث الحدیث قال فی فتح الباری تحت هذا الحدیث قوله ومن احب ان یرجع فقد اذنت له استدل به من قال بسقوط الجمعة عمن صلی العید اذا وافق العید یوم الجمعة وهو محکی عن احمد واجیب بان قوله اذنت له لیس فیه تصریح بعدم العود وایضا فظاهر الحدیث فی کونهم من اهل العوالی انهم لم یکونوا ممن تجب علیهم الجمعة لبعد منازلهم المسجد وقد ورد فی اصل المسئلة حدیث مرفوع انتهی ص ۳۲۵ ج ۲۳ میں کہتا ہوں اس سے واضح ہو گیا کہ چونکہ یہ دن عید الاضحی کا تھا اور اہل عوالی چار چار پانچ پانچ میل سے آٹھ آٹھ میل تک مدینہ منورہ آتے تھے اور جمعہ کی نماز بوقت ظہر مدینہ میں پڑھ کر آٹھ آٹھ میل تک جا کر قربانی کرنا اور پھر بطور مسنون قربانی کے گوشت سے کھانا کھانا بہت ہی تکلیف دہ تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو اجازت دی کہ تم جاؤ جا کر قربانی کر کے نماز پڑھنا جیسے جمعہ کی نماز بھی بارہا وہیں پڑھا کرتے ہو پڑھنا اور پنج وقتہ جماعت بھی تو ہمیشہ وہیں کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ عوالی مدینہ سے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلعم کے پاس باری باری جایا کرتے تھے جمعہ ہو یا ویسے ہی اخبار وحی کے معلوم کرنے کے لئے روزانہ نہیں جایا کرتے تھے باب التناوب فی العلم الخ عن عمرؓ قال کنت انا وجار لی من الانصار فی بنی امیة بن زید وهی من عوالی المدینة وکنا نتناوب النزول علی رسول الله صلعم فهو ینزل یوما وانزل یوما فاذا نزلت جئته بخبر ذالک الیوم من الوحی وغیرها واذا نزل فعل مثل ذلک الحدیث ص ۱۹ ج ۱ وایضا فی ص ۳۲۲ ج ۱ و ص ۲۷ ج ۲

پس ثابت ہوا کہ چونکہ اہل عوالی سب ہی ہر جمعہ کو نہیں آیا کرتے تھے بعض آتے تھے اور بعض اپنی اپنی بستیوں میں پنج وقتی نماز اور جمعہ پڑھتے تھے پس انہیں کو آپ نے حکم دیا تھا کہ جاؤ قربانی میں بہت تاخیر ہو جائے گی تم اپنے گھروں میں اپنی بستیوں میں جمعہ پڑھنا اور ہم یہاں پڑھیں گے اور روایات مذکورہ بالا مرفوعہ اگر صحیح تسلیم کی جائیں تو ان کا مطلب

بھی یہی ہوگا پس اسقاط جمعہ غلط اور فرضیت پہلے ہی ادلہ قطعیہ سے ثابت ہے پھر وہ ایسے مشکوک و بے ثبوت دلائل سے کیسے ساقط ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ لعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

(ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی کان اللہ لہ)

سوال: زید اصرار کرتا ہے کہ جمعرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں قل یا ایھا الکافرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد ہمیشہ پڑھتے تھے بکر کہتا ہے کہ ہمیشہ ثابت نہیں ہاں اگر کوئی شب جمعہ کو پڑھے تو جائز ہے مداومت ثابت نہیں کیونکہ تسہیل القاری میں اس کو لکھا ہے کہ مغرب اور صبح کی سنتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے لہٰذا جو ثابت ہو تحریر کیجئے۔

(سلیمان داؤد جی پٹیل دریاؤ سورت)

جواب: سوال میں مذکور ہے کہ زید شب جمعہ کی مغرب کی فرض نماز میں مداومت سورہ مذکورہ کا مدعی ہے پاسنن میں خبر حدیث یہ ہے۔ عن جابر بن سمرۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی صلوۃ المغرب لیلۃ الجمعۃ قُلْ یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد رواہ فی شرح السنۃ ورواہ ابن ماجۃ من ابن عمر الا انہ لم یذکر لیلۃ الجمعۃ وعن عبد اللہ بن مسعود قال ما اُحْصِیْ مَا سَمِعْتُ ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الرکعتین بعد المغرب وفی الرکعتین قبل صلوۃ الفجر قل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ الا انہ لم یذکر بعد المغرب انتھی مشکوۃ۔

پہلی حدیث کی سند میں سعید بن سماک راوی ہے وہ متروک الحدیث ہے۔ دوسری روایت ابن عمر کی وہ بھی صحیح نہیں اس کی سند میں راوی کی خطا ہے وہ معلول ہے تیسری روایت ابن مسعود کی وہ بھی صحیح نہیں اس کی سند میں عبد الملک ابن معدان ہے وہ غیر معتبر ہے قابل توثیق نہیں امام بخاری نے اس کی روایت کو مردود بتایا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اول تو زید کے دلائل ثابت نہیں لہٰذا اس کا مسئلہ سنیت پر اصرار غلط ہے۔ دوم اگر دلائل صحیح ہوتے تو مراد سنن مغرب تھے نہ کہ فرض مگر دلائل صحیح ثابت نہیں۔ لہٰذا دعوی زید کا غلط ہے بکر کا قول صحیح ہے۔ ہذا واللہ اعلم۔

راقم ابوسعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ عربیہ پل بنگش دہلی - (اہلحدیث)

صبح کی سنتوں میں .... تو سورہ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھتے مگر مغرب کا عمل مختلف تھا کبھی چھوٹی سورتیں کبھی لمبی سورتیں پڑھتے اس کا مفصل ذکر آپ کتاب سفر السعادت میں دیکھئے جو عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں ملتی ہے۔ (۴ رمضان ۱۳۶۶ھ)

تشریح: صبح کی سنتوں میں بھی عمل مختلف تھا کبھی یہ کبھی اور چنانچہ صحیح مسلم میں ہے عن ابن عباس رض قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی رکعتی الفجر فی الاولٰی قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا الآیۃ التی فی البقرۃ وفی الآخرۃ منہما امنا باللہ واشہد بانا مسلمون انتہی ص۲۵۱ ج۱ واخرجہ ایضاً ابوداؤد والنسائی نیل الاوطار ص۱۸ ج۳ پس دوام ثابت نہ ہوا جواز میں کلام نہیں ۱۲ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: سنت یا نفل نماز بکر پڑھ رہا ہے زید کہتا ہے کہ اقامت ہوگئی سلام پھیر لیجئے اس طرح کہنا جائز ہے۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا التی اقیمت لہا، اس حدیث کے ماتحت اگر کوئی ایسا کہے تو حرج نہیں (۱۴ شوال ۱۳۸۲ھ)

سوال: نماز جمعہ کے لئے خطیب دوسرا ہو سکتا ہے اور امام دوسرا۔

جواب: خطیب صاحب کو نماز جمعہ پڑھانے میں کوئی عذر ہو تو دوسرا شخص اس کی اجازت سے نماز پڑھ سکتا ہے بحکم قرآن مجید لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (۲۶ نومبر ۱۹۶۲ء)

سوال: اکثر لوگ فجر کی نماز باجماعت چھوڑ کر دو سنتیں شروع کر دیتے ہیں اور پھر اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ جماعت کی نماز سے محروم ہو جاتے ہیں کیا یہ فجر کی دو سنتیں فرضوں کے بعد نہیں ہو تیں۔ (محمد حنیف کوہاٹ)

جواب: جب نماز باجماعت کھڑی ہو جائے تو پھر سنن نوافل پڑھنے جائز نہیں بعد نماز فرض سنتوں کا پڑھنا جائز ہے سنن ابی داؤد میں ہے عن قیس بن عمرو رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی بعد صلوۃ الصبح فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الصبح رکعتان فقال الرجل

انی لم اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلھما فصلیتھما الآن فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قیس بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا جو بعد نماز صبح دو رکعت نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا صبح کی نماز دو رکعت ہے تو اس مرد نے کہا میں نے صبح کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ اس وقت وہ میں نے پڑھی ہیں آپ چپ رہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص فجر کی نماز میں امام کے ساتھ شامل ہو جائے تو بعد نماز صبح سنتیں پڑھ لے۔ واللہ اعلم

الہحدیث ج ۴۴ ع ۱۹ تشریح

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب جماعت نماز فجر کی کھڑی ہو جائے اس وقت دو رکعت سنت فجر کی پڑھ لے یا شامل جماعت ہو جاوے، اور اگر شامل جماعت ہو گیا تو بعد نماز فرض کے طلوع آفتاب سے قبل نماز سنت کو پڑھے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب : اس وقت سنت نہ پڑھے جماعت میں شامل ہو جاوے بموجب فرمودہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ۔ ترجمہ: جس وقت جماعت نماز کی کھڑی ہو جائے تو اس وقت سوائے نماز فرض کے اور کوئی نماز نہیں ہے۔ دوسری حدیث ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی بسند حسن۔ اور بخاری میں عبداللہ بن بحینہ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا وقد اقیمت الصلوٰۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصبح اربعا الصبح اربعا۔ عن ابن عمر انہ ابصر رجلا یصلی رکعتین والمؤذن یقیم فحصبہ وقد روی عن عمرؓ انہ کان اذا رای رجلا یصلی وھو یسمع الاقامۃ ضربہ عن طریق عطیۃ قد رایت ابن عمرؓ قضاھما حین سلم الامام۔ اور قیس سے روایت ہے۔ خرج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مھلا یا قیس اصلاتان معا قلت یا رسول اللہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا۔ قیس سے روایت ہے کہ قیس نے کہا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف فرما ہوئے اور نماز فجر کی جماعت کھڑی ہوئی تو میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز فرض پڑھی۔ بعد سلام پھیرنے کے حضرت نے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا ٹھیر جا۔ اے قیس کیا تو دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے میں نے عرض کیا کہ میں نے دو رکعت سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایسا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں ان روایات مذکورہ بالا سے وقت کھڑی ہو جانے جماعت فرض کے شامل ہونا جماعت میں ضرور ہے اور پڑھنا سنتوں کا بعد جماعت کے قبل طلوع آفتاب کے یہ بھی ثابت ہو گیا اگر کوئی بعد طلوع آفتاب کے سنتیں پڑھے گا تو بھی درست ہے۔ واللہ اعلم۔

کتبہ محمد عبید اللہ و عبد الحق | محمد عبید اللہ ۱۲۹۱ | اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ نص است و بمقابلہ تعلیمات قیاسیہ باطل است

| فقیر عبد الحق | میر احمد پشاوری | واقعی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ مانع جواز پڑھنے سنت کے ہے مگر بعد فرضوں کے بلاشبہ درست ہے | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ | قد ثبت فی الصحیحین وغیرھما انہ اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ وزیادۃ الارکعتی الفجر لا اصل لھا قالہ البیھقی ونقل عنہ فی المحلی شرح الموطا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو محمد عبد الرؤف البہاری۔ | عبد الرؤف ۱۳۰۳

الجواب صحیح والرای نجیح نمقہ محمد یٰسین الرحیم آبادی عفی عنہ۔ مجیب صاحب نے بہت ہی عمدہ جواب دیا ہے۔ حقیقت میں اقامت ادائے سنت فجر ناجائز و نادرست از روئے حدیث صحیح السند کے ہے اور کتب فقہ میں بھی اس طرح سنت پڑھنے کو کہ جس طرح آجکل فی زماننا جہاں پڑھتے ہیں یعنی قریب صف کے اور مسجد میں ممنوع لکھا ہے اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس طرح سے جیسا کہ آج کل مروج ہو رہا ہے سنت فجر پڑھتے ہیں بہت سخت مکروہ ہے اور وہ بڑے اجہل ہیں اور ہدایہ میں لکھا:

یں لکھا ہے کہ سنت فجر وقت اقامت مسجد میں ممنوع و نادرست ہے اگر پڑھے تو خارج از مسجد پڑھے اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی نے عمدۃ الرعایہ صفحہ ۲۳۸ و تعلیق الممجد صفحہ ۸۶ میں بعد التیا والتی خوب واضح کر کے لکھا ہے کہ از روئے احادیث صحیحہ مرفوعہ سنت فجر وقت تکبیر نہ پڑھنی چاہیئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ العاجز ابو محمد عبدالوہاب الفنجابی نزیل الدہلی

خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبدالوہاب ۱۳۰۰

الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی ۱۳۰۰ھ اکثر جاہل لوگ جو وقت اقامت فرض صبح کے سنتیں پڑھتے ہیں یہ درست نہیں پس جماعت میں شامل ہونا چاہیئے۔ عبداللطیف حنفی واعظ جامع مسجد دہلی۔

الجواب صحیح

سید محمد نذیر حسین عبداللطیف ۱۲۹۵	خادم شریعت رسول الثقلین محمد لطف حسین ۱۲۹۲	سید محمد عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۹

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کروٹ پر لیٹنا بعد سنت فجر کے فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب۔ بینوا توجروا۔ [1]

الجواب: جاننا چاہیئے کہ سنت فجر کے بعد داہنی کروٹ پر لیٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ترک بھی ثابت ہے تو یہ فعل مستحب ہوا کیونکہ مستحب اسی فعل کو کہتے ہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو۔ عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقہ الایمن رواہ البخاری عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلی فان کنت مستیقظۃ حدثنی والا اضطجع حتی یوذن بالصلوٰۃ رواہ البخاری۔ پس معلوم ہوا کہ اس فعل کو فرض یا واجب کہنا صحیح نہیں ہے اسی طرح اس فعل کو بدعت کہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ جب کہ آنحضرت سے ترک بھی ثابت ہے تو واجب یا فرض کیونکر ہو سکتا ہے۔ واجب و فرض کا ترک تو ناجائز ہے۔ چنانچہ بخاری نے عدم وجوب کے لئے ایک باب منعقد کیا ہے۔ باب۔ من تحدث بعد الرکعتین فلم یضطجع۔ اشارہ بہذہ الترجمۃ الی انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن

[1] بعد سنت فجر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیٹتے تھے الخ از حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم الحدیث ۲۰ رجب ۱۳۷۶ھ۔ تفصیلی جواب اوپر مرقوم ہے۔ (محمد داؤد راز)۔

یدوم علیہا وبذالک احتج الائمۃ علی عدم الوجوب وحملوا الامر الوارد بذالک فی حدیث ابی ہریرۃ عند ابی داؤد وغیرہ علی الاستحباب کذا فی فتح الباری۔ اور ابوداؤد وغیرہ میں جو بصیغہ امر ارشاد فرمایا ہے تو ضرور ہوا کہ اس امر سے استحباب مراد ہو ورنہ حدیث ماقبل سے تطبیق کیونکر ہوگی۔ اور اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل ثابت ہے تو بدعت کیونکر ہو سکتا ہے۔ پس جن بزرگان دین سے اس فعل کا انکار ورد ثابت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ حدیث نہیں ملی ورنہ کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا کیونکر رد کر سکتا ہے چہ جائیکہ بندگان دین۔ واما انکار ابن مسعودؓ الاضطجاع وقول ابراہیم النخعی ھی ضجعۃ الشیطان کما اخرجہما ابن ابی شیبۃ فھو محمول علی انہ لم یبلغہما الامر بفعلہ کذا فی فتح الباری۔ اور یہ جو بعض نے کہا ہے کہ یہ فعل تہجد خواں کے ساتھ خاص ہے یہ بات بلا دلیل ہے تخصیص بلا دلیل نہیں ہو سکتی کما لایخفی واللہ اعلم قد نمقہ العاجز محمد یٰسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ سیئاتہ۔ المجیب مصیب محمد حسین خان خورجوی۔

جواب ہذا صحیح ہے مستحب کو بدعت کہنا نہایت مذموم ہے۔ | سید محمد نذیر حسین |

محمد عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۹	عبدالرؤف ۱۳۰۳ بہاری	ابومحمد عبدالحق ۱۳۰۵ لودہانوی

خادم شریعت رسول الاواب ابومحمد عبدالوہاب ۱۳۰۰	الفنجابی الجھنگوی نزیل الدہلی

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	محمد طاہر ۱۳۰۴	سلہٹی فتاوٰی نذیریہ ص۳۱۵ تا ص۳۱۸

سوال: ایک شخص امام کے پیچھے چھٹی ہوئی بقیہ رکعتوں کی تکمیل کر رہا تھا کیا اس کی اقتدا کی جا سکتی ہے اور اس کو پہلی جماعت کا ثواب مل سکتا ہے۔

جواب: امام شافعیؒ کے مذہب میں جائز ہے بہت سے اہلحدیث بھی اس کے قائل ہیں ثواب دینا خدا کا کام ہے جتنا چاہے دے کوئی نیکی ضائع نہیں ہوتی۔ (اہلحدیث جلد ۴۳ ص۱۵)

تنقید: از حضرت الاستاذ مولانا شرف الدین صاحب دہلوی۔

مسبوق کی اقتدار جائز نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے سفر میں لسبب قضاء حاجت قافلہ سے مع مغیرہ بن شعبہ پیچھے رہ گئے جب قافلہ میں تشریف لائے تو عبدالرحمٰن بن عوف صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور ایک رکعت ہو چکی تھی آپ کو معلوم کر کے عبدالرحمٰن پیچھے ہٹنے لگے تو حضور صلعم نے اشارہ کیا کہ پیچھے مت ہٹو پھر آپ

نے اس کے پیچھے ایک رکعت پڑھ کر دوسری خود ادا کی اگر مسبوق کی امامت جائز ہوتی تو آپ ضرور آگے بڑھ کر امامت کراتے جیسے صدیق اکبرؓ کی امامت کے وقت کیا تھا کہ وہ نماز میں کھڑے ہو چکے تھے حضورؐ تشریف لائے اور وہ پیچھے ہٹ گئے اور آپ نے نماز امام بن کر پڑھائی یہ تبوک والی حدیث تو صحیح مسلم میں ہے مشکوٰۃ ص۵۲ اور صدیق اکبر والی صحیح بخاری میں ہے ص۹۹ ج ۱) اور بعض طلباء کو حدیث کے آخر کے جملہ قول مغیرہ فرکعنا الرکعۃ التی سبقتنا سے مغالطہ ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ اگر مسبوق کی امامت صحیح ہوتی تو آپ پہلے ہی سے امام بن جاتے کہ ساری جماعت سارے قافلہ کو حضورؐ کی امامت کا حظ حاصل ہوتا واذلیس فلیس فافہم۔ وقد برکعنا کا معنی یہ کہ میں نے اور حضور صلعم نے اپنی اپنی رکعت بقیہ الگ پڑھی۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

مسبوق کے پیچھے نماز پڑھنی حدیث سے مسکوت عنہ ہے اور اصل مسکوت عنہ میں جواز واباحت ہے پس جواز ثابت ہوگا۔ حررہ عبدالعزیز الملتانی عفی اللہ لہ۔

الجواب صحیح والرای نجیح - سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ — فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۳۸۰

سید عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۱ — سید محمد ابوالحسن ۱۳۰۵ — ابوسعید محمد حسین

سوال: عورتیں جب حیض سے ہوں یا نفاس سے ہوں۔ اور اس وقت کی جو نماز ان سے نہ پڑھی گئی ہو تو پاک ہونے پر قضا پڑھنی ہوگی۔ یا اس وقت کی ان کے واسطے قطعی معاف ہے اور روزے بھی جو انھی ایام میں فوت ہو گئے بعد پاک ہونے کے ان کے بارے میں کیا حکم ہے اور حیض ونفاس کے دنوں میں ذکر اذکار تسبیح یا درود شریف پڑھ سکتی ہیں یا نہیں۔

جواب: حائضہ عورت پر روزہ کی قضا لازم ہے۔ نماز معاف ہے اور درود وغیرہ سے منع کی کوئی قوی دلیل نہیں۔ ذکر اور درود پڑھ سکتی ہے۔ (۲۸/ ذی الحجہ سنہ ۳۹ھ)

سوال: عورت اپنے مرد کے پیچھے یا ساتھ کھڑی ہو کر اقتدا کر کے نفل نماز تہجد پڑھ سکتی ہے یا اکیلے ہی پڑھنا چاہیے اور تہجد کی نفل نماز قرأت جہر سے پڑھ سکتے ہیں یا بلا جہر پڑھنا چاہیے۔ اور دیگر نماز نفل جو کہ اکثر لوگ بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ اس کی سند صحیح حدیث میں ہے یا نہیں۔ اور بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہو کر

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نفل کس طرح پڑھے۔ صحابہ کرام رضؓ کا اجماع کس پر رہا۔

جواب: عورت مرد کے پیچھے اقتدا کر سکتی ہے۔ مگر ساتھ نہ کھڑی ہو بلکہ صف کے برابر چھوڑ کر چاہے اکیلی ہو تو بھی پیچھے کھڑی ہو۔ تہجد کی نماز میں جہر بھی کر سکتے ہیں حدیث میں اس کی اجازت آتی ہے۔ نفل بیٹھ کر پڑھنے سے نصف ثواب ہوتا ہے۔ کھڑے ہو کر پڑھنے سے پورا۔ حدیث[1] میں ایسا آیا ہے۔ (۲۸ ذی الحجہ ۳۹ھ)

سوال: جو سنتیں پنجگانہ میں فرائض سے پہلے پڑھی جاتی ہیں۔ ان کا گھر میں پڑھ کر مسجد میں جانا افضل ہے یا مسجد میں جاکر پڑھنا۔ اور فرائض کے بعد جو سنتیں ہیں ان کا ادا کرنا کس طرح ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے وقت میں اکثر گھروں میں پڑھی جاتی تھیں یا مسجد میں۔

جواب: یہ سنت گھر میں پڑھنی افضل ہیں۔ پہلی ہوں، یا پچھلی حدیث[2] میں ایسا آیا ہے۔ (۲۸ ذی الحجہ ۳۹ھ)

سوال: دعائیں جو نماز فرائض کے بعد یا کل نماز کے خاتمہ پر پڑھی جاتی ہیں۔ ان میں استغفار بھی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ اور توبہ استغفار کے لئے شب بیداری کا وقت افضل ہے۔ تو کیا ہر نماز کے بعد کس طرح ہے۔

جواب: استغفار ہر وقت کر سکتا ہے۔ ہر نماز کے بعد اَسْتَغْفِرُ اللہَ کہنا مسنون ہے۔ (۸ / ذی قعدہ ۳۸ھ)

سوال: ہر دعا کے اول و آخر درود شریف پڑھنا چاہیے۔ اور سوائے وقت نماز کے بھی اللہ عز وجل سے طلب حاجات کے لئے دعا مانگتے وقت بھی اول و آخر دعا کے درود پڑھنا چاہیے۔ اور کیا ہر دعا کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا افضل ہے۔ یا بغیر ہاتھ اٹھائے بھی۔ اور جب امام دعا مانگے تو مقتدی کے سوا طلب حاجات و بہتری اپنی اور کل مومن و مسلمانوں کی مانگ سکتا ہے۔ یا صرف آمین، آمین ہی کہے۔

جواب: دعا میں ہاتھ اٹھانا آیا ہے۔ لیکن اگر ایسے موقع میں دعا مانگتا ہے۔ جہاں ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ مثلاً سجدے میں یا قعدے میں تو ایسی جگہ ہاتھ اٹھانا ضروری

---

[1] ترمذی شریف مترجم نولکشوری ج (۱) صفحہ ۱۲۲ پر یہ حدیث موجود ہے۔ راز۔ [2] مشکوٰۃ ج ا صفحہ ۱۰۵۔

نہیں۔ امام کی دُعا پر مقتدی آمین کہے۔ اور اگر اس کی کوئی خاص حاجت بھی ہے۔ تو وہ الگ طلب کرے۔ منع نہیں۔ امام کی دعا میں شریک رہے۔ اور اپنی حاجت بھی طلب کرے۔ لکل امرئٍ مانوی (۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ)

سوال: ظہر نماز فرض کے پہلے جو سنتیں مؤکدہ چار رکعت پڑھتے ہیں۔ یہ چار رکعت ایک نیت سے پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ یا کہ دو دو الگ الگ پڑھنے کا حکم ہے۔

جواب: دو نیت سے دو دو الگ الگ پڑھنی افضل ہیں۔ یہ حدیث کا مضمون ہے۔ (۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ)

سوال: ذکر تسبیح یا درود کا بہت بار پڑھنا۔ مثلاً سو یا دو سو یا اس سے کم زیادہ تو تسبیح کے دانوں سے گنتی شمار کے واسطے پڑھنا۔ اور نیت بلا ریا کرے تو اس طرح حدیث شریف میں پتہ تسبیح کے دانوں پر گنتی کا ہے یا کنکر وغیرہ پر شمار کیا جاتا تھا اب ہمارے واسطے یہ بدعت نہ ہوگا۔

جواب: حدیث شریف میں نہ دانہ دار تسبیح آئی ہے۔ نہ کنکریاں آئی ہیں البتہ انگلیوں کی گرھوں پر شمار آیا ہے۔

تشریح مولانا نے حدیث فعلی کے عدم ذکر کو بیان کیا ہے ورنہ حدیث نبوی تقریری کلاو آثار صحابہ سے کنکریوں، گٹھلیوں وغیرہ پر تسبیح کا ثبوت وارد ہے عن صفیۃ قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین یدی اربعۃ الاف نواۃ اسبح بھا فقالت لقد سبحت بھذٰا الا اعلمك باکثر مما سبحت به فقالت علمنی نقال قولی سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ رواہ الترمذی والحاکم وصححہ السیوطی وعن سعد بن ابی وقاص مثل ھذا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علی امرأۃ وبین یدیھا نوی او حصی تسبح بہ فقال الا اخبرك بما ھو ایسر علیك من ھذا الحدیث تذکر الفاظ الذکر رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ و ابن حبان والحاکم وصححہ و حسنہ الترمذی قال الامام الشوکانی والحدیثان یدلان علی جواز عد التسبیح بالنوی والحصی وکذا

بالسبحة لعدم الفارق لتقريره صلى الله عليه وسلم للمرأتين على ذالك وعدم انكاره والارشاد الى ما هو افضل لا ينافي الجواز وقد وردت بذالك آثار ثوذكر الآثار عن ابي صفية مولى رسول الله صلعم وسعد ابن ابي وقاص وعن ابي هريرة ؓ وابي الدرداء وعن علی ؓ وغيرهم باسانيد وعن كتب الحديث فارجع اليه نيل الاوطار ص ۲۶۶ -

خلاصہ یہ کہ تسبیح وغیرہ پر ذکر اللہ بلا کراہت جائز ہے[1] (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: زید کہتا ہے کہ رکوع سے اٹھ کر رفع یدین کرے اور جب تک سجدہ کیلئے تکبیر نہ ہو یا نہ کہے ہاتھوں کو اٹھائے رکھے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ رسول صلعم نے تکبیر تحریمہ کے بعد سینہ پر ہاتھ باندھنے اور تکبیر عندالرکوع کے بعد گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ مگر رکوع سے اُٹھ کر رفع یدین کا حکم ہے اور یہ حکم نہیں ہے کہ ہاتھ لٹکا کر کھڑے ہو جاوے پس ہاتھ اس وقت تک اٹھے رہنے چاہیے کہ سجدہ کے لئے تکبیر ہو کیونکہ حالت میں تغیر اسی وقت سے ہو سکتا ہے کہ تکبیر ہو یا سمع اللہ لمن حمدہ کہا جائے جب اسے کہا جاتا ہے سب رفع یدین کے بعد ہاتھ اس موقعہ پر لٹکا دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے ہمارے لئے اللہ رسول حجت ہیں نہ کہ لوگ۔ پس حدیث سے ثبوت مانگتا ہے کہ ہاتھ لٹکانے کا ثبوت حدیث یا آثار صحابہ ؓ سے دیا جائے۔ بینوا بالکتاب والسنۃ توجروا۔ (محمد رفیع دہلی)

جواب: ہاتھ چھوڑ دینے چاہئیں کیونکہ ہاتھ کی اصلی ہیئت یہی ہے۔ جس جگہ باندھنے کا حکم ہو وہاں باندھیں گے جہاں کوئی حکم نہ ہو وہاں اصلی حالت پر رکھیں گے اسی لئے قعدہ میں باندھتے نہیں بلکہ رانوں پر رکھتے ہیں وہاں یہی حکم ہے۔ قومہ میں باندھنے کا حکم نہیں ملتا۔ اس لئے ہاتھ اصلی ہیئت پر لٹکتے رہیں گے۔ جب تک باندھنے والا مدعی اپنے دعوے کا ثبوت نہ دے۔ (۳۰ رمضان ۱۳۵۱ھ)

سوال: زید اہلحدیث ہے اور پابند شریعت۔ بفضلہ تندرست بھی ہے۔ زکام کی

---

[1] دانہ دالی تسبیح پر تسبیح پڑھنے کی ممانعت سلف وخلف کسی سے منقول نہیں الخ۔
عاجز محمد ابوالقاسم بنارسی (اہلحدیث ۲ رمئی ۱۹۱۳ء)

شکایت ضرور کبھی کبھی ہو جاتی ہے۔ زید مذکور روزانہ تقریباً نصف میل یا ایک میل بازار لائبریری کا چکر لگاتا ہے اگر بازار نہ گیا تو گھر میں بیٹھ کر دن بھر لکھنے کا کام کیا کرتا ہے مگر نماز جب پڑھے گا تو بیٹھ کر۔ روزہ رمضان کی یہ حالت ہے کہ وہاں چاہا تو رکھا نہ چاہا نہ رکھا۔ بکر جو کہ اہلحدیث ہے اس نے کہا تمہارا یہ کام یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنا اچھا نہیں ہے، باوجودیکہ بازار کا چکر لگاتے ہو اور نماز بیٹھ کر پڑھتے ہو۔ زید برا مانتا ہے اور حسب دستور نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ روزہ کی بابت دریافت کیا جاتا ہے کہ روزہ ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں زید کہتا ہے کہ دو مہر کو تبلاؤں گا۔ بینوا توجروا۔

(سید عبدالغفار معروف بہ سید رضا)

جواب: اس قسم کے افعال خدا کے سپرد ہیں، فاعل اگر واقعی معذور ہے تو بری ہوگا بہانہ ساز ہے تو ماخوذ ہوگا۔ (ار فروری ۱۹۳۳ء)

سوال: ایک مسجد میں اتفاق کر کے صف سیدھی ہونے کے واسطے چند خط مستقیم کھینچ دیئے گئے ہیں اور صفوں کے درمیان فصل چار فٹ ایک انچ رکھا گیا ہے۔ زید کہتا ہے کہ مقتدیوں کو خط کے اوپر ایڑی رکھنا چاہیئے اور بکر کہتا ہے کہ خط کے اوپر پیر کی انگلی رکھنی چاہیئے۔ آیا فصل دو صفوں کے درمیان چار فٹ ایک انچ چاہیئے یا کم و بیش؟ شریعت میں کیا حکم ہے؟ اور زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟ مدلل کتب حدیث سے تحریر فرمائیں۔ (رسائل نامعلوم)

جواب: نشانہ لکیر پر ایڑیاں رکھنی چاہئیں تاکہ صف سیدھی رہے۔ کیونکہ پاؤں چھوٹے بڑے ہوتے ہیں چار فٹ کا اندازہ صحیح ہے اس سے آدمی اچھی طرح سجدہ کر سکتا ہے۔ (۲۴ مارچ ۱۹۳۳ء)

سوال: امام نے بھول کر چار کے بجائے پانچ رکعت پڑھ لیں اور مقتدیوں نے لقمہ بھی نہ دیا۔ بعد فراغت امام صاحب کو جتلایا گیا کہ آپ نے ایک زائد رکعت پڑھ لی ہے تو آپ نے جواب میں کہا۔ اگر لقمہ دیتے تو میں ایک رکعت اور پڑھ لیتا پھر سجدہ سہو کر لیتا۔ اس طرح سے چار فرض ادا ہو جاتے اور دو رکعت نفل ہو جاتیں۔ لیکن اب سجدہ ہی کرنا کافی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ امام مذکور کا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ (عمر الدین از فتح آباد امرتسر)

جواب : حدیث شریف میں آیا ہے پانچ پڑھنے والا ایک اور ملالے۔ اس کے دو نفل ہوں گے۔ اگر پانچ پر سجدہ سہو کرے تو دو سجدے ایک رکعت کی طرح پانچویں سے مل کر دو رکعت کا ثواب دلوادیں گے۔ انشاء اللہ۔ (۱۰ر مارچ ۱۹۲۲ء)

سوال : اگر امام نماز میں قرارت کرتا ہوا بھول جائے اور بھولی ہوئی آیت کو چھوڑ کر اس سے اگلی آیت پڑھ لے تو ایسا کرنے سے نماز درست ہو جائے گی یا نہیں؟

(سائل مذکور)

جواب : سہو قرارت میں بہت آسانی ہے۔ جو آیت پڑھے صحیح پڑھے۔ بھول کر درمیان سے رہ جائے تو معاف ہے۔ (۱۰ر مارچ ۱۹۳۳ء)

سوال : دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کس طرح پڑھنی چاہیئے؟ اور یہ بھی فرمادیں کہ یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

جواب : تحیۃ المسجد بہ نیت نوافل لمسجد پڑھے جاتے ہیں رسول اللہ صلعم سے ثابت ہے۔ (۱۰ر مارچ ۱۹۳۳ء)

سوال : مستورات کی نماز دوپٹہ کے بغیر ہوسکتی ہے کیا (عبدالستار نا ندیر)

جواب : بدن اور بال وغیرہ ننگے نہ ہوں دوپٹہ سے اگر یہ غرض پوری ہو جاتی ہے تو چادر کی حاجت نہیں پردہ کی ضرورت ہے۔ جس کپڑے سے ہو جائے۔

(۲۸ر ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ)

سوال : مستورات نماز مغرب وعشاء وصبح میں قرارت قرآن آواز سے پڑھیں یا چپ؟

جواب : مستورات اگر اکیلی یا مقتدی ہیں تو آہستہ پڑھیں گی اور اگر امام ہیں تو مردوں کی طرح جہری نمازوں میں جہر سے پڑھیں مرد اور عورت میں اس امر میں کوئی فرق نہیں۔ (۲۸ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ)

تشریح جہری نمازوں میں مرد و عورت کا یکساں حکم ہے کہ بحالت امامت امام کو جہر مقتدیہ کو سر فاتحہ اور منفردہ کو اختیار ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال : فرضوں کی پچھلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد اگر کوئی سورت وغیرہ پڑھی جائے تو کیا سجدہ سہو لازم ہے؟

جواب: فقہاء ایسی صورت میں سجدہ سہو کرنے کا حکم دیتے ہیں میرے ناقص علم میں سجدہ سہو واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ (۲ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ)

تشریح: یہاں سجدہ سہو کے لیے فقہاء کا خیال صحیح نہیں، مسئی الصلوٰۃ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے فرائض و آداب بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا ثم اقرأ بام القرآن وما شاء اللہ ہذا لفظ المصابیح و لابی داؤد و لابن حبان بما شئت کذا فی بلوغ المرام ص ۱۹ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۰ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا ثم افعل ذالک فی صلاتک کلہا اخرجہ السبعۃ و اللفظ للبخاری بلوغ المرام ص ۱۹ ہمارے لیے محل استدلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی الفاظ مبارک ہیں جن سے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد کچھ اور بھی قرآن شریف سے پڑھنا ثابت ہوا لہٰذا سجدہ سہو کا حکم فقہاء دیتے ہیں باطل ہے (ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی)

سوال: دریافت طلب امر یہ ہے کہ بسم اللہ بالجہر والسر میں قوی دلائل از روئے حدیث شریف کس طرف ہیں۔

جواب: میرا دونوں پر عمل ہے جہر قوی ہے اللہ اعلم صحیح مسلم میں روایات جہر بکثرت ہیں۔ (۱۹ محرم ۱۳۴۸ھ)

شرفیہ: اس میں غلطی سے معاملہ برعکس ہوگیا ہے صحیح مسلم شریف میں جہر کی نہیں بلکہ عدم جہر کی روایت ہے اور جس میں جہر ہے وہ نماز میں نہیں ہے سورہ کوثر کے نزول کے وقت آپ نے بسم اللہ پڑھی تھی اس میں راز کا ذکر نہیں ہے اور عدم کی روایت انس سے ہے ملاحظہ ہو مسلم ج ۱ ص ۱۷۲ اور بلوغ المرام میں ہے۔ عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابا بکر و عمر کانوا یفتتحون الصلوٰۃ بالحمد للہ رب العالمین متفق علیہ زاد مسلم لا یذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول قراءۃ ولا فی اخرہا و فی روایۃ لاحمد والنسائی و ابن خزیمۃ لا یجہرون ببسم اللہ الرحمن الرحیم و فی اخری لابن خزیمۃ کانوا یسرون و علی ہذا یحمل النفی فی روایۃ مسلم خلافا لمن اعلہا انتہی ما فی بلوغ المرام

پس ثابت ہوا کہ اکثریت و اولویت سری کی ہے ۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: عیدین میں نماز و خطبہ ختم ہونے کے بعد امام کا معہ مقتدی دعا مانگنا یا مقتدیوں کا فرداً فرداً۔ الگ الگ دعا مانگنے کا حکم ہے یا دعا مانگنے کی مطلق ممانعت ہے

جواب: عیدین میں بوقت خاص دعا کا ذکر میرے ناقص علم میں نہیں ہاں عام طور پر دعا کا حکم اور ثبوت ملتا ہے۔ میری سمجھ سے یہ امر باہر ہے کہ ایسے امر کی بابت اتنی کرید کیوں کی جاتی ہے (۲۵ محرم ۱۳۶۲ھ)

شرفیہ اصل بات یہ ہے کہ حدیث نبوی ہے الدعاء ھو العبادۃ الحدیث رواہ احمد والترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ وغیرہ وصححہ الترمذی وایضاً قال صلی اللہ علیہ وسلم الدعاء مخ العبادۃ رواہ الترمذی وفی ادب المفرد للبخاری بلفظ اشرف العبادۃ الدعاء انتہی (تنقیح الرواۃ ص۲۶ ج۲) نماز کے بعد وقت مبارک اور قبولیت دعا کا ہے اس لئے شیطان ایسے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے تاکہ اس کے وسوسوں میں مبتلا ہو کر یہ دعا مانگنے سے محروم ہو جائیں اس لئے ایسے لوگ بیچارے مجبور ہیں یہ کرید میں رہتے ہیں اور شیطان کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطانی وساوس سے سب کو محفوظ رکھے اور ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: کیا حکم ہے ایسے شخص کے حق میں جو چند ایک نمازیوں کی موجودگی میں طنزاً کیا استہزاءً یا حقارتاً رفع الیدین کے بارے میں کہے کہ یہ لوگ روتے پیٹتے ہیں اور ساتھ ہی حقارت کے طور پر ہاتھ سے اشارہ بھی کرے جواب مدلل ہو (حافظ عبد اللہ)

جواب: شخص مذکور جہالت کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے لے انکار ہے تو کیا حضرت پیر جیلانی رح کی کتاب غنیۃ الطالبین بھی اس نے نہیں دیکھی۔ اسے دیکھے اور آئندہ ایسی جہالت کے الفاظ نہ کہے ورنہ ایمان کا خطرہ ہے۔

(۱۱ مئی ۱۹۳۲ء)

تشریح: از قلم حضرت مفتی مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز۔

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے

ہوئے دونوں ہاتھ مثل تکبیر تحریمہ کے کانوں تک اٹھانے مستحب ہیں۔ کیونکہ صحیح بخاری مسلم کی روایت ہے۔

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا فتتح الصلوٰۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع راسہ من الرکوع فعلهما کذالك (متفق علیہ)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تب بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے۔"

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع یدین کرنے میں کسی فریق کو اختلاف نہیں، حنفیہ بھی مانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا۔ مگر منسوخ کہتے ہیں لہذا ہمیں زیادہ ثبوت دینے کی اس موقع پر حاجت نہیں بلکہ فریق ثانی کے ذمہ ہے کہ وہ نسخ کا ثبوت دیں۔ اس لئے بجائے مزید ثبوت دینے کے حنفیہ کرام کے دعویٰ نسخ کی پڑتال مناسب ہے۔

اس دعویٰ پر حنفیوں کی سردفتر دو حدیثیں ہیں ان میں سے بھی ایک اوّل اور ایک دوم درجہ کی ہے اوّل سردفتر حدیث روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے جو ترمذی میں ہے جس کے الفاظ مع ترجمہ یہ ہیں۔ قال عبداللہ بن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اوّل مرۃ (ترمذی) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بتلاؤں؟ یہ کہہ کر انہوں نے نماز پڑھی تو سوائے اوّل مرتبہ کے رفع یدین نہ کی۔" اس سے معلوم ہوا کہ رفع یدین منسوخ ہے۔ جب ہی تو ایسے بڑے جلیل القدر صحابی نے رفع یدین نہ کی اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی حدیث سے نسخ ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے ابن مسعود کے نزدیک جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ علاوہ اس کے یہ کیونکر ممکن ہے کہ

ایک امر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایات صحیحہ ثابت ہو وہ صرف کسی صحابی کے نہ کرنے سے منسوخ قرار دیا جاوے حالانکہ وہ حدیث بقول عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر محدث کے ثابت بھی نہیں۔ اگر بہ تحقیق امام ترمذی حسن ہے تو بھی صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ خصوصاً جس حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کا اس پر عمل عام طور پر ثابت ہے تو دعوی نسخ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ غور سے سنیے!

عن ابی حمید الساعدی سمعته وھو فی عشرۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ان قال ثم یقرأ ثم یکبر ویرفع یدیہ حتی یحاذی بھما منکبیہ ثم یرکع الی ثم سلم قالوا صدقت ھکذا کان یصلی (رواہ ابو داؤد والدارمی والترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح)

ابو حمید ساعدی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دس صحابہ کی مجلس میں دعوی کیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سے بہتر جانتا ہوں اور ان کے کہنے پر اس نے بتلائی تو رکوع کرتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے دونوں وقت رفع یدین کی اور ان دسوں صحابہ کرامؓ نے تصدیق کی کہ بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔

یہ روایت اور دس صحابہؓ کی تصدیق ملانے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ جن روایتوں میں آیا ہے کہ کسی ایک آدھ صحابی نے رفع یدین نہیں کی ان کو نماز کے ضروری ضروری ارکان خصوصاً قومہ جلسہ اعتدال وغیرہ (جن میں عموماً لوگ سستی کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ حدیث مسیٔ الصلوٰۃ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ارکان صلوٰۃ میں سستی کرتے تھے ان کی نسبت حاضرین کو تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے تاکہ امور مستحبہ کا بیان بھی۔

علاوہ اس کے اگر کسی امر جو سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ سے ثابت ہو۔ کسی ایک آدھ صحابی کے نہ کرنے سے نسخ ہو سکتا ہے تو یہی ابن مسعودؓ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق

کرتے تھے۔ دونوں ہاتھوں کو زانوؤں پر نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہ مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس فعل کی تاکید مزید کیا کرتے تھے تو لامحالہ اس وقت جبکہ انہوں نے رفع یدین نہ کی ہوگی۔ زانوؤں پر ہاتھ بھی نہ رکھے ہوں گے۔ کیونکہ دوسری روایتوں سے ان کا مذہب یہی ثابت ہوتا ہے تو پس چاہیئے کہ رکوع کے وقت زانوؤں پر ہاتھ رکھنے بھی منع ہوں حالانکہ کسی کا مذہب نہیں اور تو کسی کا کیا ہوتا خود حنفیہ کا بھی نہیں بلکہ اگر اس قسم کی روایات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اول دفعہ کے رفع یدین نہیں کی تو بھی نسخ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سنت خاص کر مستحب امر کے لئے دوام فعل ضروری نہیں۔ دوام تو موجب وجوب ہے سنت یا مستحب تو وہی ہوتا ہے ..... کہ فعل مرۃ وترک اخری) کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو) جس کو اہل معقول کی اصطلاح میں مطلقہ عامہ کہنا چاہیئے اور یہ تو ظاہر ہے کہ مطلقہ عامہ کی نقیض نہیں ہوتا۔ دوسری دلیل نسخ پر ہے جسے آج کل بڑے زور سے بیان کیا جاتا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ جس کے الفاظ مع مطلب یہ ہیں۔

مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس (مسلم) "رسول پاک نے صحابہ کو نماز میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو فرمایا کیا سبب ہے کہ تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو۔ گویا وہ مست گھوڑوں کی دمیں ہیں"

کہا جاتا ہے کہ اس حدیث سے رفع یدین کا نسخ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا ہے تو ہر قسم کی رفع یدین جو نماز کے اندر ہوگی منع ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ روایت مجمل ہے مفصل خود اس شبہ کا جواب دیتی ہے۔ چنانچہ جابر بن سمرہ کہتے ہیں صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم فنظر الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما شانکم تشیرون بایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اذا سلم احدکم فیلتفت الی صاحبہ ولا یومی بیدہٖ۔

(مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ)

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو ہماری عادت تھی کہ

جب ہم اخیر نماز کے سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر کے السلام علیکم کہا کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ ایسے اشارے کرتے ہو گویا مست گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ جب کوئی سلام دیا کرے تو وہ اپنے ساتھی کی طرف صرف دیکھا کرے اور اشارہ نہ کیا کرے!!

پس یہ مفصل روایت ہی کافی جواب دے رہی ہے کہ بات کچھ اور ہے حضورؐ نے اس بے محل رفع یدین سے منع فرمایا ہے جو سلام کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے نہ کہ عندالرکوع والی رفع یدین سے علاوہ اس کے نسخ میں تقدم تاخر قطعی ہونا چاہیئے جو یہاں پر نہیں بھلا اگر یوں کہدے کہ یہ روایت (بشرطیکہ اس کو رفع یدین عندالرکوع سے تعلق ہو) خود ابن عمر کی روایت مذکورہ سے منسوخ ہے کیونکہ ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ رفع یدین بعد انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کرتے رہے تو اس کا جواب شاید قائلین نسخ پر ہم سے زیادہ مشکل ہو اخیر میں اپنے بھائیوں کو فخر المتاخرین استاد الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ کا اس مسئلہ میں فیصلہ سنا کر بحث ختم کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِیْ یَرْفَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّنْ لَّا یَرْفَعُ فَاِنَّ اَحَادِیْثَ الرَّفْعِ اَکْثَرُ وَ اَثْبَتُ (حجۃ اللہ البالغہ اذکار دھیات)

یعنی جو لوگ رکوع کو جاتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے ہیں وہ نہ کرنے والوں سے مجھے زیادہ پیارے ہیں چونکہ رفع یدین کی حدیثیں تعداد میں زیادہ ہیں اور ثبوت بھی پختہ۔ مزید بحث رفع یدین کی دیکھنی ہو تو رسالہ تنویر العینین مصنفہ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید قدس سرہ یا ہمارا رسالہ آمین رفع یدین مطالعہ کریں۔ (اہلحدیث کا مذہب ص۵۵)

سوال: زید کہتا ہے کہ عیدالاضحیٰ کی نماز تمام دنیا میں چھ تکبیروں کے ساتھ ادا کی جاتی ہے گیارہ تکبیروں کے ساتھ ادا کرنے کا کہیں حکم نہیں۔ اگر حکم ہو تو وہابیوں کی کتابوں میں ہوگا قرآن و حدیث سے اطلاع فرمایئے کہ گیارہ تکبیروں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری میں پانچ تکبیریں آئی ہیں۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر فی العیدین فی الاولی سبعا قبل القراءۃ و فی الآخرۃ خمسا قبل القراءۃ رواہ الترمذی مشکوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت

میں پانچ تکبیریں پڑھیں معلوم نہیں زید کے نزدیک یہ کتابیں سارے اہل سنت کی ہیں یا خاص وہابیوں کی ہیں (۲۷ محرم ۱۳۳۳ھ)

نوٹ:۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ و عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی عیدین کی نماز بارہ تکبیروں سے پڑھا کرتے تھے۔ تکبیر تحریمہ ان کے علاوہ ہے، امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ج ا صفحہ ۱۲۶ (معارف)

تعاقب[1]: کسی سائل نے سوال کیا تھا " دعائے قنوت پڑھنی فجر کی نماز میں ہمیشہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں یا کسی خاص زمانہ کے لئے حکم ہے" تو جواب اس کا یہ نکلا تھا، "جو کام پیغمبر اسلام علیہ السلام سے ایک دفعہ بھی ثابت ہوا اگر وہ موقت نہیں جیسے نماز عید وغیرہ تو اس فعل کا روزانہ کرنا بھی جائز ہے بحکم لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ گو باصطلاح علماء فرض واجب یا سنت مؤکدہ نہیں لیکن اگر فساد ہو یا فساد کا اندیشہ ہو تو ترک بہتر ہے جیسا حدیث شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ کعبہ کے دو دروازے کردوں مگر جدید مسلمانوں کی دل شکنی کا اندیشہ ہے اس لئے ترک کرتا ہوں" جناب مفتی صاحب وہ تو جدید مسلمان نہیں پھر بھی حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے جب یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے سنی تو ایسا ہی کردیا یعنی کے دو دروازے بنا دیئے آیت لقد کان لکم الخ سے نیز حدیث من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مأة شهيد سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی ہر سنت پر عمل کرنا امت پر لازمی ہے اور خاص کر قنوت کے بارے میں بلوغ المرام میں ہے " فی الصبح فلو یزل یقنت حتی فارق الدنیا" اس حدیث سے ہمیشہ قنوت فجر کی نماز میں پڑھنی ثابت ہے۔

(ابو القاسم بونت ضلع بالیسر)

جواب: آنحضرتؐ نے قنوت صرف ایک مہینہ پڑھی ہے۔ بلوغ المرام کا لفظ حتی فارق الدنیا صحیح نہیں۔ نیل اور سبل السلام میں مفصل ہے آپ نے لکھا ہے کہ وہ لوگ جدید الاسلام تھے ہم قدیم الاسلام ہیں صحیح ہے لیکن ان جدید کا ایمان ہم قدیم کے ایمان

[1] مسئلہ متعلقہ مع تعاقب و جواب اگلے بیان میں موجود ہے۔ (راز)

سے قوی تر تھا تاہم اندیشہ کیا تو ہمارے زمانے میں اندیشہ قوی ہے عبداللہ بن زبیرؓ نے جب عمل کیا اس وقت اندیشہ رفع ہو گیا تھا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آج سلطان ابن سعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز حدیث بابین پر کیوں نہیں عمل کرتے؟ محض اندیشہ ہے؟ حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ میں رفع یدین عندالرکوع کے حق میں سنیت کے قائل ہیں مگر اندیشہ فساد کا لحاظ رکھتے ہیں۔ بایں ہمہ میں کہتا ہوں کوئی شخص ان سب مراحل سے بلند تر ہو کر عمل بالسنہ کرنا چاہیے تو کرے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ (۱۲ اگست ۳۲ء)

تعاقب: از مولانا حاجی یونس خان صاحب دتا ولی۔

کسی سوال کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ امام شافعی کا مذہب ہے کہ امام عصر کی نماز پڑھ رہا ہو اور مقتدی کی ظہر باقی ہو تو ظہر کی نیت سے امام عصر کے پیچھے کھڑا ہو جاوے اس پر موصوف تعاقب فرماتے ہیں۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ ظہر کے پڑھنے والے مقتدی نے عصر پڑھنے والے امام کے پیچھے اقتدا کی ہو بلکہ اصلی جواب یہ ہے عصر کی جماعت میں بنیت عصر شریک ہو کر ظہر کی نماز بعد کو پڑھے یہ دلیل کافی نہیں کہ امام شافعیؒ نے اجازت دی ہے حدیث شریف میں آیا ہے اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الَّتِیْ اُقِیْمَتْ)

مفتی اہلحدیث - امام شافعیؒ کا قول امتناعی صورت میں پیش کیا تھا برہانی صورت میں نہیں کیونکہ محدثین کے نزدیک غیر نبی کا قول و فعل دلیل نہیں حدیث پیش کردہ جناب کا مطلب ہے کہ تکبیر ہونے پر وہی جماعت کھڑی ہونی چاہیے جس کی تکبیر ہوئی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام اور مقتدی کی نیتیں مختلف نہ ہوں جبکہ متفرض (نماز فرض والے) کے پیچھے متنفل کی بالاتفاق جائز ہے بلکہ اہلحدیث کے نزدیک متنفل کے پیچھے متفرض کی مکتوبہ نماز جائز ہے امید ہے جناب بھی ان دونوں صورتوں کے قائل ہوں گے۔ انشاء اللہ

(۲۳ صفر ۳۲ھ)

سوال: حمام میں ننگے بدن نماز کے لئے وضو ہو جاتا ہے یا نہیں۔

جواب: ننگے بدن وضو ہو جاتا ہے۔ (۵ رجب ۳۲ھ)

ے صفحہ ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیے نقطہ راز

سوال: جمعہ کے لئے امام خطبے پر کھڑا ہو ہو تو سنتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے جب تم خطبے کی حالت میں آؤ تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔[1] (صحیح مسلم)۔ (۲۵ رجب ۱۳۴۸ھ)

سوال: مسبوق کو جس قدر نماز جماعت کے ساتھ مل جاوے وہ اس کے لئے اول یا آخر کی نماز گنی جاوے تاکہ قرأت وغیرہ میں امتیاز ہو۔

جواب: حدیث میں آیا ہے اقض ما سبقک یعنی جو کام تم سے پہلے امام کر چکا ہے وہ پورا کر دیا کرو۔ وہ پہلی رکعت پڑھ چکا ہے اس لئے مسبوق جب کھڑا ہو تو پہلی پوری کرے۔ بعض علماء پچھلی کا حکم کرتے ہیں یہ بھی جائز ہے مگر الفاظ حدیث بظاہر پہلی کی طرف رہنما ہیں۔ (۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء)

سوال: کوئی صاحب محتلم یا کوئی صاحب جنب بوقت صبح عین وقت سورج نکلنے سے کچھ قبل نیند سے بیدار ہو کر پانی نہ ملنے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر نماز ادا کرنے کو سورج طلوع ہو جانے کے خوف سے ایسے تنگ وقت میں تیمم کر کے نماز فرض وغیرہ ادا کرے۔

جواب: غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر باوضو نماز پڑھے ایسی صورت میں تیمم کا حکم نہیں ہے۔ (۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۴۳ھ)

سوال: عورتیں جماعت کر کے مرد و عورتوں کی امامت کرانے نکاح کا ایجاب و قبول کرانے اور جانور ذبح کرنے کا حکم شرعاً رکھتی ہے یا نہیں۔

جواب: عورت مردوں کی امام نہیں ہو سکتی صرف عورتیں ہوں تو ایک عورت امام ہو کر جمعہ عید وغیرہ کی جماعت کرا لے تو جائز ہے نکاح میں کسی جانب سے ولی نہیں ہو سکتی وکیل ہو سکتی ہے جانور بھی ذبح کر سکتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ (۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۴۲ھ)

سوال: ناپاکی کی حالت میں جانور ذبح کرنا انگریزی اور بھاشا ہندی وغیرہ پڑھنا پان و حقہ وغیرہ نوش کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: ناپاکی کی حالت میں جانور ذبح کر سکتا ہے انگریزی وغیرہ بھی ضرورت ہو تو پڑھنی جائز ہے پان بے تمباکو تو بالکل جائز ہے تمباکو اور حقہ[2] اچھا نہیں۔ (۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۴۲ھ)

---

[1] اس مسئلہ پر ایک بہترین مقالہ مرقومہ مولانا ابو الطیب عطاء اللہ امرتسری المحدیث ۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۵۴ھ میں ملاحظہ فرمایئے۔ (مرتب) [2] بہت ہی برا ہے یاکلون فی بطونہم نارا کا مصداق ہے بعض کا حقہ تو بیت الخلاء کا نقشہ ہوتا ہے مگر نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔ ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: نماز کی حالت میں کوئی سلام کرے تو جواب دینا چاہیئے کہ نہیں۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ لَشُغْلًا یعنی نماز میں شغل ہوتا ہے اس لیے سلام کے جواب میں صرف ہاتھ اٹھا دینا آیا ہے (۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

سوال: قراءت کتنی آیت فرض ہے ایک یا تین۔ ایک بھی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب: فقہاء نے لکھا ہے کہ تین آیت خورد اور ایک آیت طویل فرض ہے قرآن مجید میں صرف اتنا آیا ہے۔ فاقرؤا ما تیسر من القرآن جس قدر پڑھنا تمہیں آسان ہو پڑھ لیا کرو۔ (۲۳ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

نوٹ: چونکہ دین نے آسانی کو ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے۔ اس لئے یہ حکم ہے۔ ورنہ نماز میں قراءت قرآن جس قدر بھی ہو سکے بہتر اور کار ثواب ہے۔ فقط "راز"

سوال: اہلحدیث کی مسجد میں حنفی لوگ بھی امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں احناف لوگ امام اہلحدیث کے پیچھے آٹھ رکعت تراویح ادا کر کے باقی بارہ رکعت اپنے مذہب کے مطابق کسی امام کے پیچھے اسی مسجد میں باجماعت پڑھتے ہیں کیا اہلحدیث ان کو منع کر سکتے ہیں؟

جواب: اہلحدیث ان کو منع نہیں کر سکتے کریں گے تو گنہگار ہوں گے تراویح کی رکعات مسنونہ آٹھ ہی ثابت ہیں تاہم باقی نوافل سے تو کم نہیں خصوصاً اس حال میں کہ بہت سے ائمہ اسلام کا یہی مذہب ہے پس بند کرنا گناہ ہے۔ (۳ شعبان ۱۳۵۱ھ)

سوال: دیہات کی مساجد میں نماز جمعہ ہونی چاہیئے یا نہیں الخ

جواب: حنفی مذہب میں منع ہے حدیث کی رو سے جائز ہے۔ (۱۷ شوال ۱۳۵۱ھ)

سوال: جوتا پہن کر نماز پڑھنے کا جو ارشاد ہے اس سے کونسی جوتی مراد ہے؟ ملکی جوتی یا کپڑے کی۔

جواب: اپنے ملک کی جو پاک ہو اس میں بے شک نماز پڑھ لے۔ دلیل حدیث مرقوم (صلوا فی النعال خالفوا الیہود)۔ (ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ)

سوال: نماز ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے مقتدی کو صرف سورہ فاتحہ پڑھنا چاہیئے یا کیا

لہ یہ چیز برادران احناف ہی کو مبارک ہو جو اپنی مساجد سے آمین بالجہر و رفع یدین کرنے والے نمازیوں کو نکال کر اپنی گندی ذہنیت کا ثبوت پیش کیا کرتے ہیں۔ اللہ ان کو ہدایت کرے آمین۔ راز

کے ساتھ اور سورت ملا کر پڑھنا چاہیئے بغیر سورہ فاتحہ کے مقتدی کی نماز ہوتی ہے یا نہیں۔ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ نماز مغرب اور عشاء اور فجر میں مقتدی صرف سورہ فاتحہ پڑھے اور نماز ظہر اور عصر میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت ملا کر اوّل دو رکعت میں پڑھنا چاہیئے بعد دو رکعت میں صرف سورہ فاتحہ آیا یہ بات صحیح ہے یا غلط جواب عنایت فرماویں۔

جواب: سورہ فاتحہ کی تو تاکید مزید ہے ایک حدیث میں **فصاعداً** کا لفظ آیا ہے اس کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء نے سوائے فاتحہ کے اور سورت بھی مراد لی ہے اس لئے اگر اور سورت بھی پڑھے تو جائز ہے خاکسار کے نزدیک ضروری جیسی فاتحہ ضروری ہے (۲۳ رجادی الثانی ۱۳۳۱ھ مطابق ۳۰ رمئی ۱۹۱۳ء)

سوال: آلۂ آواز جس کو انگریزی میں لاؤڈ اسپیکر کہتے ہیں وعظ اور خطبہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں (سی۔ اے حمزہ از پالگھاٹ)

جواب: لاؤڈ اسپیکر رکھنا جائز ہے وہ انسانی آواز ہے جو بلند ہوا کرتی ہے (۲۷ مارچ ۱۹۴۱ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ علمائے کرام: امور مندرجہ ذیل کی اباحت و جواز یا حرمت کے متعلق تشریح فرماویں و نیز ان کے مسائل کے بارے میں علمائے دین کا اگر کوئی فتویٰ ہو تو وہ بھی تحریر فرماویں۔ جوابات مختصر و نمبروار ہوں۔ بینوا توجروا۔

۱۔ موجودہ دور کی ایجادات (جن کے استعمال سے ارکان اسلام کی ادائیگی میں خلل کا اندیشہ نہیں) سے فائدہ اٹھانا کیسا ہے؟

۲۔ بدعت اور سنت میں کیا فرق ہے اگر زمانہ نبوی کے بعد کی ہر نئی چیز یا نیا کام بدعت ہے تو مسلمانوں کی عہد نبوی کے بعد کی اشیاء کا استعمال کیسا ہے اور ہر چیز میں اصل اباحت ہے۔ اس کی وضاحت فرماویں۔

۳۔ مسلمانوں کو زمانہ نبوی سے مختلف زبان۔ لباس۔ خوراک ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت اختیار کرنے کے جواز کی کیا دلیل ہے؟

۴۔ دیگر قومیں اپنے خیالات و عقائد و مذاہب کی اشاعت کے لیے لاؤڈ اسپیکر استعمال کرتی ہیں تاکہ ان کی آواز دور تک زیادہ سے زیادہ لوگوں کے کانوں میں پہونچ سکے اور کچھ عرصہ سے مسلمان بھی اپنے مذہبی جلسوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اگر اسے جمعہ و عیدین کے خطبات میں بھی استعمال کیا جائے تاکہ خطبوں کی افادیت وسیع تر ہو سکے

تو کیا یہ ناجائز ہے؟ اور کیا لوگوں کا ایسے جلسوں میں جانا بند کر دیا جائے جہاں علماء کے وعظ کے لئے لاؤڈ اسپیکر لگا ہوا ہو۔ (سائل محمد خلیل مئوی)

جواب منجانب مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مدرس و خطیب جامع مسجد اہلحدیث گوجرانوالہ

الجواب وباللہ التوفیق ۔ ؏۱ ایجادات سے استفادہ بلا کراہت درست۔ ریل، سیارہ، تار، ٹیلیفون، لاؤڈ اسپیکر وغیرہ اسی نوعیت کی اشیاء ہیں۔ جہاں تک اسلام اور دین کی اشاعت میں استفادہ ممکن ہو ان کا استعمال بلا نکیر درست ہے۔

؏۲ سنت اور بدعت میں فرق ایک مبسوط بحث ہے جس کے لئے شاطبی کی الاعتصام اور سید اسمٰعیل شہید کے رسالہ متعلقہ احکام تجہیز و تکفین کی طرف رجوع فرمائیں۔ مختصر اتنا سمجھ لیجئے کہ بدعت کا تصور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد الحدیث ۔ یعنی جو شخص امور دین میں اضافہ کرے اور دین کی متعین مقدار عمل پر اضافہ کرے اسے بدعت فرمایا گیا ہے۔ ایجادات حالیہ عن راسہا دین ہی نہیں۔ اس لئے ان سے استفادہ قطعاً بدعت کی تعریف میں نہیں آسکتا بلکہ ان کا تعلق انتم اعلم بامور دنیاکم سے ہے۔ یہ دنیوی چیزیں ہم اخلاقی دینی امور میں استعمال کر سکتے ہیں۔ سامان حرب میں دنیا بدل چکی ہے۔ آج پرانے ہتھیاروں سے لڑنا اپنی موت کے محضر پر تصدیق کے مرادف ہے۔

؏۳ زبان، لباس، خوراک، طریقہ تجارت میں اسلام کی اساسی ہدایات کو پیش نظر رکھ کر ساری چیزیں استعمال ہو سکتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل والبس ما شئت ما اخطا تک اثنتان سرف ومخیلۃ (بخاری) کبر و اسراف سے بچتے ہوئے ہر چیز استعمال فرما سکتے ہیں۔ الحلال بیّن والحرام بیّن وسکت عن اشیاء من غیر نسیان ۔ البتہ طریقہ معاشرت ایک عام لفظ ہے معلوم نہیں آپ کی کیا مراد ہے ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر اس سے مراد ہندوانہ بودوباش ہے تو یہ درست نہیں۔ اوضاع و اطوار میں دینی اوضاع کی پابندی ضروری ہے۔ دوسرے اوضاع کی طرف رجحان ذہنی شکست کی دلیل ہے۔

؏۴ ۔ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال تقاریر اور خطبوں میں یقیناً درست ہے ہم لوگ تو یہاں نماز

میں اسے استعمال کرتے ہیں۔ بظاہر اس کے خلاف موہوم خطرات کے علاوہ کوئی شرعی دلیل میری نظر سے نہیں گزری سنتا ہے بعض علماء دیوبند نے نماز میں استعمال کی مخالفت کی ہے۔ میری نظر سے اُن کے دلائل نہیں گذرے۔ والسلام۔ محمد اسمٰعیل مدرس و خطیب جامع مسجد اہلحدیث گوجرانوالہ

جواب از مولانا عبد الجبار صاحب کھنڈیلوی بھوجپوری شیخ الحدیث مدرسہ احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ

الجواب۔ جوابؔ موجودہ دور کی ایجادات جن کا شرعاً استعمال کرنا درست نہ ہو وہ استعمال کر سکتے ہیں لقولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا الاٰیۃ یعنی جو چیزیں زمین میں پیدا کی گئی ہیں وہ سب تمہارے فائدہ کے لئے ہیں۔ دوسری آیۃ میں فرماتا ہے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ الاٰیۃ یعنی اللہ تعالیٰ وہ وہ سواریاں اور چیزیں پیدا کرے گا جن کا تم کو علم نہیں ہے اس آیۃ میں آئندہ کی ایجادات موٹر، ہوائی جہاز، ٹیلیفون ریڈیو وغیرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جوابؔ بدعت وہ عمل ہے جو دین میں ثواب سمجھ کر کیا جائے۔ ہر نئی ایجادات بدعت نہیں لقولہ علیہ السلام من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔ الحدیث رواہ البخاری۔ یعنی بدعت وہ امر ہے جو ہمارے دین میں نیا نکالا جائے جیسے بدعت عید میلاد و بدعات محرم و بدعت تقلید وغیرہ اور سنت وہ کام ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً و عملاً کیا ہو اور اس کو امت کے لئے دین قرار دیا ہو اور آپ کا اسوۂ حسنہ ہو۔ لہٰذا مطلق نئی چیز بعد نبوت بدعت نہیں۔

جوابؔ۔ ہر ایک لباس خوراک و ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت جو شرعاً منع نہ ہوں اور ان سے تشبہ کفار لازم نہ آئے درست ہے لقولہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ یعنی اے ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ ہیں ان کو اپنے پر حرام مت کرو اور حکم خدا سے تجاوز نہ کرو اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا الآیۃ اسلام کسی ہیئت لباس و خوراک و ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت ملکی سے نہیں روکتا ہے بشرطیکہ وہ شرعاً کسی صورت ممانعت خاص کے تحت نہ ہو۔ اسلام نے کسی خاص ہیئت لباس و خوراک خصوصی و ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت کو محدود و متعین نہیں

کیا ہے۔ ہاں تشبہ بالکفار و النسوان و اسبال وغیرہ سے منع نہیں کیا ہے۔ اس کا خیال رہے

جواب ؑ۔ لاؤڈ اسپیکر کو امتدادِ صوت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے جس جلسہ و وعظ میں لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا ہو اس میں شرکت کر سکتے ہیں۔ کوئی وجہ ممانعت کی نہیں ہے۔ بیت اللہ میں بھی بفتویٰ علماء لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز و خطبہ ہوتا ہے۔ لاؤڈ اسپیکر سے مقصود صرف آواز خطیب وہ واعظ پہونچانا ہے یہ کوئی باجا نہیں ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ ابو محمد عبد الجبار الکھنڈیلوی الجیفوری المدرس بدار العلوم الاحمدیۃ السلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ۔ (نورِ توحید لکھنؤ ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۱ء) [1]

سوال: لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ دینا اور امام کا قراءتِ نماز ادا کرنا جائز ہے یا ناجائز نیز اگر کوئی ایسا کرے تو اس کی اور جماعت کی نماز ہو سکتی ہے یا نہ۔ (عبد الخالق میری نگر)

جواب: نیک نیتی سے جائز ہے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔

(۱۹ رجادی الاخر ۱۳۶۲ھ)

شرفیہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے بڑا مجمع حجۃ الوداع کا تھا اس میں آپ نے عید کے دن خطبہ فرمایا۔ تو آپ تقریر فرماتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام آپ کے ترجمان اور مبلغ تھے۔ عن رافع بن عمرو المزنی قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الناس بمنیٰ حین ارتفع الضحیٰ علی بغلۃ شہباء وعلی رضی اللہ عنہ یعبر والناس بینہ قائم وقاعد انتہیٰ سنن ابی داؤد ص۲۷۲ وقال فی التنقیح رجالہ موثقون واخرجہ ایضا النسائی ص۱۳۸ ج۱ سنت تو یہ تھی مگر چونکہ اب کل جدید لذیذ کی بلاعموم البلویٰ ہے اور بعض اصحاب نے جدل سے اباحت بتائی ہے۔ خیر سنت نہ سہی اباحت ہی سہی مگر یہ امر امام کو نماز میں جائز نہیں اس لئے کہ خطبہ میں تو مقصود اسماع سامعین ہے یعنی سب کو سنانا مقصود ہے اور نماز میں قراءت یا تکبیر میں بعض کا اسماع کافی ہے اس لئے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور کی علالت کے وقت آپ امام تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مکبّر تھے ثابت ہوا کہ آپ کی آواز پست تھی۔ تکبیر بھی سب کو نہ سنی جاتی تھی اور حجۃ الوداع میں تکبیر کا ثبوت

---

[1] حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مبارکپوری نے بھی مدلل طور پر جواز کا فتویٰ دیا ہے ملاحظہ ہو نورِ توحید لکھنؤ ۱۲ (راز)

نہیں ثابت ہوا کہ امام کی قرارت وتکبیر کا سب کو سنانا ضروری نہیں لہٰذا بلاضرورت ایک چیز کو مقصود بنانا نماز میں لاؤڈ اسپیکر لگانا تشریع جدید ہے نیز آگے چل کر خطرہ ہے کہ لوگ مقتدی اور امام اپنے اپنے گھروں میں اس کی اقتدار کرکے مساجد کو معطل کردیں اور نماز کھیل بن جائے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

لاؤڈ اسپیکر کے جواز پر علمائے اسلام کا عام طور پر اتفاق ہو چکا ہے عدم جواز کے قائلین اس کا ثبوت نہیں دے سکے اور نہ ہی اس کے عدم جواز یا ممانعت پر کوئی دلیل ملتی ہے (مفتی اہلحدیث سوہدرہ پنجاب پاکستان ۲۴ اگست ۱۹۵۱ء)

سوال: رکوع میں ملنے سے رکعت ہوتی ہے یا نہیں۔

جواب: اختلافی ہے دوبارہ پڑھنی اچھی سمجھتا ہوں (۱۰ شعبان ۱۳۶۶ھ) صرف اچھی ہی نہیں سورہ فاتحہ مقتدی کو بھی پڑھنی فرض ہے ایسے ہی قیام فرض ہے پس جب دو رکن فوت ہو گئے تو رکعت قطعاً نہ ہوگی۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

جواب دیگر۔ از حضرت مولانا مفتی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔ قدیم الایام سے یہ مسئلہ اختلاف فیہ چلا آرہا ہے۔ خاکسار رکوع میں مل کر رکعت دہرا لیا کرتا ہے کیونکہ دو رکن قیام اور قرارت فاتحہ کے فوت ہوجانے سے شک ہوتا ہے کہ رکعت نہیں ہوگی جس قوی دلیل سے ان دو کاموں کی رکنیت ثابت ہے اس قوت سے رکوع میں رکعت کا پورا ہونا ثابت نہیں کسی کے پاس ثبوت ہو تو اطلاع دیں مگر یہ یاد رہے کہ ان دو رکنوں کے ثبوت میں قرآن مجید بھی ہے۔ (۹ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ)

شرفیہ۔ شک نہیں کرنا چاہیے قطعاً رکعت نہیں ہوتی اس لئے کہ دو فرض قیام ورکن فوت ہو جاتے ہیں۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ایک شخص جمعہ کے روز گھر سے مسجد میں آتے ہی چار رکعت صلاۃ التسبیح پڑھتا ہے اور دو رکعت سنت کو جمعہ سے پہلے نہیں پڑھتا آیا اس کو دو رکعت سنت پڑھنا ضروری ہے یا صلاۃ التسبیح۔

جواب: صلاۃ التسبیح کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں اور دوگانہ مسجد کا ثبوت صحیح روایت سے ہے یہاں تک کہ خطبہ کی حالت میں بھی پڑھ لینے کا حکم ہے (۲ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ)

شرفیہ: صلوٰۃ التسبیح کی حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ اور طبرانی و صحیح ابن خزیمہ و مستدرک حاکم میں مختلف طرق و الفاظ سے مروی ہے اور ابن خزیمہ اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور بعض محدثین نے بھی اس کی تصحیح کی ہے جس کی تفصیل الترغیب والترہیب منذری میں ہے لکھا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے پس عدم صحت کا حکم ثابت نہیں۔ اختلاف چیزے دیگر است، تحقیق چیزے دیگر۔ اور خطبہ جمعہ کے وقت صرف دو سنتوں کے پڑھنے کا حکم ہے۔ زائد کا نہیں وہ بھی تخفیف کے ساتھ۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: اہل حدیث کے کسی پرچہ میں میں نے دیکھا ہے کہ برہنہ سر نماز پڑھنے کے جواز میں کوئی حدیث ہے براہ کرم اس حدیث کو نقل فرمائیں کہ کس کتاب میں ہے اس کا حوالہ بھی لکھ دیا جائے تو منت ہے۔

جواب: قال ابو هريرة سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من صلى فى ثوب واحد فليخالف بين طرفيه بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ایک کپڑے میں نماز پڑھے ستر عورت ڈھانپ کر باقی ادھر ادھر کاندھوں پر ڈال لے اس حکم میں سر ڈھانپنے کا ذکر نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ سر ننگے نماز جائز ہے۔ اللہ اعلم (۱۱ صفر ۱۳۵۸ھ)

تشریح: ستر سر مرد کو واجب نہیں مگر بحکم خذوا زينتكم عند كل مسجد الآية اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر پر عمامہ رکھنے سے عمامہ سنت ہے اور ہمیشہ ننگے سر کو نماز کا شعار بنانا بھی ایجاد بندہ ہے اور خلاف سنت گا ہے چنیں کا حکم اور ہے شعار کا اور پس اول جائز ثانی ایجاد۔ ۱۲۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: موذن کا اذان دیتے وقت کان میں شہادت کی انگلیاں دے کر ہاتھوں کو خوب ہلانا اور سامنے کو لفظ اشهد ان محمدا رسول الله کے سنتے وقت ہر دو ہاتھوں کی انگلیوں کو جوڑ کر آنکھوں سے بوسہ لینا جائز ہے۔

جواب: موذن کا کانوں میں انگلیاں رکھنا تو ثابت ہے سننے والے کا انگوٹھوں کو چومنا ثابت نہیں اس لئے یہ بدعت قابل ترک ہے (۲۲ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ)

سوال: مغرب کی نماز کا وقت بعد غروب آفتاب کب تک ہے یعنی بلا قضا

صدر الدین بردوان

جواب : مطابق حدیث جب تک سرخی رہے (۱۷ رجمادی الثانی ۱۳۳۵ھ)۔
بلوغ المرام فاروقی ص ۲۲ ۱۲ سرآز

سوال : نماز کے وقت سینے پر ہاتھ باندھنا یا زیر ناف ان دونوں میں سے کون صحیح ہے۔

جواب : سینے پر[1] ہاتھ باندھنے کی روایت صحیح ہے بلوغ المرام ص ۲۶ وتخریج زیلعی ملاحظہ ہو۔ (۱۴ رجمادی الثانی ۱۳۳۵ھ)

سوال : بغیر غسل جنابت کے کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں۔

جواب : بلاخوف کھا سکتا ہے جائز ہے (۱۴ رجمادی الثانی ۱۳۳۵ھ)

سوال : مسجد میں سونا اور بود و باش کرنا رات کو جائز ہے یا نہیں۔

جواب : صحیح بخاری کی ایک روایت عبداللہ بن عمر کی ہے کہ جب تک میں مجرد تھا مسجد میں سویا کرتا تھا اس روایت کے مطابق مسجد میں سونا جائز ہے لیکن دنیاوی کام کاج یا دنیوی امور کی باتیں کرنے کی اجازت نہیں بلکہ سخت منع ہے۔ (۱۹ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ)

سوال : زید کہتا ہے کہ بغیر اجازت موذن کے اذان کہنی درست نہیں ہے چاہے وقت میں دیر ہو جائے۔

جواب : ایسا کہنے کی دلیل زید کے پاس کوئی نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ امام کے ہوتے ہوئے امامت کوئی... نہ کرائے موذن مقرر ہوتے ہوئے اذان کوئی نہ کہے لیکن وقت پر کوئی موجود نہ ہو تو دوسرا کوئی شخص یہ کام کرے حدیث شریف میں آیا ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ کسی کام میں دیر ہوئی تو ایک صحابی نے جماعت کرائی اور آپ دوسری رکعت میں اس کے پیچھے کھڑے ہوئے۔
(۱۹ رجمادی الثانی ۱۳۳۵ھ)

تشریح : یہ واقعہ سفر کا ہے صبح کی نماز تھی اور عبدالرحمن ابن عوف نے جماعت کرائی آپ نے ایک رکعت اس کے پیچھے پڑھی۔ صحیح مسلم مشکوۃ ص ۵۳
ص ۵۳
(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

---

[1] مفصل بحث صفحہ ۲۷۳ پر دیکھیے۔

سوال۔ دھوپ میں جو پانی گرم ہو جاتا ہے اس سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے یا نہیں۔
جواب: ایک روایت میں دھوپ سے گرم شدہ پانی کو غسل میں استعمال کرنے سے منع آیا ہے العلم عند اللہ۔ (۱۸ رجب ۱۳۵۳ھ)
ایک روایت نہیں کئی روایتیں ہیں مگر کوئی بھی صحیح نہیں بعض موضوع ہیں بعض ضعاف قابل عمل کوئی بھی نہیں۔ ملاحظہ ہو التلخیص الحبیر ص۶ ج۱، (ابو سعید شرف الدین دہلوی)
سوال: آمین بالجہر امام کے پیچھے بلند آواز سے ایک رکعت میں ایک دفعہ کہنی سنت ہے یا تین دفعہ اگر آپ کی نظر سے اس کی بابت کوئی صحیح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گذری ہو تو مہربانی سے پرچہ میں ضرور شائع کریں۔ (محمد شفیع دہلی)
جواب: نماز میں بعد ختم فاتحہ آمین بالجہر ایک دفعہ کہنے کی روایات تو صحیح ہیں۔ تین دفعہ کہنے کی روایات مجمع الزوائد وغیرہ میں آئی ہیں مگر ان کی صحت معلوم نہیں اس لئے تین دفعہ آمین کہنا گو سنت نہیں لیکن بدعت یا حرام بھی نہیں یہ مسئلہ بالکل دعاء بعد جماعت کی طرح ہے یعنی بعد ختم جماعت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں مگر در حقیقت روایات آئی ہیں اس لئے حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی کا فتویٰ ہے کہ ان روایات کی بنا پر اس فعل کو ہم بدعت یا منع نہیں کہہ سکتے مجمع الزوائد میں اس روایت کی نسبت لکھا ہے رجالہ ثقات بعض حضرات اس سے حدیث کی صحت لگا لیتے ہیں مگر انصاف یہ ہے کہ ثقات رجال سے صحت سند ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صحت سند کے لئے اتصال وغیرہ بھی ضروری ہے۔ جو محض ثقات سے لازم نہیں آتا مختصر یہ کہ تین بار چھوڑ اگر ایک سو بار بھی ثابت ہو جائے تو کہنے میں حرج نہیں مقصود تو اتباع سنت ہے۔ (یکم جون ۱۳۳۲ھ)
تشریح نماز میں تین آمین کا مسئلہ بہت عرصہ ہوا تخمیناً پچیس یا تیس سال یا کچھ کم و بیش کا ہوا یہ صدر بازار دہلی سے بعض اصحاب نے بنایا تھا اور اسی زمانہ میں مفتی[1] نے اس کا رد لکھ کر ایک رسالہ مسمی بہ الجرح المتین فی دلیل تثلیث التامین شائع کیا تھا جو "دلی پرنٹنگ ورکس دہلی" میں طبع ہوا تھا اس کا حاصل یہ کہ یہ روایت صحیح نہیں اور بالفرض صحت منع بھی صحیح نہیں مفتی کی غلط فہمی تھی اور یہ عدم سنت کو سنت

---

[1] مفتی صدر بازار دہلی مراد ہیں ۱۲ منہ

بتانا بھی جرم ہے فافہم وتدبر ۱۲　　(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ایک شخص نے بازار شارع عام پر ایک مسجد دوکانوں کے اوپر اس غرض سے تعمیر اور وقف کی ہے کہ... شارع عام کے گذرراہ سے اہل اسلام کو فائدہ پہنچے اور دکانیں زیر کی آمدنی بمصارف مسجد مذکور وقف بھی کر دی اور کل دکانیں مسجد میں شامل ہیں ایسی صورت میں مسجد مذکور کیا حکم رکھتی ہے اور یہ مسجد شرعی مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں۔　　(محمد یاسین بستوی)

جواب: اس قسم کے کاموں میں نیت پر مدار ہے سطح زمین سے آسمان تک سارا مسجد کے لئے وقف ہے اس کے نیچے حصہ کو بغرض فائدہ مسجد چھوڑ کر اوپر مسجد بنا دینا ایسا ہی جائز ہے جیسا بعض حصہ مسجد کی زمین کا سوائے نماز کے کسی خاص غرض غسل وضو استنجا وغیرہ کے لئے علیحدہ کر دینا جائز ہے حالانکہ بلحاظ حصہ زمین مرقومہ کے وہ بھی حصہ مسجد ہے پس صورت مذکورہ میں ایسا کرنا بلا کھٹکا جائز ہے (حکیم رمضان علی عفی عنہ)

تشریح: درمختار میں ہے لو بنیٰ فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذالک لم یصدق فقہ حنفی کی رو سے نیچے کی منزل کو واسطے مصارف مسجد کے کرایہ پر دینے کا جواز مستفاد ہوتا ہے انتہیٰ ملخصاً۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۲۲)

فتاویٰ: فروری ۱۹۲۳ء کے اہلحدیث میں درج ہے کہ "سفر میں نماز قصر کرنی فرض واجب نہیں جائز ہے پوری پڑھے تو افضل ہے۔ بلکہ روزے کے بارے میں بھی یہی درج ہے۔ تو فرمادیں قرآن شریف میں جہاں نماز قصر اور روزہ قضا کا حکم آیا ہے زاں بعد کوئی دوسری آیت سے ثابت ہوا یا حدیث شریف سے ثبوت ملتا ہے کہ سفر میں پوری نماز پڑھو اور روزہ رکھو تو افضل ہے۔ اگر ملتا ہے تو بروئے ثبوت اپنی مرضی پر منحصر ہو سکتا ہے۔ اگر ثبوت نہ ملتا ہو تو خدا کے اس عطیہ کو جو قبول نہ کرے وہ شخص کیا ٹھہرے گا۔!　　(سائل حکیم الٰہ بخش ناظر بازار سلچر آسام)

جواب: احکام دو قسم پر ہیں عزیمت اور رخصت۔ عزیمت کے لئے صیغے امر وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ رخصت کے لئے لا جناح وغیرہ ہوتا ہے۔ قصر صلوٰۃ کے

لئے وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ آیا ہے۔ مگر چونکہ یہ رخصت بھی مشروط ہے اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کے ساتھ اس لئے بعض صحابہ کو خیال ہوا کہ یہ رخصت بھی چونکہ مشروط ہے اور شرط اب نہیں رہی کیونکہ امن ہو گیا۔ اس لئے انہوں نے عرض کیا (وقد امنا) ہم امن میں ہو گئے ہیں تو کیا اب بھی یہ رخصت باقی ہے؟ حضور نے فرمایا خدا نے تم پر صدقہ فرمایا ہے اسے قبول کرو یعنی اس شرط کو شرط احترازی نہ سمجھو بلکہ بیان واقعی جانو۔ اس کا نتیجہ صاف ہے کہ صدقہ کا مفاد صرف یہ ہے کہ شرط احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے۔ اس سے سابقہ بیان رخصت کی حقیقت میں تغیر نہیں آیا۔ ہاں جو اس رخصت کی شرط تھی اس کو کالعدم کر دیا۔ فافہم فانہ جلی۔ اسی طرح روزہ ہے جس کا سفر یا مرض میں رکھنا منع نہیں۔ اس کا التوا بھی رخصت ہے عزیمت نہیں۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۲۵ء ھذا احد المسلکین للمحدثین ورجح فی النیل المسلک الثانی۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ایک شخص قرأت فاتحہ خلف الامام و رفع یدین و آمین بالجہر کا قائل ہے اس کے پیچھے حنفی المذہب کی نماز جائز ہے یا نہیں۔

جواب: یہ تینوں مسائل ائمہ ہدیٰ میں تو اختلافی ہیں مگر اکثر کے نزدیک مستحق ہیں اس لئے ان مسائل پر عمل کرنے والے کے پیچھے نماز قطعاً جائز ہے درمختار وغیرہ میں یہ مسئلہ مصرح ملتا ہے مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ بھی یہی ہے۔

(۹ جمادی الاول ۱۳۴۶ھ)

فتاویٰ۔ کیا اہل حدیث امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

اہل بدعت لوگ یہ مشہور کیا کرتے ہیں کہ حنفی علماء کا فتویٰ ہے کہ جماعت اہل حدیث کا کوئی فرد نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ بلکہ بس چلے تو اہل حدیث کو مسجد سے نکال دینا چاہیے۔ ایسی باتیں مشہور کر کے اہل اسلام میں تفرقہ اندازی کیا کرتے ہیں اور جہلاء یہ سن کر ان کے دام میں پھنس جاتے ہیں کہ تمام حنفی علماء کا یہ فتویٰ ہے۔ ہمارے ایک نامہ نگار نے قلمی استفتاء بھیجا ہے جس پر مولانا کفایت اللہ صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند دہلی

اور سید سلیمان صاحب ندوی کے دستخط ثبت ہیں ہمارے بھائی کی درخواست ہے کہ اس کو بغرض افادہ عوام اخبار میں شائع کیا جائے چنانچہ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مفتی صاحب کے الفاظ میں بجنسہٖ درج کئے جاتے ہیں (۱) اہل حدیث کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں (۲) ان کے ہاں بچوں کی شادی بیاہ جائز ہے یا نہیں (۳) ان سے سلام کلام درست ہے یا نہیں؟ (۴) ان کو نماز جماعت سے نکال دینا جائز ہے یا نہیں (۵) اہل حدیث کو مارنا اور نماز سے روکنا کیسا ہے؟ (۶) آمین بلند آواز سے اور رفع یدین کا کیا حکم ہے؟ (۷) اہل حدیث ہمارے ساتھ اور ہم ان کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۸) ہماری حنفیوں کی صف میں کھڑا ہو کر کوئی شخص اونچی آواز سے آمین کہے تو ہمارے لئے موجب فساد نماز یا کراہت نماز کا سبب ہے یا نہیں؟ (سائل غالباً حنفی ہے)

الجواب: (۱) درست ہے (۲) درست ہے (۳) درست ہے۔ (۴) نماز یا جماعت سے روکنا جائز نہیں (۵) گناہ ہے اور سخت گناہ ہے (۶) آمین بالجہر اور رفع یدین اگرچہ حنفیہ کے نزدیک مسنون نہیں ورنہ وہ ترک نہ کرتے۔ تاہم ان افعال کو بنظر حقارت دیکھنا درست نہیں۔ کیونکہ بہت سے صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ ان کو سنت سمجھتے ہیں (۷) دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (۸) کسی کا حنفیوں کی جماعت میں شریک ہو کر آمین بالجہر کہنا حنفیوں کی نماز کے لئے نہ موجب فساد ہے نہ موجب کراہت نماز۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ یہ جوابات صحیح ہیں۔

(سید سلیمان ندوی)

مفتی: نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مالابد میں رفع یدین کی بابت لکھتے ہیں کہ اکثر فقہاء و محدثین اثبات آں مے کنند۔ اور مولوی عبد المومن صاحب دیوبندی مرحوم مولانا عبد الحی صاحبؒ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ ان کی روایت تھی کہ مولانا مرحوم رفع یدین کیا کرتے تھے۔

مولوی عبد الحق صاحب ملتانی، مولانا انور شاہ صاحبؒ دیوبندی مرحوم کے شاگرد ہیں ان کی روایت ہے کہ میں نے شاہ صاحب کو رفع یدین کرتے دیکھا۔

اسی طرح شاہ صاحب کے اور شاگردوں سے بھی سننے میں آیا ہے کہ فرمایا کرتے تھے۔ رفع یدین عمر میں کبھی کر لینا چاہیے ایسا نہ ہو کہ اس سنت کے متعلق سوال ہو باقی جوابات درست ہیں۔　　(۱۸ر فروری ۱۹۳۸ء)

مولانا انور شاہ مرحوم (رفع یدین) کے منسوخ کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے شاگردوں کو فرمایا کرتے تھے کہ گاہے بگاہے اس پر عمل کر لینا چاہیے تاکہ قیامت میں یہ سوال نہ ہو کہ اس سنت کو کیوں چھوڑا اس کے گواہ مولوی عبدالکبیر صاحب کشمیری حال امرتسری ہیں　　(اہلحدیث ۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ)

تشریح فتویٰ[1] مندرجہ اخبار اہلحدیث بابت ۱۰ر ذیقعدہ سنہ رواں سال سوال یہ ہے کہ جمعہ و عیدین کے خطبہ ہوتے وقت جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو۔ اس وقت کوئی شخص مسجد میں داخل ہوتے وقت السلام علیکم کہے تو اس کے جواب میں خطبہ سننے والے یا خطیب وعلیکم السلام کہتے ہیں یا نہیں؟

اس کا جواب مفتی صاحب مدظلہ العالی نے دیا ہے کہ "اگر امام خطبے میں قرآن پڑھ رہا ہو تو داخل ہونے والا ..... السلام علیکم نہ کہے"۔ الخ یہ جواب چونکہ بہت مجمل ہے لہٰذا تشریح و توضیح کے لئے ذیل کا مضمون ملاحظہ کریں۔

ناظرین کرام! اس مسئلہ میں کہ "اثناء خطبہ میں سلام کا جواب دینا یا چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا چاہیے یا نہیں"؟ علماء کا اختلاف ہے۔ بعض جائز کہتے ہیں اور بعض ناجائز چنانچہ جامع ترمذی شریف میں ہے۔ واختلفوا فی رد السلام و تشمیت العاطس ورخص بعض اهل العلم فی رد السلام و تشمیت العاطس والامام یخطب وهو قول احمد واسحق وکره بعض اهل العلم من التابعین وغیرهم ذالك وهو قول الشافعی۔

یعنی سلام کا جواب دینے اور چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں

---

[1] تشریح طلب فتویٰ اسی تشریحی بیان میں آگیا ہے فقط۔ راز

یرحمك اللہ کہنے کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ پس بعض اہل علم نے سلام کے جواب دینے اور عاطس کے جواب میں یرحمك اللہ کہنے کو جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو جائز بتایا ہے اور یہی قول امام احمد اور اسحٰق کا ہے۔ اور بعض اہل علم تابعین وغیرہم نے اس کو مکروہ کہا ہے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے"۔

(واضح ہو کہ بقول ابن العربی امام شافعیؒ سے بھی جواز کا قول منقول ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ سلام کا دل میں جواب دینا چاہیئے۔

(کذا فی تحفۃ الاحوذی ج(۱۱) ص۲۹۶)

جو علماء اثناء خطبہ میں سلام کے جواب دینے اور عاطس کے جواب میں یرحمك اللہ کہنے کو ناجائز بتاتے ہیں ان کا استدلال آیۃ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا، اور حدیث اذا قلت لصاحبك انصت فقد لغوت سے ہے چنانچہ علامہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے:-

وقال اصحابنا اذا اشتغل الامام بالخطبۃ ینبغی للمستمع ان یجتنب ما یجتنبہ فی الصلوۃ لقولہ تعالیٰ فاستمعوا لہ وانصتوا وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قلت لصاحبك انصت الحدیث فاذا کان کذالك یکرہ لہ رد السلام و تشمیت العاطس انتھیٰ۔

یعنی ہمارے اصحاب (علماء احناف) نے کہا ہے کہ جب امام خطبہ دینے میں مشغول ہو جائے تو سننے والے کو چاہیئے کہ ان کاموں سے پرہیز کرے جن سے وہ نماز میں پرہیز کرتا ہے بحکم آیت فاستمعوا لہ وانصتوا (جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو) اور بحکم حدیث اذا قلت لصاحبك انصت الخ (جب تم نے اثناء خطبہ میں اپنے ساتھی سے کہا کہ چپ رہ تو تم نے بیہودہ کام کیا) پس جب ایسا ہے تو اثناء خطبہ میں سلام کا جواب دینا اور عاطس کے جواب میں یرحمك اللہ کہنا مکروہ ہے۔

علمائے مجوزین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ آیت فاستمعوا لہ وانصتوا اور حدیث اذا قلت لصاحبك انصت الخ سے اثناء خطبہ میں سلام کے جواب نہ دینے اور عاطس کے جواب میں یرحمك اللہ نہ کہنے

پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اُن میں "مکالمۃ الناس" (بات چیت) سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اثنائِ خطبہ میں بات چیت نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں آہستہ زبان سے سلام کا جواب دینا یا عاطس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا جائز ہے۔ علماءِ حنفیہ نے بھی لکھا ہے کہ خطیب جب آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پڑھے تو اس وقت تمام سامعین کو آہستہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے خطبہ سننے میں خلل نہیں واقع ہوگا۔ اور حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی ص ۳۶۶ ج (۱) میں تحریر فرمایا ہے۔

والاولی عندی فی الجمع بین ھذہ العمومات المتعارضۃ ان یقال المراد بالنھی عن التکلم فی حال الخطبۃ الذی عن مکالمۃ الناس وکذا المراد بالانصات السکوت عن مکالمۃ الناس دون ذکر اللہ کما اختارہ ابن خزیمۃ فاذا سکت فی حال الخطبۃ عن مکالمۃ الناس ورد السلام سرًّا فی نفسہ او شمت العاطس سرًّا وصلّی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند ذکرہ یکون عاملا بکل ماذکر من النھی والامر وھذا کما قال الحنفیۃ بجواز الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سرًّا فی نفسہ فی حال الخطبۃ عند قراءۃ الخطیب قولہ تعالیٰ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا قال العینی فی البنایۃ فان قلت توجّہ علیہ امران احدھما صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا والامر الاٰخر قولہ تعالیٰ واذا قرئ القراٰن فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا قال مجاھد نزلت فی الخطبۃ والاشتغال باحدھما یفوت الاٰخر قلت اذا صلّی فی نفسہ وانصت وسکت یکون آتیًا بموجب الامرین انتھٰی۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ ابو الصمصام عبدالسلام المبارکپوری الاعظمی۔ عفا اللہ عنہ۔ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۵۰ھ

(اہلحدیث امرتسر ص ۲۵ جنوری ۱۹۳۲ء)

سوال: اگر زمیندار بیوپاری۔ ملازم، کاریگر وغیرہ جس کی معاش کا ذریعہ دار الاقامت سے بیرونی ممالک میں ہے۔ اس کو علی الدوام اسی مقام پر جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے آدمی کے لیے قصر نماز ادا کرنے کے لیے کیا حکم ہے۔ درمیانی مسافت کے دن قصر نماز لازم آتی ہے۔ یا اس سے زیادہ دن مسافری کے لیے ہے۔

جواب: محدثین کے نزدیک بحکم حدیث تین روز کی نیت اقامت کرنے پر قصر کرنا جائز ہے چار روز کی کرے گا تو قصر جائز نہ رہے گا۔ گھر سے نکلتے ہی قصر کا حکم لگ جاتا ہے[1]

(۶ شعبان ۱۳۳۹ھ)

سوال: قصر نماز کی حالت میں ظہر اور عصر مغرب اور عشا، آپس میں جمع کر کے پڑھنی درست ہے یا نہ۔

جواب: سفر میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء کا جمع کرنا جائز ہے حدیثوں میں آتا ہے

(۶ شعبان ۱۳۳۹ھ)

سوال: فرضوں میں قصر کرنا لازم آتا ہے۔ یا سنتوں میں بھی قصر کرنا ضروری ہے۔ بعض آدمی سفر کی حالت میں فقط فرضوں کی قصر کرتے ہیں۔ اور سنتیں مؤکدہ بھی نہیں پڑھتے کہتے ہیں فرضوں میں قصر ہونے کی وجہ سے سنت کا ادا کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے کیا حکم ہے۔

جواب: فرضوں کی رکعات کی کمی قصر ہے۔ سنتوں میں تاکید کم ہو کر بطور نفل رہ جاتی ہیں پڑھے ثواب ہے۔ (۶ شعبان ۱۳۳۹ھ)

سوال: امام مسجد کے لئے کن اوصاف سے متصف ہونا لازمی و لابدی ہے۔

جواب: آج کل جو امام مسجد کے کار مفوضہ ہیں ان کے لحاظ سے امام مسجد کے لئے احکام نماز کا جاننا ضروری ہے یعنی کیا کیا افعال ضروری ہیں۔ اور کن کن افعال سے نماز غلط یا فاسد ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ قرارت قرآنی صحیح ہو! صلاحیت اعمال بھی ضروری ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔ اجعلوا ائمتکم خیارکم۔ اپنا امام نیک لوگوں کو مقرر کیا کرو۔ (۲ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ)

سوال: امام مسجد کے فرائض کیا ہیں۔

---

[1] یہ بعض محدثین کا مسلک ہے جو حجاج کے بعد فراغت تین روز کی اجازت سے مستنبط ہے اور امام بخاری نے صحیح میں باب منعقد کیا ہے۔ باب ما جاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ثم ذکر حدیث ابن عباس قال اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسعۃ عشر یقصر۔ فنحن اھ یعنی انیس روز سے زائد مدت اقامت ثابت ہے نا کہ تین سے زائد ۱۲ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

جواب: امام کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک مقتدیوں کی طرف سے یعنی جو کام اس کے سپرد ہوں ان کا انجام دینا۔ اس کا فرض ہے۔ اگر فرائض کی تصریح نہ ہو۔ تو امام لفظ سے یہی سمجھا جائے گا کہ نماز کا وقت پر پڑھانا۔ اس کا فرض ہے دوسری حیثیت اس کی نیابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یعنی اپنی قابلیت واستعداد کے اندر اپنے مقتدیوں کو دین ودنیا کی فلاح وبہبود کی رہنمائی کرتے رہنا۔ (۲؍ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ)

سوال: امام مسجد کی وجہ معاش کیا ہونی چاہیئے (امامت) جیسا کہ ابنائے زمان کا دستور ہے یا کوئی آزاد پیشہ۔

جواب: امام کی وجہ معاش اس کی اپنی محنت سے جو کچھ بھی ہو، اگر متولیان مسجد کی طرف سے بطور مشاہرہ یا بطور تحفہ کے کچھ ملے۔ تو اس کو قبول کرنا بھی جائز ہے۔ خلفائے راشدین کے وظائف مقرر تھے۔ لیکن آزاد پیشہ بہترین معاش ہے۔ (۲ ذی قعدہ ۳۹ھ)

سوال: امام کا عزل ونصب کس کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ موروثی یا خود ساختہ امام کے متعلق کیا حکم ہے۔

جواب: امام کا عزل ونصب نمازیوں کے اختیار میں ہے۔ اگر مسجد کا متولی کوئی خاص شخص مقرر ہو۔ جس کو عزل ونصب کا اختیار دیا گیا ہو، تو اس کو اختیار ہوگا بغیر اختیار دئیے جانے کے کوئی متولی باپ کا بیٹا ہونے سے متولی نہیں ہو سکتا امام کا عہدہ موروثی نہیں۔ خود ساختہ امام پر قوم ناراض ہو تو امام معزول ہو سکتا ہے۔ (۲؍ ذی قعدہ ۳۹ھ)

سوال: مسجد کے حریم قدس میں پیروان اسلام کی سیاسی۔ تعلیمی۔ تجارتی (وغیرہ) فلاح بہبود کے متعلق تبادلۂ خیالات اور مشورہ باہمی کے لئے جلسے منعقد کرنے کے بارے میں کیا احکام ہیں۔

جواب: مسجد میں سیاسی۔ تعلیمی۔ تجارتی۔ یہ قسم کی تقریریں جائز ہیں۔ کیونکہ یہ سب کچھ قرآن مجید میں بطور تعلیم درج ہیں۔ البتہ تجارت کرنی مسجد میں منع ہے۔ تعلیم تجارت منع نہیں۔ (۲؍ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ)

سوال: بازار میں نماز ہوتی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتی تو کیوں۔ بسبب مجمع کثیر کے اس حالت میں ایک مصلی دکاندار کیا کرے۔ اگر بیرون بازار جائے تو اس کے سودے کا محافظ نہیں تو مجمع منتشر ہونے پر پڑھے۔

جواب : بازار سے مطلب غالباً وہ مکان ہے۔ جو بازار میں ہو۔ تو جواب یہ ہے کہ محض فرضیت ادا ہو جاتی ہے۔ جماعت اور مسجد کا ثواب نہیں۔ ۱۷ رجب ۱۳۴۱ھ

سوال : زید تاجر ہے۔ روزمرہ اسے بوقت ظہر سودا فروخت کرنے سے فرصت نہیں ملتی صورت موجودہ میں جمع تاخیر کر سکتا ہے۔

جواب : کر سکتا ہے۔ مگر خطرہ ہے۔ کہ آیت لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ کے تحت میں نہ آ جائے۔ (۱۷ رجب ۱۳۴۱ھ)

شرفیہ : صورت مذکورہ میں ہرگز جائز نہیں اس لیے کہ فرمان باری تعالیٰ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا الآیہ پ۵ ع۱۲۔ ہر نماز کا وقت معین ہے۔ ہاں جہاں اور جس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت ہو وہاں جمع جائز ہے اس کے سوا جائز نہیں اور سفر میں بے شک جمع حقیقی ثابت ہے اور وہ قصر میں جمع صوری اور بس اگر یہ ہے تو جائز ورنہ باطل۔ ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں کبھی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی؟

جواب : کسی حدیث میں نہیں ملتا اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۔ ۵ مئی ۱۹۲۳ء)

سوال : کوئی شخص عورتوں کو عیدگاہ میں لے جانے کی کوشش کرے تو اس کی مخالفت کرنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب : ہرگز مخالفت جائز نہیں۔ (۵ مئی ۱۹۲۳ء)

سوال : جس مسجد میں سب لوگ جمع ہو سکیں اس مسجد میں نماز عیدین صحرا سے افضل ہے یا صحرا ہی میں افضل ہے۔

جواب : جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی وہاں ہی افضل ہے (۔)

سوال : عمارت مسجد میں مشرکین سے امداد لینی جائز ہے کہ نہیں نیز قربانی کی کھال فروخت کر کے اس کی قیمت عمارت مساجد میں لگانی جائز ہے کہ نہیں؟

جواب : مشرک اگر محض للہ امداد دیں تو جائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کعبہ شریف کی عمارت مشرکوں نے اپنی لاگت سے بنائی تھی قربانی کی کھال کا مصرف فقراء و مساکین ہیں حدیث شریف میں ایسا ہی آیا ہے۔ (اہلحدیث ۱۲ مئی ۱۹۳۲ء)

نوٹ: محب مخلص حکیم عبدالرزاق صادقپوری اس پر تعاقب کرتے ہیں کہ سوال کے جواب میں فرمان الٰہی ہے قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اور فرمان نبی صلعم لن استعین بمشرک ہمیشہ دینی کام میں استعانت کو منع ہے عمارت بیت اللہ شریف پر قیاس مع الفارق ہے بعد فتح کی کوئی آیت یا حدیث پیش فرمائیں۔ تو مقبول ہے۔

جواب: عدم قبول معطی کے حق میں ہے اس سے چندہ لینا ثابت نہیں ہوتا لن استعین بھی استعانت کو مانع ہے یعنی امداد خواہی نہ کرے لیکن دینے والا از خود دے تو بحکم حدیث شریف (اذا اعطیت بلا اشراف نفس فخذ) لینا جائز ہے بشرطیکہ مال حرام نہ ہو۔ فاندفع ما اورد (اہلحدیث ۹۴ھ)

سوال: کیا اذان دینے والا شخص امام بن سکتا ہے کیا اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے۔

(سید عزیز اللہ بن حاجی سید نعمت اللہ مدراس)

جواب: حدیث میں ثابت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اذان دی اور جماعت کرائی تھی مؤذن کے پیچھے نماز درست ہے (۸ اگست ۱۹۳۶ء)

سوال: نماز تراویح دو دو رکعت پڑھنے کا حکم یا چار چار رکعت اگر نماز تراویح چار رکعت ایک سلام سے پڑھی جائے تو دو رکعت کے بعد عمداً قعدہ یعنی تشہد پڑھنے کے لئے بیٹھیں تو کیا یہ نماز صحیح ہوگی۔ (سائل مذکور)

جواب: حدیث شریف میں رات کی نماز دو دو رکعت آئی ہے مگر چار بھی آنحضرتؐ سے ثابت ہیں ایسا بھی آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے آخر میں قعدہ کیا ایسے مسائل میں نزاع نہیں کرنی چاہئے (اہلحدیث ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ)

تتمہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان سوالات میں کہ زید کہتا ہے نماز تراویح کچھ نہیں بدعت ہے نہ وہ پڑھتا ہے اور نہ کسی کو پڑھنے دیتا ہے۔ جو آدمی نماز تراویح پڑھنے آتا ہے اس کو مسجد سے بھگا دیتا ہے نماز تراویح کو اول رات جماعت سے پڑھنا یہ سب کاموں کو بدعت کہتا ہے (۲) نماز فرض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے یا درست؟ (۳) مسجد میں محراب بنانا بدعت ہے جس مسجد میں محراب ہو قطعی نماز نہ ہوگی۔ کہتا ہے درست ہے یا نہیں؟ (۴) صدقۃ الفطر غیر صالح یعنی جو لوگ تمام شرعی کاموں پر ایمان رکھتا ہے مگر عملاً کبھی نماز چھوڑتا ہے گانا سنتا ہے۔

نشہ پیتا ہے وغیرہ اس قسم کے آدمی کو دینا درست ہے یا نہیں؟ (۵) رمضان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تراویح و تہجد دونوں ساتھ پڑھتے تھے یا صرف تہجد۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا عمل تھا۔ بینوا بالدلیل توجروا۔

الجواب: (۱) زید غلط کہتا ہے، تراویح کی نماز سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے جیسا کہ صحاح ستہ کی حدیثوں سے پتہ چلتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه سال عن عائشة رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة الخ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو تراویح کی نماز پڑھانے کے لیے امام مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ موطا امام مالک میں ہے۔ عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة اور اس نماز کو اول شب و وسط اور آخر شب میں، ہر طرح پڑھنا جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر آخر شب میں پڑھی ہے ایک مرتبہ اول شب سے آخر تک بھی پڑھی ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے پیچھے جماعت سے پڑھتے تھے۔ فرض ہونے کے خوف سے آپ نے منع فرمایا جب آپ کا انتقال ہوگیا (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جماعت سے نماز پڑھی ہے پہلے زمانے میں اس نماز کو قیام اللیل کہتے تھے بعد میں اس کو تراویح کہنے لگے نام کے بدلنے سے ماہیت نہیں بدلتی۔ اس کی نظیریں بہت سی ہیں اور تراویح پڑھنے والے کو مسجد سے نکال دینا سخت گناہ ہے اور نکالنے والا آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ کا مصداق ٹھہرے گا۔

(۲) فرض نمازوں کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ما من عبد بسط کفیه فی دبر کل صلوٰة (الحدیث) رواہ الحافظ ابوبکر بن السنی عن الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم الفجر فلما! نحرف رفع یدیه و دعا الخ رواہ الحافظ ابوبکر بن ابی شیبة عن محمد بن یحیی الاسلمی قال

رایت عبد اللہ بن الزبیر ورای رجلا رافعا یدیہ قبل ان یفرغ من صلوٰتہ فلما فرغ منہا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوٰتہ (رجالہ ثقات کذا فی کتاب فضل الدعا فی احادیث رفع الیدین فی الدعا۔

(۳) بعض کے نزدیک بدعت ہے مگر راقم کے نزدیک جائز ہے اور جس مسجد میں محراب ہے اس میں نماز بلاکراہت جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) دے سکتے ہیں بشرطیکہ غریب، مسکین، ضرورتمند مستحق ہو۔ زکوٰۃ تالیف کی حیثیت سے جب کہ غیر مسلم کو دے سکتے ہیں تو مسلم فاسق کو بدرجہ اولیٰ دینا جائز ہے۔

(۵) اس کا جواب پہلے سوال کے جواب میں آچکا ہے اگر عشاء کے بعد قیام اللیل کرلیا جائے تو یہ تراویح ہے اور سو جانے کے بعد وسط یا آخر شب میں قیام اللیل کرے تو یہ تہجد ہے اور دونوں طرح جائز ہے۔ جب اول شب میں پڑھ لیا تو آخر شب میں تہجد پڑھنا چاہئے اور اگر آخر شب میں پڑھا تو وہی تراویح اور وہی تہجد ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔ (راقم احقر، عبد السلام عفرلہ مدرس مدرسہ حاجی علی خان دہلی۔ اخبار محمدی دہلی۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۴۱ء)

سوال: زید کا گھر گائے بیل بھینس کے گوبر سے لیپا جاتا ہے اور زید کے سب گھر والے وضو کرنے کے بعد بغیر جوتے کے اس لیپی ہوئی جگہ پر ننگے پیر پھرتے ہیں پھر اسی وضو سے دوبارہ بغیر پیر دھوئے نماز پڑھ لیتے ہیں تو کیا اس میں کچھ کراہت تو نہیں ہے اور کیا ایسے گوبر سے لیپی ہوئی جگہ پر صرف رومال یا جانماز بچھا کر نماز پڑھنا جائز ہے کیا مسلمانوں کو اپنے گھر گوبر سے لیپنا جائز ہے۔ (سائل مذکور)

جواب: گوبر سے لیپنا نہ چاہئے لیکن لپے ہوئے خشک پر سوکھے پیر چلنے سے پیر ناپاک نہیں ہوتے اس پر جانماز بچھا کر پڑھ سکتے ہیں۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۵ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ)

سوال: علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول صلعم کا کیا حکم ہے کہ ایک شخص مسمی زید کہتا ہے کہ مقتدی ہو کر سینہ پر ہاتھ باندھنا اور مقتدی ہو کر رفع الیدین کرنا اور مقتدی ہو کر آمین بالجہر کہنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ہرگز ثابت نہیں ایک دو وقت مقتدی ہونے کے باوجود بھی آپ نے ان افعال مذکورہ سے

کسی ایک کو بھی نہیں کیا۔ بکر کہتا ہے اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے آپ کو اچھا نمونہ بنا کے آپ کے نقش قدم پر چلنے یعنی آپ کی پوری اتباع کرنے کی ہمیں تاکید شدید مطابق آیت کریمہ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" کی ہے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ حدیث شریف "صلوا كما رأيتموني اصلي" تم نماز پڑھو جس طرح کہ مجھ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو یعنی تم میرے نماز جیسی نماز پڑھو پس ہر ایک امام اور مقتدی کے لئے آپ کا یہ حکم شامل ہے اور عام ہے اس سے کوئی مستثنیٰ ہو نہیں سکتا اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ان دو شخصوں یعنی زید و بکر میں سے کس کا کہنا شریع شریف کے مطابق ہے نصوص شرعیہ کے ساتھ ارقام فرمائیں۔ العاجز عبد الرزاق عفی عنہ مدرس پنشن خوار محلہ سید واڑی قصبہ چن پٹن ضلع بنگلور)

دیوبندی جواب زید کہتا ہے کہ بحالت اقتدار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ان امور مذکورہ کا صدور کہیں ثابت نہیں من ادعی فعلیہ البیان اور حضور کا عدم رفع یدین و عدم جہر بالا ہیں حدیث سے ثابت ہے دیکھو ترمذی شریف ان افعال کا نہ کرنا بھی اسوۂ حسنہ اور صلوا كما رأيتموني اصلي میں داخل ہے۔ اور تاریخ فعل و عدم فعل کی کسی کو معلوم نہیں تاکہ ایک دوسرے کو ناسخ و منسوخ کہا جائے اب البتہ ترجیحات ہیں لہٰذا مناقشہ فضول ہے۔ (ریاض الدین مفتی دار العلوم دیوبند)

اہلحدیث کسی فعل کے سنت یا مستحب ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کام کیا اس پر یہ سوال کہ حالت امامت میں کیا حالت اقتدار میں بے حاجت ہے۔ اس سوال کی صحت نہ قرآن و حدیث سے ہوتی ہے نہ کتب اصول سے کیونکہ علمائے اصول نے کہیں یہ شرط نہیں لگائی کہ فعل نبوی اقتدار میں ہو یا امامت میں پس جو فعل ثابت ہے وہ ہر حال میں قابل اتباع ہے عدم رفع اور عدم جہر کی روایات صحیح نہیں۔ درصورت صحت بطریق علم اصول مسئلہ بالکل صاف ہے کیونکہ مسنون امر کی تعریف یہ ہے کہ اس کو رسول اللہ صلعم نے کبھی ترک بھی فرمایا ہو پس ترک نبوی ماہیت سنت میں داخل ہے کیونکہ بتبع سنت کے لئے اس فعل کا ترک کرنا اتباع سنت نہیں بلکہ نقص ثواب ہے مثلاً ہر نماز کے لئے وضو مامور بہ ہے لیکن وضو ہونے کی صورت میں ترک وضو

سے نماز پڑھنی جائز ہے مگر وضو کرنے کا ثواب نہیں ٹھیک اسی طرح ترک رفع ترکِ ثواب ہے ترک فعل سنت نہیں فافہم (۹ صفر ۱۳۵۰ھ)

شرفیہ سوال میں جو صورت بتائی ہے کہ اقتدار میں حضور صلعم سے فلاں فلاں امور ثابت نہیں لہٰذا وہ قابل عمل نہیں اس پر خارشہ ہے کہ حضور صلعم سے بحالت اقتدار نماز کی تفصیل بھی ثابت نہیں۔ مثلاً پہلے تحریمہ پھر ثناء پھر پہلا رفع یدین پھر قیام و قرأۃ پھر رکوع پھر رکوع میں تسبیحات پھر قومہ پھر قومہ کا ذکر سمع اللہ لمن حمدہ یا حرف ربنا لک الحمد پھر دو سجدے اور تسبیحات پھر قعدہ اولیٰ اخریٰ اور تشہد و درود وغیرہ پھر ان امور کا جواب جو ہو گا وہی اور امور مثلاً رفع یدین ثلاثہ وغیرہ کا ہو گا اصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے قول سے یا فعل سے کسی امر کا ثبوت عمل کے لئے کافی ہے تاوقتیکہ اس کی نفی ثابت نہ ہو اور ... یہاں تعارض ہے نہیں اس لئے کہ تعارض میں مساوات شرط ہے جو یہاں مفقود ہے اور بغرض تسلیم قول سائل جب تعارض نہ ہوا تو پھر دونوں صورتیں قابل عمل نہ رہیں لہٰذا فریقین کا عمل غلط ہوا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کیا بیہودہ استدلال ہے لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: وہ جگہ جو نماز پڑھنے کے لئے وقف کر دی گئی ہے اور جس پر زمانہ دراز سے نماز پڑھی جاتی ہے (یعنی وہ مسجد ہے) اس کو توڑ کر اس پر دکانیں بنوانا اور پھر ان دکانوں پر مسجد تعمیر کرنا مذہب اسلام میں جائز ہے یا نہیں۔ یہ دکانیں کرایہ پر دی جاتی ہیں جس میں غیر مذہب کے لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں۔

جواب: جو مکان شرعی مسجد بن جائے اس پر دکانیں یا (سوائے سجدگاہ کے) اور کچھ بنانا جائز نہیں اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ (اہلحدیث ۱۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

سوال: بحالت ادائے نماز مرد بالغ کون کون عضو بدن کا چھپائے رکھنا لازمی ہے یعنی سر کا حصہ کس قدر ڈھکا ہو ہاتھ اور ٹانگیں کہاں سے کہاں تک ڈھکی ہوں فی زمانہ قمیص اور کرتے کی آستینیں ایسی قطع کرائی جا رہی ہیں کہ کہنی کھلی رہتی ہے ایسی قمیص یا کرتے کو پہن کر جس سے کہنی کھلی رہے نماز میں کوئی نقص پڑتا ہے یا نہیں۔ (شفیق الحسن از شہر دہلی)

جواب: کہنی کھلی ہو یا سر ننگا ہو نماز جائز ہے حدیثوں میں اس کا ثبوت ہے۔

(اہلحدیث ۱۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

سوال: ہمارے یہاں ایک نیا طریقہ جاری ہو رہا ہے کہ ہر نماز میں جماعت کے بعد ہر نمازی ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے کے بعد مسجد سے باہر نکلے آیا یہ طریقہ عہد رسالت میں جاری تھا۔ یا زمانہ خلافت راشدہ میں جاری کیا گیا تھا؟ آیا اس کی کوئی اہمیت بھی ہے یا محض منگھڑت بدعت ہے (شفیق الحسن از شہر بریلی)

جواب: نہ زمانہ رسالت میں نہ عہد خلافت میں اس کا ثبوت ہے نہ فقہ یا حدیث کی کسی کتاب میں یہ حکم ملتا ہے اس لئے بدعت ہے ہاں چلتے ہوئے واپسی کا سلام کہے چلا جائے (اہلحدیث ۱۰ر جولائی ۱۹۳۱ء)

سوال: جمعہ میں ایک شخص خطبہ پڑھائے اور دوسرا شخص نماز پڑھاوے (اور ایسا کبھی کبھی کرتے ہیں) تو ایسا کر سکتے ہیں اس کے ثبوت میں کوئی صحیح حدیث ہے اگر نہیں ہے تو ایسا کرنا بدعت ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: ضرورت ہو تو جائز ہے منع پر کوئی دلیل نہیں نہ اس کی مثال ملتی ہے اس لئے معفو عنہ ہے۔ (اہلحدیث ۲۱ر اگست ۱۹۳۱ء)

سوال: خطبہ کی اذان کس جگہ دی جائے۔

جواب: مسجد ہی میں ہوتی تھی جیسے پنجوقتہ البتہ پہلی اذان اُونچے منارہ پر کہلائی جاتی تھی۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

سوال: خطبے میں بزبان دیسی وعظ کہنے کی اجازت ہے یا نہیں۔

جواب: ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ میں وعظ ونصیحت فرماتے تھے۔ (۲۱ر اگست ۱۹۳۱ء)

سوال: زید بحالت نماز سجدہ تلاوت کر لیتا ہے مگر غیر نماز کبھی نہیں کرتا کیا یہ فعل درست ہے (شیخ قاسم علی)

جواب: محدثین سجدہ تلاوت فرض واجب نہیں کہتے زید نے اگر یہ مذہب اختیار کیا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ (اہلحدیث ۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

اگرچہ فرض واجب نہیں مگر ترک سجدہ پر دوام خلاف سنّت ضرور ہے اور اس میں شائبہ فمن راغب عن سنتی الحدیث کا ہے لہٰذا اس پر دوام بُرا ہے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: گھر میں یا جنگل میں بیقین قبلہ ٹھیک خطِ عربی پہ نہ ہو بلکہ بین المغربین ہو تو کیا نماز درست

ہوگی؟ مسجد بنانے کے لئے یقین قبلہ کا قاعدہ کیا ہے۔ (سائل مذکور)

جواب: ہندوستان میں سمت قبلہ بین المغربین ہی ہے گھر ہو یا جنگل اسی اصول پر مسجد بنتی ہے۔ (اہلحدیث ۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

سوال: ارسال یدین سے نماز پڑھنے کی دلیل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کیا ہے۔ (سائل مذکور)

جواب: امام مالکؒ کی کسی کتاب میں دلیل نہیں ملی غالباً وضع کے عدم ثبوت سے ارسال سمجھا ہوگا۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۱۶ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

سوال: حالتِ خطبہ میں بوجہ گرمی کے پنکھا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ زید کا خیال ہے ایسا کرنا آداب مجلس کے خلاف ہے۔ (ایم عبدالقدوس خریدار نمبر ۲۰۸۷)

جواب: ایک حدیث میں آیا ہے بعض صحابہ گرمی میں مٹھی میں مٹی بھر لیتے اور سجدہ کرتے وقت ماتھے کے نیچے رکھ لیتے تاکہ ماتھے کو آرام پہنچے۔ اس حدیث سے اگر استنباط کیا جائے تو پنکھے سے آرام حاصل کرنا جائز معلوم ہوتا ہے۔ (اہلحدیث ۱۳ر نومبر ۱۹۳۱ء)

اس مسئلہ میں ۱۳۲۲ھ میں کتبخانہ مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی سے جب میں ان کے پاس ٹھہرا ہوا تھا کچھ آثار صحابہ یا تابعین میں نے قلمی کتابوں سے نقل کئے تھے جو اس وقت موجود تھیں۔ دہلی میں کتب میں رہ گئے ان سے جواز ثابت ہوتا تھا واللہ اعلم۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ایک مسجد کا مال یا سامان یا روپیہ اگر فاضل ہو اور دوسری مسجد میں اس کی ضرورت ہو تو لگ سکتا ہے یا نہیں؟ مسجدیں دونوں عام چندے سے تعمیر ہوئی ہیں اور متولی بھی دونوں مسجد کا ایک ہی شخص ہے۔ (سکریٹری انجمن فلاح المسلمین)

جواب: مساجد کا سامان کسی مسجد سے مخصوص نہیں تو دوسری میں منتقل کرنا جائز ہے۔ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ۔ (۲۹ر جنوری ۱۹۳۲ء)

سوال: رکوع وسجدہ کے درمیان اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اور اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ کو لوگ آہستہ پڑھتے ہیں۔ دونوں طرح ثابت ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: ایک مرتبہ بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہے عموماً آہستہ۔ (۲۹ر اپریل ۱۹۳۲ء)

سوال: فرض نماز کے بعد دعا میں مناجات فارسی یا اردو اشعار کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : جس عبارت کا مضمون صحیح اور معنی سے رقت پیدا ہو اس کا پڑھنا جائز ہے۔ بناوٹ اور تکلف نہ ہو۔ (۱۳ مئی ۱۹۳۰ء)

سوال : ہم جب حنفیوں کی مسجد میں نماز ادا کرنے جاتے ہیں تو وہ لوگ پاؤں سے پاؤں نہیں ملاتے بلکہ اگر ہم ملاتے بھی ہیں تو وہ لوگ اپنی طرف اپنے پاؤں کھینچ لیتے ہیں۔ اگر ہم گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ جماعت کرلیں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب : نماز مسجد میں پڑھنی بہتر ہے۔ پیر ملانے پر اگر کوئی ناراض ہو تو گناہ اس کو ہے۔ چاہیے کہ جماعت کھڑی ہونے کے وقت پیر ملالیا کریں جو لوگ رکوع کے وقت ملانے کی کوشش کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ کھڑے ہوتے ہی ملالیا کریں۔ واللہ اعلم (۱۳ مئی ۱۹۳۰ء)

سوال : لوگ کہتے ہیں کہ نماز وتر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے بعض مولوی دو رکعت نفل پڑھنے کو کہتے ہیں تو نفل پڑھنے کا کیا ثبوت ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ نفل صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی لئے مخصوص تھے تو پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اور صرف آپ کے لئے خاص ہونے کی دلیل ہے۔ مدلل جواب دے کر شکوک دور کریں۔ (عبد القیوم بنارس)

جواب : حدیث میں آیا ہے کہ رات کی آخری نماز وتروں کو کیا کرو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد وتروں کے نفل پڑھی، اسی لئے اختلاف پیدا ہوا۔ میرے ناقص فہم میں وتروں کے بعد نفل پڑھنے جائز ہیں، اور جس حدیث میں آخر نماز وتر کرنے کا ارشاد ہے اس میں وتر سے مراد نماز تہجد ہے۔ یہ معمولی وتر نہیں۔ جیسا حدیث شریف میں ہے یا اھل القرآن اوتروا یعنی تہجد پڑھا کرو، پس معنی حدیث کے یہ ہیں کہ آخر رات کو تہجد پڑھا کرو۔ اس تہجد میں وتر ساتھ پڑھتے جائیں تو بعد وتروں کے نفل پڑھ سکتا ہے کیونکہ وہ نفل بھی تہجد میں داخل ہیں۔ واللہ اعلم (۲۹ محرم ۱۳۲۹ھ)

سوال : نماز پڑھتے ہوئے امام سورت بھول گیا۔ اور پیچھے سے کوئی لقمہ دیوے۔ تو لقمہ نہیں لیتا نماز سے سلام پھیر دیتا ہے۔ تین آیت سے زیادہ پڑھ گیا۔ تو بھی کہتا ہے کہ شرع ٹھیک ہے۔ سجدہ سہو کی حاجت نہیں۔ جواب سے ممنون و مشکور فرماویں۔

جواب : امام بھول جائے۔ تو اسے بتا دینا چاہیے۔ جائز ہے۔ امام کو قبول کرنا چاہیے قرات میں بھولنے پر سجدہ سہو کرنا ضروری نہیں۔ (۲۵ رجادی الاول ۱۳۳۱ھ)

تشریح : امام قرات میں کچھ بھول جائے تو مقتدیوں کو بتانا لازم ہے جو امام کو لقمہ لینا لازم

ہے جو امام لقمہ نہیں قبول کرتا وہ شرعی حکم سے بے خبر ہے یا دیدہ و دانستہ شرع کا مخالف ہے قابل امامت نہیں کہ رسول اللہ صلعم کی سنت کا خلاف دانستہ کرتا ہے حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم نماز میں قرارت بھول گئے آیت چھوٹ گئی تو آپ نے ابی بن کعب صحابی کو فرمایا جب تو نماز میں تھا تو پھر مجھ کو کیوں نہ یاد دلایا یہ دونوں حدیثیں سنن ابی داؤد باب الفتح علی الامام فی الصلوٰۃ ص۱۳۸ ج (۱) میں ہیں۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: مستورات کو نماز پڑھنے کے وہی طریقے ہیں جو دونوں کے لئے ہیں۔ یا ان کے لئے بعض جداگانہ حکم ہے مثلاً اگر عورتیں نماز میں فرداً فرداً ہی پڑھا کرتی ہیں۔ تو ان کو نماز فرائض کے واسطے تکبیر کہنی چاہیئے۔ جیسا کہ مرد تکبیر کہہ کر پڑھا کرتے ہیں یا عورتوں کو تکبیر ہی کے بغیر فرض نماز پڑھنا چاہیئے اگر تکبیر کہہ کر پڑھنا چاہیئے۔ تو بلند آواز سے یا خفیہ طور سے۔

جواب: عورتیں نماز میں مثل مردوں کے ہیں۔ سوا ان حکموں کے جو مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً پردہ میں فرق۔ جماعت مردوں سے پیچھے کھڑا ہونے میں تکبیر کہنے میں فرق نہیں آیا۔ عورتیں اگر جماعت کرائیں تو بیشک کہیں۔ (۱۶ جمادی الاول ۳۹ھ)

سوال: بیوی اگر شوہر کے ساتھ فرض نماز پڑھے تو بیوی کو تکبیر کہنی چاہیئے۔ یا شوہر ہی تکبیر کہے۔ اور نماز پڑھائے۔

جواب: بیوی تکبیر (اقامت) کہے۔ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (۲۳ جمادی الثانی ۳۶ھ)

سوال: جس مکان میں پانچ سات عورتیں ہوں۔ اگر یہ سب یا تین چار مل کر گھر میں ہی جماعت سے نماز پڑھا کریں تو کیا ثواب واجر زائد کی مستحق ہوں گی۔ یعنی جماعت کا ثواب ملے گا۔ یا نہیں یا فرداً فرداً ہی پڑھنا بہتر ہے۔

جواب: بیشک ثواب ملے گا۔ لا یضیع اجر المحسنین (۲۳ جمادی الثانی ۳۱ھ)

سوال: آلت پیشاب گاہ کو سہواً یا قصداً ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں۔

جواب: بغیر کپڑے کے لگے تو احتیاطاً وضو کرے یہ مذہب ارجح ہے۔ (دہم صفر ۳۲ھ)

شرفیہ: مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا وضو کرنا فرض ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مس ذکرہ فلیتوضأ رواہ ابن ماجۃ والاثرم وصححہ احمد وابو زرعۃ وایضاً قال صلی اللہ علیہ وسلم من افضی

بیدہ الی ذکرہ لیس دونہ ستر فقد وجب علیہ الوضوء رواہ احمد و ابن حبان فی صحیحہ وقال حدیث صحیح سندہ عدول نقلتہ وصححہ الحاکم وابن عبد البر واخرجہ البیہقی والطبرانی فی الصغیر وقال ابن السکن ھو اجود ما روی فی ھذا الباب انتھی ما فی نیل الاوطار ص ۱۷۲ ج ۱)

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: عید کی نماز میں کتنی بار تکبیر جائز ہے اور رفع یدین کرنا جائز ہے یا نہیں الخ

جواب: صحیح ترین طریقہ نماز عید کا بعد تکبیر اول کے سات تکبیریں زائد سنت ہیں دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے ہی پانچ تکبیریں زائد سنت ہیں ہر تکبیر کے بعد رفع یدین کرنا سنت ہے تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز میں داخل ہوچکا ہے۔ اس لئے ہاتھ باندھ لینے چاہئیں اور زائد تکبیریں کہنے کے وقت رفع یدین کرنی چاہیے اس رفع یدین کو حنفیہ بھی مانتے ہیں۔ (۲ صفر ۱۳۵۵ھ) عید کی نماز میں رفع یدین کرنا حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے بحوالہ سنن بیہقی وابن منذر تلخیص الحبیر ص ۱۴۵ ج ۱) میں ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: دیہات میں جمعہ پڑھنا جائز ہے کہ نہیں (شیر علی)

جواب: جمعہ دیہات میں وجوباً وفرضاً پڑھنا چاہیے اس لئے کہ ادلہ مثبت وجوب جمعہ عام ہیں، جیسے قولہ علیہ السلام الجمعۃ واجب علی کل محتلم الحدیث رواہ ابوداؤد والنسائی شروط جمعہ جن سے دیہات کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے ثابت نہیں ہیں (اللہ اعلم۔ (۶ شعبان ۱۳۴۵ھ)

شرفیہ: جمعہ اہل دیہات پر بھی فرض ہے اس لئے کہ آیت شریفہ یاایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ الآیۃ میں شہری دیہاتی سب ہی شامل ہیں ایسے ہی حدیث نبوی لینتھین اقوام عن ودعھم الجمعات ... او لیختمن اللہ علی قلوبھم الحدیث (صحیح مسلم) اس میں سب لوگ شامل ہیں دیہاتی بھی شہری بھی سوائے عورت بچے مریض غلام کے سب پر جمعہ واجب یعنی فرض ہے (ابوداؤد مشکوٰۃ ص ۱۲۱ ج ۱)۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا اور مدینہ کے درمیان ایک بستی دگاؤں میں جمعہ پڑھا (سنن بیہقی وابن سعد) ایک مرسل میں ہے جمع فی سفر وخطب (مصنف عبدالرزاق) اور جواثا میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا تھا بلکہ آپ کے زمانہ میں صحابہؓ نے پڑھا تھا (صحیح بخاری ص۱۲۲ ج۱)
حضرت عمرؓ نے عمال کو خط لکھا ان جمعوا حیث ما کنتم اخرجہ سعید بن
منصور انتہی روایات مذکورہ ملاحظہ ہوں (التلخیص الحبیر ص۱۳۲ ج۱) و ص[illegible] ۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: پانی ناپاک کس طرح ہوتا ہے اور اس کے پاک کرنے کا کیا حکم ہے کیا ابتدائے
اسلام میں تا خلافت راشدہ ۳۰ سال تک آب نوشی کے چاہات نہ تھے اگر تھے تو
ان میں کوئی چیز مثلاً چوہا چڑیا یا بلی کتا گرتا تو کس طرح پاک کرتے تھے اور اگر کوئی
میلا کپڑا گرتا تھا تو کس طرح پاک کرتے تھے ۔ (شجاع الدین پنشنر)

جواب: پانی جتنا بھی ہو پاک ہے جب تک اس میں کوئی ناپاک چیز اتنی نہ گرے
جس سے اس کی بو یا مزہ یا رنگ بدل جائے زمانۂ نبوت میں پانی کے کنوئیں تھے مگر ایسے
جانور گرنے سے ناپاک نہ سمجھے جاتے تھے یہ رائے پچھلوں کی ہے وہاں وہی قانون
تھا جو مذکور ہوا۔ (۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ)

تشریح سوال: چہ فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر سگ در چاہ افتاد چہ حکم است
بینوا۔ (یعنی جس کنوئیں میں کتا گر جائے اس کے لیے کیا حکم ہے)

الجواب: حکم چاہ مذکور آنست کہ اگر آب آں چاہ از افتادن سگ متغیر نہ شدہ است
بلکہ بر حال خود است آں چاہ طاہر است واگر بو یا مزہ یا رنگ متغیر شدہ است نجس است
عن ابی سعید الخدری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماء طہور
لا ینجسہ شئی اخرجہ الثلثۃ وصححہ احمد کذا فی بلوغ المرام
وفیہ ایضاً عن ابی امامۃ الباھلی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان
الماء لا ینجسہ شئی الا ما غلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ اخرجہ ابن ماجۃ
وضعفہ ابو حاتم وللبیھقی الماء طاھر الا ان تغیر ریحہ او طعمہ او
لونہ بنجاسۃ تحدث فیہ انتہی الخ (الراقم ابو محمد عبد الحق اعظم گڑھی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۲۰۳)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ کنواں وغیرہ محض کتا گر جانے سے ناپاک نہیں ہو سکتا۔ جب تک
اس کا بو یا مزہ یا رنگ تبدیل نہ ہو احادیث سے یہی چیز ثابت ہے اور اسی پر علمائے

اسلام کا اجماع ہے سبل السلام میں ہے اجمع العلماء علی ان الماء القلیل والکثیر اذا وقعت فیہ نجاسۃ فغیرت لہ طعما اولونا اوریحاً فھونجس فالاجماع ھوالدلیل علی نجاسۃ ما تغیر احد اوصافہ لا ھذہ الزیادۃ انتھٰی۔

عبداللہ بن عمر کی روایت میں اتنی تفصیل اور آتی ہے اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث وفی لفظ لم ینجس اخرجہ الاربعۃ وصححہ ابن خزیمۃ۔

یعنی جب پانی دو قلہ ہو تو جب تک اس کا رنگ یا مزہ یا بو نہ بدلے ناپاک نہیں ہوتا۔ دو قلّوں کا اندازہ عرب کی جیسی بڑی بڑی مشکوں سے ۱۰۔۱۲ مشک پانی کہا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے حوالۂ مذکور ملاحظہ ہو۔ محمد داؤد راز

سوال: مجھے نوکری کے باعث ظہر کے وقت ہمیشہ فرصت رہتی ہے عصر میں فرصت نہیں ملتی کیا ظہر کے وقت عصر ملا کر پڑھنے کی اجازت ہے (عبدالحفیظ)

جواب: واقعی اگر وقت عصر نہیں ملتا ظہر کے ساتھ جمع کر لیا کریں صحیح بخاری میں ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر عصر اور مغرب وعشاء جمع کی تھیں۔ اللہ اعلم۔

(۵ دسمبر ۱۹۳۰ء)

شرفیہ: حوالہ صحیح ہے مگر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ صحیح بخاری کی یہ حدیث مجمل ومختصر ہے اس سے گو بظاہر جمع حقیقی معلوم ہوتی ہے حالانکہ یہ جمع صوری ہے اور صوری بھی جمع تقدیم نہیں جمع تاخیر ہے سنن نسائی میں یہی حدیث اسی راوی سے مطول ومفصل ہے۔ دونوں حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ صحیح بخاری کی حدیث یہ ہے باب تاخیر الظھر الی العصر عن عمرو بن دینار عن جابر بن زید عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالمدینۃ سبعا وثمانیا الظھر والعصر والمغرب والعشاء فقال ایوب لعلہ فی لیلۃ مطیرۃ قال عسیٰ انتھٰی ج ۱ ص ۷۷ سنن نسائی کی حدیث یہ ہے عن عمرو عن جابر بن زید عن ابن عباس قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ثمانیا جمیعاً وسبعاً جمیعا اخر الظھر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء انتھٰی ص ۹۸ ج ۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی اور دوسری نسائی کی روایت میں جو ثمان سجدات لیس بینھما شیئ انتھٰی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ لیس بینھما شیئ کثیر من الزمان۔ التنوین للتعظیم لان الروایۃ

الاولی مبینۃ للمراد فاندفع ما اورد خلاصہ یہ کہ ایسی صورت میں اگر جمع صوری تاخیر مل سکے تو فبہا ورنہ ملازمت ترک کرنی لازم ہے۔ اس لئے کہ جس ملازمت سے فریضہ الٰہیہ کی ترک لازم ہو وہ ملازمت واجب الترک ہے۔ اللہ تعالیٰ رزاق ہے اور صورت پیدا کرے گا۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: عشاء کی نماز کے بعد تراویح پڑھی جا رہی ہیں۔ جو شخص اوپر سے آیا ہے وہ پہلے فرض ادا کرے تو قرآن شریف کی قراءت اس کے کانوں میں پڑتی ہے۔ جیسے کہ فجر کی سنت پہلے اس لئے ادا نہیں کی گئی کہ جماعت ہو رہی ہے۔ بعد جماعت سنتیں ادا کرے تو اس موقع پر کیا کرے؟ (نامعلوم)

جواب: جس نے فرض نماز نہ پڑھی ہو وہ تراویح میں مل کر فرض ادا کرے جیسے حضرت معاذؓ کے مقتدی کرتے تھے۔ یہ مسئلہ اہلحدیث کا ہے۔ حنفی مذہب کا نہیں۔

(جنوری سنہ ۳۳ء)

یہ مسئلہ معاذؓ والی حدیث پر قیاس کیا گیا ہے مگر یہ قیاس صحیح نہیں اس لئے کہ معاذؓ کی نماز گو نفل ہے مگر نیت تھی کہ میں فرض پڑھ رہا ہوں اور اقامت بھی فرائض کی تھی اور یہ صورت بالکل صحیح ہے اور جب امام تراویح کی نیت پڑھ رہا ہے اور اقامت فرائض بھی نہیں تو یہ قیاس مع الفارق ہے ایسے ہی ایک وقتی فرض پڑھ رہا ہے اس کے پیچھے قضائی کی نیت سے فرض پڑھنا ثابت نہیں سب کی دلیل حدیث نبوی اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلاۃ الا التی اقیمت رواہ الطبرانی فی الاوسط التلخیص الحبیر ص ۱۱۹ وکنوز الحقائق للمناوی برحاشیہ جامع صغیر ج ۱ مصری۔ یہ قیاس در قیاس باطل ہے۔ واللہ اعلم۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

تعاقب | مسئلہ تعمیر عیدگاہ۔ مسئلہ ہذا میں تعاقب کنندہ نے بحوالہ چند روایات جن میں سے ایک درج ذیل ہے ثابت کیا کہ عیدگاہ میں تعمیر ناجائز اور خلاف سنت ہے بایں دلیل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نمازگاہ کو تشریف لے گئے اور فرمایا کہ یہ جگہ ہمارے جمع ہونے کی ہے اور پانی مانگنے کی اور دعا کرنے کی اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ ادا کرنے کی ہے پس اس جگہ پر اینٹ رکھ کر کچھ نہ بنایا جائے۔ الفاظ خط کشیدہ سے صرف یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو

برائے نماز عید مخصوص فرمایا اور اس جگہ تعمیر رہائشی یا خیمہ لگانے سے منع فرمایا۔
یہ غرض اس صورت میں بھی حاصل ہے اگر حسب ضرورت حد بندی اور برائے حفاظت عیدگاہ کی چار دیواری بنا دی جائے اس میں کوئی ذاتی یا اخلاقی گناہ نہیں، تعمیر سے مقصد حفاظت اور آرام مصلیاں مد نظر ہے۔ چند سال کا عرصہ ہوا کہ بھٹنڈا کی عیدگاہ غیر محفوظ ہونے کے سبب مسافروں نے گدھے اور مویشی باندھنے شروع کر دئے۔ سال بعد جگہ کی غلاظت سے صاف کرانے کے لئے روپیہ صرف کرنا پڑتا۔ آخر دیوار پردہ بنانے کے لئے چندہ جمع کرنے کی ضرورت پڑی۔ لودھیانہ کی مسجد میں قبلہ رخ صرف ایک دیوار مع محراب ہے جو عیدگاہ اور قبرستان کو جدا کرنے کے لئے بنانی پڑی، باقی رقبہ میں درختوں کی لائنیں ہیں، موسم گرما میں نمازیوں کو بڑا آرام ملتا ہے اور بکثرت نمازی اسی وجہ سے جمع ہوتے ہیں، اس کا بھی کوئی حرج نہیں اور نہ گناہ ہے نہ کسی حدیث مرفوع کے خلاف واللہ یعلم المفسد من المصلح
(شیخ قاسم علی لودھانوی) ۵ر اگست ۳۲ء

پہلے یہ حدیث یا روایۃ بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتب معتبرہ عند المحدثین سے ثابت کی جائے پھر استدلال یا معنوی بحث کا موقعہ ہے ورنہ قبل از مرگ واویلا کی مثال ہے مجھے تو اس کی صحت نہیں ملتی اور ملتی کیا ثابت ہی نہیں بے سروپا ہے۔ ۱۲
(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: موجودہ مصحف کے خلاف ترتیب سورت کا پڑھنا نماز میں جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً کسی نے پہلی رکعت میں سورہ کہف کو پڑھا، دوسری میں سورہ یونس کو پڑھا یا پہلی رکعت میں لایلف قریش الخ اور دوسری میں الم ترکیف الخ ایسی صورتوں میں نماز ہوگی یا نہیں
(محمد رحمت اللہ علی خریدار نمبر ۱۰۴۴۳)

جواب: حضرت عمرؓ نے صبح کی نماز میں ایک رکعت میں سورہ کہف اور دوسری میں سورہ یوسف پڑھی کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ لہٰذا جائز ہے۔

سوال: کیا کعبہ شریف میں نمازی کے آگے سے گذرنا جائز ہے؟

جواب: حرم مکہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے الخ مفصل فتویٰ صفحہ ۳۸۲ پر ملاحظہ ہو۔

تشریح: ہاں آیا ہے مگر وہ حدیث صحیح نہیں نیل الاوطار صفحہ ج ۳) امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسی روایۃ کے عدم صحت کی طرف اشارہ کیا ہے حیث قال باب

السترۃ بمکۃ وغیرھا ص۲ ج(۱) نیز جس روایۃ سے استدلال کیا جاتا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ لوگ نمازی کے سجدہ کی جگہ سے گذرتے تھے صرف آگے گذرنا مبطل یا مانع نہیں جب تک کہ سجدہ گاہ سے کوئی نہ گذرے واذلیس فلیس ۱۲۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: کیا عہد نبوی میں مسجد پختہ بنی تھی یا نہیں؟ اگر نہیں تو اب کوئی مسلمان خانہ کعبہ و مسجد اقصیٰ وغیرہ پر (جو آپ سے پہلے کی تعمیر شدہ ہے) قیاس کرکے مسجد پختہ بنا سکتا ہے؟

(عبد الغفار رضوی)

جواب: پختہ مسجد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بمشورہ اصحاب کرام بنی تھی۔ اس وقت بھی چہ میگوئیاں ہوئیں تھیں تو حضرت عثمانؓ نے جواب میں فرمایا تھا کہ میں نے پختہ مسجد اس لئے بنوائی ہے کہ حدیث میں آیا ہے۔

من بنیٰ مسجدا للہ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ (یعنی جو کوئی اللہ کے لئے مسجد بنائے خدا اس کے لئے بہشت میں گھر بنائے گا) اس حدیث کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس لئے پیش کیا کہ اس کے معنی میں عموم جانا۔ یعنی یہ سمجھا کہ کوئی مسجد بنائے ویسا ہی اس کا گھر بنے گا۔ خام بنائے تو خام پختہ بنائے تو پختہ۔

اس دلیل کو سب حاضرین نے سنا اور خاموش رہے۔ ثابت ہوا کہ پختہ مسجد اسی حدیث سے ثابت ہے۔ (۳۰ رمضان ۱۳۵۱ھ)

سوال: زید کہتا ہے کہ عید کی نماز کھلے میدان میں پڑھنے کا حکم ہے۔ الا در صورت عذر۔ بکر کہتا ہے عیدگاہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ اب زید کھلے میدان میں جاکر عید پڑھتا ہے خواہ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ ہو۔ عیدگاہ میں نہیں پڑھتا۔ کیا زید کو ایسا کرنا جائز ہے۔

(مسائل مذکور)

جواب: اس میں شک نہیں کہ نماز عید کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمارت یا دیوار نہ بنوائی تھی اسی لئے جہاں تک ہو سکے ویسا ہی چاہیے لیکن زمانہ بدلنے سے قرائین بدل جاتے ہیں آج ایسے افتادہ زمین کے خراب یا مقبوضہ غیر ہو جانے کا اندیشہ ہے تو رفع فساد اور دفع مضرت کے لئے بنا دی جائے تو جائز ہے۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح۔

نوٹ: امرتسر میں عیدگاہ اہلحدیث محاط بدیوار ہے۔ (۲۰ رمضان ۱۳۵۱ھ)

سوال: سجع کے ساتھ دعا کرنے کا منع (بحدیث ابن عباس جو فتح الباری پ۲۶ ص۲۲ مطبع انصاری) ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: جو دعا سجع حدیثوں میں آئی ہو یا کسی کے کلام میں ملتی ہو اس کا پڑھنا منع نہیں جیسے اَللّٰھُمَّ اسقنا غیثا مغیثا مریعا نافعا الخ ۔ اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرہ فاغفر الانصار والمہاجرۃ۔ (حدیث) حالت دعا میں سجع بنانے سے منع وہ ہے جو مشغول ہو جائے کیونکہ اس سے دل دعا کی طرف نہ رہے گا بلکہ سجع کی تلاش میں رہے گا۔ (۲۲ ستمبر ۳۲ء)

سوال: گذشتہ سال ۱۹۳۱ء میں حج کے دنوں میں مدینہ شریف میں مسجد نبوی کے اندر میرے ساتھ دیگر اشخاص کو بھی اتفاق ہوا اور دیکھا گیا جب کوئی شخص بھول کر کسی نمازی کے سامنے سے گذرتا جب اس قدر نزدیک ہوتا کہ گذرنے والے کو نمازی کا ہاتھ پہنچ جائے تو پکڑ کر ہٹا دیتا۔ مگر حرم بیت اللہ میں کوئی نہیں رکتا اور نہ کوئی روکتا ہے۔ (سائل خریدار نمبر ۱۰۹۱۱)

جواب: حرم مکہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حرم کعبہ میں لوگ آگے سے گذر جاتے تھے اب بھی ایسا ہی ہوتا ہے (۱۱ نومبر ۳۲ء) اس کی تشریح بقلم محشی ص۲۸۶ پر دیکھو۔

سوال: سفر میں عورتوں یعنی مستورات کے متعلق نماز قصر کا حکم ہے۔ سفر پیدل میں اور ریل وغیرہ سواری میں تفصیل ہو (سائل محمد عنایت اللہ مدراس)

جواب: جو مردوں کا حکم ہے یعنی قصر جائز ہے۔

سوال: جناب امیر میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... ایک رکعت سے تیرہ رکعتوں تک طاق کے عدد میں نماز گذارتے تھے۔ امام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وتر ایک رکعت نماز جائز نہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں طاق ایک رکعت جائز ہے اس کا باعث کیا ہے، صریح طور سے صحیح حدیث کی سند کے ساتھ لکھیں اور جب وتر نماز ہو چکتی ہے تو صبح صادق تک دوسری نماز نفل وغیرہ نہیں ادا کرنا۔ وتر کی نماز نفلی ہو چکی اکثر لوگ کہا کرتے ہیں پھر آپ ہی وتر کے بعد تشفع او تر دو رکعت نماز بیٹھ کے گزارتے ہیں۔ دیگر امام ابوحنیفہ رحمہ کے ہاں جو نماز تکبیر تحریمہ بیٹھ کر باندھی جاوے گی وہ نماز جائز

نہیں حالانکہ چند لوگ عشاء میں آخری نفل نماز بیٹھ کر باتکبیر کہتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: وتر ایک رکعت جائز ہے۔ امام احمد کا قول تو یہ ہے کہ الواحد اثبت۔ جو امام کسی بات کے منکر ہیں وہ اس لئے منکر ہیں کہ ان کو اس کی روایت نہیں ملی۔ وتر کو خاتمہ نماز کرنے کی روایت آئی ہے اور بعد وتر دو رکعت پڑھنے کا ثبوت بھی ہے۔ لہٰذا دونوں جائز ہیں۔ بے عذر بیٹھ کر نفل پڑھنے سے نصف ثواب ہے ان مسائل کی تفصیل سفر السعادت اور اس کی شرح میں ہے۔

سوال: وقت ظہر یا عصر ہر ایک مسجد کی پابندی وقت میں ادا ہو چکی۔ دس پندرہ منٹ کے اندر اور پانچ دس اصحاب جمع ہو گئے۔ کیا دوسری جماعت جائز ہے؟ (سائل مذکور)

جواب: جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلکہ آپ کے حکم سے جماعت ثانیہ ہوئی۔ (ترمذی)۔

سوال: رفع یدین کے متعلق عورت کیا حکم رکھتی ہے؟ (سائل مذکور)

جواب: وہی حکم ہے جو مرد کو ہے یعنی سنت ہے نماز وغیرہ افعال شرعیہ میں جو افعال مردوں کے ہیں جب تک ان کی خصوصیت کا ثبوت نہ ہو عورتیں بھی ان میں شریک ہیں۔

سوال: وتر میں دعاء قنوت عورت کس طرح ادا کرے اور کون سی دعاء قنوت پڑھے؟ (سائل مذکور)

جواب: جو مرد پڑھیں اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ۔

سوال: عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک وقت قحط آیا تو اس وقت عباس رضی اللہ عنہ وفات پا چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کو جمع کر کے عباس رضی اللہ عنہ کے روضہ پر جا کر توسل چاہ کر دعا مانگی فوراً بارش ہوئی۔ (سائل مذکور)

جواب: زندوں کا وسیلہ تو اس طرح جائز ہے کہ ان کو کہا جائے آپ ہمارے لئے دعا کریں۔ مردوں کا اس طرح جائز نہیں کیونکہ وہ سنتے نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو زندگی میں کہا تھا کہ آپ ہمارے ساتھ چلئے بارش کے لئے ہم آپ کے ساتھ دعا مانگیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضور کے ساتھ مانگا کرتے تھے۔ اب آپ کے ساتھ مانگتے ہیں۔ یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعا کی اور باقی لوگوں نے آمین کہی۔

سوال: ہندی زواجر شریف میں مذکور ہے (حدیث) جب ایک شخص نماز پڑھتا ہے تو اپنے والدین کے حق میں دعا نہیں مانگتا تو وہ نماز قبول نہیں ہوتی اسی شخص کے اوپر پھینکی جاتی ہے۔ کیا اخیری قاعدہ میں دعا ماثورہ جو مذکور ہے پڑھ لینا کافی ہے یا نماز کے ختم کے بعد الگ دعا مانگنا چاہیئے؟ (سائل مذکور)

جواب: حدیث مذکور تو مجھے یاد نہیں البتہ قعدہ اخیر میں رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ کافی ہے۔

سوال: اسی زواجر میں مرقوم ہے (حدیث) جو عورت نماز ادا کرتی ہے۔ اپنے خاوند کے حق میں دعا نہیں مانگتی تو وہ نماز قبول نہیں ہوتی اسی پر پھینکی جاتی ہے۔ نماز کے قیام میں ہو۔ قعدہ میں ہو کوئی دعا نہیں خاوند کے حق میں مانگنے کے لئے۔ کیا نماز کے باہر دعا مانگنا ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: یہ حدیث بھی مجھے یاد نہیں نہ میں یہ فتوے دے سکتا ہوں کہ خاوند کے حق میں دعا مانگنا جزو نماز ہے۔

سوال: عورت مرد میں ایک شب خلوت یا ہمبستری ہوئی صبح صادق سے پیشتر اس عورت کو حیض جاری ہوا کیا عورت غسل کرے یا نہیں۔ اور حیض کی حالت ایک دو تین دن کے اندر ہی اس عورت نے وفات پائی تو غسل کس طرح دیں؟ (سائل مذکور)

جواب: مرنے کے بعد جیسا اور لوگوں کو غسل دیا جاتا ہے اس کو بھی ویسا ہی دیں اور بس۔

سوال: صبح کی نماز میں دعاء قنوت پڑھیں یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: بوقت ضرورت پڑھے تو حرج نہیں۔ اللہ اعلم۔

سوال: ایک شخص پابند صوم وصلوٰۃ بلکہ فطرہ وقربانی بھی ادا کرتا ہے۔ شرک بھی نہیں کرتا صرف سود کھاتا ہے اور علاوہ سود کے کاشتکاری ودیگر کاروبار بھی ہے۔ ایسے شخص کی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(مصلح الدین از جرامبالی ڈاکخانہ ہمت آباد ضلع دیناجپور)

جواب: شخص مذکور اگر جائز کمائی سے کھلائے تو بے شبہ جائز ہے۔ سود سے کھلائے تو بے شبہ ناجائز ہے، ملے جلے میں سے کھلائے تو مشتبہ۔

(۲۱ شوال ۱۳۴۲ھ)

خطبہ جمعہ بجواب "حمایت اسلام" لاہور

اخبار حمایت اسلام لاہور میں ایک سوال چھپا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ علماء کرام توجہ فرمائیں۔

"حمائت اسلام" کے کسی صفحہ پر یہ عنوان "خطاب ترکی زبان میں" یہ خبر درج ہے کہ قسطنطنیہ کے پانچ علماء کی ایک جمعیت نے بزبان ترکی کی عیدین اور جمعہ کے ۱۰ خطبے طیار کئے ہیں جن کو آئندہ خطیب مساجد میں پڑھیں گے۔ ان خطبات عالیات میں آیات واحادیث حمد وشکر کے بعد مسلمانوں کو شرعی احکام کی بناء پر اس امر کا جوش دلایا گیا کہ وہ ہوائی کیشٹی یتیم خانوں۔ شہداء کے بچوں۔ جمعیت حمائت اطفال۔ اور جمعیت ہلال احمر وغیرہ نیک کاموں کی طرف متوجہ ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ وزیر دینیات کی منظوری کے بعد عنقریب ہی سرکاری فرمان جاری کر دیئے جائیں گے کہ تمام قلمرو سے ترکیہ میں متذکرہ خطبے پڑھے جائیں۔ اس خبر سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ (۱) علماء ترکیہ کے نزدیک خطبوں کا اس زبان میں ہونا لازمی اور لابدی ہے جس کو سامعین سمجھ سکیں۔ (۲) خطبات میں ضروریات کا بیان ضروری جزو ہے، ہم اپنے علماء کرام کی خدمت اقدس میں بصد آداب ونیاز گذارش کرتے ہیں کہ وہ اس امر پر غور فرمائیں کہ وہ ان دونوں باتوں میں سے ایک یا دونوں ہی اپنے ملک میں رائج کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ خیال ہے کہ یہاں خطبہ اردو زبان میں ہونا چاہیئے یا عربی میں۔ اس کا تعلق عالموں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان مادی زبان میں زیادہ سہولت سے سمجھ سکتا ہے معاملہ بالکل صاف ہے ہمارے دینی پیشوا اگر تھوڑی سی توجہ بھی مبذول فرمائیں تو وہ چند ہفتوں میں ایسے خطبات طیار فرما سکتے ہیں جو قوم کو موجودہ مشکلات کے حل اور ضروریات کی تکمیل پر راغب ومائل کر سکتے ہیں۔ امید ہے کہ دیگر علماء کرام بالعموم اور جمعیت علماء بالخصوص ہماری عاجزانہ اور عامیانہ درخواست کو اپنی توجہ مبارک سے مشرف فرمائیں گے۔" (حمایت اسلام ۱۲ جنوری ۱۹۲۶ء ص ۵)

اہلحدیث: مسلمانوں کی خوش قسمتی سے خطبہ کے متعلق بھی اختلاف پیدا ہو چکا ہے کہ اس میں دیسی زبان میں وعظ کہنا جائز ہے یا نہیں۔ حالانکہ خطیب کی ہیئت کو قبلہ کی طرف پیٹھ اور سامعین کی طرف منہ۔ ہاتھ میں عصا۔ سر وقد کھڑے ہو کر ایمان کی

ایھا الناس کہنا۔ اس پر شریعت کا یہ حکم کہ اثنار خطبہ میں خاموش رہ کر سنتے رہو جو بولے وہ سخت گناہگار۔ قطع نظر اور دلیل کے یہ صورت کذائی ہی بتا رہی ہے کہ خطیب کا خطبہ بغرض تفہیم ہے۔

اس شہادت اور قرینہ حالیہ کے بعد ہم اسوہ حسنہ (سنت نبویہ) پر نظر کرتے ہیں تو وہاں ایک عجیب طریق خطبہ کا پاتے ہیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ کانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یقرأ القرآن ویذکر الناس (مشکوٰۃ باب الخطبہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے اُن میں آپ قرآن شریف پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرماتے تھے۔

یہ حدیث اپنا مضمون بتلانے میں صاف اور صریح ہے جو کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔ صاف الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے کہ خطبہ میں حضور علیہ السلام قرآن مجید پڑھ کر وعظ فرماتے تھے۔

یہ تو ہر ایک واقف اور ماہر قرآن پر واضح ہے کہ قرآن مجید میں ہر ضرورت کو پورا کیا گیا اور ہر مرض کی دوا بتائی گئی ہے۔ پس خطیب کو چاہیے جیسا موسم اور جیسی ضرورت ہو اُسی کے مطابق قرآن مجید سے حکم اور حکمت کی آیات پڑھ کر خطبہ میں وعظ فرماویں اور بس۔ چنانچہ اہل حدیث کی مساجد میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ بہت سے علماء کرام نے سال بھر کے خطبے بھی بنائے ہیں۔ لیکن جن خطیبوں نے قرآن شریف بامعنے پڑھا ہو ان کو کوئی ضرورت نہیں ہے

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم ؎ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ایڈیٹر صاحب "حمایت اسلام" سے امید ہے کہ اس جواب کو اپنے پرچہ میں نقل کریں گے۔ (۲۲ رجب ۱۳۴۵ھ)

مذاکرہ علمیہ بابت ترجمہ خطبہ

(از مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری)

مذاکرہ علمیہ بابت مسئلہ وعظ جمعہ مندرجہ اہلحدیث ۱۲۱

ج ۹ مورخہ ۵ صفر ۱۳۲۳ھ۔ اس مسئلے میں جہاں تک مجھے معلوم ہے یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ میں قرآن مجید پڑھتے اور تذکیر فرماتے یعنی وعظ کہتے جابر بن سمرۃؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان

یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس۔ الحدیث اور میری نظر سے یہ کہیں نہیں گذرا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز جمعہ کے بعد وعظ کہتے اور لوگوں کو اس کے لیے ٹھہراتے اور صیغہ امر آیت کریمہ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا میں ویسا ہی ہے جیسا کہ آیت کریمہ فاذا حللتم فاصطادوا میں ہے یعنی اباحت کے لیے وجوب کے لیے نہیں ہے پس بعد نماز جمعہ ہر شخص کو مباح ہے کہ چلا جائے یا ٹھہرا رہے نہ چلا جانا ہی واجب نہ ٹھہر جانا ہی واجب اور نہ کوئی ان میں سے ممنوع۔ وعظ وتذکیر بعد نماز جمعہ کا وہی حکم ہے جو اور وقتوں کا ہے تو جس طرح اور وقتوں میں وعظ و تذکیر جائز ہے اسی طرح بعد نماز جمعہ بھی جائز ہے۔ تو اگر کوئی شخص بعد نماز جمعہ محض جواز کے خیال سے وعظ کہے اور دوسرے لوگ وعظ سننے کے لیے ٹھہر جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن جو شخص اس وعظ میں شامل نہ ہو اور بعد نماز جمعہ چلا جاوے اس کو زجر کرنا البتہ بیجا اور ناجائز ہے۔ واللہ اعلم۔ (کتبہ محمد عبد اللہ۔ از دہلی)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ خطبہ جمعہ وغیرہ میں واسطے سمجھانے عربی نہ جاننے والوں کے خطبہ عربی کا اردو یا پنجابی یا فارسی میں حسب حاجت ترجمہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: اقول وباللہ احول ماہران شریعت پر مخفی نہیں کہ خطبہ لغت عربیہ میں وعظ نصیحت کو کہتے ہیں جیسا کہ عبارات کتب لغت سے ظاہر ہے الخطیب والمخاطبۃ والتخاطب المراجعۃ فی الکلام ومنہ الخطبۃ والخطبۃ لکن الخطبۃ تختص بالموعظۃ والخطبۃ لطلب المرأۃ انتھی ما فی مفردات القرآن للامام راغب بن الحسین مختصرا خطبۃ بالضم۔ کلام کہ در ستائش خدا ونعمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم وموعظت خلق باشد ونثر مسجع انتہی ما فی منتھی الارب الوعظ والموعظۃ ھو مقترن بتخویف وقال الخلیل وھو التذکیر بالخیر فیما یرق بہ القلب قال اللہ عزوجل یعظکم لعلکم تذکرون وقال قد جاء تکم موعظۃ من ربکم الی اخر ما فی مفردات القرآن۔ پس یہ ثابت ہوئی کہ خطبہ وعظ کو کہتے ہیں اور غرض وغایت درس و وعظ قرآن مجید وحدیث شریف سے یہ ہے کہ سامعین وعظ سن کر اس سے پند پذیر وعبرت گیر ہوں اور مطلب ومعنی آیت وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا

فیہ ومعنی آیۃ وانزلنا الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور وغیرہا کے اسی پر دال ہیں کہ سامعین غیر عربی دان کو بدون سمجھانے معنی اور واقف کرانے اس کے عبارت درس و وعظ سے کچھ حاصل نہیں اسی لحاظ سے خدائے تعالیٰ نے فرمایا وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم الآیۃ - وبیان مستلزم تفہیم وتفہم کو ہے اور بغیر قصد تفہیم و تفہم کے درس و وعظ معری عن المقصود ہوگا - کما لا یخفی علی المتامل اما یا بالنسبۃ الی عامۃ الخلق فہو انہ تعالیٰ ذکر انہ ما بعث رسولا الی قومہ الا بلسان اولئک القوم فانہ متی کان الامر کذلک کان فہمہم لاسرار تلک الشریعۃ و وقوفہم علی حقائقہا اسہل وعن الغلط والخطاء ابعد انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا قولہ لیبین لھم ما امروا بہ فیتلقونہ منہ بیسر وسرعۃ انتہی ما فی تفسیر ابی السعود (الی ان) ثم ینقلوہ ویترجموہ لغیرہم انتہی ما فی البیضاوی اور فرمایا سورہ نحل میں ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینہی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون قولہ لعلکم تذکرون لیس المراد منہ الترجی والتمنی فان ذلک محال علی اللہ تعالیٰ فوجب ان یکون معناہ ان اللہ تعالیٰ یعظکم لارادۃ ان تتذکروا طاعۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر لعلکم تذکرون طلبا لان تتعظوا بذلک انتہی ما فی تفسیر ابی السعود - پس ان تفاسیر سے صاف ظاہر وواضح ہوا کہ بدون سمجھنے معنے کے تذکر واتعاظ متعذر و دشوار ہے بنا بر اس کے ترجمہ وعظ ودرس خطبہ کا غیر عربی داں کے واسطے ضرور چاہئے اور وعظ وخطبہ بدون ترجمہ کے واسطے سامعین غیر عربی داں کے برائے نام ناکام وغرض ناتمام ہوگا - کیونکہ درس و وعظ خطبہ واسطے تفہیم و تفہم سامعین کے موضوع ومقرر ہوتا کہ سامع بوجھ و سمجھ کر متنبہ ہو جاوے اور براہ راست آجاوے اسی نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حج وجمعہ وغیرہ میں فرمایا فلیبلغ الشاہد الغائب اور بے سمجھ کیا پہنچاوے گا - قاضی بیضاوی نے لیبین لھم کے تحت تصریحا لکھ دیا فیتفقہوہ ثم ینقلوہ ویترجموہ لغیرہم محض اس لئے کہ جب تک واعظ و خطیب کا وعظ وبیان سامعین کے مرکوز خاطر نہ ہوگا محض لغو وبیکار ہوگا کیونکہ جو غرض شارع کی اس خطبہ و وعظ سے تھی وہ فوت ہوگئی کما لا یخفی علی المتامل المتفطن اگر کوئی کہے کہ نماز میں بھی قاری کو چاہئے کہ مقتدی کے واسطے ترجمہ قرات کا کرے تاکہ وہ اس کے معنے سمجھ بوجھ لے

تو یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ قرآن کا پڑھنا امام و مقتدی دونوں پر نماز میں واجب ہے حسب ارشاد خداوند کریم کے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۔ پس امر وجوبی صیغہ فاقرءوا سے واضح ہو کہ ہر نمازی کو خواہ امام ہو یا مقتدی نظم قرآن کو خاص عربی منقوم کا نام ہے جو بنقل و تواتر ہم تک پہنچا ۔ پڑھنا ضرور و لابد ہے اور زبان فارسی وغیرہ میں ترجمہ اس کا نماز میں کرے تو منقول خاص متواتر باقی نہ رہے گا کیونکہ اس پر اطلاق قرآن کا نہ ہوگا تو خلاف مامور کا لازم ہوگا ۔ پس اسی سبب سے ترجمہ قرآن کا نماز میں پڑھنا ممنوع و محظور ہوگا ۔ کما لا یخفی علی ماہری الشریعۃ علاوہ ازیں نماز ذکر ہے اور خطبہ تذکیر ذکر اور تذکیر کا حکم ایک کب ہو سکتا ہے ۔ احناف کرام نے بھی خطبہ کو بزبان عربی منحصر نہ رکھا ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین اس پر متفق ہیں و بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ صاحبین نے وقت عجز جائز رکھا نہ بلا عجز ۔ لیکن قول امام اعظم صاحب کا معتمد ہے ۔

تتمہ لم یقید الخطبۃ بکونہا بالعربیۃ اکتفاء بما قدمہ فی باب صفۃ الصلوۃ من انہا غیر شرط ولو مع القدرۃ علی العربیۃ عندہ خلافا لہما حیث شرطاہا الا عند العجز انتہی ما فی الشامی قولہ و شرطا عجزہ المعتمد قولہ ای الامام ابی حنیفۃ انتہی ما فی الطحطاوی ۔ اور ہرگاہ نص مذکور مساعد ترجمہ کا واسطے غیر عربی دان کے ہوا تو پھر اگلے پچھلے سے ہم کو باک نہیں ۔ تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون ۔ واللہ اعلم وہو الموفق للصواب فلیعتبروا اولوا النہی والالباب ۔

سید محمد نذیر حسین	سید محمد عبد السلام	سید محمد ابوالحسن

ہذا الجواب صواب لا مریۃ فیہ و اما احتجاج المانعین للجواز بانہ لم ینقل الینا عن احد من السلف انہ ترجم بلسان الاعاجم فمنقوض بانہ لا یلزم من عدم النقل عدم الثبوت علی ان ما رواہ مسلم عن جابر بن سمرۃ من انہ کانت للنبی صلعم خطبتان یجلس بینہما یقرأ القرآن ویذکر الناس وفی روایۃ یعظہم صریح فی الجواز فان اثر الوعظ و التذکیر فی بلاد العجم لا یمکن حصولہ الا بالترجمۃ ۔ عبد التواب

چونکہ خطبہ میں شارع کی طرف سے کوئی تعیین کلمات کی وارد نہیں ہوئی بلکہ فقط حمد و ثناء بما ہو اہلہ اور تذکیر بالقرآن اور امر بالمعروف وارد ہوا ہے اور تذکیر عوام اہل ہند کو بغیر ترجمہ کے ممکن نہیں اس لئے بموجب دلائل فتوے بالا خطبہ میں ترجمہ قرآن کا کرنا اور وعظ کہنا اور

امر بالمعروف کرنا زبان ہندی میں جائز ہے فقط۔ حررہ محمد تغمدہ اللہ الصمد بالرحمۃ والفضل المؤید

خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبد الوہاب

مقصود شارع کا شریعت خطبہ سے صرف پند و موعظت ہی ہے پس جب خطبہ اس مقصود سے خالی ہوگا تو حقیقت میں وہ خطبہ ہی نہیں ہوا۔ ہی برائے نام بطور رسم سمجھا جائے گا بیشک خطبہ میں واعظ جس زبان میں حاجت پوری کر سکتے ہیں کریں۔ جو لوگ خطبہ میں وعظ بزبان عجمی کرنے سے باوجود دواعی شدیدہ کے منع کرتے ہیں وہ مقصود خطبہ سمجھنے سے بے خبر ہیں فقط حررہ محمد ابراہیم بن مولوی احمد ساکن جزیرہ جبشان۔ جواب بہت ہی صحیح ہے۔ عبد الرحمٰن بن عبد الکریم۔

جواب خطبہ جمعہ کا ہو خواہ کسی اور محل کا مقصود صرف وعظ و تذکیر ہے۔ پس اگر یہ وعظ تذکیر صرف عربی عبارت سے ہو سکے اور اس کو اکثر مخاطبین و حاضرین مجلس سمجھیں تو عربی پر اکتفا کرنا اولیٰ ہے اور اگر اکثر مخاطب عربی نہ سمجھیں تو اس کا ترجمہ ہندی میں اور دوسری زبانوں میں جو مخاطب سمجھیں ضروری ہے صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے کانت للنبی صلعم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس۔ نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے۔ فیہ دلیل للشافعی فی انہ یشترط للخطبۃ الوعظ والقراءۃ۔ جو لوگ ہندیوں میں جو عربی نہ سمجھتے ہوں صرف عربی خطبہ کو اکتفا کرنے کو واجب جانتے ہیں اور ترجمہ کرنے کو ناجائز کہتے ہیں وہ خطبہ کی حقیقت سے ناواقف ہیں اور مقصود شرع سے بے خبر ہیں اس باب میں ایک مفصل اشاعۃ السنۃ شائع ہوگا اس لئے اس مقام میں زیادہ تفصیل نہیں ہوئی۔ (ابو سعید محمد حسین)

ان الحکم الا للہ اگر کوئی شخص اس طور پر خطبہ پڑھے کہ اس میں عبارات عربی مثل آیات قرآنی اور احادیث اور ادعیہ ماثورہ کچھ نہیں ہوں تو یہ صورت جائز نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں کرے بلکہ عبارات عربیہ کو بھی پڑھے اور اس کے بعد اس کا ترجمہ کر دے تاکہ عوام الناس کو اس سے فائدہ پہنچے یہ صورت جواز کی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے۔ کانت للنبی صلعم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس۔ جب تک ترجمہ نہیں کیا جائے گا۔ تو عوام الناس کیونکر سمجھیں گے اور تذکیر کا اختصاص بھی آنحضرت صلعم کے ساتھ اس مقام میں کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کافی و وافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق العظیم آبادی عفی عنہ۔

ابو الطیب محمد شمس الحق	محمد اشرف عفی عنہ	ابو عبد اللہ محمد ادریس

(فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۷۱)

شرفیہ: خطبہ جمعہ کا مقصد حاضرین نمازیوں کی زبان میں ان کو اللہ و رسول کی باتیں قرآن پاک و احادیث صحیحہ سے سنانا ہے جس پر یہ حدیث دال ہے عن جابر بن سمرۃ قال کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینہما یقرأ القرآن ویذکر الناس رواہ مسلم مشکوٰۃ ص۱۲۳ ج(۱) اور یہ بدیہی امر ہے کہ تذکیر بلا تفہیم سامعین نہیں ہو سکتی اس لئے جو لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں عربی سے ان کی تفہیم کا حق ادا کرنا ناممکن ہے جب تک آیات قرآنی کا مطلب خود ان کی زبان میں ان کو نہ سمجھایا جائے لہٰذا ایسا خطبہ جس کو سامعین سمجھ ہی نہ سکیں فضول ہے اور خلاف شرع بھی کیوں کہ شارع علیہ السلام کا جو مقصد عظیم ہے وہ فوت ہو جاتا ہے لہٰذا دیسی زبان میں سمجھانا لازم ہے اور خلاف اس کا باطل۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: کوئی شخص فرض نماز ادا کرے اور سنت موکدہ یا غیر موکدہ ترک کر دے تو خدا کے پاس اس ترک سنت کا کیا مواخذہ ہوگا۔

جواب: سنتوں کی وضع رفع درجات کے لئے ہے۔ ترک سنن سے رفع درجات میں کمی رہتی ہے مواخذہ نہیں ہوگا انشاء اللہ (۱۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء)

شرفیہ: ترک سنن کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ گاہے بگاہے ترک ہو جائیں دوسری صورت یہ کہ ہمیشہ ترک کی جائیں اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ انکار ہے تو وہ اس حدیث کا مصداق ہوگا۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم من رغب عن سنتی فلیس منی متفق علیہ مشکوٰۃ ص۲۷ ج(۱)۔ دوسری حدیث میں ہے۔ ستۃ لعنتہم ولعنہم اللہ و کل نبی یجاب الی قولہ والتارک لسنتی مشکوٰۃ ص۲۲ ج(۱) دوسری صورت یہ کہ دوامی ترک بوجہ تساہل ہو بآیۃ شریفہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی (پ۳ع۱۰) کے خلاف ہے نیز دوسری حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول ما یحاسب العبد یوم القیامۃ من عملہ صلاتہ فان صلحت فقد افلح وانجح فان فسدت فقد خاب وخسر فان انتقص من فریضتہ شیء قال الرب تبارک وتعالیٰ انظروا ھل لعبدی من تطوع فیکمل بہا من الفریضۃ ثم یکون سائر عملہ علی ذالک الی آخرہ رواہ ابو داؤد وسکت علیہ ھو والمنذری

ورواه ایضاً ابوداؤد من روایۃ تمیم الداری رواہ باسناد صحیح وفی الباب عن انس عند الطبرانی فی الاوسط والضیاء فی المختارۃ قال فی السراج حدیث صحیح قالہ الشیخ کذا فی تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث مشکوٰۃ ص ۲۴۳ ج ۱ ۔
اور ایسے لوگ شاذ و نادر ہی ہوں گے جن کے فرائض میں کسی قسم کی کمی نہ ہو لہٰذا ترک سنن دوامی طور پر یا اکثری ہو سب باعث خسران ہے اعاذنا اللہ منہ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: قرآن مجید میں جو بعض آیتوں کے آخر میں یا بیچ میں لا۔ ج۔ ط۔ م، وغیرہ نشان منقوش ہیں اصول میں اس کی کیا دلیل ہے اور اس کے موافق تلاوت قرآن کرنی جائز ہے یا نہیں۔

جواب: ان الفاظ کی پابندی لازم نہیں کوئی پابندی کرے تو زیادہ سے زیادہ جائز ہے۔ (۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء)

تشریح: یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض مقام ایسے بھی ہیں کہ وہاں پابندی لازم ہے اور ترک سے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً۔ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ پ ۲۲ ع ۴ بہرحال عدم سے پابندی عام طور پر بہتر ہی ہے ہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قراء کی پابندی یا علم تجوید کا ثبوت حدیث سے نہیں تو جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ کی ترکیب و ترتیل و اوقاف وغیرہ بھی تو سارے قرآن کی حدیث سے کما حقہ ثابت نہیں اور کسی سورت یا چند آیات کے بیان سے سارے قرآن کی ترکیب و ترتیل و اوقاف وغیرہ کا ثبوت نہیں یہ تو قیاس ہوگا پھر اس کا یقین کیا کہ یہ قیاس صحیح ہے لہٰذا جس طرق سے ترکیب ہم تک پہنچی ہیں اس کی پابندی لازم ہے الا جہاں دلیل سے خلاف ہوگا وہاں پابندی نہ ہوگی اور بلا دلیل محض قیاس صحت نہ ہوگا اور علم تجوید کا انکار سخت غلطی اور مداہنت کا انکار ہے جسے کوئی عقلمند پسند نہیں کرے گا۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: وضو میں گردن کا مسح کرنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں۔

جواب: گردن کا مسح کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ (۶ محرم ۱۳۴۷ھ)

سوال: ظہر احتیاطی کیا ہے وہ کب پڑھنی چاہیئے۔

جواب: ظہر احتیاطی یہ ہے کہ جمعہ کے دوگانہ کے بعد چار رکعتیں اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ اگر جمعہ جائز نہ ہو تو یہ چار رکعتیں ظہر کی ہو جاویں یہ بدعت ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث

ہے نہیں فقہ کی معتبر کتاب درمختار میں بھی منع لکھا ہے۔ (۲۸ رمضان ۱۳۳۲ھ)

نوٹ: ۱۲ مارچ ۱۹۲۵ء کے اہلحدیث میں حضرت مرحوم کے اس فتویٰ پر مولانا محمد شفیق صاحب نے ایک طویل تعاقب فرمایا اور آیات قرآنیہ کی روشنی میں اس پر عالمانہ تنقید فرمائی ہے حضرت مرحوم نے مولانا محمد شفیع صاحب کے تعاقب پر جو فاضلانہ نوٹ دیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

اتباع نبی ہر طرح فرض ہے اس میں کوئی کلام نہیں مراتب احکام کا لحاظ بھی اتباع میں داخل ہے کیا مسواک اور فرض نماز دونوں باتباع نبی نہیں کئے جاتے لیکن ایک کا ترک جائز ہے بلکہ ہم روزانہ (فی وقت ما) کرتے ہیں مگر دوسرے (نماز) کا نہیں کرتے تو کیا اتباع سنت کے یہ معنی ہیں کہ مسواک کا ترک کسی حال میں جائز نہیں اب سنئے میری دلیل۔ عن ابی هريرة قال اتى اعرابى النبى صلى الله عليه وسلم فقال دلنى على عمل اذا عملته دخلت الجنة فقال تعبد الله ولا تشرك به شيئا وتقيم الصلوة المكتوبة (متفق علیہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا اللہ کی عبادت کرنے سے تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

هذا ما ادعيت فالحمد لله فافهم (۱۲ مارچ ۱۹۲۵ء) اسی فتویٰ پر دوسرا تعاقب از قلم مولانا عبید اللہ صاحب اہلحدیث ۲۶ جون ۱۹۲۵ء میں ملاحظہ فرمائیے۔ چونکہ حضرت الاستاذ مولانا شرف الدین صاحب دہلوی نے حق تنقید ادا کر دیا ہے اور حضرت مفتی مرحوم بھی بہترین فاضلانہ نوٹ ان تنقیدات پر حوالۂ قلم فرما چکے ہیں اس لئے ان تنقیدی مضامین کو حسب ارشاد حضرت مولانا شرف الدین صاحب مدظلہٗ چھوڑ دیا گیا ہے ۱۲۔ محمد داؤد راز۔

سوال: وضو میں برائے مسح کان اور سر کے لئے علیحدہ علیحدہ پانی لینے کا کیا حکم ہے۔

جواب: حدیث شریف میں ہے الاذنان من الراس یعنی کانوں اور سر کو پانی ایک ہی کافی ہے۔ (۱۲ صفر ۱۳۳۲ھ) هذا احد الوجهين والثانى بالماء الجديد وفيه الاحاديث المختلفة ولعل الراجح الثانى والبسط فى المفصلات كالنيل وغيره ۱۲ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: بحکم شرع مسافر کس کو کہتے ہیں کیسے شخصوں پر مسافر کی تعریف صادق آسکتی ہے۔

جواب: مسافر اس کو کہتے ہیں جو اپنے وطن سے نکل کر کسی دوسری بستی کو جائے

اس کی کم سے کم حد بحکم حدیث شریف تین میل ہے جو شخص گناہ کا سفر کرے وہ سفری رعایت کا حقدار نہیں مگر علماء حنفیہ اس کو بھی رعایت دیتے ہیں مثلاً کوئی شخص چوری کرنے جائے تو اس کو مسافر قرار دیتے ہیں لیکن محدثین اس کو شرعی مسافر نہیں کہتے پس شرعی مسافر وہ ہے جو کسی جائز غرض کے لئے وطن سے نکلے چاہے کسب معاش ہو یا کوئی اور وجہ۔ (۲۵ ربیع الاوّل ۱۳۵۲ھ) حد سفر و مسائل قصر وغیرہ کی تحقیق پیشتر حوالہ قلم کی جا چکی ہے وہاں ملاحظہ ہو۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: بعض حنفی دو مثل سایہ کے بعد عصر کی نماز پڑھتے ہیں اگر اہلحدیث بھی جو اسی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں دو مثل پڑھ لیا کریں تو کیا حرج ہے۔

جواب: ایسی صورت میں حنفیوں کو سمجھانا چاہئے کہ فقہ کی معتبر کتاب درمختار میں بھی امام ابوحنیفہ کا مذہب ایک مثل لکھا ہے بلکہ لکھا ہے کہ بموجب حدیث جبرئیل امام صاحب نے ایک مثل کی طرف رجوع کیا ہے نیز آج کل بیت اللہ شریف میں ایک ہی مثل پر عمل ہے اس لئے ہندوستان کے حنفیوں کو بھی ایک ہی مثل پر نماز عصر پڑھنی چاہیے اتنا کہہ سُن کر بھی اگر اثر نہ ہو اور علیحدگی میں تفرقہ کا اندیشہ ہو تو بحکم مصلحت دو مثل پڑھ لیا کریں (۱۳ شعبان ۱۳۲۱ھ)۔

سوال: دیوار پر یا ثابت ڈلا ہو اس پر تیمم کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے یا نہیں چونکہ دیوار یا ڈلے پر ضرب لگانے سے ہاتھوں کو مٹی بخوبی لگ جاتی ہے۔

جواب: جس جگہ مٹی لگ سکے تیمم جائز ہے دیوار ہو یا ڈلہ کچھ ہو۔ (۲۳ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ)

سوال: فی زمانہ کثرت سے رواج ہے کہ مسلم حصول انعام کے لئے مثلاً آپ شلاٹ فٹ بال کھیلا کرتے ہیں اور کھیلنے کے باعث عصر و مغرب کی نماز ترک کر دیتے ہیں پر قضا نماز پڑھ لیتے ہیں کیا یہ جائز ہے۔ (محمد مصطفیٰ)

جواب: نماز قضا کر کے پڑھنا بلا وجہ اچھا نہیں ہے کھیلنے والوں کو چاہیئے کہ پہلے

---

[1] مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں۔ وھو مسلک الشافعی واحمد ابن حنبل وابی یوسف ومحمد ابن الحسن رحمہم اللہ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ قال الامام الطحاوی وبہ ناخذ الخ تعلیق الصبیح ص ۲۷۲ ج ۱ ۔ ۱۲ (محمد داؤد راز)

افسروں سے تصفیہ کرلیں کہ نماز کے وقت کھیل کو چھوڑ دیں گے وہ اگر نہ مانیں تو ظہر کے ساتھ عصر ملالیں یا عصر کے ساتھ ظہر ملاکر جمع پڑھ لیں (۱۹ رجمادی الاخر ۱۳۶۲ھ)

تعاقب: آپ کے جواب پر کونسی قرآنی آیت یا حدیث صراحتاً یا اجمالاً دلالت کرتی ہے؟ تتبع احادیث سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حاجت کے وقت حضر میں جمع بین الصلوٰتین رفع حرج کے لیے جائز ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ جمع بین الصلوٰتین ان کی عادت مستمرہ نہ بن جائے چنانچہ باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین کی پہلی حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الفتح میں لکھتے ہیں قد ذهب جماعة من الائمة الى الاخذ بظاهر هذا الحديث فيجوز الجمع فى الحضر للحاجة مطلقاً لكن بشرط ان لا يتخذ ذالك عادة رضامندی افسران کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو ہم حاجت اور ضرورت کہہ کر نماز کو جمع کرنے کا حکم دیں اس کے علاوہ عام طور سے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے کھیل کھیلنے والے حضرات کھیل میں مشغولیت کے باعث اوقات صلوٰۃ کا قطعاً لحاظ نہیں کرتے ایسی حالت میں اگر ان کو جمع بین الصلوٰتین کا حکم دے دیا جاوے تو یقینی امر ہے کہ وہ اوقات صلوٰۃ سے صرف غفلت ہی نہیں بلکہ جمع بین الصلوٰتین ان کی عادت بن جائے گی (ش۔م اعظمی از جامعہ دارالسلام عمرآباد)

الجواب: جو شخص ملازمت کی صورت میں افسران کی خفگی کی پرواہ نہیں کرتا وہ بیشک وقت پر نماز پڑھے اور جو اس کو برداشت نہیں کرسکتا وہ بحکم الا ان تتقوا منهم تقاة اور بخاری شریف کی حدیث جمع بین الصلاتین پر عمل کرے تو جائز ہے هذا ما عندى والعلم عند الله (۱۰ رجب ۱۳۶۲ھ)

سوال: نماز پنجگانہ کا حکم قرآن میں کہاں ہے۔

جواب: أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اس آیت سے پنجگانہ نمازوں کا ثبوت علماء دیا کرتے ہیں اس کا ترجمہ ہے زوال سورج کے وقت نماز پڑھو رات کے اندھیرے تک یعنی عشاء تک چار نمازیں ہوئیں قرآن الفجر سے مراد صبح کی نماز ہے تفصیل حدیثوں میں آئی ہے (۲ صفر ۱۳۶۳ھ)

سوال: عیدگاہ میں منبر لے جانا کیسا ہے۔

جواب: عیدین میں منبر لے جانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں (۱۴ر فروری ۱۹۴۴ء)

سوال: ٹخنے سے نیچے پائجامہ رکھنے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔

جواب: ٹخنے سے نیچے پائجامہ رکھنا منع ہے مگر نماز یا وضو باطل نہیں ہوتا (۸ ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ)

تعاقب: حدیث شریف سے جو کہ مشکوٰۃ شریف کے باب الستر میں ہے صاف واضح طور سے ثابت ہوتا ہے کہ ٹخنے کے نیچے پائجامہ رکھنے سے نماز اور وضو دونوں باطل ہو جاتے ہیں وہ حدیث بایں الفاظ ہے عن ابی هریرة رضی الله عنه قال بینما رجل یصلی مسبل ازاره قال له رسول الله صلی الله علیه وسلم اذهب فتوضأ فذهب و توضأ ثم جاء فقال رجل یا رسول الله مالك امرته ان یتوضأ قال انه كان یصلی وهو مسبل ازاره فان الله لا یقبل صلاة رجل مسبل ازاره رواه ابو داؤد۔ اس حدیث کو امام مسلم بھی اپنی صحیح میں لاتے ہیں چنانچہ جناب حاجی سید محمد معظم صاحب اپنی کتاب "دستور المتقی معروف بصلوٰۃ النبی کے صـ ۲۹ میں تحریر فرماتے ہیں ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننے والوں کو از سر نو وضو کرنا چاہیے ایسا شخص ایک دن آنحضرتؐ کے سامنے نماز پڑھ رہا تھا آپ نے اس کی نماز تڑوا کر از سر نو وضو کرنے کا حکم فرمایا۔

(از کوٹہ راجپوتانہ)۔ (اہلحدیث ۲۹ ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ)

سوال: مسلمان تین طریق سے نماز پڑھتے ہیں اول بطریق اہلحدیث یا شافعی یا حنبلی، دوم بطریق حنفی، سوم بطریق مالکی یا شیعی ارسال ید سے کیا تینوں طریق پر نماز ہو جائے گی؟ اگر نہیں تو صحیح طریقہ کونسا ہے؟ اختلاف کب سے شروع ہوا؟ بانی کون تھا؟ خصوصاً طریقہ حنفیہ کا بلا رفع الیدین و آمین بالجہر۔ افسوس جمع احادیث سے اتنا فائدہ بھی نہ ہوا کہ نماز بطریق صحیح بلا اختلاف معلوم ہو جاتی۔ (قاسم علی لدھیانوی)

جواب: حدیث شریف میں ہے صلوا كما رأیتمونی اصلی (میری طرح نماز پڑھو) اس حدیث کے موافق جو فرقہ مطابق سنت صحیحہ کے پڑھے گا اس کی صحیح ہوگی۔ سنت صحیحہ کیا ہے؟ اس کی تحقیق آسان ہے کتب حدیث باب صفۃ الصلوٰۃ سامنے رکھ کر دیکھ لیں جس کی نماز اس باب کے مطابق ہوگی وہ صحیح ہوگی۔ اختلاف صحابہ کرامؓ کے ملکوں میں انتشار ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ حنفی طریقہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت پر مبنی ہے جس میں رفع یدین وغیرہ کا ذکر نہیں۔ حنفی عدم ذکر سے عدم شے سمجھتے ہیں اہلحدیث وغیرہ عدم

ذکر سے عدم شے نہیں سمجھتے یہ نتیجہ فہم کا ہے اس معمولی اختلاف سے آپ جمع احادیث پر افسوس کرتے ہیں تو اہل قرآن کے اختلاف پر کیا کہیں گے جو آج باوجود قرآن موجود ہونے کے اشد اختلاف میں پھنسے ہوئے ہیں ایک فریق پانچ پڑھتا ہے تو دوسرا تین ایک فریق دو رکعتیں پڑھتا ہے تو دوسرا ایک، ایک فریق دو سجدے کرتا ہے تو دوسرا ایک اسی طرح اشد ترین اختلافات ان اہل قرآن میں ہیں جو قرآن مجید کو یکجا جمع پاتے ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ قرآن مفصل اور مبین ہے۔ اصل یہ ہے کہ اختلافِ فہم بھی ایک حد تک موجب اختلاف عمل ہوتا ہے۔ جو اپنی حد پر رہے تو قابلِ معافی ہے (۸ جولائی ۱۹۳۲ء)

تشریح:۔ از قلم حضرت مولانا حمید اللہ صاحب سراوی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رفع الیدین کی بات یوں ہے کہ تکبیر تحریمہ میں اور رکوع جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متفق علیہ حدیث سے ثابت ہے لفظ یہ ہیں عن ابن عمر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع راسہ من الرکوع متفق علیہ سبل السلام مطبوعہ فاروقی جلد اوّل صفحہ ۱۰۴۔ اور یہ بات پہلے الحمد کے مسئلے میں بیان ہو چکی ہے کہ متفق علیہ حدیث کا درجہ صحت و قوت میں سب سے اعلیٰ ہے اس لئے علی بن مدینی نے کہا ہے کہ رفع الیدین کی حدیث سب کے اوپر حجت ہے کیونکہ اس کی سند میں کسی کو کوئی موقع کسی طرح کے عذر کا نہیں ہے دیکھو تلخیص صفحہ ۸۱۔ اور رفع الیدین کی حدیث صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بیہقی میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دار قطنی میں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابو داؤد میں اور حضرت عبد اللہ بن زبیر و عبد اللہ بن عباس و ابو موسے الاشعری و براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دار قطنی و نسائی و ابن ماجہ و بیہقی وغیرہ میں آئی ہیں دیکھو تلخیص صفحہ ۸۲۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ترمذی جلد دوم کتاب الدعوات صفحہ ۱۹۹ میں آئی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس قدر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رفع الیدین کی حدیث کے راوی ہیں غالباً کسی حدیث کے اتنے راوی نہ ہوں گے۔ ابن منذر نے کہا کہ اہل علم نے اس بات میں اختلاف نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کیا

کرتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں سے سترہ شخص سے رفع الیدین کی روایت آئی ہے۔ بیہقی نے تیس کی شمار کی ہے۔ حاکم نے کہا کہ اس روایت پر عشرہ مبشرہ کا اور دیگر بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اتفاق ہوا ہے۔ اور بخاری نے بیان کیا ہے کہ حسن بصریؒ اور حمید بن ہلال نے کہا ہے کہ تھے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے ان میں سے کسی... کو بھی مستثنیٰ نہیں رکھا۔ بخاریؒ کہتے ہیں کہ کسی صحابیؓ کی بابت یہ ثبوت نہیں ہوتا کہ وہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ اور بیہقی نے اس حدیث میں یہ لفظ بھی روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وفات تک اسی طور نماز پڑھتے رہے یہ سب بیان تلخیص صفحہ ۸۱ و ۸۲ و نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۶۸ میں ہے۔ آپ صاحبوں نے جو فرمایا کہ جیسے روایت عدم رفع کی اس کا تو حال یہ ہے کہ عدم رفع میں بہت اعلیٰ درجہ کی روایت ترمذی والی ہے جس کو امام ترمذی نے حسن بھی کہا ہے سو اس کا مقابلہ ایک تو یہ ہے کہ خود ترمذی نے اسی باب میں عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رفع یدین کی حدیث ثابت ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ والی حدیث عدم رفع یدین کی ثابت نہیں ہوئی پھر ترمذی نے اس پہ کچھ کلام نہیں کیا دیکھو ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۶۔ دوسرے یہ کہ ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم اور بخاری اور ابوداؤد اور دارقطنی اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ضعیف اور غیر ثابت کہا ہے دیکھو تلخیص صفحہ ۸۳۔ پس ایک دو امام کا قول اتنے اماموں کے مقابلے میں اور وہ بھی ایسے جو ترمذی کے استادوں کے استاد ہیں مستند نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری روایت محمد بن جابر کی سند سے ہے سو اس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کوئی شئے نہیں ہے۔ اور ابن جوزی نے کہا کہ موضوع ہے دیکھو تلخیص صفحہ ۸۳۔ غرض عدم رفع کی کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس کو دو چار حفاظ و ائمہ حدیث نے بھی صحیح کہا ہو اور دوسروں نے اس پر جرح نہ کی ہو۔ اور جب یہ حال ہے تو سنت یہی ہوا کہ رفع الیدین کیا جاوے اور اگر کوئی نہ کرے تو بوجہ دوسری جانب کی روایات ضعیف کے اس پہ کچھ اعتراض نہ کیا جاوے اور یہ جو آپ نے فرمایا کہ حسب روایات نسخ کے سو نسخ کی یہ بات ہے کہ معتمد و مستند حفاظ و ائمہ حدیث میں سے کسی نے رفع الیدین

کی حدیث کو منسوخ نہیں کہا ہے اور جس حدیث کو حنفی صاحب اس کا نسخ بتلاتے ہیں وہ التحیات کے بعد سلام کے بارے میں ہے۔ اس کو اس کے نسخ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ محمد بن اسمٰعیل امیر نے اور امام نووی نے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے۔ دیکھو سبل السلام جلد اول صفحہ ۱۰۴ و صحیح مسلم مع نووی جلد (۱) صفحہ ۱۸۱۔ اور تلخیص صفحہ ۸۲ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو اس رفع الیدین کو حدیث مسلم مالی اراکم رافعی ایدیکم الخ سے منسوخ بتلاتے ہیں ان کو علم کا کوئی حصہ نصیب نہیں ہوا چونکہ تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ وہ حدیث تشہد کے بعد سلام پھیرنے کے بارے میں ہے دیکھو تلخیص صفحہ ۸۲ پر الخ

حررہ عبیداللہ عفی عنہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ (فتاویٰ نذیریہ ج (۱) صفحہ ۲۵۹) [1]

تشریح: جس روایت سے حنفی استدلال کرتے ہیں یعنی ابن مسعودؓ کی روایت اس روایت میں تو پوری نماز ہی نہیں بیان کی گئی پھر ناقص شے سے استدلال چہ معنی اوّل تو روایت سند کے لحاظ سے صحیح نہیں دوم اس میں صرف اتنا ہے کہ ابن مسعودؓ نے کہا میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھاؤں پھر جب شروع کی تو اوّل رفع یدین ایک مرتبہ کیا پھر آگے قیام قراءۃ رکوع سجود قومہ جلسہ قعدہ تسبیحات وغیرہ کچھ بھی نہ کیا تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضور صلعم کی نماز بس اسی قدر تھی باقی قیام قراءت رکوع سجود وغیرہ سب منسوخ۔ اور اگر یہ مطلب کہ صرف رکوع و قومہ کے علاوہ رفع یدین کا نسخ مقصود تھا تو معلوم ہوا یہ امر صرف ابن مسعودؓ ہی کو معلوم تھا باقی ساری دنیا تمام صحابہؓ تابعینؒ ان کے خلاف تھے یہ امر بداہتہً باطل ہے اور اگر یہ بات ہے کہ رفع یدین اوّل ایک مرتبہ ہے بار بار یعنی دو تین چار بار نہیں تو اہل حدیث بھی اوّل میں ایک ہی بار کرتے ہیں پھر بوقت رکوع پھر بوقت قومہ پس اس سے تو ہر صورت سے استدلال باطل ہے ۱۲۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: کسی مسجد میں وقتِ معینہ پر مصلیوں نے نماز با جماعت ادا کر لی۔ پیچھے سے چند نمازی اور بھی مسجد میں آئے۔ تو وہ لوگ نماز جماعت سے ادا کریں یا فرداً فرداً پڑھ لیں۔ اور اگر نماز جماعت بنا کر پڑھیں۔ تو اس موقع پر اقامت کہنی چاہیے یا نہیں اس کے خلاف بعض علماء فرماتے ہیں۔ کہ اقامت ضروری نہیں ہے۔

---

[1] یہ مضمون ایک طویل سوال کے جواب میں ہے تفصیل کے لیے حوالہ مذکور دیکھو ۱۲ منہ راز

جواب : جماعت ثانیہ بلکہ ثالثہ رابعہ بھی جائز ہے۔ ترمذی میں حدیث ہے۔ آنحضرت صلعم کے سامنے جماعت ثانیہ ہوئی۔ تکبیر حاضرین کو جمع کرنے کے لئے ہے۔ کہے تو مستحب ہے (۲۵ / رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ)

علمائے کرام سے چند سوال

(۱) ستاروں کے ذریعہ سے جہت قبلہ کا متعین کرنا بدعت ہے یا نہیں؟ (۲) عین کعبہ قبلہ ہے یا جہت؟ اگر جہت کعبہ قبلہ ہے جیسا کہ جمہور علماء کا خیال ہے تو جہت سے کیا مراد ہے؟ جہت کا سارا حصہ مراد ہے یا حصہ وسطی؟ (۳) دور والوں کے لئے جہت کعبہ قبلہ ہے تو یہ حکم عذر پر مبنی ہے یا نہیں؟ اگر عذر پر مبنی ہے تو رفع عذر کے بعد جہت ہی قبلہ رہے گی یا عین کعبہ قبلہ ہوگا؟ (۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہؓ علم ہیئت سے واقف تھے یا نہیں؟ اور وہ لوگ تعیین کعبہ کس طرح کرتے تھے؟ تمام علماء سے عموماً اور مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولانا عبدالنور صاحب دربھنگوی سے خصوصاً التماس ہے کہ مسائل مذکورہ پر روشنی ڈالیں (حافظ عبداللہ)

اہلحدیث توجہ الی القبلہ میں بہت وسعت رکھی گئی ہے۔ فولوا وجوھکم شطرہ سے جہت ہی سمجھی جاتی ہے۔ حدیث ما بین المشرق والمغرب قبلۃ بھی وسعت جہت بتاتی ہے۔ اللہ اعلم۔ باقی کے لئے اور علماء کے جواب کا انتظار ہے۔ (۳۰ / محرم ۱۳۴۱ھ)

جواب طلب سوالات

ہم کو بدعتیوں نے بہت ستایا ہے کہتے ہیں ان سوالات کے جوابات ہم کو دے دو وہ سوالات درج ذیل ہیں مہربانی کر کے ان کے جوابات بذریعہ اخبار اہلحدیث دیویں۔ (محمد علی مدراس)

(۱) کیا رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دم اخیر تک نماز میں آمین زور سے کہتے رہے؟

(۲) کیا رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دم اخیر تک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین کرتے رہے۔

(۳) کیا رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دم اخیر تک امام کے پیچھے سورۃ

فاتحہ پڑھتے رہے۔

(۴) کیا رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دم اخیر تک سینہ پر ہاتھ باندھتے رہے الی آخرہ۔

اہلحدیث: ان سوالوں کے جوابات پہلے بھی دیے گئے ہیں یہ سوالات نہیں بلکہ جھتیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوال کرنے والے کو یہ بھی خبر نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں امام کون ہوتا تھا آپ لوگ جانتے ہیں کہ امام خود آنحضرتؐ ہوتے تھے پھر تیسرے سوال کا جواب ہم یا کوئی شخص کیا دے سکتا ہے غور سے دیکھئے تیرا سوال یہ ہے "کہ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے"! قربان جائیں اس فہم و فراست کے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کے نزدیک آنحضرت مقتدی تھے اور امام کوئی اور تھا جس کے پیچھے آپ نماز پڑھا کرتے تھے اسی لئے ہم نے کہا کہ یہ سوال کوئی سوال نہیں بلکہ جہالت کی جھتیں ہیں اب جوابات سنئے۔

(۱) بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصال تک آمین بالجہر کرتے رہے کتاب ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ آمین بالجہر کرتے رہے آپ کی آمین سن کر پہلے صف والے آمین کہتے پھر دوسری والے پھر تیسری والے علی ہذا القیاس ساری مسجد گونج اٹھتی یہ سارے الفاظ فعل دوام پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) کتاب ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک صحابی دس اصحاب میں بیٹھ کر کہتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کی نماز تم سے زیادہ جانتا ہوں جب بتائی تو اس میں رفع یدین بھی کی ان سب نے کہا "بیشک تو سچ کہتا ہے آنحضرتؐ نے ایسی ہی نماز پڑھی"! ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصال تک رفع یدین کرتے رہے۔

(۴) بے شک آنحضرتؐ نے سینہ پر ہاتھ رکھے جس کا ثبوت صحیح ابن خزیمہ کی روایت ہے پھر اس فعل سے منع نہیں فرمایا۔ ثابت ہوا کہ یہ فعل وصال تک کیا" فریق ثانی کو تسلیم نہیں تو دکھاتے کہ کب منع فرمایا۔ (اہلحدیث ۲ رجب ۱۳۴۵ھ)

الحمد للہ کہ فتاویٰ ثنائیہ کی کتاب الصلوٰۃ ختم ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس خدمت دین کو قبول فرما کر حضرت مولانا ثناء اللہ مرحوم کی روح کو اس کا

ثواب پہنچائے اور حضرت محشی استاذنا مولانا مولوی ابو سعید شرف الدین صاحب دہلوی مدظلہ، و دیگر حضرات علماء جن کے تشریحی مضامین اس میں درج ہوئے ان سب کو جزائے خیر عطا فرما کر ان سب کے لئے اور مؤلف کے لئے اس کو باقیات الصالحات کا درجہ عطا فرمائے اور اس میں جو لغزش بھول چوک سہو نسیان خطا ہو گئی ہو اسے معاف کرے۔

کیونکہ بنیاد شریعت صرف قرآن و سنت ہے ؎

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفےٰ ابرجان مسلم داشتن

ناچیز محمد داؤد راز عفی عنہ

(۲۲ رجب المرجب ۱۳۷۲ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب سوم

روزہ اور اس کے متعلقات

حضرت العلامہ مولانا مفتی ثناء اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اپنے اخبار گوہر بار میں عموماً سالانہ رمضان المبارک کے استقبال کے لئے خطبۂ مسنونہ درج فرمایا کرتے تھے۔ میں نے بھی مناسب جانا کہ کتاب الصیام فتاویٰ ثنائیہ کی افتتاح اسی مبارک نام یعنی خطبہ سے کی جائے امید کہ ناظرین حضرت مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کریں گے اور ناقل کو بھی اپنی نیک دعاؤں میں بالخصوص ماہ مبارک میں شریک رکھیں گے فقط (محمد داؤد راز)

خطبۂ رمضان

ناظرین اہل حدیث مسلمانوں کی ایک مستقل جماعت ہے اس لئے ان کو ہر سال خطبۂ رمضان شریف بغرض ادائے سنت سنایا جاتا ہے نیز جو نئے افراد خریداروں میں داخل ہوتے ہیں ان کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ خطبہ مسنونہ یہ ہے:

عن سلمان الفارسی قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اخر یوم من شعبان فقال یا ایہا الناس قد اظلکم شہر عظیم شہر مبارک شہر فیہ لیلۃ خیر من الف شہر جعل اللہ صیامہ فریضۃ وقیام لیلہ تطوعا من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ فیما سواہ ومن ادی فریضۃ فیہ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ وہو شہر الصبر والصبر ثوابہ الجنۃ وشہر المواساۃ وشہر یزاد فیہ رزق المؤمن من فطر فیہ صائما کان لہ مغفرۃ لذنوبہ

وعتق رقبتہ من النار وکان لہ مثل اجرہ من غیران ینتقص من اجرہ شی قلنا یارسول اللّٰہ لیس کلنا نجد مایفطر بہ الصائم فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعطی اللّٰہ ھذا الثواب من فطر صائما علی مذقۃ لبن او تمرۃ اوشربۃ من ماء ومن اشبع صائما سقاہ اللّٰہ من حوضی شربۃ لا یظما حتی یدخل الجنۃ وھو شھر اوّلہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ واٰخرہ عتق من النار ومن خفف عن مملوکہ فیہ غفرلہ واعتقہ من النار (مشکوٰۃ) ص۱۷۳ روی البیھقی فی شعب الایمان۔

یعنی سلمان رضی اللّٰہ عنہ کہتے ہیں کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ہم کو سنایا فرمایا اے لوگو تم پر ایک بہت ہی عظیم الشان بابرکت مہینہ آیا ہے۔ وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں کی رات سے بھی افضل ہے۔ خدا نے اس مہینے میں روزے رکھنے فرض کئے ہیں اور رات کو قیام کرنا نفل قرار دیا ہے، جو کوئی اس مہینے میں نفل نیکی کا کام کرے وہ ایسا ہوگا کہ اس نے اور دنوں میں گویا فرض ادا کیا اور جو اس مہینہ میں فریضہ ادا کرے وہ ایسا ہوگا کہ اور دنوں میں گویا اس نے ستر فریضے ادا کئے۔ وہ ماہ رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے وہ باہمی سلوک اور مروّت کا مہینہ ہے وہ ایسا مہینہ ہے کہ مومن کا رزق اس میں بڑھ جاتا ہے (یعنی روزہ دار اس دنیا میں بھی خوب کھاتا ہے اور قیامت کے روز بھی اس کی برکت سے خوب نعمتیں پائے گا) جو کوئی اس مہینے میں روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے گناہوں کی بخشش ہوگی اور آگ سے نجات ملے گی اور اس کو روزہ دار جتنا ثواب ملے گا یہ نہیں کہ روزہ دار کی افطاری کے لئے بہت کچھ سامان چاہئے۔ اس لئے ہم (صحابہ) نے عرض کی حضور ہم میں سے ہر ایک مقدرت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کی افطاری کرا سکے۔ حضور نے فرمایا اللّٰہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو بھی دے گا جو روزہ دار کو دودھ کی تھوڑی لسی یا پانی پلا دے (کیونکہ خدا کے یہاں نیت کا اجر ہے) جو کوئی روزہ دار کو ٹھنڈا شربت پلائے یا پیٹ بھر کر کھانا کھلائے خدا اس کو میرے حوض کوثر سے شربت پلائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ سارے حشر میں جنت میں داخل ہونے تک کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ یہ ماہ رمضان ایسا ہے کہ اس کا شروع حصہ رحمت ہے۔ درمیانی حصہ بخشش ہے آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے۔ جو کوئی اس

مہینے میں اپنے کارکن کے کام میں تخفیف کرے یعنی معمول سے کام کم کرائے خدا اس کو بخش دے گا۔ اور اس کو جہنم کے عذاب سے نجات دے گا۔

مدیر- خاکسار مدیر کی اُمید بے جا نہ ہو گی کہ ناظرین اہلحدیث افطار صیام کے وقت جملہ برادری ناظرین اہل حدیث کو عموماً اور خاکسار خادم مدیر کو خصوصاً ملحوظ رکھ کر حسن خاتمہ اور دفع ہم وغم کی دعا کریں۔ اللّٰھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الاخرۃ۔ ۵ نومبر ۱۹۳۷ء

اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ وادخلہ الجنۃ الفردوس برحمتک یا ارحم الراحمین آمین۔ (راز)

روزہ کی حکمت

(از مولوی عبدالرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ کوٹ رادھاکشن ضلع لاہور)

الحمد للہ! جملہ اہل اسلام کو ماہ رمضان مبارک ہو۔ خاکسار جیسا ہیچمدان ماہ رمضان کی فضیلت کو لکھے تو کیا لکھے جب کہ اس بابرکت ماہ میں از روئے آیہ کریمہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ فرقان حمید جیسی کتاب مبین کا نزول ہو- گویا اس پاک مہینے میں خداوند عالم نے اپنے فضل وکرم سے اپنے بندوں پر اپنی برکات کبیرہ اور انعامات کثیرہ کے باب کھلوا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کی جس قدر برکتیں اس کے بندوں پر نازل ہوتی ہیں اتنی کسی اور مہینے میں نازل نہیں ہوتیں۔ صوفیائے کرام نے ماہ رمضان کو تنویر القلب کے لئے مفید لکھا ہے کہ اس میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں اور نماز تزکیہ نفس کرتی ہے۔

الحمد للہ! اسلام نے ماہ رمضان کے اس عالمگیر فیض کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی ماہ میں روزوں کا انضباط کیا۔ جب کہ روزہ تمام عملیات کے ثوابات سے زیادہ ثواب رکھتا ہے اور بلحاظ اپنی نوعیت کے جملہ عبادات الٰہیہ سے بے نظیر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ روزہ تزکیہ نفس کے حق میں اکسیر اور عذاب دوزخ سے نجات دلانے کے لئے ڈھال کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ یعنی ماہ رمضان کے روزے انسان کے لئے عذاب دوزخ سے بچانے کیلئے ڈھال ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان روزہ رکھنے

تمام قسم کے گناہوں سے خلاصی پالیتا ہے۔ اگر روزہ کے حقیقی معنوں پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بخوبی ذہن نشین ہو جائے گی کہ روزہ انسان کو کس طرح تمام گناہوں سے پاک و صاف کر دیتا ہے

روزہ کو عربی زبان میں صوم کہتے ہیں اور صوم کے معنے عربی لغت میں رکنے خاموش رہنے اور بند ہونے کے ہیں۔ وجہ یہ کہ صایم کو حالت صوم میں اکل و شرب اور جماع وغیرہ سے رکنا پڑتا ہے۔ اور گلہ وغیبت واہیات و خرافات سے اور دیگر ہر قسم کے باطل امورات سے اجتناب کرنا لازمی امر ہوتا ہے۔ ورنہ اس کا روزہ خدا کے ہاں کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ بلندی کے معنے اس لئے کہ روزہ خدا کی بارگاہ میں تمام عبادتوں سے زیادہ بلند درجہ رکھتا ہے پس ثابت ہوا کہ روزہ دار کو روزہ کی مذکورہ بالا پابندیاں واقعی ایک زاہد و پارسا بنا دیتی ہے۔ اور یہ روزہ کا ایک بڑا بھاری معجزہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے روزہ کی علت غائی یوں بیان فرمائی۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی حکم ہوا تم پر روزہ کا جیسے کہ حکم تھا تم سے پہلی قوموں پر (پھر فرمایا) روزہ رکھنے کا امر اس لئے نازل ہوا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اللہ اکبر خداوند کریم کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو محض متقی بنانے کی خاطر روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ القصہ روزہ ہمارے لئے بیشمار فوائد رکھتا ہے جن کی تفصیل کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہم نہایت اختصار سے اس کی خوبیاں و حکمتیں ذیل میں لکھ کر دشمنان اسلام کو یہ دکھاتے ہیں کہ ہمارا اسلامی روزہ کتنی بڑی حکمت پر مبنی ہے

(۱) انسانی فطرت اس بات کو چاہتی ہے کہ نفس ہمیشہ عقل کے ماتحت رہے۔ چونکہ روزہ میں نفس کی کسی خواہش کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی بلکہ اس کی ہر تمنا کو دبانا روزہ دار کا فرض اولین ہوتا ہے لہٰذا نفس امارہ عقل کی ماتحتی میں بخوشی کام کرنے لگ جاتا ہے۔

(۲) انسان احسان فراموش واقع ہوا ہے۔ ہم دن رات اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے پیتے ہیں لیکن شکر گذاری کا نام تک نہیں لیتے۔ اور یہ امر مسلمہ ہے کہ اگر کسی کی کوئی محبوب و مرغوب چیز کچھ عرصہ تک گم رہے تو اس کو اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ یہی حال روزہ دار کا ہے۔ سارا دن کھانا پینا متروک ہونے کی وجہ سے اس کو شام کے وقت قدر معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حقیقی شکر گذار رہتا ہے

(۳) چونکہ انسان کو روزہ میں بھوکا پیاسا رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے اس میں مسکینی و

فقراء کے ساتھ حقیقی مروت وہمدردی کرنے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ جن امراء نے کبھی بھوک پیاس دیکھی ہی نہیں وہ غرباء کے احوال سے کب آشنا ہو سکتے ہیں بقول حافظؒ ؎

کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

(۴) عشق ومحبت کے اس تقاضے کو ایک عاشق بخوبی جانتا ہے کہ جب یاد معشوق اس کو بیقرار کر دیتی ہے تو وہ کھانے پینے کو ترک کر دیتا ہے۔ دنیا کی دلکش سے دلکش چیزیں موجود ہوتی ہیں مگر عاشق کا دل کسی کو بھی نہیں چاہتا۔ یہی حال روزہ میں روزہ دار کا ہے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی محبت اور جبروت وعظمت حضرت انسان کو اکل وشرب کا صحیح تارک بنا دیتی ہے کیا اس سے زیادہ کوئی اور عشق ومحبت ہو سکتی ہے جب کہ حضرت انسان محض اللہ تعالیٰ کے سبب ماہ رمضان کے آنے پر ان نعمائے الٰہی کو ترک کر دیتا ہے جن کو کہ وہ اس سے پہلے دن رات کھانے پینے کا عادی تھا۔

(۵) علم النفس کے ماہرین اس مسئلہ کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ قدرت نے انسان میں قوا اس ترکیب سے رکھے ہیں کہ ایک قوت کی مدد سے دوسری قوت تربیت پاتی ہے اگر اس قدر اصول وقانون پر روزہ کی حقیقت کو دیکھا جائے تو روزہ میں سو بات کی ایک بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب حالت روزہ میں حکم اللہ کے مطابق حلال چیزوں کو چھوڑ دینے کی طاقت ترقی پالیتی ہے پھر اس کی مدد سے حرام اشیاء کو ترک کرنے کی قوت خود بخود ہی تربیت پا جاتی ہے کیونکہ یہ تو غیر ممکن ہے جو شخص خوف الٰہی سے حالت روزہ میں حلال اشیاء کو ترک کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہے وہ حرام چیزوں اور دیگر ہر قسم کے امور ممنوعہ کو نہ چھوڑے۔

(۶) چونکہ روح اور جسم میں ایک خاص تعلق ہے اس لئے اطباء نے جہاں جسم کو سال میں ایک دفعہ مسہل دیا جانا ضروری خیال کیا ہے وہاں طبیب حقیقی نے بھی روح کے لئے سال کے بعد ایک بار روزہ کا مسہل فرض کیا تاکہ مواد فاسدہ اور غلیظ خلطیں جمع ہو کر جسم و روح کو خراب نہ کریں۔

(۷) مخالفین اسلام اکثر اوقات یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسلمان روزہ رکھ کر یونہی بھوکے پیاسے مرا کرتے ہیں بھلا اس میں کیا فائدہ ہے سو عرض ہے کہ بھوکا و پیاسا رہنا حضرت انسان کے لئے زحمت نہیں بلکہ رحمت ہے۔ حکماء سے جا کر پوچھ لیجئے

گا کہ انسان کو کئی ایک بیماریاں ایسی لاحق ہوتی ہیں جن کا علاج صرف بھوک پیاس ہی ہوتا ہے اور بس۔

(۸) جس طرح جسمانی صحت کے لیے اطبا نے بھوک پیاس کو مفید خیال کیا ہے ایسا ہی زاہدوں اور عابدوں نے بھوک کو تزکیہ نفس وصفائی قلب کے لئے اکسیر ثابت کیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔

(الف) الجوع سید العمل۔ یعنی بھوک تمام عملوں کی سردار ہے۔

(ب) الجوع مخ العبادۃ۔ یعنی بھوک تمام عبادتوں کا مغز ہے۔

(ج) الجوع طعام الانبیاء یعنی بھوک نبیوں کی خوراک ہے۔

(د) طھروا قلوبکم بالجوع لتنظروا الی عظمۃ اللہ تعالیٰ۔ یعنی تم اپنے دلوں کو بھوک سے صاف کرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت وجبروت کو دیکھ سکو۔ [1]

الغرض بھوک و پیاس تزکیہ نفس کے لیے ایک کامل ذریعہ ہے جس کا نبیوں کے علاوہ رشیوں اور منیوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔ (۱۲ جون ۱۹۲۵ء)

سوال: بچہ کو دودھ پلانے کے زمانہ میں کیا رمضان کے روزے کی قضا لازم ہے یا فدیہ ادا کرنے سے فرض کی ادائی ہو سکتی ہے؟ اگر دوسرے رمضان تک روزے کی قضا پوری نہ کر سکے بوجہ کمزوری بچہ یا اندیشہ علالت تو ایسی صورت میں فدیہ ہو سکتا ہے اگر ہو سکتا ہے تو اس کی مقدار کیا ہوگی؟

جواب: مرضعہ کو ضعف شدید ہو۔ مقوی غذائیں کھانے سے بھی جس کی تلافی نہ ہو سکے تو روزہ ملتوی کر دے۔ اگر بچہ شیر گائے پی سکے تو اس کا دودھ چھڑا دے۔ قال اللہ تعالیٰ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اگر وہ بہت کمزور ہے تو طعام مسکین فدیہ دیدے یعنی روزانہ ایک سائل کو کھانا کھلا دے۔ پ ۲ ع ۱۴۔ (الجحدیث ۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ)

سوال: زید کہتا ہے کہ رمضان وغیر رمضان میں ماسوا گیارہ رکعتوں معہ وتر کے آنحضرت سے ثابت نہیں۔ بایں وجوہ شب قدر نوافل پڑھنا جائز نہیں۔ بلکہ سو جا سکتے ہیں۔ عمر کہتا ہے

---

[1] راقم مضمون نے ان روایات کو بغیر حوالہ ہی نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (محمد داود راز)

کہ یہ امر صحیح ہے مگر شب قدر جس کے فضائل حدیثوں میں کثرت سے موجود ہیں منجملہ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک رات کی عبادت ہزار راتوں کے برابر ہے۔ خصوصاً رمضان میں نوافل کا درجہ فرائض کے برابر ہے اس لئے نوافل کا پڑھنا ازبس ضروری ہے۔ کیا شب قدر میں تراویح کے علاوہ علیحدہ علیحدہ نوافل پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (ایک خریدار)

جواب: نوافل پڑھنے کے لیے کوئی وقت مخصوص نہیں ہے حدیث شریف میں عام ارشاد ہے کہ بندہ نفل پڑھنے سے خدا کا مقرب ہو جاتا ہے اس لئے تراویح کے علاوہ ہر رات نفل پڑھنے جائز ہیں بحکم مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّہٗ شب قدر ہو یا دوسری طاق راتیں ہوں اس کام کے لیے سب برابر ہیں بحکم حدیث اِنما الاعمال بالنیات صورت مسئولہ بھی جائز ہے منع کی کوئی وجہ نہیں۔ اللہ اعلم (اہلحدیث ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ)

سوال: زید سے بوجہ مرض پندرہ روزے چھوٹ گئے تھے۔ بر بنائے لاعلمی بیوی زید مذکور نے کل بقیہ روزے خود رکھ لئے۔ اب زید سوال کرتا ہے کہ آیا مجھے کیا حکم ہے کیا روزے رکھنے ہی پڑیں گے یا معاف ہیں یا مسکینوں کو طعام دینے سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔ (خریدار)

جواب: صورت مرقومہ میں زید کی طرف سے روزے کوئی دوسرا نہیں رکھ سکتا تندرست ہے تو ہر حالت میں اسے رکھنے پڑیں گے اور اگر ضعیف ہے تو پندرہ روزوں کے بدلے پندرہ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ بحکم قرآن مجید فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ (پ ۲)

(اہلحدیث ۲۰ رمضان ۱۳۶۲ھ)

شرفیہ: یہ حکم پیر فرتوت یعنی بوڑھے پھونس کے لئے ہے مرد ہو یا عورت کذا قالہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کما فی صحیح بخاری۔ یہ اس کے لئے ہے جس کی روزے پر قوی ہونے کی قطعاً امید نہیں اور کے لئے نہیں ہے۔ بحکم فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ بعد صحت و قوت قضا کرنا لازم ہے۔ (ابو سعید شرف الدین)

سوال: حاملہ یا مرضعہ روزہ ترک کر دے (ترمذی) قضا کا ذکر نہیں وَالْعَافِیَۃُ عَمَّنْ سُکِتَ نیز ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ زیر نظر رکھتے ہوئے جواب عطا فرمائیں (سائل مذکور)

جواب: حاملہ اور مرضعہ بیمار کے حکم میں ہیں اس لئے فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ کا حکم ان کو بھی شامل ہے۔ (اہل حدیث ۳۰ رمضان ۱۳۶۲ھ)

تشریح: دودھ پلانیوالی اور حمل والی عورت اگر روزہ نہ رکھ سکے تو وقت پر روزہ توڑ کر بعد کو قضا

کریں۔ اس بارے میں بہت سے احادیث اور آثار وارد ہیں ان میں سے کچھ دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے عن انس بن مالک الکعبی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ وضع من المسافر شطر الصلوٰۃ والصوم عن المسافر و عن المرضع والحبلی رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔ انس بن مالک الکعبی سے مروی ہے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نصف نماز اٹھا لیا ہے اور روزہ مسافر اور دودھ پلانے والی اور حمل والی عورت سے اٹھا لیا۔

آیۃ کریمہ اور حدیث میں بالتصریح یہ بات ظاہر ہے کہ مسافر کو بعد مقیم ہو جانے کے روزہ قضا کرنا چاہیئے اور جب مرضع کا عطف مسافر پر ہے اور حبلی کا مرضع پر تب مرضعہ اور حاملہ کو بھی مسافر پہ قیاس کیا جائے گا۔ موطا امام مالک میں حاملہ کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں قال مالک واهل العلم یرون علیها القضاء کما قال اللہ عزوجل فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ویرون ذلک مرضا من الامراض مع الخوف علی ولدها۔ امام مالک نے کہا اور اہل علم روایت کرتے ہیں کہ حاملہ پر روزہ کی قضا ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا مسافر پس گنتی ہے دوسرے دنوں سے۔ روایت کرتے ہیں کہ وہ جمیع امراض سے ایک مرض ہے ساتھ خوف کرنے اولاد اپنی سے یعنی حاملہ بمنزلہ مریض کے ہے اور مریض کو جب بعد المرض روزہ فوت شدہ کو قضا کرنا چاہیئے تو اسی طرح حاملہ کا بھی حال ہے۔ تفسیر خازن میں آیت مذکورہ کے تحت میں ارقام فرماتے ہیں "الحامل والمرضع اذا خافتا علی ولدیهما افطرتا وعلیهما القضاء والکفارۃ" یعنی حمل والی اور دودھ پلانے والی جب اپنی اولاد پر خوف کریں تو افطار کریں اور ان دونوں پر قضا اور کفارہ ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ بخاری شریف کے جزء اٹھارویں میں ارشاد فرماتے ہیں وقال الحسن وابراهیم فی المرضع والحامل اذا خافتا علی انفسهما او ولدهما تفطران وتقضیان۔ یعنی دودھ پلانیوالی اور حمل والی کے بارہ میں حسن بصری اور ابراہیم نے کہا کہ وہ دونوں اگر اپنے نفس پر یا ان کی اولاد پر خوف کریں تو افطار کرلیں۔ اور بعد کو وہ روزہ قضا کریں۔ اسی کے ماتحت میں ابن حجر فتح الباری میں حسن بصری سے روایت کرتے ہیں قال المرضع اذا خافت

علی ولدھا افطرت واطعمت والحامل اذا خافت علی نفسھا افطرت وقضت وھی بمنزلۃ المریض (ترجمہ) حسن بصریؒ نے کہا دودھ پلانے والی جب خوف کرے اپنی اولاد پر تو افطار کرے اور مسکین کو کھانا کھلاوے اور حاملہ جب اپنے جی پر خوف کرے تو افطار کرے اور بعد کو قضا کرے اور وہ بمنزلہ مریض کے ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ حاملہ بمنزلہ بیمار کے ہے۔ اور بیمار کے بارہ میں خداوند کریم صاف فرماتا ہے فعدۃ من ایام اخر یعنی مریض اگر رمضان شریف میں روزہ نہ رکھ سکے تو پیچھے کو قضا کرے۔ علامہ شمس الحق صاحب فاضل عظیم آبادی عون المعبود شرح ابی داؤد میں حدیث مذکورۃ الصدر کے تحت بیان فرماتے ہیں۔ الحامل والمرضع یفطران ابقاء علی الولد ثم یقضیان ویطعمان من اجل ان افطارھما کان من اجل غیر انفسھما۔ حاملہ اور مرضعہ ان کی اولاد کو باقی رکھنے کے لئے افطار کریں پھر قضا کریں اور کھانا کھلائیں۔ اس لئے کہ ان دونوں کا افطار غیر کے لئے ہے۔ اب رہا وہ قول جو کہ سبل السلام میں ابن عباس اور ابن عمر سے مروی ہے کہ الحامل والمرضع انھما یفطران ولا قضاء حامل اور مرضعہ کے بارہ میں عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ وہ دونوں افطار کریں اور ان پر قضا نہیں ہے۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت قرآنی اور حدیث نبوی رہتے ہوئے قول صحابی ہمارے لئے حجت نہیں ہے الخ (راقم محمد عزت اللہ غفرلہ اللہ از جمال گنج ۸ ۲ رجمادی الثانی ۱۳۴۳ھ)

سوال : زید بیسویں رمضان کو صبح کی نماز پڑھ کر اعتکاف میں بیٹھ گیا۔ آیا اس کا یہ فعل سنت کے مطابق ہے ؟　　　(عبدالحمید از قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ)

جواب : اکیسویں شب مغرب کے بعد اعتکاف بیٹھ جانا چاہیئے۔ یہی سنت ہے۔
(اہلحدیث ۹ رشوال ۱۳۶۵ھ)

شرفیہ : حدیث صحیح میں نماز صبح کے بعد ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان یعتکف صلی الفجر ثم دخل معتکفہ متفق علیہ کذا فی بلوغ المرام۔ یہ ہوگا کہ بیسویں کی صبح کی نماز کے بعد اعتکاف میں بیٹھ جائے۔ تاویل لغو ہے۔　　　(ابو سعید شرف الدین)

تشریح : از قلم حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم دہلی۔

پہلے روزہ کی نیت کرنی ضروری ہے۔ فرضی روزہ کی نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے فجر سے پہلے اس کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی شریف) نیت کہتے ہیں ارادۂ قلب کو زبان سے کوئی مروجہ لفظ بصوم غد وغیرہ کہنے کی کوئی دلیل قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانا باعث برکت اور ثواب عظیم کا موجب ہے۔ مومن کے لئے بہترین سحری کھجور ہے یعنی کھجور ضرور کھانی چاہئے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ جابجا مساجد میں سحری کی اذان کا اہتمام کیا جائے۔ جو اذان فجر سے کچھ وقت پہلے ہو۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سحری اور نماز پڑھنے کا درمیانی وقفہ پچاس آیات پڑھنے کے برابر ہوتا تھا۔ اگر سحری کھاتے ہوئے صبح کی اذان ہو جائے تو اپنے لقمہ اور حاجت کو جلدی پورا کر لینا چاہئے (مشکوٰۃ ترمذی) روزہ کی حالت میں غیبت۔ چغلی جھوٹ سے بچو۔ فحش بے حیائی۔ بدگوئی سے احتیاط کرو۔ جو شخص جھوٹے قول عمل اور عقیدہ کو نہیں چھوڑتا۔ اللہ کو اس کے روزہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی روزہ دار سے لڑنے جھگڑنے لگے تو روزہ دار کو چاہئے کہ اس کی بات کا کوئی جواب نہ دے بلکہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔ احتلام ہو جانے سے۔ خود بخود قے آنے سے۔ مسواک کرنے سے۔ سرمہ۔ تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (ترمذی شریف) سورج غروب ہوتے ہی افطاری کا وقت ہو جاتا ہے۔ روزہ تر کھجوروں سے اگر تر نہ ملیں تو خشک سے ورنہ پانی سے افطار کرنا سنت ہے۔ حدیثوں میں روزہ کھولتے وقت یہ دعا پڑھنی آئی ہے: اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ (مشکوٰۃ المصابیح) اس دعا میں چند الفاظ وَبِكَ اٰمَنْتُ وغیرہ لوگوں نے جو مار رکھے ہیں حالانکہ وہ بے ثبوت ہیں۔ ایک مسلمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھلائے ہوئے اور بتائے ہوئے الفاظ بس کافی ہیں۔ دین میں ایجاد اور زیادتی کا نام ہی تو بدعت اور غلو ہے۔ خدا ہر مسلمان کو ان دونوں چیزوں سے محفوظ رکھے۔ روزہ کھولنے کے بعد یہ دعا بھی سنت ہے۔ ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ (ابوداؤد شریف) جو شخص کسی روزہ دار کو کھانا کھلائے تو روزہ دار کہے اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ (ابن ماجہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں رات کو گیارہ رکعتیں نفل

یعنی تراویح معہ وتر پڑھا کرتے تھے۔ یہی سنت اور زیادہ اجر فضیلت کا موجب ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ رکعتیں مقرر کرلینا۔ ہمیشہ بیس رکعت پڑھنا اور سنت سمجھنا خلاف ہے یہ کسی حدیث نبوی سے بسند صحیح کہیں ثابت نہیں۔

رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں (۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹) میں سے ایک شب قدر ہوتی ہے۔ اس میں بکثرت تلاوت قرآن۔ ذکر الٰہی تسبیح تہلیل اور خدا کی عبادت نہایت شوق وذوق سے کرنی چاہئے۔ کیونکہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ شب قدر میں گناہگاروں کی گریہ وزاری۔ توبہ استغفار عبادت کی رغبت دیکھنے کے لئے مسلمانوں سے ملاقات اور مصافحہ کرنے کے لئے جبرئیل علیہ السلام معہ فرشتوں کے زمین پر آتے ہیں۔ مزاروں، خانقاہوں، یا جس گھر میں نشے کی چیز ہو۔ نشہ باز شخص ہو۔ باجے اور تصویریں ہوں۔ وہاں فرشتے نہیں جاتے۔ شرابی۔ ماں باپ کا نافرمان مسلمانوں سے بغض وبیر رکھنے والا اس رات میں بھی بخشش سے محروم رہتا ہے اس رات میں یہ دعا پڑھنی سنت ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (مشکوٰۃ) اعتکاف کرنا نہایت ثواب کی بات ہے۔ مرد عورت دونوں کیلئے اعتکاف کرنا جائز ہے۔ اکیسویں شب مسجد میں رہ کر نماز صبح کے بعد اعتکاف کی جگہ داخل ہونا چاہیے اور مسجد کے گوشہ میں خلوت اختیار کر کے ذکر الٰہی۔ تسبیح تہلیل۔ تلاوت قرآن۔ احادیث کا مطالعہ وغیرہ عبادات صبح وشام ہر وقت کرتے رہیں۔ پاخانہ پیشاب یا اور کسی ضرورت شدیدہ کے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلیں۔ اعتکاف عید الفطر کے چاند ہونے تک کریں۔ (بخاری ابن ماجہ)

صدقۃ الفطر روزوں کی طہارت ہے۔ ہر مسلمان مرد وعورت چھوٹے بڑے امیر غریب آزاد وغلام لونڈی پہ کھجور۔ کشمش۔ پنیر۔ گیہوں۔ جو کا ایک صاع (جو بحساب انگریزی تقریباً پونے تین سیر ہوتا ہے) واجب وفرض ہے۔ یہ نماز عید سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔ نماز کے بعد دینے سے صدقۃ الفطر ادا نہ ہوگا۔ فطرہ میں غلہ دینا افضل صورت ہے۔ قیمت بھی جائز ہے۔ اور گیہوں کا آدھا صاع بھی درست ہے (بلوغ المرام)

لوگوں میں رمضان کے آخری جمعہ کو رسم الوداع مروج ہے اور وہ اس دن روزہ چھوڑ کر حلیم وغیرہ کھانے کے لئے گاؤں سے شہروں میں آتے ہیں۔ حالانکہ خدا ورسول نے کہیں

ایسا حکم نہیں فرمایا۔ مسافر و مریض اور حائضہ کو ایام سفر میں مرض اور حیض میں روزہ معاف ہے۔ مگر دوسرے دنوں میں قضا واجب ہے۔ حاملہ۔ مرضعہ۔ دائم المریض بوجہ تکلیف روزہ نہ رکھ سکے تو ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ میت کے فوت شدہ روزے اس کے وارث رکھ لیں۔ یا ہر روزہ کے عوض مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ صدقۃ الفطر زکوٰۃ کی طرح نظام کے ماتحت بیت المال میں جمع ہونا چاہیئے۔ جہاں بیت المال قائم نہیں ہے وہاں اس کا عمل میں آنا ضروری ہے تاکہ وقتاً فوقتاً دینی امور کی انجام دہی اور قوم کے غرباء و فقراء۔ اہل حوائج پر امام اس بیت المال کو خرچ کرتا رہے۔ دراصل اسلام کا اہم مقصد زکوٰۃ اور صدقات نکالنے سے یہی ہے کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں اور پھر قوم کی مفلسی و ناداری پر خرچ کرکے قوم کو بحال کیا جاوے زمانہ خیر میں زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے لئے امام وقت اور بیت المال کا قیام نہایت ضروری سمجھا گیا تھا۔ فقط والسلام۔

(۱۰/ اگست ۴۵ء)

سوال: رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے اذان دے سکتے ہیں یا نہیں اگر دیں تو سنت کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ (دین محمد ساکن جبو دسا)

جواب: اذان دے سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح صادق سے پہلے اذان اس لئے دیتے ہیں کہ تم نماز تہجد کے لئے اٹھ سکو۔ (اہلحدیث شوال ۱۳۶۵ھ)

سوال: ایک شخص کہتا ہے کہ روزہ دار اگر بطور علاج دوائی کا ٹیکہ لگوالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ دوائی کا دخول براہ دہن معدہ میں نہیں ہے۔ اور اگر اسی طرح تمباکو منہ میں رکھا جائے اور اس کا رس باہر تھوک دیا جائے تو پھر بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ جس طرح دوائی کے کھانے پینے سے روزہ فاسد ہوتا ہے اسی طرح ٹیکہ سے بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ دونوں میں سے کون حق پر ہے؟ (فقیر محمد اشرف از قلعہ میہاں سنگھ)

جواب: صورت مرقومہ میں تمباکو سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ ٹیکہ سے نہیں کیونکہ تمباکو کا اثر تھوک کے ذریعے بے خبری میں معدہ میں ضرور جاتا ہے جس کو انسان روک نہیں سکتا۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۲۔ شوال ۱۳۶۵ھ)

سوال: اگر کوئی آدمی اپنی عورت سے روزہ کی حالت میں مباشرت کرتا ہوا محتلم ہوگیا تو اس کا روزہ رہا یا نہیں؟

جواب : روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کے بدلے میں ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۲۷ صفر ۱۳۶۵ھ)

سوال : اگر نماز عید کا خطبہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے ادا کیا جائے تو اس کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ ۔ (غلام نبی سرینگر)

جواب : جائز ہے۔ ہمارے ہاں عیدگاہ میں یہی سب میں یہ آلہ لگایا جاتا ہے۔ (اہلحدیث ۲۳ شوال ۱۳۶۵ھ)

سوال : صحابہ کرام میں کسی صحابی نے بیس رکعت تراویح پڑھی ہیں کہ نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب : انفرادی طور پر بعض صحابہ نے بیس بھی پڑھی ہیں۔ چالیس بھی پڑھی ہیں مگر جماعت آٹھ ہی کی ہوتی تھی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی نے تراویح کے امام کو حکم دیا تھا کہ آٹھ رکعت تراویح وتر مجموعہ گیارہ رکعت پڑھائیں۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے تھے۔ یہ مضمون مؤطا امام مالک اور قیام اللیل مروزی میں بتصریح ملتا ہے۔ اللہ اعلم (اہلحدیث ۲۳ شوال ۱۳۶۵ھ)

مفصل بحث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔ (راز)

سوال : نابینا حافظ قرآن کی امامت نماز فرض اور تراویح کرانی جائز ہے یا ناجائز؟ چونکہ اس کے متعلق تین گروہ ہیں۔ ایک کہتا ہے تراویح ہو سکتی ہے۔ فرض نہیں ہو سکتی۔ دوسرا گروہ کہتا ہے۔ تراویح بھی فرض بھی دونوں ہو سکتے ہیں۔ تیسرا گروہ کہتا ہے نہ فرض ہو سکتے ہیں نہ تراویح ہو سکتی ہے۔ نابینا حافظ کی امامت ہی کسی صورت میں درست نہیں ہے۔

(حکیم اللہ بخش جالندھری نگرڈا۔ بنگال)

جواب : نابینا کے پیچھے ہر نماز جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ام مکتوم نابینا رضی اللہ عنہ کو امام پنجوقتہ بنایا تھا۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء)

سوال : حافظ قرآن کو جو تراویح میں قرآن شریف ختم کرتے ہیں گویا انجن جوڑ دیتے ہیں۔ انجن بھی اس رفتار پر کر اخیر کے درجہ پر چلاتے ہیں۔ پیچھے لقمہ دینے والا کوئی حافظ موجود نہ ہو تو ایسی حالت میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ۔ (سائل مذکور)

جواب : قرآن مجید کو آہستگی پڑھنا چاہئے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا جو لوگ اتنا جلدی پڑھتے ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنی ایک رسمی چیز ہے اصلی نہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء)

سوال : رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد دونوں ہیں یا تہجد کے بدل تراویح؟

(سائل مذکور)

جواب : اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے۔ پچھلے وقت پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء)

سوال : روزہ دار بدن کو تیل یا آنکھ میں سرمہ اور دوائی لگا دے تو روزے میں تو کوئی نقص نہیں آتا؟ (سائل مذکور)

جواب : تیل وغیرہ بیشک لے کوئی حرج نہیں۔ کھانا پینا اور جماع منع ہے۔ اللہ اعلم۔ (۲۲، جنوری ۱۹۳۱ء)

سوال : اہل حدیث مرکز بنگلور کے لئے نماز عید ادا کرنے کے لئے حکومت موجودہ کی طرف سے زمین عطا کی گئی ہے۔ اس کی حدود اربعہ آہنی خاردار تاروں سے محصور کی گئیں اور جانب مشرق ایک دروازہ پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ بعض اہلحدیث کہتے ہیں کہ جانب مغرب قبلہ رخ ایک دیوار جس پر چھوٹی چھوٹی منارے ہوں (جو علامت نماز گاہ اہل اسلام ہے) بنا دی جائے تاکہ یہ زمین ہمیشہ کے لئے بھی اہلحدیث محفوظ و مصئون رہے تو آئندہ کا خوف ہے کہ حکومت موجودہ اس عطا کردہ زمین کو بوجہ عدم علامات نماز گاہ اہل اسلام بحق سرکار ضبط کر لے۔ گو بعوض اس کے کوئی دوسری زمین عطا کر دے۔

اس تجویز کے بعض اہلحدیث مخالف ہیں کہ یہ بدعت ہے، سنت کے خلاف ہے اس پر بعض اہل حدیث جو مجوز ہیں کہتے ہیں کہ حدود اربعہ کو محفوظ کرنا اور دروازہ بنانا بھی تو خلاف سنت ہے یہ جائز اور وہ بدعت کیوں ہے؟ براہِ کرم اس کا جواب اہلحدیث میں شائع فرمائیں۔ (حاجی ڈی کے عبد اللطیف عفی عنہ)

جواب : بدعت نہیں، بلکہ بضرورت جائز ہے۔ بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کو شریعت نے کار ثواب نہ کہا ہو اور عامل اس پر ثواب کی نیت کرے۔ صورت مرقومہ ایسی نہیں بلکہ نیت رفع مضرت ہے۔ امرتسر کی عید گاہ اہلحدیث میں بھی امتیازی صورت بنی ہوئی ہے۔ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔

(اہلحدیث امرتسر ۸ اپریل ۱۹۳۲ء)

سوال : خواہ مخواہ ستائیسویں کو ہی لیلۃ القدر مقرر کرنا اور حنفیوں کے مطابق صرف اسی دن کو شب قدر منانا خلاف سنت ہے یا نہیں۔ اور راتوں کو چھوڑ کر جواب خلاصہ اور مدلل ہو۔

جواب: بعض احادیث میں ایسے نشان آئے ہیں جن سے ستائیسویں رات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اس لئے رواج ہو گیا۔ مگر اصح یہی ہے کہ سب طاق راتوں میں تلاش چاہیئے۔ (۷ مارچ ۱۹۳۱ء)

سوال: زید کہتا ہے کہ رمضان المبارک کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کے لئے جاگنا سنت ہے خواہ وعظ کی مجلس میں شریک ہو کر جاگے یا گھر میں عبادت کرے وعظ بھی عبادت ہے۔ بکر کہتا ہے کہ شرع اسلام نے ہر وقت کے لئے ایک عبادت اور ہر عبادت کے لئے ایک طرز مقرر کیا ہے لہٰذا ہر عبادت اپنے مقررہ طرز پر ادا کی جائے تو عبادت ہے ورنہ بدعت۔ سنت نبوی اور آثار صحابہؓ سے کہیں ثبوت نہیں ملتا کہ ان راتوں میں رات رات بھر وعظ ہوئے ہوں۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو فرمایا کہ اٹھو اور اللہ کی عبادت کرو۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو ضرورت کے وقت بات کرنا جائز ہے نہ کہ وعظ کا ثبوت نکلتا ہے ہم بھی اگر اپنے اہل بیت کو ان راتوں میں اٹھا کر عبادت کرنے کو کہیں تو سنت نبوی پر عمل ہوتا ہے اور موجودہ مجالس وعظ اس رات کی عبادت نہیں بلکہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک حجاب ہے جو لیلۃ القدر کی برکتوں سے محروم رکھتا ہے ان مجلسوں میں جاگنے والوں سے پوچھو کہ کبھی کسی نے لیلۃ القدر دیکھی! براہ مہربانی کتاب و سنت کی روشنی میں بتایا جائے کہ ان دونوں میں کون حق پر ہے۔ (محمد رفیع از دہلی)

جواب: وعظ کہنا یا وعظ سننا بھی عبادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے تذاکر ساعۃ من اللیل خیر من احیائہا بوقت شب ایک گھڑی علمی بات چیت کرنا ساری رات کی عبادت سے اچھا ہے۔ اس حدیث سے ہمارا دعویٰ ثابت ہے کہ وعظ گوئی یا وعظ شنوی سب عبادت ہے۔ پس زید کا قول صحیح ہے۔ اللہ اعلم و اہلحدیث۔ ۳ رمضان سنہ ۱۳۵۱ھ

سوال: تراویح میں ایک شخص تو حافظ قرآن سناتا ہے لیکن سامعین جماعت میں کوئی حافظ سامع نہیں اگر ایسے وقت کوئی ناظرہ قرآن شریف صف اول میں بیٹھ کر سنتا رہے اور لوٹاتا رہے، اور وقت رکوع و سجود شریک جماعت ہو جایا کرے تو از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟ (محمد عثمان ہاشمی)

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام تراویح میں امام ہوتا تو قرآن مجید دیکھ کر پڑھتا تھا اور حضرت موصوفہ اس کی اقتدا میں نماز پڑھتی تھیں اس واقعہ پر قیاس کیا جائے تو صورت مرقومہ جائز ہے۔ اللہ اعلم۔ (۳۰ جنوری ۱۹۳۱ء)

سوال: حضور اکرم صلعم نے تین یوم نماز تراویح با جماعت مع الوتر صحابہ کرام کو پڑھائی یا وتر اس وقت آپ نے نہیں پڑھا اور کیا نماز تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا علیحدہ علیحدہ؟

جواب: نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے تراویح خاص رمضان میں ہے اگر کوئی شخص پہلے وقت میں تراویح نہ پڑھے آخر وقت میں پڑھے تو نماز تہجد بھی ہو جائے گی اور تراویح بھی زیادہ کریدکرنے کی ضرورت نہیں آنحضرت علیہ السلام نے جن تین دنوں میں قیام رمضان کیا تھا ان میں وتروں کا ذکر مجھے نہیں ملتا۔ اللہ اعلم (۲۲ رمضان ۱۳۶۲ھ) اس کے متعلق گذارش ہے کہ وتروں کا ذکر صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان میں حضرت جابرؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ ملتا ہے۔ عن جابر انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بھم ثمان رکعات والوتر ثم انتظروہ فی القابلۃ فلم یخرج الیھم (سبل جلد نمبر ا ص ۲۲۷ قیام اللیل ص ۹۱ معجم صغیر طبرانی ص ۱۰۸ وغیرہ)

(ابو الحسنات علی محمد سعیدی صدوری فیروز پوری ۱۳ شوال ۱۳۶۲ھ)

سوال: پندرہویں شب شعبان کو کیا شب قدر کا کوئی ثبوت ہے اس شب کو ثواب جان کر تلاوت۔ یا عبادت کرنا کیسا ہے؟۔ (عبدالماجد بریلی)

جواب: اس رات کے متعلق ضعیف روایتیں ہیں اس دن کوئی کار خیر کرنا بدعت نہیں ہے! بلکہ بحکم انما الاعمال بالنیات موجب ثواب ہے۔ اللہ اعلم (۵ رمضان ۱۳۶۲ھ)

سوال: شام کے وقت آسمان پر ابر ہو گیا بہت انتظار کے بعد یقین کیا کہ سورج غروب ہو گیا ہوگا اور روزہ افطار کر دیا گیا تو پھر سورج نے دکھائی دی اور چھپ گیا۔ اب روزہ دار دوبارہ روزہ رکھیں یا وہ روزہ غلطی والا ہی کافی ہے۔ (عبدالعزیز جالندھری)

جواب: ایک روزہ قضا کرے کیونکہ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ کی تعمیل نہیں ہوئی عدم تعمیل غلط فہمی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کفارہ نہیں ہے۔ اللہ اعلم (۵ رمضان ۱۳۶۳ھ)

سوال: زید بیسویں رمضان کو صبح کی نماز پڑھ کر اعتکاف بیٹھ گیا۔ آیا اس کا یہ فعل سنت کے مطابق ہے؟ (عبدالحمید از قلعہ میاں سنگھ۔ ضلع گوجرانوالہ)

جواب: اکیسویں شب مغرب کے بعد اعتکاف بیٹھ جانا چاہیے۔ یہی سنت ہے۔ (۹ شوال ۱۳۶۵ھ)

سوال: رمضان میں زید خشکی کے راستے جا رہا تھا۔ چار پانچ کوس تک ایسے پہاڑ پر ہو کر

راستہ تھا جہاں بجز پتھر کے دوسری چیز گھاس پانی مٹی نہ تھی۔ جس سے افطار کرے زید نے اپنی رائے سے بیوی سے ملاپ کیا اور بیٹی کا بوسہ لیا۔ سوال یہ ہے کہ تینوں کا روزہ ہوا یا نہیں اور شرعاً تینوں پر کیا حکم صادر ہے؟

جواب: جماع اکل و شرب کی طرح مفطر ہے اس لئے کوئی حرج نہیں بیٹی کا بوسہ اگر شفقت پدری کی نیت سے لیا تو خیر اگر بدنیتی سے لیا تو سخت مجرم ہے روزہ صحیح ہوگا۔

(۲ محرم ۱۳۳۶ھ)

سوال: سال تمام میں حرام روزے کتنے اور کونسے ہیں؟

جواب: دونوں عیدوں کے روزے حرام ہیں۔ (۲ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ)

ثمر فیہ: ایام تشریق میں بھی روزہ رکھنا منع ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام التشریق ایام اکل و شرب و ذکر اللہ عز وجل رواہ مسلم یعنی ایام تشریق ذی الحجہ کی ۱۱-۱۲-۱۳ تواریخ کھانے پینے اور یاد الٰہی کے دن ہیں۔

(ابوسعید شرف الدین)

سوال: رمضان المبارک میں اعتکاف اگر ایک ہی شخص محلے کا کرے تو کیا سب کی طرف سے کافی ہے۔

جواب: حنفیہ کے نزدیک اعتکاف سنت کفایہ ہے ان کے نزدیک تو ایک کا بیٹھنا سب سے کفایت کرتا ہے مگر اس دعوے کی دلیل میرے ناقص علم میں نہیں اس لئے اس کو عین سنت جانتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری بیویاں مع آنحضرتؐ کے اعتکاف بیٹھتی تھیں۔ گو آپؐ نے ان کو اٹھا دیا تھا مگر اس کی وجہ کچھ اور تھی۔ (۲۳ ربیع الثانی ۳۵ھ)

سوال: اعتکاف کا پردہ جھینا ایسا کہ اندر سے باہر کا آدمی نظر آوے، ہونے سے اعتکاف ہوگا یا نہیں؟

جواب: پردہ سے غرض یہ ہے کہ بیٹھنے والا گوشہ نشین رہے۔ باریک کی وجہ سے کوئی اسے دیکھے یا وہ کسی کو دیکھے کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اعتکاف نشین مرد ہو عورت نہ ہو۔

(۲۶ ذی قعدہ ۳۶ھ)

سوال: ایک لڑکا ۱۴ برس کا جس پر ایک ماہ کا روزہ باقی تھا انتقال کر گیا اب کیا کیا جاوے

جواب: لڑکا اگر بیماری ہی میں مرگیا ہے تو روزے معاف ہیں اگر اچھا ہو کر اس نے

روزے نہیں رکھے تو فی روزہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ فدیۃ طعام مسکین۔ حالت شیر خوارانی میں بھی روزہ رکھنے کا حکم نہیں بعد فراغت روزہ رکھے اگر بوجہ ضعف نہ رکھ سکے تو فی روزہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ (۴ ذی الحجہ ۳۵ھ)

شرفیہ: یہ صحیح نہیں ہے۔ بعد صحت روزے ہی رکھنے ہوں گے اور اگر قبل صحت مر جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ متفق علیہ اور ضعف کے باعث فدیہ کی دلیل بھی معلوم نہیں ہاں اس کے مرنے کے بعد ولی کو کھانا کھلانے کی ایک روایت ہے مگر وہ بھی مرفوع صحیح نہیں موقوف ہے۔ عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من مات وعلیہ صیام شہر رمضان فلیطعم عنہ مکان کل یوم مسکین رواہ الترمذی وقال والصحیح انہ موقوف علی ابن عمر انتہی مشکوٰۃ ص ۱۷۸ جلد ۱۔ (ابو سعید شرف الدین)

سوال: آنحضرت نے فرمایا ہے کہ رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے بند ہو جاتے ہیں تو مبارک ماہ میں کافر، مشرک کو مرنے سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور فاسق و فاجر کو بھی عذاب قبر سے نجات ملتی ہے یا نہیں کیونکہ مسلم ایماندار کے لیے تو ہر حال میں نجات کی صورت ہوتی ہے۔

جواب: کافر ہو یا مشرک، مومن ہو یا فاسق بعد موت اعمال کے نتائج مرتب ہوں گے نہ کہ رمضان کے۔ دوزخ کے دروازہ بند ہونے سے کافر عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ خدا کے ہاں عذاب کئی ایک قسم کے ہیں۔ اعاذنا اللّٰہ منہا۔ (۱۷ شوال ۱۳۳۱ھ)

شرفیہ: یہ بند و کشاد دوزخ و جنت صرف مومن صائم کے لئے ہے نہ کہ کافر مشرک و نافرمان کے لئے۔ ورنہ شیطان بھی تو ہے۔ فافہم و تدبر۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ایک شخص بہت بوڑھا ضعیف ہے۔ روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہیں اور مفلس بھی بیحد ہے فدیہ دینے کی بھی طاقت نہیں کیا ایسے شخص پر روزہ اور فدیہ معاف ہے۔

جواب: (از مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری) بہت بوڑھا شخص غیر متحمل نادار مفلس محض پر روزہ بھی فرض نہیں اور کفارہ بھی نہیں آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

اس کی دلیل ہے اصاب من اجاب۔ (خاکسار شریف احمد حسین پوری)

الجواب صحیح، کتبہ محمد عبداللہ غازی پوری۔

الجواب صحیح عبدالجبار عمر پوری۔

جواب صحیح ہے۔ عاجز محمد مسلم عفی عنہ میرٹھی (۲۳ مئی ۱۹۱۲ء)

سوال: ہم لوگوں کو انتیسویں کا چاند نظر نہیں آیا۔ اس سے شعبان کی تیس گنتی پوری کر کے روزہ رکھا۔ اور قرب وجوار سے مثلاً دو میل سے لے کر چالیس میل تک کی خبریں چاند دیکھنے کی موصول ہوئیں۔ آپ فرمائیں ہم لوگ کس حساب پر طاق راتوں میں عبادت کریں اور کیا روزہ بھی قضا رکھنا ہوگا۔ (عبداللہ وزیانگرم)

جواب: اگر قرب وجوار سے معتبر شہادتیں مل جائیں کہ چاند دیکھا گیا ہے تو آپ اسی حساب سے شمار رکھیں اور بعد میں ایک روزہ قضا کریں بہت دور کی شہادت آپ کے لئے حجت نہیں۔ واللہ اعلم (۱۱ نومبر ۱۹۳۸ء)

تشریح: سوال۔ (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رویت ہلال کے لئے شریعت شریف میں کوئی مسافت متعین نہیں ہے؟ اگر ہے تو کتنے میل کی؟

(۲) کیا مدراس کے مسلمان دہلی کی رویت کا اعتبار کر سکتے ہیں جب کہ دہلی ایک ہزار سے زیادہ فاصلہ پر واقع ہے۔ نیز دہلی اور مدراس کے غروب کے وقت میں نصف گھنٹہ کا فرق ہے۔

(۳) کیا ریڈیو۔ تار۔ ٹیلیفون کی خبریں اور شہادتیں شریعت اسلامیہ میں قابل تسلیم ہیں۔

(۴) ریڈیو پر ایک آدمی جو شہادت شرعی کے معیار پر صحیح اترتا ہو ہندوستان کے کسی حصہ سے اعلان کرے کہ میں نے بچشم خود چاند دیکھا تو کیا تمام ہندوستان کو عید کرنی جائز ہے؟ اسی پر ٹیلیفون، اور تار کو قیاس فرمائیں۔

(۵) کیا بارہ بجے دن کو چاند کی شرعی تحقیق ہو جائے اور شرعی شہادت کے ذریعہ ثابت ہو جائے کہ ۲۹ کو چاند ہوا تو ۱۲ بجے کے بعد روزہ توڑنا جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

(سید عزیز اللہ از مدراس)

الجواب: دوسرے شہر کی رویت ہلال کے اعتبار میں مسافت یعنی میلوں کی تعین کی کتاب و سنت میں کوئی نص صریح نہیں اسی لئے علمائے کرام کے اجتہادی اقوال اور مذاہب اس امر

ہیں مختلف ہیں اور سوائے قول اختلاف مطلع کے جس کی تحقیق آگے آتی ہے کوئی قول قابل وثوق نہیں۔ کریب کی روایت سے ابن عباس کے مجمل قول ہٰکذا امرنا سے بعض نے لکل اھل بلد رویتھم کے باب کو حدیث سمجھ لیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ یہ تو اجتہادی قول ہے۔ اصل دلیل حدیث نبوی صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ (صحیح بخاری) ہے یہ خطاب عام ہے۔ کوئی مسلم کہیں چاند دیکھے چاند ہوگیا۔ عید الفطر وغیرہ کے لئے دو شخص کی رویت لازمی ہے اور روزہ رمضان رکھنے کے لیے ایک شخص کی شہادت بھی کافی ہے جس کی تفصیل سنن وغیرہ میں یہ بھی ہے کہ آخر رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ اونٹوں پر سوار دور دراز سے ایسے وقت میں آئے کہ عید کی نماز کا وقت نہیں رہا تھا۔ یعنی بعد دوپہر وہ لوگ حاضر ہوئے تھے انہوں نے یہ شہادت دی کہ کل ہم لوگوں نے اپنے موضع یا شہر میں چاند دیکھا تھا تو آنحضرت نے اسی وقت لوگوں کے روزے افطار کرا دیئے اور دوسرے روز عید کی نماز پڑھائی۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوسرے شہر کے لوگوں کی رویت ہلال کی شہادت کا اعتبار ہے بشرطیکہ دوسرے شہر کا مطلع اس شہر سے مختلف نہ ہو۔ مختلف مطلع یہ کہ مثلاً ایک شہر یا موضع میں دن ہے تو دوسرے میں رات ہے یا ایک جگہ ظہر کی نماز کا وقت ہے تو دوسرے میں عصر یا مغرب کا۔ اگر ایسا ہو تو پھر وہاں کی رویت دوسروں کے لئے کافی نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ یا اس کے متفق مطلع والے چاند نہ دیکھ لیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ مثلاً جس شہر یا موضع میں دوسرے شہر سے چند گھنٹے پہلے زوال ہوگا ان کو حکم ہے کہ ظہر کی نماز ادا کریں اور اس وقت دوسرے شہر والوں کو جن کا مطلع ان سے مختلف ہے اور ابھی وہاں زوال میں کئی گھنٹے باقی ہیں نماز ظہر پڑھنا منع ہوگا۔ اس لئے کہ ابھی یہاں زوال نہیں ہوا اور پہلوں کو نماز ظہر پڑھنا فرض ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مختلف المطالع کا حکم الگ الگ ہے۔ اگر دوسرے شہر والے پڑھنا بھی چاہیں تو اول تو ہر جگہ اس کا علم مشکل ہے اگر کسی طرح معلوم کر کے پڑھ بھی لیں تو پھر جب ان کے ہاں زوال ہو تو اگر وہ دوبارہ ظہر نہ پڑھیں تو اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ (الآیۃ) اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہوگا اور اگر دوبارہ پڑھیں تو اس میں یہ اشکال ہے کہ ایک دن رات میں جو پانچ نمازیں فرض ہیں کم و بیش نہیں۔ اس صورت میں پانچ سے زاید کیا؟ بے شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ چوبیں گھنٹے میں ہر وقت کہیں نہ کہیں ظہر عصر وغیرہ

کا وقت ہوتا ہے تو ہر وقت نماز فرض ہو گی تو اوّل تو ہر وقت کا علم محال دوم پڑھنا بھی محال نیز اس صورت میں تکلیف بالمحال لازم آتی ہے اور یہ سب امور باطل ہیں۔ لہٰذا یہ صورت بھی باطل ہے اس سے ثابت ہوا کہ جن جن شہروں کے آپس میں مطالع مختلف ہوں ان کی رویتِ ہلال دوسروں کے لئے معتبر نہ ہو گی۔ ہاں جن کا مطلع ایک ہے ان کی رویت دوسروں کے لیے معتبر ہو گی۔ بعض فقہائے کرام نے اختلاف مطالع کی تعیین مسافت ایک مہینے کے راستے سے کی ہے۔ مگر یہ بھی اسی کریب والی اوپر کی روایت سے استنباط کی ہے۔ سو اوّل تو روایۃ کریب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ چاند دیکھ کر فوراً وہاں سے چلے یا ٹھہر کر۔ نیز وہ کس تاریخ کو مدینہ منورہ پہنچے کتنے دن چلتے رہے۔ پھر ایک ماہ کے راستہ میں اجمال ہے کہ رفتار پیدل کی یا سواری کی؟ ان میں بہت بڑا فرق ہے پھر راستہ میدان صاف کا یا پہاڑی ٹیڑھا ترچھا یا دریائی یا بحر کا۔ کبھی ان امور میں زمین آسمان کا فرق ہو جاتا ہے تحقیق جدید سے معلوم ہوا ہے کہ مدینہ منورہ اور شام کے مطلع میں پندرہ بیس منٹ کا فرق ہے اور یہ اختلاف رویۃ ہلال کے حکم میں معتبر نہیں جیسا کہ تحقیق آگے آتی ہے۔ مسافت کم بیش کی مدار شمس کے اختلافِ مطالع کی نمازوں میں گھنٹوں کے اعتبار سے ان دیار میں بہت کمی بیشی ہے۔ متوسط اختلاف کا لحاظ کیا گیا۔ یعنی ظہر عصر یا مغرب کے وقت کا اختلاف جو عموماً تین گھنٹے سے کم نہیں ہوتا۔ لہٰذا جہاں دو شہروں کے طلوع و غروب میں تین گھنٹے کا اختلاف ہو وہ مختلف مطالع میں شمار ہوں گے اور جن کا اس سے کم ہو وہ اس سے خارج ہوں گے جواب لکھا ہوا بوجہ علالت طبع رکھا ہوا تھا کہ اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۹ شعبان ۱۳۶۱ھ میں مولانا کا جواب بھی نظر سے گذرا کہ مسافت متعینہ کی روایت میرے علم میں نہیں۔ ہاں علم ہیئت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً تیس میل کے فاصلہ پر اختلاف مطالع ہو جاتا ہے۔ امرتسر سے لاہور کا فاصلہ تینتیس ۳۳ میل کا ہے اتنے فاصلہ پر تین منٹ کا اختلاف ہے۔ اگر امرتسر میں چھ بجے سورج غروب ہوتا ہے تو لاہور میں ۶ بجکر ۳ منٹ ہوتا ہے۔ اس لئے اختلاف مطالع کی وجہ سے رویت قبول نہیں کی جائے گی" (انتہا) میں کہتا ہوں کہ اوپر کی سنن کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند دور دراز کے اونٹوں کے سوار آخر رمضان میں حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ہم نے کل اپنے شہر یا موضع میں چاند دیکھا تھا تو ان کے کہنے پر حضور صلعم نے بعد دوپہر روزہ افطار کرا کر دوسرے دن نماز عید پڑھنے کو فرمایا تھا وہ غالباً تیس میل یا اس سے بھی زائد ہی سے

آئے تھے اس سے ثابت ہوا کہ اس قدر اختلاف مطالع کا شرع میں اعتبار نہیں۔ نیز اختلاف مطالع مدار شمس کے اختلاف سے بھی ہوتا ہے خواہ مسافت کم ہی ہو اور مطلقاً تینتیس میل مستلزم اختلاف مطالع نہیں تا وقتیکہ مدار شمس کا فرق نہ ہو نیز مکہ معظمہ اور جدہ کے درمیان کا فاصلہ پچاس میل کا ہے اور ایسا کبھی معلوم نہیں ہوا کہ مکہ والوں نے جدہ والوں کی رویۂ ہلال کا اعتبار نہ کیا ہو یا بالعکس۔ نیز اگر ۳۳ میل کے اختلاف کا اعتبار ہوتا تو پھر اختلاف مطالع میں امت کا اختلاف ہی نہ ہوتا۔ اس لئے کہ یہ تو عموماً ہوا ہی کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ متواتر یا مشہور ہو جاتا اور اختلاف نہ رہتا وإذ الیس فلیس۔

نیز جب ۳۳ میل پر تین منٹ کا اختلاف مطلع ہے تو گیارہ میل پر ایک منٹ کا ہوگا پھر اگر مطلقاً اختلاف مطلع کا اعتبار ہوگا تو گیارہ پر بھی ہوگا تو اول تو یہ اوپر کی سنن وغیرہ کی حدیث سے باطل ہے کہ اس سے زائد فاصلہ کی رویۂ ہلال کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتبار کیا۔ دوم اس سے مکہ والوں کو عرفات کے پہلے سرے جو گیارہ میل پر ہو رویۂ ہلال کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ اور یہ بالکل غلط ہے اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں اس سے تو لازم آتا ہے کہ دہلی والے غازی آباد (۱۲) میل اور قطب (۱۱) میل وغیرہ کی رویت ہلال کا بھی اعتبار نہ کریں یہ بھی بالکل غلط ہے کوئی اس کا بھی قائل نہیں تو جب تک اختلاف مطالع کی حد شرع سے نہ ثابت ہو قابل قبول نہیں۔ کتاب و سنت سے صراحتاً ثابت ہو یا استنباطاً اور اوپر جو میں نے لکھا ہے وہ کتاب و سنت سے مستنبط ہے کہ اگر بالکل اختلاف مطالع کو نہ تسلیم کیا جائے مگر شرع سے اس کی کوئی حد نہ مقرر کی جائے تو ہر دو صورت میں تکلیف مالا یطاق اور محال لازم آتا ہے جو باطل ہے جس سے شریعت محمدیہ پاک ہے لہٰذا جو کچھ اوپر کتاب و سنت کی روشنی میں لکھا گیا ہے وہی قابل قبول ہے اور بس

جواب ۲: کا جواب ۱ میں آ گیا کہ دہلی اور مدراس کے طلوع و غروب میں چونکہ نصف گھنٹے کا فرق ہے جو تین گھنٹے سے کم ہے لہٰذا ان کو ایک دوسرے کی رویۂ ہلال کا اعتبار نہ ہوگا۔

جواب ۳: تار کی خبر کو عموماً علمائے کرام و اساتذہ عظام تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ تار کے کارکن اکثر بالکل کافر غیر مسلم ہوتے ہیں اور کافر کی خبر دیانات میں مقبول نہیں (در مختار وغیرہ) نیز یہ کہ رویۂ ہلال محض خبر نہیں اس میں شہادت اور نصاب شہادت اور مجلس قضا بھی ہے

اور یہ خبر غائب ہے اس میں معرفت مخبر کی لازم ہے اور یہ امور تار کی خبر میں مفقود لہٰذا مردود
ہے تو جواب یہ ہے کہ اول تو فقہاء کا یہ کلیہ کہ ہر امر دینی میں ہر کافر کی خبر کسی حالت میں بھی مقبول
نہیں۔ بچند وجوہ منقوض ہے وجہ اول یہ کہ کافر فاسق کی خبر کے عدم اعتبار کو آیت اِنْ
جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا الآیۃ پ۲۶ ع۱۳ سے استنباط کیا گیا ہے حالانکہ
فقہاء نے لکھا ہے کہ اس سے کافر کی خبر مطلقاً تردید نہیں ہوتی بلکہ تحقیق پر موقوف ہے لہٰذا
بعد تحقیق و ثبوت مقبول ہوگی تو گویا من وجہ یہ آیت بھی دلیل قبول کی ہے۔ وجہ دوم قول
باری تعالیٰ جل مجدہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ
إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ۔ الآیۃ پ۷ ع۴
اس آیۃ سے کافر کی خبر شہادت بحالت سفر شرعاً ثابت ہے اس کی شہادت و خبر پر میت
کی وصیت و ادائے دیون اس کے اور ترکہ کی تقسیم اس کی عورت کی عدت و نکاح ثانی و نماز
جنازہ غائب اس کے بچوں پر حکم یتیم کا ثبوت اس کی ضمانت کا اسقاط وغیرہ موقوف
ہیں اور یہ امور دینی ہیں۔ خصوصاً نماز جنازہ غائب و وصیت تعمیر مسجد وغیرہ۔

وجہ سوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ہجرت مدینہ منورہ ایک کافر کو اپنی سواری
کی اونٹنیاں دے کر کہا کہ فلاں وقت لا کر ہم کو مخفی راستہ سے مدینہ پہنچا دو۔ اس نے ایسا ہی
کیا ہجرۃ امر دینی ہے اس میں رسول اللہ صلعم نے کافر کے قول و عمل کا اعتبار کیا اور حضور کا
یہ امر دینی ہے (صحیح بخاری)

وجہ چہارم واقعہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کافر کو جاسوس بنا کر کفار کا حال معلوم کرنے
کو بھیجا اس نے آکر خبر دی اس پر اعتبار کر کے حضورؐ نے صحابہؓ سے مقابلہ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا (بخاری) اس سے بھی کافر
کی خبر کا اعتبار ثابت ہوا اور یہ سفر حضورؐ کا عمرہ کے لیے تھا پھر جنگ کے بارے میں مشورہ کیا مگر جنگ کو ملتوی کیا گیا بہر حال عمرہ ہو
یا جنگ کفار دونوں امر دینی ہیں خلاصہ یہ کہ کافر کی خبر دیانات میں بھی مطلقاً مردود نہیں بعد تحقیق
و ثبوت قرائن مصدقہ بعض امور میں بعض اوقات مقبول بھی ہے۔ مثلاً اگر کسی اعلیٰ افسر نے
دہلی سے کانپور شب کو تار دے کر وہاں کے نائب کو بلایا کہ تم یہاں آجاؤ۔ اس نے فوراً
جواب دیا کہ یہاں آج چاند ہوگیا ہے صبح مسلمانوں کی عید ہے۔ مجھے یہاں کا انتظام کرنا
ہے۔ تو بتایئے اس کے صدق میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ایسے ہی اگر

کوئی نابینا یا ضعیف البصر کسی ایسے مقام میں قید ہو جہاں کفار کے سوا کوئی مسلم رویتہ ہلال کی خبر دینے والا نہ ہو تو وہ اگر کفار کی رویتہ ہلال پر روزہ رمضان وعید نہ کرے تو کیا کرے۔ ایسے ہی اگر اس کے مرنے کی خبر کفار دیں اگر اس کے مرنے کا اعتبار نہ کیا جائے تو اس کی زوجہ اور اس کے بچے کیا کریں۔ کیا زوجہ ساری عمر اس کے آنے کی منتظر رہے ایسے ہی اس کے ترکہ کی تقسیم اس کی زوجہ کی عدت و نماز جنازہ غائب کا کیا حکم ہوگا۔ ایسے امور میں اعتبار کیا جائے گا۔ جب قرآن و حدیث سے بعض امور دینی میں کفار کی خبر کا اعتبار ہے تار کی خبر بھی انہی بعض قسموں میں سے ہے۔ کہ بعد تحقیق مکرر سہ کرر تار دینے اور نیز مختلف مقامات سے دریافت کرنے سے اگر یقین یا ظن غالب اس کے صدق کا ہو تو قبول ورنہ مردود۔ لاکھوں روپے کے کاروبار مرنے جینے کے حالات تار کی خبر پر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ کوئی بھی ان میں تردد نہیں کرتا اور نہ کبھی اس میں یہ سنا گیا کہ فلاں مقام میں رویتہ ہلال کی خبر میں تار والوں نے اہل اسلام کو جھوٹی خبر دے کر روزہ رکھا یا ہو یا عید کرائی ہو اور ان کو اس جھوٹی خبر دینے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ ان کو تو ٹکوں سے کام ہے کسے باشد۔

حاجی لوگ سفر حج سے کسی حاجی کے مرنے کی خبر تار کے ذریعے دیتے ہیں اس پر عمل ہوتا ہے جنازہ غائب بھی پڑھا جاتا ہے۔ کوئی اعتراض نہیں کرتا یہ جنازہ امر دینی نہیں تو کیا ہے نیز اول تو تار کے کارکن سارے کافر ہی نہیں ہوتے بلکہ مسلم بھی ہوتے ہیں۔ نیز روپیہ زیادہ خرچ کر کے خالص مسلموں ہی کو ذریعہ خبر رسانی تار کا بنایا جا سکتا ہے۔ فافہم وتدبر۔

مولانا عبدالحی لکھنوی ؒ کے مجموعہ فتاویٰ جلد اول مطبوعہ یوسفی پریس لکھنؤ کے صفحہ ۲۰ میں ہے شہادت خطوط یا تار برقی میں چند فقہاء ایسے مقامات میں الخط یشبہ الخط لکھتے ہیں لیکن ایسی صورت میں کہ ظن حاصل ہو جائے اور شبہ قوی باقی نہ رہے۔ اور خبر تار یا خط بدرجہ ثبوت پہنچ جائے۔ اس پر عمل ہو سکتا ہے اور بسبب اقتضاء انتظام زمانہ حال اس پر حکم عام بھی دے سکتے ہیں۔ انتہی۔

منع کے دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ رویتہ ہلال کو اگرچہ فقہا نے من وجہ شہادۃ لکھا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ امر دینی ہے۔ لہٰذا روایۃ اخبار کے مشابہ ہے اس لیے اس میں شہادت اور نصاب شہادت اور خصوصیت حریت و ذکوریت وغیرہ

بھی شرط یا ضروری نہیں۔ حتیٰ کہ غیر عادل یعنی مستور واحد کی رویت بھی کافی ہے تفصیل ہدایہ اور اس کے شروح وحواشی وغیرہ میں ہے۔ تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اول تو قضا قاضی کی شرط کتاب سنت سے ثابت نہیں۔ دوم جب فقہا نے اس کو امر دینی اور مشابہ روایت اخبار لکھا ہے تو پھر قضاۃ قاضی کی شرط بھی نہ رہی۔ سوم ہندوستان میں قضا کا محکمہ ہی نہیں اگر مفتی عالم کو قائم مقام قاضی ہی بنایا جائے۔ تو دیہات میں یہ بھی اکثر نہیں ہوتے اور حکم شرع کا عام ہے لہٰذا شرط باطل۔ شبہ ۴ کا جواب بھی ۳ میں آگیا کہ نصاب شرط نہیں اگر ہو بھی تو یہ بھی تار کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ شبہ ۵ کا جواب یہ ہے کہ اوپر کی تحقیق سے مخبر کی معرفت بھی ہو سکتی ہے۔ مکرر سہ کرر دریافت کرنے سے اور ٹیلیفون کا معاملہ تو بالکل واضح ہے کہ اس میں ایک مسلم دوسرے مسلم سے باقاعدہ گفتگو کر سکتا ہے۔ اس کی آواز کو پہچان سکتا ہے شہادت وغیرہ سب امور طے ہو سکتے ہیں لہٰذا ٹیلیفون کے ذریعہ ثقہ کی روایت ہلال کی خبر معتبر ہے۔

جواب ۱۴) ریڈیو بھی اسی قسم سے ہے اگر اس کا حال معلوم ہے کہ ثقہ خبر دیا کرتا ہے۔ اور آواز بھی اسی کی پہچانتے ہیں۔ تو معتبر ہے ورنہ نہیں اور تمام ہندوستان کو ریڈیو کی خبر پر عمل کرنے کا جواب ۱ اور ۲ میں آچکا ہے کہ صرف متفق المطالع شہر اس پر عمل کریں گے۔ مختلف المطالع اس پر عمل نہ کریں گے مولانا نے اخبار میں لکھا ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک دور دراز کی رویت ہلال حجت نہیں۔ یہ فیصلہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔ انتہیٰ۔ میں کہتا ہوں کہ مولانا نے کچھ تفصیل نہیں کی صحابہؓ کا یہ کونسا فیصلہ ہے اور کس محدث کے نزدیک دور کی رویت حجت نہیں غالباً مولانا کی مراد اس سے روایت کریب میں عبداللہ بن عباس کا قول مراد ہے کہ کریب نے ملک شام سے آکر ابن عباس کو وہاں کی رویت ہلال کی خبر دی تو ابن عباس نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ اس پر کریب نے کہا کہ آپ امیر معاویہؓ کی رویت ہلال اور روزہ پر بھی اکتفا نہیں کرتے ابن عباس نے کہا نہیں کرتے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کل یا اکثر صحابہؓ کا فیصلہ نہیں صرف ابن عباسؓ کا مجمل قول ہے۔ جس کی تفسیر وتشریح مشکل ہے۔ ہکذا کے مشار الیہ کو بتایا جائے کہ کیا ہے اور اس کے ماقبل کیا کیا ہے جب تک اس کا مشار الیہ قطعی طور پر متعین نہ ہو اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا اور اس کا مشار الیہ قطعاً متعین ہو ہی نہیں سکتا۔ شاید کسی کو جامع ترمذی کے قول والعمل علی ہذا الحدیث

عند اہل العلم سے دعویٰ کہ ہو کہ یہ صحابہؓ کا فیصلہ ہے۔ تو جواب صرف یہ ہے کہ یہ صرف ایک صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے پھر یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ ابن عباس کے اس قول پر دوسرے صحابہؓ نے بھی عمل کیا یا نہیں۔ ہاں یمن تابعی عکرمہؒ، قاسمؒ اور سالمؒ کا یہ مسلک ہے اور ایک محدث اسحاق کا اور ایک وجہ شافعیہ کی بھی ہے۔ جس کی تفصیل حافظ صاحب نے فتح الباری میں تحریر کی ہے۔ اس امر میں علمائے کرام کے چھ اقوال یا مذاہب ہیں پھر فیصلہ صحابہ چہ معنی۔ یوں کہیے کہ ایک صحابی کا قول ہے وہ بھی مجمل جس کی تشریح مشکل۔ نیل الاوطار میں صاف لکھا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے صرف ابن عباس کا اجتہاد حجت نہیں ہو سکتا پس قصہ ختم صحیح وہ ہے جو اوپر لکھا جا چکا۔

جواب (۵): اس سوال سے اگر یہ غرض ہے کہ بارہ بجے دن کے دوسرے شہر سے خبر آئی کہ وہاں کل گذشتہ مغرب کو چاند دیکھا گیا تو اس کا جواب نمبر ۱ میں آچکا ہے کہ بعد تحقیق و ثبوت متفق المطالع شہر سے خبر آنے پر بعد دوپہر بھی روزہ افطار کیا جائے۔ اور اگر یہ غرض ہے کہ بارہ بجے دن کے کسی نے اپنے شہر میں چاند دیکھا تو اس میں سلف کے دو قول ہیں کہ آیا وہ چاند شب آئندہ کا ہے یا گزشتہ کا۔ راجح قول اولؒ ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

المجیب ابو سعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ پل بنگش دہلی۔

"نور توحید" لکھنؤ ۱۰ و ۲۵ جولائی ۱۹۵۱ء

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندریں صورت کہ جو خبر رویت ہلال بذریعہ تار کے آوے بمبئی وغیرہ سے اس کو معتبر جان کر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب: جو خبر رویت ہلال کی بذریعہ تار کے آوے وہ لائق قبول نہیں ہے بیان اس کا یہ ہے کہ اگر وہ خبر رویت ہلال فطر ہے تو وجہ عدم مقبولیت اس کی یہ ہے کہ وہ خبر خبر محض نہیں ہے بلکہ شہادت ہے اور شہادت میں لفظ اشہد اور مجلس قاضی اور نصاب شہادت ضرور ہے کما ہو مصرح فی کتب الفقہ اور خبر تار میں ان سب امور کا تحقق غیر مسلم ہے ومن یدعی فعلیہ البیان۔ اور اگر خبر رویت ہلال صیام ہے پس اگرچہ یہ خبر خبر محض ہے شہادت نہیں ہے

---

[1] حضرت الاستاذ کے اس فاضلانہ فتویٰ پر بعض حضرات نے تعاقب فرمایا تھا۔ جس کا جواب اور مزید علمی تحقیقات خود حضرت استاذ موصوف کی قلم سے اخبار نور توحید لکھنؤ ۱۰ر نومبر ۱۹۵۱ء میں ملاحظہ فرمائیے۔ فقط۔

لیکن چونکہ اس خبر کی تبلیغ میں واسطہ کفار ہوتے ہیں اور خبر کافر کی دیانات میں معتبر نہیں ہوتی ہے اس لیے معتبر نہ ہوگی۔ درمختار میں مرقوم ہے خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات انتہیٰ۔ اور اگر بالفرض جملہ کارکنان محکمہ تار مسلمین و عدول ہوں تو بھی یہ خبر معتبر نہ ہوگی کیونکہ یہ خبر الغائب للغائب ہے اور خبر الغائب للغائب میں ضرور ہے کہ کوئی امر ایسا ہو جو دلالت کرے اس بات پر کہ یہ خبر اس شخص کی ہے کہ جس کو ہم مخبر جانتے ہیں مثلاً جب کوئی کتابۃً خبر دے تو ضرور ہے کہ مکتوب لہ کاتب کے خط کو پہچانتا ہو۔ تدریب الراوی میں مرقوم ہے۔

الخامس یصح السماع ممن هو وراء حجاب اذا عرف صوته ان حدث بلفظا و عرف حضوره بسمع ای مکان بیسمع منه ان قرئ علیه و یکفی فی المعروفة بذلك خبر ثقة من اهل الخبرة بالشیخ انتهی۔ اور بھی اس میں مرقوم ہے ثم یکفی فی الروایة بالکتابة معرفة ای المکتوب له خط الکاتب و ان لم تقم البینة علیها انتهی اور ما نحن فیه میں تحقق کسی امر کا مانند معرفت صوت و معرفت خط کے مسلم نہیں ہے ومن یدعی فعلیه البیان پس خبر تار غیر معتبر ٹھہری وہو المطلوب واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ (کتبہ محمد بشیر عفی عنہ)

اصاب من اجاب فیما اعلم واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد بن عبد العزیز الجعفری المدعو بشیخ محمد القاضی فی بھوپال۔

اصاب من اجاب واللّٰه اعلم بالصواب انا العبد المتواری السید عبد الباری وفقه الله لدخیر الجاری وصانه عن التماری۔

اصاب من اجاب واللّٰه اعلم بالصواب کتبه ابو العالیة محمد سلامت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح۔ ذو الفقار احمد عفی عنہ۔ ہذا الجواب صحیح کتبہ محمد انور علی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۱۱۵)

سوال: اگر رمضان شریف ۲۹ دن کا ہو اور ایک پہلا روزہ ہم نے بوجہ چاند نہ دکھائی دینے کے کھا لیا اور ہمارے ۲۸ ہی ہوئے تو کیا ہم ۲۸ روزے کر کے عید کر لیں۔

جواب: اس صورت میں عید کر کے ایک روزہ قضا کرنا ہوگا کیونکہ مہینہ ۲۸ روز کا نہیں ہوتا۔ اللہ اعلم۔ (۲۸ شوال ۱۳۲۳ھ)

تشریح: بابت رویت ہلال اور اختلاف مطالع۔ از مولانا محمد یحییٰ الاعظمی عالم فاضل پروفیسر عربی کالج رائے درگ۔

علم ہیئت کے اصول پر زیر نظر مسئلے کو مختصر ذکر کروں گا۔ ضمناً اختلاف رویت، رویت ہلال قبل از زوال وبعد زوال، تشکلات قمریہ، کسوف وخسوف وغیرہ بھی مذکور ہوں گے بطور مقدمہ اولاً یہ سمجھ لیجئے کہ سورج ایک آگ کا گولہ ہے اور اس کی روشنی ذاتی ہے۔ کسی دوسرے ستارے سے مستفاد نہیں۔ اور ہر حال میں پورا پورا روشن رہتا ہے اور اپنے اردگرد ضیا پاشی کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سورج کا طلوع وغروب ہمارے اعتبار سے ہے ورنہ ذاتی طور پر اُسے طلوع وغروب لاحق نہیں بخلاف چاند کے کہ اس کی روشنی ذاتی نہیں ہے بلکہ یہ تو محض ایک صاف شفاف جسم اور نیلگوں رنگ کا گولہ ہے اور سورج کی روشنی اس پر پڑنے کی وجہ سے چمک اٹھتا ہے سورج اوپر اور چاند نیچے ہے۔ سورج کی روشنی سے ہمیشہ چاند کا وہ نصف حصہ جو سورج کی طرف ہوتا ہے روشن رہتا ہے اور پچھلا نصف حصہ ہمیشہ تاریک اور بے نور رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چاند سورج کی نزدیکی اور اس سے دوری کی بنا پر گھٹتا بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ سورج فلک الافلاک کی حرکت سے ۲۴ گھنٹے میں ایک چکر پورا کر لیتا ہے۔ لیکن اپنی ذاتی حرکت سے تقریباً ۳۶۵ ۱/۴ روز میں ایک دور پورا کرتا ہے (اسی کو ہم شمسی سال کہتے ہیں) بنائً علیہ اوسطاً ۵۹ دقیقہ ۸ ثانیہ ۲۰ ثالثہ روزانہ مغرب سے مغرب کی جانب علی توالی البروج حرکت کرتا ہے۔ اور چاند اپنی ذاتی حرکت سے بعد منہائی مائل وغیرہ ۲۷ ۱/۳ یوم میں ۲۷ (عند اہل ہند) یا ۲۸ (عند اہل مغرب وفارس) منزلیں طے کر کے اپنا ایک دور پورا کر لیتا ہے اور اوسطاً (۱۳) درجہ (۱۰) دقیقہ (۳۵) ثانیہ (۲) ثالثہ روزانہ مغرب سے مشرق کی جانب حرکت کرتا ہے اب اگر سورج کی روزانہ حرکت چاند کی روزانہ حرکت سے تفریق کر دی جائے۔

	درجہ	دقیقہ	ثانیہ	ثالثہ
حرکت چاند روزانہ	۱۳	۱۰	۳۵	۲
حرکت سورج روزانہ	۰	۵۹	۸	۲۰
باقی	۱۲	۱۱	۲۶	۴۲

تو باقی ماندہ مقدار حرکت چاند روزانہ سورج سے چاند کے فصل اور دوری کی مقدار ہوگی بنا بریں اجتماع

حقیقی سے ۱۴یوم ۱۸ گھنٹے ۲۲ منٹ بعد (۱۸۰) درجہ سورج سے دور اور ۲۹ یوم ۱۲ گھنٹے ۴۴ منٹ بعد پھر اجتماع حقیقی ہو جائے گا اور زمانہ محاق کی مدت اوسطاً ۴۷ گھنٹے ۱۶ منٹ ہے

ثالثاً یہ کہ رویت ہلال کا حساب نہایت ہی دقیق ہے کیونکہ اس کا دار و مدار قوس الرویہ کی تحدید پر ہے اور یہ سخت دشوار ہے اس لئے کہ جرم قمر کا اوج و حضیض کی وجہ سے مرکز عالم سے قریب ہوتے رہنا اور پھر دور ہوتے رہنا اس کی حرکت کا بطوء اور سرعت میں مختلف ہوتے رہنا اور اس کا خطِ استواء سے عرض میں کم و بیش ہوتے رہنا۔ خود شہروں کے عرض کا کم و بیش ہونا سورج سے مختلف دوری پر بھی بے موقع ہلال بنتے رہنا وغیرہ وغیرہ امور قوس الرویہ کی تحدید میں دشواری پیدا کرتے ہیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ مختلف حالات میں ایک ایک شہر کے لئے سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں قوس الرویہ کا امکان ہے۔ بنا بریں متقدمین علماء فن نے قوس الرویۃ القمر کی بحث ہی کو حذف کر دیا ہے۔ ہاں متأخرین نے اس پر بحث کی ہے۔ والمتأخرون ذکروا فیہ کلاما مختلفھا اکثرہ لاطائل تحتہ لعدم انضباط واما الامر الاوسط الذی یعمل بہ اصحاب الزیجات وھو انہ اذا کان البعد بین النیرین فی الاقلیم الرابع اثنی عشرۃ درجۃ من دور الفلک فانہ یری (نہایۃ الادراک ص۲۳۴) اور متأخرین علمائے فن نے قوس الرویۃ کے بارہ میں مختلف باتیں لکھی ہیں۔ جن میں اکثر ضابطہ کے تحت نہ آسکنے کی وجہ سے بیفائدہ ہیں۔ البتہ اوسط قوس الرویۃ جس پر زائچہ بنانے والوں کا عمل ہے یہ ہے کہ جب اقلیم رابع میں چاند اور سورج میں ۱۲ درجہ کی دوری ہو جائے تو ہلال نظر آجائے گا۔ بنا بریں ہم نے بھی اوسط قوس الرویۃ ۱۲ درجے کو اختیار کیا ہے۔ ورنہ مختلف صورتوں میں اس سے بھی کم و بیش قوس الرویہ ہوا کرتی ہے۔ اور یہی قوس اختلاف مطالع کی مقدار ہے۔

رابعاً یہ کہ بوقت طلوع الشمس و نصف النہار و غروب شمس و نصف اللیل اور ان کے مابین۔ غرض ۲۴ گھنٹے یومیہ کا ہر منٹ ہر سکنڈ اس کا متحمل ہے کہ اس وقت چاند قوس الرویہ پر پہنچ کر ہلال بن جائے اور یہ صرف احتمال ہی نہیں ہے بلکہ ایسا ہی نفس الامر میں واقع ہوا کرتا ہے۔ اور چاند کے سورج سے ہٹ کر قوس الرویہ پر پہنچ کر ہلال بن جانے کے لمحات مختلف مہینے اسال اصدی میں مختلف ہوا کرتے ہیں جس کو اہل تقویم چاند اور سورج۔

کی رفتار منضبط کے ماتحت حساب لگا کر ہر ماہ ایک متعین شہر کے لئے اس لمحہ کی تعیین کر دیتے ہیں اس سلسلہ میں سب سے عمدہ تقویم وہ ہے جو ناٹیکل المناک کے نام سے سال بسال رصد گاہ لندن سے شائع ہوا کرتی ہے۔ نیز یہ تقویم سیاروں کی حرکات یومیہ اور دیگر معلومات کا خزانہ ہے

اچھا اب آپ رویت ہلال کے وقت سے چاند کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے کس قدر باریک اور سورج کے قریب ہوتا ہے پھر دوسرے دن شام کو دیکھئے تو آپ کو ذرا سے بڑا اور مشرق کی جانب دور نظر آئے گا۔ پھر تیسرے دن اور بڑا اور زیادہ جانب مشرق دوری پر معلوم ہوگا۔ بات یہ ہے کہ چاند سورج سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے اتنا ہی اس کا روشن حصہ ہماری طرف رُخ کرتا جاتا ہے اسی طرح دیکھتے رہیے یہاں تک کہ چودہویں شب اور کبھی تیرہویں شب اور پندرہویں شب کو چاند سورج کے مقابل جانب مشرق ۱۸۰ درجہ یعنی نصف دور فلک کی دوری پر ہوتا ہے۔ اگر سورج مغربی افق میں اپنا سر چھپا رہا ہے تو چاند افق شرقی سے اپنی نورانی شعاعیں ہم پر پھینک رہا ہے۔ گویا آمنے سامنے برابر کی جوڑ ہے۔ اسی استقبال کی حالت میں ہم چاند کو بدر یا ماہ کامل اور اس تاریخ کو پورنماشی کہتے ہیں۔ اس وقت چاند کا نصف روشن حصہ پورے کا پورا ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ اسی استقبال کے زمانہ میں اگر چاند زمین اور سورج ایک خط مستقیم پر واقع ہو جائیں تو چاند گرہن ہو جائے گا۔ اس کے بعد پھر وہ یوماً فیوماً سورج کے قریب ہونے لگتا ہے اور ہم کو گھٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے اس میں بھی وہی بات ہے مگر برعکس کیونکہ چاند کے سورج سے قریب ہوتے رہنے سے اس کا روشن حصہ ہمارے سامنے سے رُخ پھیرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اٹھائیسویں یا انتیسویں شب کو سورج سے ۱۲ درجہ قریب پہنچ کر دو شب، اور کبھی ایک شب یا تین شب کے لئے ہماری نظروں سے یکسر غائب ہو جاتا ہے۔ اس اجتماع کو ہم محاق یا اماوس کہتے ہیں۔ اس حالت میں چاند کا نصف روشن حصہ سورج کی طرف ہوتا ہے اور نصف پچھلا تاریک حصہ ہمارے سامنے، واضح ہو کہ اسی اجتماع میں اگر چاند اور سورج میں سرِ فضا بھی اتنا قرب ہو جائے کہ ہماری نگاہ بخط مستقیم چاند سے گذرتی ہوئی سورج پر پڑ جائے تو سورج گرہن ہو جائے گا۔ یاد رکھئے اسی زمانہ محاق میں جس کی مدت اوسطاً ۷م گھنٹے ۱۶ منٹ ہے ایک خاص لمحہ ایسا گزرتا ہے جس میں چاند اور سورج کا ایک خط طولی پر دوسرے لفظوں میں ایک

خط نصف النہار پر واقع ہوجانا ضروری ہے اور وہ وہ ساعت ہے جب کہ ابتدائے محاق سے ۲۳ گھنٹے ۲۸ منٹ گزر جائیں۔ بس اب یہیں سے رویت ہلال کا حساب شروع کیجئے۔

فرض کیجئے کہ جب افق شہر اعظم گڑھ سے جو ۸۳ درجہ ۱۳ دقیقہ طول البلد پر واقع ہے ۶ بجے آفتاب غروب ہوا۔ اور ۶ بجکر ۲۲ منٹ سے چند سیکنڈ پہلے چاند و سورج میں اجتماع حقیقی ہوگیا اور ایک خط طولی پر دونوں واقع ہو گئے۔ پھر رات بھر اور دن بھر حرکت کرتے رہے یہاں تک کہ ۲۳ گھنٹے ۲۸ منٹ بعد یعنی ۶ بجے سے چند سیکنڈ پہلے چاند سورج سے ۱۲ درجے دوری پر مشرق میں پہونچ کر قوس الرویہ کے لباس سے آراستہ ہوگیا۔ بس یہی وہ اولین ساعت ہے کہ چاند ہلال بن کر فلک اول پر تاباں ہوجاتا ہے اور دنیا بھر کے انسانوں کی نگاہیں اس کے دیکھنے کی متمنی ہوتی ہیں۔ اگر ابر گرد و غبار، کہر اور دیگر اسباب رویت سے مانع نہ ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم کو یہ ننھا منا سا ہلال چمکتا ہوا نہ دکھائی دے۔

خیال فرمایئے یہ تو اعظم گڑھ کا مطلع قمر ہے اب اعظم گڑھ کے مغرب کراچی، مکہ معظمہ، قاہرہ، ٹیونس اور جزائر کناریا (جزائر خالدات) میں بسنے والے انسان سب کے سب بشرط رفع موانع اپنے اپنے مطلع سے بلاشبہ ہلال دیکھیں گے۔ فرق یہ ہے کہ ہم اعظم گڑھ میں غروب کے وقت اگر ۶ بجے ہلال دیکھتے ہیں تو کراچی میں ۷ بجکر ۵ منٹ مکہ میں ۸ بجکر ۲۵ منٹ، قاہرہ میں ۹ بجکر ۷ منٹ، ٹیونس (افریقہ) میں ۱۰ بجکر ۲۵ منٹ اور جزائر کناریا (مغربی افریقہ) میں ۱۲ بجکر ۴۵ منٹ پر (اعظم گڑھ میں نصف شب گزر چکی ہے) بوقت غروب آفتاب ہلال نظر آئے گا۔ لیکن نسبتہً مغربی شہر والے اپنے مشرق والوں سے ہلال بڑا اور سورج سے دور دیکھیں گے۔ اب چونکہ ہلال فلک پر موجود ہے اس لئے مذکورہ بالا شہروں کے باشندے اگر اپنی نگاہ کی تیزی سے دن ہی دن میں چاند دیکھ لیں تو کچھ عجب نہیں مگر یہ ان کے لئے سخت دشوار ہے۔

اچھا اب ذرا اور آگے بڑھو تو آپ کو نیویارک (امریکہ) میں چار بجکر ۲۹ منٹ اور واشنگٹن (امریکہ) میں ۷ بجکر ۲۳ منٹ پر (اعظم گڑھ میں طلوع شمس ہوچکا ہے) بوقت غروب آفتاب ہلال نظر آئے گا۔ مگر ان کا ہلال جزائر کناریا والوں سے بڑا اور سورج سے اور بھی دوری پر ہوگا۔ یہ لوگ اگر دن کو ہلال دیکھ لیں تو بعید نہیں مگر پھر بھی دشوار ہے۔

اب یہاں سے یہ مسئلہ بھی حل کر لیجئے کہ رویت ہلال قبل نصف النہار اور بعد نصف النہار

بھی ممکن ہے کیونکہ ان اوقات میں ہلال فلک پر موجود ہے۔ اور اس کا آنے والی شب کا ہلال ہونا بھی ظاہر ہے۔

اچھا امریکہ سے گزرتے ہوئے اب ذرا اور آگے بڑھئے تو ٹوکیو (جاپان) میں ۲ بجکر ۴۱ منٹ (اعظم گڑھ میں دوپہر بعد کا وقت ہے) اور آگے بڑھئے تو ہانگ کانگ (چین) میں ۳ بجکر ۷ منٹ اور آگے بڑھئے تو شہر برما میں ۵ بجکر ۵ منٹ پر (اعظم گڑھ میں غروب کو ۵۵ منٹ باقی ہیں) غروب آفتاب ہوگا۔ اس وقت وہاں ہلال نظر آئے گا۔ اور ان لوگوں کا ہلال علی الترتیب کافی بڑا اور سورج سے کافی فاصلہ پر ہوگا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دن میں بہت آسانی سے ہلال دیکھ سکتے ہیں۔ خصوصاً برما کے باشندے کیونکہ ان کا ہلال سب سے بڑا اور سورج سے کافی (تقریباً ۲۲ ۳/۴ درجہ) دوری پر ہوگا۔ لیکن اس ہلال کا بھی آنے والی شب کا ہلال ہونا ظاہر ہے۔ مگر غروب کے وقت جب اہل برما ہلال دیکھتے ہیں تو کوئی کہتا ہے۔ یہ تو کل کا ہے اور کوئی خیال کرتا ہے یہ تو پرسوں کا ہے۔ قربان جائیے نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ فرماتے ہیں۔ نہیں نہیں تم کو دھوکہ ہو رہا ہے۔ یہ تو آج ہی کا ہلال ہے۔ عن ابی البختری قال خرجنا للعمرة فلما نزلنا ببطن نخلة قال تراءینا الهلال فقال بعض القوم هو ابن ثلث وقال بعض القوم هو ابن ليلتين قال فلقينا ابن عباس فقلنا انا رأينا الهلال فقال بعض القوم هو ابن ثلث وقال بعض القوم هو ابن ليلتين فقال اى ليلة رأيتموه قال قلنا ليلة كذا وكذا فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مده للرؤية فهو لليلة رأيتموه (مسلم ج ۱ ص ۳۴۸) ابو البختری (تابعی) سے مروی ہے کہا ہم لوگ عمرہ کے لئے چلے۔ جب مقام بطن نخلہ میں پہنچے تو ہلال دیکھا۔ بعض لوگوں نے کہا۔ یہ تو پرسوں کا ہلال ہے اور بعض نے کہا کل کا ہے پھر ہم ابن عباسؓ سے ملے اور واقعہ بیان کیا انہوں نے فرمایا اچھا یہ تو بتاؤ تم لوگوں نے کس رات ہلال دیکھا ہے۔ ہم لوگوں نے عرض کیا فلاں رات (یعنی ۳۰ کو) ہم نے ہلال دیکھا۔ پھر ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رویت ہلال کی مدت مقرر فرمائی۔ (ہلال کے چھوٹے بڑے ہونے کا اعتبار نہیں فرمایا) لہٰذا یہ ہلال جس رات تم لوگوں نے دیکھا اسی کا مانا جائے گا۔

حاصل کلام یہ کہ جب افق اعظم گڑھ پر وقت مقررہ میں ہلال کا وجود ہو چکا تو اب اس کے آگے مغرب میں جہاں تک بھی چلے جائیے کوئی ملک شہر اور بستی ایسی نہ ہوگی جس کے افق پر

ہلال کا وجود نہ ہو یہ اور بات ہے کہ عارضی موانع سے وہاں کے باشندے نہ دیکھ سکیں۔ اسی کو اختلاف رویت کہتے ہیں اب اگر ہلال کا صحیح ثبوت مل جائے تو حکم شرع نافذ کیا جائیگا ورنہ نہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے یہاں سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اہل مشرق کی رویت سارے کے سارے مغرب والوں کے حق میں ہلال کا قطعی ثبوت بہم پہنچاتی ہے اس لیے اگر مشرق سے ثبوت ہلال کی صحیح سند مل جائے تو بلا شبہ شرعی احکام نافذ ہوں گے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہلال کا چھوٹا بڑا ہونا کوئی چیز نہیں ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا۔

اب ہم اختلاف مطالع کی بحث سمجھانا چاہتے ہیں۔ بس پھر وہیں سے حساب شروع کیجیے جبکہ افق اعظم گڑھ پر ۶ بجنے سے چند سکنڈ پہلے چاند سورج سے ۱۲ درجہ دور قوس الرویۃ پر پہنچ کر ہلالی شکل میں نمودار ہوا۔ اب ذرا اعظم گڑھ سے مشرق کو چلیے۔ مگر ۱۲ درجہ سے زیادہ نہیں جیسے پٹنہ۔ بھاگلپور، ڈھاکہ، سلہٹ، منی پور (آسام) جب اعظم گڑھ میں ظہور ہلال ہوا تو وہ ہلال ان سب شہروں کے باشندوں کے افق کے اوپر ہے علی الترتیب ان لوگوں کا ہلال ان کے افق سے قریب اور قریب تر ہونے کی وجہ سے ان کو نہ دکھائی دے گا۔ منی پور ان سب شہروں میں سب سے دور اور اعظم گڑھ سے ۱۰ درجہ ۵۴ دقیقے فاصلہ پر ہے۔ ان کا ہلال تو بس افق سے اتنا قریب ہوگا کہ صرف ۵ منٹ باقی رہ کر افق سے غروب ہو جائے گا۔ اب ان شہروں کے باشندوں کو اگر ہلال کا صحیح ثبوت بہم پہنچ جائے تو احکام شرعی عائد ہوں گے اور یہ حکم ہماری تقریبی ۱۲ درجہ قوس الرویۃ کی بنا پر اعظم گڑھ سے ۱۲ درجہ مشرق تک عائد ہوگا اور بس۔

اچھا اب ۱۲ درجہ مشرق سے بڑھ کر تیرہویں درجہ پر کھڑے ہو جائیے اب چونکہ اعظم گڑھ میں ہلال افق سے ۱۲ درجہ بلند ہے اور آپ اعظم گڑھ سے ۱۲ درجہ مشرق کو گزشت کر تیرہویں درجہ پر قدم رکھ چکے ہیں اس لیے چاند قوس الرویۃ پر پہنچنے کے ساتھ ہی آپ کے افق سے نیچے ہوگا۔ مثال میں شہر برما جو ۹۷ درجہ طول البلد پر اور اعظم گڑھ سے ۱۳ درجہ ۴۷ دقیقہ مشرق کو ہے لے لیجیے جب افق اعظم گڑھ سے ظہور ہلال ہوا تو برما کے افق سے ایک درجہ ۴۷ دقیقے نیچے پہونچ چکا ہے اب باشندگان برما کے لئے رویت ہلال کسی بھی آلے اور رصد سے ممکن نہیں بس یہی اختلاف مطالع ہے اعظم گڑھ کے مطلع پر ہلال ہے اور اہل برما کا مطلع ہلال سے خالی ہے اب

جتنا بھی مشرق (ہانگ کانگ، ٹوکیو، واشنگٹن) میں چلے جائیے رویت ہلال کسی کے لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کے مطالع ہلال سے خالی ہیں۔

یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اہل مغرب کی رویت کا تمام مشرق والوں کے حق میں ہلال ثابت کر دینا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف ۱۲ درجہ مشرق (ہماری تقریبی قوس الرویۃ) تک یہ حکم قطعی طور سے لگایا جا سکتا ہے اور اس کے بعد نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف مطالع کی تحقیق کے لیے اوسطاً ۱۲ درجہ (ہماری تقریبی قوس الرویہ) کا فصل ضروری ہے جس کا ۸۳۳ میل ہوتا ہے۔

حکم: فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ شرعی احکام میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جس مقام پر سب سے اوّل ہلال دیکھا گیا ہے (جیسے اعظم گڑھ ہماری مثال میں) وہاں سے تمام مشرق کے باشندوں کے حق میں چاہے وہ کتنی ہی دور کیوں نہیں ہلال کا حکم ثابت ہوگا (جیسے ہانگ کانگ، ٹوکیو، واشنگٹن) البتہ یہ ضروری ہے کہ ان مشرق والوں کو مغرب والوں کی رویت کا ثبوت یقینی اور شرعی طور پر مل جائے۔

درمختار میں ہے فیلزم اہل المشرق برویۃ اہل المغرب اذا ثبت عندھم رویۃ اولئک بطریق موجب (مغرب والوں کی رویت سے مشرق والوں پر احکام شرع لازم ہو جاتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ مغرب والوں کی رویت کا ثبوت مشرق والوں کو باقاعدہ مل جائے۔

اب یہاں سے ایک غلطی صحیح کر لیجئے۔ صاحب درالمختار نے اختلاف مطالع کی ایک مثال اس طرح بیان کی ہے حتی لو رؤی فی المشرق لیلۃ الجمعۃ وفی المغرب لیلۃ السبت وجب اہل المغرب العمل بما راہ اہل المشرق اگر مشرق میں جمعہ کی رات کو ہلال دیکھا گیا اور مغرب میں شنبہ کی رات کو تو مغرب والوں پر مشرق والوں کی رویت کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا۔ ہم یہ تو کہنے کی جرأت نہ کریں گے کہ یہ شارح کی غلطی ہے خصوصاً جب کہ متن سامنے موجود رہے مگر یہ تو کہنے میں باک نہیں کہ ناسخ کا سہو قلم ہے عبارت یوں ہونی چاہیئے۔

حتی لو رؤی فی المغرب لیلۃ الجمعۃ وفی المشرق لیلۃ السبت وجب

علی اھل المشرق العمل بما راہ اھل المغرب اگر مغرب میں جمعہ کی رات کو ہلال دیکھا گیا اور مشرق میں شنبہ کی رات کو تو مشرق والوں پر مغرب والوں کی رویت کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا۔

فقہائے شافعیہ کے نزدیک راجح اور معتمد قول یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا جن کے مطالع پر ہلال ہے خود ان کی رویت یا شرعی ثبوت کے بعد ان پر احکام شرع کا نفاذ ہوگا اور جن کے مطالع ہلال سے خالی ہیں ان کے حق میں ہلال کا وجود معتبر نہ ہوگا۔ چاہے صحیح ثبوت ہی کیوں نہ مل جائے بلکہ مطلع کا اعتبار کیا جائے گا اور مطلع ہلال سے خالی ہے۔ علمائے اہلحدیث کا عمل بھی اسی پر ہے۔ واللہ اعلم۔

(اہلحدیث دہلی یکم فروری ۱۹۵۲ء)

سوال: فطرہ عید کتنا ہے ایک صاع یا آدھا صاع کا وزن ۸۰ تولہ سیر سے کتنا ہوتا ہے؟

جواب: حدیث میں پرانا صاع مدنی آیا ہے جو آجکل کے حساب سے اڑھائی سیر ہوتا ہے بعض روایتوں میں نصف صاع بھی آیا ہے ہمارے ہاں کے علماء کا یہ دستور ہے کہ ارزانی میں پورا صاع بتاتے ہیں اور گرانی میں نصف صاع خدا قبول کرے۔

(۲۹ ذی قعدہ ۔۔۔)

تشریح: جاننا چاہیے کہ صدقہ فطر از روئے آیہ کریمہ و احادیث صحیحہ کے فرض عین ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (ترجمہ) فلاح پائی جس نے صدقہ فطر ادا کیا کیونکہ یہاں تزکی سے مراد از روئے حدیث مرفوع کے صدقہ فطر ادا کرنا ہے اور یہ آیت صدقہ فطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ ولابن خزیمۃ من طریق کثیر بن عبد اللہ عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن ھذہ الآیۃ فقال نزلت فی زکوۃ الفطر انتھی۔ ما فی نیل الاوطار للعلامۃ الشوکانی۔ اور ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے اور ابو العالیہ اور ابن سیرین بھی یہی کہتے ہیں اور اکثر لوگ ان کے سوا قال الامام البغوی فی تفسیر المعالم تحت ھذہ الآیۃ وقال الآخرون ھو صدقۃ الفطر روی عن ابی سعید الخدری فی قولہ تعالیٰ قد افلح من تزکی قال اعطی صدقۃ الفطر وقال نافع

کان ابن عمر اذا صلی الغداۃ یعنی من یوم العید قال یا نافع اخرجت الصدقۃ فان قلت نعم مشی الی المصلی وان قلت لا قال فالآن فاخرج فانما نزلت ھذہ الآیۃ فی ھذا قد افلح من تزکی الآیۃ وھو قول ابی العالیۃ وابن سیرین انتھی ملخصا۔ اور صحیح میں یعنی بخاری اور مسلم میں اعرابی کے قصہ میں فلاح اس کے لئے ثابت ہوئی جو صرف فرائض ادا کرے اور صدقہ فطر ادا کرنے والے کو بھی افلح یعنی فلاح پائی فرمایا تو معلوم ہوا کہ صدقہ فطر بھی فرض ہے کما لایخفی علی الفطین۔ قال الحافظ ابن حجر عسقلانی فی فتح الباری شرح البخاری وقال اللہ تعالیٰ قد افلح من تزکی وثبت انھا نزلت فی زکوۃ الفطر وثبت فی الصحیحین اثبات حقیقۃ الفلاح لمن اقتصر علی الواجبات انتھی۔ ان احادیث صحیحہ موجودہ میں سے ایک یہ ہے عن ابن عمرؓ قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعیر علی العبد والحر والذکر والانثی والصغیر والکبیر من المسلمین وامر بھا ان تودی قبل خروج الناس الی الصلوۃ رواہ البخاری ومسلم یعنی روایت ہے ابن عمرؓ سے کہا فرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ الفطر ایک صاع خرما سے یا ایک صاع جو سے یا اس سے جو ان کے سوا اور کھانے کی چیزیں ہیں جن کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آوے گا۔ ہر غلام و آزاد، مرد و عورت، لڑکے اور جوان پر مسلمانوں سے۔ اور حکم کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ادا کیا جاوے صدقہ فطر پہلے اس سے کہ لوگ نماز کو نکلیں روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔ اس حدیث سے صراحۃً صدقہ فطر کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ حدیث میں لفظ فرض کا موجود ہے۔ اور فرض کے دوسرے معنی مراد لینا بغیر کسی قرینے صارفہ کے صحیح نہیں کیونکہ یہ معنی فرض کا حقیقت شرعیہ ہے کما تقرر فی الاصول اور اس کے سوا بہت سی حدیثیں ہیں ایک ہی پر اکتفا کیا تاکہ طول نہ ہو جاوے چنانچہ بخاریؒ نے صدقہ فطر کے فرض ہونے پر ایک باب منعقد کیا ہے مگر اس کی قضا نہیں ہے اور قاعدہ حکمیہ نہیں ہے کہ جو فرض عین ہے اس کی قضا لازم ہے۔ محض بے دلیل ہے۔ کما تقرر فی الاصول اور ہر مسلمان پر فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔ خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ خواہ لڑکا ہو خواہ جوان خواہ غلام ہو خواہ آزاد

خواہ امیر ہو خواہ غریب۔ جیسا کہ حدیث مذکورۃ الصدر سے واضح ہے کہ مطلق ہے۔ شرط صاحب نصاب ہونے کی نہیں بلکہ دار قطنی اور احمد کی روایت میں تصریح بھی آگئی ہے کہ فقیر پہ بھی فرض ہے واستدلال بقولہ فی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ طعمۃ الصائم علی انھا تجب علی الفقیر کما علی الغنی وقد ورد ذلک صریحا فی حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عند احمد وفی حدیث ثعلبۃ ابن ابی صغیر عند الدار قطنی انتھی ما فی فتح الباری۔ مگر استطاعت ضروری ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ ترجمہ نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی کو لیکن اس کی طاقت کے موافق۔ لڑکے کا اگر مال ہو تو اس کا ولی اس میں سے صدقہ فطر نکالے اور اگر مال نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کا باپ یا جس پر اس کا نفقہ واجب ہے ادا کرے یہی قول جمہور کا ہے۔ وجوب فطرۃ الصغیر فی مالہ والمخاطب باخراجھا ولیہ ان کان للصغیر مال والا وجبت علی من تلزمہ نفقتہ والی ھذا ذھب الجمھور انتھی ما فی نیل الاوطار قولہ الصغیر والکبیر ظاہرہ وجوبھا علی الصغیر لکن المخاطب عنہ ولیہ فوجوبھا علی ھذا فی مال الصغیر والا فعلی من تلزمہ نفقتہ وھذا قول الجمھور انتھی ما فی فتح الباری۔ اور غلام کا مولیٰ ادا کرے کیونکہ مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ مولیٰ پر غلام کا صدقہ نہیں مگر صدقہ فطر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کا صدقہ فطر مولیٰ ادا کرے قولہ علی العبد الخ ظاہرہ اخراج العبد عن نفسہ ولم یقل بہ الا داؤد وخالفہ اصحابہ والناس واحتجوا بحدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعا لیس فی العبد صدقۃ الا صدقۃ الفطر اخرجہ مسلم ومقتضاہ انھا علی السید انتھی ما فی فتح الباری ملخصا بقدر الحاجۃ۔ حنفی مذہب میں صدقہ فطر واجب ہے صاحب نصاب پر یعنی جس کے پاس زکوٰۃ کا نصاب ہو اور لڑکے کا صدقہ صرف باپ ادا کرے اور سب باتوں میں موافق اسی کے ہے جو گذرا ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ صدقۃ الفطر واجبۃ علی الحر المسلم اذا کان مالکا لمقدار النصاب فاضلا عن مسکنہ وثیابہ واثاثہ وفرسہ وسلاحہ وعبیدہ یخرج ذلک عن نفسہ ویخرج عن اولادہ الصغار ومالیکہ انتھی ملخصا اور وقت ادائے صدقہ کا قبل

نماز عید الفطر کے ہے اور اگر کوئی دو یا تین روز یا زیادہ عید سے پہلے ادا کر دے تو جائز ہے اور بعد نماز عید کے اگر دے گا تو ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ آیت مذکورہ قد افلح من تزکی کے بعد وذکر اسم ربہ فصلی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۃ فطر نماز پر مقدم ہے۔ کیونکہ فصلی کو ساتھ فائے تعقیب کے ذکر کیا ہے جس سے تعقیب صلاۃ کی صدقہ سے مستفاد ہوتی ہے کما لا یخفی علی من لہ ادنی تامل۔ اور حدیث میں آیا ہے۔

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث وطعمة للمساكين فمن اداها قبل الصلوٰة فهي زكوٰة مقبولة ومن اداها بعد الصلوٰة فهي صدقة من الصدقات رواه ابوداؤد وابن ماجة والدارقطني والحاكم وصححه كذا في منتقى الاخبار والنيل وللبخاري وكانوا يعطون قبل الفطر بيوم او يومين انتهى وفي موضع آخر والظاهر ان من اخرج الفطرة بعد صلوٰة العيد كان كمن لم يخرجها باعتبار اشتراكهما في ترك هذه الصدقة الواجبة انتهى ما في نيل الاوطار۔ اور جو چیز طعام یعنی قابل قوت ہے مثل گیہوں جو۔ پنیر۔ خرما ستو وغیرہ کے اس میں سے صدقہ فطر ادا کرنا صحیح ہے۔ عن عياض بن عبد الله بن ابي سرح العامري انه سمع ابا سعيد الخدري يقول كنا نخرج زكوٰة الفطر صاعا من طعام او صاعا من شعير او صاعا من تمر او صاعا من اقط او صاعا من زبيب رواه البخاري مقدار اس گیہوں سے آدھا صاع اور سب چیزوں سے ایک پورا صاع ہے۔ عن الحسن رحمہ اللہ قال خطب ابن عباس رضی اللہ عنہ في آخر رمضان على منبر البصرة فقال اخرجوا صدقة صومكم فكان الناس لم يعلموا فقال من ههنا من اهل المدينة قوموا الى اخوانكم فعلموهم فانهم لا يعلمون فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم هذه الصدقة صاعا من تمر او شعير او نصف صاع من قمح الحديث رواه ابوداؤد۔ وقد نمقه البليغ محمد يسين الرحيم آبادي ثم العظيم آبادي عفي عنه سيئاته۔ لقد اصاب من اجاب ابو القاسم محمد عبد الرحمن اللاهوري اصاب من اجاب محمد حسين خان خورجوی — یہ جواب صحیح ہے حررہ ابو العلی محمد عبد الرحمن الاعظم گڈھی المبارکفوری —

جواب باصواب ہے۔ حسبنا اللہ لہ حفیظ اللہ

المجیب مصیب۔ محمد نفیر اللہ ـــ الجواب صحیح والرائے نجیح۔ سید محمد نذیر حسین۔ محمد شمس الدین ۱۳۱۵ ـــ عبد الجلیل ابو محمد عبد الحق ۱۳۰۵ عبد الرؤف ۱۳۰۳ قد صح الجواب ابو محمد عبد الرؤف البہاری الانفوری عفی عنہ خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبد الوہاب ۱۳۰۰ ـــ خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲۔ سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۵ ـــ الجواب صحیح عبد اللطیف عفی عنہ

عبد اللطیف محمد طاہر ۱۳۰۱

وہ غریب مسلمان کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو، بہت ہی بھوکا ہو اس پر یہ فطرہ کسی صورت سے نہیں ہے۔ اگر اس کو دو وقت کی فراغت حاصل ہو تو اس کو دینا چاہیے۔ یہ فطرہ خواہ اپنے خویش کو یا غیر کو دے جو فطرہ دے سکتا ہے اس پر فرض ہے۔ حررہ محمد امیر الدین حنفی واعظ جامع مسجد دہلی۔ محمد امیر الدین ۱۳۰۱

تنبیہ۔ جاننا چاہیے کہ صاع جو حدیث میں آیا ہے وہ صاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اسے صاع حجازی کہتے ہیں۔ اسی صاع حجازی سے صدقہ وغیرہ ادا کرنا چاہیے۔ صاع عراقی سے نہیں کیونکہ صاع عراقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح کتب حدیث میں موجود ہے اور اجرا احکام اسی صاع سے ہونا چاہیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ کا صاع ہے اور اس کا وزن سیروں کے حساب سے ہے۔ جو مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ہے پس صدقہ فطر بسیر پختہ لکھنو کہ نود وشش روپیہ است و روپیہ یازدہ ماشہ نصف صاع از گندم ایک آثار وشش چھٹانک وسہ ماشہ از جو دو چند آں یعنی دو آثار و نیم پاؤ وشش ماشہ وچہار رتی است یک سیر نیم پاؤ و نیم چھٹانک ویک تولہ وسہ ماشہ باشد انتہی اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ اصل صدقہ فطر میں کیل یعنی پیمانہ تاپنے کا ہے اور وزن کے قدر کی جو حاجت پڑتی ہے تو صرف استظہارا واستعانۃ لتطلب حفظ الاحکام کما لا یخفی علی الماہر اور لامحالہ قدر وزن میں قدر قلیل اختلاف معلوم ہوتا ہے اور حقیقت میں اشکل ہی ہے ضبط صاع کا ساتھ ارطال وغیرہ کے کیونکہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا اس سے صدقہ فطر ادا کیا جاتا تھا وہ تو پیمانہ معروف ومشہور تھا اب اندازہ وقدر اس کا وزنا ہوتا ہے ساتھ مختلف ہونے اجناس صدقہ کے مثل حمص وذرہ وغیرہ کے تو ضرور ہے کہ ایسے پیمانہ سے صدقہ دینا چاہیے کہ موافق صاع وپیمانہ رسول اللہ کے ہو

اور جو شخص اس کو نہ پائے تو لازم ہے کہ اس طرح سے ادا کرے کہ تیقن کامل ہو کہ یہ اس سے کم و ناقص نہیں ہوگا۔ مسک الختام میں لکھا ہے کہ احتیاطاً در صدقہ فطر دو سیر انگریزی گندم باید داد و صاع از جو دو چند آن یعنی دو سیر و یک پاؤ و نیم چھٹانک و احتیاطاً از جو چہار سیر باید داد انتہی۔ پس مقدر کرنا صاع کو ساتھ پانچ رطل و ثلث رطل کے بہت اقرب الی الصواب ہے اور کہا صاحب روضہ نے وقد یشکل ضبط الصاع بالارطال فان الصاع المخرج به فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکیال معروف و یختلف قدرہ وزنا باختلاف جنس ما یخرج کالذرۃ والحمص وغیرھا والصواب ما قالہ الدارمی ان الاعتماد علی الکیل بصاع معایر بالصاع الذی کان یخرج به فی عصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن لم یجدہ لزمه اخراج قدر تیقن انه لا ینقص عنه وعلی ھذا فالتقدیر بخمسة ارطال وثلث تقریب کذا فی عون الباری لحل ادلۃ البخاری اور بعض علماء نے کہا ہے کہ صاع چار لپ یعنی چار لپ متوسط آدمی کا ہے اور یہ تجربہ بھی کیا گیا ہے پس صحیح اور موافق ہے صاع رسول اللہ کے ..... کذا فی القاموس وحکاہ النووی ایضا فی الروضہ۔ اور اہل پنجاب اس امر میں بہت اچھے اور خوب ہیں۔ کیونکہ ان کے یہاں پیمانہ مثل مد کے پڑوپی ہے اور مثل صاع کے ٹوپہ ہے اور وہ اسی پر اجرائے احکام وغیرہ کرتے ہیں فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدہلی تجاوز اللہ عن ذنبه الخفی والجلی فی اواخر شہر اللہ الذی انزل فیه القرآن ۱۳۰۰ھ۔ سید محمد نذیر حسین۔ سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹۔ محمد امیر الدین ۱۳۰۱ خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین۔ الخ۔

فتاویٰ نذیریہ ج اول صفحہ ۵۱۷

سوال: رمضان شریف کے مہینے میں بیوی کے پاس جاوے یا نہیں؟

جواب: رمضان شریف میں عورت سے ملنے کی اجازت قرآن شریف میں ہے۔ اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ رمضان کی راتوں میں تمہارے لئے عورتوں کے پاس جانا حلال کیا گیا۔ (۲۷ جنوری ۱۹۲۳ء)

سوال: زید اپنی بیوی سے شب کو صحبت کرتا ہے اور سحری کھا کر روزہ رکھ لیتا ہے اور غسل نہیں کرتا۔ اور نہ نماز فجر میں شرکت کرتا ہے۔ سحری کھا کر سو جاتا ہے کیا اس کا روزہ ہوا یا نہیں (راقم عبد اللہ)

جواب: ایسا کرنے سے زید گنہگار ہے لیکن روزہ ہو جائے گا۔ (۱۲، شوال ۱۳۶۰ھ)

سوال: ایک عورت کو ایک مہینے کا حمل ساقط ہوا۔ کیا اس عورت کو روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: عورت مذکورہ کو جب تک نفاس کا خون جاری رہے وہ حائضہ کی طرح روزہ نہ رکھے۔ (۱۶، شوال ۱۳۶۰ ہجری)

سوال: صائم کی کسی شخص نے ضیافت کی ہو تو کیا صائم کو ضروری ہے کہ اس کے پانی یا روٹی سے روزہ افطار کرے جبکہ روزہ افطاری والے کی نیت بھی ایسی ہی ہے الخ

جواب: صورت ہذا میں روزے دار کو روٹی کھلانے والے کو افطاری کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ اس کی دعوت ہی بغرض افطار ہے وقال علیہ السلام انما الاعمال بالنیات واللہ اعلم۔ (۷، جنوری ۱۹۳۶ء)

سوال: روزہ دار ماں اپنے شیر خوار بچے کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں۔

جواب: دودھ پلانا منع نہیں۔ پلانے والی اپنی طاقت دیکھ لے جیسے سحری کھانے کے بغیر روزہ رکھنا منع نہیں روزہ دار اپنی طاقت دیکھ لے۔ (۱۹ فروری ۱۹۳۲ء)

سوال: ایک آدمی رمضان شریف کو بھی گالی نکالتا ہے اور روزہ رکھنے والوں کو بھی اور جو آدمی اس کو کہے کہ بھائی تم بھی روزہ رکھو تو وہ بے تحاشہ شرع شریف کے بارے میں بکواس کرتا ہے ایسے آدمی کی نسبت کیا کیا جائے نماز کا تو وہ سرے سے منکر ہی ہے۔

جواب: سوال کے الفاظ اگر صحیح ہیں تو شخص مذکور بد دین بلکہ کافر ہے ایسے کلمات منہ سے نکالنے بالکل جائز نہیں۔ (۱۰، شوال ۱۳۳۹ھ)

سوال: روزے میں ایسے منجن سے دانت مانجھنا جس میں نمک اور سیاہ مرچ ملا ہوا ہو کیسا ہے؟

جواب: جس طرح تلخ مسواک کرنی جائز ہے یہ بھی جائز ہے۔ (۲، شوال ۱۳۳۰ھ)

سوال: جو شخص نماز عشاء بغیر جماعت کے ادا کرے اور علاوہ فرض کے سنت اور نفل بھی پڑھے تو اس شخص کو نماز تراویح کس وقت میں پڑھنی چاہیئے؟ یعنی کیا وہ پہلے نماز عشاء کی بارہ رکعت پڑھ کر پھر تراویح پڑھ کر پھر وتر اور اس کے بعد نفل ادا کرے؟

جواب: بعد نماز عشاء کے تراویح پڑھے یا بعد نیند بوقت سحری پڑھے ہر دو جائز

ہے۔ (۱۷ شوال ۱۳۳۹ھ)

سوال: نماز تہجد محدثین کے نزدیک کے رکعت ہے۔

جواب: کم سے کم ۷ رکعت اور زیادہ ۱۱ رکعت پایا گیا ہے معہ آخری نفلوں کے تیرہ رکعت سفر السعادت میں جمیع طرق جمع کئے گئے ہیں۔ (۱۷ شوال ۱۳۳۹ھ)

سوال: جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: پڑھ سکتا ہے۔ تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔ اوّل شب میں تہجد نہیں ہوتی۔ (۱۷ شوال ۱۳۳۹ھ)

سوال: عورتوں کو نماز تراویح پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز بلکہ سنت ہے مثل مردوں کے۔ (۱۷ شوال ۱۳۳۹ھ)

سوال: کیا دوربین کے ذریعے سے ۲۹ رمضان المبارک کو چاند دیکھ کر صبح کر روزہ رکھنا اور عید الفطر کرنا ازروئے شرع شریف جائز ہے!

جواب: دوربین سے چاند دیکھنا جائز ہے۔ دوربین موجود چیز دکھاتی ہے غیر موجود کو موجود نہیں کر سکتی۔ (۱۲۱ جون ۱۹۲۱ء)

سوال: ایک امام صاحب نے وعظ میں بیان کیا کہ اگر کوئی شخص بوقت سحری خاص طور پر نیت نہ کرے اور یہ زبان سے نہ کہے کہ لئے خدا میں کل روزہ رکھوں گا تو اس شخص کا روزہ ہرگز درجہ قبولیت کو نہیں پہنچے گا اکثر لوگوں کو اعتراض ہے کہ خدا تو نیت کو دیکھتا ہے پھر زبان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ فتح الباری میں موجود ہے۔ مگر یہ کتاب یہاں موجود نہیں۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟

جواب: زبان سے نیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ نیت دل سے ہوتی ہے فتح الباری میں اس نے یہ حدیث سنی یا دیکھی ہوگی من لم یبیت الصلوٰۃ (غالباً سہو کاتب ہے صحیح الصیام ہوگا۔ راز) فلا صیام لہ۔ یعنی جو شخص رات سے روزے کی نیت نہ کرے یعنی اس کو خیال نہ ہو کہ میں کل روزہ رکھوں گا اس کا روزہ نہیں ہوگا زبان سے بولنا مراد نہیں۔ (۹ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ)

شرفیہ - حدیث مذکور مرفوع صحیح نہیں ہے۔ حضرت حفصہؓ کا اثر ہے مال الترمذی

والنسائی الی وقفہ۔ بلوغ المرام ہاں ابن خزیمہ ابن حبان دارقطنی نے اسے مرفوع کہا ہے۔
(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: رمضان مبارک مہینے میں چوبیس کلاک کا روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مغرب کے بعد کھانا کھاتے ہیں اور سو جاتے ہیں سحری کرتے نہیں صبح کو کام کاج کرتے ہیں اور روزہ دار کے موافق رہتے ہیں۔ مغرب ہو تو پھر کھانا کھاتے ہیں۔ ایسے بھوکے رہنے سے روزہ ہوتا ہے یا نہیں (میاں حسین پٹیل)

جواب: ایسے لوگ اگر روزہ کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ (۲۲ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ)

شرفیہ: سحری نہ کھانا حدیث نبوی تسحروا فان فی السحور برکۃ اور حدیث فصل ما بین صیامنا وصیام اهل الکتاب اکلۃ السحر رواہ مسلم کے خلاف ہے ۱۲۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: عورتیں جب حیض یا نفاس سے ہوں تو پاک ہونے پر نماز کی قضا کریں یا نہیں اور پاک ہونے پر روزوں کا کیا حکم ہے حیض کے دنوں میں ذکر اذکار درود شریف کا کیا حکم ہے؟

جواب: حائضہ اور نافسہ عورت پر روزہ کی قضا لازم ہے۔ نماز معاف ہے مگر ذکر او درود وغیرہ سے منع کی کوئی قوی دلیل نہیں۔ ذکر اور درود شریف پڑھ سکتی ہے۔
(۲ ستمبر ۱۹۳۱ء) عبداللہ وزیا نگرم ضلع ویراگیام)

سوال: ایک آدمی باوجود بڑی مسجد کے محلہ کی چھوٹی مسجد میں اعتکاف بیٹھتا ہے۔ اور نماز مغرب کے بعد حقہ نوشی بھی کرتا ہے۔ اور بڑی مسجد گاؤں کی چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں جو نصف میل کے قریب ہے نماز جمعہ ادا کرتا ہے۔ کیا اس کا اعتکاف صحیح ہے؟

جواب: جمہور علماء کے نزدیک اعتکاف ہر مسجد میں جائز ہے۔ اس لئے شخص مذکور کا اعتکاف صحیح ہے البتہ حقہ نوشی کرتا ہے یہ ممنوع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مفتر اشیاء سے منع فرمایا ہے۔ نیز حدیث شریف میں ضروری حاجت کے سوا جائے اعتکاف سے نکلنا منع فرمایا ہے اور اس غرض فاسد (حقہ نوشی) کے لئے باہر آنا اعتکاف کے لئے حارج ضرور ہے۔ واللہ اعلم (۹ دسمبر ۱۹۲۸ء)

شرفیہ: یہ صحیح ہے مگر نماز جمعہ فرض ہے اور اعتکاف سنت ہے اگر جمعہ ترک کرے تو ممنوع ہے اور نکلنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا جہاں جمعہ ہو وہیں اعتکاف لازم ہے

اور حقہ کشی کے باعث باہر نکلنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے السنۃ علی المعتکف ان لا یعود مریضا ولا یشہد جنازۃ ولا یمس امرأۃ ولا یباشرھا ولا یخرج لحاجۃ الا لما بد منہ رواہ ابوداؤد - اور حقہ تو جائز ہی نہیں ہے

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: عیدین کی نماز میں ہر تکبیر پر رفع یدین کرنا چاہیئے یا نہیں کرنا چاہیئے اور محدثین کا عمل کیا رہا ہے۔　(حافظ عبد الرزاق از رائے درگ)

جواب: کرنا چاہیئے حدیث لاترفع الایدی الا فی سبع مواطن گو ضعیف ہے مگر عمل اس پر ہے۔ حنفی مذہب میں بھی رفع یدین سنت ہے۔ (۱۲ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ)

سوال: ماہ شعبان کی تیس تاریخ کو اگر دن کا کچھ حصہ گزر کر مفتی کے فتوے سے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ مقرر ہوئی تو اسی وقت کھانا پینا ناقص چھوڑ دینا واجب ہے؟ اگر کوئی شخص یہ خبر سن کر بھی کھانا وغیرہ عمداً نہ چھوڑے تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔ (ایکے از مرینگا)

جواب: صورت مرقومہ میں کھانا پینا چھوڑ دینا احترام صیام ہے روزہ نہیں ہے کیونکہ دن کا کچھ حصہ گزرنے پر شرعی روزہ نہیں ہوتا۔ ماہ صیام کا احترام ہوتا ہے اگر کسی کا دل اس شہادت پر مطمئن نہ ہو تو اسے کچھ نہ کہا جائے مگر وہ بعد رمضان روزہ قضا کرے

(۶ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ)

سوال: یہاں بہت مدت سے یہ دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو چندہ کر کے کچھ روشنی زیادہ کی جاتی ہے اور جب تمام مستورات اور مرد جمع ہوتے ہیں سب کو بعد نماز تراویح چائے پلائی جاتی ہے۔ اس کے بعد وعظ ہوتا ہے وعظ کے بعد شیرینی اور کھجور اور اجوائن سب کو تقسیم ہوتی ہے تو کیا یہ فعل سنت ہے یا بدعت۔

جواب: بہ نیت ولیمۃ القرآن جائز ہے۔ محض ریا اور فخر کے لئے جائز نہیں۔ اللہ اعلم۔　(۱۲ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ)

شرفیہ: صورت مذکورہ فی السوال ولیمۃ القرآن کی نہیں ہے اور یہ طریق مروجہ رسم ہے لہٰذا ترک ہی بہتر ہے۔ ورنہ بدعات ایسے ہی بنتی ہیں۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

تمت کتاب الصیام والحمد للہ اولاً واخراً ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔ آمین۔ محمد داؤد راز۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب چہارم

کتاب الزکوٰۃ

اِفتتاحیہ

از قلم مقبول رب العالمین حضرت محمد سلیمان صاحب پٹیالوی مصنف رحمۃ للعالمین رحمہ اللہ علیہ

علم الاقتصاد یا تمدن یا پولٹیکل اکانومی کا سب سے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ افراد قوم میں بہ لحاظ صرف دولت کیونکر ایک تناسب قائم کیا جائے۔

حکیم سولون کے عہد سے لے کر آج تک کوئی انسانی دماغ اس عقدہ کی گرہ کشائی نہیں کر سکا یورپ میں نہلسٹ جن کا مقصد یہ ہے کہ جملہ املاک و امتیازات پر افراد قوم کا مساوی حق تصرف و یکساں حق مالکیت ہو۔ نیشنلسٹ جن کا مقصد یہ ہے کہ اراضی سکنی و زرعی کی ملکیت و پیداوار کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے۔ سوشلسٹ جن کا مقصد یہ ہے کہ اسباب معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے اور جمہور کی ملک میں کر دیا جائے فرقے اسی لیے پیدا ہو گئے ہیں کہ اس مسئلہ کا حل کر سکیں۔

املاک پر سے حق ملکیت مالکان کا اٹھا دیا جانا اس قدر عقلاً محال ہے کہ دنیا میں کبھی بھی اس کا رواج نہ ہوگا اسی لیے قرآن مجید نے اس بارہ میں پہلے سے فیصلہ کر دیا ہے وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ (سورہ نحل) ترجمہ۔ رزق

ہیں اللہ نے ایک دوسرے پر برتری دی ہے اور جن کو یہ برتری ملی ہے وہ اپنا حصہ ان لوگوں کو جن کے وہ مالک ہو چکے ہیں (اس لئے) واپس نہ کریں گے کہ سب آپس میں برابر ہو جاویں۔ اسلام نے جو مسلمانوں کو دنیا کی برترین متمدن قوم بنانا چاہتا ہے اس مسئلہ پر توجہ کی۔ اور اسے ہمیشہ کے لئے طے کر دیا۔ اور اسی کا نام فرضیت زکوٰۃ ہے۔

(۲) زکوٰۃ ۲ھ میں مسلمانوں پر فرض ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نیک اور رحیم دل پہلے ہی سے مسکینوں کا ہمدرد۔ غریبوں پر رحم کرنے والا۔ دردمندوں کا غمگسار تھا۔ اور اسلام میں شروع ہی سے مساکین اور غرباء کی دستگیری پر مسلمانوں کو خصوصیت سے توجہ دلائی جاتی تھی۔ اور ان کی ہمدردی کو غرباء کا رفیق بنایا جاتا تھا۔ اور مسلمان اس پاک تعلیم کی بدولت غرباء و مساکین کے لئے بہت کچھ کیا بھی کرتے تھے۔ تاہم ایسا کوئی قاعدہ مقرر نہ تھا جس پر بطور "آئین وضابطہ" کے عمل کیا جاتا ہو۔ اس لئے دولتمند جو کچھ بھی کرتے تھے اپنی فیاضی اور نیک دلی سے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فرض اور اسلام کا ایک رکن کلمہ شہادت اور نماز کے بعد قرار دیا۔ زکوٰۃ درحقیقت اس صفت ہمدردی اور رحم کے استعمال کا نام ہے۔ جو انسان کے دل میں اپنے ابنائے جنس کے ساتھ قدرتاً و فطرتاً موجود ہے زکوٰۃ ادا کرنے والے کو یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ مال کی محبت اخلاق انسانی کو مغلوب نہیں کر سکتی اور بخل امساک کے عیوب سے انسان پاک رہتا ہے اور یہ فائدہ بھی کہ غریب اور مساکین کو وہ اپنی قوم کا جزو سمجھتا رہتا ہے اور اس لئے بے حد دولت کا جمع ہونا بھی اس میں تکبر اور غرور پیدا نہیں ہونے دیتا۔

اور یہ فائدہ بھی ہے کہ غرباء کے گروہ کثیر کو اس کے ساتھ ایک انس و محبت اور اس کی دولت و ثروت کے ساتھ ہمدردی و خیرخواہی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کے مال میں اپنا ایک حصہ موجود و قائم سمجھتے ہیں۔ گویا دولتمند مسلمان کی دولت ایک ایسی کمپنی کی دولت کی مثال پیدا کر لیتی ہے۔ جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ حصے کے حصہ دار شامل ہوتے ہیں۔

قوم کو یہ فائدہ ہے کہ بھیک مانگنے کی رسم قوم سے بالکل مفقود ہو جاتی ہے۔ اسلام نے مساکین کا حق امراء کی دولت میں بنام زکوٰۃ اموال نامیہ یعنی ترقی کرنے والے مالوں میں مقرر کیا ہے جن میں سے ادا کرنا کبھی ناگوار نہیں گزرتا۔ اموال نامیہ میں تجارت۔ زراعت اور مواشی (بھیڑ۔ بکری۔ اور اونٹ۔ گائے) نقدیت۔ معادن اور دفائن شمار ہوتے ہیں

اب یہ دکھلانا ضروری ہے کہ جو نقد و جنس زکوٰۃ سے حاصل ہو۔ اس کے مستحق کون کون لوگ ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (سورہ توبہ) زکوٰۃ اور صدقات کا مال (۱) فقیروں اور (۲) مسکینوں کے لیے ہے (فقیروں اور مسکینوں کا فرق کتب فقہ میں دیکھو) (۳) تحصیلداران زکوٰۃ کے لیے (جن کی تنخواہیں ادا ہوں گی) (۴) اور اُن لوگوں کے لیے جن کی دل افزائی اسلام میں منظور ہو یعنی نومسلم لوگ (۵) اور غلاموں کو آزادی دلانے کے لیے (۶) اور ایسے قرضداروں کا قرضہ چکانے کے لیے جو قرض نہ اُتار سکتے ہوں۔ (۷) اور اللہ کے رستہ میں (یعنی دیگر نیک کاموں کے لیے اس کی تفصیل بھی کتب فقہ میں دیکھیے (۸) اور مسافروں کے لیے ہے۔

جن آٹھ مدات پر زکوٰۃ تقسیم کی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت سے ملک اور قوم اور افراد کی نوعی و شخصی ضروریات کو کیسی خوبی سے پورا کر دیا گیا ہے (رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم)

شرفیہ: نہلسٹ کا مقصد یہ ہے کہ جملہ املاک و امتیازات پر افراد کا مساوی حق تصرف و یکساں حق ملکیت ہو۔ سوشیالسٹ کا مقصد یہ ہے کہ اسباب معیشت پر سے شخصی ملکیت کو اٹھا دیا جائے اور جمہور کی ملکیت میں کر دیا جائے۔ نیشنلسٹ کا مقصد یہ ہے کہ اراضی سکنی و زرعی کی ملکیت و پیداوار کو شخصی قبضہ سے نکال لیا جائے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خالقیت۔ رزاقیت۔ الوہیت۔ وحدانیت و ارسال رسل وغیرہ صفات کے قائل نہیں جو ان کو قرآن مجید یا احادیث نبویہ سے قائل کیا جائے لہٰذا ان پر برہان عقلی پیش کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ ان سب اقوال کا خلاصہ ہے کہ کسی شخص کا کسی امر ملکیت اراضی و اسباب معیشت وغیرہ کل شے میں شخصی حق تصرف نہیں صرف جمہور یا حکومت کا حق ہے۔ جس کو جتنا چاہے دے باقی سب پر در تصرف بند ہے سو یہ قول بالکل خلاف عقل ہے کہ اوّلاً تو یہ مساوات اس امر پر موقوف ہے کہ تمام افراد قوم عقل ہمت خلق قوت کسب انتظام نفسانی خواہش وغیرہ امور نظام صالح میں یکساں ہوں اور تجربہ شاہد عدل ہے کہ یہ مساوات قطعاً ثابت نہیں۔ ان میں بے حد اختلاف ہے اگر اختلاف نہ ہو تو پھر حکومت کی ضرورت ہی نہیں رہتی حکومت ہی بیکار رہے اور یہ امر بھی بدیہی ہے لہٰذا مساوات ناممکن ہے۔ دوم جب امزجہ میں اختلاف

شدید ہے تو فساد فی الارض لازم ہے۔ پھر اگر جمہور یا حکومت نے جبراً ان کو دبا کر ان کی خواہشات سے روکا تو ان کا قانون مساوات ٹوٹ گیا کہ جبراً ان کے حق مساوات کو سلب کیا۔ ثابت ہوا کہ ان کا یہ قانون باطل ہے۔ اس لئے کہ اگر تمام افراد قوم امور مذکورہ بالا میں یکساں ہوتے تو واقعی ملکیت، املاک و حق تصرف تمام اشیاء میں مساوات کے مستحق ہوتے واذلیس فلیس۔ سوم اگر تمام افراد قوم کی رضامندی سے صحیح طور سے جمہور کا انتخاب یعنی ارباب حکومت کا ہو تب تو واقعی حکومت کا ان پر حکم بجا ہے۔ مگر جب ثابت ہو چکا کہ سب کے مزاجوں میں امور مذکورہ بالا میں اختلاف شدید ہے تو رضامندی سے سب کا اتفاق ناممکن ہے اور جبر سے ان کا قانون مذکورہ ٹوٹ جاتا ہے ؎

بات وہ منہ سے کہی ہے کہ بنائے نہ بنے ؎ بوجھ وہ سر پہ لیا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے

چہارم املاک و اسباب معیشت میں ہر شخص کا سامان ضروری لباس مرکب مکان رہائش حتی کہ ملک منافعہ بضعہ یعنی تصرف زوجہ پر بھی ایک قسم کی ملکیت ہے۔ پھر کیا ہر شخص کو افراد قوم سے اختیار ہے کہ جب چاہے اشیاء مذکورہ میں سے جس شخص کا ان پر قبضہ ہے وہ بھی اس پر قابض ہو جائے اور اپنے تصرف میں لائے حتی کہ اس کی زوجہ کو بھی اس لئے کہ ہر شخص کا ہر شئی میں حق تصرف مساوی ہے ترجیح کی کوئی وجہ نہیں پھر اگر حکومت روکے تو ان کے حق تصرف کو سلب کرنا ظلم ہے اور قانون بھی ٹوٹتا ہے اور اگر نہ روکے تو فساد فی الارض لازم ہوتا ہے۔ اسی فساد فی الارض کی اصلاح اور نظام صالح کے لئے اللہ تعالیٰ دنیا میں انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرتا رہتا ہے اگر انسانی عقل ہی نظام صالح کے لئے کافی ہوتی تو پھر ارسال انبیاء کی ضرورت نہ ہوتی۔ واذلیس فلیس۔ پنجم اگر کوئی شخص اشیاء مذکورہ بالا میں سے جو ارباب حکومت کے تصرف میں ہیں ان میں بلا اجازت ان پر اپنا قبضہ کرے تو کیا ارباب حکومت اس کو روا رکھیں گے۔ اور گوارا کریں گے ہرگز نہیں اگر نہیں تو کیوں اس لئے ہر شخص کا افراد قوم میں سے ہر شئے پر خواہ کسی کی ہو ارباب حکومت ہوں یا کوئی اور یکساں ہر شے میں حق تصرف مساوی ہے کسی کی تخصیص نہیں ورنہ ترجیح بلا مرجح ہے جو باطل ہے۔ ششم جب ثابت ہو چکا کہ تمام افراد کے مزاجوں اور خواہشوں میں اختلاف شدید ہے اور رضامندی سے قوانین مذکورہ

پر صحیح انتخاب ناممکن ہے تو پھر جمہور کی حکومت ہی خلاف عقل و صریح ظلم ہے کہ بلا وجہ وجیہہ سب پر حکومت کریں جب کہ ان کو کسی پر فوقیت کی کوئی وجہ نہیں تو یہ مساوات نہ ہوئی صریح ظلم اور بے انصافی اور مساوات کا ابطال ہوا۔ **ھفتم** اگر بالفرض ان قوانین مذکورہ بالا پر عمل کیا جائے تو پھر ہر شخص کی محرمات ابدیہ کے علاوہ اس کی زوجہ پر بھی ہر شخص کا حق تصرف ثابت ہوگا تو پھر حلال و حرام، حلال زادہ حرامزادہ میں کیا فرق ہوگا کچھ بھی نہ ہوگا۔ کسی کی نسل صحیح نہ ہوگی۔ حرامزادگی کے علاوہ دیوثی کا بازار بھی گرم ہوگا۔ اخلاق حسنہ کا نام و نشان نہ ہوگا بدمعاشی سے فساد فی الارض کا دور دورہ ہوگا پھر ایسے ہی بدمعاشوں پر قیامت قائم ہوگی جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ہستی اور خالقیت وغیرہ شرائع کے قائل نہیں تو بتایئے آپ کی ماں بہن بیٹی بیوی وغیرہ میں کیا فرق ہے کہ بعض سے رفع حاجت یا خواہش نفسانی جائز اور بعض سے ناجائز اس پر کونسا برہان عقلی ہے بینوا ان کنتم صادقین۔ **ھشتم** جب یہ لوگ دھریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت، خالقیت، رازقیت، قیامت وغیرہ کے قائل ہی نہیں تو پھر ان میں خداترسی یا رغبتِ ثواب یا خوفِ عذاب نہ ہوگا اور خواہشات نفسانیہ اور شہوات کا زور ہوگا تو وہ بلاخوف بدکاری بدمعاشی کریں گے چنانچہ ارباب حکومت ہی سب سے زائد حصہ اس میں لیں گے تو پھر مساوات کہاں رہے گی اور ابھی تجربہ کر کے دیکھ لیجئے جہاں اس کا چرچہ ہے وہاں رعایا کو حکومت نے قید کر رکھا ہے۔ املاک جبراً سلب کر لئے ہیں۔ ذرا کسی نے انکار کیا مار مار کر حبس بھر دیا۔ سخت سے سخت سزا قید وغیرہ دی۔ ان کی ساری آزادی سلب کر رکھی ہے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور وہ بیچارے بے بس ہیں۔ **نہم** اول تو یہ لوگ حلال و حرام، جائز و ناجائز کو جانتے ہی نہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ انصاف و عدل کیا ہے اور بے انصافی و ظلم کیا ہے اس لئے کہ ان امور کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا کہ آپس میں ایک دوسرے کے کیا کیا حقوق ہیں کیا کیا مراتب ہیں عدل کیا ہے۔ ظلم کیا ہے عدل اور ظلم کا علم مراتب حقوق پر موقوف ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو خالق الکل ہے ایسے ہی مساوات کا علم بھی اسی کو ہے اس لئے کہ یہ حقوق و مراتب ان کے علم پر موقوف ہیں اور یہ اسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کو ہے۔ اسی لئے اس نے انبیاءؑ کو بھیج کر ان پر کتب نازل کر کے سب

امور کی تفصیل بتادی جو قرآن مجید میں ہے اور احادیث نبویہ ہیں ۔ پس مساوات عقلی بھی اور شرعی بھی یہ کہ ہر ذی حق کو، جس جس کو اللہ نے جو جو حقوق عطا کئے ہیں وہ ان کو دیئے جائیں یہ ہے انصاف اور مساوات ۔ **دھم** یہ لوگ جن قوانین پر چلانا چاہتے ہیں کیا یہ تاریخ سے ثابت کر سکتے ہیں ۔ جہاں کہیں بھی شبہ ہوگا وہاں صریح جبر و استبداد و ظلم ثابت ہوگا اور بس یہ قوانین کیا ہیں وسواس شیاطین ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا علاج بتایا ہے پڑھو رَبِّ اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضرون ۝ وایضا قل اعوذ برب الناس ۝ ملک الناس ۝ الٰہ الناس ۝ من شر الوسواس الخناس ۝ الذی یوسوس فی صدور الناس ۝ من الجنۃ والناس ۝ تلک عشرۃ کاملۃ" ۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

روٹی کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے اسلام نے بڑے اہم پروگرام بنائے ہیں ۔ جب سوسائٹی غیر منظم ہو تو خیرات پر زور دیا ہے اور ساتھ ہی زکوٰۃ کے ذریعے دولت کی بہتر تقسیم کی صورت پیدا کی ہے یہاں تک زور دیا ہے کہ قرب و جوار کے ننگوں اور بھوکوں کو کھانا کپڑا دینے کو اللہ تعالیٰ نے خود اللہ کو کھانا کپڑا دینے کے مرادف قرار دیا ہے ۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ پوچھے گا " میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہیں دیا تھا ۔ اس پر لوگ کہیں گے کہ اے اللہ تو تو بھوک سے بے نیاز ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو بھوکا ہو ۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ میرے بندے بھوکے تھے تو گویا میں ہی بھوکا تھا ان کو تم نے کھانا نہیں دیا گویا مجھے نہیں دیا ۔

اسی روٹی کے مسئلے پر زور دینے کے لئے الخلق عیال اللہ (خلق اللہ کا خاندان ہے) کا فلسفہ پیش کیا گیا یہاں ایک اور اصولی بات کی طرف اشارہ ضروری ہے ۔ قرآن کی ایک آیۃ ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (زمین پر کوئی ذی حیات چلنے والا ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو) ۔ اس کا مطلب عام طور پر یہ لیا جاتا ہے کہ رزق کی فکر فضول ہے کیونکہ اس کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے ۔ اس آیت کا رائج الوقت مطلب تو ظاہراً غلط ہے کیونکہ ۱۹۴۳ء کے بنگال کے قحط میں ۴۵ لاکھ آدمی بھوک سے مر گئے ان میں مسلم و مشرک نیک بد، عورت اور بچے سب ہی تھے ۔ اور یوں بھی دنیا کے ہر گوشہ میں آج کل کھانا نہ ملنے سے لوگ مرا ہی کرتے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ جو مطلب آیۃ کا لیا گیا وہ غلط تھا ۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر رزق کی ذمہ داری ضرور ہے مگر یہ ذمہ داری خلافت الٰہیہ کے ذریعہ پوری ہوتی ہے۔ اللہ نے انسان کو زمین پر خلیفۃ اللہ بنایا ہے۔ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (ہم نے زمین پر اپنا نائب بنایا) پس زمین پر انسان کو خلافت الٰہیہ قائم کرنی چاہیے۔ اس خلافت الٰہیہ پر رزق کی ذمہ داری آجاتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ ذمہ داری انسان پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے۔ انسان کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ قوانین الٰہی کے مطابق اپنا نظام درست کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو بنی نوع انسان میں روٹی کا سوال حل ہو جائے گا اور ہر انسان کے رزق کی ذمہ داری قانون الٰہی کے مطابق پوری ہوتی رہے گی۔ لیکن اگر انسان نے بغاوت کی اور اللہ کے قوانین کے خلاف نظام طاغوتی بنانا شروع کر دیا تو یہ ذمہ داری پوری کرنے والی مشینری ٹوٹ جاتی ہے اور بھوک کی مصیبت عذاب بن کر نازل ہونے لگتی ہے۔ سوسائٹی کو سزا ملتی ہے۔ جن قوانین الٰہیہ پر چلنا رزق کے عام حصول کے لیے خلافۃ الٰہیہ کے اصول پر ضروری تھا ان کے توڑنے سے قحط واقع ہوتا ہے اور لوگ مرتے ہیں۔

قحط عموماً بلکہ ہمیشہ انسان کا بنایا ہوا ہوتا ہے جو قحط برسات کی کمی کے باعث پڑتا ہے اس کی ذمہ داری بھی حضرتِ انسان پر آتی ہے کیونکہ وہ آبپاشی کے دوسرے ذرائع یا نقل وحمل کے وسائل نہیں استعمال کرتا۔ تصور یہ ہے کہ انسان اپنی قسمت کا خود مالک ہے اللہ نے خلافت الٰہیہ کے قوانین بنا دیئے ہیں ان پر عمل کرنے کے بعد دنیا میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ جب سوسائٹی غیر منظم ہو یعنی روٹی کا مسئلہ الجھا ہوا ہو تو فوری امداد (ریلیف) کے لئے قرآن نے بھی اور حدیث نے بھی بھوکوں کو کھانا کھلانے کی اہمیت نماز سے زیادہ رکھی ہے قرآن کی مشہور آیت ہے۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ الخ پ ۲ ع ۶ (ترجمہ) ایمان یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ ایمان تو یہ ہے کہ آدمی اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرہ ملائکہ اور کتاب اور نبیین پر اور اپنا مال اللہ کی محبت میں ذوی القربی والیتمی والمساکین مسافروں سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے ... الخ) اس آیت میں نماز سے بھی پہلے عزیز و اقارب اور مساکین وغیرہ کو دینے

حکم دیا گیا ہے اور نماز و زکوۃ سے بھی پہلے ان چیزوں کو ایمان بتایا گیا ہے۔

حدیث میں لفظ "ہو" کی تشریح ایمان ہی سے کی گئی ہے اس آیت میں ایمان کی تشریح میں نماز کو غرباء و مساکین کی امداد سے بعد کا درجہ دیا گیا ہے اور زکوۃ کو بھی بعد میں رکھا گیا ہے اس آیت کی بنیاد پر حضرت ابوذر غفاری نے بہت ہنگامہ برپا کیا تھا۔ بعض صحابہ کی رائے تھی کہ جس شخص نے زکوۃ اپنے مال کی دیدی اور کچھ دے یا نہ دے اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ لیکن ابوذر اسی آیت کا حوالہ دیکر کہتے تھے کہ نہیں زکوٰۃ سے پہلے اسے ذوی القربیٰ مساکین وغیرہ کے مرحلوں سے گزرنا ہو گا۔ اگر اس نے اس دینے میں کمی کی تو اس کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

حضرت ابوذرؓ کا استدلال صحیح تھا یہ کھلی حقیقت ہے۔ دوسرے صحابہ کا استدلال احادیث پر مبنی تھا جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ زکوۃ دینے کے بعد سارا مال پاک ہو جاتا ہے اور اسے جمع کیا جائے تو وہ "کنز" نہیں کہلائے گا۔ اور کسے لئے کوئی گناہ نہیں ہوگا یہ استدلال صرف اسی حالت میں صحیح ہو سکتا ہے جب کہ ذوی القربیٰ، مساکین اور دوسرے گروہ احتیاج کی مصیبت میں نہ مبتلا ہوں۔ اگر یہ لوگ محتاج ہیں تو صرف زکوٰۃ کافی نہیں بلکہ انسان کو اس سے زیادہ بھی دینا پڑے گا۔ اور ایسا بھی ایک وقت آسکتا ہے کہ اسٹیٹ یا جماعت انسان کا سب کچھ چھین لے صرف فوری خرچ کے لئے چھوڑ دے۔ قرآن مجید کی آیت بالکل واضح ہے یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ..... اے رسول وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا دیدیں۔ ان سے کہدو کہ جتنا فوری ذاتی ضروریات سے زیادہ ہو وہ سب دے ڈالو۔

اس آیت میں روٹی کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اور اس اصول کو قائم کرنے کے لئے کہ تمام ملکیت کی مالک دراصل قوم ہے ایک انتہائی علاج تجویز کیا گیا ہے۔ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یکے بعد دیگرے سوالات کئے تھے کہ یا رسول اللہ جس کے پاس فلاں فلاں چیز ہو وہ بھی دے دے۔ آپ ہر مرتبہ یہی جواب دیتے رہے کہ ہاں وہ بھی دے دے۔ آخر صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول ہم سمجھ گئے کہ ہمارا مالکانہ حق صرف ہماری فوری ضروریات پوری کرنیوالی چیزوں پر ہے۔ باقی سب اللہ کے لئے ہے۔

اسلام روٹی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ہر انتہائی اقدام کا حکم دیتا ہے۔ اگر کوئی اسٹیٹ روٹی کے مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی وہ اسلامی اسٹیٹ کہلانے کی مستحق نہیں

ہے کیونکہ خلافت الٰہیہ کا پہلا فرض دنیا میں رزق کی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے صرف اصول طے پائے تھے اتنا موقع نہیں ملا کہ تفصیلات طے پا جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کے دور میں بعض تفصیلات کی تعیین ہوئی۔ لیکن تفصیلات ہر دور میں اصول کے تحت بدلا کرتی ہیں۔ آج کے حالات میں یہ تفصیلات اور ہوں گی یہ کام ارباب حل وعقد کا ہے کہ خلافت الٰہیہ کے مقصد کی تکمیل کے لئے جدوجہد کریں۔ پروگرام بنائیں اور ان پروگراموں پر عمل کرنے کے لئے عوام وخواص کو تیار کریں۔

روٹی کا مسئلہ اسلامی زندگی میں بنیادی مسئلہ ہے اور جو لوگ اسے اللہ پر چھوڑ کر پہلو تہی کرنا چاہتے ہیں وہ خلافت الٰہیہ کی مشینری کا کوئی تصور نہیں رکھتے۔ (ملخص)

(از قلم مولوی حافظ علی بہادر صاحب بمبئی (پیام اسلام)

سوال: زید زکوٰۃ نہیں دیتا۔ دریافت کرنے پر کہتا ہے کہ جو زیورات اس کے نزدیک ہیں اس کی عورت اس کو پہنا کرتی ہے۔ اس لئے استعمال میں آنے والے زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟

جواب: میری ناقص تحقیق میں زیورات پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگر دے تو اچھا ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۴ نومبر ۱۹۳۹ء)

شرفیہ: وہ بعض سلف کا مسلک ہے۔ موطا میں دو اثر بھی ہیں۔ ایک عائشہ صدیقہؓ کا کہ وہ اپنی یتیم بھانجیوں کی متولی تھیں اور ان بچیوں کے زیور کی زکوٰۃ نہ نکالتی تھیں۔ دوسرا عبداللہ بن عمرؓ کا ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں اور لونڈیوں کے زیور سے زکوٰۃ نہ نکالتے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ان دونوں اثروں میں یہ تصریح نہیں کہ ان کے زیوروں کا نصاب پورا تھا یا نہیں یعنی بیس دینار تھا یا نہیں۔ ممکن ہے وہ نصاب سے کم ہوں پھر خصوصاً جب آثار مرفوع حدیث کے خلاف ہوں تو ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ آثار خلاف حدیث مرفوع ہیں۔ کما سیاتی اور بعض اصحاب کو امام ترمذی کے قول سے بھی مغالطہ ہوتا ہے جہاں انہوں نے عمرو بن شعیب کی حدیث کو روایت کرکے کہا ہے۔ المثنیٰ ابن الصباح وابن لهيعة يضعفان في الحديث ولا يصح في هذا عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء (انتہی) وسیاتی جواب قولہ

الترمذی عن الحافظ ابن حجرؒ قال فی بلوغ المرام عن عمرو بن شعیب
عن ابیہ عن جدہ عن امرأۃ اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعہا
ابنۃ لہا وفی ید ابنتہا مسکتان من ذہب فقال لہا اتعطین زکوٰۃ ھذا
قالت لا قال ایسرک ان یسورک اللہ بہما یوم القیامۃ سوارین من نار
فالقتہما رواہ الثلثۃ واسنادہ قوی وصححہ الحاکم من حدیث عائشۃ
انتہی وقال الحافظ ابن حجر ایضا فی التلخیص الحبیر بعد ذکر ھذا الحدیث
بلفظ ابی داؤد اخرجہ من حدیث حسین المعلم وھو ثقۃ عن عمرو
وفیہ رد علی الترمذی حیث جزم بانہ لا یعرف الا من حدیث
ابن لہیعۃ وابن المثنی بن الصباح وقد تابعہم حجاج بن ارطاۃ ایضا
قال البیہقی وتناد انضوا الی حدیث عمرو بن شعیب حدیث ام سلمۃ
وحدیث عائشۃ وساقہما وحدیث عائشۃ اخرجہ ابوداؤد والحاکم
والدارقطنی والبیہقی وحدیث ام سلمۃ اخرجہ ابوداؤد والحاکم و
من ذکر معہما ایضا وروی ایضا عن اسماء بنت یزید رواہ احمد ولفظہ
عنہا قالت دخلت انا وخالتی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلینا اساور
من ذہب فقال لنا اتعطیان زکوتہ فقلنا لا قال اما تخافان ان یسورکما
اللہ بسوار من نار ادیا زکاتہ ثم ذکر حدیث لا زکاۃ فی الحلی من
روایۃ البیہقی فی المعرفۃ ...... ثم قال لا اصل لہ انما یروی عن جابر
من قولہ انتہی ص ۱۸۳ وحدیث ام سلمۃ ذکرہ ایضا فی بلوغ المرام
بلفظ انہا کانت تلبس اوضاحا من ذہب فقالت یا رسول اللہ اکنز ھو
قال اذا ادیت زکاتہ فلیس بکنز رواہ ابوداؤد والدارقطنی وصححہ
الحاکم انتہی۔ خلاصہ یہ کہ زیور مستعمل میں زکاۃ فرض ہے اس کا خلاف قطعی باطل
ہے۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: محمودہ کے تین لڑکے اور ایک لڑکی جن کی عمر چھ سال سے بارہ سال تک ہیں
احمد کی زیر نگرانی ہیں۔ محمودہ کی کچھ جائداد اور تھوڑا زیور تھا جس کو محمودہ خود مرنے سے
قبل ان بچوں کے نام تقسیم کر چکی ہے۔ جس کی آمدنی احمد ان بچوں کی نگرانی پر خرچ کرتا ہے۔

اور زیور ان بچوں کی شادی میں دیدیا جائے گا۔ احمد چاہتا ہے کہ اس زیور کی زکوٰۃ دی جائے کیونکہ ان بچوں کی آمدنی اتنی ہے کہ جس سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے۔ مگر زید کہتا ہے کہ احمد ان بچوں کا نگراں اور ان کے مالوں کا محافظ ہے۔ علاوہ ازیں بچے چھوٹے ہیں جن پر کوئی چیز مثلاً نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ فرض نہیں اس لئے احمد کو ان زیوروں پر زکوٰۃ دینے کا حق نہیں۔ کیا زید کا کہنا ٹھیک ہے؟ جواب مدلل ہو۔

جواب: جو لوگ یتیم کو غیر مکلف ہونے کی وجہ سے مامور بالزکوٰۃ نہیں سمجھتے میں ان کی دلیل کو راجح سمجھتا ہوں۔ زیور میں جن علماء کے نزدیک زکوٰۃ واجب نہیں میں ان سے متفق ہوں۔ سوال میں زیور کے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ اللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ۴ نومبر ۱۹۴۲ء)

تشریح: یتیم کے مال کی زکوٰۃ میں حدیث مرفوع صحیح نہیں۔ صحابہ میں سے حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، حضرت علیؓ، عائشہ صدیقہؓ، اور امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کو جامع ترمذی میں قائلین میں لکھا ہے اور سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک کو مانعین میں۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: زید نے بکر کی تحریری ضمانت مبلغ ایک سو چوراسی روپیہ کی ایک ساہوکار کے پاس دیدی ہے اور کہا کہ دو قسط میں ادا کر دوں گا۔ چنانچہ پہلی قسط چوراسی روپیہ ادا بھی کر دی۔ دوسری قسط اس خیال سے ادا نہیں کی اور بکر فوت ہو چکا ہے اور ایک سو روپیہ اس کا باقی ہے۔ چونکہ قرض کسی حالت میں معاف نہیں ہوتا اس لئے بروئے شریعت محمدی وہ قرض زید ادا کرے یا بکر کے ذمہ رہا۔ اس کے وارث ادا کریں۔ زید ضامن ہے۔ اگر زید کو ہی ادا کرنا چاہیئے۔ کیا زید اپنی زکوٰۃ یا اپنے رشتہ داروں سے زکوٰۃ لے کر اس قرض میں دے سکتا ہے یا ساہوکار سے نصف معاف کرا لیوے تو بھی جائز ہے اور نصف ادا کر دیوے۔ اگرچہ قانون انگریزی کے مطابق وہ قرض زائد المیعاد ہو چکا ہے مگر قرآنی قانون کے مطابق اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ اس کی باز پرس زید سے ہوگی یا بکر سے؟

جواب: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زید نے بکر کے قرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لی ہے اس لئے ہر حالت میں زید ہی ذمہ دار ہے۔ بکر کی زندگی اور بعد وفات کے زید

ہی ادا کرے گا اور بکر مد زکوٰۃ سے یہ قرض ادا کر سکتا ہے مصارف زکوٰۃ میں غارم (مقروض) بھی ہے اس کے ماتحت زکوٰۃ سے یہ قرض ادا کر سکتا ہے۔ اللہ اعلم۔

(اہلحدیث امرتسر ۱۳ جنوری ۱۹۳۹ء)

سوال: یہاں اور بعض دوسرے شہروں میں بھی بعض بعض سیٹھ مال زکوٰۃ کو ہفتہ وار غرباء و مساکین، اور عام سائلین کو ایک ایک دو دو پیسے یا ایک ایک دو دو دمڑی کر کے دیتے ہیں۔ علی العموم اس خیرات کا دن جمعہ کا دن ہوتا ہے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں علی اختلاف البلاد والاحوال سائلین جمع ہوتے ہیں اور یہ خیرات وصول کرتے ہیں۔ ۲ بجے دن سے شام تک چکر لگانے پر آنے دو آنے یا چار آنے پاتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ زکوٰۃ کا مال اس طرح تقسیم کرنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ اس طرح سال میں لاکھوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ مگر اس سے نہ کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوتی ہے اور نہ اس سے مسلمانوں کو قومی یا اقتصادی فائدہ ہوتا ہے۔ مال زکوٰۃ کی یہ تقسیم منشاء اسلام کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس طریقہ کو بند کر کے غرباء و مساکین اور جملہ مستحقین کو سال میں ایک دفعہ یا دو دفعہ یک مشت رقم دینی چاہیئے تاکہ یہ مال صحیح مصرف میں آئے اور لوگوں کی قومی اور اقتصادی حالت درست ہو سکے ہاں جو لوگ مروجہ طریقہ پر خیرات کرنا چاہیں انہیں چاہیے کہ اپنے ذاتی مال سے اس طرح خیرات کریں۔ مگر مال زکوٰۃ اس طرح خرچ نہ کریں۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اس طرح مال زکوٰۃ خرچ کرنا یعنی ہفتہ وار دمڑی پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بہ نیت نیک جائز ہے۔ کیونکہ ادائے زکوٰۃ کا حکم عام ہے۔ اس میں کسی قسم کا تقیید کرنے کی ضرورت نہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۴ اپریل ۱۹۳۹ء)

تشریح: یہ صحیح ہے مگر طریق مذکور فی السوال عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ تابعین سے ثابت نہیں۔ لہٰذا وہی بہتر ہے جو عہد نبوی و صحابہ میں تھا۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: زکوٰۃ کے روپے سے اخبار جاری کرایا جا سکتا ہے؟ نیز صدقہ فطر یا قربانی کی کھال فروخت کر کے اس رقم سے اخبار جاری کرایا جا سکتا ہے۔ یا ایسی رقوم کنواں وغیرہ میں لگا سکتے ہیں کہ نہیں۔

جواب: کسی غریب شایق کے نام اخبار جاری کرادے تو جائز ہے۔ اپنے لیے مال زکوٰۃ سے اخبار جاری نہیں کراسکتے۔ (اہلحدیث امرتسر ۳۰ رجون ۱۹۲۹ء)

تشریح: زکوٰۃ یا صدقہ فطر یا کھال قربانی سب مساکین و مستحقین کا حق ہے۔ ان کے سوا کسی اور میں لگانا جائز نہیں۔ انہیں کو دینا لازم ہے طرق مذکور فی السوال کے طور پر صرف کرنا ثابت نہیں۔ (ابوسعید شرف الدین)

سوال: زید کہتا ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کے روپیہ میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ روپیہ اس کے قبضہ میں نہیں ہے۔ ملازمت ختم ہونے کے بعد وہ اس روپیہ پر قابض ہوگا۔ لیکن عمر کہتا ہے کہ پراویڈنٹ کے روپیہ میں بدستور زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ وہ روپیہ بھی بنک وغیرہ میں جمع کیے ہوئے روپیہ کی طرح ہے۔ جب بنک وغیرہ میں جمع کیے ہوئے روپے میں زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی ہے تو پراویڈنٹ فنڈ کے روپیہ میں سے کیوں نہ ادا کی جائے۔

(ب) نیز بعض تاجروں کا خیال ہے کہ زکوٰۃ صرف سالانہ آمدنی کے روپے میں سے واجب ہے۔ اصل جمع کیے ہوئے روپے میں نہیں ہے۔ آیا یہ خیال ان کا درست ہے یا نہیں؟

(ج) نیز زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: الف۔ ظاہر حدیث ما حال علیہ الحول سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو مال اپنے قبضہ میں ہوتا ہے اسی میں زکوٰۃ ہے۔ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم اب تک اس کے قبضہ میں نہیں آئی۔ جو رقم بنک میں جمع ہے وہ اس کے قبضے میں ہے اور اسی نے جمع کرائی ہے۔

(ب) جو سونا چاندی وغیرہ اس کے پاس ہو اس سے ہر سال زکوٰۃ دے۔ جب تک نصاب زکوٰۃ تک مال رہے تب تک زکوٰۃ ہے۔

میری ناقص تحقیق میں زیورات میں زکوٰۃ فرض نہیں اگر دے تو اچھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (اہلحدیث امرتسر ۱۸ اگست ۱۹۳۹ء)

سوال: زیور طلائی و نقرئی کی زکوٰۃ کی نسبت کیا حکم ہے۔ دی جائے یا نہ دی جائے؟

جواب: مستعملہ زیور کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔ میرے ناقص علم میں واجب نہیں۔ دیوے تو اچھا ہے۔ (اہلحدیث ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ)

تنقید: از مولانا ابوالصمصام عبدالسلام صاحب مبارکپور اعظم گڑھ

جامع ترمذی شریف میں ہے۔ فرأی بعض اھل العلم من اصحاب النبی

صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین فی الحلی زکوٰۃ ما کان منہ ذہب وفضۃ وبہ یقول سفیان الثوری وعبد اللہ بن المبارک۔ یعنی بعض صحابہ اور تابعین کے نزدیک سونا اور چاندی کے زیور میں زکوٰۃ ہے اور سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔ تحفۃ الاحوذی میں عمدۃ القاری شرح بخاری سے منقول ہے کہ یہی مذہب امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کا بھی ہے اور ایسا ہی حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر اور عطار اور محمد بن سیرین اور جابر بن زید اور مجاہد، اور زہری اور طاؤس اور میمون بن مہران اور ضحاک اور علقمہ اور اسود اور عمر بن عبدالعزیز اور ذر الہمدانی اور اوزاعی اور ابن شبرمہ اور حسن بن حی اور ابن المنذر اور ابن حزم کا قول ہے کہ (زیور میں) زکوٰۃ واجب ہے۔ ظاہر کتاب اور سنت کی رُو سے"۔

اور سبل السلام سے منقول ہے کہ اس مسئلہ میں چار قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہے۔ اور یہ مذہب ہے ہدویہ اور سلف کی ایک جماعت کا۔ اور امام شافعیؒ کا ان کے قول کے مطابق۔ دوسرا قول یہ ہے کہ زیور میں زکوٰۃ نہیں ہے اور یہ مذہب ہے امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا ان سے ایک قول کے مطابق کیونکہ سلف سے اقوال وارد ہیں۔ مثلاً ابن عمرؓ اور عائشہؓ اور انسؓ اور جابرؓ وغیرہ کے آثار۔ اور جابرؓ کی مرفوع روایت ہے (لَیْسَ فِی الْحُلِیِّ زَکوٰۃٌ) سو وہ موضوع اور بے اصل ہے۔ ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ص۱۳ ج۲۔ ۱۲ منہ۔ جو مقتضی ہیں کہ زیور میں زکوٰۃ نہیں ہے لیکن حدیث صحیح مل جانے کے بعد آثار بے اثر و بیکار ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ زیور عاریتاً دینا ہی اس کی زکوٰۃ ہے۔ چنانچہ دارقطنی نے حضرت انسؓ اور بنت ابوبکر سے روایت کیا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ صرف ایک مرتبہ زکوٰۃ دینا واجب ہے اس کو بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے اور سب سے زیادہ ظاہر قول دلیل اور حدیث صحیح وقوی کی رو سے یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب ہے۔

حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری شارح ترمذی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ میرے نزدیک ظاہر اور راجح قول یہ ہے کہ سونا اور چاندی کے زیوروں میں زکوٰۃ واجب ہے۔ یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ پہلی حدیث سادی ابوداؤد

فی مسندہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان امرأۃ اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعہا ابنۃ لہا وفی ید ابنتہا مسکتان غلیظتان من ذہب فقال لہا اتعطین زکوٰۃ ہذا قالت لا قال ایسرک ان یسورک اللہ بہما یوم القیمۃ سوارین من نار فالقتہما الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقالت ہما للہ ولرسولہ قال الزیلعی فی نصب الرایۃ بعد ذکر حدیث ابی داؤد ہذا ما لفظہ قال ابن القطان فی کتابہ اسنادہ صحیح وقال المنذری فی مختصرہ اسنادہ لا مقال فیہ الخ "یعنی عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور ان کے ساتھ ان کی ایک لڑکی بھی تھی۔ اور اس لڑکی کے ہاتھ میں سونے کے دو بھاری کنگن تھے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اس کی زکوٰۃ دی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پس آپ نے فرمایا کیا تمہیں پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ پہنائے قیامت کے دن انہیں دونوں کنگنوں کے بدلے میں دو کنگن آگ کے۔ پس انہوں نے وہ دونوں کنگن نکال کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ڈال دیئے اور عرض کیا کہ یہ دونوں کنگن اللہ اور رسول کے لئے ہیں"

دوسری حدیث۔ عن ام سلمۃ انہا کانت تلبس اوضاحا من ذہب فقالت یا رسول اللہ اکنز ہو فقال اذا ادیت زکوتہ فلیس بکنز اخرجہ ابوداؤد والدارقطنی وصححہ الحاکم کذا فی بلوغ المرام وقال الحافظ فی الدرایۃ قواہ ابن دقیق العید۔ یعنی ام سلمہ سے روایت ہے کہ وہ سونے کے زیور پہنتی تھیں پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا یہ کنز ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تم نے اس کی زکوٰۃ دی ہے تو کنز نہیں ہے۔

تیسری حدیث۔ عن عبد اللہ بن شداد انہ قال دخلنا علی عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرأی فی یدی فتخات من ورق فقال ما ہذا یا عائشۃ فقلت صنعتہن اتزین لک یا رسول اللہ قال اتؤدین زکوتہن قلت لا او ما شاء اللہ قال ہو حسبک من النار رواہ ابوداؤد اخرجہ الحاکم فی مستدرکہ و قال صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ وقال الحافظ فی

الدرایۃ قال ابن دقیق العید ھو علی شرط مسلم یعنی عبد اللہ بن شداد سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس گئے تو آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے پس میرے ہاتھ میں سونے کی انگشتری دیکھ کر فرمایا اے عائشہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے ان کو بنایا ہے تاکہ زینت کروں میں آپ کے واسطے۔ پس آپ نے فرمایا تم نے ان کی زکوٰۃ دی ہے؟ میں نے کہا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کافی ہے تیرے لئے جہنم سے۔

چوتھی حدیث، عن اسماء بنت یزید قالت دخلت انا وخالتی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلینا اسورۃ من ذھب فقال لنا اتعطیان زکوتھا فقلنا لا قال اماتخافان ان یسورکما اللہ اسورۃ من نار ادیا زکوتھا۔ ذکرہ الحافظ فی التلخیص وسکت عنہ وقال فی الدرایۃ فی اسنادہ مقال قال صاحب تحفۃ الاحوذی ففی صحۃ حدیث یزید نظر لکن لا شک فی انہ یصلح للاستشھاد انتھی۔ یعنی اسماء بنت یزید سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں اور میری خالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں۔ اور ہم سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ پس آپ نے پوچھا کیا تم نے زکوٰۃ دی ہوئی ہے؟ ہم نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم ڈرتی نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو آگ کے کنگن پہنائے۔ ان کی زکوٰۃ دے دو۔

پانچویں حدیث عن فاطمۃ بنت قیس قالت اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بطوق فیہ سبعون مثقالا من ذھب فقلت یا رسول اللہ خذ منہ الفریضۃ فاخذ منہ مثقالا وثلاثۃ ارباع مثقال اخرجہ الدارقطنی وفی اسنادہ ابوبکر الھذلی وھو ضعیف ونصر بن مزاحم وھو اضعف منہ وتابعہ عباد بن کثیر اخرجہ ابو نعیم فی ترجمۃ شیبان بن زکریا فی تاریخہ کذا فی الدرایۃ۔ یعنی فاطمہ بنت قیس سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک طوق لائی جو ۷۰ مثقال سونے کا تھا میں نے عرض کیا کہ آپ اس میں سے فریضہ لے لیں۔ پس آپ نے اس میں سے پونے دو مثقال لے لیا۔

چھٹی حدیث: عن عبد اللہ بن مسعود قال قلت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لامرأتی حلیا من ذھب عشرین مثقالا قال فادّ زکوتہ نصف مثقال فاسنادہ ضعیف جدا اخرجہ الدار قطنی کذا فی الدرایۃ

یعنی عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ میری بیوی کے پاس ۲۰ مثقال سونے کا ایک زیور ہے۔ تو آپ نے فرمایا پس اس کی زکوٰۃ ادا کرو۔

الحاصل سونے اور چاندی کے زیور میں زکوٰۃ واجب ہے اور عدم وجوب کے ثبوت میں جو آثار ذکر کئے جاتے ہیں وہ ان احادیث کے سامنے بے اثر ہیں۔ رہی جابرؓ کی حدیث مرفوع لَيْسَ فِي الْحُلِيِّ زَكٰوةٌ سو وہ باطل اور موضوع ہے۔ کذا فی تحفۃ الاحوذی ھذا ماعندی واللہ اعلم بالصواب۔

اہلحدیث: مزید تفصیل مسک الختام وغیرہ میں بھی دیکھنی چاہئے۔ یہ سب مذاہب اور اقوال کتب شروح حدیث میں درج ہیں۔ ہر ایک جماعت اپنے خیال کو اقوی سمجھتی ہے اللہ اعلم۔ (۲۲ ستمبر ۱۹۲۹ء)

تعقیب: زیور میں زکوٰۃ فرض واجب نہیں۔ اگر کوئی ادا کرے تو اچھا ہے وجوب یا فرضیت ثابت کرنے کے لئے دلیل قوی قطعی کی ضرورت ہے۔ مسئلہ ہذا کے متعلق جس قدر احادیث بیان کی جاتی ہیں ان میں سے ایک بھی ضعف سے خالی نہیں۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مسلک یہی ظاہر کیا ہے (اعلام محدثین سے امام مالک واحمد وشافعی رحمۃ اللہ علیہم بھی عدم وجوب کے قائل ہیں (سبل السلام) (اہلحدیث ۱۹ ستمبر ۱۹۴۱ء)

الجواب: سونے اور چاندی کے مستعمل زیورات کی نسبت مختلف روایات کے پیش نظر میرا خیال ہے کہ زکوٰۃ احتیاطاً دے دینی چاہئے (حضرت مولانا عبدالغفور رملا فاضل) بکری بعض علماء کا مذہب ہے کہ زیور کا منگنی دیدینا بھی اس کی زکوٰۃ نکالنے کے مرادف

۱؎ میری تحقیق سے مستعمہ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے۔ محمد فضل الرحمن اعظمی استاد جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس ۷ مئی ۱۹۵۳ء

ہے۔ بعض نے کہا ہے مستعمل زیوروں میں صرف ایک بار ادائیگی زکوٰۃ فرض ہے۔
یہ اختلاف اٹھارہ بیس اقوال پر مشتمل ہے وجوب زکوٰۃ کے لئے جس نصوص اور بلا اختلاف
ثبوت قطعی کی ضرورت ہے ایسی کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گذری جہاں تک میں نے
غور کیا ہے دلائل کی رو سے زیور مستعملہ میں زکوٰۃ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

عبدالرؤف رحمانی نائب ناظم مدرسہ جھنڈا نگر ریاست نیپال (۱۰۲ اپریل ۱۹۵۳ء)

میرے نزدیک زیورات مستعملہ میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

(مولانا) ظفر عالم میرٹھی مدرس مدرسہ دارالحدیث مالیگاؤں)

سوال: زکوٰۃ کی مد سے اور عشر سے مدرس کی تنخواہ دی جا سکتی ہے یا نہیں یا مدرسہ کے کسی خرچ میں مثلاً کتب خانہ یا مرمت میں لگا سکتے ہیں یا نہیں۔ (محمد سعید)

جواب: زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف فی سبیل اللہ بھی ہے۔ فی سبیل اللہ کی تفسیر بعض علماء عام کرتے ہیں وہ ہر نیک کام میں زکوٰۃ خرچ کرنا جائز کہتے ہیں۔ نیک کاموں میں مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کی دیگر ضروریات بھی شامل ہیں۔ (۲۲ رجب ۱۳۶۲ھ)

شرفیہ: میں کہتا ہوں کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں بعض علماء نے کتنی وسعت کی ہے کہ کوئی شے بھی اس کے شمول سے باہر نہیں جا سکتی تو پھر آٹھ مصارف کے بیان کی کیا ضرورت تھی۔ غور کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین وغیرہ جمہور صحابہ کو شہر کی حفاظت، خندق وغیرہ۔ مساجد۔ کنواں۔ مردوں کے کفن دفن پلوں وغیرہ کی ضرورت تھی۔ مگر مجھے تو یاد نہیں پڑتا کہ کبھی بھی آپ نے یا خلفاء راشدین نے زکوٰۃ کے مال میں سے ان امور پر صرف کیا ہو اس سے ثابت ہو گیا کہ باوجود ضرورت، مال زکوٰۃ کو ان پر صرف نہ کرنا اور طرح سے ان امور کو سرانجام دینا مال زکوٰۃ کو ان پر صرف نہ کرنے کی بین دلیل ہے اور لفظ فی سبیل اللہ کا عموم یا کلیہ نہ ہونے پر بھی صحیح مسلم وغیرہ کی مرفوع حدیث بھی ہے کہ عبدالمطلب بن ربیعہ اور فضل بن عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مال زکوٰۃ کی تحصیل پر ہم کو مقرر کر دیں تاکہ ہم بھی وصول کر کے کچھ معاوضہ لیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ مال زکوٰۃ اوساخ الناس ہے۔ وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد صلعم ج ۱ ص ۳۴۳ ج ۲ ص ۲۴۵۔ ثابت ہوا کہ سادات بنی ہاشم کی

ضرورت کو پورا کرنا فی سبیل اللہ میں داخل تھا۔ مگر پھر بھی ان پر جائز نہیں اور مفت بھی نہیں محنت تھی مگر پھر بھی ناجائز ثابت ہوا کہ ویسے ہی مساجد خانہ خدا پر بھی اوساخ الناس صرف کرنا جائز نہیں، کفن دفن پر بھی جائز نہیں کہ مال زکوٰۃ حق زندوں کا ہے مردوں کا نہیں۔ ورنہ فقرار و مساکین وغیرہ مصارف مذکورہ فی القرآن زندوں اور مردوں دونوں کا حق مساوی ہوگا تو مال زکوٰۃ زندوں کا حق مردوں ہی پر پورا نہ ہوگا چہ جائیکہ قلعے مساجد وغیرہ ان کی تجدید ہی مشکل ہو گی۔ اذلیس فلیس اور پلوں اور سڑکوں قلعوں، نہروں، چشموں، مسافر خانوں، لنگر خانوں، شہروں کی فصیلوں غربار تجار جن کے پاس کاروبار چلانے کو روپیہ کم ہے اون کو اور کاشتکاروں کو قرض دینا وغیرہ کہ یہ بھی فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہیں۔ ان پر صرف کیا جائے گا تو اس صورت میں بھی زندوں۔ فقراء و مساکین وغیرہ مصارف کے لئے خاک بھی نہیں بچ سکتا اور یہ ذکر عن ابی اساس قال حملنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ابل الصدقۃ للحج انتھی مافی ترجمۃ البخاری۔ اول تو یہ ذکر ہے دوم اس میں تصریح نہیں کہ وہ لوگ غنی تھے اور صرف حج ہی باعث حمل تھا۔ بظاہر وہ زکوٰۃ کے مستحق معلوم ہوتے ہیں۔ یہی جواب عبداللہ بن عباس کے قول یعطی فی الحج کا ہے اور وقال الحسن ان اشتری اباہ من الزکوٰۃ جاز بہ فی الرقاب کا ایک فرد ہے۔ اور اغنیاء کو مال زکوٰۃ لینے کے متعلق حدیث مرفوع میں آچکا ہے۔ لغاز فی سبیل اللہ اولعامل علیھا او لغارم اولرجل اشتراھا بمالہ اولرجل کان لہ جار مسکین فتصدق علی المسکین فاھدی المسکین علی الغنی رواہ مالک وابوداؤد مشکوٰۃ صـ ۱۶۱ جـ ۱

خلاصہ یہ کہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں ایسی وسعت نہیں کہ دنیا کی تمام ضروریات کو شامل ہو جیسے کہ بعض علمار نے حواشی مذکورہ میں کیا ہے۔ بس اس سے جہاد میں صرف کرنا مراد ہے ہاں اگر کسی آیت یا حدیث مرفوع صحیح کی نص سے کسی شیٔ میں کسی کو علاوہ جہاد کے صرف کرنے میں ثابت ہو جائے تو فبہا ورنہ نہیں اور دینی مدارس جہاں کتاب و سنت کی تعلیم باقاعدہ ہوتی ہو کتاب و سنت پر عمل بھی صحیح طور پر ہو۔ صورت سیرت کتاب و سنت کے مطابق ہو وہاں دینی جائز ہے اور صرف یہی نہیں کہ تعلیم انگریزی ہندی وغیرہ دنیوی علوم کی ہو

اور برائے نام کچھ عربی کا قلیل اقل شغل رکھ لیا ہو نہ صورت نہ سیرت نہ نماز کی پابندی نہ اور فرائض کی نہ اخلاق حمیدہ نہ اساتذہ پابند شرع بلکہ بعض شرع کا مذاق اڑانے والے تو وہاں قطعًا جائز نہیں پس قسم اول ہی کو دینی جائز ہے اور مدارس مذکورہ جن کو جائز ہے ان میں طالب العلم اصل ہیں جو عمومًا نادار، و مفلس ہوتے ہیں۔ یا جن کو والدین وغیرہ علم دین حاصل نہیں کرنے دیتے اور وہ گھر سے نکل کر عمومًا پردیس میں پڑے رہتے ہیں وہ ابن السبیل بھی ہوتے ہیں۔ مسکین فقیر بھی پھر ان کے خورد و نوش، لباس و قیام، کتب وغیرہ کا انتظام جس میں مدرسین جزو اول ہیں۔ پھر اگر وہ نادار ہوں یعنی وہ صاحب جائداد نہیں کہ درس دے کر ان کو اپنی ضروریات کے لئے مدرسہ سے لینے کی ضرورت نہ ہو تو پھر ان کو بھی جائز نہیں ورنہ جائز ہے کہ اگر وہ اور کام کرتے تو تنخواہ سے اپنی ضروریات پوری کرتے۔ اب مدرسے سے کریں گے۔ مدرسہ کی تعمیر کتب کی خرید۔ جلد سازی بھی بلکہ اگر مدرسہ میں اور ملازم منشی وغیرہ کی ضرورت ہو وہ بھی مدرسہ میں داخل ہے۔ جیسے بیت المال یا تحصیل زکوٰۃ میں قرون ثلاثہ میں تھا۔ ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ متولی اور ناظم مدرسہ پابند شرع خدا ترس ذی علم جو کتاب و سنت سے اچھی طرح واقف ہو۔ اور انتظام کا مادہ بھی۔ اور حتی الامکان وہ زکوٰۃ کے مال کو وہیں صرف کرے جہاں جہاں کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ مدارس میں اور طریق سے بھی چندہ وصول ہوتا ہے۔ اور مدوں میں حتی الامکان اور چندوں سے صرف کرے۔ ہاں چرم قربانی بھی مدارس مذکورہ دینیہ میں دی جاسکتی ہیں۔ اور جب ثابت ہو چکا کہ قرآن شریف میں اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ الآیۃ میں لام لبیان المصرف ہے للتملیک نہیں کما فی الفتح اور مصرف صرف آٹھ ہی ہیں اور لفظ فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد میں ہی صرف کرنا مراد ہے۔ ورنہ اگر ایسا عام مراد ہوتا جیسے بعض علماء نے لکھا ہے کہ کوئی چیز کوئی مصرف اس سے باہر نہیں رہتا دنیا کے مصارف اس میں آجاتے ہیں تو پھر آٹھ کا بیان ہی معاذ اللہ فضول ہے و اذلیس فلیس اگر یہ لفظ اول آیہ میں ہوتا تو اس کے بعد کو اس کی تفسیر بنایا جاتا اور اس کو سب سے آخر ہوتا تو تعمیم بعد تخصیص سو یہ بھی نہیں تو پھر سوا اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ مستقل ایک چیز ہے جو اور اقسام کو جو اس کے ساتھ مذکور نہیں ان کو شامل ہو اس لئے کہ تقسیم اقسام میں تقابل اور ہر ایک دوسرے کا قسیم ہوتا ہے اور عموم مذکور میں شمول ہوتا

ہے لہٰذا تفسیر بعض علماء قطعاً باطل ہے صرف جہاد ہی مراد ہے۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر زکوٰۃ میں اتنی وسعت نہ کی جائے تو اور مصارف کفن دفن۔ موتی مساجد و چاہ وغیرہ کیسے بنیں تو جواب یہ ہے کہ کتاب و سنت میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال صرف کرنے کا ذکر یا ترغیب ہے اس میں سے ان امور کو سرانجام دیا جاسکتا ہے بلکہ دیا جاتا تھا۔ زکوٰۃ کے مصارف کو تو خود اللہ تعالیٰ نے معین کر دیا ہے اور وہ جانتا بھی ہے اور تھا کہ فلاں فلاں امور کی ضرورت ہوگی پھر بھی آٹھ ہی کو بیان کیا عام نہ رکھا۔ ہاں اور طرح اور مصارف یا اور اشیاء کو بیان کر دیا وہ یہ ہے قال اللہ تعالیٰ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ الایۃ پ ۱ ع ۲ وقال اللہ تعالیٰ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ الایۃ پ ۳ ع ۵ دیکھئے زکوٰۃ کے بعد جس چیز کا بیان ہے وہ ہر قسم کے خرچ کو شامل ہے جو مشروع ہو۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ ثم تلا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الایۃ۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۹ وعن سعد بن عبادۃ قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء فحفر بیرا فقال ھذہ لام سعد رواہ ابوداؤد والنسائی مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۶۹ وقال رسول اللہ صلعم اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلاثۃ من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ رواہ مسلم مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۲ وقال ایضا ان مما یلحق المومن من عملہ حسنتہ بعد موتہ علما علمہ ونشرہ وولدا صالحا ترکہ او مصحفا ورثہ او مسجدا بناہ او بیتا لابن السبیل بناہ او نہرا اجراہ او صدقۃ اخرجہا من مالہ فی صحتہ وحیوتہ یلحقہ بعد موتہ رواہ ابن ماجۃ والبیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۶ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یشتری بئر رومۃ یجعل دلوہ مع دلاء المسلمین بخیر لہ منہا فی الجنۃ الحدیث رواہ الترمذی والنسائی والدار قطنی مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۶۱

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا بنی اللہ له بیتا فی الجنة متفق علیه مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۸۔ ان امور مذکورہ میں مدارس کی تعمیر بھی آسکتی ہے اور ہر قسم کے مصارف وضروریات عامہ اور ہر جگہ وہر حال وموقعہ ناداری کا عذر غلط ہے۔ بسبب بعض زکوٰۃ دیتے ہیں تو ویسے بھی خرچ کے مستحق بلکہ بعض اوقات ان پر یہ ضروری ہو جاتے ہیں۔ اور کفن دفن تو اہل اسلام پر موتی کا حق ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن کفنه رواہ مسلم وقال ایضا البسوا من ثیابکم البیض فانها من خیر ثیابکم وکفنوا فیها موتاکم رواہ الخمسة الا النسائی وصححه الترمذی (بلوغ المرام)

(ابوسعید شرف الدین دہلوی)

جواباً عرض ہے کہ فقیر کے نزدیک تعمیر مدرسہ، تنخواہ مدرسین۔ امداد طلبہ وفی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہے اس لیے کہ لفظ مذکور عام ہے۔ بعض مفسرین بھی اس طرف گئے ہیں۔ چنانچہ تفسیر خازن میں ہے۔ قال بعضهم ان اللفظ عام فلا یجوز قصره علی الغزاة فقط ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبیل اللہ الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغیر ذالک لان قوله وفی سبیل اللہ عام فی الکل فلا یختص دون غیره انتهی (مطبوعہ ج ۲ ص ۲۴)

بعض مفسرین (قفال مروزی) وغیرہ نے کہا ہے کہ لفظ سبیل اللہ عام ہے پس اس کو محض غازیوں پر منحصر کرنا جائز نہیں۔ اس لئے بعض فقہاء نے حصہ سبیل اللہ کا تمام وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز رکھا ہے جیسے مردوں کا کفن دفن، اور پل اور قلعوں کا بنانا مساجد کی تعمیر اور اس کے سوا جیسے مدرسہ کی تعمیر وغیرہ اس لئے کہ اللہ کا فرمان فی سبیل اللہ ہر ایک کو عام ہے پس وہ غزوہ ہی کے ساتھ خاص نہ ہو گا۔

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں اعلم ان ظاهر اللفظ فی قوله وفی سبیل اللہ لا یوجب القصر علی الغزاة فلهذا المعنی، نقل القفال فی تفسیره عن بعض الفقهاء انهم اجازوا صرف الصدقات الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الحصون وعمارة المساجد لان قوله فی

سبیل اللہ عام فی الکل انتہی۔ (مفاتیح الغیب مصری ص۱۹۸ ج۲)

یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کے قول وفی سبیل اللہ کا ظاہر لفظ موجب حصر بر مجاہدین نہیں ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے امام قفال مروزی (محدث) نے اپنی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ کا تمام وجوہ خیر میں صرف کرنا جائز رکھا ہے جیسے تکفین موتی اور قلعوں کا بنانا اور مساجد کی تعمیر اس لیے کہ اللہ کا قول وفی سبیل اللہ ہر (امور خیر) کو عام ہے۔ ایسا ہی خاتمۃ المفسرین نواب صدیق حسن صاحب مرحوم نے تفسیر فتح البیان میں فرمایا ہے حیث قال:

ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص ویدخل فیہ وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذالک انتہی۔ (فتح البیان۔ مصری ص۱۲۳ ج۴)

بیشک لفظ (سبیل اللہ) عام ہے پس اس کو ایک خاص قسم (غزوہ) پر منحصر کرنا جائز نہیں اس میں نیکی کے تمام اقسام داخل ہیں۔ کفن۔ موتی۔ پل اور قلعوں کا بنانا مسجدوں کا تعمیر کرنا اور بھی اس کے سوا (جیسے تعمیر مدرسہ وغیرہ) انتہی"

ان عبارات سے ظاہر وباہر ہے کہ لفظ سبیل عام ہے جو ہر نیک کام کو شامل ہے۔ اس میں طلباء کی امداد واعانت بھی شامل ہے۔ جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے:۔

من انفق مالہ فی طلبۃ العلم صدق انہ انفق فی سبیل اللہ (ص۱۸۶ مطبوعہ ہاشمی) جس نے اپنا مال طالب علموں پر صرف کیا۔ اس کی بابت یقیناً کہا جائے گا کہ یہ خرچ ثمانیہ سے سبیل اللہ میں داخل ہے اسی طور سے تعمیر عمارت مدرسہ بھی مال زکوٰۃ سے فی سبیل اللہ میں داخل ہے کما مر بیانہ۔ فقیر کے نزدیک اسی طور سے تنخواہ علماء مدرسین بھی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

امام شوکانی دلیل الغمام میں لکھتے ہیں۔ ومن جملۃ فی سبیل اللہ الصرف فی العلماء فان لھم فی مال اللہ نصیبا سواء کانوا اغنیاء او فقراء بل الصرف فی ھذہ الجھۃ من اھم الامور وقد کان علماء الصحابۃ یاخذون من جملۃ ھذہ الاموال التی کانت تفرق بین المسلمین علی ھذہ الصفۃ من الزکوٰۃ آہ ملخصا (دلیل الطالب ص۲۳۲)

منجملہ سبیل اللہ کے علمائے کرام پر صرف کرنا بھی ہے اس لیے کہ ان کا بھی اس مال

میں حصہ ہے۔ خواہ وہ امیر ہوں یا فقیر بلکہ اس راہ میں خرچ کرنا بہت ضروری ہے۔ علماء صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) بھی ان مالوں سے لیتے تھے جو مسلمان پر مد زکوٰۃ سے تقسیم کئے جاتے۔

نواب محمد صدیق حسن صاحب مرحوم اس عبارت شوکانی کا ترجمہ اپنی کتاب "عرف الجادی" میں یوں تحریر فرماتے ہیں:- "سبیل اللہ مختص بہ جہاد نیست۔ منجملہ سبل خدا صرف زکوٰۃ در اہل علم است۔ ایشاں را نصیبے در مال خدا است توانگر باشند یا گدا۔ بلکہ صرف آں دریں جہت از اہم امور است الخ (ص ۱۰۰)"

خاکسار تفسیر سبیل اللہ میں انہیں اصحاب مذکورین کا ہمنوا ہے اور اب تک اسی خیال پر قائم ہے۔ سائل موصوف کی اگر اس سے تشفی ہو جائے اور خدا کرے کہ ہو جائے تو فبہا ورنہ ان کے نزدیک جو حق ہو آشکارا فرمائیں والسلام۔ عاجز محمد ابو القاسم محمدی بنارسی (۲۲ نومبر ۱۹۱۸ء)

سوال: زکوٰۃ کا روپیہ اسلامیہ اسکول کو دے سکتے ہیں؟ اور اسلامی اسکول کی مالی حالت اچھی نہیں ہے۔

جواب: زکوٰۃ کے مصارف قرآن مجید میں آٹھ مذکور ہیں جن میں ایک فی سبیل اللہ بھی ہے جمہور علماء اس لفظ کا معنی جہاد کرتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک ہر نیک کام فی سبیل اللہ کے مد میں داخل ہے آج کل ہندوستان میں جہاد جاری نہیں ہے جمہور کے قول کے مطابق مصارف زکوٰۃ اس ملک میں سات رہ جاتے ہیں۔ دوسرے مذہب کے مطابق آٹھ بحال ہیں۔ پس دوسرے قول کے مطابق مذکورہ مصارف کے علاوہ زکوٰۃ ہر نیک کام میں لگ سکتی ہے۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۱۹ رجب ۱۳۶۶ھ)

تنقید: از حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب مصنف تحفۃ الاحوذی رحمۃ اللہ علیہ

مال زکوٰۃ سے مدرسین کو تنخواہ دینا یا سامان مدرسہ فراہم کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں مال زکوٰۃ سے غریب طلباء کو دینا جائز ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مال زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں۔ ان آٹھ مصارف میں غریب طلبہ داخل ہیں اور مدرسہ کی تنخواہ اور سامان مدرسہ ان آٹھ مصارف سے خارج ہیں اور جس ملک میں بوجہ عدم تعلیم و تلقین کے احکام و ارکان اسلام کے جاری نہ ہوں وہاں مدرسہ اسلامیہ ہونا بہت ضروری ہے وہاں کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ علاوہ مال زکوٰۃ کے تھوڑی

تھوڑی تھوڑی اعانت کر کے حسب حیثیت ایک مدرسہ قائم کریں۔ بڑا نہیں تو چھوٹا ہی سہی اور یہ عذر کہ وہاں کے مسلمان صرف زکوٰۃ سے مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں، ٹھیک نہیں ہے کیونکہ وہاں کے مسلمان جیسے اپنی دنیاوی ضرورتوں میں خواہ مخواہ علاوہ زکوٰۃ کے اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں اور ان کو کچھ معذوری نہیں ہے اسی طرح وہاں ایک مدرسہ اسلامیہ کا قائم ہونا ایک دینی ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے تو اس میں بھی علاوہ زکوٰۃ کے تھوڑا تھوڑا بقدر حیثیت ان کو خرچ کرنا چاہیے اور اس میں بھی ان کو معذور نہیں بننا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ جلد اول ص۴۹۷

از علامہ شکیب ارسلان رحمۃ اللہ علیہ

اس میں شک نہیں کہ مال زکوٰۃ کا تبلیغ اسلام کے سلسلے میں خرچ کرنا اہل کفر پر یا ایسے مسلمانوں پر جو دین اسلام سے بجز اس کے نام کے کسی قسم کی واقفیت نہ رکھتے ہو خرچ کرنا نہایت عمدہ اور پاکیزہ ہے اور شرعاً یہ مصرف اس قدر واضح ہے کہ زبان و قلم کو اس کے اظہار و بیان میں کسی قسم کا تامل اور تردد نہیں ہو سکتا۔ الی آخرہٖ بحوالہ اخبار توحید امرتسر ۲۱ رمضان ۱۳۵۳ھ

کیا مساجد دینی مدارس تبلیغ اسلام پر زکوٰۃ صرف کی جا سکتی ہے؟

از قلم مولانا فضل اللہ صاحب مدراسی ناظم جامعہ دارالسلام عمرآباد

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ دینی ضروریات روز بروز بڑھتی جاتی ہیں اور ان میں سے اکثر کے لئے آمدنیوں کی قلت ہوتی ہے اور شرعاً آجکل زکوٰۃ کے سوا کوئی ایسی مد نظر نہیں آتی جس کے... ترک پر وعید شدید شرعی سنائی جائے اور اس زکوٰۃ میں حضرات فقہائے کرام نے تملیک کی شرط لگائی ہے۔ جس کی وجہ سے مساجد۔ مدارس دینی۔ تبلیغ و اشاعت اسلام اور تصنیف و تالیف کتب دینیہ کے بہت سے کام رک جاتے ہیں۔ یا جیسے چلنے کی ضرورت ہے ویسے چلنے نہیں پاتے۔ کیونکہ ان پر مال زکوٰۃ۔ فطرہ اور چرم قربانی خرچ نہیں کئے جا سکتے۔ اس

---

[1] مضمون ہذا بہت مفصل اور مدلل ہے حوالہ مذکور مطالعہ فرمائیں محمد داؤد راز

لئے کہ امور مذکورہ میں تملیک نہیں ہو سکتی۔ اور ان امور مذکورہ میں تملیک جاری کرنا ہو تو حیلہ کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ جس کا ثبوت آیات و احادیث اور اقوال سلف سے نہیں ملتا ہے۔ پس امور مذکورہ کا اجراء یا صدقات غیر واجب سے کیا جائے جن کے نہ دینے سے مسلمان وعید کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ یا آیات و احادیث کے عموم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان مذکورہ کو مصارف ... زکوٰۃ میں داخل کیا جائے۔

مسئلہ بالا کے متعلق ایک عرصہ دراز سے بلکہ زمانہ طالب علمی سے خلجان رہا اور حضرات شیوخ کرام کے افادات سے کچھ کچھ منزل مقصود کا نشان نظر آرہا تھا۔ بالآخر دو چار سال کے عرصہ میں بعض معزز و محترم خیرخواہ حضرات اس مسئلہ کو چھیڑتے رہے۔ جس پر فاضل محقق عالیجناب مولانا محمد عبدالوہاب صدر مدرس جامع دارالسلام عمرآباد نے آیت فی سبیل اللہ کی تعمیم اور چند احادیث سے استدلال فرما کر امور مذکورہ کو مصارف زکوٰۃ میں شامل فرمایا۔ مولانا نے ممدوح کی تحریر سے خاکسار کے خیالات میں امید و جرأت پیدا ہوئی جس کے بعد خاکسار بغرض استفادہ اپنے ناچیز بیشتر خیالات کو حضرات رہنمایان دین کی خدمات میں پیش کرتا ہے جن کے متعلق امید کہ آں حضرات اپنے اپنے تنقیدانہ و تحقیقانہ افادات سے ممنون فرمائیں گے۔ انما شفاء العی السوال۔

جمیع حضرات علمائے کرام پر یہ بخوبی روشن ہے کہ امت محمدیہ کے پاس مصارف زکوٰۃ کی دلیل آیت عظیمہ ذیل ہے۔

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور محتاجوں کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو صدقات پر کام کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے جن کی تالیف قلوب کی جائے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کی مد میں خرچ کئے جائیں۔ خداوند پاک کی جانب سے یہ حکم ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (انما الصدقات للفقراء کا معنے)

(۱) للفقراء کا لام جمیع سلف صالحین کے نزدیک تملیک کے لئے ہے یا نہ؟ تفاسیر شروح حدیث کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف بھی ائمہ کرام کی ایک جماعت گئی ہے

کہ لام اس آیت میں تملیک کے لیے نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں یہ رقم فرمایا: ان اللام فی قولہ للفقراء لبیان المصرف لا للتملیک کہ "لام" فقراء کے شروع میں مصرف بیان کے لیے ہے تملیک کے لئے نہیں اور علامہ سیوطیؒ نے "اتقان" کی کتاب الادوات میں لام کے متعدد معنے جو پندرہ سے زیادہ ہوں گے بیان کئے ہیں ان میں سے صرف "لام" تعلیل کے متعلق حقیقی یا مجازی معنی ہونے کا اختلاف اہل لسان سے ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ باقی معنی حقیقی ہیں۔ اصول فقہ کی کتاب حصول المامول من علم الاصول مطبوعہ مصر میں "لام" کے بائیس معنی ذکر کئے ہیں جن میں سے ہر ایک کی مثال قرآن پاک سے دی گئی ہے اور کتب نحو میں عموماً اور شرح جامی میں خصوصاً یوں مرقوم ہے اللام للاختصاص بملکیۃ او بغیر ملکیۃ۔ "لام" اختصاص کے لئے آتا ہے خواہ ملکیت کے طور پر ہو یا بلا ملکیت کے۔ امام فخر الدینؒ رازی نے اپنی تفسیر میں پہلے چار مصرفوں میں "لام" کے آنے اور بعد کے چار مصرفوں میں "فی" کے آنے کا فرق یوں بیان فرمایا ہے کہ پہلے چار مصرف والوں کو اپنے حاصل کردہ مال زکوٰۃ میں مالکانہ تصرف کا اختیار ہے۔ اور پچھلے چار مصرف والوں کو اپنے حسب منشا تصرف کا اختیار نہیں۔ پس "لام" سے تملیک کی شرط اجتہادی محتمل چیز ہوئی نہ کہ قطعی اور منصوص۔

(۲) و فی سبیل اللہ کا معنی:۔ فی سبیل اللہ کے معنے میں تعیین اور اس تعیین پر اجماع ہوا ہے یا نہیں؟ اگر تعیین اور اس پر اجماع ہو چکا ہے تو کتب فقہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک اغنیاء مجاہدین کو مال زکوٰۃ سے دے سکتے ہیں۔ اور یہ امر حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور امام ابو یوسف نادار مجاہدین کو ہی مال زکوٰۃ دینے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور امام محمد نادار حاجیوں کو بھی مال زکوٰۃ سے دے کر حج کرانے کی اجازت اس لفظ "فی سبیل اللہ" سے نکالتے ہیں۔ اتنے مختلف اقوال کے بعد اگر کوئی یہ کہے کہ ان اقوال و مذاہب کے سوا نیا قول گویا اجماع مرکب کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ نیا قول ناجائز قرار دیا جائے تو یہ عرض ہے کہ جن لوگوں نے اس مقام میں اجماع کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ اصولی اصطلاحی اجماع معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اجماع امت کا لفظ اس مقام میں کسی نے ذکر کیا ہو دیکھنے میں نہیں آیا بلکہ اجماع الجمہور لکھا ہے۔ اجماع اور جمہور کی اضافت خود اصولی اصطلاحی اجماع ہونے سے انکار کرتی ہے۔ علاوہ بریں امام قفال نے بعض ائمہ

سے عام مصارف خیر جیسے کہ امور مذکورہ اوقاف وغیرہ کو فی سبیل اللہ کے معنی میں نقل فرمایا ہے جس کو امام رازی۔ علامہ بیضاوی اور صاحب خازن نے اپنی اپنی تفسیروں میں بیان فرمایا ہے اور سب کے الفاظ قریب قریب حسب ذیل ہیں۔

وقال بعضهم ان اللفظ عام فلا يجوز قصره على الغزاة فقط ولهذا اجازه بعض الفقهاء صرف سهم سبيل الله الى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى وبناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغير ذلك و قال لان قوله تعالى وفى سبيل الله عام فى الكل فلا يختص بصنف دون غيره۔ اور کہا بعض علما نے کہ لفظ عام ہے ——— اس کو صرف مجاہدین کے لیے مخصوص کرنا جائز نہیں۔ اسی لئے بعض فقہائے کرام نے سبیل اللہ کا حصہ سب نیک کام مثلاً تکفین موتیٰ۔ پلوں اور قلعوں اور مساجد وغیرہ کے بنانے میں خرچ کرنے کو جائز رکھا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان فی سبیل اللہ" سب نیک کاموں کو شامل ہے۔ صرف ایک جماعت کے ساتھ خاص کرنا نہیں چاہیے اور شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے مصارف زکوٰۃ کے مقام میں فقہ کی کتاب" بدائع" سے نقل فرمایا ہے کہ: وذكر فى البدائع انه يشمل جميع القرب۔ فی سبیل اللہ کا لفظ تمام نیک مصرفوں میں شامل ہے۔

امام بخاریؒ اپنی جامع صحیح بخاری کے" باب العرض فی الزکوٰۃ" میں ابوہریرہؓ سے ابن جمیل خالد بن ولید اور حضرت عباسؓ سے منع زکوٰۃ کی توجیہہ والی حدیث نقل فرماتے ہیں اور اسی روایت کو باب" والغارمين وفى سبيل الله" میں مکرر لاتے ہیں۔ امام بخاری کا مدعا امام ابن حجرؒ نے فتح الباری میں یوں ذکر فرمایا ہے۔

امام بخاریؒ کا استدلال

واستدل البخارى بقصة خالد على مشروعية تحبيس الحيوان والسلاح وان الوقف بقاءه تحت يد محتبسه وعلى جواز اخراج العروض فى الزكاة امام بخاری نے حضرت خالدؓ کے قصہ سے جانوروں اور ہتھیاروں کے وقف کرنے اور وقف کی ہوئی چیزوں کا واقف کی نگرانی میں رہنے اور زکوٰۃ میں نقد کے

عوض متاع سے دینے پر استدلال کیا ہے (بہر طور مال زکوٰۃ وقف میں دیا گیا)

پس شرح بخاری سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ نے خالدؓ کے واقعہ وقف کو زکوٰۃ میں شمار فرمایا اور آیت فی سبیل اللہ میں تملیک کو غیر ضروری سمجھا۔ جو حضرات احناف کرام کے خلاف ہے اور وقف منقول کو بھی جائز سمجھا اور یہ امر فقہائے کوفہ کے مخالف ہے اور زکوٰۃ میں نقد کے عوض متاع دینا ثابت کیا جو فقہائے حنفیہ کے موافق ہے۔

الحاصل امام بخاریؒ کے استدلال کے جواب میں کونسی آیت یا حدیث صریح حضرات مانعین پیش فرما سکتے ہیں؟ رہے مانعین کے احتمالات وہ مجوزین کے پاس ناشی عن الدلیل نہ ہوں اور مجوزین کی تجویز ان کے احتمالات کی بہ نسبت واضح ترین اور اقرب الی الدلیل ہو تو امام بخاریؒ کے استدلالات کا قطعی اور تسلی بخش جواب کیا ہو گا؟

مذکورہ بالا معروضہ پیش کرنے کے بعد مجوزین کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آیت مصارف میں سے سات حصے خاص خاص افراد یا جماعتوں پر خرچ کئے جائیں اور ایک حصہ عام مصارف خیر کے لئے رکھ دیا جائے تاکہ آٹھویں مصرف میں سہولت کے ساتھ امور مذکورہ ادا کئے جائیں ورنہ تبرعات تطوعات اختیاری امور ہیں جن پر جبر و اکراہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ کرنے والوں پر وعید بھی نہیں ہوتی۔ اور بنہ مساجد و مدارس دینی اور مصارف تبلیغ وغیرہ خدانخواستہ بالکل متروک کئے جائیں گے۔ چونکہ زمانہ موجودہ میں یہ مسئلہ مہمات مسائل میں سے ہے لہٰذا بغرض استفادہ یہ امر بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بوقت شدت حاجت فقہائے کرام نے بھی اپنے امام کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ اجرت تعلیم قرآن کی نسبت صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اجرت علی تعلیم القرآن جائز نہیں مگر متاخرین نے بوجہ ضرورت اجازت دی ہے تاکہ تعلیم قرآن معدوم نہ ہو اور اسی طرح مفقود الزوج کے نکاح کا مسئلہ معروف بین العلماء ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی رائے

انہیں امور کو مدنظر رکھ کر حضرت شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں گویا امام بخاریؒ کا مسلک اختیار فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

وعن ابی الاس حملنا النبی صلعم علی ابل الصدقۃ للحج وفی الصحیح واما خالد تظلمون خالدًا وقد احتبس ادراعہ واعتدہ فی سبیل اللہ

وفیہ شیئان جواز ان یعطی مکان شیئ شیئاً اذا کان انفع للفقراء وان الحبس تجزئ عن الصدقۃ قلت وعلی ھٰذا فالحصر فی قولہ تعالیٰ انما الصدقات اضافی بالنسبۃ الی ما طلبہ المنافقون فی صرفھا فیما یشتھون علی ما یقتضیہ سیاق الآیۃ والسر فی ذلک ان الحاجات غیر محصورۃ و لیس فی بیت المال فی بلاد الخالصۃ للمسلمین غیر الزکوٰۃ کثیر مال فلابد من توسعۃ لتکفی نوائب المدینۃ واللّٰہ اعلم - ابو لاس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہم کو صدقہ (زکوٰۃ) اونٹوں پر حج کے لئے سوار کرایا - اور صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم خالد پر ظلم کرتے ہو جو اس سے زکوٰۃ طلب کرتے ہو حالانکہ اس نے بکتر اور ہتھیار اللہ کی راہ میں وقف کئے ہیں اس حدیث سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں - ایک تو ایک چیز کے عوض دوسری چیز زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں جب کہ دوسری چیز فقراء کے لئے زیادہ نافع ہو اور یہ کہ وقف صدقہ زکوٰۃ کے بدلے کافی ہے -

میں یہ کہتا ہوں (یعنی شاہ صاحب فرماتے ہیں) کہ اس صورت میں حصر فرمان خداوندی انما الصدقات کے جملہ میں اضافی ہے منافقوں کے مطلب کے مقابلہ میں کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی خواہشوں کے مطابق زکوٰۃ کی رقم بیجا صرف کی جائے جیسا کہ آیت روانی کا مقتضا ہے اور زکوٰۃ کے مصرف میں وقف کو داخل کرنے میں راز یہ ہے کہ ضروریات بیشمار ہیں اور مسلمانوں کے خالص شہروں میں زکوٰۃ کے سوا کوئی معتد بہ نہیں ہوتی لہٰذا ضرور ہوا کہ مصرف زکوٰۃ میں وسعت ہو جو کافی حاجات ہو جیسا کہ آیت کے نزول کے موقعہ پر مدینہ مسلمانوں کا خالص شہر تھا واللہ اعلم - (توحید امرتسر) ۲ رجمادی الاول ۱۳۶۰ھ

نوٹ: مضمون ہذا کے جواب میں حضرت مولانا محمد اسمٰعیل مدراسی نے ایک طویل مدلل مضمون لکھا جو اخبار توحید کی کئی اشاعتوں میں شائع ہوا - جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیۃ شریف للفقراء میں لام محض تملیک کے لئے ہے اور مساجد و دینی مدارس پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں - افسوس کہ مضمون معلومات کے لحاظ سے قیمتی ہے مگر عدم گنجائش کی وجہ سے رہ گیا - اس بحث پر بطور محاکمہ حضرت مقبول رب العالمین مصنف رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان صاحب جج پٹیالہ رحمۃ اللہ علیہ کا قیمتی مضمون درج ذیل ہے

مزید تشریح: (از قلم جناب حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری (پٹیالہ)

لام کے فوائد اور تملیک کی عدم ضرورت

(۱) آیت للفقراء الآیۃ کا لام تخصیص کے لئے ہے صاحب کشاف کے الفاظ اس پر دال ہیں۔ وانہا مختصۃ بھا لا تتجاوزھا الی غیرھا۔ احمد آفندی مدیر الجوائب نے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالب ومنیۃ الراغب میں لام تخصیص کا ذکر کیا ہے اور مثال میں الجنۃ للمومنین وھذا الحصیر للمسجد والمنبر للخطیب کا ذکر کیا ہے۔ وہ لام استحقاق کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ مثال میں الحمد للہ اور العزۃ للہ پیش کرتے ہیں۔ لام تملیک کا بھی انہوں نے ذکر کیا ہے اور لہ ما فی السموات والارض کو مثال میں پیش کیا ہے۔ بعد ازاں فاضل مذکور یہ بھی لکھتا ہے بعضھم یستغنی بذکر الاختصاص عن ذکر المعنیین الاخرین ویمثل لہ بالامثلۃ المذکورۃ۔ لہٰذا جن علماء نے لام کو تملیک کے لئے متعین نہیں کیا ان کا مسلک صحیح ہے۔ حصول المامول نے بھی غالباً اسی لئے تخصیص کو ملک وعدم ملک ہر دو پر حاوی کیا۔ اور حافظ ابن حجر نے بھی لام کو بیان مصرف قرار دینے میں پورے تفقہ سے کام لیا ہے۔ یہ کہنا کہ جمیع سلف نے لام کو اس تملیک ہی کے لئے قرار دیا ہے داخل غلو ہے۔ ہاں صاحب کشاف نے آیۃ صدقہ کے لام اور فی کا فرق جتلاتے ہوئے لکھا ہے۔ فان قلت لم عدل عن اللام الی فی فی الاربعۃ الاخیرۃ قلنا للایذان بانھم ارسخ فی استحقاق التصدق علیھم لمن سبق ذکرہ لان فی للوعاء فنبہ علی انھم احقاء بان توضع فیھم الصدقات الخ

فی سبیل اللہ کے متعلق اجماع کی حقیقت

(۲) فی سبیل اللہ کے معنی میں تعین کی بابت گذارش ہے کہ:۔ (الف)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں ویعطی من سھم سبیل اللہ جل وعز من غزا من جیران الصدقۃ فقیرا کان او غنیا ولا یعطی منہ غیرھم الا ان یحتاج الی الدفع عنھم فیعطاہ من دفع عنھم المشرکین (کتاب الام الجزء الثانی ص۶۲) امام شافعیؒ کی تفسیر کے مطابق غازی غنی وفقیر کو فی سبیل اللہ میں سے دیا جا سکتا ہے۔ نیز حملہ اور مدافعت ہر دو صور تولد میں دیا جا سکتا ہے۔

(ب) رسائل الارکان میں بحر العلوم لکھنوی (ابو العیاش عبد العلی محمد) تحریر فرماتے ہیں الصنف السادس سبیل اللہ وان کان عاما فی کل خیر لکن العموم لیس

مراد فی الآیۃ بالاجماع بل المراد السبیل المخصوص فعند الامام ابوحنیفۃ المراد الغزاۃ فمنقطع الغزاۃ یعطی من مال الزکاۃ یغزو مع الغازین وعند الامام محمد الحج فمنقطع الحاج یعطی من مال الزکوٰۃ یحج ثم الفقراء شرط عندنا فی منقطع الغزاۃ ومنقطع الحاج فیعطی منقطع الغزاۃ عند الامام ابی حنیفۃ للفقراء ویعطی منقطع الحاج عند الامام محمد للفقراء فلا خلاف فی الحکم کذا فی فتح القدیر وعند البعض یعطی الغزاۃ اغنیاء کانوا او فقراء۔۔ اس فاضل نے لفظ فی سبیل اللہ کو جملہ امور خیر کے لئے عام مان کر پھر اسے مرادی معنی میں خاص ٹھہرایا ہے اور وجہ تخصیص اور اجماعاً تبلائی ہے اور اجماع ادعائی کی صورت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے صرف غزاۃ کے لئے اور امام محمد نے صرف حجاج کے لئے بتایا ہے (اجماع کہاں رہا) پھر فقراء کو شرط تبلایا۔ پھر بعض کے نزدیک اس شرط کا نہ ہونا ظاہر کیا جب ہم یہ خیال کریں کہ عند البعض کا عطف شرط عندنا ہی ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ عدم شرط کا مذہب بھی خود علماء حنفیہ ہی کے اندر ہے۔ شافعیؒ کا ارشاد وہ اجتہاد مزید براں ہے۔ امام مالکؒ اس بارے میں بجانب شافعیؒ ہیں (اجماع کہاں رہا) اب یہ بھی غور طلب ہے کہ بحر العلوم نے صرف لفظ "اجماع" کو تحریر کیا ہے۔ مگر خازنؒ نے اجماع الجمہور لکھا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اجماع جمہور بمعنی اجماع امت نہیں۔

زکوٰۃ ہر کار خیر میں خرچ کی جاسکتی ہے

(ج) صاحب خازنؒ نے (باتفاق بیضاوی وغیرہ) لکھا ہے اجاز بعض الفقہاء صرف سہم سبیل اللہ الی جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتیٰ وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذلک اور کنز الدقائق میں ہے لا الی ذمی و بناء مسجد و تکفین میت وقضاء دین وشراء عتق یعتق الخ ہر دو میں تضاد ہے اور نتیجہ صاف ہے کہ اجماع موجود نہیں۔

لفظ سبیل اللہ کی خصوصیت اور وسعت

میرا خیال ہے کہ لفظ سبیل اللہ کا مفہوم متعین کرنے کے لئے مواد قرآنیہ پر بھی تدبر کیا جاسکے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ (بقرہ) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ (بقرہ) لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ (بقرہ)

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (نساء) وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (نساء) وَ
اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (مزمل) و دیگر آیات ہم معنی میں سبیل اللہ سے
مراد غزا لینا بالکل صحیح ہے۔ قتل و قتال۔ وہن۔ و حصور و جہاد کے الفاظ بطور قرینہ
صحیحہ ان میں موجود ہیں۔ اب آیات ذیل پر بھی تدبر ضروری ہے
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (انفال، توبہ۔ ابراهیم) لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
حج ولقمان) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (قتال و نحل) حَتّٰى
يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (نساء) وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ج)
وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (نور) ہر سہ آیات اول میں سبیل اللہ سے مراد دین حقہ
اور اسلام اور سہ آیات مابعد میں سبیل اللہ سے مراد ہجرت لینا اور غزا مراد لینا زیادہ انسب ہوگا۔
(ھ) اگر سبیل اللہ اور سبیل الرب ہم معنی ہیں تو آیہ مَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا
(مزمل و انسان) کو بھی زیر نظر رکھنا چاہیے۔ لفظ سبیل ضمائر کے ساتھ بھی مستعمل ہوا ہے
اور جہاں جہاں ضمیر کا مرجع اللہ ہے ان سب کو بھی شامل تدبر کر لینا چاہیے۔ لفظ سبیل
کی وسعت معنی کا خیال آیات ذیل کے شمول سے بھی ہو جاتا ہے اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً
وَّسَآءَ سَبِيْلًا (اسرائیل) فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا (نساء) اِذًا لَّا
بْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا (اسرائیل)۔ اس طریق سے صرف یہ اطمینان مقصود
ہے کہ آیت مصرف صدقہ میں بھی لفظ سبیل اللہ کو وسیع معنی میں لیا گیا جب کہ مفسرین
نے تحریر فرمایا ہے اور جب کہ فقہاء نے بھی لفظ کا معنی عموم میں ہونا تسلیم فرمایا۔

حج بھی سبیل اللہ میں داخل ہے

(و) سنن ابوداؤد کی حدیث عن معقل میں نبی صلعم کے الفاظ مبارکہ یہ ہیں۔ فان الحج من سبیل اللہ یہاں تخصیص غزا (بقول ابوحنیفہؒ و شافعیؒ) تخصیص حج (بقول محمدؒ) اُٹھ جاتی ہے اور حرف من اس لفظ کے وسیع المعنی ہونے پر دال ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا خیال

حکیم الامت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں فالحصر فی قولہ انما الصدقات اضافی بالنسبۃ
ماطلبہ المنافقون فی صرفھا فی ما یشتھون علی ما یقتضیہ سیاق
الاٰیۃ والسر فی ذالک ان الحاجات غیر محصورۃ ولیس فی بیت المال

فی البلاد الخالصۃ للمسلمین غیر الزکوٰۃ کثیر مال۔ فلا بد من توسعۃ لتکفی نوائب المدینۃ واللہ اعلم ص۲۳۹ حجۃ اللہ البالغہ) امر مطلوب نوائب (ضروریات تمدن کی کفایت ہی) اور وہ غیر محصور ہیں اور یہی امر وسعت معنی کا مقتضی ہے۔ یعنی نوائب المدینۃ کا ترجمہ حاجات تمدن سمجھا ہے بایں اعتبار کہ تقسیم حصص وغیرہ کی ضمن میں بھی متعدد روایات میں نوائب الناس یا نوائب المسلمین کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔

امام ابن قیمؒ اور مصالح اسلام (ح) امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں وکان رسول اللہ صلعم یصرف سہم اللہ وسہمہ فی مصالح الاسلام (زاد المعاد جلد ا صـ۱۶۴) ظاہر ہے کہ عبارت بالا میں سہم اللہ و سہمہ سے مراد وہ سہام ہیں جن کا ذکر آیت غنیمت (سورہ توبہ) و آیت فیٔ (سورہ حشر) میں ہوا ہے۔ لہٰذا آیت صدقہ کے لفظ فی سبیل اللہ کو بھی اگر تحت مراد سہم اللہ قرار دیا جائے تو اس کا تعلق بھی مصالح الاسلام سے واضح ہو جاتا ہے۔ (ط) اس فہم و استدلال کے ساتھ امام ابو یوسفؒ نے آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الْمُسْلِمِیْنَ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

فالمؤلفۃ قلوبہم ... قد ذہبوا

والعاملون علیہم ... یعطیہم الامام ما یکفیہم وقسمت بقیۃ الصدقات بینہم۔ فللفقراء والمساکین ... سہم

— وللغارمین ..... سہم۔

وفی ابناء السبیل المنقطع لہم ..... سہم

وفی الرقاب ...... سہم

وفی اصلاح المسلمین ... سہم

کتاب الخراج مفصل فی الصدقات صـ۴۲ الطبعۃ الاولیٰ بالمطبع المیریہ ببولاق مصر ۱۳۰۲ھ

یہ ظاہر ہے کہ امام القاضی القضاۃ فی اصلاح طرق المسلمین کے الفاظ لفظ فی سبیل اللہ ہی کی تفسیر میں تحریر فرمائے۔

امام ابن قیمؒ کے دو اصول (ی) ابن القیمؒ نے زاد المعاد میں اگرچہ فی سبیل اللہ

کے معنے الغزوۃ فی سبیل اللہ لکھے ہیں۔ مگر انہوں نے اصناف ثمانیہ کو دو اصول پر منقسم کیا ہے (۱) شدت احتیاج فقرار ومساکین ورقاب وابن السبیل اس میں داخل ہیں۔ (۲) منفعت عاملوں مؤلفۃ القلوب غارمون غزاۃ اس میں داخل ہیں۔ ان کا آخری فقرہ قابل توجہ ہے فان لم یکن للاخذ محتاجًا ولا فیہ منفعۃ للمسلمین فلا سھم لہ فی الزکوٰۃ (ک) امام بخاری کی حدیث باب عرض الزکوٰۃ میں نبی صلعم کا ارشاد ہوا وما خالد فقد احتبس ادرعہ واعتدہ فی سبیل اللہ۔ ان کی معانی پر ضرور مستعمل ہے۔ جو علامہ ابن حجر وعینی ابن رشید رحمہم اللہ نے بیان فرمائے ہیں۔ میرے نزدیک الفاظ مبارکہ وسعت معنی فی سبیل اللہ بھی بیان کرتے ہیں اور نفی تملیک بھی اگرچہ فی سبیل اللہ کے الفاظ فی کے تحت میں ہیں اور لام کے تحت نہیں۔

استدلال بخاری کے خلاف کا پتہ نہیں

(ل) آج تک کوئی روایت ایسی نہیں گذری جو استدلال بخاریؒ کی ناقض ہو۔ جناب کا تحریر فرمانا کہ بوقت شدت حاجت حضرات فقہائے کرام نے بھی اپنے مذہب کے خلاف دوسرے امام کے فتوے پر عمل کی اجازت دی ہے بالکل درست ہے اور اجرت علی تعلیم القرآن ونکاح مفقودۃ الزوج کی نظائر بحوالہ ہدایہ بھی درست ہیں۔ مزید برآں میں جناب کی توجہ قاضی ثناء اللہ صاحب کی تفسیر مظہری پر دلانا چاہتا ہوں تفسیر سورۂ انفال ص۲۵ پر قاضی صاحب نے جن کو بیہقی وقت کہا گیا ہے تحریر کیا ہے۔ نقال ابوحنیفۃ سھم ذوی القربی ایضًا سقط بموت رسول اللہ صلعم۔ چند سطور کے بعد لکھا ہے وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمدؒ بعد ازاں ان وجوہات کا اندراج کیا ہے جو صاحب ہدایہ اور طحاوی نے مذہب بالا کی تائید میں لکھے ہیں۔ بایں ہمہ اپنی تحقیقات اور دلائل کو لکھ کر تحریر فرمایا ہے۔ وبھذا ثبت ان سھم ذوی القربی لم یسقط۔ غور کیجئے کہ اس علامہ نے قوت دلائل کی وجہ سے امام صاحبین کے مذہب پر جمود نہیں کیا۔ اور صاحب ہدایہ اور طحاوی کے دلائل کی تضعیف میں بھی تامل نہیں کیا۔ حالانکہ ان کی تمام تفسیر فقہ حنفیہ کی تائید پر مشتمل ہے۔

(ن) لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ جب امام القاضی ابو یوسف رحمہ نے فی سبیل کے معنی فی اصلاح طرق المسلمین تحریر فرما دیے تو اندریں صورت خود مذہب حنفیہ کے اندر سند اور دلیل مل گئی ہے اور اس تفسیری عبارت (اصلاح طرق المسلمین) نے زمانہ حال کے ضروریات کے اہتمام اور انصرام کے لیے سبیل الرشاد کو کھول دیا ہے۔

(س) علمائے ہند کے لیے یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جب اس ملک میں بزمانہ حال غزاۃ فی سبیل اللہ کی جماعت موجود ہی نہیں تو کیا ان کا سہم ساقط نہ ہو جائے گا۔ اور کیا اس سہم کا دیگر امور مرضیات الٰہی میں صرف کرنا صحیح نہ ہوگا جب کہ امام ہمام اور صاحبین نے آیات غنیمت و فئ میں سقوط سہام رسول و ذوی القربیٰ کے بعد ان کا مصرف دیگر اہل سہام کو قرار دیا ہے اور آیات صدقات میں بھی مؤلفۃ القلوب کے متعلق بھی مسلک اختیار کیا ہے۔ (ع) میں اس طول کلامی کی معافی کا طالب ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ میں آنجناب سے ہی متفق ہوں والسلام۔

(توحید امرتسر ص ۱۱۔ ۲۰ رجب ۱۳۴۷ھ)

نوٹ: یہ مضمون حضرت قاضی صاحب مرحوم نے مولانا فضل اللہ صاحب کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ اسی لیے طرز تحریر مخاطبانہ ہے۔ (اخبار مذکور)

سوال: مسجد یا مدرسہ میں ایک میاں یا ملا رکھ کر گاؤں کے بچوں کو تعلیم دلائی جائے اور ان میں صاحبان زکوٰۃ کے بچے بھی تعلیم پاویں تو کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں درانحالیکہ زکوٰۃ دینے والے حضرات میاں یا ملا کی تنخواہ اپنے عشر و زکوٰۃ کی رقم سے دیتے ہیں۔

جواب: اصحاب اموال کا اپنے بچوں کو ایسے لوگوں سے تعلیم دلانا جن کو وہ تنخواہ اپنے اموال کی زکوٰۃ و عشر سے دیتے ہوں درست نہیں۔ ھٰذا ھو الراجح عندی الی ھٰذا الآن۔

ایسے علمائے دین جو اس آیت کے مصداق ہوں اَلَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الآیۃ یعنی دین کی تعلیم و خدمت کے لیے وقف ہو گئے ہوں اور فکر معیشت کے لیے وقت نہ نکال سکتے ہوں "مساکین" میں داخل ہیں بشرطیکہ انہوں نے تعلیم دین کو حصول زر کا پیشہ نہ بنا لیا ہو ضرورت اور حاجت سے زیادہ نہ لیتے ہوں اور کسی حالت میں بھی سائل

وسائل نہ بنتے ہوں۔ ایسے عمار و دعاۃ مدِ زکوٰۃ کے بلاشبہ مستحق ہیں۔ اسی طرح غریب طلبہ علوم دینیہ بھی آیت مذکورہ کی رو سے فقراء و مساکین میں داخل ہیں۔ اور ضروری ہے کہ اس مد سے ان کی خبرگیری کی جائے۔ رہ گئے علماء اغنیاء جو سونے یا چاندی کے نصاب کے مالک ہیں یا خوشحال و زمیندار ہیں یا کرایہ کی جائدادوں کے مالک ہیں اور قرآن و علوم دینیہ کی ترویج اور دعوت و ارشاد و ہدایت و تبلیغ یا درس و تدریس میں مصروف و مشغول رہتے ہیں ان کو زکوٰۃ دینی اور خود ان کو زکوٰۃ لینی جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح مدارس کا اجراء و قیام اور مدرسین و ملازمین کی تنخواہ اس مد سے دینی جائز ہے یا نہیں؟ سو اس میں اختلاف ہے بعض علمائے اہلحدیث اسے جائز و درست کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے ان علماء و مدرسین کو "سبیل اللہ" میں داخل سمجھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ سبیل اللہ کے ذریعہ ایک جامع دعاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ جس میں دین و امت کے مصالح کی ساری باتیں آگئیں۔ مثلاً قرآن اور علوم شرعیہ کی ترویج و اشاعت مدارس کا اجراء و قیام دعاۃ و مبلغین کا قیام ارسال ہدایت و ارشاد امت کے تمام مفید مسائل۔

اکثر علماء کے خیال میں سبیل اللہ سے مراد صرف مجاہدین و غزاۃ ہیں کما قال شمس الائمہ ابن قدامہ فی الشرح الکبیر علی متن المقنع لا خلاف فی انہم الغزاۃ لان سبیل اللہ عند الاطلاق ھو الغزو انتہیٰ علامہ سید رشید رضا مصری مرحوم نے مخالفت کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ ھٰذا غیر صحیح بل سبیل اللہ ھو الطریق الموصل الی مرضاتہ وجنتہ وھو الاسلام فی جملتہ وآیات الانفاق فی سبیل اللہ تشتمل جمیع انواع النفقۃ المشروعۃ وماذا القول فی آیات الصد والاضلال عن سبیل اللہ والھجرۃ فی سبیل اللہ بل لا یصح ان یفسر سبیل اللہ فی آیات القتال نفسہا بالغزو لان القتال ھو الغزو وانما یکون فی سبیل اللہ اذا ارید بہ ان تکون کلمۃ اللہ ھی العلیا ودینہ ھو المتبع فی سبیل اللہ فی الآیۃ یعم الغزو الشرعی وغیرہ من مصالح الاسلام بحسب لفظ العربی ویحتاج التخصیص الی دلیل صحیح انتہیٰ قلت الراجح عندی انہم الغزاۃ خاصۃ وان کانت کلمۃ سبیل اللہ بحسب لفظہما

العربی عامة تشتمل جميع مصالح الاسلام العامة لكن المراد فی آیۃ مصارف الزکوٰۃ فیما اری واللہ اعلم بمراد کلامہ الغزاۃ خاصۃ والدلیل علی ھذا التخصیص ماروی احمد ومالک وابوداؤد وابن ماجۃ وغیرھم عن ابی سعید مرفوعاً لاتحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ لعامل علیھا اور رجل اشتراھا بمالہ اوغارم اوغاز فی سبیل اللہ الخ وعلی ھذا فلا یدخل فی سبیل اللہ الاغنیاء من اصحاب الدعوۃ والارشاد والھدایۃ والتبلیغ والافتاء والتدریس وغیرھم من الموظفین فی المدارس الدینیۃ ولا یدخل فیھا ایضا تاسیس المعاھد الدینیۃ وتعمیرھا واعانتھا واقامتھا وغیر ذلک مما یشبھہ

اور بعض علمائے اہلحدیث نے ایسے اصحاب نصاب کو "عاملین" میں داخل سمجھا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ عاملین کو زکوٰۃ کا مصرف ٹھہرانے کی علت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ان عاملین نے ایک کام کو جو مصالح مسلمین سے ہے انجام دیا ہے۔ قال الشوکانی حدیث ابن السعدی (عند الشیخین) دلیل علی ان عمل الساعی سبب لاستحقاق الاجرۃ کما ان وصف الفقر والمسکنۃ ھو السبب فی ذلک واذا کان العمل ھو السبب اقتضی قیاس قواعد الشرع ان الماخوذ فی مقابلۃ اجرۃ۔ اسلامی حکومت کے اور عاملین کو اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ٹھہرایا ہے لیکن روایات حدیثیہ سے ثابت ہے کہ عہد نبوت میں جو اشخاص اس قسم کے کاموں کو انجام دیتے تھے ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کاموں کی اجرت عنایت فرماتے تھے۔ ابوداؤد میں بریدہ سے مرفوعاً روایت ہے۔ من استعملنا علی عمل فرزقناہ رزقاً فما اخذ بعد ذلک فھو غلول قال الشوکانی فیہ دلیل علی انہ لا یحل للعامل زیادۃ علی ما فرض لہ من استعملہ وان ما اخذہ بعد ذلک فھو من الغلول وذلک بناء علی انہ اجارۃ ولکنھا فاسدۃ یلزم فیھا اجرۃ المثل الی آخر ما قال (نیل الاوطار)

پس حکومت اسلامی کے دیگر عاملین مثل قضاۃ وغیرہ بوجہ اشتراک فی العلۃ حکم سعاۃ میں داخل ہیں اس کے علاوہ عہد خلافت راشدہ میں بھی دیگر عاملین کی اجرت بلکہ خود حاکم کی اجرت مال مسلمین سے دیا جانا ثابت ہے اور انہی وجوہ سے خلف وسلف

کی ایک بڑی جماعت اس جانب گئی ہے قال الطبری ذہب الجمہور الی جواز اخذ القاضی الاجرۃ علی الحکم لکونہ یشغلہ الحکم من القیام بمصالحہ (عمدۃ القاری للعینی) واحتج ابو عبیدۃ علی جواز ذلک بما فرض اللہ للعاملین علی الصدقۃ جعل لہم حقا منہا لقیامہم وسعیہم الی قولہ وقال ابن المنذر حدیث ابن السعدی حجۃ فی جواز ارزاق القضاۃ من وجوہہا (فتح الباری) وقال القاری فی المرقات فی شرح حدیث وغیر جواز اخذ العوض من بیت المال علی العمل العام وان کان فرضا کالقضاء والحسبۃ والتدریس بل یجب علی الامام کفایۃ ہولاء ومن فی معناہم فی بیت المال انتہی وقال المولوی عبدالحی الکھنوی فی عمدۃ الرعایۃ وکل من فرغ نفسہ بعمل من امور المسلمین یستحق علی ذلک رزقا کالقاضی ۔ پس ایسا مدرسہ جو مصالح مسلمین پر مشتمل ہے اس کے مدرسین کو مد زکوٰۃ سے تنخواہ دینی کیوں درست نہیں ساتھ ہی اس کے اس زمانہ میں مدارس دینیہ کے قیام و بقا کی جو ضرورت ہے وہ مخفی نہیں ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ تاوقتیکہ مدارس کی امداد مد زکوٰۃ سے نہ ہو گی کوئی مدرسہ چل نہیں سکتا پس جب سائلین صدقات کے ساتھ دوسرے عاملین ملحق ہیں اور عاملین صدقات کے لئے بحالت ان کے غنی ہونے کے بھی زکوٰۃ سے اُجرت لینی درست ہے تو مد زکوٰۃ سے مدرسین کو تنخواہ معین و غیر معین دونوں طرح لینا ان کے غنی ہونے کی صورت میں بھی جائز اور درست ہو گا۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر کی تنخواہ کے واقعہ سے ثابت ہے اخرج ابن سعد عن میمون قال لما استخلف ابوبکر جعلوا لہ الفین فقال زیدو فی فان لی عیالا وقد شغلتمونی عن التجارۃ فزادوہ خمس مائۃ (تاریخ الخلفاء) علمائے حنفیہ کے نزدیک مد زکوٰۃ سے مدرسین و ملازمین مدرسہ کو بصورت ان کے غنی ہونے کے تنخواہ نہیں ادا کی جا سکتی اور نہ ان کے لئے لینا جائز ہے وہ کہتے ہیں زکوٰۃ ایک فریضۂ الٰہی ہے جس کی ذمہ داری مالک نصاب پر عائد ہوتی ہے ۔ اور چونکہ وہ حج روزہ نماز کی طرح ایک عبادت ہے اسی لئے مالک نصاب کو مقررہ شروط و قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے مال کا ایک معین حصہ اس کے مصارف میں بطور تملیک اس طرح ادا کرنا ضروری ہے کہ اس کی ادائیگی

ہیں بجز امتثال امر الٰہی شخص مودی الیہ سے کسی قسم کی کوئی غرض حصول نفع کی خاطر نہ ہو (تنویر الابصار) اس لئے وہ ان لوگوں پر بھی اس کو صرف نہیں کر سکتا کہ جن کے دینے میں حصول نفع کا احتمال ہو کما قال فی رد المحتار فلا یدفع لاصلہ ای وان علا ولفرعہ ای وان سفل وکذا لزوجتہ وزوجہا وعبدہ ومکاتبہ لانہ بالدفع الیہم لم تنقطع المنفعۃ عن الملک ای المزکی من کل وجہ۔ اور اسی بنا پر اس اُجرت معاوضہ پر بھی اس کا صرف کرنا جائز نہیں (رد المحتار ص۶۷ ج ۲) معلوم ہوا کہ مدرسین کی تنخواہ مد زکوٰۃ سے نہیں ادا کی جاسکتی کہ وہ معاوضہ ہے ان کے عمل کا اور زکوٰۃ میں معاوضہ مقصود نہیں ہوتا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عاملین صدقات کے ساتھ اغنیاء مدرسین کو ملحق کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کو جو کچھ ملتا ہے وہ بطریق عمالہ ہے اور چونکہ یہ عمالہ بقدر کفاف یعنی ان کے اور ان کے اعوان کی ضرورت اور حاجت[1] کے مطابق دیا جاتا ہے اس لئے اس کو اجرت ومعاوضہ سمجھنا غلط ہے کیونکہ وہ مقدار جو اس کو اور اس کے اعوان کو کافی ہو سکے وہ مجہول اور غیر معلوم ہے۔ اور احد العوضین کی جہالت جواز اجارہ سے مانع ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عامل صدقہ کا استحقاق بطور اجرت ومعاوضہ کے نہیں ہے بلکہ بطریق کفایہ ہے بنا بر مدرسین وملازمین مدرسہ کو عاملین صدقات کے ساتھ ملحق کرنا غلط ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ دیگر عاملین کے عمالہ سے جو ان کو بیت المال سے ملتا تھا مدرسین کے مد زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کے جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ بیت المال دراصل اسلامی خزانہ کا نام ہے جس کے مختلف شعبے ہوتے تھے اور ہر شعبے کے مصارف جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاً ایک شعبہ بیت الخمس کا تھا جس میں جنس غنائم وغیرہ جمع ہوتے تھے اور اس کو آیت واعلموا انما غنمتم الخ کے بموجب صرف کیا جاتا تھا۔ دوسرا شعبہ بیت الصدقات تھا جس میں عشر وزکوٰۃ فطرہ کے اموال جمع ہوتے تھے اور اس کو مصارف منصوصہ ثمانیہ میں صرف کیا جاتا تھا۔ تیسرا شعبہ خراج الارض والجزیہ تھا جس میں زمینوں کا خراج اور جزیہ وغیرہ کا مال جمع رہتا۔ اس شعبہ سے قاضی مفتی اور علماء وغیرہ کو بقدر کفاف ملتا تھا۔ چوتھا

---

[1] ھذا مخالف لحدیث ابن السعدی فانہ قال لہ النبی علیہ السلام کل وتصدق وظاھر ھذا انہ فرض لہ ما یفضل عن اکلہ ویمکن التصدق منہ ۱۲۔

شعبہ لاوارث لوگوں کے ترکہ اور لقطات کا تھا جس کو ضوائع کہتے تھے۔ اس سے عام مصالح مسلمین میں امداد ملتی تھی (عالمگیری وغیرہ) پس یہ ثابت کر کے علماء و قضاۃ اور عمال کو بیت المال سے تنخواہ ملتی تھی یہ ثابت کرنا کہ مد زکوٰۃ سے مدرسین تنخواہیں پاسکتے ہیں صحیح نہیں الی آخرہ۔
(املاہ عبیداللہ المبارکفوری الرحمانی المدرس بمدرسہ دارالحدیث الرحمانیہ بدہلی)

سوال: زید نے ایک لاری قرضہ برداشت کر کے خرید کی کچھ مدت بعد اسے فروخت کر دیا۔ حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ قرضہ ادا کرنے کے بعد اتنی رقم بچ رہی جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اب اس رقم پر زکوٰۃ کب واجب ہو گی؟ (غلام نبی خریدار)

جواب: جس روز قیمت وصول ہوئی ہے اسی روز سے ایک سال گذرنے کے بعد زکوٰۃ واجب الادا ہو گی۔ اللہ اعلم (اہلحدیث ۲۶ رجب ۱۳۶۲ھ)

سوال: بعض علماء فرماتے ہیں کہ سونا ساڑھے سات تولہ ہو تب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس سے کم پر فرض نہیں ہے۔ اور بعض کا فرمان ہے کہ جتنے سونے کی قیمت ساٹھ روپیہ ہو جاوے اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں ساڑھے سات تولہ کی قیمت ساٹھ روپیہ تھی کیا حکم ہے؟ (اسمٰعیل بہاولپور)

جواب: نص حدیث سے وزن معتبر ہے اور زمانہ کے انتشار کے لحاظ سے قیمت معتبر ہے جس صورت میں غرباء اور فقراء کا فائدہ ہو وہی اختیار کریں لحکم فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ (اہلحدیث جلد ۴۶ نمبر ۲۳)

سوال: ایک سوداگر ہے مگر اس کا سب کام چلتا ہے اور جتنا اس پر قرض ہے اس سے کم کا مال ہے مگر آہستہ آہستہ قرض ادا کر رہا ہے۔ اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں۔ مال قرض کے برابر ہو یا کچھ زیادہ ہو ان دونوں صورتوں میں کس طرح زکوٰۃ ادا کی جائے۔
(نظیر احمد عزیز احمد سوداگر چوڑی بازار ریوان)

جواب: صورت مرقومہ میں قرضدار کے قرض کا لحاظ رکھا جائے گا۔ جیسے تقسیم ترکہ میں وصیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ (۸ رجمادی الاول ۱۳۶۲ھ)

سوال: اس عہد مبارک میں لاوارث مردے اور محتاجوں، پردیسیوں کی نعشیں حکومت عالیہ کی طرف سے دفن ہوتی تھیں یا نہیں؟ اگر ہوتی تھیں تو مصارف کس مد سے ہوتے تھے؟

جواب: بیت المال میں بہت سی متفرق مدات غرباء و مساکین کے لئے ہوتی تھیں چاہے زندہ ہوں یا مردہ۔ اسی میں سے خرچ ہوتا تھا۔ اس کا پوچھنا ہی کیا ہے۔

(اہلحدیث جلد ۴۰ نمبر ۲۲)

سوال: مساجد کی مرمت یا از سر نو تعمیر یا ضروری سامان پہنچانا۔ مسافروں کو زاد راہ دینی۔ نو مسلموں کی پرورش۔ طالبعلموں کی ضرورتیں پوری کرنے والوں کی کفالت، مفلوک مریضوں کی دوا۔ ننگوں کو کپڑا بھوکوں کو کھانا دینا۔ مظلوموں اور ناقابل کسب معاش عورتوں مردوں بچوں کی ضروری کفالت، اشاعت اسلام وغیرہ یہ حضرات والا صفات (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کرتے تھے یا نہیں اگر کرتے تھے تو زکوٰۃ و دیگر صدقات کی رقوم سے یا خراج ممالک سے اگر جدا جدا رقوم صرف فرماتے تھے تو بضرورت دوسری مد کے رقم صرف فرماتے تھے۔ یا مد خاص میں گنجائش نہ ہونے پر کام سے انکار فرما دیتے تھے۔

جواب: ان سب ضرورتوں کا انتظام مصارف زکوٰۃ میں آجاتا ہے اور مال غنیمت سے بھی پانچواں حصہ لیا جاتا تھا۔ امیر جماعت کو بھی اختیار تھا کہ حسب ضرورت تقسیم کر دے۔

(ایضاً)

سوال: زکوٰۃ، قربانی اور عقیقہ کی خیراتی رقوم کے احکام مختلف ہیں یا نہیں۔ (ایضاً)

جواب: زکوٰۃ کے مصارف اس آیت میں بیان ہوئے ہیں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الآیۃ قربانی یا عقیقہ کا چمڑا خاص مساکین کا حق ہے۔ (ایضاً)

سوال: زیور جو استعمال کیا جاتا ہے اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ یہاں کے لوگ آپس میں مختلف ہیں۔ بعض زکوٰۃ کو مانتے ہیں۔ دلیل میں سواران کی حدیث پیش کرتے ہیں اور بعض مستعمل چیز مان کر عدم فرضیت کے قائل ہیں اور یہی رائے صاحب تذکیر الاخوان کی بھی ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں سے جو اصح ترین صورت ہو تحریر فرمائیں اور احوط کا احتیاط رہے اور اگر فرض ہے تو صرف ایک دفعہ یا ہر سال؟

(حاجی محمد سعید از جبیت گڑھ)

جواب: اصح (زیادہ صحیح) کا سوال بے معنی ہے۔ کیونکہ ہر قائل کے نزدیک اس کا قول اصح ہے۔ احوط یہی ہے کہ ہر سال ادا کرے تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔

(اہلحدیث جلد ۴۰ نمبر ۳۲)

سوال: خراجی زمین میں جو آسمانی پانی سے پیدا ہو اور جو نہر یا تالاب و آسمانی پانی سے مل کر پیدا ہو تو عشر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حساب سے۔ (سائل مذکور)

جواب: قرآن مجید میں ارشاد ہے جو چیز بھی زمین سے پیدا ہوئی ہو اس میں سے زکوٰۃ دینی چاہیے۔ عشر اور نصف عشر کا حساب الگ ہے۔ ہندوستان میں بارانی زمینوں پر بھی سرکاری لگان ہے جو واجب الادا ہے۔ اس لئے بارانی زمینوں کی پیداوار سے نصف عشر ادا کر دے تو جائز ہے۔ عشر دیا کرے تو بہت ہی اچھا ہے۔ (اہلحدیث جلد ۴۰ نمبر ۳۲)

شرفیہ: یہ صحیح نہیں اس لئے کہ عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں بھی زمین کا محصول یا معاملہ تھا۔ اور اس محصول کے باعث پیداوار پر نصف عشر ثابت نہیں۔ یہ تقسیم عشر یا نصف عشر کی زمین چاہی یا النضح پر ہے محصول پر نہیں۔ عن ابی جعفر قال ما بالمدینۃ اہل بیت ہجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع وزارع علی وسعد بن مالک وعبداللہ بن مسعود وعمر بن عبدالعزیز والقاسم وعروۃ وآل ابی بکر وآل عمر وآل علی وابن سیرین وقال عبدالرحمٰن بن الاسود کنت اشارک عبدالرحمن ابن یزید فی الزرع وعامل عمرؓ الناس علی ان جاء عمرؓ بالبذر من عندہ فلہ الشطر وان جاؤا بالبذر فلہم کذا رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۱۵۷ ص ۱۵۸ - یہ ثلث ربع وغیرہ کی تقسیم مالک زمین کا محصول ہی تو تھا جو آج کل کے محصول سے زائد تھا اور اس پر نصف عشر ثابت نہیں۔ رہا بارانی اور نہری زمین تو اس کے بارہ میں بھی تصریح موجود ہے۔ عن سالم بن عبداللہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما سقت السماء والانہار والعیون او کان بعلا العشر وفیما سقی بالسوانی او النضح نصف العشر اخرجہ ابوداؤد واخرجہ ابوداؤد عن جابر بسند آخر ص ۲۳۲ ج ۱ پس ثابت ہوا کہ بارانی اور نہری اور عیونی زمین میں عشر سے نصف عشر جائز نہیں اور محصول کا بھی نصف عشر میں اعتبار نہیں۔ یہ غلط فہمی سے کتاب وسنت پر زیادتی ہے جو جائز نہیں۔ المجتہد قد یخطی ویصیب۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۔ فقط (محمد داؤد راز)

جناب نے پرچہ مورخہ ۷ ر جمادی الثانی میں بجواب استفسار ارقام فرمایا ہے۔ آجکل جو سرکار انگریزی کے ماتحت ہم لوگ رہتے ہیں۔ ہماری سب زمینیں خراجی ہیں۔ سرکار کی طرف سے مالگذاری جو مقرر ہے دینی ضروری ہے اس لئے یہ سوال عام طور پر ہوتا ہے کہ آجکل کی زمینوں میں مسلمانوں پر عشر ہے یا کیا ہے۔ میری ناقص تحقیق اس میں یہ ہے کہ ایسی اراضی پر ربع عشر ہے یعنی چالیسواں حصہ واجب ہے کیونکہ حدیث شریف میں آبپاشی کے اخراجات پر لحاظ کر کے عشر سے نصف عشر آیا ہے تو سرکاری مالگذاری بھی تو زمین ہی پر خرچ ہے آبپاشی نہ کرے تو کچھ نہ کچھ پیداوار بارانی ہو سکتی ہے مگر سرکاری مالگذاری نہ دے تو جوت بھی نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری مالگذاری کو اخراجات آبپاشی سے زیادہ دخل ہے پس جب اس کا لحاظ ہے تو اس کا کیوں نہیں ہو گا۔ بعثتو میسرین لا معسرین۔

جناب من ایسا کیوں نہیں کیا جاوے کہ زمیندار اس امر کا لحاظ کرے کہ سرکار انگریزی کو مالگذاری ادا کر کے اس امر کا خیال کرے کہ سرکار نے جس قدر کہ مالگذاری مجھ سے لی ہے آیا وہ مالگذاری زمین بارانی کی پیداوار کے عشر کے برابر ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اگر عشر کے برابر ہو جاتی ہے تو اب عشر کے ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر عشر سے کم مقرر کر دیا ہے تو بعد ادائے مالگذاری اتنا حصہ نکال دیوے کہ عشر پورا ہو جاوے۔

سوال: سلاطین اسلامی کے وقت میں عشر کہ رعایا سے لیا جاتا تھا اس کو وہ کس مصرف میں صرف کرتے تھے اور کتب فقہ کی رو سے مصارف عشر کے کیا کیا ہیں مع حوالہ کتاب بذریعہ اخبار کے مطلع فرماویں۔

ایڈیٹر: آپ کی پیش کردہ صورت پر کوئی نص دلیل نہیں ہے نہ میرے پر ہاں میری صورت میں فقراء کا فائدہ اور ایک مقیس علیہ بھی ہے آپ کی میں نہیں۔ تمام کتب فقہ میں عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں بعض سلاطین اصل مصارف میں خرچ کرتے تھے بعض اپنی شراب نوشی کا حصہ بھی اسی سے نکالتے تھے کیا آپ نے نہیں سنا ؎

ہل افسد الناس الا الملوک وعلماء سوء ورہبانہا

(۱۳۔ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء)

تعاقب۔ از حضرت العلامہ مولانا عبد العزیز رحیم آبادی

سوال: غلہ کی زکوٰۃ جس کو عشر کہتے ہیں نکالنی واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو نہری زمین سے کتنا حصہ کس طرح آنا چاہیئے؟ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اخبار اہلحدیث مورخہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ ہجری مطابق ۲۹ مارچ ۱۹۱۲ء میں یہ مسئلہ باین مضمون لکھا ہے کہ غلہ کی زکوٰۃ واجب ہے مگر چونکہ سرکاری مالگذاری بھی ضروری ہے اس لئے میری ناقص رائے میں بقایا میں سے چالیسواں حصہ ادا کرنا کافی ہے۔

جواب: یہ مسئلہ باعث شہرت محتاج بیان نہیں ہے مگر شاید مولوی ثناء اللہ صاحب کی تحریر سے شبہ پیدا ہوا ہے وہی موجب سوال ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تو صاف صاف یہ حکم ہے کہ جو بارش خواہ زمین کے شادابی سے پیداوار ہو اس میں دسواں حصہ اور جس میں پانی سینچنے کی پیداوار ہو اس میں نصف العشر یعنی بیسواں ہے وہی صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ اپنا خیال ہے کہ سرکاری مالگذاری کے سبب سے کم ہونا چاہیئے۔ اور چالیسواں حصہ کافی ہے یہ ان کی ذہنی بات ہے نہ شریعت کا حکم۔ شریعت میں وہی صورت ہے جو پہلے مذکور ہوئی اور حدیث میں وارد ہے کہ صحابہؓ کرایہ کی زمین کی پیداوار میں سے عشر دیتے تھے اور چالیسویں حصہ کا ذکر بالکل نہیں ہے۔ عن یحییٰ ثنا ابن المبارک عن یونس قال سالت الزہری عن زکوٰۃ الارض التی علیہا الجزیۃ فقال لم تزل المسلمون علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبعدہ یعاملون علی الارض ویستکرونہا ویودون الزکوٰۃ مما خرج منہا فتری ہذہ الارض علی نحو ذلک۔ اگر کسی کو مرسل ہونے کا خیال ہو تو کم از کم اتنا تو ضرور ثابت ہے کہ مدینہ کا دستور یہی تھا کہ کرایہ والی زمین میں عشر دیا جاتا تھا۔ اولا نصوص کا عموم۔ اس کے ساتھ یہ روایت پھر کیا محل سخن ہے علاوہ

---

[1] اڈیٹر۔ مگر یہ ملحوظ رہے کہ اس زمانہ میں سرکاری خراج بھی زکوٰۃ تھی اور آج کے زمانے میں سرکاری خراج الگ ہے جس کا دینا بہت ضروری ہے۔ ہذا الحکم انما بعثتم میسرین او رکم بیسروا ولا تعسروا۔ علمائے کرام اس مسئلہ پر غور فرمائیں (اہلحدیث ۳ مئی ۱۹۱۲ء)

چالیسواں حصہ اپنی طرف سے نکالنے کا کیا حق کسی کو ہے؟

(اہلحدیث ۔ ۳۰ مئی ۱۹۱۲ء) ۔ (راقم عبد العزیز رحیم آبادی)

تعاقب: جناب نے اپنے موقر اخبار مجریہ ۳۰ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ میں سوال نمبر ۱۰ کے جواب میں فرمایا ہے کہ ایسی حالت میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ادا کر دینا کافی ہے۔" جامع ترمذی اور صحیح بخاری وغیرہ میں ہے ۔ عن سالم عن ابیه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه سن فیما سقت السماء و العیون او کان عثریا العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر (ترمذی باب الصدقة فیما یسقی بالانهار وغیرها) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیداوار میں جس کو آسمان (کی بارش) اور چشمہ پٹائے یا وہ زمین تری والی ہو (جس کے پٹانے کی ضرورت نہ ہو) اس میں دسواں حصہ مقرر فرمایا ہے اور جس کو اونٹ وغیرہ کے ذریعے پٹایا جائے اس میں بیسواں حصہ مقرر فرمایا ہے۔ اس حدیث سے اور اس کے ماسوا دوسری صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جو غلہ آسمانی یا نہر وغیرہ کے پانی سے پیدا ہو اس میں دسواں حصہ فرض ہے۔ یہی مذہب تمام محدثین کا ہے۔ زمین کے خراجی ہونے سے عشر میں تخفیف نہیں ہو سکتی۔ ہمارے استاد مکرم حضرت علامۂ زماں مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ترمذی میں یہی مسلک اختیار فرمایا ہے۔ نیز آپ نے اپنے دیگر فتاویٰ قلمیہ اور مطبوعہ میں اسی کو حق و صواب فرمایا ہے۔ دیکھئے فتاویٰ نذیریہ اور خاکسار کے پاس موصوف کا ایک قلمی فتویٰ بھی موجود ہے۔ آپ نے شرح ترمذی میں عشر کے علی الاطلاق بلا تخصیص واجب ہونے پر منجملہ اور دلائل کے دو اثر بیان فرمائے ہیں۔ پہلا اثر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے عمرو بن میمون نے پوچھا کہ مسلمان کے قبضے میں خراجی زمین ہے اور اس سے مال زکوٰۃ (یعنی عشر) طلب کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے ذمہ خراج ہے تو عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا الخراج علی الارض والعشر علی الحب یعنی خراج (مالگذاری زمین پر ہے اور عشر پیداوار پر ہے۔" دوسرا اثر امام زہریؒ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور آپ کے بعد مسلمان لوگ برابر زمین کا معاملہ کرتے اس کو کرایہ پر (یعنی مالیہ کے عوض) لیتے اور اس کی زکوٰۃ اس کی پیداوار

سے ادا کرتے رہے۔ لم یزل المسلمون علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبعدہ یعاملون علی الارض ویستکرونہا ویؤدون الزکوٰۃ عما یخرج منہا پس اس صورت مذکورہ اور ہر دو اثر مذکور سے صاف نکلتا ہے کہ زمین سے جو غلہ بلا مؤنت اور خرچ کے پیدا ہو اس میں دسواں حصہ فرض ہے اور بیسواں حصہ کافی نہ ہوگا لہٰذا آنجناب سے مؤدبانہ عرض ہے کہ اپنے جواب پر نظر ثانی فرما کر محقق و مدلل جواب سے بذریعہ اخبار مسرور و ممنون فرمائیں۔ (خاکسار ابو الطیب عبد الصمد مبارکپوری عفی عنہ)

جواب: متعاقب کا یہ فقرہ جو غلہ بلا مؤنت اور خرچ کے پیدا ہو اس میں عشر ہے۔ اپنے معنی میں بالکل صحیح ہے مگر اس سے پہلے جس صورت میں آپ نے نصف عشر خود تسلیم فرمایا ہے اس کو مؤنت پر مبنی آپ بھی مانتے ہیں۔ اب یہاں فقرہ الحدیث کی بناء پر دیکھنا ہے کہ پانی کنوئیں سے نکالنے کی جو مؤنت (خرچ) ملحوظ رکھی گئی ہے تو نہری آبیانہ کو نظر انداز کس طرح کر سکتے ہیں کیا یہ مؤنت نہیں ہے یقیناً ہے۔ شریعت کے احکام میں غور و تدبر کرنا چاہیئے خصوصاً ان مسائل میں جو نظام حکومت کے متعلق ہوں کامل غور سے کام لینا چاہیئے۔ مؤنت آبیانہ نہری کے علاوہ مؤنت مالگذاری بھی قابل لحاظ ہے۔ میں اس کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا کیونکہ یہ بھی زمینداروں کی خود ساختہ مؤنت نہیں بلکہ جبریہ مؤنت ہے جو کسی طرح نظر انداز نہیں ہو سکتی۔ پس آپ آیات و احادیث پر فاروقی دماغ سے تدبر کیا کریں یہ محض بے دلیل قیاس نہیں ہے بلکہ اس کی بنا بھی ملتی ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی چاہی مؤنت کی وجہ سے عشر تسلیم کیا اور کرنا چاہیے۔ فافہم وتدبر

(۷ اکتوبر ۱۹۳۸ء)

سوال: ہمارے یہاں عام پیداوار مکئی ہے اور اس کا خرچ بھی زیادہ ہے۔ گندم و جو کی پیداوار کم اور خرچ بھی کم ہے لہٰذا فطرہ میں ہم مکئی دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دھان بھی دینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو نصف صاع دے سکتے ہیں۔

(حکیم شرف الدین احمد موتیہار)

جواب: صدقۂ فطر کے متعلق دو حدیثیں آئی ہیں۔ ایک صاع کی دوسری نصف صاع کی قحط سالی کے زمانے میں نصف صاع والی حدیث پر عمل کرنا انشاء اللہ کافی ہوگا۔ صاع مدنی انگریزی اڑھائی سیر کے برابر ہے جس ملک میں جو چیز طعام یعنی قابل قوت

ہو اس میں سے صدقۂ فطر ادا کرنا جائز ہے۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث جلد ۴۔ نمبر ۳۹)

شرفیہ: صدقۂ فطر کی حدیثیں صحیحین وغیرہ میں ثابت ہیں صاع من تمر او شعیر۔ ایک روایت میں ابو سعید خدری سے یہ بھی آیا ہے کنا نخرج زکوٰۃ الفطر اذا کان فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاعا من طعام اور جامع ترمذی اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مدان من قمح بھی آیا ہے۔ روایات میں کچھ کلام ہے مگر متعدد روایات ہیں لہٰذا قوت حاصل ہے تو دو مد بھی جائز ہے۔ یعنی گیہوں کے اور ہر اناج کا ایک صاع فطرہ ہے صرف گیہوں کا نصف ہے اور قحط کی شرط نہیں مطلقاً جائز ہے ملاحظہ ہو نیل الاوطار وغیرہ۔ اور صاع نبوی کا پیمانہ میں نے خود وزن کیا ہے۔ جو ایک مد نبوی۔ گندم عمدہ پورے تین پاؤ کا ہے۔ اور جو گندم ذرا کمزور اور ہلکا ہے وہ تین پاؤ سے ذرا کم ہے۔ مگر ڈھائی سیر مطلقاً نہیں تین ہی صحیح ہے اور مسور، چنا، جو، جوار، مٹر، ماش وغیرہ غلے ہر ایک کا وزن ایک سا نہیں مختلف ہے۔ جو ۹ چھٹانک کا ایک مد ہے۔ جو ایک صاع سوا دو سیر ہے اور گیہوں پورے سیر کا ایک صاع۔

سوال: زید کا تجارتی کاروبار خراب ہو گیا۔ پوشیدنی زیور قابل زکوٰۃ موجود ہے۔ زید کی بیٹی۔ داماد۔ نواسہ، نواسی جملہ چھ نفر ایک دوسرے شہر سے بسبب ناداری و موجودہ گرانی کے زید کے پاس آ گئے جن کی خورد و نوش کا زید متحمل نہیں ہو سکتا۔ زید چاہتا ہے کہ مذکورہ زیور کی زکوٰۃ سے غلہ خرید کر اور اس میں اپنی خوراک کا غلہ شامل کر کے اپنے داماد کے ساتھ خورد و نوش کرے تاکہ زید کا بوجھ ہلکا ہو جاوے لہٰذا کیا حکم ہے؟ (قاضی محمد صاحب سوداگر منڈلہ)

جواب: زکوٰۃ کے مال سے ایسے قریبوں کی مدد کرنا جائز ہے بلکہ ثواب زیادہ ہے مگر ان کا حصہ ان کے قبضے میں آ کر بعد میں اپنا حصہ شامل کر کے کھانا پکوائے حتی المقدور اپنے حصے سے زیادہ دیا کرے تاکہ اشتباہ باقی نہ رہے۔ واللہ یعلم المفسد من المصلح۔ اللہ اعلم۔ (جلد ۴ نمبر ۳۹ اہلحدیث)

سوال: لڑکا اپنی زکوٰۃ، والدین کو کھانا کپڑا بنانے۔ قرض ادا کرنے کے لئے دے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اس آیت کے ماتحت ہر قسم کی خیرات ماں باپ اور قریبیوں کو جائز معلوم ہوتا ہے۔ مگر علماء کرام ماں باپ کو زکوٰۃ دینے سے مانع ہیں۔ (جلد ۱۴۔ نمبر ۶۶)

شرفیہ: آیۃ مذکورہ فی الجواب علاوہ زکات کے ہے بحکم حدیث نبوی انت ومالك لابيك رواہ ابن ماجہ وطبرانی جامع صغیر سیوطی۔ وحدیث نبوی ان اطيب ما اكلتم من كسبكم وان اولادكم من كسبكم رواه الترمذی والنسائی وابن ماجۃ وفی روایۃ ابی داؤد الدارمی ان اطیب ما اکل الرجل من کسبہ وان ولدہ من کسبہ مشکوٰۃ صہ ۲۴۲/۱ ثابت ہوا کہ بیٹے کا مال باپ کا مال ہے تو پھر اپنی زکوٰۃ آپ ہی کھائے گا۔ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

سوال: زکوٰۃ کے مال سے رمضان میں افطاری امیر و غریب کو مسجد میں روزانہ کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: زکوٰۃ کا مال عموماً غرباء و مساکین کے لئے ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الآية۔ (جلد ۱۴ ص ۱۸ اہلحدیث)

شرفیہ: یہ جواب بالکل گول بے فائدہ ہے۔ صاف جواب یہ ہے کہ یہ صورت جائز نہیں زکوٰۃ صرف مستحقین کے لئے ہے۔

سوال: بقر عید کی نماز جو مولوی و حافظ پڑھاتے ہیں ان کو زکوٰۃ مد سے اُجرت دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: غریب طلباء کے وظائف دے سکتے ہیں۔ مدرسین کی تنخواہ میں نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ معاوضہ ہے۔ مختصر یہ کہ غرباء پر خرچ کر سکتے ہیں۔ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار۔ (اہلحدیث جلد ۱۴ نمبر ۱۸)

سوال: زمین رہن کی جا سکتی ہے اگر جائز ہے تو عشر کس کے ذمہ ہوگا؟ (صوبہ دار ولی محمد خان۔ خریدار اخبار اہلحدیث)

جواب: بعض علماء کے نزدیک جائز ہے۔ جس کے قبضہ میں ہوگی وہی عشر ادا کرے گا۔ (ج ۲ نمبر ۲۸ اہلحدیث)

تشریح: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرح مبین صورت

مسئولہ ہیں کہ زید نے سو بیگہ زمین عمر کے پاس گرو رکھی اور عمر سے ہزار روپیہ قرض لیا بایں شرط کہ سرکاری مالگذاری عمر وادا کرتا رہے گا - اور زید کو بھی دس روپیہ زمین کا منافعہ دیا کرے - اب عمر کو اس زمین کی کاشت کرنا اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ زمین کے کل صرفے عمر کو برداشت کرنا پڑتے ہیں، اور کبھی کبھی زمانہ قحط، یا سیلاب میں بجائے منافع کے عمر کو خسارہ اٹھانا پڑتا ہے - اگر عمر کو خسارہ اٹھانا پڑتا ہے - اگر عمر زمین سے منفعت نہ حاصل کرے تو زید علاوہ قرض ادا کرنے کے سرکاری لگان کا بھی بارکش ہوتا ہے اور ادائیگی قرض کا بھی ایسی صورت میں زید بالکل تباہ و برباد ہوجاتا ہے بینوا توجروا -

الجواب: صحیح حدیث میں ہے کہ دودھ والے جانوروں کا دودھ اور سواری دینے والے جانوروں کی سواری کا فائدہ جس کے پاس وہ جانور گروی ہوں بوجہ اپنے نفقہ کے جو وہ اس پر کر رہا ہے نفع اٹھا سکتا ہے - اس پر قیاس کر کے بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جب زمین کے کل اخراجات اس کے ذمہ ہوں جو رہن رکھتا ہے اور روپیہ دیتا ہے تو اسے زمین کا نفع بھی جائز ہے - بغرض جبکہ وہ چیز محتاج نفقہ ہو اور جملہ نفقات کا ذمہ دار رہن رکھنے والا ہو تو اپنے اس نفقہ کے عوض اس چیز سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ بعض صورتوں میں بعض وقت اسے نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے - پس علمائے کرام اس نفع کو قرض رقم کا بدلہ نہیں جانتے بلکہ اس نفقہ کے عوض کا نفع مانتے ہیں لہٰذا مندرجہ بالا صحیح حدیث پر قیاس کر کے اس کی حلت کے قائل ہیں[1] واللہ اعلم۔ (مولانا) محمد دہلوی (مرحوم) بقلم خود

جواب صحیح ہے - ابوالوفا ثناء اللہ کفاہ اللہ امرتسری

(مرسلہ مولانا عبدالرؤف صاحب مدظلہ) مفصل بحث کتاب البیوع میں ملاحظہ کیجیے

سوال: غریب اہلحدیث جماعت کے لوگ اس علاقہ میں صدقۃ الفطر ایک جگہ جمع کرتے ہیں یعنی یہ لوگ دھان چاول پیسہ وغیرہ ایک جگہ جمع کر کے تقسیم کرتے ہیں - ایک سال یہ

---

[1] بہتر یہ ہے کہ زمین مرہونہ کا گاؤں کے دستور کے موافق محصول مقرر کر دے اس صورت میں تمام شبہات سے محفوظ ہو جائیگا (محمد حسین میرٹھی خطیب مسجد لاکھی ٹڑیاد)

لوگ صدقۃ الفطر سے اپنے گاؤں کے محلہ کی جامع مسجد بنانا چاہتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ مال بند کر رکھا ہے۔ آیا اس مال سے محلہ کی جامع مسجد بنانا جائز ہے یا کہ نہیں، یا مال مذکور سے امام مسجد کو کچھ حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(سعید الرحمٰن نذیری۔ بگوڑہ۔ بنگال)

جواب: مسجد نہیں بنا سکتے۔ یہ غرباء و مساکین کا حق ہے اگر امام مسجد غریب مسکین ہے تو لے سکتا ہے۔ اللہ اعلم! (اہلحدیث جلد ۴۳ نمبر ۱۹)

سوال: زید نے مبلغ دو صد روپے سے تجارت کپڑا شروع کی۔ ایک سال کے اندر منافع سے کچھ زمین خرید کیا اور اب موجودہ مال از قسم کپڑا اور کچھ نقدی ہے اس میں زکوٰۃ نکالنے کی کیا صورت ہے

جواب: سارے مال کا تجارتی اصول سے چٹھا بنا لیں اور جو نقدی ہے اس کو بھی اس میں ملا کر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے زمین اگر مزروعہ ہے تو عشر اور نصف عشر ادا کریں۔ (اہلحدیث ج ۴۳ نمبر ۳۵)

سوال: زکوٰۃ راس المال یعنی پونجی پر ہے یا منافع پر مثلاً زید نے پانچ ہزار روپے سے تجارت کی۔ ایک سال گزرنے پر اس کو ایک ہزار منافع ہوا اور دوسرے سال چھ ہزار سے تجارت کی تو سال گذرنے پر پھر ایک ہزار منافع ہوا تو پہلے سال اور دوسرے سال کتنے روپے کی زکوٰۃ ادا کرے اسی صورت سے تیسرے سال سات ہزار سے تجارت شروع کی تو سال ختم ہونے پر اس کو کچھ فائدہ نہیں ہوا تو وہ زکوٰۃ دے گا یا نہیں۔

(سکرٹری انجمن فلاح المسلمین گمریڈیہ)

جواب: زکوٰۃ اصل مال پر ہے جس پر پورا سال گذرا ہو۔ صورت مرقومہ میں پہلے سال پانچ ہزار کی زکوٰۃ واجب ہو گی اور دوسرے سال چھ ہزار کی۔ نفع بعد وصول آئندہ سال میں محسوب ہوگا۔ چونکہ زکوٰۃ اصل مال پر از قسم عبادت ہے اس لئے جس سال نفع نہیں ہوا اس سال بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ (اہلحدیث ۲۰ رمضان ۱۳۵۵ھ)

سوال: موجودہ زمانہ میں جو انکم ٹیکس جبریہ وصول کیا جا رہا ہے یہ انکم ٹیکس اگر کوئی شخص زکوٰۃ سے ادا کرے تو جائز ہوگا۔ کیونکہ زمانہ رسالت میں یہ ٹیکس نہیں تھا۔ (سائل مذکور)

جواب: زکوٰۃ کے مصارف قرآن شریف نے خود بتائے ہیں اور اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ

لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنَ الآیۃ چونکہ انکم ٹیکس کے مصارف وہ نہیں بلکہ بہت سے مصرف شرعاً ناجائز بھی ہیں۔ اس لیئے زکوٰۃ اس میں محسوب نہ ہوگی۔ (۱۰ رمضان ۱۳۵۰ھ)

تشریح: زکوٰۃ آٹھ قسم کے آدمیوں پر تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ (سورہ توبہ رکوع ۷) یعنی زکوٰۃ فقیروں کے لئے ہے اور مسکینوں کے لیئے ہے اور ان لوگوں کے لیئے ہے جو اس پر عامل ہوں اور مؤلفۃ القلوب کے لیئے ہے اور گردن چھڑانے کے لیئے ہے اور قرضداروں کے لیئے ہے اور اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لیئے ہے اور مسافر کے لیئے ہے الی آخرہ۔

(حررہ عبدالعزیز عفی عنہ۔ فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۹۱)

سوال: زید کاشتکار ہے۔ زمیندار کی بھینٹی۔ بیگاری۔ حق حکومت اور لگان وغیرہ میں سالانہ صرفہ جو زید کا ہوا کرتا ہے وہ پیداوار کے دسویں حصہ سے کسی طرح کم نہیں بلکہ زیادہ ہوا کرتا ہے۔ البتہ فصل آسمانی بارش یا اس تالاب سے آبپاشی پر ہو جاتی ہے جو زمیندار کی طرف سے رعایا کی زمین کی آبپاشی کے لیئے تیار کیا گیا ہے۔ آبپاشی پر کوئی رقم زید کی نہیں لگتی ایسی حالت میں زید پر زکوٰۃ پیداوار کا دسواں حصہ لگے یا بیسواں یا نہیں؟ (سائل بندۂ خدا)

جواب: تالاب سے کھیت تک پانی پہنچانے پر بھی خرچ ہوتا ہوگا وہ خرچ اگر زمیندار کرتا ہے تو کاشتکار پر پیداوار کا بیسواں حصہ ہے اور اگر کاشتکار پر ہے تو بیسواں حصہ میں بھی تخفیف ہوگی۔ (اہلحدیث ۲۵ رجب ۱۳۵۱ھ)

تشریح: مالک زمین کو بٹائی کے طور پر غلہ ملا ہے اگر بقدر نصاب ہے تو اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے اس طرح اگر بٹائی پر لینے والے مسلم کسان کا حصہ تقسیم کے بعد بقدر نصاب ہے تو اس پر بھی عشر واجب۔ اعتبار بقدر نصاب پیداوار کے مالک ہونے کا ہے زمین کی ملکیت کا اعتبار نہیں ہے۔ خیبر کی زمین کے مالک صحابہ رضی اپنے حصوں کی پیداوار کا عشر نکالا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص اپنی زمین کسی کو نقدی پر دیتا ہے تو اس نقدی میں وصولی کے وقت سے دوران حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی

اور مالک غلہ پر عشر بشرطیکہ وہ مسلم ہو۔ واللہ اعلم۔ (۲۴ اگست ۱۹۵۱ء)

کتبہ عبید اللہ رحمانی۔ (مرسلہ مولانا عبد الرؤف جھنڈے نگری)

سوال: بکر بھی کاشتکار ہے اور سالانہ صرفہ مثل زید اس کو بھی ہوا کرتا ہے۔ مگر زید کی طرح بکر کی زمین ایسی نہیں جو صرف آسمانی بارش سے کام چل سکے۔ نیز زمینداروں کی طرف سے کوئی تالاب بھی نہیں جو بکر کی کھیتی آبپاشی بلا صرفہ ہو سکے۔ اس غرض سے کہ بکر اپنی زمین کی آبپاشی کر سکے ایک تالاب بصرف زر کثیر تیار کرایا ہے اور اسی تالاب سے اس کی زمین کی آبپاشی ہوتی ہے کیا بکر کو بھی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔ اگر کرنی پڑے گی تو کتنی؟

(سائل مذکور)

جواب: زمیندار کا حصہ خرچ آبپاشی کی وجہ سے چالیسواں حصہ ان شاء اللہ کافی ہوگا عرصہ سے اہلحدیث میں یہ فتویٰ چھپ رہا ہے بحکم میرا دل ٹھہرا۔

(اہلحدیث ۲۵ رجب ۱۳۵۱ھ)

سوال: عمرو کسی مہاجن کا مقروض ہے۔ سوا کاشتکاری اور کوئی ذریعہ معاش و ادائے قرض کا نہیں رکھتا۔ ایسی حالت میں عمرو پر عشر یا بیسواں حصہ فرض ہو سکتا ہے۔

(سائل مذکور)

جواب: پیداوار زمین پر جو واجب ہے اس میں قرض کا حساب نہیں ہوتا بلکہ ممّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی سے دینا واجب ہے (اہلحدیث ۲۵ رجب ۱۳۵۱ھ)

سوال: کاشتکاروں کو عموماً تخم ریزی وغیرہ میں اگر سو من خرچ ہوا تو تقریباً چار سو من پیداوار آتا ہے۔ کیا عشر چار سو من کا دینا ہوگا یا تین سو من کا؟ (ایضاً)

جواب: جواب اوپر ہو چکا کہ پیداوار میں سے دینا ہوگا۔ دانہ کا حساب نہیں (ایضاً)

سوال: مقامی بیت المال سے عموماً بیرونی مسافر فقراء اور مساکین کی امداد ہوا کرتی ہے اور بستی کے غریب اور مستحق امداد ہمسایہ اور رشتہ دار محروم رہ جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں زکوٰۃ و عشر وغیرہ بیت المال میں نہ دے کر غریب ہمسایوں اور مستحق رشتہ داروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: حدیث شریف میں ہے تؤخذ من اغنیائهم وترد الی فقرائهم اغنیاء سے لیا جائے تو وہیں کے فقراء پر خرچ کیا جائے۔ اس حدیث کے موافق مقامی

مساکین کا حق مقدم ہے۔ (اہلحدیث ۲۵ رجب ۱۳۵۱ھ)

سوال: زید مفلس و نادار ہے عید الفطر کے موقع پر اپنے اہل وعیال کی خاطر کہیں سے اُدھار اُٹھا کر نئے کپڑے حلوا وغیرہ تیار کرتا ہے اور صدقۃ الفطر ادا کرنے سے اپنی ناداری ظاہر کرتا ہے اب اگر زید کو مجبور و تنگ کر کے صدقہ فطر وصول کیا جائے تو جائز یا ناجائز۔

(ثنار الرحمٰن از ہزارہ)

جواب: جبراً کسی سے وصول کرنا جائز نہیں ہے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ (اہلحدیث ۸ مارچ ۱۹۳۶ء)

سوال: زکوٰۃ عشر کا کتنا نصاب ہے۔ خرچ معاملہ حصہ ادا کرنے کے بعد نکالنا چاہیئے؟

جواب: زکوٰۃ کا نصاب ہر مال پر الگ الگ ہے۔ چاندی کا الگ۔ سونے کا الگ۔ اسی طرح غلہ کا عشر بھی ہر جنس کا الگ الگ ہے۔ عشر یا نصف عشر سارے مال سے نکلے گا۔ خرچ کا لحاظ کر کے اس میں کمی جائز ہے۔ مگر نکلے گی سارے سے بحکم اٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ۔ یعنی کاٹنے کے روز خدا کا حق ادا کیا کرو۔ اللہ اعلم (اہلحدیث یکم فروری ۱۹۴۲ء)

نصاب زکوٰۃ

غلہ میں "پانچ وسق" پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ اور "وسق" ۲۱ من ۲۷ ½ سیر کا ہوتا ہے کیونکہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور صاع ۲۳۴ تولے (۶ تولے کم ۳ سیر) کا ہوتا ہے۔ پس "وسق" (۱۷۵ ½ سیر) چار من ۱۵ ½ سیر کا ہوا "اُوقیہ" ۴۰ درم کا ہوتا ہے۔ اور "درم" ۱۴ قیراط (۳ ½ ماشے) کا ہوتا ہے اور "قیراط" ۵ جو کا ہوتا ہے ــــ "دینار" ۲۴ ½ ماشوں کا ہوتا ہے۔ اور ۲۰ دینار ۷ ½ سات تولے سونے پر) چالیسواں حصہ (نصف دینار) زکوٰۃ فرض ہے۔ علیٰ ہذا ۵۲ ½ تولہ چاندی پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ البتہ زیورات کی زکوٰۃ میں محدثین کا بیحد اختلاف ہے۔ احوط و افضل یہ ہے کہ دیدیا جائے۔ ہاں مال یتیم میں راجح یہ ہے کہ زکوٰۃ نہیں ہے۔ (نوٹ) پیشگی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

فقیر وہ ہے کہ اس کے پاس بالکل ہی کوئی خوراک نہ ہو۔ مسکین وہ ہے کہ اس کے پاس وقت دو وقت کی خوراک موجود۔

(از حضرت مولانا عبداللہ صاحب عفیل مئوی نور توحید لکھنؤ ۱۰ جولائی ۱۹۵۲ء)

سوال: زید کے پاس زمین مال مویشی پیدائش زمینداری زیورات وغیرہ ملکیت میں ہیں اور اس پر قرضہ بھی ہے۔ اگر زمین (غیر متحرک ملکیت) علیحدہ کر دی جائے تو قرضہ

زیادہ ہو جاتا ہے اگر زمین ساتھ ملالی جاتی ہے تو ملکیت زیادہ ہو جاتی ہے۔ کیا ایسی حالت میں زید پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ (علی محمد خان افغان خریدار)

جواب: بہتر یہی ہے کہ زمین کو الگ رکھ کر اس کی زکوٰۃ عشر یا نصف عشر ادا کی جائے باقی کو قرضہ میں محسوب کر لو یا جو مناسب سمجھو ایسے امور کے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے استفت قلبک اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لو۔ واللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۱۹ جون ۱۹۴۵ء)

سوال: جس زمین کی پیداوار آبپاشی کے ذریعہ ہوتی ہے اس کا عشر دسواں حصہ ہے تو بجائے آبپاشی کے زمین میں کھاد خرید کر دیا جائے۔ جو خرچہ آبپاشی سے بہت زیادہ پڑتا ہے اور مالگذاری بھی لگتی ہو تو اس کا عشر کس حساب سے لگے گا۔

(شیخ عبدالغفار از واٹ گنج ضلع چمپارن)

جواب: کھاد کا خرچ ہے تو نفع بھی ہے جو برابر ہو جاتا ہے اس لئے کھاد کے خرچ سے زکوٰۃ اراضی میں فرق نہیں آئے گا۔ البتہ سرکاری معاملہ کا لحاظ رکھا جائے گا۔

(اہلحدیث ۲۹ جون ۱۹۴۶ء)

تشریح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمین خراجی میں عشر لازم ہے یا نہ۔

الجواب: یہ مسئلہ معارک عظیمہ سے ہے امام مالکؒ و امام شافعیؒ و امام احمدؒ کا یہ مذہب ہے کہ دونوں لازم ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سوائے خراج کے اور کچھ لازم نہیں چنانچہ ہدایہ میں ہے ولا عشر فی الخارج من ارض الخراج الی قولہ زمین خراجی میں عشر لازم نہیں ہذا واللہ اعلم۔ حررہ محمد عبدالحق ملتانی۔ سید محمد نذیر حسین ہو الموفق۔ واضح ہو کہ ہر زمین کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر جیسی صورت ہو لازم ہے۔ بشرطیکہ مالک پیداوار مسلمان۔ اور پیداوار نصاب کو پہنچی ہو خواہ زمین خراجی ہو یا عشری اور خواہ زمین کا مالک پیداوار کی مملوک ہو یا نہ ہو ہر حالت میں عشر یا نصف عشر لازم ہے الی آخرہ۔

(کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ فتاویٰ نذیریہ ص ۵۵ ج ۲)

الجواب: خراجی زمین وہ ہوتی ہے اور خراج اسے کہتے ہیں جو مسلمان بادشاہ اپنی کافر رعایا سے لے۔ لہٰذا ہندوستان میں کوئی زمین خراجی نہیں۔ جن زمینوں پر سرکاری ٹیکس ہے ان کی پیداوار پر عشر و نصف عشر فرض ہے۔ جملہ اقسام کے اناج پر عشر واجب ہے۔

(مولانا) محمد (مرحوم) مدرس مدرسہ محمدیہ اجمیری دروازہ دہلی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو زمینیں کرایہ پر دی جاتی تھیں ان سے بھی عشر لیا جاتا تھا یہ فتویٰ بالکل غلط ہے کہ آجکل کی ہندوستانی زمینوں پر بوجہ سرکاری ٹیکس کے زکوٰۃ نہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے تو بیوپار پر بھی سرکاری ٹیکس بنام انکم ٹیکس لگا ہوا ہے تو چاہیے کہ اس میں سے بھی زکوٰۃ نہ دی جائے پھر تو ہندوستانیوں کو اس فرض کی ادائیگی سے براہ راست سبکدوشی ہو جائے گی اور اس سے بدتر غلطی اور کیا ہو سکتی ہے۔ غرض ہر زمیندار اپنی پیداوار اناج زکوٰۃ جب وہ نصاب کو پہنچ جائے مطابق شرع مستحقین زکوٰۃ کو دے دیا کرے۔ حیلے حوالوں سے فرض خدا ندی کو ترک کر کے خدا کا گنہگار نہ بنے واللہ اعلم۔ (مولانا) محمد مدرس مدرسہ محمدیہ گوندلانوالہ پنجاب بقلم خود

جواب صحیح ہے۔ عبدالتواب علی گڑھی۔

جواب صحیح ہے۔ زمین اگر بارانی ہے تو نصف عشر۔ اگر چاہی یا نہری ہے تو اور بھی کم ہو سکتا ہے۔ اللہ اعلم۔ (ابوالوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ امرتسری)

(مرسلہ مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈے نگری دام فیضہ)

سوال: غنی (جو کہ زکوٰۃ دینے کے لائق ہو) صدقہ۔ خیرات۔ خدا کے نام پر دی ہوئی نیاز وغیرہ شرعاً لے اور کھا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: زکوٰۃ خاص اُن لوگوں کے لئے ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ الآیہ شخص مذکور کو دینا یا کھانا جائز نہیں۔ (اہلحدیث ۲۰ اپریل ۱۹۴۲ء)

سوال: ایک شخص دانستہ حرام روزگار کر رہا ہے۔ مثلاً سود۔ ڈاکہ لوگوں کو دھوکہ دے کر پیسہ کما رہا ہے اور کچھ روپیہ اس نے اس روزگار سے جمع بھی کیا ہے۔ اگر وہ اب ایسے کاموں سے توبہ کرے تو کیا اس کا تمام مال حلال ہو جائے گا۔ وہ اس مال سے حج زکوٰۃ وغیرہ ادا کر سکتا ہے اگر نہیں تو وہ اس مال کو کس مد میں خرچ کرے؟

(ابو کیندرہ پاڑہ)

جواب: حرام دو قسم پر ہے ایک کا حصول بالرضا ہوتا ہے جیسے زنا کی اُجرت۔ جوئے کا نفع وغیرہ۔ دوسرا بالجبر جیسے چوری ڈاکہ وغیرہ۔ پہلی قسم کے متعلق بعض علماء کا عقیدہ ہے کہ توبہ کے بعد حلال ہو جاتا ہے۔ اور دوسری قسم کے متعلق نہیں اس کو یا تو اصل مالکوں تک پہنچائے اگر یہ محال یا مشکل ہو تو ان کی طرف سے کسی کار خیر میں

لگا دے لیکن یہ وصیت لکھ رکھے کہ فلاں فلاں اشخاص جن کا یہ مال ہے اگر آجائیں تو میرے وارث ان کو ادا کر دیں۔ (اہلحدیث ۲۴ مئی ۱۹۳۵ء)

ثنائیہ: پہلی قسم کے متعلق بعض علماء کا عقیدہ بالکل باطل ہے۔ قطعاً حرام ہے۔ حلت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ایک امیر اپنے خرچ سے مسجد تعمیر کر رہا تھا۔ سیمنٹ کی ضرورت تھی۔ زید نے کہا مجھے آپ رقم دیدیجئے۔ زید نے امیر سے رقم لے کر عمر کو دے دی عمر نے وعدہ کیا کہ میں دو ہفتہ میں سیمنٹ مہیا کر دوں گا۔ اب دو ماہ گزر چکے ہیں عمر غائب ہے۔ امیر مذکور زید سے رقم کا مطالبہ کرتا ہے۔ زید غریب ہے ایسی صورت میں امیر مصرف زکوٰۃ میں یہ رقم شمار کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: مقروض سے قرض ادا نہ ہو سکے تو اس کے قرضے کو زکوٰۃ میں مجرا کر لینا جائز ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ واللہ اعلم (اہلحدیث ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۴ء)

سوال: دنیا میں حرفت پیشہ لوگ مثلاً درزی وغیرہ سال بھر میں ہزاروں روپے پیدا کرتے ہیں، اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب: خرچ کرنے کے بعد جتنا روپیہ بچ رہے اور سال اس پر گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اگر آمد و خرچ برابر ہے یعنی جتنی آمدنی ہوئی اتنا ہی خرچ ہو گیا تو پھر زکوٰۃ کس چیز پر۔ واللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۴ امئی ۱۹۴۵ء)

سوال: عشر زکوٰۃ، دیگر صدقات وغیرہ سے اسلامی لٹریچر خرید کر پبلک میں شرعاً شائع کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (شیخ کمال الدین از جہلم)

جواب: اسلامی لٹریچر زکوٰۃ کے مال سے خرید کر بغرض تبلیغ نادار لوگوں کو دینا جائز ہے باقی مصارف قرآن مجید میں اس آیت میں ملتے ہیں۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الآیۃ۔ (اہلحدیث ۸ جون ۱۹۴۵ء)

سوال: پنجاب کی نہری آبادی والی زمین کی پیداوار میں سے شرعاً کتنا عشر نکالنے کا حکم ہے نیز بٹائی اور ٹھیکہ پر کاشت کرنے والے کا شتکار کتنا عشر نکالیں۔ نیز نکالے ہوئے عشر کو کس کس جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ (احمد سرور جالندھری)

جواب: شریعت نے زمیندار کی مئونت کا بہت لحاظ رکھا ہے۔ اسی لئے بارانی زمینوں کی بہ نسبت چاہی زمینوں کا عشر نصف کر دیا ہے۔ اسی طرح سرکاری معاملہ اور آبیانہ کا لحاظ رکھ کر زمینداروں کی مئونت پر مزید نظر کرنی چاہیئے۔ یعنی بجائے بیسویں حصے کے تیسواں حصہ بھی دیدیا کریں تو انشاء اللہ قبول ہو جائے گا۔ زمین کی پیداوار کے مصارف وہی ہیں جو قرآن مجید میں ارشاد ہیں۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ الآیۃ۔

(اہلحدیث ۱۵ جون ۱۹۴۵ء)

سوال: چرم قربانی یا زکوٰۃ سے مرمت مسجد یا مسجد کا کنواں تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(عبدالرحمٰن باڑی)

جواب: چرم قربانی یہ خالص غرباء و مساکین کا حق ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں۔ ہاں زکوٰۃ کے متعلق ایک قول ملتا ہے کہ مسجد میں لگانا جائز ہے۔ لیکن متعلقین مسجد کو ایسا بہانہ بنا کر زکوٰۃ کا روپیہ نہیں لگانا چاہیئے۔ اپنی گرہ سے خرچ کریں (اہلحدیث ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء)

سوال: ایک شخص نے مسجد کی زمین دبالی ہے۔ زمین کی واپسی کے لئے مقدمہ دائر کر دیا ہے اس مقدمہ پر زکوٰۃ یا چرم قربانی سے خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: چرم قربانی اور زکوٰۃ خیرات یہ مساکین کا حق ہے۔ مقدمہ بازی کے لئے چندہ علیحدہ ہونا چاہیئے۔ (اہلحدیث ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء)

سوال: زید کے پاس رمضان ۶۰ھ میں مبلغ پانچسو روپے تھے رمضان ۶۱ھ میں زید نے اس کی زکوٰۃ نکال دی۔ اور اس روپیہ کو اس نے تجارت میں لگا دیا۔ رمضان ۶۲ھ تک زید کے پاس ایک ہزار روپیہ ہو گیا۔ اب زکوٰۃ کتنے روپیوں کی ہے حالانکہ پانچ سو روپے سال تمام میں رفتہ رفتہ مل کر ایک ہزار ہوا ہے۔ (محمد عثمان خریدار)

جواب: صورت مرقومہ چھ ماہ اور بڑھا کر پورے سال کی زکوٰۃ نکال دے وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (اہلحدیث ۲۳ نومبر ۱۹۴۶ء)

سوال: کیا روپئے کی زکوٰۃ پورا سال گذر جانے پر ہے یا چند ماہ گذرنے پر۔

(سائل مذکور)

جواب: زکوٰۃ سال کے بعد ادا کرنی واجب ہوتی ہے اگر پہلے بھی ادا کر دی جائے تو جائز ہے۔ (اہلحدیث ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء)

تشریح: کیا رمضان المبارک میں عائد ہونے والی زکوٰۃ کو اگر کوئی شخص جماعتی ضروریات کے تحت پیشگی دیدے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی ہے یا دوبارہ دینا ہوگا۔ (عبدالرؤف از جھنڈے نگری)

جواب: صورت مسئولہ میں زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہو جائے گی دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ دوران حول یعنی وجوب ادا سے پہلے زکوٰۃ کا ادا کر دینا شرعاً جائز اور درست ہے حضرت عباس رضی اللہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی لے لی تھی۔ پھر دوبارہ نہیں لی۔ عن علی ان العباس بن عبدالمطلب سال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تعجیل صدقۃ قبل ان تحل فرخص لہ فی ذالک رواہ احمد وترمذی وابوداؤد وابن ماجہ وغیرھم ورواہ البیہقی عن علی بلفظ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انا کنا احتجنا فاسلفنا العباس صدقۃ عامین رجالہ ثقات الا ان فیہ انقطاعاً وروی نحوہ ابوداؤد الطیالسی من حدیث ابی رافع والطبرانی من حدیث ابن مسعود والبزار من حدیث موسی بن طلحۃ عن ابیہ والدار قطنی من حدیث ابن عباس وھذہ الاحادیث تدل علی انہ یجوز تعجیل الزکوٰۃ قبل الحول والیہ ذھب الشافعی واحمد وابوحنیفۃ وھو الحق واللہ اعلم۔ کتبہ عبداللہ الرحمانی المبارکفوری ۶ شوال ۱۳۸۰ھ من الھجرۃ۔

بروایت مولانا عبدالرؤف صاحب صاحب نصاب کو زکوٰۃ پیشگی ادا کر دینا جائز ہے واللہ اعلم۔ مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۱ ۶۵ھ

الجواب صحیح سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح محمد اعزاز علی غفرلہ ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ

زکوٰۃ نکالنے کے لئے رمضان شریف شرعاً مخصوص نہیں قرن اولیٰ میں رجب کے ماہ میں اکثر نکالتے تھے۔ چنانچہ موطا مالک وغیرہ سے ظاہر ہے زکوٰۃ کے لئے حال علیہا الحول شرط ہے وہ باعتبار اشخاص مختلف ہے۔ اس آخری زمانہ میں تو عوام میں صرف اللہ میاں رمضان ہی میں نزول اجلال فرماتے ہیں گویا زکوٰۃ اسی ماہ میں ادا کرنا لازمی امر ہے۔ خیر خیرات بھی اسی ماہ سے مخصوص۔ رسول کریم اس ماہ میں ریح مرسلہ سے زیادہ سخی ہوتے یہ تو نوافل صدقات سے صحیح سخی انسان ہوتا ہے۔ فرائض الٰہی سے اخراج سے سخی کہلانے

کا ہر گز مستحق نہیں ہو سکتا۔ اس احداث فی الدین نے دوسرے صدقات کے راستے بند کر دیئے۔ رمضان میں اگر خیر خیرات ہو تو اس مال خدائی سے۔ مثل حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ۔ خدا کا مال دے کر سخی کہلانا ان لوگوں سے سیکھے۔ بعضے تو صدقہ فطر نکال کر مٹھی مٹھی اناج کی بھی خیرات کرتے ہیں۔ اسلام نے مال زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا ہے روکنے کا حکم نہیں دیا۔ صرف ذخیرہ بیت المال ہی میں امام وقت کرا سکتا ہے۔ لوگوں کو جمع رکھنے کا حکم نہیں انہیں تو اس کے مصرف میں صرف ہی کر دینا چاہیے اسی نے زکوٰۃ دی۔

ابو عبد الکبیر عبد الجلیل سامرودی۔ مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۵۲ء

(بروایت مولانا عبد الرؤف۔ جھنڈے نگری)

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو روپیہ تجارت میں نہیں ہے بلکہ علیحدہ رکھا ہوا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ (سائل مذکور)

جواب: یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ (اہلحدیث ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء)

سوال: ایک شخص کی جائداد دس ہزار روپے کی ہے اور سالانہ آمد نی صرف دو سو روپیہ ہے تو زکوٰۃ کتنے روپے کی نکالے؟ (سائل مذکور)

جواب: جائداد سے مراد اگر مکانات برائے کرایہ ہیں تو ان کے کرایہ سے عشر یا نصف عشر زمین کے حساب سے نکالے اور اگر اراضی مزروعہ مراد ہے تو اس سے بھی نصف عشر نکالا جائے۔

(اہلحدیث ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء)

شرفیہ: مکانوں کے کرایہ وصول کرنے کے بعد جب اس کرایہ پر بعد نصاب سال گذرے تب زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے عشر نصف عشر نہیں ہے اور زمین پر قیاس صحیح نہیں اس لئے کہ عہد نبوی میں بعض زبیر بن عوام وغیرہ کی جائداد مکانات تھے۔ کما فی صحیح البخاری مگر ان پر عشر یا نصف عشر ثابت نہیں اور نہ ہی یہ قیاس صحابہ یا تابعین وغیرہ سلف سے ثابت ہے اور اراضی مزروعہ کا نصف عشر تا وقتیکہ تفصیل نہ ہو صحیح نہیں۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

مذاکرہ علمیہ در بارہ زکوٰۃ مکانہائے کرایہ	ایک شخص کے بمبئی یا کلکتہ جیسے شہر میں چند مکانات، علاوہ مکان سکونت ہیں جن میں کرایہ دار رہتے ہیں۔ اس شخص کو ان مکانوں کے کرایہ کی کافی آمدنی ہے۔ وہ مکانات بھی ہزاروں روپیہ

خرچ کرکے بنائے گئے ہیں اب بھی اگر فروخت کیے جائیں تو بڑی قیمت کو فروخت ہوں۔ سوال یہ درپیش ہے کہ وہ شخص ان مکانوں کی اصلی قیمت کی یا اس کی آمدنی کی کیونکر زکوٰۃ دے زکوٰۃ سے بڑی ہے۔ یا مثل اور آمدنیوں کے جو خرچ سے بچے سال میں اگر اس پر نصاب صادق ہو تو چالیسواں حصہ نکال دے اور نصاب روپے کے حساب سے چاندی کا قرار پائے۔

علامہ ابو الوفاء صاحب نے اہلحدیث مطبوعہ ۳ مئی ۱۲ء میں زیر عنوان "فتاویٰ نمبری ۷۳۲ (اخبار میں غلطی سے نمبر ۷۳ چھپ گیا ہے۔) تحریر فرمایا ہے کہ کرایہ کے مکانات کو مثل اراضی مزروعہ کے سمجھ کر بلحاظ شکست وریخت بیسواں حصہ سالانہ آمدنی کا زکوٰۃ دینا چاہیے"

اگرچہ علامہ موصوف نے اپنی رائے مطابق کرایہ کے مکانوں کو زمین مزروعہ پر قیاس کیا ہے اور جس زمین میں آسمانی پانی سے زراعت تیار نہیں ہوتی۔ بلکہ نہر سے یا کوئیں سے پٹا کر کام لیا جاتا ہے۔ اس زمین کے حساب پر بیسواں حصہ دینے کا فتویٰ دیا ہے تاہم سائلین کی پوری تشفی نہیں ہوئی۔

علامہ موصوف کے اس افتاء پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ آیا یہ قیاس صحیح ہے؛ جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہ قیاس قیاس مع الفارق نظر آتا ہے۔ علت مشترکہ جامع کا پتہ نہیں کہاں زراعت کہاں مکان کا کرایہ (۱) زراعت میں ہر سال آمدنی قبل از فصل معدوم اور موہوم ہوتی ہے۔ خواہ کھیت ہوں یا نخیل و انگور وغیرہ بخلاف مکانات کے کرایہ دو چار سال کا پیشتر وصول ہو جاتا ہے اور یہ شرعاً جائز ہے (۲) و نیز مکانات کے کرایہ کی آمدنی یکساں بیس پچیس سال تک بلکہ مدتوں چلی جاتی ہے کوئی تغیر نہیں ہوتا اور بخلاف زراعت و زمین مزروعہ و فصل کے کہ ہر سال نیا احتمال ہوتا ہے۔ کبھی قلیل۔ کبھی متوسط کبھی خوب زائد کبھی بالکل خالی غرض کیف ما اتفق ان وجوہات سے کرایہ مکانات کو عشری زمین پر یا زراعت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے ہاں نقدی کے ساتھ مشابہت اس طرح ہو سکتی ہے کہ گویا کرایہ کے روپے نقد رکھے ہوئے ہیں۔ سال کے خرچ سے جو بچیں گے اور نصاب تک پہنچیں گے تو اس میں اسی حساب سے زکوٰۃ فرض ہوگی اور نقد ہونے کی وجہ سے چاندی کا نصاب قرار دیا جائے گا اس لئے چالیسواں

حصہ زکوٰۃ نکالنا ہوگا۔ بس امید رکھتا ہوں کہ شیخ الاساتذہ جناب مولانا حافظ عبداللہ صاحب دام ظلہ العالی اس مسئلہ میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔ ونیز دیگر اہل علم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ رائے کے ساتھ دلیل بھی ہو تو علیٰ مقصود ہے۔

(عبدالسلام مبارکپوری از صادق پور پٹنہ)

(ایڈیٹر) بیشک اہل علم کی توجہ اس طرف ضروری ہے اخبار اہل حدیث کا وجود ان معنے سے ایک علمی مجلس کا کام دیتا ہے اہل علم اگر اس مجلس میں خود ہی شریک نہ ہوں تو کسی غلط مسئلہ سے (جو درصورت عدم شرکت ان کے) صادر ہو جائے گا ان کو بھی حصہ رسدی گناہ ہوگا (۲۳-۳۰ رمضان ۱۳۴۱ھ)

سوال: ایک آدمی کوئی جائداد خرید کر فی سبیل اللہ وقف کر دینا چاہتا ہے اور اس کی ماہانہ آمدنی کو اپنے ہاں کے فقراء سے مدینہ منورہ کے فقراء پر صرف کرنا زیادہ افضل سمجھتا ہے کیا کسی حکم شرعی سے مدینہ منورہ کے مساکین پر صرف کرنا زیادہ افضل سمجھا جا سکتا ہے یا ان دونوں میں کس جگہ خرچ کرنا زیادہ بہتر و افضل ہے۔ شخص مذکور نماز مسجد نبوی کے ثواب اور فضیلت سے استدلال کرتا ہے۔ (ایک خریدار)

جواب: حدیث میں آیا ہے **توخذ من اغنیائھم وترد الی فقرائھم** یہ حدیث بتارہی ہے کہ صدقات خیرات میں اہل وطن کا حق مقدم ہے۔ سائل مذکور کا مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص حج کو جائے اور وہاں محتاجوں پر خرچ کرے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھے تو دونوں فعلوں کا ثواب مزید ہے لیکن یہاں محتاجوں کو چھوڑ کر وہاں بھیجنا غور طلب ہے۔ ہاں اگر علم ہو کہ وہاں احتیاج زیادہ ہے تو یہاں محتاجوں کا حق ادا کر کے مزید وہاں بھیجنا بیشک زیادہ ثواب کا موجب ہے ورنہ عام قانون وہی ہے جو حدیث مذکور میں ہے۔

(اہلحدیث ۷ جولائی ۱۹۴۴ء)

سوال: دھان چاول وغیرہ سب چیزوں کی قیمت گراں ہے۔ اکثر آدمی بھوکے پیٹے رہتے قریب المرگ ہو گئے صدقہ خیرات کرنا تو درکنار جان بچانا مشکل ہے اور صدقہ فطر ادا کرنے میں معذور۔ کیونکہ چاول صاع کے حساب سے آٹھ آنے

کے ہوتے ہیں جس کو مہیا کرنے سے ہر شخص قاصر ہے اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں صدقۂ فطر معاف ہو سکتا ہے یا نہیں اگر نہ ہو تو کس طریقہ کو اختیار کرنے سے فرض نبوی بہ آسانی ادا ہو جاوے۔

جواب: صدقہ فطر از روئے آیۃ کریمہ و احادیث صحیحہ فرض عین ہے مگر جو شخص وسعت نہیں رکھتا وہ بحکم قولہ تعالیٰ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا معافی میں داخل ہے۔ مگر دانستہ محتاج نہ بنے۔ اللہ اعلم۔ (اہلحدیث ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

سوال: متعدد مواضع کے لوگوں نے اپنے اسلامی امور کے بندوبست کے لئے ایک متدین نام کو پسند کر کے امیر و پیر مان کر اس کے ہاتھ پر لطور خاطر بیعت کی۔ وہ پیر حتی الامکان اپنے مریدوں کا اسلامی امور کے بندوبست اور جماعت کا انتظام کرتا رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ پیر اپنے مریدوں کی زکوٰۃ فطر وغیرہ کے مال سے کچھ حصہ اپنے اہل و عیال کے لئے لے سکتا ہے یا نہیں؟ (عبد الباقی)

جواب: زکوٰۃ آٹھ آدمیوں پر تقسیم کرنے کا حکم ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا الآیۃ یعنی زکوٰۃ فقیروں مسکینوں اور ان لوگوں کے لئے ہے جو اس پر عامل ہوں وغیرہ پیر صاحب اگر حاجت مند ہیں تو عاملین کے زمرہ میں داخل ہو کر کچھ حصہ اہل و عیال کے لئے لے سکتے ہیں۔ اللہ اعلم۔

(اہلحدیث ۱۵-۱۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء)

سوال: غلہ عشر یا فطر یا چرم عقیقہ یا چرم قربانی اپنے اپنے ہاتھ سے خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگرچہ سردار بھی بطور نام نہاد مسن بزرگ جو کہ موجود ہوں) کیا ان کی اجازت یا مشورے سے خرچ کیا جائے۔

جواب: مقررہ سردار کی بیعت کے وقت چرم قربانی وغیرہ کا انتظام اگر اس کے ہاتھ میں دیا گیا ہے اور سب بیعت کنندوں نے تسلیم کیا ہے تو اس کی معرفت خرچ کرنا چاہیئے اور اگر سردار یا امیر کوئی نہیں تو خود تقسیم کر سکتا ہے۔ لحدیث ان لم یکن امیہا الحدیث

(۱۳ مئی ۱۹۳۰ء)

تشریح: ادائے زکوٰۃ سراً و علانیۃً اصالۃً و نیابۃً بلا ریب روا ہے۔ یعنی اصالۃً خود مالک مزکی ہو گا اور نیابۃً ساتھ اذن دینے غیر کو کہ وہ غیر اصل مالک کی طرف سے ادا کر دے

اور غیر عام ہے کہ سلطان رئیس اعظم ہو یا کوئی اور ادنیٰ شخص دیانتدار ہو لیکن نیابۃً میں زکوٰۃ علانیہ ادا ہوگی اور اصالۃً کی صورت میں اخفا کا حصہ پایا جائے گا اور اخفا اقویٰ ہے علانیۃً سے الی آخرہ۔ فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۴۹ ۔ مسلمانوں کا اگر امام یا خلیفہ ہے تو زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر امام کو دینا چاہیے۔ والا اپنے ہاتھ سے اس کے مصارف میں صرف کرے الی آخرہ۔

کتبہ محمد بشیر عفی عنہ　　(سید نذیر حسین فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۵۰۶)

سوال : زید کے پاس سو روپیہ نقد ہے جس کو زکوٰۃ دو روپیہ آٹھ آنے ہوئی کیا بجائے دو روپے آٹھ آنے دینے کے دو روپیہ آٹھ آنے بھر چاندی دے سکتا ہے ؟ واضح رہے کہ چاندی آج کل سستی ہے ایک روپیہ چار آنے کی ہوئی۔ جواب بادلیل ہو۔ (فخر الحسن از ٹانڈہ)

جواب : ایسا کرنا حیلہ سے جائز ہو جائے گا۔ مگر فقراء کا فائدہ اسی میں ہے کہ روپیہ دے منہا کا لفظ یہی چاہتا ہے۔ (۱۵-۱۰ اگست ۱۹۳۰ء)

سوال : انما الصدقت للفقراء والمساکین۔ فقراء سے کون فقیر اور مساکین سے کون مسکین مراد ہیں۔ آیا جو در در کے گدا ہیں۔ (سلیمان سیٹھ بمبئی)

جواب : فقیر کی تعریف قرآن میں یوں آئی ہے۔ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ یعنی فقیر وہ ہے جس کے پاس رہنے کو مکان نہیں اور کاروبار کرنے کو مال نہیں۔ مگر تن پوشی کی نفی نہیں کی۔ مسکین کا ذکر یوں فرمایا ہے أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ مسکین مٹی پوش یعنی فقیر سے سو رحال بدتر حالت میں ہوتا ہے۔

(۲۷- مارچ ۱۹۳۱ء)

سوال : أُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ۔ اس آیۃ کریمہ سے معلوم ہوا کہ رشتہ دار دوسروں سے زیادہ سلوک کرنے کے لائق ہیں تو کیا رشتہ دار عام ہیں۔ نمازی بے نمازی مشرک وغیرہ۔

جواب : اولوا الارحام کے ساتھ سلوک کرنا ناطہ کی فرع ہے ایمان اور کفر کو اس میں دخل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک ریشمی جبہ دیا تو حضرت عمرؓ نے وہ جبہ اپنے مشرک بھائی کو مرحمت کر دیا۔　(۲۷ مارچ ۱۹۳۱ء)

سوال : قرآن حکیم میں مذکور ہے کہ موصوفہ آٹھ آدمیوں کو مال زکوٰۃ دلویں۔ اب سوال

یہ ہے کہ موصوفہ لوگوں کا موحد ہونا شرط ہے یا نہیں اور کیا ہم اپنے مشرک اور بدعتی رشتہ داروں اور غریبوں کو مال زکوٰۃ سے کچھ دے سکتے ہیں یا نہیں اور دور رہتے ہوں تو منی آرڈر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: صدقات خیرات صفت ربوبیت کے ماتحت ہیں جس کا اثر عالمین پر پہنچتا ہے۔ اس لئے اس میں ایمان کی شرط نہیں جیسی رب العالمین میں نہیں وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا - (اہلحدیث ۲۷ مارچ ۱۳۱۳ھ)

تشریح: زکوٰۃ کا مال کفار و مشرکین کو دینا جائز نہیں ہے حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں ہے فاخبرھم ان اللہ قد افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیائھم وترد علی فقراءھم الحدیث رواہ الشیخان۔ اس حدیث کے تحت میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ان الزکوٰۃ لا تدفع الی الکافر لعود الضمیر فی فقراءھم الی المسلمین ہاں صدقہ تطوع کفار و مشرکین کو دینا جائز ہے الی آخرہ۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۹۶)

(حررہ محمد عبدالحق ملتانی)

معاذ بن جبل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا فاخبرھم ان اللہ قد افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم الحدیث رواہ الشیخان قال الحافظ ان الزکاۃ لا تدفع الی الکافر کما مر انفا انتھی ہاں نفلی صدقہ دیا جا سکتا ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: کیا زکوٰۃ بعد ختم سال فوراً ادا کر دی جائے یا بتدریج موقعہ بموقعہ مستحقین کے ملنے پر بھی دے سکتے ہیں؟

جواب: دونوں طرح جائز ہے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔

(اہلحدیث ۲۹ رجب ۱۳۴۷ھ)

شرفیہ: زکوٰۃ کا مال بعد سال گزرنے کے مستحقین فقراء و مساکین وغیرہ کا ہے اور مالک کے پاس وہ بطور امانت ہے اور فرمان باری ہے۔ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا پھر جب فقراء و مساکین مستحقین بھی ہوں اور وہ تاخیر نہیں چاہتے تو پھر تاخیر جائز نہیں ہے ورنہ جائز ہے۔ پھر خصوصاً قرب و جوار کو چھوڑ کر بہت دیر یعنی سال بھر تک منتظر رہنا جائز نہیں ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ۶- اپریل کے پرچہ اہلحدیث میں پوچھا گیا کہ موجودہ زمانہ کے اسکول اور کالج میں صدقہ فطر کے مال سے امداد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب دیا گیا ہے کہ طلباء غریب مسکین ہوں تو جائز ہے "سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے کہ مصارف بیت المال سے اسکول اور کالج خارج ہیں دیگر یہ کہ جن مدارس عربیہ میں خالص قرآن و حدیث ہی کی تعلیم ہوتی ہو ایسے مدارس عربیہ میں مد بیت المال سے جواز امداد کے لئے مدارس عربیہ کو کھینچ تان کر فی سبیل اللہ میں داخل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے مگر سرکاری اسکول اور کالج میں ماسوائے قرآن و حدیث کے تعلیم ہوتی ہے وہاں اس مد سے امداد کرنے کا جواز بالکل فہم ناقص سے بالاتر ہے۔

(قطب الدین احشاہی)

جواب: اسکول کی امداد اور چیز ہے اور غریب طالب علم کی امداد اور ہے۔ ہمارے فتویٰ کا تعلق غریب طالب علموں کی ضروریات سے ہے ان کو مدد دینا اس آیت کے ذیل میں آسکتا ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ۔ باقی رہا ان کا تعلیم حاصل کرکے دنیاوی مشاغل میں لگ جانا اور اعمال شرعیہ سے الگ ہو جانا اس کی ذمہ داری ہم پر نہیں۔ عربی کے بعض طالب علم بعد فراغت شرک و بدعت پھیلانے میں لگ جاتے ہیں اس کی ذمہ داری زکوٰۃ دہندہ پر نہیں ہے۔ اس کا فرض شرع میں صرف اتنا ہے کہ پہلے وہ دیکھ لے کہ اس آیت کے مصداق ہیں یا نہیں۔ اللہ اعلم۔ (۱۲ جمادی الآخر ۱۳۶۳ھ)

سوال: مستورات کے پاس جو زیورات ہوتے ہیں ان کی زکوٰۃ کس شرح سے دینی چاہئے لاگت سے بازاری درسے یا موجودہ سونے کے درسے قیمت بنوائی منہا کرنی چاہئے یا نہیں؟

جواب: زیور کی زکوٰۃ میں اختلاف مشہور ہے۔ جن کے نزدیک واجب ہے وہ سونے چاندی کی قیمت سے دلواتے ہیں یعنی بے بنائے زیور سونے چاندی کا جو در پڑے اس کے مطابق زکوٰۃ دیتے ہیں۔ محنت مزدوری کو دخل نہیں (یکم رمضان ۱۳۳۵ھ)

سوال: ایک مسلمان سال میں ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نام پر غریبوں اور محتاجوں کو خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان فرق نہ کرکے شاہی راستوں پر بٹھلانا اور پتوں میں کھانا کھلواتا ہے۔ مذکورہ کھانا ایک ہندو سے تیار کرواتا ہے ایسا کھانا کھلوانا شرع میں جائز ہے؟

جواب: قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ ذرہ جتنا بھی نیک کام ضائع نہیں جاتا حدیث میں فرمایا فی کل کبد رطب اجر یعنی ہر ایک جاندار کو آرام پہنچانے میں ثواب

ہے انسان کو سب جانداروں سے افضل ہے خواہ کسی دین اور مذہب کا ہو۔ آنحضرت ﷺ کفار اور مشرکین کو بھی کھانا کھلایا کرتے تھے۔ پس اس نیت سے صورت مرقومہ میں کھانا کھلانا کار ثواب اور صدقہ ہے۔ (یکم رمضان ۳۵ھ)

سوال: مسجد کا کنواں کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم سے بنوا سکتا ہے؟

جواب: مصارف زکوٰۃ میں ایک لفظ فی سبیل اللہ ہے اس کی تفسیر جمہور مفسرین خاص ضروریات جہاد کرتے ہیں۔ مگر بعض کے نزدیک اس لفظ کے معنے میں کل نیک کام داخل ہیں اس بنا پر بعض علماء مال زکوٰۃ کو مسجد وغیرہ مقامات میں بھی صرف کرنا جائز جانتے ہیں۔ خاکسار بھی اسی قول کو صحیح جانتا ہے۔ پس صورت مرقومہ میں زکوٰۃ کے مال سے کنواں بنوانا جائز ہے۔ العلم عند اللہ۔

(۲ محرم ۳۶ھ)

سوال: صاحب نصاب جس نے بقدر نصاب زکوٰۃ الگ کر رکھا ہے زکوٰۃ کا مال بوقت ضرورت خود خرچ کر سکتا ہے یا نہیں۔

جواب: بطور قرض کر سکتا ہے مگر ادا کرنے کی نیت رکھے۔ (۲۵ رجب ۴۲ھ)

سوال: جس مدرسہ یا مسجد کے اخراجات زکوٰۃ سے چلے صاحب زکوٰۃ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں۔

جواب: مذہب مذکورہ میں مالدار بھی اس مدرسے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (۵ رجب ۴۳ھ)

سوال: کتنے مال پر کتنی زکوٰۃ واجب ہے اور کس کو دینی چاہئے۔ مال تجارت میں زکوٰۃ کا کیا طریقہ ہے؟ نفع پر ہے یا راس المال پر؟ مسجد یا مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (چراغ الدین از کلکتہ)

جواب: شرعی حساب میں آجکل تخمیناً پچاس روپے کا ہے مال تجارت میں بھی اصل مال ہی فی سینکڑہ دو روپیہ آٹھ آنہ سال کی زکوٰۃ ہے جو علماء زکوٰۃ میں تملیک شرط کرتے ہیں ان کے نزدیک مسجد اور کنویں پر زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز نہیں جو علماء زکوٰۃ میں محض نفع رسانی مراد رکھتے ہیں ان کے نزدیک مدرسہ اور مساجد میں زکوٰۃ کا لگانا جائز ہے۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ

(۲۷ رجب ۴۲ھ)

سوال: زکوٰۃ نکل جانے پر یعنی مال سے علیحدہ حساب کر کے لینے پر کتنے دن کے اندر تقسیم کر دے زیادہ سے زیادہ کتنے دن رکھ سکتا ہے اور ایک آدمی کو کم سے کم کتنا دے اور سیدوں کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے اور دوسرے گاؤں میں بھیج سکتا ہے یا نہیں؟

جواب : کتنے دنوں میں تقسیم کرے اس کی بابت کوئی حدیث یاد نہیں البتہ قیاس چاہتا ہے کہ آئندہ سال کے اندر اندر تقسیم کر دے۔ جتنا مناسب سمجھے ایک آدمی کو دے چاہے اس کے گزارے جتنا دے چاہے اتنا دے کہ آئندہ سوال کرنے سے مستغنی ہو جائے۔ سید بلکہ بنی ہاشم سب کو دینا منع ہے جس کا حال معلوم نہ ہو دریافت کر لے اپنے گاؤں سے زیادہ ہو تو دوسرے میں بھی بھیج دے جائز ہے۔ (۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۹ھ)

سوال : زکوٰۃ اور صدقات کا بڑا حصہ تبلیغ اسلام پر خرچ کیا جائے؟

جواب : زکوٰۃ کے مصارف میں ایک مصرف فی سبیل اللہ بھی آیا ہے۔ اس لفظ کی تفسیر میں عام طور پر مفسرین نے جہاد مراد لیا ہے اگر اس سے عام کا اثر مراد لیا جائے تو تبلیغ اسلام میں بھی زکوٰۃ خرچ ہو سکتی ہے۔ (۷ شوال ۱۳۴۲ھ)

سوال : زکوٰۃ کا پیسہ متقی پرہیزگار کا حق ہے یا ہر مسکین غریب کا بہت روپیہ ہونے پر چند مساکین کو دینا چند کو نہ دینا مساکین کی حق تلفی ہے یا نہیں۔ پڑوسی سید کو حق پڑوسی سمجھ کر زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟ اور غریب لاچار ہندو کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب : مصرف زکوٰۃ غریب مساکین ہیں اس میں مومن کا فرق کی تمیز نہیں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ الآیۃ۔ غریب سید کے ساتھ اور طرح سے سلوک کریں زکوٰۃ ان پر حرام ہے۔

(۱۲ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ)

تشریح : فی الواقع کوئی حدیث صحیح یا ضعیف ایسی نہیں آئی ہے۔ جس سے اہل بیت کے لئے اخذ زکوٰۃ کا جواز ثابت ہو۔ بلکہ احادیث سے صاف صاف یہی ثابت ہے کہ اہل بیت پر زکوٰۃ حرام ہے اور علامہ ابو طالب اور ابن قدامہ اور ابن رسلان نے اس حرمت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ تمام علماء کے نزدیک بالاتفاق اہل بیت پر زکوٰۃ حرام ہے سبل السلام میں ہے وکذا ادعی الاجماع علی حرمتها علی الہ ابو طالب و ابن قدامۃ اور نیل الاوطار میں ہے وکذا حکی الاجماع ابن رسلان الی آخر کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۴۸۷

سوال : ایک شخص صرف مہاجن سے ادھار لے کر تجارت کرتا ہے کیا زکوٰۃ اس پر واجب ہو گی؟

جواب: صورت مرقومہ میں اس کا سرمایہ کچھ نہیں تو زکوٰۃ بھی فرض نہیں جتنی بچت ہوئی اتنا خرچ ہوا اگر اس کا سرمایہ کچھ ہے اور اس پر سال تمام گزرا ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۱۲ شوال ۴۵ھ)

سوال: ایک ہزار روپیہ نقد میرے پاس ہے اور ایک ہزار کا مال مہاجن سے ادھار خرید کیا بکل دو ہزار روپے کا مال موجود ہوا جس میں سے ایک ہزار روپیہ کا مال باقی قیمت میں خریداروں کی معرفت فروخت کر دیا۔ اب صرف ایک ہزار روپے کا مال دکان میں موجود ہے جس قدر کہ رقم مہاجن کی میرے ذمہ واجب الدین ہے پس ایسی صورت میں ادائے زکوٰۃ کی کیا صورت جائز ہوگی؟

جواب: جتنا قرض ہے اتنے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں اور جو فروخت کیا ہے وہ رقم اپنی ہے بعد وصولی اس کی زکوٰۃ ادا کریں۔ اللہ اعلم۔ (۱۲ شوال ۴۵ھ)

سوال: زید نے محض اس نیت سے سیونگ بنک میں روپیہ رکھا ہے کہ مناسب موقعہ ملنے پر اپنے لئے رہائشی مکان تعمیر کرے۔ سود حاصل کرنے کی نیت ہرگز نہیں تو (الف) کیا ایسے روپے پر زکوٰۃ واجب ہے؟ (ب) سیونگ بنک سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ (ایک سائل از جالندھر)

جواب: صورت مرقومہ میں سیونگ بنک سے سود لینے کا فتویٰ جماعت اہلحدیث میں سے مولوی عبدالواحد صاحب غزنوی نے دیا ہوا ہے جب تک روپیہ مکان پر نہ لگے زکوٰۃ واجب ہوگی مکان رہائشی پر لگنے سے معاف۔ (۱۵ جمادی الاول ۴۶ھ)

سوال: زیور میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب: زیور کی زکوٰۃ میں قدیم الایام سے اختلاف چلا آ رہا ہے ایک گروہ مثبت ہے ایک گروہ وجوب کا منکر۔ خاکسار دوسرے گروہ کے ساتھ ہے۔ (۲۹ جمادی الاول ۴۶ھ)

سوال: ایک زمین ایک شخص نے خرید کی ایک ہزار یا کچھ کم کی اس کی زکوٰۃ بھی ہوگی۔ زمین افتادہ ہے کوئی آمدنی نہیں ہے۔

جواب: قرآن مجید میں زمین کی بابت ارشاد ہے۔ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ یعنی زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرو بغیر پیداوار کے زمین پر کوئی زکوٰۃ نہیں اللہ اعلم۔ (۱۲ مئی ۳۳ء)

سوال: زید مقروض ہے مگر اس کے پاس اتنی رقم ہوگئی کہ جس سے وہ اپنا قرض ادا کر سکتا ہے۔ اگر زید اپنا قرض ادا کر دے تو ذریعہ معاش کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ ایسی مجبوری کے پیش نظر زید اپنا قرض ادا نہیں کرتا تو کیا صورت مذکورہ میں موجودہ رقم پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ (یکے از گیادی)

جواب: قرض ہر حال میں قرض ہے اس کے ہوتے ہوئے نصاب زکوٰۃ میں اس کا لحاظ رہے گا۔ یعنی مقروض پر بوجہ قرض زکوٰۃ واجب نہیں۔ اللہ اعلم۔ (۱۵ رمضان ۱۳۵۳ھ)

سوال: زید کے پاس بسبب امین ہونے کے دیگر اشخاص کی امانت ہر سال جمع رہتی ہے یعنی ہزار دو ہزار تو کیا ایسے روپوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہے؟

جواب: زید (امین) پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ (۱۹ فروری ۱۹۳۲ء)

سوال: ہمارے یہاں خراج (سرکاری مالیہ) پورا لگتا ہے۔ قریباً اس زمانے میں چھ حصے کے طور پر پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں بیسواں حصہ عشر دے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ (زین العابدین از ترہوم)

جواب: ایسی حالت میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ادا کر دینا کافی ہے۔ (۳۰ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گنے میں عشر ہے یا نہیں۔ ہمارے دیار میں جا بجا شکر کی ملوں کے قائم ہو جانے سے زمین کے بہت سے حصوں پر گنے کی کاشت نے قبضہ کر لیا ہے۔ عوام الناس کا خیال ہے کہ گنا ایک "خضروات" سبزیوں کی قسم میں سے ہے اس پر عشر نہیں ہے تو ایسا خیال صحیح ہے یا نہیں۔ زمین کی ایک پیداوار دھان اور آلو بھی ہے۔ اس پر عشر ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب اس بارے میں یا دھان آلو وغیرہ کے بارے میں کیا ہے اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو تائید ہوتی ہے یا نہیں۔ ترمذی شریف کے حاشیہ ص۹۳ پر امام صاحب کا مذہب وجوب العشر صحیح ہے یا نہیں؟ ملاحظہ ہو ترمذی شریف مطبوعہ مجیدی ص۹۳۔

جواب: دھان۔ گندم۔ گنا۔ آلو میں عشر نکالنا لازم ہے یہ چیزیں خضروات میں داخل نہیں ہیں لہٰذا عشر لازم ہے۔ البتہ جو زمین نہر یا کنویں سے سینچی جائے اس کی پیداوار میں نصف عشر ہے اور بارانی زمین کی پیداوار میں عشر ہے فقط واللہ اعلم۔

مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دیوبند۔

جواب صحیح ہے۔ البتہ نہری زمین میں جو حکم دیا ہے وہ محل نظر ہے۔ فقط محمد مظہر اللہ مسجد فتحپوری

الجواب صواب عبد الرحمٰن مدرس مدرسہ فتحپوری ، سجاد حسین مدرس فتحپوری دہلی

جواب: عوام کا خیال غلط ہے۔ گنوں میں بھی اور دھان اور آلو وغیرہ سب ترکاریوں میں عشر ہوتا ہے اگر بارش کے پانی سے پیدا ہوتی ہوں۔ اور اگر رہٹ یا چرس وغیرہ کے ذریعہ سے آبپاشی کی جاتی ہے تو پیداوار میں نصف عشر ہوگا بشرطیکہ زمین عشری ہوگی عشری زمین وہ ہوتی ہے کہ شاہانِ اسلام کے وقت سے مسلمانوں کے قبضے میں چلی آرہی ہو کسی غیر مسلم کا کسی وقت اس پر قبضہ نہ ہوا ہو۔ فقط واللہ اعلم حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

جواب صحیح ہے نہروں سے ہماری اصطلاحی نہریں مراد ہیں جن کے پانی کا محصول دینا ہوتا ہے۔ فقط۔ (مفتی) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

جواب: زمین کی جو پیداوار جو انسان کے کھانے کے کام میں آئے اور ذخیرہ کے طور پر رکھی جاسکے اس میں زکوٰۃ فرض ہے گنے سے راب۔ گڑ۔ شکر تیار کرتے ہیں جو برسوں ذخیرہ کے طور پر رکھے جاتے ہیں اس لئے اس میں زکوٰۃ فرض ہے۔ اور جو دیگر غلہ جات گیہوں۔ جو۔ دھان۔ مٹر۔ چنے وغیرہ کا نصاب ہے نہی گنے کا بھی ہے۔ خضروات سے مراد وہ سبزیاں اور ترکاریاں ہیں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں۔ اور ذخیرہ نہیں کی جاتیں۔ جیسے آلو۔ بیگن۔ شلغم۔ مولی۔ چقندر اور دیگر ساگ پات۔ اور ظاہر ہے۔ راب گڑ شکر۔ ان سبزیوں کی طرح نہیں ہیں۔ چونکہ آلو خضروات میں داخل ہے اس لیے اس میں اور اس جیسی ترکاریوں میں مثل ککڑی۔ خربوزہ۔ تربوز وغیرہ زکوٰۃ فرض قرار دینا حدیث فی السوال کی صریح مخالفت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(کتبہ عبید اللہ المبارکفوری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: گنے کے متعلق کوئی صریح و صحیح حدیث مخصوص نہیں ملی۔ ایک روایت میں فقط قصب ہے جو عموم لفظ کے اعتبار سے گنے کو بھی شامل ہے۔ جس سے زکوٰۃ کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ مگر حدیث جیسے علماء نے ذکر کیا ہے صحیح نہیں۔ حافظ ابن حجر اور دیگر علماء نے اس حدیث کو صحیح نہیں قرار دیا۔ عموم ادلہ سے اگر استدلال کیا جاوے تو

گنے میں زکوٰۃ واجب معلوم ہوتی ہے۔ اور نصاب عشرات کی روایت میں بعض الفاظ ایسے موجود ہیں جیسے لیس فی مادون خمسۃ اوسق صدقۃ جس سے ہر عشری میں نصاب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے امام ابویوسف اور امام محمد نصاب کے قائل ہیں۔ مگر گنے میں نصاب گڑ و شکر کا اعتبار کیا ہے۔ اگرچہ اس میں ان کا اختلاف ہے کہ نصاب پانچ وسق ہے۔ یا پانچ من۔ مگر اقرب الصراحۃ یہی معلوم ہوتا ہے کہ گنے میں نصاب پانچ وسق اعتبار کیا جاوے اور زکوٰۃ خواہ گنے سے ادا کرے خواہ شکر سے۔ زبیب یعنی منقی جو انگور سے تیار ہوتا ہے اس میں زکوٰۃ کی تصریح موجود ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں خراج کے بیان میں ابیض بن حمال کی روایت میں کپاس کی کاشت کا ذکر ہے اس میں رسول اللہ صلعم کے لا بد من صدقۃ لفظ موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن روایات میں صرف چار یا دس میں حصر معلوم ہوتا ہے اور ان کی اسانید متکلم فیہا ہیں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ ابوداؤد کی یہ حدیث ظاہراً صحیح معلوم ہوتی ہے پس گنے میں شکر کا اندازہ پانچ وسق تک پہنچ جائے تو گنے میں عشر ادا کر دیا جاوے۔

العبد

محمد مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈانوالہ ڈاکخانہ ۵۰ لائلپور ضلع
۲۲۔ جمادی الآخر ۱۳۴۹ھ گ ب

الجواب: عشر پیداوار زمین میں ہے۔ سن۔ کپاس۔ گنا۔ آلو وغیرہ سب میں قائل ہوں نصاب کے بارے میں بہتر ہے کہ ادنیٰ النصاب غلہ مثلاً جو کی قیمت پر عمل کیا جاوے۔ ورنہ ہر جنس کے اعلیٰ اسماء پر مثلاً کپاس کے بورے۔ آلو کے چھکڑے۔ ٹھیلے۔ علیٰ ہذا القیاس گنے کی تفسیر مظہری میں تحت آیۃ اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ الآیۃ وَاٰتُوۡا حَقَّہٗ یَوۡمَ حَصَادِہٖ الآیۃ۔

(ابوسعید شرف الدین)

الجواب: علامہ مجیب نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے۔ احمد اللہ مدرس

مدرسہ زبیدیہ۔ محلہ کشن گنج دہلی۔

عشر پیداوار زمین کی کمائی پر ہے جس کا ذکر قرآن و حدیث میں بالصراحت موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ گنا بھی زمین کی کمائی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ تو متفق ہے۔ نہ معلوم سائل کو اس فتویٰ کی کیوں ضرورت پڑی۔ اس میں عشر ادا نہ کرنے والے اسی

طرح مستوجب عذاب الٰہی ہوں گے۔ جس طرح زکوٰۃ کے نہ دینے والے

حکیم عبد الشکور شکراوی۔ حال وارد جھنڈے نگر

الجواب: میرے نزدیک گنے میں عشر اسی طرح واجب ہے جس طرح جو۔ گندم وغیرہ کی پیداوار میں البتہ بموجب حدیث شریف صحیح بخاری بارانی اور غیر بارانی زمینوں اور محنت آبپاشی کا لحاظ کر کے عشر بارانی زمین میں اور نصف عشر غیر بارانی زمین کا اگر عشر میں قیمت دیدے تو بھی جائز ہوگا۔ (محمد منیر خان مدرس اول مدرسہ جامعہ رحمانیہ واقع محلہ مدنپورہ شہر بنارس

الامر کما قالوا۔ ابو القاسم محمد خان بنارسی

الجواب صحیح۔ سید عابد علی مہوا ضلع بستی

جواب صحیح ہے۔ ہندوستان میں جو مالگزاری زمینداروں پر لگائی گئی ہے مؤنۃ الارض ہیں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے جیسے بارانی کی نسبت چاہی میں مؤنۃ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ فلیفہم ولیتدبر۔ اللہ اعلم۔ ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری

الجواب صحیح والمجیب مصیب

ابو محمد خان۔ فاضل رحمانیہ۔ مقام سپاٹو پور۔ (۱۶ فروری سنہ ء)

بلوغ المرام کی ایک حدیث میں ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ صرف جو گیہوں۔ انگور۔ کھجور سے زکوٰۃ لو اس حدیث سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ سب جنسوں میں عشر نہیں ہے لیکن غلط ہے کیونکہ ابن ماجہ میں ذرہ کا بھی ذکر ہے جس کے معنے مکئی اور جوار کے ہیں۔ اور ذرہ میں عشر ہونے کی بابت اور کئی کئی مرسل روایتیں ہیں جن کی بابت امام بیہقی فرماتے ہیں انہ یقوی بعضہا بعضاً یعنی سب مل کر ایک دوسرے کی تقویت کرتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی روایتیں ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عشر چار اشیاء میں منحصر نہیں ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ابیض بن حمال کی حدیث ہے کہ جس میں روئی کی پیداوار پر عشر لینے کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ابوداؤد باب فی حکم ارض الیمن جلد دوم صہ۲۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ چار ہی چیز میں عشر کا انحصار نہیں ہے جس میں مکئی اور اسی طرح دھان چنا۔ گنا وغیرہ بھی ہے اور دارقطنی کی وہ روایت جو بلوغ المرام میں موجود ہے جس میں گنے کے اندر عشر نہ ہونے کا ذکر ہے بالکل ضعیف ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں اس کی تشریح موجود ہے۔ بہرحال جب انحصار غلط ٹھہرا تو جس

طرح۔ روئی۔ مکئی میں عشر ہے اسی طرح دھان۔ چنا۔ گنا وغیرہ میں بھی عشر ہے۔ عشر کی بابت مفصل مضمون میرے پرچہ اخبار تنظیم اہلحدیث روپڑ یکم دسمبر ۱۹۳۳ء میں ملاحظہ ہو۔

رقیمہ عبد اللہ روپڑی ملا فاضل
ضلع انبالہ مورخہ ۶۔ فروری ۱۹۳۴ء

الجواب: گنے میں عشر اسی طرح ہے جس طرح جملہ اقسام غلّہ میں ہے۔ دار قطنی میں ایک روایت ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ گنے میں عشر نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کے راوی نا قابل سند ہیں۔ کیونکہ اس روایت میں ایک راوی اسحٰق بن یحییٰ ہیں۔ ان پر امام نسائی رحمہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاری رحمہ نے سخت جرح کی ہے اور ان کو متروک اور سیئ الحفظ قرار دیا ہے۔ دوسرے راوی موسیٰ بن طلحہ ہیں چونکہ ان کا لقاء حضرت معاذ بن جبلؓ سے ثابت نہیں ہے اس لئے یہ روایت مرسل ہو گئی۔ اور مرسل روایت حجت نہیں ہے۔ پس یہ حدیث سند نہ رہی (ملاحظہ ہو التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی ص۲۰۱ ج۱ للفاضل الاجل مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی

رقمہ العبد الضعیف المدعو بہ عبد الرؤف مدارس مدرسہ جھنڈے نگر ۲۱ فروری ۱۹۳۴ء

گنے میں زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ اس کی بنی ہوئی اشیاء مثل گڑ و شکر باقی رہنے والی چیزیں ہیں

(مولانا) حافظ محمد حسین میرٹھی خطیب مسجد لاکھی ز چ باد)

سوال: زمین خراجی میں عشر ہے یا نہیں اگر ہے تو کتنا اور کن کن جنسوں میں؟

سائل حاجی نعمت اللہ بستوی والد مرحوم مولانا عبد الرؤف جھنڈے نگری

جواب: خراجی زمین وہ ہوتی ہے اور خراج اسے کہتے ہیں جو مسلمان بادشاہ اپنی کافر رعایا سے لے لہٰذا ہندوستان میں کوئی زمین خراجی نہیں جن زمینوں پر سرکاری ٹیکس ہے ان کی پیداوار پر عشر و نصف عشر فرض ہے جملہ اقسام کے اناج پر عشر واجب ہے۔ واللہ اعلم

(محمد مدرس مدرسہ محمدیہ اجمیری دروازہ دہلی)

تشریح: سوال گنے میں عشر ہے یا نہیں الخ اس سوال کے اجوبہ بہت دور تک چلے گئے ہیں۔ دس تک اہل حدیث و احناف دونوں کے جواب مذکور ہیں۔ مولانا کا بھی ہے حتی کہ میرا بھی نقل کیا ہے۔

اجوبہ میں کچھ حصص صحیح بھی ہیں کچھ غلط تحقیق کا اکثر حصہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

اب پھر لکھا جاتا ہے کہ بحکم اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ الآیۃ پ۳ ع۴ - وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ الآیۃ پ۸ ع۴ وعن جابرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت الانہار والغیم العشور وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشور رواہ احمد ومسلم والنسائی وابوداؤد وقال الانہار والعیون وعن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشور وفیما سقی بالنضح نصف العشر رواہ الجماعۃ الا مسلما لکن لفظ النسائی وابی داؤد وابن ماجہ بعلا بدل عثریا انتہی نیل الاوطار صفحہ ۱۱۹ جلد ۴ ۔ کتاب وسنت صحیحہ کے یہ ادلہ زمین کی ہر پیداوار میں عشر یا نصف عشر کے وجوب پر بیّن دلیل ہیں۔ تاوقتیکہ کسی دلیل صحیح سے کسی شے کا استثناء ثابت نہ ہو اور اب تک ثبوت کی صحیح دلیل نہیں ثابت ہوئی۔ خضروات کے ادلہ سب کے سب مدخولہ ہیں ایک بھی صحیح نہیں نہ مرفوع نہ موقوف کما فی نیل الاوطار والتلخیص وغیرہما وقال الترمذی لیس فی ہذا الباب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیء الخ وما یقال انہ فیہ حدیث ما اخرجہ الحاکم والبیہقی والطبرانی من ابی موسیٰ ومعاذ حین بعثہما النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن یعلمان الناس امر دینہم فقال لا تاخذا الصدقۃ الا من ہذہ الاربعۃ الشعیر والحنطۃ والزبیب والتمر قال البیہقی رواتہ ثقات وہو متصل انتہی کذا فی النیل ص ۱۲۱ ج ۴ وقال فی نصب الرایۃ واما احادیث انما تجب الزکوٰۃ فی خمسۃ فکلہا مدخولۃ وفی متنہا اضطراب ثم ذکر حدیث ابن ماجۃ والدارقطنی وذکر ما فیہما من العلۃ ثم قال ومنہا ما اخرجہ الحاکم فی المستدرک وصحح اسنادہ عن طلحۃ بن یحییٰ عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ ومعاذ بن جبل حین بعثہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن یعلمان الناس امر دینہم لا تاخذا الصدقۃ الا من ہذہ الاربعۃ الشعیر والحنطۃ والزبیب والتمر رواہ البیہقی بلفظ انہما حین بعثا الی الیمن لم یاخذا الصدقۃ

الا من ھذہ الاربعۃ قال الشیخ فی الامام وھذا غیر صریح فی الرفع انتھٰی وطلحۃ بن یحییٰ اثنان احدھما ابن یحیی بن طلحۃ بن عبید اللہ صدوق یخطئ الثانی ابن النعمان صدوق یہم کذا فی التقریب التہذیب ج ۱ ص ۳۸۹
پس ثابت ہوا کہ اول تو یہ حدیث باعتبار سند کے صحیح نہیں کہ طلحہ مذکور خطا کار و واہم ہے۔ دوم یہ کہ اس روایت کا مرفوع ہونا بھی صراحۃً ثابت نہیں اس میں ہے کہ معاذ اور ابو موسیٰ کا اپنا فعل ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا اجتہاد ہو یا اس وقت انہیں چیزوں کی فصل تھی۔ یہی چیزیں اس وقت موجود تھیں اور انہوں نے یہی اشیاء وصول کیں تو اس سے مسئلہ متجوثہ ثابت نہ ہوا لہٰذا ادلہ مذکورہ کی ایسے امور سے تخصیص نہیں ہوسکتی۔ اور حدیث قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسۃ اوساق من تمر ولا حب صدقۃ رواہ احمد ومسلم والنسائی ومسلم فی روایۃ من ثمر بالثاء ذات النقط الثلاث نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۳۰۔ لفظ حب سے ثابت ہوا کہ ہر قسم کے غلہ میں زکات صدقہ ہے یعنی عشر یا نصف عشر ہے اور ایسے ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر قسم کے پھل آم و انار سیب سنگترہ امرود وغیرہ میں بھی عشر یا نصف عشر ہے پس ثابت ہوا کہ ادلہ صحیحہ سے ہر پیداوار میں عشر یا نصف ہے اور خضراوات کے ادلہ سے کوئی بھی صحیح نہیں اور قرآن اور احادیث صحیحہ مذکورہ کے خلاف بھی ہیں لہٰذا ان پر عمل باطل اور بفرض صحت بھی تسلیم کی جائے تو خضراوات سے مراد ساگ پات کدو وغیرہ جو اپنے کھانے کے لئے ایک دو کیاری بوئی جائے یہ مراد ہے یہ نہیں کہ کھیتوں کے کھیت کئی کئی جگہ ایکڑ یا مربع جس سے ہزار ہا روپیہ کی پیداوار ہو وہ مراد ہو ہرگز نہیں یہ نقل عقل دونوں کے خلاف ہے اور گوبھی، گاجر، مولی، شلغم چقندر، آلو، شکر قند وغیرہ تربوز، خربوزہ سے ہزار ہا روپیہ حاصل ہوتا ہے۔

سوال: زید مقروض ہے تجارت کی طرف سے اور غلہ حاصل کرتا ہے زراعت کی جانب سے۔ عشر دینے میں حیلہ پیش کرتا ہے کہ جس قدر غلہ پاتا ہوں اس سے زائد دین ہے تو پھر کیونکر عشر دوں اب جواب طلب امر یہ ہے کہ زید کا حیلہ بجا ہے یا بے جا؟

(یکے از خریداران اہلحدیث)

جواب: پیداوار کی زکوٰۃ دو طرح پر ہے ایک تو مقدار معین (حبۃ وسق) پر ہے

اس کے لئے تو مقدار کا ہونا اور قرض سے فارغ ہونا ضروری ہے۔ دوسری قسم زراعت کی زکوٰۃ وہ ہے جس کی نسبت فرمایا ہے "اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ" اس لئے شخص مذکور بوجہ قرض داری کے پہلی قسم ادا نہیں کر سکتا دوسری قسم تو ادا کر سکتا ہے جو ہر حال میں حسب وسعت فرض ہے۔

سوال: بکر زکوٰۃ کے روپے بیت المال کے کافی انتظام نہ ہونے کے باعث مستحقین پر خود اپنے ہاتھ سے خرچ کرتا ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: جب بیت المال کا انتظام باقاعدہ کسی معتمد کے ماتحت نہیں تو پھر خود بخود نہ ادا کرے تو کیا کرے حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب امام نہ ہوگا تو سب سے علیحدہ ہو کر زندگی گذار لینا۔

سوال: عمرو تجارت پیشہ ہے عرصہ سے بیمار اور قرضدار ہے اس کے اہل و عیال کے نان نفقہ کا سامان سوا قرض کے کوئی دوسری سبیل نہیں اور قرض کا ادا ہونا اس کی صحت پر منحصر ہے بایں صورت اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب: جائز ہے قرضداروں کو۔ زکوٰۃ کے مصارف میں قرضداروں کو بھی رکھا ہے (۲۰ دسمبر ۱۹۲۶ء)

سوال: مال تجارت میں زکوٰۃ کا کیا طریقہ ہے نفع پر ہے یا راس المال پر۔

جواب: شرعی حساب آجکل تخمیناً پچاس روپے کا ہے مال تجارت میں بھی اصل مال میں فی سیکڑہ دو روپیہ آٹھ آنہ کی زکوٰۃ ہے۔ (۲۵ رجب ۱۳۴۳ھ)

تشریح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مال تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

جواب: مال تجارت میں زکوٰۃ فرض ہے بدلیل اس آیت کے "اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" الآیۃ واضح ہو کہ کسب میں دستکاری اور بیع و شریٰ داخل ہے بدلیل روایت احمد بن حنبل کے رافع بن خدیج سے قال قیل یا رسول اللہ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور۔ رواہ احمد کذا فی المشکوٰۃ۔ بنا بر اس کے امام بخاری نے ایک باب منعقد کیا ہے زکوٰۃ کسب اور تجارت میں یعنی ان دونوں صورتوں

میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ یعنی جو مال کسب دستکاری اور بیع وشری سے بقدر نصاب کے حاصل ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب مطلق میں کسب تجارت کو شامل کیا اور آیۃ اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ سے فرضیت زکوٰۃ کی اظہر من الشمس ہے اجماعاً تو مکسوبہ تجارت میں بھی زکوٰۃ بلاشبہ واجب ہوگی۔ اسی واسطے اس پر بھی اجماع منعقد ہوا منکر اور مخالف اس کا مذاق قرآن مجید اور محاورہ لسان عرب سے محفوظ و ماہر نہ ہوا اللھم اغفرلہ وارحمہ باب صدقۃ الکسب والتجارۃ لقول اللہ تعالیٰ یاایھا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض الی قولہ غنی حمید انتھی۔ ظاھر الآیۃ یدل علی وجوب الزکوٰۃ فی کل مال یکتسبہ الانسان فیدخل فیہ زکوٰۃ التجارۃ وزکوٰۃ الذھب والفضۃ وزکوٰۃ النعم لان ذلک مما یوصف بانہ مکتسب کذا فی التفسیر الکبیر۔ وھذہ الآیۃ سند الاجماع وحجۃ للجمھور علی داؤد حیث قال لایجب الزکوٰۃ الا فی الانعام والنقود وعند الجمھور یجب فی العروض والعقار ایضا اذا کان للتجارۃ وانما شرطوا نیۃ التجارۃ لان النمو شرط لوجوب الزکوٰۃ بالاجماع ولا نمو فی العرض الا بنیۃ التجارۃ وعن ابن عمر لیس فی العروض زکوٰۃ الا ماکان للتجارۃ رواہ دارقطنی ومما یدل علی وجوب الزکوٰۃ فی العروض ماروی عن حماس قال مررت علی عمر بن الخطاب وعلی عنقی اُدمۃ احملھا فقال الا تؤدی زکوتک یا حماس فقال مالی غیر ھذا واھبۃ فی القرظ فقال ذلک مال ضعھا فوضعتھا بین یدیہ فحسبھا قد وجبت الزکوٰۃ فیھا فاخذ منھا الزکوٰۃ رواہ الشافعی واحمد وابن ابی شیبۃ وعبدالرزاق وسعید بن منصور والدارقطنی انتھی مافی التفسیر المظھری للقاضی ثناء اللہ الپانی پتی۔ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی والد ماجد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں۔ الشافعی عن ابن عمرو ابن حماس ان اباہ قال مررت بعمر بن الخطاب وعلی اُدمۃ احملھا فقال عمر الا تؤدی زکوتک یا حماس فقلت یا امیرالمومنین مالی غیر ھذا الذی علی

ظہری واہبۃ فی القرظ قال ذلک مال فضع فوضعتہا بین یدیہ فحسبہا فوجدہا قد وجبت فیہا الزکوٰۃ فاخذ منہا الزکوٰۃ انتہیٰ ما فی ازالۃ الخفاء۔ یہ روایت حضرت عمرؓ کی اگرچہ لفظاً موقوف ہے مگر باعتبار حکم کے مرفوع ہے۔ کیونکہ جس امر میں رائے کو دخل نہیں اس کو صحابی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا۔ جب تک حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو جیسا کہ اہل حدیث اور فقہ پر مخفی نہیں ہے اور اس آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ سے بھی مال تجارت میں فرضیت زکوٰۃ ثابت ہوتی ہے کیونکہ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ میں مال تجارت بلاریب شامل ہے بدلیل اس آیت کے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً ای الا ان تکون الاموال اموال التجارۃ صادرۃ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ چنانچہ تفسیروں میں مذکور ہے۔ لہٰذا تفسیر عزیزی میں پہلی آیت کا اس طرح پر ترجمہ کیا ہے وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ یعنی وکسانیکہ در جمیع انواع مالہا الیشاں از نقد و محصول زراعت و مال تجارت و برده حق معلوم یعنی حقے است مقرر کرده شده و معین نموده کہ آں زکوٰۃ است و صدقہ فطر انتہیٰ مختصراً۔ اور ماہرین شریعت پر واضح ہے کہ صلوٰۃ حق بدن ہے اور زکوٰۃ حق مال ہے اور مال تجارت جنس اموال میں بلاریب شامل ہے۔ اسی واسطے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کیا جیسا کہ صحاح ستہ سے معلوم ہوتا ہے اور اکتساب تین وجہ سے حاصل ہوتا ہے یا مواشی سائمہ یا زراعت یا تجارت سے لہٰذا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں الاموال النامیۃ ثلثۃ اصناف الماشیۃ المتناسلۃ السائمۃ والزروع والتجارۃ ولما کان دوران التجارۃ من البلدان النائیۃ وحصاد الزروع وجنی الثمرات فی کل سنۃ وھی اعظم انواع الزکوٰۃ قدر الحول لہا ولانہا تجمع مختلفۃ الطبائع وھی مظنۃ النماء وھی مدۃ صالحۃ لمثل ھذہ التقدیرات انتہیٰ کلامہ اور سابق معلوم ہو چکا کہ بیع کسب میں داخل ہے بدلیل روایت امام احمدؒ کے رافع بن خدیج سے اور بیع عبارت ہے دوران مال تجارت سے تو نص قرآنی سے زکوٰۃ مال تجارت میں بھی فرض ہوئی۔ کیونکہ صیغہ انفقوا کا آیۃ انفقوا من طیبات ما کسبتم میں واسطے وجوب

فرضی کے ہے علی الاطلاق تو فرضیت زکوٰۃ مال تجارت میں قرآن مجید سے ثابت ہوئی۔ باقی رہی حدیث ابوداؤد کی جو دربارہ زکوٰۃ مال تجارت کے وارد ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے عن سمرۃ بن جندب قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یامرنا ان نخرج الصدقۃ من الذی نعدہ للبیع رواہ ابوداؤد فی اسنادہ لین کذا فی بلوغ المرام۔ سو یہ حدیث دلیل مستقل فرضیت زکوٰۃ مال تجارت پر نہیں ہے بلکہ وہ دلالت کرتی ہے نص آیت انفقوا من طیبات ما کسبتم اور سند اجماع پر اور یہ حدیث سند اجماع کے واسطے کافی ہے۔ اگرچہ سند اس کی لین ضعیف ہے اور فی نفسہ قوی نہیں کہ موجب اسکات ہو۔ البتہ اجماع سے اس میں قوت آگئی چنانچہ تفصیل اور تشریح اس کی بحث اجماع میں مذکور ہے کما لا یخفی علی الماھر باقوال العلماء من المتقدمین والمتاخرین واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ ۲ ماہ ربیع الثانی ۱۲۹۸ھ

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۵۰۳

دیگر (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس کے پاس مکان رہنے کا نہیں ہے یا کپڑا پہننے کو نہیں ہے یا کبھی کبھی اس کے پاس روزمرہ کا کھانا نہ رہتا ہو یا جس کے پاس یہ سب چیزیں موجود ہوں مگر قرض اس کے ذمہ زیادہ ہے تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ لینے کے قابل ہے یا نہیں (۲) وقت چاند دیکھنے کے کوئی شخص اگر انگلی سے بتائے تو آیا اس میں گناہ ہے یا نہیں اور مکروہ بھی ہے یا نہیں؟

جواب: (۱) ان سب صورتوں میں اس کو زکوٰۃ لینا درست ہے واللہ اعلم بالصواب
(۲) اس میں کچھ گناہ نہیں۔ اور مکروہ بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید شریف حسین۔ (بحوالہ مذکور) سید محمد نذیر حسین

تمت کتاب الزکوٰۃ والحمد للہ اولاً و آخراً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

باب پنجم

کتاب الحج

افتتاحیہ

از حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی

حج اسلام کا چوتھا رکن ہے اور ہر استطاعت رکھنے والے مسلمان پر عمر میں ایک دفعہ فرض ہے۔ یہ دنیائے اسلام کی روحانی شہنشاہی کا وہ دربار عام ہے جس میں ہر سال وہ درباری شریک ہوتے ہیں جن کو توفیق الٰہی زمین کے گوشے گوشے سے کھینچ کر عرفات کے میدان میں جمع کر دیتی ہے۔ اسلام کا یہ دربار عام اخوت اسلامی کا پیغام ہے۔ تمام اونچ نیچ۔ گدا و شاہ امیر و غریب سب ایک جگہ ایک لباس، ایک حالت، ایک کیف میں سر برہنہ ایک چادر میں لپٹے لبیک اللھم لبیک پکارتے ہیں یعنی آقا کی پکار پر بندوں کی طرف سے حاضری و حضوری کا شور برپا ہوتا ہے۔ یہ اس اجتماع کا مظاہرہ ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے عہد میں کرتے آئے ہیں۔ اس مقدس سرزمین میں ہر حامل نبوت نے والہانہ قدم رکھا ہے اور وہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانے میں انبیاء کی مثالی صورتیں چلتی پھرتی نظر آرہی ہیں۔ کس قدر خوش قسمت ہیں وہ انسان جن کو اپنی عمر میں کم از کم ایک دفعہ ان مقدس مقامات کی حاضری و مشاہدہ انبیاء کی زیارت کی شرف یابی نصیب ہوتی ہے۔

مسلمان جو روئے زمین پر پراگندہ اور دنیا کے بر اعظموں اور جزیروں میں منتشر ملکوں

اور شہروں میں پھیلے اور پہاڑوں اور صحراؤں اور ریگستانوں میں بکھرے ہوئے ہیں سال میں ایک دفعہ وہ دن آتا ہے جب ہر گوشے سے ان کے نمایندے دریاؤں اور صحراؤں کو طے کرکے اس خشک اور بنجر سرزمین میں جس کو صرف رحمت الٰہی کے چھینٹے سیراب کرتے ہیں جمع ہوتے ہیں اور دیکھنے والے کو امت محمدی کی موجودہ حالت اور کیفیت ایک نظر میں معلوم ہوتی ہے۔ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ (حج۔۴) اور اے ابراہیم! لوگوں میں حج کی پکار پکار دے لوگ تیرے پاس پیادہ آئیں گے اور (مشقت سفر سے) دبلی پتلی سواریوں پر جو ہر دور دراز سے آئیں گی تاکہ وہ اپنے فائدوں کے مقاموں میں حاضر ہوں اور چند مقررہ ایام میں خدا کا نام لیں۔

جلوہ طور! عشق کے بازار میں جب یہ صلائے عام دی گئی اس وقت سے لے کر آج تک مسلسل لبیک کی جوابی آوازیں برابر دنیا کے کانوں میں آتی رہی ہیں۔ اب یہ دور ہمارے زمانے تک پہونچا ہے اور اب ہم پر فرض ہے کہ اس ربانی پکار کی آواز کو سنیں اور لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ کہتے ہوئے ہر دور دراز راستے سے اجتماعی دلی وروحانی منافع کے مقامات میں حاضری دیں اور چند مقررہ دنوں میں فاران کی چوٹیوں پر چڑھ کر طور کا جلوہ دیکھیں۔ خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخرین امت کو جو قیامت کے خزانہ رحمت کی حامل و نگہبان بنائی گئی ہے یہ حکم ملا ہے۔ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔ اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کا حج فرض کرتا ہے جس کو وہاں تک جانے کی استطاعت ہو۔

اس حکم نے ملت حنیفی کی اس آخری امت پر جس کا نام مسلمان ہے حج کو قیامت تک کے لئے فرض کردیا۔ ہر مسلمان پر جو صحیح و تندرست ہے اور جس کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ اپنی غیر حاضری میں اہل وعیال کے گذارے کا سامان کرکے سفر حج کے مصارف اٹھا سکتا ہے۔ عمر میں ایک دفعہ اس فرض کا ادا کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ خداوندا جو تیری راہ میں چل کر اس فرض کو ادا کریں ان کے گناہ تیرے دربار سے معاف ہوں۔ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ

الرَّحِیْمُ (بقرہ) اور (اے خدا) ہم کو ہمارے حج کے دستور اور قاعدے دکھا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع ہو۔ بیشک تو ہی رحمت کے ساتھ بندوں پر رجوع ہونے والا اور ان پر رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت ابراہیم کی دوسری دعاؤں کے ساتھ یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عن ابی ھریرۃ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ (بخاری ومسلم) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ جس نے حج کیا اور اس میں گناہ کا مرتکب نہیں ہوا تو وہ اس طرح گناہوں سے پاک ہو کر لوٹا جیسا وہ اس دن تھا جب اس کی ماں نے اس کو جنا۔

دینی اور دنیوی فوائد جس طرح آگ کی بھٹی دھاتوں کی میل کچیل کو مٹا کر ان کو نکھار دیتی ہے اسی طرح حج کی بھٹی گناہوں کے میل کچیل کو جلا کر مسلمان کو پاک کر دیتی ہے اور اس کو بہ سبب سفر چست وچالاک تجربہ کار بنا کر تجارت اور کام کا شائق کر کے بابرکت بنا دیتا ہے جس سے اس کی محتاجی دور ہو جاتی ہے۔

عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تابعوا الحج والعمرۃ فانھما ینفیان الفقر والذنوب کما ینفی الکیر خبث الحدید والذھب والفضۃ ولیس لحجۃ المبرورۃ ثواب الا الجنۃ (ترمذی) عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج اور عمرہ یکے بعد دیگرے کیا کرو۔ کہ یہ دونوں محتاجی اور گناہوں کو ایسا صاف کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے۔ سونے اور چاندی کے میل کو اور نیکی سے بھرے ہوئے حج کا ثواب جنت ہی ہے۔

عرفات کے محشر میں جب لاکھوں بندگان خدا کھلے سر گرد وغبار میں اٹے۔ چادریں لپیٹے، چلچلاتی دھوپ میں کھڑے، ہاتھ پھیلائے، حسرت وندامت کے آنسو بہاتے ہوئے بارگاہ بے نیاز میں توبہ واستغفار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں وہ جوش وخروش ہوتا ہے کہ گناہوں کا خس وخاشاک اس کے سیلاب میں بہہ جاتا ہے قالت عائشۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من یوم اکثر من یعتق اللہ فیہ عبدا من النار من یوم عرفۃ وانہ لیدنوا ثم یباھی بھم

الملائکۃ فیقول ما اراد ھؤلاء (مسلم) عائشہ کہتی ہیں کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ کے دن سے بڑھ کر کوئی دوسرا دن نہیں جس میں اللہ بندے کو دوزخ سے آزاد کرتا ہو وہ اس دن نزدیک آتا ہے پھر فرشتوں کے سامنے اپنے ان بندوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ میری خوشنودی کے سوا یہ اور کیا چاہتے ہیں۔

اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر کھڑی کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک حج بھی ہے

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان (بخاری)۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ اس کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور نماز درست کرنا۔ زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزہ رکھنا۔

دردناک وعید

بیت اللہ دین محمدی کی سلطنت کا پایہ تخت ہے۔ یہی وہ جغرافیائی مرکز ہے جو تمام عالم کے مسلمانوں کو ان کے انتشار پراگندگی اور پھیلاؤ کے باوجود سال میں ایک دفعہ اپنے دامن میں سمیٹ کر وحدت عمومی کے نقطہ پر جمع کر دیتا ہے اسی لیے اس بیت اللہ کا حج کفر و ایمان کے درمیان حد فاصل ہے۔ جس کو اس درگاہ سے روگردانی ہو وہ دین محمدی کے دائرے سے باہر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ (البقرہ) اور ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کا حج فرض کرتا ہے جو وہاں تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو کفر (انکار) کرے تو اللہ دنیا جہان سے بے نیاز ہے۔

استطاعت کے باوجود حج کے ادا کرنے سے روگرداں ہونے کو اللہ تعالیٰ نے "کفر" فرمایا ہے اور وعید فرمائی ہے کہ اس پتھر اور چونے سے بنے ہوئے گھر میں جا کر حج کے مراسم ادا کرنے سے کچھ اس کی ذات اقدس میں برتری نہیں ہوتی ہے بلکہ جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے ہے۔ چنانچہ اس آیت پاک کی تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ یوں فرماتے ہیں۔ عن علی قال قال رسول اللہ علیہ وسلم من ملك زادًا وراحلتہ تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یهودیًا او نصرانیًا (ترمذی) علیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زادِ سفر اور اس سواری کا مالک ہو جو اس کو خانہ کعبہ تک پہنچا دے اور حج نہ کرے تو اس پر کچھ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر"۔ یعنی اس ابراہیمی مرکز عبادت کا تعلق ہی ایک ایسی چیز ہے جو مسلمان کو یہودی و عیسائی سے علیحدہ و ممتاز کرتا ہے اب آج ان احکام کو سامنے رکھ کر ان صاحب استطاعت مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے جو ہنوز اس فرض سے سبکدوش نہیں ہوئے کہ آیا وہ مسلمان رہ کر مرنا چاہتے ہیں یا یہودی و عیسائی ہو کر جو آغاز اسلام کے اس قبلہ کو ویران اور دین محمدی کے اس مرکز کو بے نشان کریں۔

مسلمانو! اٹھو! اور اس فرض کو جو آدمؑ سے لے کر ابراہیمؑ اور ابراہیمؑ سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک ادا ہوتا رہا ہے۔ اس کو ادا کریں اور ان مشاہدات کی زیارت اور ادائے مناسک سے دیدہ و دل کو پُر نور و مسرور کریں جو انبیاء علیہم السلام کی یادگاریں اور شعائر الٰہی کی تعظیمیں ہیں اور قبول و استجابت کے مکان و محل ہیں چلیں کہ بیت اللہ، صفا و مروہ، میزاب و مشعر حرام عرفات و مزدلفہ میں کھڑے ہو ہو کر اپنی مغفرت کی دعا کریں اور قوم و ملت کی فلاح کی تدبیریں سوچیں، اور ان پہاڑیوں کو دیکھیں جہاں خدا کے رسول نے محبت کی قربانی کی اس گھر میں دوگانہ ادا کریں جس کے معمار و مزدور دو مقدس رسول تھے جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی پائی۔ انہوں نے ظہور کیا۔ قرآن نازل ہوا۔ رسول گویا ہوئے فرشتے اترے۔ جبرئیل پیغام لائے وغیرہ۔ زندگی کا اعتبار نہیں۔ مال و دولت کا بھروسہ نہیں جو دم ہے غنیمت ہے جو موقع آج ہے اس کے کل کے سوچنے کی مہلت نہیں اس سے پہلے کہ آخرت کا سفر درپیش ہو۔ اس فریضے کے سفر سے سبکدوشی ہو جائے۔ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ۔ اَلْحَمْدُ لَكَ وَالشُّكْرُ لَكَ۔ (اخبار محمدی دہلی۔ ۱۵ نومبر ۱۹۴۱ء)

تشریح مناسکِ حج

(از قلم حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب مولوی فاضل روپڑی)

حج کی فرضیت حج اسلام کے ارکان خمسہ سے ایک رکن ہے۔ جو ہر بالغ صاحب استطاعت مسلمان مرد و عورت پر عمر میں ایک دفعہ ادا کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ط اور حدیث میں ہے جس شخص کو کسی ضروری حاجت نے یا ظالم بادشاہ یا سخت مرض نے نہ روکا ہو اور وہ بلا حج کئے مرجائے تو وہ خواہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر۔

فضائل حج اس بارے میں بہت سی روایات آئی ہیں چند ایک ذیل میں لکھی جاتی ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ خالص حج کا بدلہ صرف جنت ہے" (بخاری و مسلم) آپ سے سوال ہوا کہ حج کا خالص ہونا کیا ہے؟ فرمایا اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَطِيْبُ الْكَلَامِ یعنی کھانا کھلانا اور کلام نرم کرنا (۲) مَنْ حَجَّ فلم یرفث ولم یفسق رجع من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ۔ جس نے حج کیا اور کسی طرح کی بدکلامی اور بدعملی نہ کی وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا جیسا ماں کے شکم سے پیدا ہونے کے دن تھا۔

حج کی جامع فضیلت حج میں بہت سے کام ہوتے ہیں۔ ہر کام کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ ہم ان سے چند روایات ذکر کرتے ہیں۔

زیارت بیت اللہ کی نیت سے سفر حدیث میں ہے جب انسان زیارت بیت اللہ کی نیت سے گھر سے چلتا ہے تو اس کے اور اس کی سواری کے ہر قدم اٹھانے اور رکھنے کے بدلے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ مٹایا جاتا ہے (طبرانی کبیر)۔ دوسری روایت میں ہے، تیرا یا تیری سواری جو قدم رکھے یا اٹھائے اس کے عوض ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے (طبرانی اوسط)

طواف بیت اللہ بیت اللہ شریف کے گرد سات چکر لگانے کا نام طواف ہے

حدیث میں ہے جو طواف بیت اللہ کرے اس کے لئے ہر قدم کے اٹھانے اور رکھنے میں خدائے تعالیٰ ایک نیکی لکھتا ہے ایک گناہ معاف کرتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے۔ (ابن خزیمہ) دوسری حدیث میں ہے کہ بیت اللہ کے گرد ستر چکر لگانا غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ خدائے تعالیٰ ہر قدم کے بدلے ستر ہزار نیکی لکھتا ہے۔ ستر ہزار گناہ معاف کرتا ہے اور ستر ہزار درجے بلند کرتا ہے اور اس کے اہل سے ستر شخصوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کرتا ہے (ابوالقاسم اصبہانی)

حجر اسود اور رکن یمانی

بیت اللہ کے چار گوشے ہیں۔ مشرقی گوشے کا نام رکن حجر اسود ہے۔ کیونکہ اس میں حجر اسود ہے۔ اس کے مقابل جنوبی طرف کے گوشے کو رکن یمانی کہتے ہیں کیونکہ وہ یمین کی طرف واقع ہے۔ تیسرے کا نام شامی ہے کیونکہ وہ شام کی طرف واقع ہے چوتھے کا نام عراقی ہے کیونکہ وہ عراق کی طرف ہے۔ بیت اللہ کا طواف کرنے کے وقت حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں اور ہاتھ لگاتے ہیں رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگاتے ہیں رکن شامی اور رکن عراقی کو نہ بوسہ دیتے ہیں نہ چھوتے ہیں حدیث میں ہے حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونا گناہ کی معافی ہے (ابن خزیمہ)۔ دوسری حدیث میں ہے جو اچھی طرح وضو کر کے حجر اسود کو ہاتھ لگانے کے لئے آتا ہے۔ وہ رحمت میں چلتا ہے جب ہاتھ لگا کر مندرجہ ذیل کلمات پڑھتا ہے تو اس کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

طواف کی دو رکعت

طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم پر آتے ہیں جو بیت اللہ کے دروازے کے سامنے ہے وہاں دو رکعت نفل پڑھتے ہیں جس کو طواف کی نماز کہتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے غلام آزاد کرنے کے برابر ہے (طبرانی کبیر) دوسری حدیث میں ہے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے مقام ابراہیم پر دو رکعت پڑھنے والے کے لئے خدا اولاد اسمٰعیل سے چار غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھتا ہے۔ اور وہ ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن تھا (ابوالقاسم اصبہانی)

صفا و مروہ کا طواف

بیت اللہ شریف کے قریب صفا و مروہ دو پہاڑیاں ہیں۔ مقام

ابراہیم پر دو رکعت پڑھ کر ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائیں۔ حدیث شریف میں ہے صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ستر غلام آزاد کرنے کے برابر ہے (طبرانی کبیر)

عرفات میں قیام

مکہ شریف سے نو کوس کے فاصلہ پر ایک میدان ہے جس کو عرفات کہتے ہیں نویں تاریخ ذی الحجہ کو ظہر سے مغرب تک حاجی لوگ وہاں ٹھہرتے ہیں۔ ذکر الٰہی اور دعا میں مشغول رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے خدا تعالیٰ اس روز آسمان دنیا پر نزول فرماتا۔ اور فرشتوں پر فخر فرماتا ہے کہ میرے بندے پراگندہ بالوں والے دور دراز سے میری رحمت کی امید سے میرے پاس آئے ہیں (اے بندو) اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں یا بارش کے قطروں یا سمندر کے جھاگ کے برابر ہوتے میں تمہیں ضرور بخش دیتا۔ لوٹ جاؤ تم بھی بخشے ہوئے ہو اور جس کو تم سفارش کرو وہ بھی بخشا ہوا ہے (طبرانی کبیر)۔ دوسری حدیث میں ہے۔ خدا فرشتوں کو کہتا ہے میرے بندوں کو کیا چیز یہاں لاتی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں تیری رضا اور جنت کی تلاش میں آئے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں اپنی ذات اور مخلوق کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ خواہ ان کے گناہ زمانے کے دنوں کی گنتی اور پُر کرنے والی ریت کے ذروں کے برابر ہوں۔ (طبرانی اوسط)

جمرے مارنا

مکہ شریف سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے جہاں عید کے دن حاجی قربانیاں کرتے ہیں۔ وہاں تین بڑے بڑے پتھر ہیں جن کو جمرے کہتے ہیں ابراہیم علیہ السلام جب اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو قربانی کرنے لگے تو شیطان ان جمروں کے پاس انہیں دکھائی دیا۔ تاکہ انہیں قربانی سے روکے ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ہر جمرے کے پاس سات سات کنکر مارے۔ اس واقعہ کی یاد تازہ رکھنے اور شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے حاجی بھی ان جمروں کو عید کے دن سات سات کنکر مارتا ہے حدیث میں ہے۔ ہر کنکر کے بدلے ایک مہلک کبیرہ گناہ معاف ہو جاتا ہے (طبرانی کبیر) دوسری حدیث میں ہے جمرے مارنے کے عوض جو کچھ خدا نے بندے کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک سے پوشیدہ رکھا ہے اُسے کوئی جانتا ہی نہیں (طبرانی کبیر)۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ ذخیرہ ہے جو اس وقت تیرے کام آئے گا۔ جبکہ تو بہت محتاج ہو گا۔

(ابو القاسم اصبہانی)

قربانی[۱] حدیث میں ہے، تیری قربانی بھی خدا کے پاس ذخیرہ ہے۔ جو عین محتاجی کے وقت یعنی قیامت کے دن تیرے کام آئے گا۔ (طبرانی)

حجامت کرنا حج اور عمرہ سے فارغ ہو کر حاجی حجامت کراتے ہیں۔ حدیث میں ہے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے اور گناہ مٹا دیا جاتا ہے (طبرانی کبیر) دوسری حدیث میں ہے تیرا ہر بال قیامت کے دن نور ہوگا۔ (طبرانی کبیر)

طواف وداع حج سے فارغ ہو کر وطن کو آتے ہوئے بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں جس کو طواف وداع کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ تمام کاموں سے فارغ ہو کر جب حاجی طواف وداع کرتا ہے تو فرشتہ آتا ہے جو اس کے کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہتا ہے تیرے پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔ اب آئندہ نئے سرے سے عمل کر (طبرانی کبیر) دوسری حدیث میں ہے۔ جب تو طواف وداع کرتا ہے تو ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا ماں کے شکم سے پیدا ہونے کے دن تھا۔

سفر کا مسنون طریق (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کو سفر کرنا دوست رکھتے تھے (مشکوٰۃ)۔ جمعرات کے علاوہ اور دن بھی سفر کر سکتے ہیں چنانچہ آپ نے حجۃ الوداع کا سفر ہفتہ کے دن کیا مگر حدیث مشکوٰۃ کے الفاظ "دوست رکھتے" سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جمعرات بہتر ہے (۲) جماعتی صورت میں سفر کرنا بہتر ہے اور باعث عزت و وقار ہے۔ خرچ کی کفایت ہے۔ ایک دوسرے کے ہم دم غم میں شریک رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جب تین ہوں تو ایک کو امیر بنائیں (مشکوٰۃ) اور جماعت بھی اسی صورت میں بنتی ہے کہ سب ایک کے تحت ہوں پس اس مبارک سفر کو ہر طرح سے مسنون طریق پر پورا کرنا چاہیئے۔

گھر سے نکلنے کا عمل پہلے دو رکعت نفل پڑھے۔ حدیث میں ہے انسان نے اپنے اہل کے پاس دو رکعتوں سے بہتر کوئی چیز نہیں چھوڑی (ایضاح للنووی) ایک اور حدیث میں ہے اگر تو اپنے رفیقوں

---

[۱] قربانی کے مفصل احکام اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمایئے۔ (محمد داؤد راز)

سے صورت حال اور مال میں بہتر ہونا چاہتا ہے تو قل یاایہا الکافرون سے والناس تک، تبت کو چھوڑ کر پانچ سورتیں پڑھ، ہر سورہ کو بسم اللہ سے شروع کر اور اپنی قرات کو بسم اللہ پر ختم کر یعنی پانچویں کو ختم کرکے پھر بسم اللہ پڑھ۔

گھر سے نکلنے کی دعا بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (ابوداؤد)۔ ترجمہ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ میں نے اللہ کے نام پر توکل کیا۔ گناہ سے پھرنا اور نیکی کی توفیق صرف اللہ ہی سے ہے"

رخصت کرنے کی دعا اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ (ابوداؤد) تمہارا دین وامانت اور اعمالوں کا خاتمہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔

سفر کے وقت وصیت عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالتَّكْبِيْرِ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ (ترمذی) تقوی الٰہی اور ہر بلندی پر چڑھنے کے وقت تکبیر کو لازم پکڑ۔ اور نیچے اترتے وقت سبحان اللہ کہنا چاہیے۔ جیسے دوسری حدیث میں ہے۔

جنگل کی سواری کی دعا سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ لَنَا بُعْدَهٗ۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ (مسلم) (ترجمہ) وہ پاک ذات ہے جس نے اس کو ہمارے تابع کر دیا اور ہم اس کو قابو کرنے والے نہ تھے اور ہم اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں۔ یا اللہ ہم تجھ سے اپنے سفر کی نیکی اور پرہیزگاری اور تیری رضامندی کے کام مانگتے ہیں۔ یا اللہ ہمارے اس سفر کو آسان کر اور اس سفر کی دوری کو لپیٹ دے۔ یا اللہ! تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور گھر والوں میں خلیفہ ہے۔ یا اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی تکلیف سے اور دیکھنے کے غم سے اور برے رجوع سے اہل اور مال میں۔

دریا کی سواری کی دعا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

قَدَّرَہٗ (ابن سنی) - ترجمہ - اللہ کے نام سے اس کا جاری ہونا اور ٹھہرنا ہے - بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے - انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کما حقہ قدر نہیں کیا۔

کسی بستی میں داخلہ کی دعا

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاھَا وَحَبِّبْنَا اِلٰی اَھْلِھَا وَحَبِّبْ صَالِحِیْ اَھْلِھَا اِلَیْنَا (حصن حصین)

(ترجمہ): یا اللہ ہم کو اس کا پھل دے اور ہم کو اس کے رہنے والوں کی محبت دے اور ہم کو اس کے نیک لوگوں کی محبت دے۔

کسی مقام پر اترنے کی دعا

اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (مسلم) (ترجمہ) میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اس شے کی شر سے جو اس نے پیدا کی۔

رات کی دعا

یَا اَرْضُ رَبِّیْ وَرَبُّکِ اللّٰہُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّکِ وَشَرِّ مَا فِیْکِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِیْکِ وَشَرِّ مَا یَدُبُّ عَلَیْکِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ اَسَدٍ وَّاَسْوَدَ مِنَ الْحَیَّۃِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ سَاکِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ وَّالِدٍ وَّمَا وَلَدَ (ابوداؤد) - (ترجمہ) اے زمین! میرا اور تیرا رب اللہ ہے - میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تیرے شر سے اور اس چیز کے شر سے جو تجھ میں ہے اور جو تجھ میں پیدا کی گئی ہے اور جو تجھ پر چلتی ہے - میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں زہریلی چیز سانپ بچھو سے اور شہر کے رہنے والوں کے شر سے - جننے والے اور جو کچھ اس نے جنا کی شر سے۔

سحری کے وقت کی دعا

سَمَّعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰہِ وَحُسْنِ بَلَائِہٖ عَلَیْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَاَفْضِلْ عَلَیْنَا عَائِذًا بِاللّٰہِ مِنَ النَّارِ (مسلم) (ترجمہ) سننے والے نے سن لیا ہے - اللہ کی تعریف انعام اچھے کے ساتھ جو ہم پر کئے ہیں - یا اللہ ہماری رفاقت کر اور ہم پر فضل کر ہم آگ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ پکڑتے ہیں۔

صبح اور شام کی دعا

اَصْبَحْنَا وَاَمْسٰی الْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ - اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ

هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (مسلم) اللہ کے لیئے ہم نے اور تمام ملک نے شام کی تمام تعریفیں اللہ کے لیئے ہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہی اور حمد اسی کے لیئے ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یا اللہ اس رات کی بھلائی اور جو اس رات میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں۔ اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کی شر سے اور جو چیز اس میں ہے اس کی شر سے۔ یا اللہ میں پناہ پکڑتا ہوں سستی اور زیادہ بڑھاپے اور برائی بڑھاپے سے اور دنیا کی آزمائش اور عذاب قبر سے"۔

نوٹ:۔ صبح کی دعا بھی یہی ہے صرف أَمْسَيْنَا اور أَمْسَى الْمُلْكُ کی جگہ أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ پڑھنا چاہیے۔

حج۔ عمرہ۔ میقات

حج کو عموماً لوگ جانتے ہیں کہ زیارت بیت اللہ کی خاص صورت ہے جس میں کئی کام کرنے پڑتے ہیں۔ عمرہ کو اکثر لوگ نہیں جانتے عمرہ بھی زیارت بیت اللہ کی خاص صورت ہے جس میں کئی کام کرنے پڑتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حج میں کچھ زیادہ کام کرنے پڑتے ہیں اور عمرہ مختصر ہے حج کے مہینے مقرر ہیں۔ شوال۔ ذی قعدہ ذی الحجہ اور عمرہ بارہ ماہ درست ہے۔ حج عمرہ کی ابتدا میقات سے ہوتی ہے۔ میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جس جگہ سے زیارت بیت اللہ کی نیت سے جانے والے کے لیے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں۔ اور وہ ہر جگہ ہر ملک کے لیئے الگ ہے۔ اہل یمن کے لیئے یلملم۔ اہل نجد کے لیئے قَرْنُ الْمَنَازِل اہل عراق کے لیئے ذَاتَ عِرْق اہل مدینہ کے لیئے ذوالحلیفہ اور اہل شام کے لیئے جحفہ۔ پہلے تین مقام مکہ مکرمہ سے تقریباً چالیس پینتالیس کوس ہیں۔ اور جحفہ قریباً ستر کوس ہے۔ ذوالحلیفہ مدینہ سے چھ کوس اور مکہ مکرمہ سے[1] قریباً تین سو کوس ہے۔

---

[1] یہ غالباً سہو کاتب ہے دراصل یہ جگہ مکہ شریف سے تقریباً ڈیڑھ سو کوس کے فاصلہ پر ہے۔ (محمد داؤد راز)

حدیث ہی ہے۔ یہ مقامات ان لوگوں کے لیے ہیں جن کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور دیگر لوگوں کے لئے بھی ہیں جو ان مقامات سے گذریں (چنانچہ اہل ہند عموماً یمن کی طرف سے جاتے ہیں وہ یلملم سے احرام باندھتے ہیں) جو لوگ ان مقامات کے اندر مکہ مکرمہ کی طرف ہیں وہ اپنی رہائش کی جگہ سے احرام باندھیں۔ یہاں تک کہ اہل مکہ مکہ سے۔

احرام اور اس کے باندھنے کا طریق | احرام حج یا عمرہ کی نیت باندھنے کو کہتے ہیں اور اس کے باندھنے کا طریق یہ ہے کہ جب میقات پر پہنچے تو پہلے کپڑے اتار دے۔ پھر نہا دھو کر دو چادریں پہن لے۔ ایک کو تہ بند بنائے ایک کو اوڑھ لے۔ یہ چادریں ان سلی ہوں تو بہتر ہیں۔ عورت اپنے کپڑے بدستور رکھے صرف برقعہ اتار دے اور اس کی جگہ بڑی چادر لے لے اور منہ ننگا رکھے جب کوئی بیگانہ سامنے ہو تو منہ ڈھانپ لے۔ چادریں پہننے کے بعد دو رکعت نفل پڑھ کر حج یا عمرہ دونوں کی نیت کر کے لبیک پکارنا شروع کر دیں۔ لبیک پکارنے کو تلبیہ کہتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ (ترجمہ) میں حاضر ہوں یا اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ نہیں شریک ہے واسطے تیرے۔ میں حاضر ہوں۔ بیشک سب تعریف نعمت اور سلطنت تیرے ہی لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

نوٹ:۔ تلبیہ کے الفاظ اور بھی ہیں۔ اگر یاد ہوں تو وہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ سارے سفر میں بیت اللہ شریف پہنچنے تک تلبیہ جاری رہنا چاہئے اگر اور کوئی ذکر کرنا یا قرآن مجید پڑھنا ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں۔ جب بند کریں تو یہ دعا پڑھیں اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَأَسْئَلُكَ الْعَفْوَ بِرَحْمَتِكَ مِنَ النَّارِ۔ (ترجمہ) اے اللہ میں تیری رضا کا اور جنت کا سوال کرتا ہوں اور تیری رحمت کے طفیل آگ سے عافیت مانگتا ہوں۔

ممنوعات احرام | احرام میں عورت کا بوسہ لینا۔ شہوت سے چھونا۔ بنظر شہوت دیکھنا۔ منگنی کرنا نکاح کرنا کرانا۔ خوشبو استعمال کرنا۔ جوئیں

مارنا۔ کنگھی کرنا۔ جنگلی شکار کرنا۔ حاجی کی کوئی گری ہوئی شے اٹھانا جس کا ایک سال تک اعلان نہ ہو سکے۔ اس قسم کے کام ممنوع ہیں۔ ہاں موذی اشیا حرم میں قتل کرنا جائز ہیں۔ جن کا ذکر حرم مکہ میں آگے آتا ہے۔

حرم مکہ مکرمہ اور اس کی دعا

مکہ کے گرد و نواح کئی میلوں تک کی جگہ کو حرم مکہ کہتے ہیں۔ بڑے بڑے نشانات قائم کر کے حدود متعین کر دیئے گئے ہیں۔ جدہ سے چل کر جب مکہ مکرمہ دس میل رہ جاتا ہے تو آمنے سامنے کئی گز لمبی چوڑی اونچی دو دیواریں آتی ہیں۔ اس طرف سے یہی حد حرم ہیں حرم کا گھاس یا درخت کاٹنا یا شاخ توڑنا۔ اس میں شکار کھیلنا بلکہ شکاری جانور کو اپنی جگہ سے عمداً ہلانا حرام ہے۔ ہاں موذی اشیاء سانپ بچھو چھپکلی۔ کوا۔ شیر۔ چیتا۔ بھیڑیا وغیرہ کو مارنا جائز ہے۔ اسی طرح سے گھاس کی قسموں سے إذخر گھاس کاٹ سکتے ہیں (مشکوٰۃ)

نوٹ:۔ حد حرم کی زمین سے گھاس یا درخت کاٹنا یا شاخ توڑنا اس شخص کو منع ہے جو مالک نہ ہو مالک اپنی ملک میں ہر طرح تصرف کر سکتا ہے کیونکہ ملک سے مقصود یہی تصرف ہے۔

حرم میں داخل ہونے کی دعا نہ حدیث میں آئی ہے نہ صحابہؓ سے منقول ہے البتہ ابن جماعۃ نے امام احمدؒ سے قریباً یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُكَ وَ اَمْنُكَ فَحَرِّمْنِیْ عَلَی النَّارِ وَ اٰمِنِّیْ مِنْ عَذَابِكَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَوْلِیَاءِكَ وَ اَهْلِ طَاعَتِكَ۔ (ایضاح للنووی مع حاشیہ ابن حجر هیثمی) (ترجمہ) اے اللہ! یہ تیرا حرم ہے اور تیرے امن کی جگہ ہے پس مجھے آگ پر حرام کر دے اور جس روز تو اپنے بندوں کو قبروں سے اٹھائے مجھے اپنے عذاب سے رہائی دے۔ اور مجھے اپنے دوستوں اور فرمانبرداروں سے کر دے۔"

مکہ مکرمہ میں کس جانب سے داخل ہو اور مسجد حرام میں کس دروازہ سے داخل ہو

اس بات پر اتفاق ہے کہ مکہ مکرمہ کی جس جانب سے داخل ہو جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ بیر طوی کی جانب سے داخل ہو۔ یہ ایک

کنواں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو اس مقام پر غسل فرمایا اور پھر جانب معلّٰی کی طرف سے داخل ہوئے۔ بیر طوٰی سے جب بیت اللہ شریف کو روانہ ہوتے ہیں تو تھوڑی دور پہنچ کر دو راستے ہو جاتے ہیں۔ ان سے بائیں راستہ چل کر باہر جنت معلّٰی سے ہوتے ہوئے سیدھے باب السلام پر پہنچیں۔ باب السلام مسجد حرام کے دروازوں سے ایک دروازہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرف سے مسجد حرام میں داخل ہوئے۔

داخلۂ مکہ مکرمہ کی دُعا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی دعا کسی صحیح حدیث میں نہیں اس لیئے وہی دعا پڑھیں جو عموماً ہر بستی میں داخل ہونے کے وقت آئی ہے چنانچہ اوپر گذر چکی ہے۔

مسجد حرام میں داخل ہونے کی دُعا اس کے لیے بھی کوئی خاص دعا نہیں آئی۔ پس وہی دعا پڑھیں جو عام طور پر مسجدوں میں داخل ہونے کے وقت پڑھی جاتی ہے یعنی اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ'' یا اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

مسجد حرام میں داخل ہونے کی کیفیت مسجد حرام میں داخل ہونے کی کیفیت وہی ہے جو عام مسجدوں کی ہے یعنی دایاں پاؤں پہلے رکھتے ہیں اور بایاں پیچھے نکلنے کے وقت اس کا الٹ کرتے ہیں اور جوتا پہننے اور اتارنے کے وقت بھی ایسا ہی کرے یعنی پہلے دایاں پاؤں پہنے پھر بایاں اور اتارنے کے وقت اس کا الٹ کرے۔ اور جوتے پہننے اور اتارنے کی یہ کیفیت مسجد حرام یا عام مسجد کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مسجد غیر مسجد سب جگہ اسی طرح کرے۔ احادیث میں عام آیا ہے۔

رویت بیت اللہ اور اس کی دُعا باب السلام سے داخل ہو کر جب بیت اللہ شریف پر نظر پڑے تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھیں چنانچہ ابن جریج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً وَّبِرًّا وَّزِدْ مَنْ شَرَّفَہٗ وَکَرَّمَہٗ مِمَّنْ حَجَّہٗ اَوِ اعْتَمَرَہٗ تَشْرِیْفًا وَّتَعْظِیْمًا (مناسک ابن تیمیہ)۔ (ترجمہ) اے اللہ! اس گھر کو شرافت، بزرگی، عزت، ہیبت اور نیکی میں زیادہ کر اور حج یا عمرہ

کرنے والوں سے جس نے اس گھر کی شرافت اور تعظیم کی اس کو بھی شرافت اور بزرگی میں زیادہ کر۔

اصل مسجد حرام اور باب بنو شیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد صرف مطاف (طواف کی جگہ) تھی جس کا فرش اب سنگ مرمر کا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور پھر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کچھ اضافہ کیا گیا۔ ان کے بعد دیگر بادشاہوں نے اس کو بہت وسیع کر دیا۔ بیر زمزم کے قریب مقام ابراہیم کے سامنے اصل دیواروں کے بغیر کمانی دار دروازہ بنا ہوا ہے۔ اصل مسجد حرام کا دروازہ یہی ہے۔ اس کو باب بنو شیبہ کہتے ہیں۔ باب السلام سے سیدھے اس دروازہ کو آئیں اس سے داخل ہو کر حجر اسود کا رخ کریں۔ اگر چاہیں تو اس دروازے میں داخل ہوتے وقت وہی دعا پڑھیں جو مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھی جاتی ہے کیونکہ اصل مسجد حرام یہی ہے۔ اس کی دیواریں ہٹا دی گئی ہیں۔ دروازہ قائم ہے۔

حجر اسود کا بوسہ اور اس کی دعا حجر اسود بیت اللہ کے مشرقی کونہ میں چاندی کے خول کے اندر ہے باب بنو شیبہ سے داخل ہو کر حجر اسود کی طرف آئیں۔ اس کو چھوئیں اور بوسہ دیں اور وہ دعا پڑھیں جو پہلے گذر چکی ہے اگر چھونا یا بوسہ دینا ہجوم کی وجہ سے مشکل ہو تو ہاتھ کا اشارہ کر کے ہاتھ کو چوم لینا کافی ہے

طواف بیت اللہ اور اس کی دعا حجر اسود کو چھونے اور بوسہ دینے کے بعد اپنے دائیں ہاتھ کی جانب بیت اللہ کے گرد چکر لگانا شروع کر دیں۔ سات چکر پورے کریں۔ اسی کو طواف بیت اللہ کہتے ہیں۔ ہر چکر میں حجر اسود کے سامنے آئیں تو بدستور اس کو چھوئیں اور بوسہ دیں اور دعا مذکور پڑھیں اور جب رکن یمانی کے برابر آئیں تو یہ دعا پڑھیں۔ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رکن یمانی اور حجر اسود کے علاوہ چکر کے باقی حصہ میں یہ کلمات کہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۝

نوٹ۔ حجر اسود اور رکن یمانی کے برابر آنے کے وقت اور چکر کے باقی حصہ میں ان دعاؤں کے علاوہ اور دعائیں بھی آئی ہیں اگر یاد ہوں تو پڑھ سکتے ہیں

امام شافعیؒ نے قرآن مجید پڑھنے کی بھی اجازت دی ہے۔

رمل اور اضطباع

طواف کرتے وقت پہلے تین چکر میں رمل کریں یعنی کندھے ہلاتے ہوئے تیز چلیں جیسے پہلوان چلتا ہے اور باقی چار چکر میں آہستہ چلیں۔ حدیث میں ایسا ہی آیا ہے نیز احرام کی اوپر کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے کر کے اس کی دونوں طرف بائیں کندھے پر ڈال لیں۔ طواف کے وقت ایسا کرنا مسنون ہے۔ اس کو اضطباع کہتے ہیں۔

مقام ابراہیم اور اس پر طواف کی دو رکعت اور دعا

طواف بیت اللہ سے فارغ ہو کر وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى پڑھتے ہوئے مقام ابراہیم کی طرف آئیں۔ مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر کرتے تھے جو بیت اللہ کے دروازے کے سامنے ایک کوٹھڑی میں مقفل ہے۔ اس کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر کے دو رکعت نماز پڑھیں۔ اسی کو طواف کی نماز کہتے ہیں۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھیں پھر یہ دعا مانگیں۔

مقام ابراہیم کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَاَنْتَ تَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَاَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ وَتَعْلَمُ مَا عِنْدِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا يُّبَاشِرُ قَلْبِيْ وَيَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى اَعْلَمَ اَنَّهُ لَنْ يُّصِيْبَنِيْ اِلَّا مَا كَتَبْتَ لِيْ وَاَرْضِنِيْ بِمَا قَضَيْتَهُ عَلَيَّ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ (حاشیہ ایضاح للهیثمی بحوالہ ابن الجوزی شافعی رازی) ترجمہ۔ یا اللہ! تو میرا ظاہر اور باطن جانتا ہے پس میرے عذر کو قبول کر اور میری حاجت کو تو جانتا ہے پس میری مانگی چیز مجھ کو دے۔ میرے دل میں جو ہے اس کو تو جانتا ہے پس میرے گناہ بخشدے۔ یا اللہ میں تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جو دل میں رچ جائے اور سچا یقین یہاں تک کہ سمجھ لوں کہ مجھ کو وہی پہنچے گا جو تونے میری قسمت میں لکھا ہے اس پر راضی رہنے کے ساتھ سوال کرتا ہوں۔

طواف یعنی سعی صفا مروہ اور اس کی دعا

مقام ابراہیمؑ سے فارغ ہو کر حجر اسود کو بوسہ دیں اور مسجد حرام کے باب الصفا سے باہر نکلیں۔ صفا پہاڑی پر پہنچیں وہ باب الصفا، سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ صفا پہاڑی کے قریب پہنچ کر یہ پڑھیں۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ۔ ترجمہ۔ بیشک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے نشانات سے ہیں میں بھی اس شے کے ساتھ شروع کرتا ہوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔" پھر صفا مروہ پر چڑھ کر یہ کلمات کہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ (مشکوٰۃ)۔ ترجمہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں بادشاہی اور تمام تعریف اسی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ واحد کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں اور اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے (محمد صلعم) کی مدد کی اور سب جماعتوں (کافروں) کو شکست دی۔" اس کے بعد یہ دعا پڑھیں جو مرطا میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ وَاِنِّيْ اَسْئَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِيْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ لَا تَنْزِعَهٗ مِنِّيْ وَاَنْ تَتَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا (ایضاح مع حاشیۃ ہیثمی) ترجمہ۔ اے اللہ تو نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ تیری بات سچی ہے اور تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جس طرح تو نے مجھے اسلام کے لئے ہدایت کی ہے اس کو مجھ سے نہ چھین یہاں تک کہ تو مجھے اسلام کی حالت پر فوت کرے۔

اس کے بعد پہاڑی مروہ کی طرف چلیں۔ صفا مروہ کے درمیان۔ مروہ کو جاتے ہوئے بائیں جانب دو دو سبز نشان ہیں جن کو مِيْلَيْنِ اَخْضَرَيْنِ کہتے ہیں۔ جب ان سے پہلے کے قریب پہنچیں۔ چھ سات ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے تو دوڑنا شروع کریں۔ جب دوسرے نشان کے قریب پہنچیں تو دوڑنا ترک کر دیں پھر بدستور چلیں یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر پہنچیں اور مروہ پر بھی وہی کلمات اور دعا

پڑھیں جو صفا پر پڑھی تھی۔ اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کے وقت یہ دعا پڑھیں۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ (ایضاح مع حاشیہ ہیثمی بحوالہ طبرانی۔ بیہقی۔ ابن ابی شیبہ) "ترجمہ:۔ اے رب میرے بخش اور رحم کر پس تو ہی بہت عزت والا اور بزرگ ہے" اور آہستہ آہستہ چلنے کے وقت بھی یہ دعا پڑھ سکتے ہیں۔ پھر مروہ سے لوٹ کر صفا پر آویں۔ دوڑنے کی جگہ دوڑیں اور چلنے کی جگہ چلیں اور بدستور دعائیں پڑھیں۔ صفا پر پہنچ کر دو پھیرے ہوئے اسی طرح سے سات پھیرے پورے کریں۔ جن کی ابتدا صفا سے ہے اور انتہا مروہ پر ہے۔ اگر آپ نے صرف عمرے کا احرام باندھا ہے تو احرام کھول دیں یعنی حجامت کرالیں۔ خوشبو لگالیں کپڑے وغیرہ بدل لیں اور اگر حج کا یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہے تو بدستور احرام کی حالت میں رہیں۔ اپنا کوئی نیک شغل جاری رکھیں۔ ذکر کریں نماز پڑھیں۔ طواف کریں۔ ہر طرح مختار ہیں۔ اگر احرام کھول چکے ہیں تو بھی یہ کام کر سکتے ہیں آٹھویں تاریخ تک۔

مقام منیٰ کو جانے کی تیاری

جب ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ آئے تو اگر آپ احرام کھول چکے ہیں تو حج کے لئے نیا احرام باندھ کر اور اگر پہلا احرام قائم ہے تو اسی کے ساتھ صبح ہی منیٰ کو (جو مکہ سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے) جانے کی تیاری کریں بعض لوگ ساتویں ذی الحجہ کو منیٰ جانے کی تیاری کر لیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے۔ منیٰ میں پانچ نمازیں پڑھیں۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب، عشاء اور نویں ذی الحجہ کی فجر۔

میدان عرفات جانے کی تیاری

نویں ذی الحجہ کو منیٰ میں فجر کی نماز پڑھ کر عرفات جانے کی تیاری کریں، جو مکہ سے ۹ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ ظہر کی نماز مسجد نمرہ میں پڑھیں جو عرفات کے میدان کے کنارے پر واقع ہے۔ عرفات کو جاتے ہوئے رستہ میں مزدلفہ آتا ہے وہاں پہنچ کر عرفات کی طرف دو راستہ ہو جاتے ہیں۔ ایک کا نام جو دائیں جانب ہے "طریق ضب" ہے اور دوسرے کا نام "مازمین" ہے لوگ عموماً مازمین کے راستے جاتے ہیں۔ آپ کوشش کریں کہ ضب کے رستے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی راستے گئے تھے۔ مسجد نمرہ میں امام کے ساتھ ظہر عصر دونوں نمازیں ظہر کے وقت پڑھنی چاہئیں۔ یہ متفقہ مسئلہ

ہے۔ مکہ کے لوگ دوگانہ پڑھیں یا پوری پڑھیں مگر ترجیح دوگانہ ہی کو ہے۔ خواہ مکہ کے حاجی ہوں یا دوسرے ملک کے۔

وقوف عرفات وقوف کے معنے ٹھیرنے کے ہیں ظہر و عصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میدان عرفات میں داخل ہو کر اللہ کی یاد میں مشغول ہوں۔ قرآن پڑھیں ذکر و اذکار کریں۔ دعائیں اگر ہو سکے تو جبل الرحمۃ پر پہنچیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ وقوف فرمایا تھا۔ سورج غروب ہونے تک یہی شغلہ رہے۔ عرفات میں وقوف بہت بڑا رکن ہے۔ یہ وقت بڑی عاجزی اور انکساری میں گذارنا چاہئے۔

عرفات کی دعا میدان عرفات میں ہر قسم کی دعا کر سکتے ہیں۔ خواہ قرآن میں ہو یا حدیث میں ہو مندرجہ ذیل دعا خصوصیت سے آئی ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ہے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِي تَقُولُ. اَللّٰهُمَّ لَكَ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي وَإِلَيْكَ مَآبِي وَلَكَ رَبِّ تُرَاثِي. اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَاسِ الصُّدُورِ وَشَتَاتِ الْأَمْرِ. اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَجِيءُ بِهِ الرِّيحُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِيءُ بِهِ الرِّيحُ. لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي سَمْعِي نُورًا وَفِي بَصَرِي نُورًا وَفِي قَلْبِي نُورًا. اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ وَسَاوِسِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْأَمْرِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ. اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا يَلِجُ فِي اللَّيْلِ وَشَرِّ مَا يَلِجُ فِي النَّهَارِ وَشَرِّ مَا تَهُبُّ بِهِ الرِّيحُ وَشَرِّ بَوَائِقِ الدَّهْرِ لَبَّيْكَ إِنَّمَا الْخَيْرُ خَيْرُ الْآخِرَةِ. اَللهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُورًا وَذَنْبًا مَغْفُورًا.

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ بادشاہی اور حمد اسی کے لئے ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یا اللہ تعریف تیرے لئے ہے جس طرح تو فرماتا ہے اور اس سے بہتر جو ہم کہتے ہیں یا اللہ میری نماز میری قربانی میری زندگی اور

میری موت تیرے ہی لئے ہے۔ میرا رجوع تیری طرف ہے تو ہی میرا وارث ہے یا اللہ قبر کے عذاب سینے کے وسوسوں اور کام کی پریشانی سے پناہ مانگتا ہوں۔ یا اللہ! جس چیز کو ہوا لاتی ہے۔ اس کی بھلائی مانگتا ہوں۔ اور جس کو ہوا لاتی ہے اس کی شر سے پناہ مانگتا ہوں اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ بادشاہی اور حمد اسی کے لئے ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ یا اللہ میرے کان میں اور آنکھ میں اور دل میں نور بھر دے یا اللہ میرے سینے کو فراخ کر دے اور میرے کام کو آسان کر دے سینے کے وسوسوں اور کام کی پریشانی اور عذاب قبر سے پناہ چاہتا ہوں یا اللہ جو چیز رات اور دن میں داخل ہوتی ہے اس کی شر اور جس کو ہوا اڑاتی ہے اور زمانہ کے حوادث کی شر سے پناہ مانگتا ہوں حاضر ہوں یا اللہ حاضر ہوں۔ آخرت کی بھلائی تمام بھلائیوں سے بہتر ہے۔ اللہ بڑا ہے اور اللہ کے لئے حمد ہے۔ اللہ بڑا ہے اور اللہ کے لئے حمد ہے اللہ بڑا ہے اور اللہ کے لئے حمد ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ بادشاہی اور حمد اللہ کے لئے ہے یا اللہ اس حج کو حج خالص کر اور گناہوں کو بخشے ہوئے کر۔"

افاضہ از عرفات افاضہ کے معنے لوٹنے کے ہیں۔ عرفات سے سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ کی طرف لوٹیں۔ مزدلفہ عرفات کے درمیان قریباً ۴ کوس کا فاصلہ ہے مگر مغرب کی نماز عرفات میں نہ پڑھیں بلکہ واپس مزدلفہ میں پہنچ کر مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کر کے امام کی اقتدا میں ادا کریں۔ اگر جماعت نہ ملے تو اکیلے پڑھیں پھر رات کو یہیں آرام کریں۔ دسویں تاریخ ذی الحجہ کو صبح کی نماز اول وقت اٹھ کر امام کی اقتدا میں اندھیرے میں پڑھیں اور نماز پڑھتے ہی دعا میں مشغول ہو جائیں۔ دعا کوئی معین نہیں جو چاہیں مانگیں۔ بہتر یہ ہے کہ وہاں کی مسجد سے جنوب کی جانب مشعر الحرام ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے اس پر جا کر دعا کریں۔ وہاں ایک چھوٹا سا چبوترہ بنا ہوا ہے وہ مشعر الحرام کا حصہ ہے۔

مزدلفہ سے منیٰ کو واپسی فجر کی نماز اور دعا کے بعد جب اچھی طرح روشنی ہو جائے لیکن ابھی سورج نہ نکلا ہو تو وہاں سے منیٰ کی طرف لوٹیں۔ منیٰ وہاں سے قریباً دو کوس ہے جب وادی محسر میں پہنچیں جو مزدلفہ کی طرف منیٰ کا

کنارہ ہے اس میں ذرا تیز چلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تیز گزرے تھے کیونکہ وہاں اصحاب الفیل ہلاک ہوئے تھے۔ اسی وادی سے جمروں کے مارنے کے لئے ۷ یا ۹ ہم کنکر اٹھائے بعض لوگ یہ کنکر مزدلفہ سے اٹھا لیتے ہیں مگر یہ خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی محسر سے اٹھائے تھے۔ اس وادی سے گزر کر دائیں ہاتھ کو پہاڑ کے ساتھ ساتھ ایک راستہ آتا ہے اس راستہ سے ہوتے ہوئے جمرۃ العقبہ پر پہنچیں یہ گرا ہوا پتھر ہے۔ اس کے سامنے ذرا ہٹ کے نیچی جگہ میں اس طرح کھڑے ہوں کہ بایاں ہاتھ قبلہ کی جانب ہو۔ اس کو ایک ایک کر کے سات کنکر ماریں اور ہر ایک کنکر کے ساتھ اللہ اکبر کہیں۔ پھر قربانی کریں۔ مگر یہ قربانی منیٰ کی حدود کے اندر ہو خواہ کسی جگہ ہو اس کے بعد احرام کھول دیں۔ حجامت وغیرہ کرالیں سر منڈانا۔ کتروانے سے بہتر ہے جو اشیاء احرام میں ممنوع تھیں احرام کھول لینے کے بعد جائز ہیں۔ مگر بیوی کے پاس جانا جائز نہیں

طواف افاضہ طواف بیت اللہ کی تین قسمیں ہیں جو عرفات جانے سے پہلے مکہ میں آتے ہی کرتے ہیں وہ طواف قدوم ہے جو عرفات سے واپس آکر کرتے ہیں اس کو طواف افاضہ اور طواف زیارت کہتے ہیں اور جو اپنے وطن کو واپس آنے کے وقت کرتے ہیں اس کو طواف وداع کہتے ہیں۔

طواف افاضہ وقوف عرفات کی طرح حج کا رکن ہے باقی دو طواف رکن نہیں اور وقت کی تنگی کی وجہ سے کوئی شخص مکہ نہ پہنچ سکے اور سیدھا عرفات کو آجائے تو اس کا حج ہو جائے گا۔ منیٰ میں کپڑے بدلنے کے بعد مکہ شریف جلدی پہنچ کر بدستور سابق طواف افاضہ کریں مگر اس میں اضطباع تو ہوتا نہیں اور رمل کی بھی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر طواف قدوم میں رمل نہ کیا ہو تو طواف افاضہ میں رمل کریں۔ اس کے بعد مقام ابراہیم میں بدستور سابق دو رکعت پڑھیں۔ پھر زمزم کا پانی پئیں پانی پینے کے وقت جس قسم کی آپ نیت کریں خدا پوری کرے گا۔ کسی بیماری سے شفاء کی یا علم وغیرہ کی، اس کے بعد صفا مروہ کے درمیان بدستور سابق طواف کریں۔ مگر اس طواف کی ضرورت دو صورتوں میں ہے۔ ایک یہ کہ میقات پر پہنچ کر صرف حج کا احرام باندھا ہو اور مکہ میں آکر طواف بیت اللہ اور طواف صفا مروہ کر کے حلال ہو گئے ہوں۔ اور آٹھویں ذی الحجہ کو حج کے لئے نئے سرے سے احرام باندھا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ طواف قدوم کے بعد صفا مروہ

کا طواف نہ کیا ہو۔

جمرے مارنا طواف افاضہ سے فارغ ہو کر اسی روز منیٰ کو لوٹ جائیں اور وہاں تین دن گذاریں تینوں روز آفتاب ڈھلے تینوں جمروں کو سات سات کنکر ماریں اور ہر کنکر کے ساتھ اللہ اکبر کہیں پہلے جمرہ اولیٰ کو جو مسجد خیف کے قریب ہے اس کی جانب جنوب یا جانب مشرق میں کھڑے ہو کر ماریں پھر جانب شمال سے ہو کر قبلہ کی طرف جمرے سے ذرا سا آگے بڑھیں اور قبلہ رخ ہو کر دعا کریں دعا کی معین نہیں جو چاہیں کریں۔ پھر جمرہ وسطیٰ کو ماریں جو جمرہ اولیٰ کے قریب ہے۔ مارنے کے وقت اس کے جانب جنوب مغرب میں کھڑے ہوں پھر قبلہ کی طرف آگے بڑھ کر قبلہ رخ ہو کر دعا کریں۔ پھر جمرہ عقبہ کو ماریں جیسے عید کے دن مارا تھا اور اس کے پاس دعا نہ کریں۔ تین روز گیارھویں بارھویں تیرھویں اسی طرح ماریں اگر بارھویں کو مار کر واپس آنا چاہیں تو بھی اجازت ہے اگر ہو سکے تو مکہ کو واپس آتے وقت مقام محصب میں رات گذاریں جو منیٰ سے مکہ جاتے ہوئے مکہ کے قریب پہنچ کر بائیں طرف پڑتا ہے۔ اس کے گرد چھوٹی چھوٹی دیوار ہے اور برلب سڑک ایک عالیشان عمارت ہے اور وہاں دو کنوئیں ہیں ایک دیوار کے اندر جو بے آباد ہے دوسرا باہر جو آباد ہے اس کے ساتھ آخور (کھرلی) کی شکل کا چھوٹا سا حوض اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے بنا ہوا ہے اس پر ان دنوں میں پانی نکالنے کی خاطر بادشاہ کی طرف سے مشین لگ جاتی ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو رخصت ہونے کے وقت ٹھیرتے تھے۔ بس اب حاجی کا حج پورا ہو گیا۔ اب صرف وطن جانے کے وقت طواف وداع کرنا باقی ہے۔

تمتع۔ قران۔ افراد میقات پر پہنچ کر اگر صرف عمرہ کا احرام باندھیں۔ اور مکہ میں پہنچ کر بیت اللہ اور صفا مروہ کے طواف کے بعد احرام کھول دیں اور آٹھویں تاریخ کو نئے سرے سے حج کا احرام باندھیں تو اس کو حج تمتع کہتے ہیں۔ اور اگر میقات پر پہنچ کر صرف حج کا احرام باندھیں اور عید کے دن کھولیں تو اس کو حج قران کہتے ہیں حج قران میں اور تمتع میں قربانی ضروری ہے۔ افراد میں ضروری نہیں۔

اس میں اختلاف ہے کہ ان تینوں سے کونسا بہتر ہے۔ شافعیہ کے نزدیک افراد بہتر ہے بشرطیکہ حج سے فارغ ہو کر ذی الحجہ میں عمرہ کرے۔ حنفیہ کے نزدیک قران افضل

ہے۔ بعض اہلحدیث تمتع کو افضل کہتے ہیں۔ ہماری تحقیق اس میں یہ ہے کہ قران اور تمتع افراد سے افضل ہے۔ اور اگر قربانی احرام باندھ کر ساتھ لائے تو قران تمتع سے افضل ہے اور اگر قربانی ساتھ نہ لائے تو پھر قران اور تمتع میں کچھ ایسا فرق نہیں ہے ہاں کسی قدر ہمارا میلان قران کی طرف ہے۔

عمرہ عمرہ صرف دو کاموں کا نام ہے یعنی طواف بیت اللہ اور طواف صفا مروہ۔ طواف بیت اللہ کے ساتھ مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز بھی ہے۔ تمتع والے کا عمرہ تو الگ ادا ہوگیا اور قران والے کا حج کے ساتھ ادا ہوگیا۔ افراد والا اگر عمرہ کرنا چاہے تو حج سے فارغ ہوکر کر سکتا ہے۔ اگر حج کے مہینوں سے پہلے اس سال میں یا گزشتہ سالوں میں حج کے ساتھ یا حج سے الگ اس نے عمرہ نہیں کیا تو اس سال حج سے فارغ ہوکر عمرہ ضرور کرے کیونکہ یہ بھی ایک ضروری شے ہے اگرچہ حج سے اس کا درجہ کم ہے لیکن بہت سے علماء اس کے وجوب کی طرف گئے ہیں اس لئے اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔

زیارت مدینہ منورہ مدینہ منورہ کو زیارت مسجد نبوی کی نیت سے جانا چاہیے۔ مسجد نبوی میں ایک نماز ۵۰ ہزار نماز کا ثواب رکھتی ہے۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ جو مسجد نبوی میں ۴۰ نمازیں پڑھے وہ آگ۔ عذاب۔ نفاق سے بری ہو جاتا ہے۔

پہلے مسجد نبوی میں داخل ہوکر تحیۃ المسجد دو رکعت پڑھیں پھر روضہ شریف کے پاس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین پر درود سلام پڑھیں اور قبرستان مدینہ جس کا نام بقیع ہے اور شہداء احد وغیرہ کی زیارت کریں ان کے حق میں وہی دعا کریں جو قبروں کی زیارت کے لئے آئی ہے اور مدینہ میں کئی ایک اور مسجدیں مشہور ہیں مگر ان میں نماز کا ذکر نہیں آیا صرف مسجد قبا کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ اس میں دو رکعت پڑھنا عمرہ کا ثواب رکھتا ہے جو مدینہ سے ڈھائی میل کے فاصلہ پر ہے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جایا کرتے تھے۔

قبولیت دعا کے خاص مقامات مکہ مکرمہ میں مندرجہ ذیل مقامات میں خصوصیت سے دعا قبول ہوتی ہے۔

(۱) طواف بیت اللہ میں (۲) ملتزم کے پاس (کعبہ کی دیوار کا وہ حصہ ہے

جو رکن حجر اسود اور بیت اللہ کے دروازے کے درمیان ہے (۳) بیت اللہ کے پرنالے کے نیچے (۴) بیت اللہ کے اندر (۵) زمزم کے پاس (پانی پینے کے وقت) (۶) صفا پر جب سعی کرنے لگیں۔ (۷) مروہ پر جب سعی کرنے لگیں (۸) طواف صفا مروہ میں (۹) مقام ابراہیم پر طواف بیت اللہ کی دو رکعت پڑھنے کے وقت (۱۰) عرفات میں (۱۱) مزدلفہ میں (۱۲) منیٰ میں (۱۳) جمروں کے پاس ازجز جمرہ عقبہ)۔
(ایضاح للنووی بحوالہ رسالہ حسن بصری)

واپسی کی دعا اپنے شہر یا گاؤں میں واپس آنے کے وقت یہ دعا پڑھیں:۔
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لئے حمد ہے وہ ہر شے پر قادر ہے۔ ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے توبہ کرنے والے ہیں۔ اسی کے لئے عبادت اور سجدہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو سچا کر دیا۔ اور اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اس اکیلے لشکروں کو شکست دی۔

مسئلہ۔ اپنے شہر یا گاؤں میں پہنچ کر مکان میں جانے سے پہلے قریب کی مسجد میں دو رکعت نفل پڑھیں۔

نوٹ:۔ حاجی چونکہ اللہ کی طرف سے مغفور ہوتا ہے اس لئے اس کی دعا مقبول ہوتی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس سے ملاقات کریں اور دعا کرائیں۔ خدا تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق بخشے کہ وہ زیارت حرمین الشریفین سے مشرف ہو کر اپنے گناہوں اور خطاؤں کو بخشوائیں۔ واللہ الموفق للصواب والیہ المرجع والمآب۔

تنبیہ۔ حج کے تمام مناسک و احکام عرض کر دیئے گئے ہیں۔ حجاج کرام کو چاہیے کہ ان کے مطابق فریضہ حج ادا کریں۔ کیونکہ یہ مبارک سفر بار بار میسر نہیں آتا۔ اس لئے موافق سنت ادا کرنا چاہیے۔ نیز حاجی کو چاہیئے کہ وہ یہ سمجھے کہ میں مکہ مکرمہ میں تجدید توبہ کر چکا ہوں اس کو کبھی نہ توڑوں گا۔ صبح و شام استقامت و اطاعت و خاتمہ بالایمان کی دعا مانگتے رہیں۔ صغائر و کبائر تمام گناہوں سے کلی پرہیز کریں۔ بد عادات اور بری

خصلت کو چھوڑ دیں۔ والتوفیق بید اللہ۔ عبداللہ امرتسری

(تنظیم اہلحدیث روپڑ ۱۵/۲۲ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

سوال: ہمارے ایک صاحب حج کی نیت رکھتے تھے اب وہ انتقال کر گئے ہیں۔ مرحوم کی طرف سے ان کے بھائی حج بدل کرانا چاہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ حج بدل کے لئے کیا یہ لازم ہے کہ ایسا ہی شخص ہو جس نے پہلے اپنے مصارف سے حج کیا ہو یا نہ۔

جواب: بعض علماء کا خیال حدیث نبوی کے خلاف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج بدل والے کو فرمایا تھا حج عن نفسک ثم حج عن شبرمة رواہ ابوداؤد وابن ماجة وصححه ابن حبان والراجح عند احمد وقفه (بلوغ المرام) اوّل تو ابوداؤد وابن ماجہ میں مرفوع بھی ہے دوم اگر بالفرض موقوف بھی ہو تو قول صحابی بعض علماء کے خیال سے راجح ہے پس مقدم حج نائب راجح ہے۔ ابوسعید شرف الدین دہلوی

حج کی ایک قسم حج بدل بھی ہے جو کسی معذور یا متوفی کی طرف سے نیابۃً کیا جاتا ہے اس کی نیت کرتے وقت لبیک کے ساتھ جس کی طرف سے حج کے لئے آیا ہے اس کا نام لینا چاہیئے مثلاً ایک شخص زید کی طرف سے حج کے لئے گیا تو وہ یوں پکارے لبیک عن زید نیابۃً کسی معذور زندے کی طرف سے حج کرنا جائز ہے۔ اسی طرح کسی مرے ہوئے کی طرف سے بھی حج بدل کرایا جا سکتا ہے۔ ایک صحابی نے نبی صلعم سے عرض کیا تھا کہ میرا باپ بہت ہی بوڑھا ہو گیا ہے وہ سواری پر بھی چلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ اجازت دیں تو میں اس کی طرف سے حج ادا کر لوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں کر لو (ابن ماجہ) مگر اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس شخص سے حج بدل کرایا جائے وہ پہلے خود اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہے۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لبیک عن شبرمة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من شبرمة قال قریب لی قال ھل حججت قط قال لا قال فاجعل ھذہ عن نفسک ثم حج عن شبرمة (رواہ ابن ماجہ) یعنی ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا کہ وہ لبیک پکارتے وقت کسی شخص شبرمہ نامی کی طرف سے لبیک پکار رہا ہے آپ نے دریافت کیا کہ بھئی یہ شبرمہ کون ہے اس نے کہا شبرمہ

میرا ایک قریبی ہے۔ آپ نے پوچھا تو نے اپنا حج ادا کیا ہے اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا "اپنے نفس کی طرف سے حج ادا کر پھر شبرمہ کی طرف سے کرنا" اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حج بدل وہی کر سکتا ہے جو پہلے اپنا حج کر چکا ہو۔ بہت سے ائمہ اور امام شافعی و امام احمد کا یہی مذہب ہے۔ لمعات میں ملا علی قاری مرحوم لکھتے ہیں الامر یدل بظاہرہ علی ان النیابۃ انما یجوز بعد اداء فرض الحج والیہ ذھب جماعۃ من الائمۃ والشافعی واحمد۔ یعنی امر نبوی بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نیابت اسی کے لئے جائز ہے جو اپنا فرض حج ادا کر چکا ہو۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مایۂ ناز کتاب نیل الاوطار میں یہ باب منعقد کیا ہے بَابُ مَنْ حَجَّ عَنْ غَيْرِهٖ وَلَمْ يَكُنْ حَجَّ عَنْ نَفْسِهٖ یعنی جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا وہ غیر کا حج بدل کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس پر آپ حدیث بالا شبرمہ والی لائے ہیں اور اس پر یہ فیصلہ دیا ہے وَلَيْسَ فِي هٰذَا الْبَابِ اَصَحُّ مِنْهُ یعنی حدیث شبرمہ سے زیادہ اس باب میں اور کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہوئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں وظاہر الحدیث انہ لا یجوز لمن یحج عن نفسہ ان یحج عن غیرہ وسواء کان مستطیعا او غیر مستطیع لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یستفصل ھذا الرجل الَّذِیْ سَمِعَهٗ يُلَبِّیْ عَنْ شُبْرُمَةَ وھو ینزل منزلۃ العموم والی ذلک ذھب الشافعی والناصر (جزء رابع نیل الاوطار ص۱۷۳) یعنی اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کی طرف سے پہلے حج نہ کیا ہو وہ حج بدل کسی دوسرے کی طرف سے نہیں کر سکتا خواہ وہ اپنا حج کرنے کی طاقت رکھنے والا ہو یا طاقت نہ رکھنے والا اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کو شبرمہ کی طرف سے لبیک پکارتے ہوئے سنا تھا اس سے آپ نے یہ تفصیل نہیں دریافت کی۔ پس یہ بمنزلہ عموم ہے اور امام شافعی و ناصر کا یہی مذہب ہے۔

پس حج بدل کرنے اور کرانے والوں کو سوچ سمجھ لینا چاہیئے۔ امر ضروری یہی ہے کہ حج بدل کے لئے ایسے آدمی کو تلاش کیا جائے جو اپنا حج ادا کر چکا ہو تاکہ بلاشک و شبہ ادائیگی فریضہ حج ہو سکے۔ اگر کسی بغیر حج کئے ہوئے کو بھیج دیا تو حدیث بالا کے خلاف ہوگا نیز حج کی قبولیت اور ادائیگی میں پورا پورا تردد بھی باقی رہے گا۔ عقلمند ایسا کام کیوں

کرے جس میں کافی روپیہ خرچ ہو اور قیمت میں تردد و شک و شبہ ہاتھ آوے ع
چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی حنفی اپنی کتاب زیارۃ الحرمین میں صفحہ ۶۸ پر تحریر فرماتے ہیں "بہتر یہ ہے کہ حج بدل اس شخص سے کرائے جو دیندار اور مسائل سے واقف ہو کہ عوام پر مسائل سے ناواقفیت کے سبب تاوان واجب ہو جاتا ہے اور حج بدل ادا نہیں ہوتا۔ اور پہلے اپنا حج کر چکا ہو کہ جس نے اپنا حج نہیں کیا اگرچہ صحیح روایت (اشارہ روایت فقہی مراد ہے) کے موافق وہ حج بدل کر سکتا ہے (یہ مولانا نے اپنے مسلک کے مطابق تحریر فرمایا ہے) اور اس پر اس سفر سے اپنا حج بھی فرض نہ ہوگا مگر اختلاف سے بچنا افضل ہے"۔ پس ایک مسلمہ حنفی عالم کے فتوے کے مطابق بھی حج بدل اسی شخص سے کرانا بہتر ہے جو پہلے اپنا حج ادا کر چکا ہو واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ محمد داؤد راز۔ (حج بیت اللہ شریف ص ۳۴۱)

سوال: جو مسلمان مالدار صاحب نصاب اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے اور طاقت کے باوجود حج بیت اللہ کو نہ جاوے تو کیا وہ مرے دم یہودی یا نصرانی ہو کر مرے گا؟

(عبد الرؤف)

جواب: حدیث شریف میں یوں آیا ہے جو شخص باوجود فرض ہونے وسعت رکھنے اور مانع نہ ہونے کے حج نہ کرے وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا عیسائی۔ یہ خبر نہیں کہ وہ یہودی یا عیسائی ہو کر مرے گا۔ بلکہ ایک قسم کی ناراضگی ہے۔ زکوٰۃ نہ دینے کا گناہ علاوہ ہے جس کی بابت قرآن مجید فیصلہ کر رہا ہے یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ الآیۃ یعنی جو لوگ مال جمع کرتے ہیں اور زکوٰۃ نہیں دیتے، ان کا مال تپا کر ان کو داغ دیا جاوے گا۔ (اہلحدیث ۱۹ شوال ۱۳۴۷ھ)

سوال: غریب لڑکے کا اپنا باپ سے روپیہ لے کر حج کو جانا جائز ہے یا نہیں اور حج کا ثواب کس کو ملے گا باپ کو یا بیٹے کو؟

جواب: باپ بیٹے دونوں کو ثواب ملے گا۔ باپ کو روپیہ دینے کا۔ بیٹے کو حج کرنے کا۔ (۱۴ رجب ۱۳۳۱ھ)

سوال: اگر ایک شخص پر حج فرض تھا اس نے ادا نہ کیا اور مر گیا تو اس کے لئے حج بدل

کرانا ضروری ہے؟۔

جواب: حدیث میں آیا ہے ایک سائل کے سوال کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو قرض کے ساتھ تشبیہہ دے کر مردے کی طرف سے ادا کرنے کا حکم فرمایا تھا۔
(۳ ذی الحجہ ۳۲ھ)

سوال: عورتوں پر حج فرض کس حالت میں ہے؟

جواب: جس حالت میں مردوں پر فرض ہے۔ مزید یہ ہے کہ عورت کے ساتھ کوئی محرم بھی ہونا چاہیئے۔ (۳ ذی الحجہ ۳۲ھ)

سوال: اکثر لکھا ہوا دیکھا ہے کہ فلاں کام کرنے سے سو حج یا سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے تو اس کام کے کرنے سے آدمی حج سے بچ سکتا ہے اور ۹۹ حج کا ثواب دوسروں کو بخش سکتا ہے۔

جواب: اس قسم کی روایات جو صحیح ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ ثواب اتنا ملے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ فریضہ حج اس سے ساقط ہو جائے گا جیسے ایک روایت میں ہے سورہ قل ہو اللہ ثلث قرآن پڑھنے کے برابر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ تلاوت قرآن کی ضرورت نہیں قائم مقامی اور چیز ہے اور اصل چیز اور۔ (۳ ذی الحجہ ۳۲ھ)

سوال: زید عرصہ سے کامل استطاعت رکھتے ہوئے بغیر کسی عذر شرعی کے محض طلب دنیا کے پیچھے لگ کر فرض حج سے محروم رہ کر انتقال کر گیا اس کے ورثاء اگر حج بدل کرائیں تو زید کے ذمہ حج کا فرض ساقط ہوگا یا نہیں؟

جواب: حج بدل حدیثوں میں آیا ہے ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے سواری پہ بیٹھ نہیں سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کروں آنحضرت نے اسے اجازت دی۔ (۲۵ محرم ۴۲ھ)

سوال: حج کی کامل استطاعت رکھتے ہوئے حج نہ کرنے والے کے لیے جو وعید احادیث شریف میں وارد ہوئی ہیں اس کی کیا صورت ہے؟

جواب: احادیث میں یوں آیا ہے کہ جو کوئی حج کی طاقت رکھے اور نہ کرے اس کے حق میں برابر ہے کہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی مگر اس مضمون کی حدیث صحیح نہیں۔
(مشکوٰۃ باب المناسک ۲۵ محرم ۴۲ھ)

ثم فیہ: لیکن اس اثر سے قوت ہوتی ہے۔ عن عمرؓ عند سعید بن منصور و البیھقی فی سننھما باسناد صحیح قال لقد ھممت ان ابعث رجالا الی ھذہ الامصار فینظروا کل من کان لہ جدۃ ولم یحج فیضربوا علیھم الجزیۃ ماھم بمسلمین انتھی۔ (تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث مشکوٰۃ ج ۲ ص ۱۱۵)

(ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ہندوستان کے فوت شدہ وطنی کی طرف سے حج بدل مقیم مکہ سے کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: حج بدل میں وطنی ہونے کی شرط نہیں ہندی کی طرف سے عربی حج بدل کر سکتا ہے بشرطیکہ حج بدل کرنیوالا اپنا حج کر چکا ہو (مشکوٰۃ باب المناسک فصل دوم حدیث ابن عباس متعلقہ شبرمہ) (۲۵ محرم ۱۳۴۳ھ)

سوال: حج بدل کے لیے احسن طریقہ کیا ہے؟

جواب: طریقہ یہی ہے کہ بدل کرنے والا اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکا ہو اور احرام کے بعد لبیک عن فلاں کہے یعنی اس شخص کا نام لے جس کی طرف سے گیا ہے وغیرہ۔

(۲۵ محرم ۱۳۴۳ھ)

سوال: متعہ بالحج کیا ہے؟

جواب: متعہ بالحج اس کو کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں داخل ہو کر عمرہ کر کے احرام ختم کر دے پھر آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو حج کے لیے احرام باندھے۔ (۵ جمادی الاول ۱۳۴۲ھ)

سوال: زید اپنے کم عمر لڑکے کو برائے حج اپنے ہمراہ لے گیا تھا۔ ہنوز وہ لڑکا نابالغ تھا۔ اس کا حج فرض ادا ہوا یا نہیں اب وہ لڑکا جوان ہو گیا مالدار بھی ہے دوبارہ حج فرض ادا کرے یا نہیں؟

جواب: نابالغ پر حج فرض نہیں قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حج مستطیع (صاحب طاقت) پر فرض ہے مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ اس لئے نابالغ کے حج سے مفروضہ حج ادا نہیں ہو گا۔ واللہ اعلم　　(۲۲ جون ۱۹۲۳ء)

تعاقب بر فتویٰ ۲۲ جون ۱۹۲۳ء

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت ایک لڑکے کے متعلق دریافت کرتی ہے

هل لهذا حج قال نعم ولك اجر۔ اگر بقول آپ کے اور آیت شریفہ کے اس حج سے مفروضہ حج نہیں تھا تو پھر نقل کیسی؟　(محمد یحییٰ موضع کا بیکا پور رنگپوری)

جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حج کا ثواب ہوگا جیسے نفل نماز کا اس سے ہمیں بھی انکار نہیں انکار اس سے ہے کہ بعد حج بالغ متمول ہو جائے تو حج اس پر فرض رہے گا۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔　(۴ اگست ۳۳ء)

سوال: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اگر کوئی لڑکا دس برس کی عمر میں نماز نہ پڑھے تو اس کو مارنے کا حکم ہے ایسا ہی اگر کوئی لڑکا دس برس کی عمر کا (جو صاحب مال ہے) عمداً حج کو ترک کرے تو اس کو کیا کریں۔　(محمد یحییٰ مذکور)

جواب: نماز نہ پڑھنے پر مارنے کا حکم آیا ہے۔ حج کے متعلق یہ نہیں آیا اس لیے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ دس سال کے بچے کو حج نہ کرنے پر مارنا چاہیے۔ بحالیکہ حج نہ کرنے پر بڑے کو بھی مارنے کا حکم نہیں ہے۔ اللہ اعلم　(۴ اگست ۱۹۳۳ء)

سوال: پچاس سالہ بڑھیا اپنے باون سالہ بوڑھے دیور کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں

جواب: پچاس برس کی بڑھیا اپنے باون سالہ بوڑھے دیور کے ساتھ حج کے واسطے نہیں جاسکتی ہے۔　(۱۲ مئی ۱۹۳۳ء)

تعاقب: اس پر عرض یہ ہے کہ سورہ نور میں أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ کو خاص کر دیا ہے کہ بوڑھے مردوں سے پردہ نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس بوڑھے مرد و عورت جن کی قوت جماع ختم ہو چکی ہے آپس میں حج کو چلے جائیں تو کیا عذر ہے۔ فی زمانہ پچاس برس کی عورتیں بالکل کمزور اور بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ بوڑھے مرد کے ساتھ غیر محرم عورتیں بے پردہ نہیں جاسکتیں۔ اللہ تعالیٰ کی کلام تو اجازت دیتی ہے کہ بوڑھے سے کوئی پردہ نہیں ہے مگر آپ پردہ کی قید فرماتے ہیں اور مستفتی نے تصریح کر دی ہے کہ بوڑھا مرد جاسکتا ہے یا نہیں؟ آیت کی رو سے بوڑھے مرد کو اجازت ہے۔

(خاکسار عبد الرحمن فرید کوٹی از سکندر آباد دکن)

جواب: قرآن مجید میں لفظ "غیر اولی الاربۃ" آیا ہے جو کسی خاص عمر سے تعلق نہیں رکھتا نہ عمر کا فیصلہ ہم کر سکتے ہیں بعض دفعہ ساٹھ ستر برس بلکہ اسی سالہ بوڑھوں کو شادی کے بعد صاحب اولاد ہوتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ اس لئے فتویٰ صحیح ہے اور تعاقب غلط۔　(۲۲ جون ۱۹۳۳ء)

سوال: ایک شخص کو روزانہ بلاناغہ احتلام ہوتا ہے وہ حج کر سکتا ہے یا نہیں۔ حالت احرام میں اسے شرعاً کیا کرنا چاہیئے۔

جواب: کثرت احتلام کا عارضہ حیض کے حکم میں ہے اس لئے حضرت عائشہ کی حدیث کے مطابق حاجی عمل کر سکتا ہے۔ حرم میں جانے کے وقت نہا لے۔ (۵ نومبر ۳۶ء)

سوال: حاجی کو رخصت کرتے وقت انبوہ در انبوہ اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے جاتے ہیں اور یہی حالت استقبال کے وقت ہوتی ہے کیا یہ نمائش شرعاً جائز ہے۔

جواب: حدیث میں آیا ہے کہ بعض دفعہ خوشی کے موقع پر صحابہؓ تکبیر پڑھا کرتے تھے حج کو جانا۔ واپس آنا مقام مسرت ہے اس لئے تکبیر پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم

(۵ نومبر ۱۹۳۷ء)

سوال: زید حج بدل پر جا رہا ہے اس خیال سے کہ میرے بھائی کا حج ادا ہو جاوے گا اور مجھ کو بھی حج کا ثواب ہوگا۔ عمر کہتا ہے کہ زید کو صرف اپنے بھائی سے ہمدردی کا ثواب ہوگا حج کا نہیں مدلل جواب دیں۔

جواب: زید کو حج کی ترغیب دینے اور ہمدردی کا ثواب ملے گا وسعت ہونے پر حج فرض ہوگا۔ حج اسی کا ہے جس نے حج بدل کرایا ہے۔ اللہ اعلم۔ (۲۸۔ جنوری ۳۸ء)

سوال: میرا ایک لڑکا حج کو جانا چاہتا ہے جس پر شرعاً حج فرض ہو چکا ہے اسے ذیابیطس کی بیماری ہے اور صحت کی حالت اچھی نہیں میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو اس سال حج بدل کے لئے بھیجدوں۔ یہ حج بدل میرے لڑکے کے لئے کامل ثواب کا باعث ہوگا یا نہیں؟ (خدا بخش از چنیوٹ)

جواب: معذور اپنی طرف سے حج بدل کسی اور کو کرا سکتا ہے مگر حج بدل کو جانے والا اپنا حج فریضہ ادا کر چکا ہو۔ واللہ اعلم۔ (۹ دسمبر ۳۶ء)

تشریح۔ ذیابیطس حج سے مانع نہیں جیسے نماز سے مانع نہیں۔ لہٰذا خود ہی حج کرے جیسے نماز خود پڑھتا ہے وہ مثل استحاضہ کے معذور ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: دو یا تین شخص حج کرنے کی نیت رکھتے ہیں لیکن اتنا سرمایہ نہیں کہ وہ حج کو جا سکیں حج جانے کی صورت کا یہ مشورہ کیا ہے کہ ہر شخص کسی امانت دار یا کسی محفوظ جگہ پر ہر ماہ برابر کا روپیہ جمع کرتے جائیں جب ایک شخص کے حج کے خرچ کا روپیہ جمع ہو جائے

تو قرعہ ڈال کر جس کا نام نکلے وہ سب کا روپیہ جمع کیا ہوا لے کر حج کو چلا جائے۔ پھر اسی طرح سب روپیہ جمع کرتے چلے جائیں۔ اس طرح جائز ہو گا یا نہ؟ (محمد حسین شاہ جہاں پور)

جواب: یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ اس عرصہ میں مرجانے والا اپنی واجبی شرکت کے لیے وصیت کر جائے یا مال اتنا چھوڑ جائے جو مبعہ قرض ادا کیا جائے اور اگر آپس میں ایک دوسرے کو معافی کا وعدہ ہے تو وہ وعدہ معتبر رہے گا۔ اللہ اعلم۔ (۱۰ فروری ۳۹ء)

سوال: مذہبی فلم مثلاً حج مکہ شریف جب تیار ہوئی تو کیا اس میں کوئی بات باعث توہین مذہب ہوتی ہو گی اگر مسلمان یہ فلم دیکھیں یا اس میں اعانت کریں تو کیا حکم ہے؟

جواب: فلم حج مذہب کے خلاف ہے کیونکہ تصویروں کا رواج دینا خلاف شرع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصوروں کو بہت برا کہا ہے ہر مسلمان کو ایسی لغویات سے محترز رہنا چاہیے قال اللہ تعالیٰ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (۲ جون ۳۶ء)

سوال: حجر اسود کا بوسہ بعض حنفی شرک وناجائز کہتے ہیں جب کہ ان لوگوں کو پیر کے مزار پر جانے کے لئے منع کیا جاتا ہے۔ حضورؐ نے کس خیال سے بوسہ دیا تھا اور امت کس خیال سے دیتی ہے۔ (سائل مذکور)

جواب: حجر اسود ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بوسہ دیا مگر نفع و نقصان کے خیال سے نہیں۔ حضرت عمرؓ نے بوسہ دیتے وقت صاف الفاظ میں کہا تھا اِنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ تو ایک پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ بزرگوں کے مزار کو بوسہ دینا شریعت میں ثابت نہیں علاوہ اس کے بوسہ دینے والے نفع نقصان کا خیال بھی رکھتے ہیں لہٰذا یہ شرک ہے۔

(اہلحدیث جلد ۴۸ نمبر ۱۹)

تشریح: حجر اسود ایک تاریخی پتھر ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل کے مبارک اجسام سے مس ہونے کا شرف حاصل ہے یہ پتھر کعبہ مقدس کے ایک کونہ میں نصب ہے اسی جگہ سے طواف شروع کیا جاتا ہے اور یہاں پر ہی آکر ایک چکر پورا ہوتا ہے۔ اس

لہ حج کا فلم بنانا بنوانا دیکھنا دکھلانا مسلمانوں کے لئے حرام ہے (ملخص) المعلن سعید احمد لکھنوی مفتی تکمیل العلوم سہارنپور (نور توحید لکھنو بج ا ۲۷ نا ۱۰ اضذ ۵)

موقع پر اس کو چوما یا ہاتھ لگایا جاتا ہے۔ تاکہ طوافوں کے گننے میں آسانی ہو اور تاریخی پتھر کی عظمت کا احترام بھی ہو سکے عہد ابراہیمی میں عہد و پیمان عام لینے کے لیے ایک پتھر رکھ دیا جاتا تھا جس پر لوگ آ آ کر ہاتھ رکھتے۔ اس کے یہ معنے ہوئے کہ جس عہد کے لیے وہ پتھر رکھا گیا ہے۔ اس کو امتوں نے تسلیم کر لیا۔ اسی دستور کے مطابق حضرت خلیل ؑ نے اپنی مقتدی قوموں کے لیے یہ پتھر نصب کیا۔ جو کوئی اس گھر میں جس کی بنیاد خدائے واحد کی عبادت کے لیے رکھی گئی ہے داخل ہو اس پتھر پر ہاتھ رکھے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے توحید کا عہد مضبوط کر لیا وہ موحد ہو کر رہے گا اگر جان بھی دینی پڑے اس سے منحرف نہ ہوگا۔ الی آخرہ۔

(از حضرت مولانا عبدالسلام محدث بستوی صدر مدرس ریاض العلوم دہلی)

یہ ایک پتھر ہے اور یادگاری پتھر خود اس میں نہ طاقت ہے اور نہ معجزہ مگر ایک مشتاق زیارت اس تخیل کیساتھ کہ مکہ کا ہر ذرہ بدل گیا کعبہ کی ایک ایک اینٹ بدل گئی مگر یہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم ؑ و اسمٰعیل ؑ سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک کے مقدس لب یا مبارک ہاتھ یقیناً لگ چکے ہیں اور آج ہمارے ناپاک لب اور ہاتھ بھی اس کو مس کر رہے ہیں۔ یہ وہ تخیل ہے جس سے ہر طواف کرنیوالے کی روح مضطرب ہو جاتی ہے سینہ جذبات محبت سے سرشار ہو جاتا ہے یہ بوسہ تعظیم کا بوسہ نہیں ہے بلکہ اس محبت کا نتیجہ ہے جو اس یادگار کے ساتھ ابراہیم ؑ و اسمعیل ؑ کی روحانی اولاد کو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی بوسہ نہ دے تو یا اشارہ نہ کرے تو حج میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ (از حضرت مولانا نور الدین بہاری اہلحدیث سوپر دہ تیر ہٹ بہار)

سوال: غیر مسلم کہتے ہیں کہ مسلمان بھی غیر مسلموں کی طرح بُت پرستی کر رہے ہیں مثلاً بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے عبادت کرنی۔ یا حجر اسود کو بوسہ دینا۔

ہم لوگوں نے ان کو جواب دیا "لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ" یا "وَلِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا" یا حجر اسود کو ہم نفع اور نقصان کا مالک نہیں سمجھتے صرف اپنے نبی کی پیروی کرتے ہیں اس پر وہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم بھی اپنے بزرگوں کی پیروی کرتے ہیں گویا ہم بھی ان کو نفع نقصان کا مالک نہیں سمجھتے۔ (اللہ دتا خریدار نمبر ۱۹۸۱)

جواب: مسئلے کی تحقیق کے لیے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ مسلمان کعبہ اور حجر اسود کی طرف منہ کر کے کیا کہتے اور کیا پڑھتے ہیں۔ بت پرست اپنی حاجات اور مرادیں تمنا ان بتوں سے کرتے ہیں۔ اور مسلمان کہتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ خدا کے نام

کی پاکی بیان کرتے ہیں پس ان دونوں میں فرق نمایاں ہے اگر مسلمان بھی کعبہ اور حجر اسود کی عبادت کرتے تو ساری نماز میں کوئی لفظ تو کعبہ کو مخاطب کر کے کہتے۔ اے کعبے تو ہماری مدد کر، حالانکہ بت پرست بتوں سے پرارتھنا اور عجز و نیاز کرتے ہیں۔

(یکم شعبان ۱۳۴۵ھ)

سوال: زید نے حج کے ارادے سے سرمایہ جمع کیا۔ حج نہ کرنے پایا کہ مرض الموت میں مبتلا ہو کر حج بدل کی وصیت کی۔ زید کا ایک قریبی رشتہ دار زید کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہے اور ایک شخص متقی پرہیزگار زید کا ہم عقیدہ اس کے لئے تیار ہے۔ زید نے کسی کا نام لے کر حج بدل کرنے کی وصیت نہیں کی بلکہ اپنے ایک دوست کو مالیت سپرد کر کے حج بدل کی وصیت کی ہے تو حج بدل کے لئے کس کو ترجیح دی جائے یا جس کے حق میں وصیت کی ہے اس کو اختیار ہے کہ جس کو مناسب سمجھے اس کو حج بدل کا زاد راہ دے کر روانہ کر دیوے اور کیا اس کی ضرورت ہے کہ حج بدل کرنیوالا پہلے اپنا فرض حج ادا کر چکا ہو۔ (سائل حاجی محمد سردار خان محمد خان از منڈلیسر سی پی)

جواب: انتخاب کرنا تو بیشک موصی الیہ کا حق ہے مگر موصی الیہ کو چاہیے کہ نیک بخت آدمی کو منتخب کرے۔ کیونکہ متقی کا عمل قبول ہونے کا وعدہ ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ حج بدل کرنے والے پر اگر اپنی حیثیت میں حج فرض ہو چکا ہے تو پہلے اسے اپنا ادا کر لینا چاہیئے۔ (۱۹ ذیقعدہ ۴۳ھ)

سوال: ایک شخص نے اپنی منکوحہ عورت جوان کو غیر محرم مرد مجرد جوان کے ساتھ حج کرنے کو بھیجا ہے اس عورت اور اس کے خاوند اور اس غیر محرم مرد تینوں کو کہا گیا تھا کہ غیر محرم عورت کا غیر محرم مرد کے ساتھ حج کرنے کو سفر کرنا ناجائز ہے اور علمائے دین کا فتویٰ ہے کہ محرم کے ساتھ ہونے کے سوا عورت حج کو نہ جائے۔ ان تینوں نے انکار کر دیا کہ ہم علمائے دین کا حکم نہیں مانتے اپنی مرضی کریں گے اور کرلی اب آپ فرمائیں کہ ان دونوں کا حج جائز ہو گا یا ناجائز اور اس کے خاوند کو کیا ثواب ہو گا کہ جس نے عیدین کی نمازوں کے سوا فرض نمازیں اور روزے کبھی ادا نہیں کئے۔ اور جس نے غیر محرم مرد کے ساتھ عورت حج کرنے کو بھیج دی۔ حالانکہ یہ خاوند اس کا اور وہ عورت دونوں مفلس ہیں۔ اس عورت پر حج فرض ہی نہ تھا جو ساتھ لے گیا ہے اس نے اس عورت کا خرچ

وغیرہ اپنی گرہ سے خرچ کرنا ہے اور سنا گیا ہے کہ راستے میں اور دربار خداوندی میں محرم ہی جھوٹ بول کر بتائیں گے (۱) اور آپ یہ بھی فرمائیں کہ جب وہ حج کر کے آدیں تو ان کی تعظیم و تکریم حاجی سمجھ کر بجالانی ضروری ہے یا نہیں؟ (۲) غیر محرم مرد جو اپنی گرہ سے حج کو لے گیا ہے اس کو حج کرانے کا اجر ملے گا یا نہیں اور اپنا بھی اس کا حج جائز ہے یا ناجائز (۳) غیر محرم مرد کے ساتھ جو عورت حج کو گئی ہے اس کا حج جائز ہوگا یا نہیں؟ (۴) اس عورت کے خاوند کو کیا اجر ملے گا جو کہتا ہے کہ میں نے حج کی اجازت عورت کو دی ہے۔ نماز روزہ تو ادا نہیں کرتا۔ (سائل ایک مسلمان)

جواب: تمام سوالات کا مجملاً جواب یہ ہے کہ عورت کو نامحرم کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں۔ بحکم حدیث۔ باقی رہا حج کا قبول ہونا یا نہ ہونا۔ اس کا علم خدا کو ہے جو نیات سے پورا واقف ہے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ جس عورت کے ساتھ جانے والا محرم نہ ملے اور خاوند نہ جا سکے تو اس کا حج ملتوی ہے۔ اللہ اعلم۔ (۱۳ جنوری ۱۹۳۶ء)

سوال: میں مسماۃ فاطمہ بنت...... سکنہ چنیوٹ بعمر تیس سال حج کا شوق رکھتی ہوں اور بڑی مشکلوں سے میں نے حج کے شوق میں روپیہ جمع کیا ہے۔ اب میرا کوئی محرم ایسا نہیں جو مستطیع ہو اور مجھے اپنے ساتھ حج کرائے اب اگر میں برادری کے کسی غیر محرم کے ساتھ حج کر لوں تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے اس سفر حج میں اور بھی مرد عورتیں شامل ہوں گی۔ لیکن ان سب کے ساتھ اپنے اپنے محرم ہوں گے صرف میرا ہی کوئی محرم نہ ہوگا۔ بینوا توجروا۔

جواب: ایسی عورت پر حج فرض نہیں ہے جس کے ساتھ سفر میں جانیوالا خاوند یا ذی محرم نہ ہو۔ استطاعت حج میں عورت کے لئے یہ بھی ایک شرط ہے حدیث شریف میں آیا ہے۔ لا تسافر امرأة الا مع ذی محرم فقام رجل فقال یا رسول اللہ ان امرأتی خرجت حاجۃ. فقال فانطلق. فحج مع امرأتک۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا کہ کوئی عورت ذی محرم (جس کے ساتھ نکاح حرام ہو) کے بغیر سفر نہ کرے (یہ سن کر) ایک شخص نے کہا کہ میری عورت سفر حج کے لئے گئی ہے آپ نے اس شخص کو غزوہ سے روک کر فرمایا تم اپنی عورت کے ساتھ جاؤ اور حج کرو۔ (مسلم) (۲۳ ستمبر ۳۸ء)

تشریح: اپنی ذات برادری کا قافلہ مرد و عورت کا ہو تو اس کے ساتھ جا سکتی ہے ممانعت کی جو علت یعنی خلوت اجنبیہ کی فرمائی ہے وہ قافلہ برادری میں مفقود ہے۔ لہٰذا میری رائے اس بارے میں تامل ہے۔ واللہ اعلم۔ (از مولانا عبداللطیف جوناگڑھی)

سوال [1]: قربانی یا عقیقہ کا گوشت سوائے مسلمان کے سب یعنی غیر اسلام ماننے والے یعنی کافر کو کھلا سکتا ہے یا نہیں۔ یا کچا دے سکتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب قرآن مجید سے یا حدیث شریف سے دیجئے۔ (عبداللطیف فاضل محمد)

جواب: سب کو کھلا سکتا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ یعنی مانگنے اور نہ مانگنے والے سب کو کھلاؤ۔ اس میں کوئی قید مومن غیر مومن کی نہیں ہے۔ (۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ)

سوال: قربانی جو میت کی طرف سے کی جائے اس کا گوشت اغنیاء و فقراء دونوں کھا سکتے ہیں یا صرف مساکین ہی کو دیا جائے۔ (نیاز مند عبدالحمید خلف ہدایت علی)

جواب: قربانی جو میت کی طرف سے ہو اسی طرح ہے جیسی زندہ کی طرف سے جس طرح اس کو سب کھا سکتے ہیں۔ اس کو بھی کھا سکتے ہیں هم سواء بسواء۔ (اہلحدیث ۱۰۔ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ)

تشریح: میرے نزدیک میت کی طرف سے جو قربانی کی جائے اس کا گوشت صاحب نصاب کو اور قربانی کرنیوالے کو کھانا درست ہے۔ نادرست ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اور اپنی آل کی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے تھے۔ اور آپ کی اُمت میں بعض لوگ مر بھی گئے تھے۔ لیکن یہ ہرگز ثابت نہیں کہ یہ گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کھایا اور کل گوشت یا بقدر حصہ اموات کے صدقہ کر دیا۔[1] حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک قربانی کرتے تھے لیکن حضرت علیؓ کا اس قربانی کے گوشت

---

[1] ارشاد نبوی بہت سی مصلحتوں اور دور اندیشی کی بنا پر بہر حال قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ (مرتب)

[1] مسائل قربانی۔

کو خود نہ کھانا اور کل گوشت کو صدقہ کر دینا ہرگز ثابت نہیں رہا۔ فتویٰ عبداللہ بن مبارک کا سو یہ ان کی رائے ہے۔ اور ان کی اس رائے پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں ہے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد ثالث صفحہ ۵۰ میں اس کی بحث تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ من شاء الاطلاع علیہ فلیراجع الیہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین	فتاوی نذیریہ جلد ۲۔ ص ۲۴۴

سوال: زید نے کہا قربانی حاجی پر فرض ہے۔ غیر حاجی مرضی کا مالک ہے کسی اور طریق سے خیرات کر سکتا ہے اول عشرۂ ذالحجہ میں نماز سے پہلے حجامت بھی بنوا سکتا ہے مکرر آنکہ مسائل قربانی میں سنا جاتا ہے کہ اگر غیر مستطیع بعد نماز حجامت بنوائے تو ہر بال کے بدلے ایک ایک قربانی کا ثواب ہے۔ مسئلہ فہم سے بالاتر ہے کیا یہ صحیح ہے۔

(قائم علی اور سیر پنٹنر لدھیانوی)

جواب: غیر حاجی کے حق میں بھی قربانی سنت ہے۔ یہ مضمون احادیث میں ہے (جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے) وغیرہ اور خود آنحضرت نے حالت حضر میں قربانی کی۔ باقی حجامت والا مسئلہ کتابی نہیں خیالی ہوگا۔ اللہ اعلم۔

(اہل حدیث۔ ۲۶۔ اگست ۱۹۳۲ء)

تعاقب: اہلحدیث مجریہ ۲۶۔ اگست ۱۹۳۲ء میں قربانی غیر مستطیع کے متعلق فرمایا ہے "حجامت والا مسئلہ کتابی نہیں خیالی ہوگا" غالباً سائل کی نظر اس حدیث پر ہے خیالی نہیں۔ عن عبداللہ بن عمرو قال رجل یا رسول اللہ ارایت ان لم اجد الا منیحۃ انثی افاضحی بھا قال لا ولکن خذ من شعرک واظفارک وتقص شاربک وتحلق عانتک فذلک تمام اضحیتک عند اللہ رواہ ابوداؤد والنسائی۔ یعنی عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میرے پاس سوائے اس بکری کے جو بٹائی کی میرے پاس ایک شخص کی ہے کچھ نہ ہو تو اسی کو قربانی کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں (کیونکہ وہ چیز غیر کی ہے تم اس کے مالک نہیں) ہاں اپنے سر کے بال کتروا لو (حجامت کرا لو) ناخن ترشوا لو مونچھیں ترشوا لو۔ زیر ناف مونڈ لو۔ بس یہی تمہارے لئے پوری قربانی کا ثواب اللہ کے نزدیک ہے۔

(اہل حدیث ۱۸۔ نومبر ۱۹۳۲ء) (حکیم عبدالرزاق از رنگون)

جواب: سوال کے الفاظ یہ ہیں "بعد نماز حجامت بنوائے تو ہر بال کے بدلے ایک ایک قربانی کا ثواب ہے" ہر بال والے مسئلہ کو خیالی بتلایا ہے نہ کہ اس روایت کو جو آپ نے نقل کی ہے۔ جزاک اللہ۔ (۱۸ نومبر ۱۹۳۲ء)

سوال: زید کہتا ہے کہ قربانی عید الاضحیٰ غیر حاجی پر نہ تو فرض واجب ہے اور نہ ترک میں گناہ۔ اور کرنا ثواب ہے۔ اگر چاہے تو بجائے ذبح جانور مناسب نقدی فقراء کو دے سکتے ہیں۔ بکر زید کے اس امر میں مخالف ہے۔ صحت پر کون ہے۔

(شیخ قاسم علی از بہاولپور)

جواب: قربانی کے عوض نقدی دینا قرآن و حدیث سے ثابت نہیں۔ العلم عند اللہ

(اہلحدیث ۸ مئی ۱۹۳۱ء)

سوال: احکام قربانی کے کیا کیا ہیں۔ تفصیلاً بیان فرماویں۔

جواب: اضحیۃ یعنی قربانی میں اختلاف ہے کہ واجب ہے یا سنت مؤکدہ مگر مذہب صحیح و محقق یہی ہے کہ سنت مؤکدہ ہے۔ اور یہی مذہب ہے جمہور کا۔ اور بخاری نے ایک باب سنیت کا اس کی منعقد کیا ہے اور یہی دلائل اس کی سنیت پر ہیں۔ بخوف تطویل اختصار کیا۔ واجب نہیں ہے کیونکہ وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور نہ کسی صحابہ سے وجوب منقول ہے اور حدیث جو ابن ماجہ میں ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص باوجود قدرت کے قربانی نہ کرے وہ ہمارے مصلےٰ میں نہ حاضر ہو۔ عن ابی هريرة ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا رواه ابن ماجة اول تو اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ اصوب یہی ہے کہ موقوف ہے۔ دوسرے اس سے وجوب نہیں نکلتا بلکہ تاکید نکلتی ہے جیسا کہ کچے پیاز وغیرہ کے کھانے میں فرمایا کہ مسجد میں کھا کر نہ آؤ حالانکہ بالاتفاق اس سے حرمت نہیں نکلتی اسی واسطے حضرت سے حلت ثابت ہے۔ کما لا یخفی علی من له فہم سلیم اور سنیت دلائل سے ثابت ہے جن کی تفصیل یہاں اختصاراً نہیں کی گئی۔ قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری وكانه ترجم بالسنة اشارة الى مخالفة من قال بوجوبها قال ابن حزم لا يصح عن احد من الصحابة انها واجبة وصح انها غير واجبة عن الجمهور وعن محمد بن الحسن هي سنة غير مرخصة

فی ترکہا وقال الطحاوی وبہ ناخذ ولیس فی الآثار مایدل علی وجوبہا انتہی
واقرب مایتمسک بہ للوجوب حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ رفعہ من وجد سعۃ فلم یضح
فلا یقربن مصلانا، خرجہ ابن ماجۃ واحمد ورجالہ ثقات لکن اختلف فی
رفعہ ووقفہ والموقوف اشبہ بالصواب قالہ الطحاوی وغیرہ ومع ذلک فلیس
صریحا فی الایجاب انتہی ملخصاً۔ اور اس کے لیے صاحب نصاب زکوٰۃ ہونا بھی شرط
نہیں بلکہ صرف استطاعت یعنی قدرت ہونی چاہیئے جیسا کہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مذکور میں ہے
کما لا یخفیٰ اور اقامت یعنی مسافر نہ ہونا بھی شرط نہیں ہے کیونکہ اس پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے
بلکہ دلیل سے اس کا خلاف ثابت ہے کہ بخاری نے مسافر کی قربانی کرنے کا ایک باب منعقد
کیا ہے اور اس میں حدیث لایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر مکہ میں قربانی کی۔
باب الاضحیۃ للمسافر والنساء فیہ اشارۃ الی خلاف من قال ان المسافر
لا اضحیۃ علیہ انتہی ما فی فتح الباری۔ اس سے صراحۃً مستفاد ہوتا ہے کہ اقامت
شرط نہیں ہے کما لا یخفیٰ۔ اور مذہب حنفی میں واجب ہے صاحب نصاب وزکوٰۃ پر
جیسا کہ صدقہ فطر میں بشرطیکہ اس کے کہ مسافر نہ ہو۔ الاضحیۃ واجبۃ علی کل مسلم مقیم
موسر فی یوم الاضحیٰ علی نفسہ وعن ولدہ الصغار والنساء لما روینا من
اشتراط السعۃ ومقدارہ مایجب بہ صدقۃ الفطر انتہی ما فی الہدایۃ
ملخصا بقدر الحاجۃ۔ اور جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ رکھے اس کو چاہیئے کہ جب سے
ذی الحجہ کا چاند دیکھے تب سے قربانی تک سر و ریش کا بال و ناخن وغیرہ نہ لے۔ عن ام سلمۃ
ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رأیتم ہلال ذی الحجۃ واراد
احدکم ان یضحی فلیمسک عن شعرہ واظفارہ رواہ الجماعۃ الا البخاری
کذا فی منتقی الاخبار۔ اور وقت اس کا بعد نماز کے ہے قبل نماز کے جائز نہیں
اور اگر کوئی قبل نماز کے کریگا تو صحیح نہ ہوگا۔ دوسرا کرنا ہوگا کیونکہ بخاری میں روایت ہے
کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھے پھر قربانی کرے اور
جس نے پہلے نماز کے قربانی کی اس کی قربانی صحیح نہیں ہوئی وہ اس کے کھانے کا گوشت
ہے دوسری قربانی کرے۔ عن البراء قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان
اول ما نبدأ فی یومنا ہذا ان نصلی ثم نرجع فننحر من فعلہ فقد اصاب

سنتنا ومن ذبح قبل فانما هو لحم قدمه لاهله ليس من النسك في شيء الحديث رواه البخاري - اور حنفی مذہب میں بھی یہی وقت ہے مگر دیہاتی لوگوں کے لئے وقت الاضحیة یدخل بطلوع الفجر من یوم النحر الا انه لا یجوز لاهل الامصار الذبح حتی یصلی الامام العید فاما اهل السواد فیذبحون بعد الفجر کذا فی الهدایة اور سن بکری کا ایک سال یعنی ایک سال پورا، اور دوسرا شروع اور گائے اور بھینس کا دو سال یعنی دو سال پورے اور تیسرا شروع اور اونٹ کا پانچ سال اور چھٹا شروع ہونا چاہئے۔ اور بھیڑ ایک سال سے کم کا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ خوب موٹا اور تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ سال سے کم کی قربانی نہ کرو اور ضرورت کے وقت بھیڑ کا جذعہ کر لو۔ عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یجوز الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان رواه الجماعة الا البخاری کذا فی منتقی الاخبار۔ سنہ ہر جانور میں سے ثنی کو کہتے ہیں اور ثنی کہتے ہیں بکری میں سے جو ایک سال کا ہو اور دوسرا شروع اور گاؤ بھینس میں جو دو سال کا ہو اور تیسرا شروع اور اونٹ کا جو پانچ سال کا ہو چھٹا شروع ہو۔ قوله الا مسنة قال العلماء المسنة هی الثنیة من کل شیء من الابل والبقر والغنم انتهی. ما فی نیل الاوطار والثنی من الشاة ما دخل فی السنة الثانیة کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب القاسم الحسین وهو المقدم علی الغزالی و القاضی ناصر الدین البیضاوی منتهی الارب میں ہے ثنی کغنی شتر در سال ششم درآمده انتهی والثنی منها ومن المعز ابن سنة ومن البقر ابن سنتین ومن الابل ابن خمس سنین ویدخل فی البقر الجاموس لانه من جنسه انتهی ما فی الهدایة - اور جذعہ بھیڑ میں سے اس کو کہتے ہیں جو سال سے کم ہو۔ الجذع من الضان ما تمت له ستة اشهر فی مذهب الفقهاء وذکر الزعفرانی رحمة اللہ علیه انه ابن سبعة اشهر انتهی ما فی الهدایة مگر بشرط مذکور قالوا هذا

ؐ دیہاتیوں کے استثناء کے لئے کوئی صحیح مرفوع حدیث بطور دلیل ہمیں نہیں ملی۔ (محمد داؤد راز)

اذا کانت عظیمہ بحیث لو خلط بالثنایا یشتبہ علی الناظر من بعید انتہی ما فی الھدایۃ اور شرط یہ ہے کہ جانور قربانی کا ستے عیوب سے خالی ہو۔ اول یہ کہ سینگ اس کا آدھا یا آدھے سے زیادہ نہ کٹا ہوا ہو۔ دوسرے اسی طرح کان نہ کٹا ہو۔ تیسرے کانا یا اندھا نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ ظاہراً لنگڑا نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ بہت بیمار نہ ہو۔ چھٹے یہ کہ اتنا بوڑھا نہ ہو کہ اس کی ہڈی کا گودا نہ باقی رہا ہو۔ ساتویں یہ کہ اس کا کان نہ پھٹا ہو۔ عن علی علیہ السلام قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یضحی باعضب القرن والاذن قال قتادۃ فذکرت لسعید بن المسیب فقال العضب النصف فاکثر من ذلک رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی ولکن ابن ماجۃ لم یذکر قول قتادۃ الی اخرہ وعن البراء بن عازب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع لا یجوز فی الاضاحی العوراء البین عورھا والمریضۃ البین مرضھا والعرجاء البین ضلعھا والکسیر التی لا تنقی رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی کذا فی منتقی الاخبار وعن علی رضی اللہ عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن وان لا نضحی بمقابلۃ ولا مدابرۃ ولا شرقاء ولا خرقاء رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی وابن ماجۃ وانتھت روایۃ الی قولہ والاذن کذا فی المشکوۃ اور حنفی مذہب میں بھی ان سب عیوب سے خالی ہونا چاہیے اور سوا ان کے دُم بھی اس کی نصف سے زیادہ نہ کٹی ہو مگر یہ کہ سینگ کٹے ہوئے ہوں یا کان پھٹا یہ حنفی مذہب میں عیب نہیں۔ اور کان آدھے سے زیادہ کٹا ہو تب عیب ہے ورنہ نہیں۔ ولا یضحی بالعمیاء والعوراء والعرجاء التی لا تمشی الی المنسک ولا العجفاء ولا تجزی مقطوعۃ الاذن والذنب ولا التی ذھب اکثر اذنھا وذنبھا وان بقی اکثر الاذن والذنب جاز ویجوز ان یضحی الجماء انتہی ما فی الھدایۃ اور یہ عیب جب معتبر ہیں کہ وقت خریدنے کے موجود ہوں اور جب وقت خریدنے کے جمیع عیوب مذکورہ سے مبرا تھا اور بہ نیت قربانی کے جمیع عیوب سے سالم خرید لیا تب کوئی نیا عیب حادث ہوا تو اس کی قربانی صحیح ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے وعن ابی سعید قال اشتریت کبشا اضحی بہ فعدی الذئب

فاخذ الالیۃ قال فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ضح بہ رواہ احمد وھو دلیل علی ان العیب الحادث بعد التعین لا یضر انتھی کذا فی المنتقی۔ اور حنفی مذہب یہی امیر تو دوسری بدل لے اور غریب کے لئے وہی صحیح اور کافی ہے۔ وھذا الذی ذکرنا اذا کانت ھذہ العیوب قائمۃ وقت الشراء ولو اشتراھا سلیمۃ ثم تعیب بعیب مانع ان کان غنیا علیہ غیرہ وان کان فقیرا تجزیہ ھذہ لان الوجوب علی الغنی بالشرع ابتداء لا بالشراء فلو تتعین بہ وعلی الفقیر بشرائہ بنیۃ الاضحیۃ فتعینت انتھی ما فی الھدایۃ اور خصی کی قربانی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی کی قربانی کی ہے۔ وعن عائشۃ رضی قالت ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین سمینین عظیمین املحین اقرنین موجوئین رواہ احمد انتھی ما فی منتقی الاخبار اور بہت سی حدیثیں اس مضمون کی آئی ہیں بخوف تطویل ایک ہی پر اکتفا کیا حنفی مذہب میں بھی ہے ویجوز ان یضحی بالجماء والخصی لان لحمھا اطیب وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ ضحی بکبشین املحین موجوئین انتھی ما فی الھدایۃ ملخصا بقدر الحاجۃ اور قربانی ہیں سے از روئے قرآن و حدیث کے خود کھائے اور فقیروں محتاجوں کو کھلائے کوئی تقید نہیں کہ کس قدر کھائے اور کس قدر فقیروں کو دے فرمایا اللہ تعالی نے کُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (ترجمہ) کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ بے سوال فقیر اور سوال کرنیوالوں کو اور حنفی مذہب میں مستحب ہے کہ تہائی فقیروں محتاجوں کو دے۔ یاکل من لحم الاضحیۃ ویطعم الاغنیاء والفقراء ویدخر ویستحب ان لا ینقص الصدقۃ عن الثلث انتھی ما فی الھدایۃ ملخصا اور قصاب کی اجرت قربانی ہیں نہ دے اپنے پاس سے علیحدہ دے۔ عن علی رض قال بعثنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقمت علی البدن فامرنی فقسمت لحومھا ثم امرنی فقسمت جلالھا وجلودھا وقال سفیان حدثنی عبد الکریم عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن علی رض قال امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی البدن ولا اعطی منھا شیئا فی جزارتھا رواہ البخاری۔

ترجمہ: حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا آپ نے بھیجا مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پس کھڑا ہوا میں قربانیوں پر پس حکم کیا مجھ کو۔ پس تقسیم کیا میں نے گوشت ان کا۔ پھر حکم کیا مجھ کو پس تقسیم کی میں نے جھولیں ان کی اور چمڑے ان کے اور کہا سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث سنائی مجھ کو عبدالکریم نے مجاہد سے اور اس نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا حضرت علی رضؓ نے حکم کیا مجھ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ کھڑا ہوں میں قربانیوں پر اور نہ دوں ان سے قصائی کی اجرت میں کچھ اور قربانی کے چمڑوں کو یا تو صدقہ کر دے جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے ظاہر ہے یا اس سے کوئی چیز استعمال کی مثل مشک، ڈول وغیرہ کے بنا لے بیچے نہیں جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے ظاہر ہے اور حنفی مذہب میں بھی یہی ہے ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منھا او یعمل منہ اٰلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال وغیرھا انتھی ما فی الھدایۃ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد عبیداللہ۔ مصنف تحفۃ الہند۔ حررہ العاجز المہین محمد یٰسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی[1]۔ محمد عبدالحمید عفرلہ۔

(اہر) سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ ص ۴۵۶)

سوال: ہدی اور اضحیہ میں کیا فرق ہے۔ ایک جانور میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟۔

جواب: ہدی اس قربانی کو کہتے ہیں جو کعبہ شریف میں پہنچائی جائے جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے ھَدْیًا بَالِغَ الْکَعْبَۃِ۔ اضحیہ قربانی کو کہتے ہیں چاہے کہیں کی جائے۔ بھیڑ بکری میں ایک گائے میں سات۔ اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں

(۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء)

تشریح: گائے میں سات آدمی اور اونٹ میں ۱۰ آدمی کے شریک ہونے کا حکم خاص ہدی میں ثابت ہے یا قربانی میں بھی ثابت ہے؟

الجواب: قربانی میں بھی ثابت ہے سبل السلام جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ میں ہے بیذب

[1] معہ مواہیر دیگر علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ۱۲

لبس احسن الثیاب والتطیب باجود الاطیاب فی یوم العید ویزید فی الاضحی اضحیۃ باسمن مایجد لما اخرجہ الحاکم من حدیث الحسن السبط قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العیدین ان نلبس اجود مانجد وان نتطیب باجود مانجد وان نضحی باسمن مانجد البقرۃ عن سبعۃ والجزور عن عشرۃ وان نظہر التکبیر والسکینۃ والوقار قال الحاکم بعد اخراجہ من طریق اسحاق بن بزرخ لولا جہالۃ اسحق ہذا لحکمت للحدیث بالصحۃ قلت ولیس بمجہول فقد ضعفہ الازدی ووثقہ ابن حبان ذکرہ فی التلخیص انتہی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری۔ (سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ ج ۲ ص ۴۴۱)

سوال: قربانی کا جانور کتنے برس کا ہونا چاہیے۔ گھر کی پالی ہوئی بکری ایک برس کی ہے اس کی قربانی جائز ہے؟

جواب: بکری ایک برس سے زیادہ کی ہو تو جائز ہے۔ دونوں دانت نکلے ہو تو بہتر ہے۔ (۲۸ جمادی الاخر ۱۳۶۵ھ)

شرفیہ۔ صرف بہتر ہی نہیں بلکہ لازم و واجب ہے لفظ ثنی سے لازم ثابت نہ کہ بہتر۔ یہ سخت غلطی ہے۔ دو دانت عموماً دو سال میں ہوتے ہیں اس سے کم میں بھی ممکن ہے مگر دو دانت ہونا بکری کے لیے واجب ہے جب بھیڑے کے لئے نہیں مگر وہ بھی بوقت عسر ہے نہ کہ بوقت یسر۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی)

سوال: ایک بکری یا خصی گیارہ مہینے یا کم و بیش کا ہے مگر فربہ اور تازہ ہے یہ قربانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: احادیث میں مُسنّہ کا لفظ آیا ہے جس کے دو دانت نکلے ہوں بس اس شرط کو دیکھ لیا جائے عمر میں چند روز کی کمی ہو یا بیشی اس کی پروا نہیں۔ (۱۵ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ)

سوال: بھینس کی حلت کی قرآن و حدیث سے کیا دلیل ہے اور اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ قربانی جائز ہو تو استدلال کیا ہے؟ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اجازت فرمائی یا عمل صحابہؓ ہے۔ (محمود علی خریدار اہلحدیث)

جواب: جہاں حرام چیزوں کی فہرست دی ہے وہاں یہ الفاظ مرقوم ہیں۔

لَاۤ اَجِدُ فِیْمَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا ـ

ان چیزوں کے سوا جس چیز کی حرمت ثابت نہ ہو وہ حلال ہے۔ بھینس ان میں نہیں اس کے علاوہ عرب لوگ بھینس کو بقرہ (گائے) میں داخل سمجھتے ہیں۔ (۱۱ مئی ۳۳ء)

تشریح: حجاز میں بھینس کا وجود ہی نہ تھا پس اس کی قربانی نہ سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی ہے نہ تعامل صحابہؓ سے ہاں اگر اس کو جنس بقر سے مانا جائے جیسا کہ حنفیہ کا قیاس ہے (کما فی الہدایہ) یا عموم بہیمۃ الانعام پر نظر ڈالی جائے تو حکم جواز قربانی کے لئے یہ علت کافی ہے (ملخص) واللہ اعلم ازمولانا ابوالعلا نظر احمد صاحب سہسوانی۔

(اخبار اہلحدیث صـ ۱۱ دہلی یکم اکتوبر ۱۵ ستمبر ۱۹۵۲ء)

بحمد اللہ حج و قربانی کے مسائل ختم ہوئے والحمد للہ اولاً و آخراً (محمد داؤد راز ۵ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ)

بحمد اللہ جلد اول ختم شد

تفسیر ثنائی

شیخ الاسلام مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری

کامل مجلد در سہ جلد ... ... قیمت -/۷۵

تفسیر واضح البیان
یعنی سورۃ فاتحہ } مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

قیمت -۵۰/۱۶

ادارہ "ترجمان السنہ"

لاہور